

تفسیر قرطبی

www.KitaboSunnat.com

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ قرآن

ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

زیر اہتمام:

ادارہ ضیاء المصنفین بصرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ۰ پاکستان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربنہ
محدث لائبریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

الجامع لاحكام القرآن

مترجم

محمد طحطاحي

امام ابو عبد الله محمد بن احمد بن ابو بكر قرطبي

ترجمہ و تفسیر

لاہور - کراچی - پاکستان

الجامع لاحكام القرآن

معروف بہ

تفسیر قرطبی

جلد ششم

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

متن قرآن کا ترجمہ: جنس حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

مولانا ملک محمد بوستان مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی

مولانا محمد انور مگھالوی مولانا شوکت علی حسینی

زیورہ مقام:

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ۰ پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	تفسیر قرطبی معروف بہ الجامع لاحکام القرآن (جلد ششم)
مفسر	امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
متن قرآن کا ترجمہ	حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری <small>رحمۃ اللہ علیہ</small>
مترجمین	مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی مولانا محمد انور مگھالوی، مولانا شوکت علی چشتی
زیر اہتمام	من علماء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	اکتوبر 2012ء، بار اول
کمپیوٹر کوڈ	QT54

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 37221953 فیکس: 042-37238010

9۔ انکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 37247350 فیکس 042-37225085

14۔ انفال سٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-32212011-32630411 فیکس: 021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

- 3 مَا أَشْهَدُ تَهُمْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلَقَ أَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذًا
6 وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ
10 وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ لَا آتِيكُمْ بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ۝ آیت 60
10 اس میں چار مسائل ہیں
13 فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ آیت 61-65
18 قَالَ لَهُ مُوسَى هَلْ أَتَعْبَكَ عَلَى أَنْ تَعْلِمَ مِنِّي مِمَّا عُلِّمْتُ مُرْشِدًا ۝ آیت 66-70
19 فَأَنْطَلَقَا ۝ حَتَّى إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا ۝ قَالَ أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا ۝ آیت 71-73
21 فَأَنْطَلَقَا ۝ حَتَّى إِذَا لَقِيَ آلَهُ لَمَّا وَقَفْتَهُ قَالَ أَقَتَلْتَ نَفْسًا كَرِيمًا ۝ آیت 74-76
24 فَأَنْطَلَقَا ۝ حَتَّى إِذَا آتَىٰ أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّقُوا لَهُمْ فَوْجًا ۝ آیت 77-78
25 اس میں تیرہ مسائل ہیں
34 أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسْكِينٍ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُ
39 بِأَنْحُ مَسَائِلَ كَذَا
44 وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ ذِي الْقُرْنَيْنِ ۝ قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا ۝ آیت 83-91
53 ثُمَّ اتَّبَعَهُ سَبْعًا ۝ حَتَّى إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَا يَكَادُونَ ۝ آیت 92-98
62 وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَعَلْنَاهُمْ جُجًا ۝ آیت 99-110
71 **سورة مريم**
71 كَهَيْئَةِ ۝ ذِكْرًا رَحِمْتَ رَبِّكَ عَبْدًا زَكِيًّا ۝ إِذْ نَادَى رَبَّهُ نِدًا خَفِيًّا ۝ آیت 1-15
73 آیات کے ضمن میں مختلف مباحث
86 وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ ۝ إِذِ انْتَبَهَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ ۝ آیت 16-26
95 فَاتَّبَعَهَا قَوْمًا تَحْمِلُهَا ۝ قَالُوا لِمَرْيَمَ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝ يَا حَتُّ هُرُونَ ۝ آیت 27-28
97 فَاسَارَتْ إِلَيْهِ ۝ قَالُوا كَيْفَ نَكَلِمُكَ مَنْ كَانَ فِي الْأَهْلِ صَبِيًّا ۝ قَالَ إِنِّي ۝ آیت 29-33
101 ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۝ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ ۝ آیت 34-40
105 وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۝ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ ۝ آیت 41-50
109 وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مُوسَى ۝ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ۝ وَنَادَيْنَاهُ ۝ آیت 51-55

- 112 وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِدْرَيسَ اِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۝ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ آیت 56 تا 57
- 115 اُولَئِكَ الَّذِينَ اَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَةِ اٰدَمَ ۙ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَمْعُتُوهُمْ آیت 58
- 116 فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ آیت 59 تا 63
- 117 اہم چار مسائل
- 123 وَمَا نُنزِّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۗ لَهُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۗ آیت 64-65
- 125 وَيَقُولُ الْاِنْسَانُ اِذَا مَا مِثُّ لَسُوْفٍ اُخْرِجْ حَيًّا ۝ اَوْ لَا يَذُكُرُ الْاِنْسَانَ اَنَّا آیت 66 تا 72
- 135 وَاِذَا تَلَّيْ عَلَيْهِمُ الْاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَمْۤى آیت 73 تا 75
- 138 وَيَزِيْدُ اللهُ الَّذِيْنَ اٰهْتَدَوْا هُدًى ۙ وَالْبَلٰغِيْنَ الصّٰلِحِيْنَ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا آیت 76
- 138 اَفَرَأَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَا اُوْتِيْنِ مَالًا وَّلَدًا ۙ اَظَلَمَ الْعٰبِدُ آیت 77 تا 80
- 141 وَاَتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللهِ اِلٰهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عَزًا ۙ كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ آیت 81-82
- 142 اَلَمْ تَرَ اَنَّا اَرْسَلْنَا الشَّيْطٰنِيْنَ عَلٰى الْكٰفِرِيْنَ تَتُوْثَرُهُمْ اَثْرًا ۙ فَلَا تَعْجَلْ آیت 83 تا 87
- 147 وَقَالُوْا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۙ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِذَا ۙ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ آیت 88 تا 95
- 152 اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُزْرًا ۙ آیت 96
- 153 فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلسٰنِكَ لِتُبَشِّرَ بِهٖ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنذِرَ بِهٖ قَوْمًا لَّدَا ۙ آیت 97
- 154 وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ ۙ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْوًا ۙ آیت 98
- 155 سورة طه
- 156 طه ۙ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى ۙ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۙ آیت 1 تا 8
- 161 وَهَلْ اَشْكٰ حٰدِيْثُ مُوسٰى ۙ اِذْ رَاْنَا رَافِقًا قَالِ لِاٰهْلِهَا اٰمِكُوْا اِنِّيْ اَنْتُ آیت 9 تا 16
- 175 وَمَا تَلٰكُ بِبَيِّنٰتٍ يُوسٰى ۙ قَالَ هِيَ عَصٰى ۙ اَتَوَكَّلُوْا عَلَيْهَا وَاَهْشٰ بِهَا عٰلِ آیت 17 تا 18
- 179 قَالَ اَلْقَهَا يُّوسٰى ۙ فَاَلْقَهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ۙ قَالَ خُذْهَا وَاَلَا تَخْض آیت 19 تا 23
- 181 اِذْ هَبَّ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰى ۙ قَالَ رَبِّ اَسْرِ عٰلِى صَدْرِى ۙ آیت 24 تا 35
- 184 قَالَ قَدْ اُوْتِيْتِ سُوْلُكَ يُّوسٰى ۙ وَلَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اٰخَرٰى ۙ آیت 36 تا 42
- 189 اِذْ هَبَّا اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰى ۙ فَقُوْلَا لَهُ قُوْلَا لِيْنَا لَعَلَّهٗ يَسْزٰ كُر آیت 43-44
- 191 قَالَا رَبَّنَا اِنَّا نَخَافُ اَنْ يُفْرِطَ عَلَيْنَا اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۙ آیت 45
- 191 قَالَ لَا تَخَافَا اِنِّىْ مَعَكُمْ اَسْمَعُ وَاَرٰى ۙ آیت 46
- 192 فَاْتِيْهٖ فَقُوْلَا اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْ اِسْرٰءِيْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ آیت 47 تا 50

- 194 قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَى ۝ قَالَ عَلِمَهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ آیت 51-52
- 198 الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ مَهْدًا وَاسْلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً آیت 53-55
- 200 وَلَقَدْ أَرَيْنَاهُ آيَاتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَأَبَى ۝ قَالَ أَجْتِنَا لِنَخْرَجَنَّا مِنْ أَرْضِنَا آیت 56-61
- 204 فَتَنَّا زُجْرًا وَأَمْرُهُمْ بَيْنَهُمْ وَآسْرُ النَّجْوَى ۝ قَالُوا إِنْ هَذَا مِنْ لَسْعَانِ لَسْعَرٍ آیت 62-64
- 208 قَالُوا يَهُوسَى إِمَّا أَنْ تَتْلِيَ وَإِمَّا أَنْ تُكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقَى ۝ قَالَ بَلْ أَلْقَوْنَا آیت 65-71
- 212 قَالُوا لَنْ نُؤْثِرَكَ عَلَى مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيْتِ وَالَّذِي قَطَرْنَا فَاقْضِ مَا أَنْتَ آیت 72-75
- 214 وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاصْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ آیت 77-79
- 216 لِيُبْنِيَ إِسْرَاءِيلَ قَدْ أَنْجَيْنَاكَ مِنْ عَدُوِّكَ وَوَعَدْنَاكَ جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنِ آیت 80-82
- 218 وَمَا أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يَهُوسَى ۝ قَالَ هُمْ أَوْلَاءٌ عَلَى أَثَرِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ آیت 83-89
- 223 وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلِ يَاقُومَ إِنَّمَا قُتِلْتُمْ بِهِ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحِيمُ آیت 90-93
- 225 قَالَ يَبْنَؤُمْ وَلَا تَأْخُذْ بِحَبِيبِي وَلَا بِرَأْسِي إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ آیت 94-98
- 229 كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ۝ آیت 99-104
- 231 وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ آیت 105-110
- 234 وَعَنْتِ الْأَوْجُوهُ لِلرُّجُومِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ آیت 111-112
- 235 وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ آیت 113-114
- 236 وَلَقَدْ عَاهَدْنَا إِلَى آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَسَيِّءٍ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۝ آیت 115
- 238 وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى ۝ فَقُلْنَا يَا آدَمُ آیت 116-119
- 240 فَوَسَّوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَا يَبُؤُ ۝ آیت 120-122
- 243 قَالَ اهْبِطْ مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۝ فَمَا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ آیت 123-127
- 245 أَقَلَّمْ يَهْدِي لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ يَسْتُونَ فِي مَسْكِينَهُمْ ۝ إِنْ فِي ذَلِكَ آیت 128-130
- 246 وَلَا تَسْتَدِنَنَّ عَيْنِيكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَاهُ أَزْوَاجًا ثُمَّ هَمَزَهُمُ زُخْرًا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا آیت 131-132
- 249 وَقَالُوا لَوْلَا يَا تَبَّتْ آيَاتُهُ مِنْ رَبِّهِ ۝ أَوْلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةٌ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَى ۝ آیت 133-135
- 252
- 252 سورة الانبياء
- 252 ائْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُعْرِضُونَ ۝ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرِ آیت 1-3
- 255 قُلْ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۝ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ بَلْ قَالُوا آیت 4-6
- 256 وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحَىٰ إِلَيْهِمْ فَسَلُّوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ آیت 7-10

- 258 وَ كَمْ قَصْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿١١﴾ آیت 11 تا 15
- 260 وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعِبْرِينَ ﴿١٦﴾ لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهَوًا آیت 16 تا 18
- 262 وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا آیت 19 تا 21
- 263 لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا آیت 22 تا 24
- 265 وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ ﴿٢٦﴾ لَا يَسْبِقُونَهُ آیت 26 تا 29
- 266 أَوْلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا آیت 30 تا 33
- 270 وَمَا جَعَلْنَا الْبَشَرَ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخُلْدُونَ ﴿٣٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ آیت 34-35
- 271 وَإِذَا رَأَوْكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِذَا يَتَّخِذُونَكَ إِلهًا هَؤُلَاءِ أَلْهَدَ الَّذِينَ يَدُّ كُرًا آیت 36 تا 40
- 274 وَلَقَدْ اسْتَهْزَى بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا آیت 41
- 274 قُلْ مَنْ يَكْفُرْ كُفْرًا بِالنَّبِيِّ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَنِ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ آیت 42 تا 44
- 275 قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصَّمْعُ الدُّعَاءَ إِذَا مَا يُنذَرُونَ ﴿٤٥﴾ آیت 45-46
- 276 وَتَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ آیت 47
- 278 وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٨﴾ آیت 48 تا 56
- 280 وَتَاللَّهِ لَا كَيْدَ لَنَا أَصْنَامَكُم بَعْدَ أَنْ تُوَلُّوا مُدْبِرِينَ ﴿٥٧﴾ فَجَعَلَهُمْ جُدُودًا إِلَّا آیت 57-58
- 281 قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَذَا بِآلِهَتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٩﴾ قَالُوا سِبْغَاتِي آیت 59 تا 61
- 282 قَالُوا أَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِآلِهَتِنَا يَا بُرْهِيمُ ﴿٦٢﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ آیت 62-63
- 285 فَرَجَعُوا إِلَى أَنفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٦٤﴾ لَمْ تَكْسُوا عَلَى رُءُوسِهِمْ آیت 64 تا 67
- 285 قَالُوا احْرَقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَعِلِينَ ﴿٦٨﴾ قُلْنَا إِنَّا لَمُؤْتِي بَرْدًا آیت 68-69
- 287 وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْآخِرِينَ ﴿٧٠﴾ وَنَجَّيْنَاهُ وَلَوْ طَالَ إِلَى الْأَرْضِ آیت 70 تا 73
- 289 وَلَوْ طَالَ تَبِيبُهُ حُلْمًا وَعِلْمًا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبِيثَ آیت 74-75
- 289 وَنُوحًا إِذْ نَادَى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٧٦﴾ آیت 76 تا 79
- 290 ان آیات کے ضمن میں چھبیس مسائل ہیں
- 302 وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّنْ بِأْسِكُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ ﴿٨٠﴾ آیت 80
- 304 وَاسْلُكُنَ الرَّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا آیت 81-82
- 305 وَآيُوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَلَيْسَ لِي مَسْنَى الطُّرُقِ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ﴿٨٣﴾ فَاسْتَجَبْنَا آیت 83-84
- 309 وَاسْمُوعِيلَ إِذْ رَأَى وَذَالَ كِفْلٍ كُلٌّ مِنَ الصَّابِرِينَ ﴿٨٥﴾ وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي آیت 85-86

- 311 وَذَٰلِئِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ مُعَاذًا مَّخْفًا أَنْ لَنْ يُقْبَلَ عَلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ آیت 87-88
- 317 وَذَكَرْنَا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿١٠٠﴾ آیت 89-90
- 319 وَالَّتِي أَحْصَيْتُ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ﴿١٠١﴾ آیت 91
- 320 إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ﴿١٠٢﴾ وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ آیت 92-97
- 324 إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَرَدُونَ ﴿١٠٣﴾ آیت 98-100
- 326 إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿١٠٤﴾ لَا يَسْمَعُونَ آیت 101-103
- 327 يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجْلِ لِلْكِتَابِ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ آیت 104
- 329 وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّ الْأَرْضَ لِرِثْمِهَا عِبَادِيَ آیت 105-106
- 330 وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٧﴾ قُلْ إِنَّمَا يُدْعَىٰ إِلَى اللَّهِ كَيْفَ حَسِبْتُمْ أَن تَكْفُرُ بِهِ آیت 107-109
- 331 إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ﴿١٠٨﴾ وَإِنْ أَدْرَىٰ لَعَلَّهُ فِتْنَةً آیت 110-112
- 333 سورة الحج
- 333 يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ ۖ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ﴿١﴾ آیت 1
- 335 يَوْمَ تَرُودُنَّهَا تِرْدَاهُمْ كُلُّ مَرْصُوعٍ عَمَّا آرَضَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا آیت 2
- 336 وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ ﴿٢﴾ كُتِبَ آیت 3-4
- 337 يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ آیت 5
- 337 12، ہم مسائل
- 344 ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُخَيِّمُ الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٦﴾ وَأَنَّ آیت 6-7
- 345 وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿٧﴾ ثَانِي آیت 8-10
- 346 وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ۖ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۖ وَإِنْ آیت 11
- 348 يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ﴿٨﴾ آیت 12
- 348 يَدْعُوا لِمَنْ صَرَفَهُمْ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِمْ ۚ لَيْسَ الْمَوْلَىٰ وَلَيْسَ الْعَشِيرُ ﴿٩﴾ آیت 13
- 350 إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ آیت 14
- 350 مَن كَانَ يَظُنُّ أَن لَّنْ يَنصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ آیت 15
- 351 وَكَذَٰلِكَ أَنْزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۖ وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يُرِيدُ ﴿١٠﴾ آیت 16
- 351 إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِقِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ آیت 17
- 352 أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ آیت 18

- 353 ہُنَّ حَٰصِنٌ اٰخْتَصَمُوۡا فِی رَاۡیِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا قَطَّعْتَ لَہُمۡ شِیۡاۡبَ مِّنۡ نَّارِہٖ ؕ آیت 19-21
- 356 کُلَّمَا اَرَادُوۡۤا اَنْ یَّخْرُجُوۡا مِنْہَا مِنْ عَمٍّ اَعۡیۡدُوۡا فِیہَا وَذُوقُوۡا عَذَابَ الْحَرِیۡقِ ﴿۲۲﴾ آیت 22
- 357 اِنَّ اللّٰهَ یُدۡخِلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنَّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنْ تَحۡتِہَا آیت 23
- 359 وَہُدُوۡا اِلَی الطَّیِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۗ وَہُدُوۡا اِلَی صِرَاطِ الْحَمِیۡدِ ﴿۲۴﴾ آیت 24
- 359 اِنَّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَیَصُدُّوۡنَ عَنِ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیۡ جَعَلنَا لِلنَّاسِ آیت 25
- 359 سات مسائل
- 364 وَ اِذۡ بَوَّۤاۤنَا لِیۡرَہِیۡمَ مَکَانَ الْبَیۡتِ اَنْ لَا تُشۡرِکَ بِیۡ شَیۡۤا ؕ وَطَہَّرَ بَیۡتِیۡ لِطَآءِ بِرِہِیۡنَ آیت 26
- 364 دو مسائل
- 365 وَ اٰذِنۡ فِی النَّاسِ بِاِحۡجَابِ یَاتُوۡکَ رِجَالًا وَّ عَلٰی کُلِّ صَامِرٍ یَّاتِیۡنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ ﴿۲۷﴾ آیت 27
- 365 سات اہم مسائل
- 368 لَیۡشَہَدُوۡۤا مَنَافِعَ لَہُمْ وَ یَدُّ کُرُوۡا السَّمۡ اللّٰہِ فِی اَیَّامِ مَعۡلُوۡمَتٍ عَلٰی مَا رَزَقَہُمۡ مِنْ آیت 28-29
- 368 ان آیات کے ضمن میں تیس اہم مسائل ہیں
- 379 ذٰلِکَ ؕ وَ مَنۡ یُّعَظِّمۡ حُرۡمَتِ اللّٰهِ فَہُوَ حَیۡرٌ لَّہٗ عِنۡدَ رَبِّہٖ ؕ وَ اَحَلَّتۡ لَکُمُ الْاُنۡعَامَ آیت 30-31
- 379 آٹھ مسائل
- 381 ذٰلِکَ ؕ وَ مَنۡ یُّعَظِّمۡ شَآءَہٗ بِرَ اللّٰهِ فَاِنَّہَا مِنْ تَقْوٰی الْقُلُوۡبِ ﴿۳۲﴾ لَکُمۡ فِیہَا مَنَا آیت 32-33
- 381 ان آیات کے ضمن میں سات مسائل ہیں
- 383 وَ لَکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلۡنَا مَنۡسَکًا لِّیۡدُ کُرُوۡا السَّمۡ اللّٰہِ عَلٰی مَا رَزَقَہُمۡ مِنْ بَہِیۡمَۃٍ اِلَّا نَعَامٌ ؕ آیت 34
- 384 الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَ جِلَّتۡ قُلُوۡبُہُمۡ وَالصّٰدِقِیۡنَ عَلٰی مَا اَصَابَہُمۡ وَ الْمُتَّقِیۡنَ الصّٰلِحِیۡنَ آیت 35
- 384 دو مسائل
- 385 وَ الْہٰدِنَ جَعَلۡنَا لَکُمۡ مِنْ شَآءِہٖ بِرَ اللّٰہِ لَکُمۡ فِیہَا حَیۡرٌ ؕ فَاذۡ کُرُوۡا السَّمۡ اللّٰہِ عَلَیہَا صَوَآفٌ آیت 36
- 386 دس اہم مسائل
- 390 لَنۡ یَّنَالَ اللّٰہُ لِحُوۡمُہَا وَلَا دِمَآءُہَا وَلَا کُنۡ یَّنَالُہُ الشَّقَآءُ مِنْکُمْ ؕ کَذٰلِکَ سَخَّرَ لَکُمۡ آیت 37
- 390 پانچ مسائل
- 391 اِنَّ اللّٰہَ یُدۡفِعُ عَنِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۗ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوۡرٍ ﴿۳۸﴾ آیت 38
- 392 اُوۡنِیۡ لِّلَّذِیۡنَ یُقۡتُلُوۡنَ بِاَنۡہُمۡ ظَلَمُوۡۤا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرٌ ﴿۳۹﴾ آیت 39
- 392 دو مسائل

- 393 الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ... آیت 40
- 393 آٹھ مسائل
- 396 الَّذِينَ إِنْ مَكَثْتُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ... آیت 41
- 397 وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَشُعُوبٌ ۝ وَقَوْمٌ... آیت 42 تا 44
- 397 فَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فِيهَا خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا وَبِئْسَ مَعْظَلَةٌ وَقَصْرٌ مَشِيدٌ ۝ آیت 45
- 400 أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوَّاذًا يَسْمَعُونَ بِهَا... آیت 46
- 401 وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنْ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ... آیت 47
- 401 وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَمَلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ لَمْ أَخَذْهَا وَإِلَى الْمَصِيرِ ۝ آیت 48
- 403 قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝ قَالَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ... آیت 49 تا 51
- 402 وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ... آیت 52
- 403 تین مسائل
- 408 لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ... آیت 53
- 409 وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ... آیت 54
- 409 وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِمَّنْهُ حَتَّى تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ... آیت 55
- 410 الْمَلِكُ يَوْمَ مِيزَانِهِ يَخْلُمُ بَيْنَهُمْ... آیت 56-57
- 410 وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ جُنُودٌ أَوْ مَتَاعٌ أَلَيْسَ اللَّهُ بِذُو فَضْلٍ غَافِلِينَ... آیت 58-59
- 412 ذَلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِبُيُوتٍ مَعُوقِبٍ فِيهَا يَوْمٌ نَبِيٌّ لَمَّا كَرِهَ اللَّهُ لِعُنُوتِ الْكُفْرَانِ... آیت 60
- 412 ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يُولِي الْجِبَالَ فِي النَّهَارِ وَيُولِيهَا فِي اللَّيْلِ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝ آیت 61
- 413 ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنْ مَا يُدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ۝ آیت 62
- 413 أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً ۚ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ۝ آیت 63
- 414 لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝ آیت 64
- 414 أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۚ وَيُسَبِّحُ... آیت 65
- 415 وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ لَمَّا يُمِيتُكُمْ لَمَّا يُحْيِيكُمْ ۚ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ۝ آیت 66
- 415 لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا مِمَّا نَسَكُوا فَلَا يُبَازِعُكَ فِي الْأَمْرِ وَأَذْعُرُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۚ إِنَّكَ لَعَلٌّ... آیت 67
- 416 وَإِنْ جَدَلُوكَ فَقُلْ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ اللَّهُ يَخْلُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ... آیت 68-69
- 416 ایک مسئلہ

- 416 اَلَمْ تَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ اِنَّ ذٰلِكَ فِي كِتٰبٍ ۙ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَىٰ ۙ آیت 70
- 417 وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطٰنًا وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ ۗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ ۙ آیت 71
- 417 وَاِذَا تَنَسَّلْنَا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاللّٰكِمِ ۙ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ ۙ آیت 72
- 418 يَآٰيَهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاَسْتَمِعُوْا ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَخْلُقُوْا ۙ آیت 73
- 419 مَا قَدَرُوْا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۙ آیت 74
- 419 اللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ۙ آیت 75-76
- 420 يَآٰيَهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِرْكَعُوْا وَاَسْجُدُوْا وَاَعْبُدُوْا وَاَرۡبَابِكُمْ وَاَفْعَلُوْا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۙ آیت 77
- 420 وَجَاهِدُوْا فِيْ اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۗ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۙ آیت 78
- 421 تین اہم مسائل

سورة المومنون

- 423 قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ النَّغْوِ ۙ آیت 1-11
- 423 نواہم مسائل
- 429 وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِنْ طِيْنٍ ۙ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۙ آیت 12-14
- 429 پانچ اہم مسائل
- 431 ثُمَّ اِنَّا كُنَّا بِكُمْ نٰظِرِيْنَ ۙ ثُمَّ اِنَّا كُنَّا بِكُمْ نٰظِرِيْنَ ۙ وَ لَقَدْ خَلَقْنَا ۙ آیت 15-16
- 431 وَ لَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرٰٓقٍ ۙ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۙ آیت 17
- 432 وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاوٰتِ مَآءًۭا يَّقْدِرُ بِهَا فَاَسْكَنٰهُ فِي الْاَرْضِ ۙ وَاِنَّا عَلٰى ذٰلِكَ لَقٰدِرُوْنَ ۙ آیت 18
- 432 چار مسائل
- 433 فَاَنۡزَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنۢ مِّنۢ مَّجۡلٍ وَاَعۡنَابٍ ۙ لَّكُمْ فِيْهَا فَاوَاكِبٌ ۙ كَثِيْرَةٌ ۙ وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ ۙ آیت 19
- 433 دو مسائل
- 434 وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوۡرِ سَيْنَاۗءَ تَنْۢثُرُ بِالذُّهْنِ وَصِبۡغٍ لِّلْاَكِلِيْنَ ۙ آیت 20
- 434 چھ اہم مسائل
- 437 وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۙ نُّسْقِيْكُمْ مِمَّا فِي بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعٌ ۙ كَثِيْرَةٌ ۙ آیت 21-27
- 439 فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلٰى الْفُلِكِ فَقُلِ الْغَدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجِّنَا مِنْ ۙ آیت 28
- 439 وَقُلْ رَبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنۡزَلًا مُّبٰرَكًا وَاَنْتَ خَيْرُ الْمُنۡزِلِيْنَ ۙ آیت 29
- 439 اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَاِنْ كُنَّا لَمُبۡتَلِيْنَ ۙ آیت 30

- 440 ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿۳۱﴾ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ... آیت 31، 32
- 440 وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالْآخِرَةَ وَأَشْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ... آیت 33، 35
- 441 فَيَمَاتَ فِيهَا لَمَّا تُوَعِدُونَ ﴿۳۶﴾ آیت 36
- 442 إِنَّ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِبَعْعُو شَيْئًا ﴿۳۷﴾ آیت 37
- 443 إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي... آیت 38، 41
- 443 ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿۳۹﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿۴۰﴾... آیت 42، 44
- 444 ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُبِينٍ ﴿۴۱﴾ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ... آیت 45، 48
- 445 وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۴۲﴾ آیت 49
- 445 وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّةً آيَةً وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهَا أَنْ تَقْرَأِي وَآمُرِي وَمَنْعِي ﴿۴۳﴾ آیت 50
- 446 يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۴۴﴾ آیت 51
- 446 دو مسائل
- 447 وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ﴿۴۵﴾ فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ... آیت 52، 54
- 447 چار مسائل
- 449 أَيْحَسِبُونَ أَنَّمَا نُطَبِّئُهُمْ بِهِنَّ مِنَ الْمَالِ وَبَنِينِ ﴿۴۶﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ... آیت 55-56
- 449 إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ﴿۴۷﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۴۸﴾... آیت 57، 60
- 451 أُولَٰئِكَ يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا شَاقِقُونَ ﴿۴۹﴾ آیت 61
- 451 وَلَا تُكَلِّفْ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۵۰﴾ آیت 62
- 452 بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِنْ هَذَا وَهُمْ أَغْمَالٌ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَهُمْ لَهَا غٰمِلُونَ ﴿۵۱﴾ آیت 63، 65
- 453 قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُثَلَّىٰ عَلَيْكُمْ فَلَمَّنْتُمْ عَلَىٰ آعْقَابِكُمْ تُكٰفِرُونَ ﴿۵۲﴾ مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ... آیت 66-67
- 454 چار اہم مسائل
- 456 أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمْ الْأَوَّلِينَ ﴿۵۳﴾ آیت 68
- 457 أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿۵۴﴾ آیت 69
- 457 أَمْ يَقُولُونَ بِهِمْ جِنَّةٌ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُم لِلْحَقِّ كِرٰهُونَ ﴿۵۵﴾ آیت 70
- 457 وَلَوْ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ بَلْ أَتَيْنَاهُمْ... آیت 71
- 458 أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا وَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۵۶﴾ آیت 72
- 459 وَإِنَّكَ لَتَدْعُهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۵۷﴾ وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ... آیت 73-74
- 459 وَلَوْ رَضُوا غَنَاهُمْ وَكُفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ ضُرٍّ لَلَجُوا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۵۸﴾ آیت 75

- 459 وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ لُوطِ وَإِسْرَائِيلَ وَمَا يَتَذَكَّرُونَ ۝ آیت 76
- 460 حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذْ هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ۝ آیت 77
- 460 وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝ آیت 78
- 461 وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ آیت 79
- 461 وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ آیت 80-89
- 463 بَلْ أَتَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ ۚ آیت 90-92
- 463 قُلْ رَبِّ إِنَّمَا تَرَّبَيْتَنِي مَآيُودًا وَعَدُوًّا ۝ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ آیت 93-94
- 464 وَإِنَّا عَلَىٰ أَنْ نُثْرِكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَدِيرُونَ ۝ آیت 95
- 464 إِذْ فَعَّمْنَا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّبِيَّةِ ۚ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ۝ آیت 96
- 464 وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ ۝ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ ۝ آیت 97-98
- 464 دو مسائل ہیں
- 465 حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ۝ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا ۚ آیت 99-100
- 467 فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ۝ آیت 101
- 468 فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ ۚ آیت 102-103
- 468 تَتَفَحُّمُ جُوهَهُمُ النَّارَ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ۝ أَلَمْ تَكُنْ أَيْتِي تَسْتَلِي عَلَيَّكُمْ فَاكْتُمْتُمْ بِهَا ۚ آیت 104-105
- 469 قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ۝ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا ۚ آیت 106-108
- 470 إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ ۚ آیت 109-111
- 471 قُلْ كَمْ لَيْسْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ۝ قَالُوا الْبَيْتَآئِمُ مَا أَوْ بَعْضُ يَوْمٍ فَعَسَىٰ ۚ آیت 112-114
- 472 أَفَصَبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنْتُمْ آلِنَا لَا تُرْجِعُونَ ۝ آیت 115
- 472 فَتَعَلَىٰ اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ۝ آیت 116
- 473 وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ ۚ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۚ آیت 117-118
- 474 سورة النور
- 474 سُورَةٌ أَنْزَلْنَاهَا وَفَرَضْنَاهَا وَأَنْزَلْنَا فِيهَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ آیت 1
- 475 الرَّانِيَّةُ وَالرَّانِي فَأَجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي ۚ آیت 2
- 475 اس آیت کے ضمن میں بائیس مسائل ذکر ہیں
- 482 الرَّانِي لَا يَنْبَغُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً ۚ وَالرَّانِيَّةُ لَا يَنْبَغُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ ۚ آیت 3
- 482 چھ مسائل

- 485 وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً ۖ
486 ان آیات کے ضمن میں چھبیس مسائل ذکر ہیں
- 495 وَالَّذِينَ يَزْمُونَ أَرْوَاحَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ ۖ
495 ان آیات کے ضمن میں تیس مسائل مذکور ہیں
- 507 إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۚ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ
508 ان آیات کے ضمن میں ستائیس مسائل ذکر ہیں
- 519 إِنَّ الَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْفُجِرَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لَعْنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ
520 دو مسائل
- 520 يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۖ
521 يَوْمَ يَدْعُؤُا قَوْمَهُمْ اللَّهُ وَيَقُولُ اللَّهُ دِينُهُمُ الْحَقُّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ۖ
521 أَلْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ ۖ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ ۚ
522 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا ۖ
523 سترہ مسائل ذکر
- 529 فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ امْرُجِعُوا ۖ
530 چار مسائل
- 531 لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۚ
531 دو مسائل
- 532 قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَعْطُوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا أَرْوَاحَهُمْ ۚ ذَلِكَ أَرْكَانُ لَهُمْ ۚ
532 سات اہم مسائل
- 536 وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَعْضُنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا
536 تیس مسائل
- 547 وَأَنْفِكُوا الْيَاكُم مِّنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ
547 سات مسائل
- 550 وَلِيَسْتَعْفِفَ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُعْطِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ
551 ان آیات کے ضمن میں متعدد مسائل ذکر کئے گئے ہیں۔
- 562 اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ
570 فِي بُيُوتِ آذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعُ وَيَدَّكَّرَ فِيهَا سُمُّهُ ۚ
38۳ 36 آیت

- 570 انیس اہم مسائل
- 584 وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيَعَةٍ يُحْسِبُهُ الظَّمَانُ مَاءً حَتَّى إِذَا جَاءَهُمْ لَمْ يَكُنْ لَهَا كَلِمَةٌ وَلَا يَسْمَعُونَ آیت 39
- 585 أَوْ كظلماتٍ في بَحْرٍ لِيَبْهِيَ يُغَشِّيهُ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ظَلُمَاتٌ بَعْضُهَا آیت 40
- 588 أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ صَفَّتِ كُلُّ قَدْعَةٍ آیت 41-42
- 589 أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤْتِي فِيهِ مَاءً يُجْعَلُهُ لَكُمْ مَاءً فَتَتْرَى الْوُدُقَ آیت 43-44
- 592 وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَاءٍ فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى بَطْنِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي آیت 45-46
- 593 وَيَقُولُونَ امْتِنَّا بِاللَّهِ وَإِنَّا لِرُسُلِهِمْ لَنُوقِلُونَ آیت 47
- 594 وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ آیت 48-50
- 594 چار مسائل
- 595 إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا آیت 51
- 596 وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشِ اللَّهَ الَّذِي يَتَّقُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ آیت 52
- 596 وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ قُلْ لَا تُقْسِمُوا طَاعَةٌ مَعْرُوفَةٌ آیت 53
- 597 قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ آیت 54
- 597 وَعَدَاةَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفْنَا آیت 55
- 601 وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ آیت 56
- 601 لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمُ النَّارُ وَلَيْسَ الْبَصِيرُ آیت 57
- 602 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ يَمُنُّونَ بِاللِّسَانِ لَمْ يُبَلِّغُوا الْإِيمَانَ مِنْكُمْ آیت 58
- 602 آٹھ مسائل
- 607 وَإِذَا هَدَّ الْأَطْفَالَ مِنْكُمْ الطُّمَّ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ آیت 59
- 607 وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَقْعْنَ شَيْئًا آیت 60
- 608 پانچ مسائل ذکر کئے گئے
- 610 لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرْجٌ وَلَا عَلَى الَّذِي عَرَجَ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى آیت 61
- 611 گیارہ مسائل
- 617 إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جَامِعٍ آیت 62
- 618 دو مسائل
- 619 لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَسْتَلُونَ آیت 63
- 620 إِلَّا إِنَّ اللَّهَ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ آیت 64

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين والعاقبة للمتقين

مَا أَشْهَدُ تُهُمْ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ
الْمُضِلِّينَ عَصَدًا ۝ وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ
يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَوْبِقًا ۝ وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاقِعُهَا
وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝

”میں نے ان سے مدد نہیں لی تھی جب آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور نہ (اس وقت مدد لی) جب خود انہیں پیدا کیا اور میں نہیں بنایا کرتا گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو۔ اور اس روز اللہ تعالیٰ (کفار کو) فرمائے گا بلاؤ میرے شریکوں کو جنہیں تم (میرا شریک) خیال کرتے تھے، تو وہ انہیں پکاریں گے، پس وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم حائل کر دیں گے ان کے درمیان ایک آڑ۔ اور دیکھیں گے مجرم (جہنم کی) آگ کو اور وہ خیال کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور نہ پائیں گے اس سے نجات پانے کی کوئی جگہ۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا أَشْهَدُ تُهُمْ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ بعض علماء نے فرمایا: ہم ضمیر کا مرجع ابلیس اور اس کی ذریت ہے یعنی میں نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور خود ان کی تخلیق میں ان سے مشورہ نہیں لیا تھا بلکہ میں نے اپنے ارادہ کے مطابق انہیں تخلیق کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: میں نے ابلیس اور اس کی ذریت سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں مشورہ نہیں لیا اور نہ ان مشرکوں کی ذوات کی تخلیق میں ان سے مشورہ لیا تھا۔ تو پھر انہوں نے میرے سوا ان کو دوست کیسے بنا لیا؟ بعض علماء نے فرمایا: مَا أَشْهَدُ تُهُمْ میں ضمیر کا مرجع مشرکین ہیں اور تمام لوگ ہیں۔ پس آیت کے ضمن میں نجومیوں، اہل طبائع، اطباء اور ان کے علاوہ لوگوں کا رد ہے جو ان اشیاء سے اندازے لگاتے ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: میں نے اپنے باپ کو سنا وہ کہتے تھے میں نے فقیہ ابو عبد اللہ محمد بن معاذ مہدوی کو مہدیہ میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے عبد الحق صقلی کو یہ قول کرتے ہوئے سنا وہ اس آیت میں یہ تفسیر کرتے تھے کہ یہ آیت ان طوائف کا رد کرنے والی ہے (1)۔ یہ بعض اصولیین نے ذکر کیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: میں کہتا ہوں: آیت سے اولاً مقصود ابلیس اور اس کی اولاد ہے۔ اس وجہ سے مذکورہ طوائف کا رد ثابت ہوتا ہے اور ان لوگوں کا رد ثابت ہے جو کابن اور جنوں کی تعظیم کرنے والے ہیں، جب وہ کہتے ہیں: أَعُوذُ بِعَزِيزِ هَذَا الْوَادِي میں اس وادی کے غالب کی پناہ چاہتا ہوں کیونکہ یہ تمام گروہ ابلیس اور اس کی ذریت سے متعلق

ہیں۔ انہوں نے ان سب کو گمراہ کیا ہے۔ الْمُضِلِّينَ سے یہی مراد ہیں۔ اور یہ تمام مذکورہ گروہ ان کے مفہوم میں داخل ہیں۔
 ثعلبی نے کہا: بعض اہل علم نے کہا: مَا أَشْهَدُ تَهُمَ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ نُجُومِيوں کا رد ہے کیونکہ انہوں نے کہا: افلاک
 زمین میں پیدا کیے جاتے ہیں، اور بعض میں بعض پیدا کیے جاتے ہیں اور اِلَّا تُرِضُ کا قول اصحابِ ہندسہ کا رد ہے کیونکہ
 انہوں نے کہا: زمین کرومی ہے اور افلاک اس کے نیچے چلتے ہیں، لوگ اس کے نیچے اور اس کے اوپر ہیں۔ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ
 طبائع میں کا رد ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ طبائع نفوس میں اثر کرتی ہیں۔ ابو جعفر نے ”مَا أَشْهَدْنَا هُمْ“ پڑھا ہے یعنی تعظیم
 کے لیے نون اور الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور اس کی دلیل وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَہِ
 یعنی میں نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں نہ ان سے مدد لی ہے اور نہ میں نے ان سے مشورہ کیا: وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَہِ
 الْمُضِلِّينَ یعنی شیاطین۔ بعض علماء نے فرمایا: الْمُضِلِّينَ سے مراد کفار ہیں۔ عضد آمد دگار۔ کہا جاتا ہے اُعْتَضَدْتُ فَلَانَا تو اس
 سے مدد طلب کرے اور قوت حاصل کرے۔ اس میں اصل عضد الید ہے، یعنی باز، پھر یہ مدد کے لیے استعمال کیا گیا کیونکہ
 ہاتھ کا قوام عضد (کہنی سے اوپر والا حصہ) کہا جاتا ہے: عَضَدَاہُ وَعَاضَدَاہُ عَنِ كَذَا۔ جب کوئی کسی کی مدد کرے اور اسے
 تقویت دے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ (القصص: 35) یعنی ہم تیرے بھائی کے ذریعے
 تیری مدد کریں گے۔ لفظ عضد، المثل کی جہت پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کا محتاج نہیں۔ مذمت اور توبیخ میں زیادتی کے
 لیے مضلین کا خاص ذکر کیا۔ ابو جعفر حمدری نے وما كنت تاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اے محمد! سَلِّ عَلَيْكَ بِمِثْلِ مَا سَلِّ عَلَى سَائِرِ النَّبِيِّينَ
 کو اپنا دست و بازو بنانے والا نہیں۔ عَضُدًا میں آٹھ وجوہ ہیں۔ عَضُدِ عَيْنِ کے فتح اور ضاد کے ضمہ کے ساتھ، یہ جمہور کی
 قرأت ہے، اور یہ فصیح وجہ ہے۔ عَضُدًا عَيْنِ کے فتح اور ضاد کے سکون کے ساتھ، یہ بنی تمیم کی لغت ہے، عَضُدًا عَيْنِ اور ضاد کے
 ضمہ کے ساتھ، یہ ابو عمر و اور حسن کی قرأت ہے۔ عَضُدًا عَيْنِ کے ضمہ اور ضاد کے فتح کے ساتھ، یہ عکرمہ کی قرأت ہے۔ عَضُدًا
 عَيْنِ کے کسرہ اور ضاد کے فتح کے ساتھ، یہ الضحاک کی قرأت ہے۔ عَضُدًا عَيْنِ اور ضاد کے فتح کے ساتھ، یہ عیسیٰ بن عمر کی
 قرأت ہے۔ ہارون القاری نے عَضُدِ عَيْنِ کے فتح اور ضاد کے کسرہ کے ساتھ حکایت کیا ہے۔ اور آٹھویں لغت عَضُدًا عَيْنِ
 کے کسرہ اور ضاد کے سکون کے ساتھ، یہ ان کی لغت ہے جو کشف اور فتح کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ۔ يَوْمَ سے پہلے اذکر و اهل محذوف ہے، یعنی
 اس دن کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہاں ہیں میرے شریک، یعنی بلاؤ انہیں جنہیں تم میرا شریک ٹھہراتے تھے، تاکہ وہ
 تمہیں میرے عذاب سے بچائیں، یہ بت پرستوں کو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ حمزہ، یحییٰ، عیسیٰ بن عمر نے فنقول، نون کے ساتھ
 پڑھا ہے۔ اور باقی قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے، کیونکہ آگے شُرَكَاءِيَ فرمایا ہے۔ شُرَكَائِنَا نہیں فرمایا۔ فَدَعَوْهُمْ پس
 مشرک اپنے بتوں کو پکاریں گے فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ تو وہ انہیں مدد کے لیے کوئی جواب نہیں دیں گے، اور نہ ان سے کسی
 عذاب کو روکیں گے۔ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَوْبِقًا حضرت انس بن مالک نے فرمایا (1): موبق جہنم میں پیپ اور خون کی ایک

وادی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ہم مومنوں اور کفار کے درمیان آڑ بنائیں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: بتوں اور ان کے عبادت کرنے والوں کے درمیان آڑ بنائیں گے جیسے فرمایا: فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ۔

ابن اعرابی نے کہا: بروہ چیز جو دو چیزوں کے درمیان آڑ ہو وہ موبق ہے۔ ابن وہب نے مجاہد سے موبقا کے تحت روایت کیا ہے کہ جہنم میں ایک وادی ہے جسے موبق کہا جاتا ہے۔ اسی طرح نوف البرکالی نے کہا، مگر اس نے کہا: اس کا مطلب ہے ان کے اور مومنین کے درمیان آڑ بنا دی جائے گی۔ عکرمہ نے کہا: یہ جہنم میں ایک نبر ہے جو آگ کے ساتھ بہتی ہے اس کے کناروں پر کالے نخروں کی مانند سانپ ہیں۔ جب وہ سانپ انہیں ڈسنے کے لیے چھنیں گے تو وہ آگ میں گھس کر پناہ لیں گے۔ زید بن درہم نے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا ہے فرمایا: مَوْبِقًا جہنم میں پیپ اور خون کی ایک وادی ہے (1)۔ سخاک اور عطاء نے کہا: جہنم میں ایک ہلاکت کی جگہ ہے۔ اسی سے کہا جاتا ہے: اُوْبِقْتَهُ ذَنْبُهُ اِيْبَاقًا۔ گناہوں نے اسے ہلاک کر دیا۔ ابو عبیدہ نے کہا: ہلاکت کی جگہ۔ جوہری نے کہا: وبق یبق وبقا اس کا معنی ہے ہلاک ہونا۔ الموبق، السعد کی مثل ہے۔ وعد یعد سے مفعول کے وزن پر ہے، اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَوْبِقًا اس میں ایک اور لغت بھی ہے: وبق یبق وبقا اور اس میں ایک تیسری لغت بھی ہے: وبق یبق ماضی اور مضارع دونوں کا عین کلمہ کسور ہے۔ اوبقہ، اس نے اسے ہلاک کر دیا۔ زہیر نے کہا:

مَنْ يَشْتَرِي حَسَنَ الشَّنَاءِ بِسَالِهِ يَصْنُ عِرَاضَهُ مِنْ كُلِّ شَنْعَاءٍ مُوْبِقٍ

فرا۔ نے کہا: ان کا باہم ملنا آخرت میں ان کے لیے ہلاکت بنا یا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ اَصْلٌ فِي رَأْيِهَا يَاءٌ مَتَحْرَكَةٌ تَحْمِي جَسْمًا قَبْلَ مَفْتُوحٍ تَهَا تَوَا سَ الْفِ سَ بَدَلًا، اسی وجہ سے کوفیوں کا خیال ہے کہ رأی کو یا کے ساتھ لکھا جائے۔ بعض بصریوں نے بھی ان کی متابعت کی ہے، لیکن ماہر بصری علماء نے جن میں محمد بن یزید بھی ہے وہ الف کے ساتھ لکھتے ہیں۔ نحاس نے کہا: میں نے علی بن سلیمان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انہوں نے کہا، میں نے محمد بن یزید کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مضمون، رمی اور تمام یائی حروف کو صرف الف کے ساتھ لکھنا جائز ہے۔ یاء والے اور خط میں واو والے حروف میں کوئی فرق نہیں جیسا کہ لفظ میں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اگر یا والے حروف کو یا، کے ساتھ لکھنا واجب ہوتا تو واو والے حروف کو واو کے ساتھ لکھنا واجب ہوتا حالانکہ وہ خود ہی اپنے کلیہ کو توڑتے ہیں۔ رمی کو یا، کے ساتھ اور رماہ کو الف کے ساتھ لکھتے ہیں۔ اگر علت یہ ہوتی کہ یہ یا، والے حروف سے ہے تو بھی رماہ کو یا، کے ساتھ لکھنا واجب ہوتا پھر وہ ضحا لکھتے ہیں، جو ضحوة کی جمع ہے اور کتسا لکھتے ہیں، جو کسوة کی جمع ہے یہ دونوں وادی سے ہیں یا، سے لکھے گئے ہیں یہ وہ چیز ہے جو اصل پر ثابت نہیں ہوتی۔

فَلْتَوُوا اَنْتُمْ مَوَاقِعُهَا۔ یہاں ظن بمعنی یقین اور علم ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

فَقَلْتُ لَهُمْ فَلْتُوا بِالْفَنِّ مَدَّجِبِ

یعنی انہوں نے یقین کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انہوں نے یقین کیا کہ وہ گرنے والے ہیں اس میں۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ آگ کو دور سے دیکھیں گے تو خیال کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں۔ اور انہوں نے گمان کیا وہ بھی نہیں پکڑ لے گی۔ حدیث میں ہے ”کافر جہنم کو دیکھے گا اور گمان کرے گا کہ وہ اس کے ساتھ چسپاں ہونے والی ہے، حالانکہ وہ چالیس سال کی مسافت پر ہوگی“ (1)۔ واقعہ کا معنی ہے کسی شے کے ساتھ سختی کے ساتھ وابستہ ہو جانا۔ علقمہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فَظَنُوا أَنَّهُمْ مُلَاقُواهَا پڑھا ہے یعنی وہ اس میں جمع ہونے والے ہیں۔ اللَّفْفُ کا معنی جمع کرنا ہے۔ وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرُوفًا یعنی وہ نجات کی کوئی جگہ نہ پائیں گے کیونکہ وہ ہر جانب سے ان کا احاطہ کیے ہوئے ہوگی۔ قہمی نے کہا: کوئی پھرنے کی جگہ نہ پائیں گے جس کی طرف وہ پھر جائیں بعض نے فرمایا: کوئی پناہ گاہ نہ پائیں گے جس کی طرف پناہ لیں۔ ان تمام الفاظ کا مفہوم ایک ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے بت اور مورتیاں آگ کو مشرکوں سے پھیرنے کی جگہ نہ پائیں گی۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۗ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْئًا جَدَلًا ۗ ۝۵۴ وَمَا نَعَمُ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا لِأَسْأَلِهِمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةٌ أَلْوَلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝۵۵ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۗ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَمَا أُنذِرُوا هُزُوًا ۝۵۶ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَا ۗ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۗ وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ۝۵۷ وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۗ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۗ بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ لَنْ يَجُودُوا مِنْ دُونِهِ مَوْعِدًا ۝۵۸ وَتِلْكَ الْقُرْآنُ ۗ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِيَهْلِكِهِمْ مَوْعِدًا ۝۵۹

”اور بیشک ہم نے طرح طرح سے بار بار بیان کی ہیں اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں اور انسان ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔ اور کس چیز نے روکا ہے لوگوں کو اس بات سے کہ وہ ایمان لے آئیں جب آگئی ان کے پاس ہدایت کی روشنی اور مغفرت طلب کریں اپنے رب سے مگر یہ (کہ وہ منتظر ہیں) کہ آئے ان کے پاس انگلوں کا دستور یا آئے ان کے پاس طرح طرح کا عذاب، اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر مژدہ سنانے والے اور ڈرانے والے، اور جھگڑتے ہیں کافر بے سرو پا دلیلوں کی آڑ لیکر تاکہ وہ ہٹادیں اس سے حق کو اور بتالیا ہے انہوں نے میری آیتوں کو اور جن سے وہ ڈرائے گئے، ایک مذاق۔ اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے نصیحت کی گئی اس کے رب کی آیتوں سے پس اس نے روگردانی کی ان سے اور فراموش کر دیا اس نے ان

(اعمال بد کو) جو آگے بھیجے تھے اس کے دونوں ہاتھوں نے ہم نے ڈال دیئے ان کے دلوں پر پردے تاکہ وہ قرآن کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی اور اگر تم بلاؤ انہیں ہدایت کی طرف تو جب بھی وہ ہدایت قبول نہیں کریں گے۔ اور آپ کا پروردگار تو بہت بخشنے والا بڑا ہی رحم والا ہے، اگر وہ پکڑ لیتا انہیں ان کے لیے پر تو جلد ان پر عذاب بھیجتا (وہ ایسا نہیں کرتا) بلکہ ان کو سزا دینے کا ایک وقت مقرر ہے نہیں پائیں گے اس وقت اس کے بغیر کوئی پناہ کی جگہ۔ اور یہ بستیاں ہیں ہم نے تباہ کر دیا ان کے باشندوں کو جب وہ ستم شعار بن گئے اور ہم نے مقرر کر دی تھی ان کی ہلاکت کے لیے ایک میعاد۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ**۔ یہ دو احتمال رکھتا ہے: ایک وہ جو ان کے لیے عبرت ناک واقعات اور گزشتہ اقوام کے تذکرے ذکر فرمائے۔ دوسرا احتمال یہ کہ اس نے ان کے لیے اپنی ربوبیت کے دلائل واضح فرمائے۔ یہ پہلے سورہ سبحان میں گزر چکا ہے۔ پہلی صورت میں یہ زجر و توبیح ہوگا اور دوسری صورت میں بیان ہوگا۔ **وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا**۔ جدلاً سے مراد جھگڑنا ہے۔ اس سے مراد نضر بن حارث ہے اور اس کا قرآن کے بارے میں جھگڑنا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ آیت ابی بن خلف کے بارے میں نازل ہوئی۔ زجاج نے کہا: اس کا مطلب ہے کافر ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔ اس کی دلیل کہ انسان سے مراد کافر ہے، یہ ارشاد ہے: **وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ**۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت کے روز کفار میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: جو میں نے تیری طرف بھیجا تھا تو نے اس کے ساتھ کیا کیا۔ وہ کہے گا: یارب! میں تجھ پر ایمان لایا، تیرے رسولوں کی تصدیق کی اور تیری کتاب کے مطابق عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا: یہ تیرا صحیفہ ہے اس میں تو اس میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ شخص کہے گا: یارب! جو کچھ اس صحیفہ میں ہے میں اسے قبول نہیں کرتا، اسے کہا جائے گا: یہ تیرے کندھوں پر بیٹھے ہوئے فرشتے تیرے خلاف گواہی دیتے ہیں۔ وہ کہے گا: میں انہیں بھی قبول نہیں کرتا، وہ کہے گا: یارب! میں انہیں کیسے قبول کروں یہ میرے پاس سے اور میری طرف سے نہیں ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ لوح محفوظ اس کی شہادت دیتی ہے۔ وہ شخص کہے گا: یارب! کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی تھی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیوں نہیں۔ وہ عرض کرے گا: یارب! میں قبول نہیں کروں گا مگر جو مجھ پر میرے نفس سے گواہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں ابھی تجھ پر تیرے نفس سے لاتا ہوں، وہ غور کرے گا: کون میرے نفس سے مجھ پر گواہی دے گا؟ پس اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی پھر اس کے اعضاء اس کے شرک کے متعلق بولیں گے پھر اس کے اور کلام کے درمیان کچھ حائل نہیں کیا جائے گا پس وہ آگ میں داخل ہوگا؟ اس کا بعض بعض کو لعنت کرے گا۔ وہ اپنے اعضاء کو کہے گا کہ اللہ تعالیٰ تم پر لعنت کرے، میں تمہاری طرف سے جھگڑ رہا تھا۔ اس کے اعضاء اس سے کہیں گے: اللہ تعالیٰ تم پر لعنت کرے، اللہ تعالیٰ سے بات چھپائی جاتی ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ایسی چیزوں کو بیان کر رہا ہے: **وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا**۔ اس حدیث کے ہم معنی امام مسلم نے حضرت انس سے روایت کی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت ان کا اور سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہما

کا دروازہ کھٹکھٹایا اور فرمایا: کیا تم نماز (تہجد) نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ہماری رو میں اللہ کے ہاتھ میں ہیں جب وہ ہمیں اٹھاتا چاہتا ہے تو ہم اٹھ جاتے ہیں (1)۔ نبی پاک ﷺ واپس پلٹے جب میں نے یہ کہا۔ پھر میں نے آپ کو سنا جبکہ آپ واپس جا رہے تھے، تو اپنی ران پر ہاتھ مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے: **وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرُ شَيْءٍ جَدَلًا**۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمَا صَنَعَ النَّاسُ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ - الْهُدَىٰ** سے مراد قرآن، اسلام اور حضرت محمد ﷺ کی ذات اقدس ہے۔ **وَيَسْتَغْفِرُوا لِأَنبِيَائِهِمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةٌ الْأَوَّلِينَ**۔ یعنی ہماری انہیں ہلاک کرنے کی سنت ہے، یعنی انہیں ایمان لانے سے نہیں روکا مگر میرے فیصلہ نے جو ان پر تھا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے اگر میں ان پر ایمان کا فیصلہ کرتا تو وہ ایمان لے آتے۔ **سُنَّةٌ الْأَوَّلِينَ** یعنی نیست و نابود کرنے والے عذاب کی سنت جو پہلے لوگوں کے متعلق تھی۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ انہیں ایمان لانے سے نہیں روکا مگر اس چیز کی طلب نے کہ ان پر بھی پہلے لوگوں کی سنت آئے پھر اس طلب کو حذف کیا گیا۔ **سُنَّةٌ الْأَوَّلِينَ** سے مراد عذاب کو دیکھنا ہے مشرکوں نے اسی چیز کو طلب کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا: **”اللهم ان كان هذا هو الحق من عندك“**۔

أَوْيَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا۔ قُبُلًا پر نصب حال کی بنا پر ہے، اس کا معنی ہے عیاناً یعنی سامنے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد بدر کے دن کی تلوار ہے (2)۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد فجاءة، اچانک ہے۔ ابو جعفر، عاصم، امش، حمزہ، یحییٰ اور کسائی نے قُبُلًا دو صوموں کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور انہوں نے عذاب کی ساری اقسام مراد لی ہیں۔ یہ قبیل کی جمع ہے جیسے قبیل کی جمع سُبُل ہے۔ فراء کا مذہب یہ ہے کہ قبلا، قبیل کی جمع ہے اور اس سے مراد متفرق عذاب ہے جو یکے بعد دیگرے آتا ہے۔ اس کے نزدیک اس کا عیاناً معنی بھی ہو سکتا ہے۔ اعرج نے کہا: اس کی قرأت قُبُلًا ہے جس کا معنی جمیعاً ہے۔ ابو عمرو نے کہا: اس کی قرأت قِبَلًا ہے اس کا معنی عیاناً ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمَا تُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ**۔ یعنی ایمان والوں کو جنت کی بشارت دینے والے۔ **وَمُنذِرِينَ**۔ کافروں کو عذاب سے ڈرانے والے یہ پہلے گزر چکا ہے۔ **وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ**۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ المقتسمین کے بارے نازل ہوئی جو نبی پاک ﷺ سے جھگڑتے تھے، وہ کہتے: جادو گر ہے، مجنون ہے، شاعر ہے۔ کبھی کہتے: کاہن ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ **لِيُدْحِضُوا**۔ کا معنی ہے زائل کرنا، باطل کرنا، الدحض اصل معنی پھسلنا ہے۔ کہا جاتا ہے: دحضت رجلاً یعنی اس کا پاؤں پھسل گیا۔ **تدحض دحضاً**۔ دحضت الشمس عن كبد السماء، یعنی سورج ڈھل گیا۔ دحضت محبته دحوضاً۔ یعنی اس کی محبت باطل ہو گئی۔ **أدحضها الله**۔ اللہ تعالیٰ نے اسے باطل کر دیا۔ **الادحاض** کا معنی پھسلنا ہے۔ بل صراط کی تعریف میں ہے جہنم پر ایک پل بنا یا جائے گا، شفاعت کا اذن دیا جائے گا۔ انبیاء کرام کہیں گے: سنم سنم اے اللہ سلامتی عطا فرما۔ پوچھا گیا: یا رسول اللہ! وہ پل کیا ہے۔ فرمایا: دحض مزلقة۔ وہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلوة المسافرین، الحث علی صلوة اللیل، جلد 1، صفحہ 265

2۔ معالم التنزیل، جلد 3، صفحہ 578

پھسلن ہے جس میں پاؤں پھسل جائیں گے۔ طرفہ نے کہا:

أَيَا مَنذِرٍ زُمتَ الْوَفَاءَ فَهَيْبَتُهُ وَجِدْتُ كَمَا حَادَ الْبَعِيدُ عَنِ الدَّخْلِ

وَإِن تَعَدُّوا آيَاتِي سَعًا مَرَادِ الْقُرْآنِ هِيَ - وَمَا أُنذِرُوا، یعنی جو انہیں وعید سنائی گئی - هُزُوا مَزَاقٍ - مامصدر یہ ہے یعنی الانذار۔ بعض نے فرمایا: ماموصولہ ہے، یعنی انہوں نے قرآن اور جس وعید سے انہیں ڈرایا گیا اسے مزاق بنایا۔ اس کا بیان سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ مکھن اور کھجور کے بارے میں ابو جہل کا قول ہے، اس نے کہا تھا: یہ زقوم ہے۔ بعض نے فرمایا: ان کا قرآن کے متعلق یہ کہنا ہے کہ یہ جادو ہے، خیالات ہیں اور پہلے لوگوں کے قصے ہیں۔ اور انہوں نے نبی پاک ﷺ کو کہا: مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ - یہ نہیں مگر تمہاری مثل بشر اور انہوں نے کہا: لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقُرَيْشِ لَكُنَّ عَظِيمًا (الزخرف) مَا ذَا آءَا رَادَا اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا - (البقرہ: 26)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِرَ بِآيَاتِنَا فَاعْتَرَضَ عَنْهَا، یعنی کوئی اس سے اپنے نفس پر زیادہ ظلم کرنے والا نہیں جسے اس کے رب کی آیات سے نصیحت کی گئی پھر اس نے ان سے نصیحت حاصل کرنے میں کوتاہی کی اور ان کو قبول کرنے سے اعراض کیا۔ وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاؤُهُ، اپنے کفر اور گناہوں کو چھوڑ دیا اور اس سے توبہ نہ کی، یہاں نسیان کا معنی ترک کرنا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے اسے بھول گیا جو اس نے اپنے لیے آگے بھیجا اور جو اس نے عذاب حاصل کیا۔ ان دونوں اقوال کا معنی قریب قریب ہے۔ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا، یعنی ان کے کفر کے سبب ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے اور کانوں میں گرانی پیدا کر دی، یعنی ہم نے روک دیا ایمان کو کہ ان کے دلوں اور کانوں میں داخل ہو۔ وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَى - هُدَى سے مراد ایمان ہے، یعنی اگر آپ انہیں ایمان کی طرف بلائیں: فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا، پھر بھی ہدایت نہ پائیں گے۔ یہ آیت معین لوگوں کے متعلق نازل ہوئی۔ قدر یہ کہ قول کا اس سے رد ہوتا ہے۔ اس کا معنی سورہ سبحان میں گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَرَبُّكَ الْعَفْوُ ذُو الرَّحْمَةِ، یعنی وہ گناہوں کو بخشنے والا ہے، یہ اہل ایمان کے ساتھ خاص ہے کفار اس میں داخل نہیں۔ اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ (النساء: 48)۔ ذُو الرَّحْمَةِ - اس میں چار تاویلات ہیں۔ 1 - ذُو الْعَفْوِ - معافی دینے والا۔ 2 - ذُو الشَّوَابِ - ثواب دینے والا۔ ان دونوں تاویلات پر اہل ایمان کے ساتھ مختص ہوگا کفار داخل نہ ہوں گے۔ 3 - ذُو النِّعْمَةِ - نعمتیں عطا فرمانے والا۔ 4 - ذُو الْهُدَى - ہدایت دینے والا۔ ان دونوں تاویلات کی بناء پر یہ اہل ایمان اور کفار دونوں کو شامل ہوگا، کیونکہ وہ دنیا میں کافر پر بھی انعام فرماتا ہے جس طرح مومن پر انعام فرماتا ہے۔ اس نے اپنی ہدایت کو کافر کے لیے واضح کیا جس طرح اس نے اپنی ہدایت کو مومن کے لیے واضح کیا، مگر اس سے مومن نے ہدایت پائی اور کافر مومن (1) - لَوْ يَؤُودُ أَخَذْتُمْ بِمَا كَسَبْتُمْ، یعنی اگر فرار کرنا ہوں کی وجہ سے مواخذہ کرتا تو انہیں جلدی عذاب دیتا لیکن وہ مہلت دیتا ہے۔ بَلْ لَكُمْ مَوْعِدٌ - یعنی مدت مقرر ہے اس تک انہیں

ڈھیل دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِكُلِّ نَبِيٍّ مُّسْتَقَرٌّ (انعام: 67) لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿٥٦﴾ الخ (الرعد) جب وہ وقت آجائے گا تو عذاب ان سے موخر نہ ہوگا خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔ لَنْ يَّجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْجِدًا۔ مَوْجِدًا سے مراد پناہ گاہ ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زید کا قول ہے، یہ جوہری نے ”الصحاح“ میں حکایت کیا ہے (1)۔ وال یثقل والآؤدؤ ولا یروزن فعول، اس کا معنی ہے پناہ لینا۔ واعل یروزن فاعل، اس کا معنی ہے نجات طلب کرنا۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے محیر ذاً۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے ولیا (دوست)، ابو عبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے نجات کی جگہ۔ بعض نے فرمایا: محیضاً (پناہ گاہ)، سب کا معنی ایک ہے۔ عرب کہتے ہیں: لا وَاَلتِ نَفْسُہ۔ یعنی اس کا نفس نجات نہ پائے۔ اسی سے شاعر کا قول ہے:

لَا وَاَلتِ نَفْسُکَ خَلَّتِہَا لِعَامِرِینِ دَلَم تَحْکَمِ

اور الاعشى نے کہا:

وَقَدْ اُخَالِسُ رَبَّ الْبَيْتِ غَفْلَتَهُ وَقَدْ يُحَاذِرُ مِنِّي ثَم مَائِلُ (2)

یعنی نجات نہیں پاتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتِلْكَ الْقُرَىٰ اَہْلَکْنٰہُمْ۔ تِلْكَ محل رفع میں مبتدا ہے۔ الْقُرَىٰ نعت یابدل ہے۔ اَہْلَکْنٰہُمْ خبر کے مقام پر ہے، معنی پر محمول ہے کیونکہ الْقُرَىٰ سے مراد اہل القری ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ تِلْكَ محل نصب میں ہو، ان علماء کے قول پر جو کہتے ہیں: زیداً ضربتہ یعنی وہ بستیاں جن کی خبریں ہم نے آپ پر بیان کی ہیں جیسے قوم عاد، ثمود، مدین، لوط کی بستیاں، ہم نے انہیں ہلاک کر دیا جب انہوں نے ظلم کیا اور کفر کیا۔ وَجَعَلْنَا لَہُمْ مَّوْعِدًا یعنی ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہے اس سے تجاوز نہیں ہوگا۔ مہلک، یہ اہلکوا سے مشتق ہے۔ عاصم نے مہلکم میم اور لام کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، یہ اس صورت میں ہلک کا مصدر ہوگا۔ کسائی اور فراء نے مہلکم لام کے کسرہ اور میم کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: کسائی نے کہا یہ میرے نزدیک بہتر ہے کیونکہ یہ ہلک سے ہے۔ زجاج نے کہا: مہلک ام طرف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے لوقت مہلکم جیسے کہا جاتا ہے: اتت الناقة علی مضربھا یعنی اونٹنی حاملہ ہونے کے وقت پر آئی۔

وَ اِذْ قَالَ مُوسٰی لِقٰتِلٰہٗ لَا اَبْرٰحُ حٰلٰی اَبْلَغُ مَجْمَعِ الْبَحْرِیْنِ اَوْ اَمْوٰی حُطْبًا ﴿٥٧﴾

”اور یاد کرو جب کہا موسیٰ نے اپنے نوجوان (ساتھی) کو کہ میں چلتا رہوں گا یہاں تک کہ پہنچوں جہاں دو

دریا ملتے ہیں (چلتے چلتے) گزار دوں گا مدت دراز“۔

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذْ قَالَ مُوسٰی لِقٰتِلٰہٗ لَا اَبْرٰحُ۔ جمہور علماء اور اہل تاریخ کا قول یہ ہے کہ

اس موئی سے حضرت موئی بن عمران مراد ہیں۔ جس کا قرآن میں ذکر ہے۔ قرآن میں ان کے علاوہ کسی موئی کا ذکر نہیں ہے۔ ایک فرقہ نے کہا جن میں نوف بکالی بھی ہے کہ موئی بن عمران نہیں ہے۔ یہ موئی بن منشا بن یوسف بن یعقوب ہے۔ یہ موئی بن عمران سے پہلے نبی تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صحیح بخاری میں اس قول کا رد کیا ہے (1)۔ فتاہ سے مراد حضرت یوشع بن نون ہے۔ اس کا ذکر سورہ المائدہ میں اور سورہ یوسف کے آخر میں گزر چکا ہے۔ اور جن علماء نے کہا یہ موئی بن منشا ہے ان کے نزدیک فتاہ سے مراد یوشع بن نون نہیں ہے۔ لَّا اَبْرَحُ ”میں ہمیشہ چلتا رہوں گا“، شاعر نے کہا:

دَأْبَرُ مَا اَدَامَ اللهُ قَوْمِي بِحَمْدِ اللهِ مُنْتَهَقًا مُجِيدًا

بعض علماء نے فرمایا: لَّا اَبْرَحُ کا معنی ہے میں تجھ سے جدا نہ ہوں گا حَتَّى اَبْلُغَ مَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ، قتادہ نے کہا: یہ فارس اور روم کے دریا ہیں (2)، یہ مجاہد کا قول ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس سے مراد پانی کا وہ بازو ہے جو بحر محیط سے شمالی طرف سے جنوب کی طرف فارس کی زمین میں اذربائیجان کے پیچھے سے نکلتا ہے (3)۔ اس قول کی بناء پر وہ جگہ مَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ ہوگی جہاں دو دریا ملتے ہیں جو شام کی خشکی سے ملتی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ قلمزم اور اردن کے دریا ہیں۔ بعض نے فرمایا: یہ طنجہ کے قریب مَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ ہے، یہ محمد بن کعب نے کہا ہے۔ حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے: یہ افریقہ میں ہے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد امینیہ میں الکر اور الرس دونہریں ہیں۔ بعض اہل علم نے کہا: یہ بحر اندلس اور بحر محیط سے ہے، یہ نقاش نے حکایت کیا ہے۔ یہ زیادہ ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: دریاؤں سے مراد حضرت موئی اور حضرت خضر علیہم السلام ہیں۔ یہ ضعیف قول ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حکایت کیا گیا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ احادیث سے بالکل واضح ثابت ہوتا ہے کہ وہ پانی کے دریا تھے۔ اس قصہ کا سبب وہ ہے جو امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت موئی علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں خطبہ دیا، تو ان سے پوچھا گیا: لوگوں میں سے کون بڑا عالم ہے؟ حضرت موئی علیہ السلام نے کہا: میں۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو عتاب فرمایا کیونکہ انہوں نے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موئی علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ میرا ایک بندہ مَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ میں ہے جو تجھ سے زیادہ عالم ہے۔ حضرت موئی علیہ السلام نے عرض کی: یارب! میں اس تک کیسے پہنچ سکتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم ایک مچھلی لے لو اور اسے ایک ٹوکری میں رکھ لو جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہ وہاں ہوگا (4)۔ یہ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب حضرت موئی علیہ السلام اور آپ کی قوم مصر کی زمین پر غالب آئی تو آپ نے اپنی قوم کو مصر میں اتارا جب وہ پوری طرح وہاں گھروں میں آباد ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایام اللہ یاد کرنے کا حکم دیا تو حضرت موئی علیہ السلام نے اپنی قوم کو خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ نے جو ان پر نعمت و خیر فرمائی تھی وہ انہیں یاد دلائی کہ اس نے فرعونوں سے انہیں نجات دلائی اور ان کے دشمن کو ہلاک کیا اور انہیں مصر کی زمین میں خلیفہ بنایا پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے

2- تفسیر طبری، ج 15-16، صفحہ 313

1- صحیح بخاری، سورہ ہرودہ، باب اذا قال موسى لفته، جلد 2، صفحہ 687

4- معالم التنزیل، جلد 3، صفحہ 580

3- البحر الروض، جلد 3، صفحہ 527

نبی سے کلام فرمائی اور اسے اپنی ذات کے لیے منتخب فرمایا اور اس نے مجھ پر محبت ڈالی اور تمہیں وہ سب کچھ عطا فرمایا جو تم نے اللہ تعالیٰ سے مانگا تھا، اور تمہیں اپنے زمانہ کی افضل قوم بنایا، اس نے تمہیں ذلت کے بعد عزت بخشی، فقر کے بعد غنا عطا فرمائی، تم جاہل تھے اس کے بعد تمہیں تورات بخشی، بنی اسرائیل کے ایک شخص نے کہا: ہم جان چکے ہیں جو آپ کہہ رہے ہیں کیا سطح زمین پر تم سے زیادہ کوئی عالم ہے؟ اے اللہ کے نبی! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: نہیں! اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عتاب فرمایا جب انہوں نے علم کی نسبت اللہ کی طرف نہ کی پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف جبریل امین کو بھیجا (اور یہ پیغام دیا) کہ اے موسیٰ! تجھے کیا معلوم کہ میں کہاں علم رکھتا ہوں؟ ہاں میرا ایک بندہ مَجْمَعُ الْبَحْرَيْنِ میں تجھ سے زیادہ عالم ہے۔ آگے مکمل حدیث ذکر کی۔ ہمارے علماء نے فرمایا: حدیث میں ہے ہو أعلم منك وہ تم سے زیادہ علم والا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ مفصل واقعات کے احکام اور معین حادثات کے حکم کے جاننے کے اعتبار سے تم سے زیادہ علم والا ہے نہ کہ مطلقاً، اس کی دلیل حضرت خضر علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہنا ہے کہ تو ایسے علم پر ہے جو اللہ تعالیٰ نے تجھے سکھایا ہے جسے میں نہیں جانتا اور میں ایسے علم پر ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا۔ اس بنا پر ہر ایک پر یہ صادق آتا ہے کہ وہ اپنے علم کے اعتبار سے دوسرے سے زیادہ علم والا تھا جو دوسرا نہیں جانتا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ ارشاد سنا تو ان کے فاضل نفس میں شوق پیدا ہوا اور ان کی بلند ہمت میں جذبہ ابھرا تا کہ وہ علم حاصل کریں جو وہ نہیں جانتے اور ان کی ملاقات کا شوق ہو جس کے متعلق کہا گیا کہ وہ تجھ سے زیادہ علم والا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عزم کیا اور پوچھا کہ اس تک کیسے پہنچنا ہے تو انہیں بر حال پر چلنے کا حکم ملا، انہیں کہا گیا کہ تم اپنے ساتھ ایک نمکین مچھلی ایک زنبیل میں اٹھا لو جہاں وہ زندہ ہو جائے اور تم سے گم ہو جائے وہاں اس کا راستہ ہے۔ آپ اپنے نوجوان کو ساتھ لے کر پوری کوشش سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ میں چلتا رہوں گا حتیٰ کہ میں مَجْمَعُ الْبَحْرَيْنِ تک پہنچ جاؤں گا۔ اَوْ اَمْضَى حُقْبًا۔ ہاں اور قاف کے ضمہ کے ساتھ۔ اس سے مراد زمانہ ہے اس جمع احقاب ہے۔ اور یہ اسی سال کا زمانہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ زمانہ ہے اور جمع احقاب ہے، اور الحقبۃ ہاں کے کسرہ کے ساتھ الحقب کا واحد ہے، اس سے مراد سال ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ عالم کو علم کی زیادتی کی خاطر سفر کرنا چاہیے اور اس پر خادم اور ساتھی سے مدد لینا چاہیے، فضلاء اور علماء کی ملاقات حاصل کرنی چاہیے اگرچہ اس کا سفر بہت دور بھی ہو، یہ سلف صالحین کی عادت تھی۔ اسی وجہ سے سفر کرنے والوں نے علم کا دافر حصہ پایا اور اس کوشش پر کامیابی حاصل کی ان کے قدم علوم میں راسخ ہو گئے، اور ان کے لیے اجر، فضل کی ساری اقسام صحیح ہیں۔ امام بخاری نے فرمایا: حضرت جابر بن عبد اللہ نے عبد اللہ بن انیس کی طرف ایک حدیث کی ناظر کیا۔ مہینہ کا نہ کیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ اِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَتْنٰہُ۔** اس کے بارے میں علماء کے تین اقوال ہیں: 1۔ وہ نوجوان آپ کی خدمت کرتا تھا، عرب کلام میں الفتی نوجوان کو کہتے ہیں، اکثر خدمت کرنے والے نوجوان ہوتے ہیں، اس لیے خادم کو حسن ادب کی جہت سے فتی کہا جاتا ہے۔ شریعت نے ایسے لفظ کو پسند فرمایا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا

يَقُلْ أَحَدُكُمْ عَبْدِي وَلَا أُمَّتِي وَلِيَقُلْ فَتَاهُ وَفَتَاهُ (1) ”تم میں سے کوئی عبدی اور امتی نہ کہے بلکہ فتای اور فتائی کہے۔“ یہ تواضع کے اعتبار سے بہتر ہے۔ اس بحث کا ذکر سورہ یوسف میں گزر چکا ہے۔ ایت میں الفتی سے مراد خادم ہے اور وہ یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف علیہ السلام تھے۔ کہا جاتا ہے، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھانجے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: ان کو فتی موسیٰ اس لیے کہا گیا کیونکہ وہ آپ سے چمٹے رہتے تھے تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے علم حاصل کریں، اگرچہ وہ آزاد تھے، یہ پہلا معنی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: کیونکہ وہ فتی (غلام) کے قائم مقام تھے اس لیے انہیں فتی موسیٰ کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَالَ لِفَتَاهِهِ اجْعَلُوا بَصَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ (یوسف: 62) اور فرمایا: تُرَاوِدُ فَتَاهَهَا عَنْ نَفْسِهِ (یوسف: 30) ابن عربی نے کہا: قرآن کا ظاہر اس بات کا مقتضی ہے کہ وہ غلام تھے۔ اور حدیث میں ہے وہ یوشع بن نون تھا اور تفسیر میں ہے وہ آپ کا بھانجا تھا۔ ان اقوال میں کوئی بات قطعی نہیں اس لیے توقف میں سلامتی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَوْ أَمْضَىٰ حُبًّا حضرت عبد اللہ بن عمرو نے فرمایا: الحقب اس سال ہیں۔ مجاہد نے کہا: ستر سال ہیں (2)۔ قتادہ نے کہا: ایک زمانہ ہے۔ نحاس نے کہا: اہل لغت جس کو جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ الحقب اور الحقبہ غیر محدود بہم زمانہ ہے، جیسا کہ رھط اور قومًا بہم غیر محدود ہیں۔ اور اس کی جمع احقاب ہے۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنَهُمَا نِسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ اتَّبِعْ أَهْرَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا ۝ قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنسِيئُهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۝ قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبِغُ ۚ فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا اتَيْنُهُ رَاحَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا ۝

”پھر جب وہ دونوں پہنچے جہاں آپس میں دو دریا ملتے ہیں دونوں بھول گئے اپنی مچھلی کو تو بنالیا اس نے اپنا راستہ دریا میں سرنگ کی طرح۔ پس جب وہاں سے آگے بڑھ گئے آپ نے اپنے نوجوان ساتھی سے کہا: لے آؤ ہمارا صبح کا کھانا بیشک ہمیں برداشت کرنا پڑی ہے اپنے اس سفر میں بڑی مشقت۔ اس کے ساتھی نے کہا: اے کلیم! آپ نے ملاحظہ فرمایا جب ہم (ستانے کے لیے) اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں بھول گیا مچھلی کو اور نہیں فراموش کرائی مجھے وہ مچھلی مگر شیطان نے کہ اس کا ذکر کروں اور اس نے بنالیا تھا اپنا راستہ دریا میں، بڑے تعجب کی بات ہے۔ آپ نے فرمایا: یہی تو وہ ہے جس کی جستجو کر رہے تھے، پس وہ دونوں لوٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے، تو پایا انہوں نے ایک بندے کو ہمارے بندوں میں سے جسے ہم نے عطا فرمائی

تھی رحمت اپنی جناب سے اور ہم نے سکھایا تھا اسے اپنے پاس سے (خاص) علم۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنَهُمَا نِسْيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا**۔ **بَيْنَهُمَا** کی ضمیر بحرین کے لیے ہے، یہ مجاہد نے کہا ہے۔ **السراب** کا معنی ہے گزرگاہ، سرنگ، یہ بھی مجاہد کا قول ہے۔ **قَادَهُ** نے کہا: پانی تھم گیا اور وہ سرنگ کی طرح ہو گیا۔ **جمہور مفسرین** نے کہا: **مچھلی** اپنے چلنے کی جگہ میں پانی میں موجود تھی۔ **حضرت موسیٰ علیہ السلام** مچھلی کے پیچھے پیچھے چلے حتیٰ کہ اس کے ذریعے دریا میں ایک جزیرہ کے راستہ پر پہنچے۔ اس میں **حضرت خضر علیہ السلام** کو پایا۔ ظاہر روایات اور کتاب کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی ملاقات دریا کے ساحل پر ہوئی تھی۔ **نِسْيَا حُوتَهُمَا نِسْيَان** تو صرف نوجوان کو ہوا تھا لیکن یہاں دونوں کی طرف نسیان کی نسبت کی گئی ہے۔ تو اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ نوجوان **حضرت موسیٰ علیہ السلام** کو وہ منظر بتانا بھول گیا تھا جو اس نے مچھلی کی حالت سے دیکھا تھا تو صحبت کی وجہ سے ان دونوں کی طرف نسیان کو منسوب کیا گیا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ (الرحمن: 22)** اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَبْعَثُ الْجِبْنَ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ (انعام: 130)**۔ حالانکہ رسل صرف انسانوں سے تھے جنوں سے نہیں تھے مگر مصاحبت کی وجہ سے ان کو بھی خطاب میں جمع کیا گیا۔ بخاری میں ہے **حضرت موسیٰ علیہ السلام** نے نوجوان سے کہا: میں تجھ سے کلام نہیں کروں گا مگر یہ کہ تو مجھے بتا جہاں تجھ سے مچھلی جدا ہوئی تھی، فرمایا: میں نے تجھے کوئی بڑی تکلیف نہیں دی (1)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: **وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَلْبِهِ اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔** **فتا سے مراد یوشع بن نون** ہے یہ **سعید بن مسیب** سے نام مروی نہیں ہے۔ فرمایا: جب وہ **ترمٹی** پر چٹان کے سایہ میں تھا تو مچھلی تڑپی **حضرت موسیٰ علیہ السلام** سوئے ہوئے تھے، نوجوان نے کہا: میں آپ کو جگاتا نہیں ہوں حتیٰ کہ جب آپ بیدار ہوں گے تو بتادوں گا، تو وہ جب بیدار ہوئے تو وہ بتانا بھول گیا مچھلی تڑپی اور دریا میں داخل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے پانی کا بہاؤ روک لیا حتیٰ کہ گویا اس کا نشان (سوراخ) پتھر میں ہے، مجھے عمرو نے کہا: اس طرح گویا اس کا اثر (سوراخ) پتھر میں ہے۔ انہوں نے اپنے انگوٹھے اور ساتھ والی دو انگلیوں سے حلقہ بنایا۔ ایک روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ نے پانی کا بہاؤ روک لیا اور وہ اس پر طاق کی طرح ہو گیا۔ جب **حضرت موسیٰ علیہ السلام** بیدار ہوئے تو ان کا ساتھی انہیں مچھلی کے متعلق بتانے کے بارے میں بھول گیا۔ وہ بقیہ دن اور رات چلتے رہے حتیٰ کہ جب دوسرا دن تھا تو **حضرت موسیٰ علیہ السلام** نے اپنے نوجوان سے کہا: ہمارا صبح کا کھانا لے آہمیں اس سفر میں مشقت برداشت کرنی پڑی ہے۔ **حضرت موسیٰ علیہ السلام** کو ٹھکن نہ ہوئی حتیٰ کہ اس مکان سے تجاوز کر گئے جس کا اللہ نے انہیں حکم دیا تھا۔ **حضرت موسیٰ علیہ السلام** کو ان کے نوجوان نے کہا: کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا جب ہم سستانے کے لیے چٹان کے پاس گئے تو میں مچھلی بھول گیا اور مجھے وہ فراموش نہیں کرائی مگر شیطان نے کہ اس کا ذکر کروں۔ بعض علماء نے فرمایا: بھولنا دونوں کی طرف سے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **نِسْيَا**۔ نسیان کی دونوں کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ ابتدا میں مچھلی کا اٹھانا **حضرت موسیٰ علیہ السلام** کی طرف سے تھا کیونکہ انہیں مچھلی اٹھانے کا حکم دیا گیا تھا جب وہ دونوں چلے تو پھر مچھلی اٹھانے والا نوجوان تھا حتیٰ کہ چٹان کے پاس اترے۔

فَلَمَّا جَاوَزَا یعنی جب مچھلی چھوڑ کر آگے گزر گئے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صبح کے کھانے کا سوال کیا تو نوجوان نے نسیان کی نسبت اپنی طرف کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے مَجْمَعُ الْبَحْرَيْنِ کے پاس ان کے بھولنے کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد چٹان ہے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نسیان میں شریک تھے کیونکہ نسیان کا مطلب تاخیر ہے اسی وجہ سے عرب کسی دعا میں کہتے ہیں: اِنْ شَاءَ اللهُ فِيْ اَجَلِكَ۔ اللہ تعالیٰ تیری عمر لمبی کرے۔ جب وہ چٹان سے گزر گئے تو مچھلی اٹھانے میں تاخیر ہو گئی ان میں سے کسی نے وہ نہ اٹھائی، پس ان دونوں کی طرف نسبت جائز ہے کیونکہ وہ دونوں گزر گئے اور مچھلی چھوڑ گئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَتَمَتَا غَدَاً۔ اس میں ایک مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ سفر میں زادراہ ساتھ لینا، یہ جاہل صوفیاء پر رد ہے جو بیابانوں اور میدان میں بغیر زادراہ کے جاتے ہیں یہ گمان کرتے ہوئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اور اہل زمین میں سے اس کے کلیم تھے۔ انہوں نے اپنے رب کی معرفت اور اللہ تعالیٰ پر توکل کے باوجود زادراہ ساتھ لیا۔ صحیح بخاری میں ہے (1)۔ یمن کے کچھ لوگ حج کرتے تھے اور زادراہ ساتھ نہیں لے جاتے تھے، اور کہتے تھے: ہم توکل کرنے والے ہیں۔ پھر جب حرم میں پہنچتے تو لوگوں سے سوال کرتے تو اللہ تعالیٰ نے وَتَزَوَّدُوا کا ارشاد نازل فرمایا، یہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زادراہ میں اختلاف ہے کہ وہ کیا تھا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ زنبیل میں تمکین مچھلی تھی، صبح و شام وہ اس سے کھاتے تھے جب وہ دریا کے ساحل پر چٹان تک پہنچ گئے تو نوجوان نے ٹوکری کور کھ دیا، مچھلی پر دریا کے چھینٹے پڑے تو اس نے ٹوکری میں حرکت کی، ٹوکری الٹی ہو گئی اور مچھلی سرنگ بنا کر چلی گئی۔ نوجوان حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ مچھلی حضرت خضر علیہ السلام کی جگہ کی دلیل تھی کیونکہ حدیث میں ارشاد ہوا تھا: اپنے ساتھ ایک ٹوکری میں مچھلی اٹھاؤ جہاں وہ تم سے گم ہو جائے وہ وہاں ہوگا۔ اس بنا پر مچھلی کے علاوہ کوئی زادراہ ہوگا۔ یہ ہمارے شیخ ابو العباس نے ذکر کیا ہے اور اس کو اختیار کیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا (2): میرے باپ نے کہا میں نے ابو الفضل جوہری کو اپنے وعظ میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مناجات کے لیے گئے تو وہ چالیس دن رہے اور انہیں کھانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی جب وہ انسانوں کی طرف چلے تو انہیں دن کے وقت بھوک محسوس ہوئی۔ نَصَبًا کا معنی تھکن ہے۔ النصب کا معنی تھکن اور مشقت ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے یہاں مراد بھوک ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ جو انسان کو تکلیف اور مرض ہو تو اس کا بتانا جائز ہے، یہ مقام رضا کے منافی نہیں ہے اور نہ قضا کو تسلیم کرنے کے منافی ہے، لیکن یہ اس صورت میں جائز ہے جب اکٹھا ہٹ اور ناراضگی کی بناء پر نہ ہو۔ وَمَا اَنْسَيْنِيْهِ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَكَ اَنْ اور فعل مصدر کی تاویل میں ہیں۔ یہ اَنْسَيْنِيْهِ کی ضمیر سے بدل اشتمال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یہ اسم ضمیر سے ظاہر بدل ہے، یعنی ما انسان ذكرك اِلَّا الشَّيْطٰن۔ اور حضرت عبد اللہ کے مصحف میں وَمَا اَنْسَيْنِيْهِ اَنْ اَذْكُرَكَ اِلَّا الشَّيْطٰن ہے۔ یہ یوشع نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول پر عذر پیش کرنے کے لیے کہا جو انہوں نے کہا تھا کہ میں تجھ سے بات نہیں کروں گا مگر یہ کہ تم مجھے بتاؤ جہاں تجھ سے مچھلی جدا ہو گئی تھی، میں نے تجھے کوئی بڑی تکلیف نہیں دی۔ اس

قول کی وجہ سے یوشع نے معذرت خواہانہ کلام کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَإِتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا** یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یوشع نے کہا ہو یعنی مچھلی نے اپنا راستہ بنا لیا لوگوں کے لیے تعجب والی بات ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ خبر کی تکمیل سے ہے، پھر تعجب کو علیحدہ اپنی طرف سے بیان کیا ہو کہ اس امر پر تعجب ہے۔ تعجب اس لیے ہے کہ مچھلی مرچکی تھی اور اس کی بائیں جانب کھائی گئی تھی پھر اس کے بعد زندہ ہو گئی تھی۔ ابوالشجاع نے کہا: طبری کی کتاب میں، میں نے اس کو دیکھا، اُتیت بہ (اسے لایا گیا)۔ وہ مچھلی کی ایک طرف تھی اور ایک آنکھ تھی اور دوسری طرف میں کچھ بھی نہیں تھا۔ ابن عطیہ نے کہا: میں نے اس کو دیکھا جس جانب کچھ نہیں تھا۔ اس پر باریک پردہ تھا جس کے نیچے کوئی کانٹا نہیں تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ **وَإِتَّخَذَ سَبِيلَهُ** اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں: اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق خبر دی کہ اس نے مچھلی کے دریا میں راستہ بنانے پر تعجب کیا یا مچھلی کے متعلق خبر دی کہ اس نے لوگوں کے تعجب کے لیے راستہ بنایا۔ بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے قصص میں مروی ہے کہ وہ مچھلی زندہ ہو گئی تھی کیونکہ اسے اس چشمہ کا پانی لگا تھا جسے عین الحیاة کہا جا ۳۔ ہے، وہ پانی جس چیز کو لگتا ہے وہ زندہ ہو جاتی ہے۔ ”التفسیر“ میں ہے کہ علامت یہ تھی کہ مچھلی زندہ ہو گئی تھی۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام سفر سے تھک کر چٹان کے پاس سستانے کے لیے گئے تو اس کے قریب آب حیات تھا وہ پانی مچھلی کو لگا تو وہ زندہ ہو گئی (1)۔ ترمذی نے اپنی حدیث میں کہا سفیان نے کہا لوگوں کا خیال ہے کہ اس چٹان کے پاس آب حیات کا چشمہ تھا وہ کسی چیز کو نہیں لگتا مگر وہ زندہ ہو جاتی ہے۔ فرمایا: اس مچھلی سے کھایا گیا تھا، جب اس پر پانی کے قطرے پڑے تو وہ زندہ ہو گئی۔ صاحب کتاب العروس نے ذکر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آب حیات سے منو کیا تو آپ کی داڑھی سے ایک قطرہ مچھلی پر گرا تو وہ زندہ ہو گئی۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبِغُ** یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نوجوان کو مچھلی اور اس کے گم ہونے کے متعلق بتایا کہ وہ جگہ تو تھی جس کو طلب کرتے تھے وہ شخص جس کے لیے ہم آئے ہیں وہ وہاں ہے۔ پھر وہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے آئے تاکہ راستہ بھول نہ جائیں۔ بخاری میں ہے (2): ان دونوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو دریا کے درمیان سبز جائے نماز پر کپڑا پیٹ کر سویا ہوا پایا انہوں نے چادر کی ایک طرف قدموں کے نیچے اور ایک طرف سر کے نیچے کی ہوئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان پر سلام کیا تو انہوں نے اپنے چہرہ سے کپڑا ہٹایا اور کہا: یہ تمہاری زمین کا سلام ہے؟ تو ان سے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں موسیٰ ہوں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: حضرت موسیٰ بنی اسرائیل؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے پوچھا: کیا کام ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں اس لیے آیا ہوں تاکہ آپ سے دعا کروں کہ تم کو کھانا نہیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ ثعلبی نے کتاب (العرائس) میں کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پانی کی سطح پر سبز جائے نماز پر سویا ہوا پایا وہ سبز کپڑا اوڑھے ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ

1۔ مجمع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ الکہف، حدیث نمبر 3074، نیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ مجمع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، حدیث نمبر موسیٰ، جلد 2، صفحہ 689

السلام نے ان پر سلام کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے چہرے سے کپڑا بٹایا اور کہا: یہ ہماری زمین کا سلام کہاں ہے؟ پھر اپنا سراٹھایا اور سیدھے بیٹھ گئے اور کہا: اے بنی اسرائیل کے نبی! وعلیک السلام۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا: تجھے میرے متعلق کیسے خبر ہوئی ہے؟ اور تجھے کس نے بتایا ہے کہ میں بنی اسرائیل کا نبی ہوں؟ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: جس نے آپ کو میرے متعلق بتایا ہے اور میری طرف جس نے تمہاری راہنمائی کی ہے۔ پھر کہا: اے موسیٰ! تجھے تو بنی اسرائیل میں مشغولیت تھی۔ حضرت موسیٰ نے کہا: میرے رب نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے تاکہ میں آپ کی پیروی کروں اور آپ سے وہ علم سیکھوں جو آپ کو اس نے سکھایا ہے۔ پھر دونوں ماقبل کرتے ہوئے بیٹھ گئے۔ ایک پرندہ آیا اور اس نے اپنی چونچ میں پانی اٹھایا۔ آگے حدیث ذکر کی جیسا کہ آگے آئے کی (1)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَوَّجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا۔ العبد سے مراد جمہور کے قول پر حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ اور احادیث کا مقتضا بھی یہی ہے۔ انہوں نے اس کی مخالفت کی ہے جن کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھی حضرت خضر نہیں تھے بلکہ کوئی دوسرا عالم تھا، یہ قول قشیری نے حکایہ کیا ہے۔ فرمایا: ایک قوم نے کہا: وہ عبد صالح تھا۔ صحیح یہ ہے کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے، اس کے متعلق نبی کریم ﷺ سے خبر مروی ہے۔ مجاہد نے کہا: حضرت خضر علیہ السلام کو خضر اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ جب وہ نماز پڑھتے تھے تو ان کے ارد گرد کا علاقہ سرسبز ہو جاتا تھا۔ ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے (2) فرمایا نبی پاک ﷺ نے فرمایا: خضر علیہ السلام کو خضر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ سفید زمین پر بیٹھتے تھے تو وہ اس کے نیچے سبز ہو کر لہلہانے لگتی تھی۔ یہ حدیث صحیح غریب ہے۔ حدیث میں الفردۃ کا لفظ آیا ہے جس کا معنی سطح زمین ہے۔ یہ خطاب وغیرہ کا قول ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں بعض علماء نے فرمایا: وہ عبد صالح تھے بنی اسرائیل تھے۔ آیت ان کی نبوت کی گواہی دیتی ہے کیونکہ ان نے افعال کے راز وحی سے معلوم ہو سکتے ہیں، کیونکہ انسان نہ سیکھتا ہے اور نہ ہی اتباع کرتا ہے مگر اس کی جو اس سے بلند مرتبہ ہوتا ہے۔ اور یہ جائز نہیں کہ نبی سے وہ بلند مرتبہ ہو جو نبی نہیں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ فرشتہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ان سے علم باطن حاصل کریں جو اسے حاصل ہے۔ پہلا قول صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَتَيْنَهُم مَّا حَمَلُوا مِن عَنَّا نَاسٍ آتٍ مِّن رَّحْمَتِنَا اس آیت میں رحمت سے مراد نبوت ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد نعمت ہے۔ وَعَلَّمْنَاهُ مِمَّن لَّدُنَّا عِلْمًا یعنی ہم نے اسے اپنی جناب سے علم عظیم سکھایا۔ ابن عطیہ نے کہا: حضرت خضر علیہ السلام کا علم، علم معرفت تھا جو ان کی طرف وحی کیا گیا تھا، ان کے افعال و احکام کے ظواہر کا رنگ نہیں دیا جاتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا علم، علم احکام اور رموزی لوگوں کے ظاہر اقوال اور افعال سے متعلق تھا۔

1- صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، حدیث 3400، جلد 2، صفحہ 689

2- جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورہ کہف، جلد 2، صفحہ 144۔ ایضاً حدیث نمبر 3016، فی القرآن پہلی جلد

3- المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 529

قَالَ لَهُ مُوسَى هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَ مِنَّا عَلِيمًا ۖ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۖ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خَيْرًا ۖ قَالَ سَجْدُنِي لِإِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ۖ قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحَدِّثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۖ

”کہا اس بندے کو موسیٰ نے کیا: میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ آپ سکھائیں مجھے رشد و ہدایت کا خصوصی علم جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ اس بندے نے کہا: (اے موسیٰ) آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں اس بات پر جن کی آپ کو پوری طرح خبر نہیں۔ آپ نے کہا: آپ مجھے پائیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا صبر کرنے والا اور میں نافرمانی نہیں کروں گا آپ کے کسی حکم کی۔ اس بندے نے کہا: اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھئے نہیں یہاں تک کہ میں آپ سے اس کا خود ذکر کروں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ لَهُ مُوسَى هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَ مِنَّا عَلِيمًا اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ لَهُ مُوسَى هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَ مِنَّا عَلِيمًا اس میں دو مسئلے ہیں: اس میں مبالغہ کرتے ہوئے اپنے مقام سے اتر کر سوال کر رہا ہے، مطلب یہ ہے کیا تمہارے لیے ایسا اتفاق ہوگا اور آپ پر آسانی ہوگی؟ یہ اس طرح ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: ”کیا تو مجھے دکھا سکتا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کیسے وضو کرتے تھے“ (1)۔ بعض تاویلات پر یہ آئے گا اسی طرح یہ ارشاد ہے: هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَاءً يَدْرَأُ مِنَ السَّمَاءِ (المائدہ: 112) اس کا بیان سورہ مائدہ میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ شاگرد، استاد کے تابع ہوتا ہے اگرچہ مراتب مختلف ہوں، اس سے یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر علیہ السلام سے سیکھنے میں دلیل ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل تھے، کبھی فاضل کو اس بات کا علم نہیں ہوتا جس کا مفضول کو علم ہوتا ہے، فضیلت اسے حاصل ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ فضیلت دیتا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام اگر ولی تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے افضل ہوں گے، کیونکہ وہ نبی تھے اور نبی، ولی سے افضل ہوتا ہے۔ اور اگر وہ نبی تھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسالت کے ساتھ فضیلت دی گئی تھی۔ واللہ اعلم۔ مُرْشِدًا يَهْدِي تَعْلِيمًا کا دوسرا مفعول ہے۔ قَالَ، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا یعنی اے موسیٰ! آپ میرے علم کو دیکھ کر صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے کیونکہ ظواہر جو آپ کا علم ہے وہ اس علم کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا (2)۔ آپ جس کو خطا دیکھیں گے اس پر کیسے صبر کریں گے؟ اور اس میں حکمت کی وجہ تم پر منکشف نہ

ہوگی تو آپ کیسے ضبط کر سکیں گے؟ وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا کا یہی معنی ہے۔ انبیاء کرام کسی منکر پر خاموش نہیں رہتے اور نہ ان کے لیے خاموش ہونا جائز ہوتا ہے، تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: آپ اپنی عادت اور حکم کی بنا پر خاموش نہیں رہ سکیں گے۔ خُبْرًا کی نصب تہیز کی بنا پر ہے جو فاعل سے منقول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: مصدر کی بنا پر ہے جو معنی میں متصل ہے۔ کیونکہ لَمْ تُحِطْ کا معنی ہے لم تغبرہ گویا فرمایا: لم تغبرہ خبْرًا، اسی کی طرف مجاہد نے اشارہ کیا ہے۔ خبیر بالأمور وہ ہوتا ہے جو امور کے بواطن کو جانتا ہو اور امور میں سے جن سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ سَجِدُنِي إِنْ سَاءَ اللَّهُ صَابِرًا یعنی میں اللہ تعالیٰ نے چاہا تو صبر کروں گا۔ وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا میں آپ کی اطاعت کروں گا۔ استثناء میں اختلاف ہے کیا یہ وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا کے قول کو شامل ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے فرمایا: اس کو شامل ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالذَّكِرِينَ اللَّهُ كَثِيرًا وَالذَّكِرَاتِ (احزاب: 35) بعض علماء نے فرمایا: صبر میں استثناء کی تو صبر کیا اور وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا میں استثناء نہیں کی، اس لیے اعتراض کیا اور سوال کیا۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اس میں استثناء نہیں تھی کیونکہ صبر مستقبل کا امر ہے۔ معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں کیا حالت ہوگی اور معصیت کی نفی کا عزم کیا گیا تھا وہ فی الحال حاصل تھی، پس اس میں استثناء عزم کے منافی ہے۔ ان کے درمیان اس طرح فرق کرنا ممکن ہے کہ صبر ہمارے لیے ملکتب نہیں ہے بخلاف معصیت کے کرنے اور اس کے ترک کرنے کے، کیونکہ یہ تمام ہمارے لیے ملکتب ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحَدِّثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا یعنی حتیٰ کہ میں خود تمہارے لیے اس کی تفسیر بیان کروں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے سنگت کے آداب سکھائے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے تو عجیب چیزوں کو دیکھ لیتے، لیکن انہوں نے اعتراض کیا پس فراق اور اعراض متعین ہو گیا۔

فَانطَلَقًا ۝ حَتَّىٰ إِذَا رَاكِبًا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا ۝ قَالَ أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا ۝ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا ۝

”پس وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب وہ سوار ہوئے کشتی میں تو اس بندے نے اس میں شکاف کر دیا، موسیٰ بول اٹھے: کیا تم نے اس لیے شکاف کیا ہے کہ اس کی ساریوں کو ڈبو دو یقیناً تم نے بہت عجیب کام کیا ہے۔ اس بندے نے کہا کیا: میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میں یہ طاقت نہیں کہ میری سنگت پر صبر کر سکیں۔ آپ نے (عذر خواہی کرتے ہوئے) کہا کہ نہ گرفت کرو مجھ پر میری بھول کی وجہ سے اور نہ سختی کرو مجھ پر میرے اس معاملہ میں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاٰنطَلَقًا ۝ حَتَّىٰ اِذَا رَاكِبًا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا ۝ اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں ہے (1): وہ دونوں دریا کے ساحل پر چلے ایک کشتی گزری تو انہوں نے سوار کرنے کے لیے ان سے بات کی کشتی والے حضرت خضر کو جان گئے تو انہوں نے بغیر کرائے کے سوار کر لیا جب کشتی میں دونوں سوار ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اچانک دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ہتھوڑے کے ساتھ کشتی کے تختوں میں سے ایک تختہ نکالا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ان لوگوں نے ہمیں بغیر کرائے کے سوار کیا اور آپ نے ان کی کشتی کو شکاف کر دیا تاکہ اس کے سواروں کو ہلاک کر دیں، آپ نے برا کام کیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ مجھ پر گرفت نہ فرمائیں میری بھول کی وجہ سے اور نہ مجھ پر میرے اس معاملہ میں سختی کریں۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا سوال بھولنے کی وجہ سے تھا“ فرمایا: ایک چڑیا آئی وہ کشتی کے کنارے پر بیٹھی اور دریا سے ایک چونچ بھری، حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: میرا علم اور تیرا علم، علم الہی سے کمی نہیں کرتا مگر جتنا کہ اس دریا سے اس چڑیا نے کمی کی ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: حرف السفینۃ سے مراد اس کی طرف ہے ہر چیز کا حرف اس کا طرف ہوتا ہے (2)، اسی سے حرف الجبل ہے پہاڑ کی چوٹی۔ اور یہاں علم بمعنی معلوم ہے جیسے فرمایا: وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ (بقرہ: 255) یعنی معلوماً ہے۔ یہ حضرت خضر علیہ السلام نے تمثیل بیان کی کہ میری معلومات اور تمہاری معلومات کا اللہ تعالیٰ کے علم پر کوئی اثر نہیں جیسا کہ چڑیا نے اس دریا سے جو پانی لیا اس کی اس دریا کے پانی سے کوئی نسبت نہیں۔ دریا سے مثال بیان فرمائی، کیونکہ یہ اکثر ہمارے مشاہدہ میں ہوتا ہے اور یہاں نقص (کمی) کے لفظ کا اطلاق مجازاً ہے اس سے تمثیل اور سمجھانا مقصود ہے کیونکہ اللہ کے علم میں کوئی نقص نہیں ہے اور اس کی معلومات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس کا معنی امام بخاری نے واضح کیا ہے فرمایا: اللہ کی قسم! میرا علم اور تیرا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے نہیں ہے مگر جس طرح اس پرندے نے اپنی چونچ میں اس دریا سے پانی لیا ہے۔ تفسیر میں ابو العالیہ سے مروی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی نے نہ دیکھا جب آپ نے کشتی کو شکاف کیا تھا وہ ایسے بندے تھے کہ اسے کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی تھی مگر جس کو اللہ دکھانا چاہتا تھا۔ اگر قوم انہیں دیکھتی تو وہ اسے کشتی کو شکاف لگانے سے منع کرتے۔ بعض علماء نے فرمایا: اہل سفینہ جزیرہ کی طرف نکلے اور حضرت خضر علیہ السلام پیچھے موجود تھے تو انہوں نے کشتی کو شکاف کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو پھاڑا تو موسیٰ علیہ السلام ایک طرف ہو گئے اور دل میں سوچا کہ میں اس شخص کی سنگت نہیں کروں گا، میں بنی اسرائیل میں کتاب اللہ کی صبح و شام تلاوت کرتا ہوں اور وہ میری اطاعت کرتے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں بتاؤں جو تم دل میں سوچ رہے ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: تم ایسا ایسا خیال کر رہے ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ نے سچ فرمایا ہے، یہ ثعلبی نے کتاب (العرائس) میں ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ کشتی کے شکاف کرنے میں دلیل ہے کہ ولی کے لیے جائز ہے کہ وہ یتیم کے مال میں کمی کر دے جب

وہ اس میں بھلائی اور اصلاح دیکھے مثلاً اس کے مکان پر کسی ظالم کا خوف دیکھے تو اس کے بعض حصہ کو خراب کر دے۔ امام ابو یوسف نے کہا: ولی کے لیے جائز ہے کہ وہ یتیم کے بعض مال کے عوض بعض مال کے لیے سلطان سے معاملات کرے۔ حمزہ اور کسائی نے (لیغرق) یاء کے ساتھ اور اَهْلَهَا کو یغرق کے فاعل کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے۔ اور جمہور کی قرأت پر بَعْرِقٌ میں لام مآل کے لیے ہوگا جیسے لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا (القصص: 8) میں لام عاقبت و مآل کے لیے ہے اور حمزہ کی قرأت پر لام مآل ہے، لتغرقنی نہیں فرمایا کیونکہ ان پر فی الحال دوسرے لوگوں پر شفقت غالب تھی اور ان کے حق کی رعایت کا خیال تھا۔ امرًا کا معنی عجیب ہے، یہ قسمی کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی منکر ہے، مجاہد نے بھی یہی کہا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: الامر سے مراد بہت بڑی مصیبت ہے اور دلیل کے طور پر یہ شعر پڑھا ہے:

قَدْ لَقِيَ الْاَقْرَانُ مِنِّي نَكْرًا دَاهِيَةً دَهِيَاءَ اِذَا اِمْرًا

انفخ نے کہا: کہا جاتا ہے امرًا امرًا یا امرًا امرًا جب شدت پیدا ہو جائے اسم الامر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ لَا تَأْخُذْ بِلِسَانِ نَسِيْتُ اس کے معنی میں دو قول ہیں، (i) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: یہ کلام کی معاریض سے ہے (ii) دوسرا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھول گئے تھے تو معذرت کی، اس میں دلیل ہے کہ نسیان مواخذہ کا مقتضی نہیں ہے، یہ تکلیف کے تحت داخل نہیں اس کے ساتھ طلاق وغیرہ کے احکام متعلق نہیں ہوتے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ اگر دوسری مرتبہ بھی بھول جائے تو معذرت کرے۔

فَانْطَلَقًا حَتَّى اِذَا لَقِيَ اَعْلَمًا فَقَتَلَهُ قَالَ اَقْتَلْتَنِي نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ

جِئْتَنِي شَيْئًا نَكْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ اِنْ

سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ مِّنْ بَعْدِهَا فَلَا تُصَحِّبْنِي ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِن لَدُنِّي عُذْرًا ۝

”پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ ملے ایک لڑکے کو تو اس نے اسے قتل کر ڈالا، موسیٰ (غضبناک ہو کر) کہنے لگے: مار ڈالا آپ نے ایک معصوم جان کو کسی نفس کے بدلے کے بغیر، بیشک آپ نے ایسا کام کیا ہے جو بہت ہی نازیبا ہے۔ اس نے کہا: کیا (پہلے ہی) میں نے کہہ نہ دیا تھا آپ کو کہ آپ میری معیت میں صبر نہیں کر سکیں گے۔ آپ نے کہا: اگر میں پوچھوں آپ سے کسی چیز کے بارے میں اس کے بعد تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں آپ میری طرف سے معذور ہوں گے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاَنْطَلَقًا حَتَّى اِذَا لَقِيَ اَعْلَمًا فَقَتَلَهُ بَخَارِي میں ہے یعنی نے کہا سعید نے فرمایا: حضرت خضر علیہ السلام نے لڑکے پائے جو کھیل رہے تھے انہوں نے ایک کافر لڑکا پکڑا اور اسے لٹا دیا پھر اسے چھری سے ذبح کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ نے ایک معصوم جان کو مار ڈالا ہے بغیر کسی نفس کے بدلے کے یعنی اس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔

۞ صحرا من الکلام سے مراد ہوتی ہے تو یہ کلام کرنا۔ کسی اور کو پیش نظر رکھتے ہوئے کلام کرنا۔ تو یہ میں لفظ کا بعیدی معنی پیش نظر ہوتا ہے۔

بخاری و مسلم اور ترمذی میں ہے (1): پھر دونوں کشتی سے نکلے جب وہ ساحل پر چل رہے تھے تو اچانک حضرت خضر علیہ السلام نے ایک لڑکا دیکھا جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا تو حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اس کے سر کو پکڑا اور تن سے جدا کر دیا اور اسے قتل کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا: کیا آپ نے معصوم جان کو مار ڈالا ہے بغیر کسی نفس کے بدلے کے، آپ نے بہت عجیب کام کیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: کیا میں نے پہلے ہی نہیں کہا تھا تجھے کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے؟ فرمایا: یہ جملہ پہلے سے زیادہ سخت تھا، فرمایا: اِنْ سَأَلْتَكَ عَنْ شَيْءٍ مِنْ بَعْدِ هَذَا فَلَا تُصِخِّرْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا اگر میں آپ سے اس کے بعد کسی چیز کے بارے میں پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں آپ میری طرف سے معذور ہوں گے۔ اور تفسیر میں ہے حضرت خضر علیہ السلام بچوں کے پاس سے گزرے جو کھیل رہے تھے، آپ نے اپنے ہاتھ سے ایک لڑکے کو پکڑا ان لڑکوں میں اس سے زیادہ خوبصورت کوئی نہ تھا، پھر ایک پتھر لیا اور اس کے ساتھ اس کا سر کچل دیا اور اسے قتل کر دیا۔ ابو العالیہ نے کہا: اسے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا تھا اگر لوگ حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھتے تو اسکے اور بچے کے درمیان حائل ہو جاتے۔

میں کہتا ہوں: ان تینوں احوال کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ پہلے پتھر کے ساتھ سر کو کچلا ہو پھر اسے لٹا کر ذبح کیا ہو پھر اس کا سرتن سے جدا کر دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ حقیقت حال بہتر جانتا ہے۔ اور تیرے لیے وہ کافی ہے جو صحیح حدیث میں آیا ہے۔ جمہور علماء نے زاکیۃ الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ کوفیوں اور ابن عامر نے زکیۃ بغیر الف کے یا کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: معنی ایک ہے، یہ کسائی نے کہا ہے، اور ثعلب نے کہا: الذکیۃ وہ ہوتا ہے جس نے گناہ کیا ہو اور پھر توبہ کی ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عَلَّمَا عِلْمًا كَالْغَلَامِ كَيْسَ فِيهِمْ؟ کلبی نے کہا: وہ بالغ تھا وہ دو شہروں کے درمیان ڈاکہ ڈالتا تھا اس کا باپ ان دو شہروں میں ایک شہر کے عظماء میں سے تھا اور اس کی ماں دوسرے شہر کے عظماء میں سے تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اسے پکڑا اور اسے گرا دیا اور اس کا سرتن سے جدا کر دیا۔ کلبی نے کہا: غلام کا نام شمعون تھا۔ ضحاک نے کہا: حیسون تھا۔ وہب نے کہا: اس کے باپ کا نام سلاس اور اس کی ماں کا نام زحیٰ تھا۔ سہیلی نے اس کے باپ کا نام زیر اور اس کی ماں کا نام سہوی حکایت کیا ہے۔ جمہور علماء نے کہا: وہ بالغ نہ تھا، اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: زاکیۃ جس نے گناہ نہ کیا تھا، غلام کا لفظ بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے کیونکہ مردوں میں غلام اسے کہا جاتا ہے جو بالغ نہ ہو، اس کے مقابل عورتوں میں جاریۃ (لڑکی) ہوتی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اسے قتل کیا کیونکہ آپ نے اپنے علم باطنی سے جان لیا تھا کہ وہ کافر ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے (2)، اگر وہ بالغ ہو جاتا تو وہ اپنے والدین کو کفر پر مجبور کرتا، چھوٹے بچے کو قتل کرنا محال نہیں جب اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہو، اللہ تعالیٰ فَعَالٍ لِمَا يُرِيدُ ہے۔ ہر چاہت پر قادر ہے اور کتاب (العرائس) میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب حضرت خضر علیہ السلام سے کہا: أَقْتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً

الایۃ تو حضرت خضر علیہ السلام غضبناک ہو گئے اور اس کے کندھے کو الگ کیا اس کا گوشت اس سے اتار دیا اس کے کندھے کی ہڈی پر لکھا ہوا تھا: کافر لا یومن من باللہ ابدًا۔ ”کافر ہے کبھی اللہ پر ایمان نہیں لائے گا“ پہلے قول والے علماء نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ عرب نوجوان پر غلام کے لفظ کا اطلاق کرتے ہیں۔ لیلی الاخلیلیۃ کا قول ہے:

شَفَاها من الذَّاءِ العُضَالِ الذِّی بہا غلام إذا هَزَّ القَنَاةَ سقاها

صفوان نے حضرت حسان کو کہا تھا:

تَلَّقَ ذُبَابَ السَّیْفِ عَنی فِائِنی غلام إذا هو جِیتُ لَسْتُ بشاعر

خبر میں ہے: یہ غلام (لڑکا) زمین میں فساد پھیلاتا تھا اور اپنے والدین کے سامنے قسم اٹھاتا تھا کہ اس نے ایسا نہیں کیا ہے اور اس کے والدین اس کی قسم پر قسم اٹھاتے تھے اور اس کی اس شخص سے حفاظت کرتے تھے جو اسے پکڑنا چاہتا تھا۔ علماء نے کہا: بَعْدُو نَفْسِ کا قول اس بات کا مقتضی ہے کہ اگر وہ کسی نفس کے بدلے میں قتل ہوتا تو کوئی حرج نہ ہوتی۔ یہ غلام کے بڑا ہونے پر دلیل ہے۔ اگر وہ بالغ نہ ہوتا تو اسے کسی نفس کے بدلے قتل کرنا بھی واجب نہ ہوتا، اس کا قتل لرننا جائز تھا کیونکہ وہ بالغ اور گنہگار تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ نوجوان تھا ڈاکہ ڈالتا تھا۔ ابن جبیر کا خیال ہے کہ وہ مکلف ہونے کی عمر کو پہنچ چکا تھا کیونکہ حضرت ابی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت اسی کا تقاضا کرتی ہے: وَأما الغلام فکان کافرا وکان أبواہ مؤمنین۔ کفر اور ایمان مکلفین کی صفات سے ہیں غیر مکلف پر کفر کا اطلاق نہیں کیا جاتا مگر والدین کی تبع میں اور اس غلام کے والدین مؤمن تھے، جس کی دلیل نص قرآنی ہے اور اس پر کافر کے اسم کا اطلاق بلوغت کی وجہ سے ہی تھا، پس اس کا کافر ہونا متعین ہو جاتا ہے۔ الغلام، الاغتلام سے ہے جس کا معنی بہت زیادہ شہوت والا ہونا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَکَلَّمَا عُلَمَاءَ کَاخْتِلافِ ہِے کہ فَکَلَّمَا ابلغ ہے یا امرًا۔ ایک جماعت نے کہا: یہ قتل واضح ہے اور کشتی والوں کے ڈبوں کے انتظار تھا پس فَکَلَّمَا از زیادہ بلیغ ہے۔ ایک جماعت نے کہا: یہ ایک شخص کا قتل ہے اور وہ پوری جماعت کا قتل ہے۔ پس امرًا از زیادہ بلیغ ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: میرے نزدیک دونوں میں مختلف معانی ہیں۔ امرًا۔ ایک بہت بڑی ہولناکی ظاہر کر رہا ہے جو متوقع ہے اور فَکَلَّمَا۔ فساد میں واضح ہے کیونکہ ظاہرًا ایک ناپسندیدہ کام واقع ہو چکا ہے۔ اور یہ واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنْ سَأَلْتکَ عَنْ شَیْءٍ بَعْدَہَا فَلَا تُصَحِّبْنِی یہ شرط ہے اور وہ لازم ہے۔ مسلمانوں کے معاملات ان کی شرائط کے مطابق ہوتے ہیں اور جو شرائط پوری کرنے کی زیادہ حقدار ہیں وہ وہ ہیں جن کو انبیاء لازم کرتے ہیں اور جو انبیاء کے لیے لازم کی جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّی عُدَّتْ اِہْلِی مرتبہ کچھ ہو جائے تو مطلقاً عذر خواہی کے قیام پر دلیل ہے اور دوسری مرتبہ قطعاً طور پر حجت کے قیام پر دلیل ہے، یہ ابن عربی نے کہا: ابن عطیہ نے کہا ہو سکتا ہے (1) کہ قصہ احکام میں مدتوں کی اصل ہو اور وہ مدت تین دن ہے اور تین دن ہی سے احکام مختلف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا تُصَحِّبْنِی۔

جمہور نے اسی طرح پڑھا ہے، یعنی آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں۔ اعرج نے تصحیبتی ماء اور باء کے فتح کے ساتھ اور نون کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور تصحیبتی بھی پڑھا گیا ہے۔ یعقوب نے تصحیبتی ماء کے ضمہ اور جاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے، بہل نے اس کو ابو عمرو سے روایت کیا ہے۔ کسائی نے کہا: اس کا معنی ہے تو مجھے نہ چھوڑ کہ میں تیری سنگت اختیار کروں۔

قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا تو میری سنگت چھوڑنے پر معذوری پر پہنچ جائے گا۔ جمہور علماء نے من لدنی دال کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، مگر نافع اور عاصم نے نون کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ اصل میں لدن ہے اس کے ساتھ یاء متکلم متصل ہوئی جو غلامی اور فرسی میں ہوتی ہے یاء کے ماقبل کو کسرہ دیا گیا جس طرح غلامی اور فرسی میں دیا گیا۔ ابو بکر عاصم سے لَدُنِّي لام کے فتح اور دال کے سکون اور نون کی تخفیف کے ساتھ روایت کیا ہے۔ عاصم سے لَدُنِّي لام کے ضمہ اور دال کے سکون کے ساتھ مروی ہے۔ ابن مجاہد نے کہا: یہ غلط ہے۔ ابو علی نے کہا: یہ تغلیط روایت کی جہت سے ہونے کے مشابہ ہے رہا عربیت کے قیاس کی بنا پر تو یہ صحیح ہے۔ جمہور نے عذرا پڑھا ہے۔ عیسیٰ نے عذرا اذال کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ دانی نے حکایت کیا ہے کہ حضرت اُبی نے نبی کریم ﷺ سے ”عُذْرِي“ راء کے کسرہ اور اس کے بعد یاء کے ساتھ روایت کیا ہے۔

مسئلہ: طبری نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے (1) فرمایا: نبی پاک ﷺ جب کسی کے لیے دعا کرتے تو پہلے اپنا ذکر کرتے ایک روایت میں فرمایا: ”رحمة الله علينا وعلى موسى“ اگر وہ اپنے ساتھی کے ساتھ صبر کرتے تو عجیب چیزیں دیکھتے، لیکن انہوں نے کہا: ”فَلَا تُصْحِبْنِي“ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا۔ اور صحیح مسلم میں ہے (2) نبی پاک ﷺ نے فرمایا: رحمة الله علينا وعلى موسى اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جلدی نہ کرتے تو عجیب باتیں دیکھتے لیکن انہیں اپنے ساتھی کی طرف سے عار نے آلیا اگر وہ صبر کرتے تو عجیب چیزیں دیکھتے۔ فرمایا: جب آپ کسی نبی کا ذکر کرتے تو پہلے اپنا ذکر کرتے، آپ فرماتے: ”رحمة الله علينا وعلى اخي كذا“۔ اور بخاری میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے (3) فرمایا: ”يرحم الله موسى لوددنا أنه صبر حتى يقص علينا من امرها“۔ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے ہماری خواہش تھی کہ آپ صبر کرتے تاکہ ہم پر ان کے معاملات بیان کیے جاتے۔

مسلم کی حدیث میں ذمامة کا لفظ آیا ہے، یہ المذمة (ذال کے فتح اور کسرہ کے ساتھ) کے معنی میں ہے جس کا معنی ہے حرمت کے ترک پر عار اور رقت محسوس کرنا۔ کہا جاتا ہے: أخذتني منك مذمة ومذمة وذمامة۔ گویا وہ مخالفت کے تکرار سے شرم محسوس کرنے لگے اور انکار کی تغلیط کی جو ان سے صادر ہوئی اس پر رقت محسوس کرنے لگے۔

فَانطَلَقَا^١ حَتَّىٰ إِذَا آتَيْتَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطَعَا أَهْلُهَا فَابُوا أَنْ يُصِيفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقُضَ فَاقَامَهُ^٢ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا^٣ قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا^٤

2- صحیح مسلم، کتاب الفضائل، خضر مع موسیٰ، جلد 2، صفحہ 271

1- تفسیر طبری، ج 15-16، صفحہ 332

3- صحیح بخاری، خضر مع موسیٰ، جلد 1، صفحہ 483

”پھر وہ چل پڑے یہاں تک کہ جب ان کا گزر ہوا گاؤں والوں کے پاس سے تو انہوں نے ان سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے (صاف) انکار کر دیا ان کی میزبانی کرنے سے پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی جو گرنے کے قریب تھی تو اس بندے نے اسے درست کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کہنے لگے: اگر آپ چاہتے تو اس محنت پر مزدوری ہی لے لیتے۔ اس نے کہا: (بس سنگت ختم) اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا ہے، میں آگاہ کرتا ہوں آپ کو ان باتوں کی حقیقت پر جن کے متعلق آپ صبر نہ کر سکتے۔“

اس میں تیرہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتَّىٰ إِذَا آتَيْنَا أَهْلَ قَرْيَةٍ صَحِيحٌ مُّسْلِمٌ مِّنْكُمْ فَأَرْسَلْنَا بِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا سَمِيًّا سَمِعْنَا نَبَأَ رَجُلَيْنِ يَخْتَصِمَانِ يَمْشِيانِ بِالْحَاكِمِ لَوْ أَنَّ آهْلَ الْقُرَىٰ لَدَارِكُوا النَّبِيَّ وَآلَهُ يَوْمَ الْمَلَأِ شِعْبَ الْكَافِرِينَ (سورہ کہف، آیت 17)۔

انہوں نے نبی کریم ﷺ سے ”لشام“ کا لفظ روایت کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام مجالس میں گھومتے تھے اور ان سے کھانا طلب کیا تو انہوں نے میزبانی کرنے سے انکار کیا، پھر ان دونوں نے ایک جھکی ہوئی دیوار دیکھی تو حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے درست کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہم اس قوم کے پاس آئے انہوں نے نہ ہماری میزبانی کی اور نہ کھانا کھلایا، اگر آپ چاہتے تو اس پر محنت ہی طلب کر لیتے، تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: یہ تمہاری اور میری جدائی کا وقت ہے، میں تجھے ان باتوں کی حقیقت سے آگاہ کرتا ہوں جن پر تم صبر نہ کر سکتے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے میری خواہش تھی کہ آپ صبر کرتے حتیٰ کہ ہم پر ان کے واقعات واخبا رکریں“ (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس گاؤں کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ اَبْلَةُ (ایلہ) تھا: یہ قنادہ کا قول ہے، اسی طرح محمد بن سیرین نے کہا ہے: یہ بخیل ترین لوگوں کا گاؤں تھا اور آسمان سے یعنی اس کی رحمت سے بہت دور تھا۔ بعض نے کہا: یہ انطاکیہ کا گاؤں تھا۔ بعض نے کہا: اندلس کا جزیرہ تھا: یہ حضرت ابو ہریرہ وغیرہ سے مروی ہے۔ یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ جزیرہ تھا۔ ایک جماعت نے کہا: یہ باجروان تھا یہ آذر بایجان کے قریب ہے۔ سہیلی نے حکایت کیا ہے فرمایا: یہ برقہ ہے۔ ثعلبی نے کہا: یہ روم کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات تھا، اسے ناصرہ کہا جاتا تھا: اس کی طرف نصاریٰ منسوب ہیں۔ یہ سب اس اختلاف کی بنا پر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ کس علاقہ میں ہوا؟ حقیقت حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کی بکریوں کو پانی پلایا تھا تو اس وقت انہیں کھانے کی زیادہ ضرورت تھی نسبت اس وقت کے جب حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ دیہات میں آئے تھے، اس وقت تو انہوں نے خوراک طلب نہیں کی تھی بلکہ پہلے بکریوں کو پانی پلایا تھا اور یہاں خوراک کا سوال کیا ہے۔ اس مسئلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک یہ ہے کہ مدین کے سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے تھے اور یہاں حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ ان کی اتباع میں تھے۔ میں کہتا ہوں: اس معنی کی بنا پر آیت کی ابتدا میں اپنے نوجوان کو بھی کہا تھا: اِتَّبَعْنَا نَبِيًّا وَآلَهُ لَقَدْ لَقِينَا

مِنْ سَفَرٍ نَاهِذَا نَصَبًا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھوک کا اظہار کیا اپنے ساتھی یوشع کی رعایت کرتے ہوئے۔ واللہ اعلم۔
بعض علماء نے فرمایا: جب یہ سفر تادیب تھا تو انہیں مشقت میں مبتلا کیا گیا اور وہ سفر، سفر، ہجرت تھا تو ان کی خوراک کے ذریعے مدد اور نصرت کے سپرد کیے گئے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اس آیت میں خوراک کے سوال کرنے پر دلیل ہے، اگر کوئی شخص بھوکا ہو تو اسے وہ چیز طلب کرنی چاہیے جو اس کی بھوک کو ختم کر دے، جبکہ جہاں صوفیاء اس کے مخالف ہیں۔ الاستطعام کا معنی کھانا طلب کرنا ہے، یہاں مراد ضیافت کا سوال ہے، اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: **فَأَبَوْا أَنْ يُضَيَّفُوهُمَا۔** اسی وجہ سے اس گاؤں والے مذمت کے مستحق ٹھہرے اور کمینگی اور بخل کی طرف منسوب کیے گئے جیسا کہ ہمارے نبی پاک ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا ہے۔ قتادہ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: بدترین وہ گاؤں ہے جس میں مہمان کی مہمان نوازی نہیں کی جاتی اور مسافر کا حق نہیں پہنچایا جاتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ضیافت ان پر واجب تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ان سے اس کا مطالبہ کیا جو ضیافت میں سے واجب تھا۔ انبیاء کی حالت اور فضلاء و اولیاء کے منصب کے یہی لائق ہے۔ ضیافت کے بارے میں قول سورہ ہود میں گزر چکا ہے۔ الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ حریری ☆ کو معاف کرے جس نے اس آیت میں مناسب گفتگو نہیں کی، اس سے اس میں لغزش ہوئی ہے، اس نے اس آیت سے اصرار سے سوال کرنے پر استدلال کیا ہے اور ایسا کرنے والے پر یہ عیب نہیں ہے اور اس پر کوئی نقص نہیں ہے، اس نے کہا:

وَان رُدِدْتَ فَمَا نِي الرِّدِّ مَنَقَصَةٌ عَلَيْكَ وَرَدَّ مُوسَى قَبْلُ وَالْخَضِرُ

میں کہتا ہوں: یہ دین کے ساتھ مزاح ہے اور انبیاء کرام کے احترام میں کوتاہی ہے، یہ ادبی لغزش ہے اور نامناسب قول ہے۔ اللہ تعالیٰ سلف صالحین پر رحم فرمائے، انہوں نے ہر ذی عقل کو وصیت کرنے میں مبالغہ کیا ہے، انہوں نے کہا: جب تو کسی چیز سے کھیلنے والا ہو تو دین سے کھیل سے اجتناب کر۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **جِدَارًا۔** الجدار والجدردونوں کا ایک معنی ہے، حدیث شریف میں "حقی بیدغ الباء الجدر" (1)۔ حتیٰ کہ پانی کھیت کی وٹوں تک پہنچ جائے۔ مکان جدیڑ بنی حوالیہ جدار۔ بہتر مکان وہ ہے جس کے ارد گرد دیوار بنائی گئی ہو، اصل معنی اٹھانا ہے۔ أجدرت الشجرة، درخت نکل آیا، اسی سے الجدر معنی ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يُرِيدُ أَنْ يَنْقُصَ** کرنے کے قریب تھی، یہ مجاز ہے اس کی تفسیر حدیث میں (مائل) کے قول سے کی گئی ہے، اس میں دلیل ہے کہ قرآن میں مجاز موجود ہے، یہی جمہور کا مذہب ہے۔ وہ تمام افعال جن کا حق یہ ہے کہ وہ زندہ ناطق کے لیے ہوں جب وہ جمادات اور چوپاؤں کی طرف منسوب ہوں تو وہ مجاز ہوگا یعنی اگر ان کی جگہ انسان ہوتا تو وہ اس فعل کے مناسب ہوتا۔ کلام عرب میں مجاز کثیر ہے، اسی سے اعشیٰ کا قول ہے:

أَتَتْهُمْ وَلَا يَنْهَى ذَوِي شَطِيطٍ كَالطَّعْنِ يَذْهَبُ فِيهِ الزَّيْتُ وَالْفُتْلُ
اعشى نے نبی کو الطعن کی طرف منسوب کیا ہے۔

اور ایک شاعر نے کہا:

يُرِيدُ الرَّمْحُ صَدْرَ أَبِي بَرَاءٍ وَيُرِغِبُ عَنِ دِمَاءِ بَنِي عَقِيلٍ (1)
اس میں فعل یرید کی نسبت الرمح (نیزہ) کی طرف ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

إِنْ دَهْرًا يَلْفُ شَنِئِي بِجُنَيْلٍ لَزِمَانٌ يَهُمُّ بِالْإِحْسَانِ
ایک اور شاعر نے کہا:

فِي مَهْمَةٍ فَلَقْتُ بِهَامَاتِهَا فَلَقَّ الْقَوْسُ إِذَا أُرْدُنُ نُصُولًا
یہ عربوں کے قول: نَصَلَ السِّيفُ سے مشتق ہے جب وہ نشانہ پر لگ جائے تلواروں کے ان کے سروں پر واقع ہونے پر زمین میں ہتھوڑے کے واقع ہونے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ ہتھوڑا زمین میں واقع ہوتا ہے تو جلدی نکلتا نہیں۔ حضرت حسان بن ثابت نے کہا:

لَوْ أَنَّ اللَّوْمَ يُنْسَبُ كَانَ عَبْدًا قَبِيحَ الْوَجْهِ أَعْوَرَ مِنْ ثَقِيفٍ
عشرہ نے کہا:

فَأَزِدْ مِنْ دَوْعِ الْقَنَا بِلَبَائِهِ وَشَكَا إِلَى بَعْبُورَةَ وَتَحْنُحُمُ
اس معنی کی تفسیر اس قول سے بھی ہوتی ہے:

لوکان یدری ما المِحَادِرَةَ اِشْتَكَى

اس مفہوم میں بہت سی مثالیں موجود ہیں، اسی سے لوگوں کا قول ہے: ان داری تنظر الی دار فلان۔ دیکھنے کی نسبت دار کی طرف کی گئی ہے۔ حدیث میں ہے۔ اشتکت النار الی ربھا (2)۔ شکایت کی نسبت آگ کی طرف کی گئی ہے، ایک قوم نے قرآن میں مجاز سے منع کیا ہے، ان میں ابو اسحاق اسفرائینی، ابو بکر محمد بن داؤد اصہبانی وغیرہما ہیں، کیونکہ اللہ کا کلام اور اس کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو حقیقت پر محمول کرنا اولیٰ ہے، کیونکہ وہ حق بیان کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، نیز ان علماء نے اس سے بھی حجت پکڑی ہے کہا: اگر اللہ تعالیٰ مجاز سے ہمیں خطاب فرماتا ہے تو اسے مستجوز کہنا بھی لازم آئے گا۔ اور حقیقت سے مجاز کی طرف عدول، حقیقت سے عجز کا تقاضا کرتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی نسبت کرنا محال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنُهُمْ وَآيُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٥٠﴾ (النور)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي سَمِعُهُم بَيْنَ يَدَيْهِ وَإِنِّي سَمِعُهُم بَيْنَ يَدَيْهِ وَإِنِّي سَمِعُهُم بَيْنَ يَدَيْهِ** (الفرقان)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **تَدْعُوا مَن آذَبَكُمْ وَتَوَكَّلُوا عَلَيَّ** (المعارج)

اور حدیث شریف میں ہے: "اشتکت النار إلى ربها"۔ آگ نے اپنے رب کی بارگاہ میں شکایت کی۔ اور حدیث میں ہے: "واحتجت النار والجنة"۔ دوزخ اور جنت کا مناظرہ ہوا۔ اور اس کی مثل سب حقیقت ہیں اور ان کا خالق وہ ہے جس نے ہر چیز کو بولنے کی قوت بخشی۔

صحیح مسلم میں ہے (1) حضرت انس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: "انسان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کی ران کو کہا جائے گا تو بول پس اس کی ران، اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال کے بارے میں بولیں گی تاکہ اللہ اس کا عذر زائل کر دے یہ وہ منافق ہے اور یہ وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا"۔ اور یہ آخرت میں ہوگا، اور ربا دنیا میں تو ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (2) کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ، قدرت میں میری جان ہے، قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ درندے، انسانوں سے کلام کریں گے اور حتیٰ کہ انسان سے اس کے کوڑے کا پھندا اور اس کی جوتی کا تسمہ بات کرے گا اور اس کی ران اسے وہ سب کچھ بتائے گی جو اس کے گھر والوں نے اس کے بعد کیا"۔ ابو یسیٰ نے کہا: حضرت ابو ہریرہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے، یہ حدیث حسن غریب ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ لَا مَوْلَا لَهُ شَيْءٌ وَلَا يَكْفُرُ بِهِ شَيْءٌ**۔ آپ نے پڑھا: "فوجدانيها جدا ريبدان ينقض فهدمه ثم تعد بينيه"۔ ابو بکر نے کہا: اس حدیث کی اگر سند صحیح ہے تو یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قرآن کی تفسیر کے قائم مقام ہوگی۔ بعض ناقلین نے تفسیر کی جگہ میں قرآن کو داخل کر دیا کہ یہ قرآن ہے، مصحف عثمان سے کمی ہوئی ہے، جیسا کہ بعض طعن کرنے والوں نے کہا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے دیوار کو مس کیا اور اسے سیدھا کیا تو وہ سیدھی ہو گئی، یہ قول صحیح ہے اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے افعال کے زیادہ مناسب ہے بلکہ اولیاء کی شان کے بھی زیادہ مناسب ہے۔ بعض اخبار میں ہے: اس دیوار کی اونچائی اس صدی کے تیس ذراع کے برابر تھی اور طول پانچ سو ہاتھ کے برابر تھا، تو سیدھی کھڑی ہو گئی؛ یہ ثعلبی نے کتاب العرائس میں بیان کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس پر اجر ہی لے لیتے، یعنی کھانا لے لیتے جسے ہم کھاتے اس میں اولیاء کی کرامات پر دلیل ہے۔ اسی طرح واقعہ میں حضرت خضر علیہ السلام کے احوال میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ سب خارق العادات امور ہیں۔ یہ اس صورت میں ہے جب ہم انہیں ولی تسلیم کریں، نبی

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 409

2۔ جامع ترمذی، کتاب الفتن، ماجاء كلام السهام، جلد 2، صفحہ 41۔ ایضاً، حدیث نمبر 2107، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

تسلیم نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي** یہ ان کی نبوت کی دلیل ہے انہیں تکلیف اور احکام کی وحی کی جاتی تھی جس طرح انبیاء کو وحی کی جاتی ہے مگر وہ رسول نہیں تھے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 8۔ انسان پر واجب ہے کہ جھکی ہوئی دیوار کے نیچے نہ بیٹھے جس کے گرنے کا اندیشہ ہو بلکہ وہاں سے گزرے تو جلدی چلے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی حدیث میں ہے: ”جب تم میں سے کوئی بلند جھکی ہوئی دیوار کے پاس سے گزرے تو اسے جلدی چلنا چاہیے“ ☆۔ ابو عبیدہ قاسم بن سلام نے کہا: ابو عبیدہ کہتے تھے: الطربال کا لفظ عجمیوں کی بلڈنگ کے مشابہ ہے جیسے گر جاگھر اور بلند عمارت، جریر نے کہا:

أَلْوَىٰ بِهَا شَذْبُ الْعُرُوقِ مُشَدَّبٌ فَكَأَنَّمَا وَكُنْتُ عَدَىٰ طَرْبَالٍ

کہا جاتا ہے: وَكُنْتُ يَكُنُّ جب کوئی بیٹھے۔ صحاح میں ہے: الطربال دیوار کا بلند ٹکڑا، پہاڑ کی جھکی ہوئی بڑی چٹان۔ طربال الشام۔ شام کے گرجے۔ کہا جاتا ہے: طَرْبَلٌ بَوَّكُهُ جب اوپر کی طرف لہا کرے۔

مسئلہ نمبر 9۔ کرامات اولیاء ثابت ہیں جیسا کہ اخبار ثابہ اور آیات متواترہ دلالت کرتی ہیں۔ اس کا انکار نہیں کرتا مگر بدعتی، ہٹ دھرم یا فاسق منحرف، قرآن کی آیات مریم علیہا السلام کے بارے میں بتاتی ہیں کہ ان کے پاس گرمیوں کے پھل سردیوں میں اور سردیوں کے پھل گرمیوں میں ہوتے تھے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ انہوں نے کھجور کے درخت کو حکم دیا وہ بالکل خشک تھا تو وہ پھلدار ہو گیا۔ حضرت مریم نبیہ نہیں تھیں، اس پر اختلاف ہے۔ اور کرامات پر دلیل حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھ پر کشتی کا پھٹنا، غلام کا قتل کرنا اور دیوار کو کھڑا کرنا سب کرامات ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ کہنا جائز نہیں کہ انہیں نبی کہا جائے کیونکہ نبوت کا ثابت کرنا اخبار احاد کے ساتھ جائز نہیں خصوصاً بغیر کسی احتمال کے اجماع امت سے تواتر کے طریق سے نبی کریم ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ: ”لابی بعدی“ (1)۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: خاتم النبیین۔ حضرت خضر علیہ اور حضرت الیاس علیہما السلام اس کرامت کے ساتھ باقی ہیں، پس ان دونوں کا غیر نبی ہونا واجب ہے، کیونکہ اگر وہ نبی ہوتے تو ہمارے نبی کے بعد نبی کا ہونا واجب ہوتا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے بعد تشریف لائیں گے اس پر دلیل قائم ہے۔ میں کہتا ہوں: جمہور کا خیال ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے اور ہمارے نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں یعنی ابتدا آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا کوئی نہیں۔

مسئلہ نمبر 10۔ لوگوں کا اختلاف ہے کہ کیا ولی جانتا ہے کہ وہ ولی ہے یا نہیں جانتا؟ علماء کے دو قول ہیں: 1۔ قول یہ ہے کہ ولی کے لیے یہ جانا جائز نہیں اور جو اس کے ہاتھوں پر ظاہر ہو وہ اسے خفیہ تدبیر کی آنکھ سے ملاحظہ کرے کیونکہ ہو سکتا ہے یہ خفیہ تدبیر اور استدراج ہو۔ سری سے حکایت ہے کہ وہ فرماتے تھے: اگر ایک شخص باغ میں داخل ہو اور اس سے درخت کے اوپر سے ایک پرندہ فصیح زبان میں کلام کرے: اے اللہ کے ولی! تجھ پر سلام ہو، پھر وہ اس سے یہ خوف نہ کرے کہ یہ خفیہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، ما ذکر عن ہنی اسرائیل، جلد 1، صفحہ 491

☆ ابو عبیدہ نے اسے غریب الحدیث میں ذکر کیا ہے جلد 2، صفحہ 18

تدبیر ہوگی تو وہ خفیہ تدبیر میں مبتلا کیا گیا ہے، کیونکہ وہ اگر یہ جان لے گا کہ وہ ولی ہے تو اس سے خوف زائل ہو جائے گا اور اسے امن حاصل ہوگا اور ولی کی شرط میں سے ہے کہ اسے ہمیشہ امید ہو کہ اس پر فرشتے نازل ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا (حم السجدہ: 30)، ولی وہ ہوتا ہے جس کا خاتمہ سعادت پر ہو اور عواقب پوشیدہ ہوتے ہیں کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کا خاتمہ کیسا ہوگا؟ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "إنما الأعمال بالخواتیم" (۱)۔ اعمال کا دار و مدار خاتمہ پر ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ ولی کے لیے یہ جاننا جائز ہے کہ وہ ولی ہے، کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے لیے جاننا جائز ہے کہ وہ ولی ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ کوئی دوسرا جان لے کہ وہ ولی ہے تو اس کے لیے خود جاننا بھی جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے عشرہ مبشرہ صحابہ کو اہل جنت میں ہونے کی خوشخبری دی پھر بھی ان کا خوف زائل نہ ہوا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ تعظیم کرنے والے تھے اور انہیں خوف زیادہ تھا، اگر عشرہ مبشرہ صحابہ کے لیے جائز ہے کہ وہ خوف سے نہیں نکلے تو دوسروں کے لیے بھی جائز ہے۔ شبلی کہتے تھے: میں اس جانب سے امان میں ہوں۔ جب شبلی فوت ہوئے اور دفن کر دیے گئے تو دہلیم ☆ اسی دن دجلہ عبور کر آئے اور بغداد پر غالب آ گئے۔ لوگ کہتے تھے: دو مصیبتیں آ گئیں: شبلی کی موت اور دہلیم کا عبور کرنا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس میں بھی احتمال ہے کہ یہ بھی استدراج ہو، اگر یہ استدراج ہو جب یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں تو معجزات کا ابطال ہے تو یہ بھی جائز نہیں کیونکہ اس میں کرامات کا ابطال ہے اور بلعام کے ہاتھوں پر کرامات کا ظہور اور پھر اس کے بعد اس کا دین سے خروج کیونکہ آیت میں ہے: فَأَنْسَلَخْ مِنْهَا، تو آیت میں یہ نہیں ہے کہ وہ ولی تھا پھر اس سے ولایت چلی گئی نیز کرامات کے طور پر جو ظاہر ہوا ہے وہ اخبار احاد ہیں جن سے علم ثابت نہیں ہوتا، واللہ اعلم۔

معجزہ اور کرامت میں فرق یہ ہے کہ کرامت کی شرط میں سے اس کا چھپانا ہے اور معجزہ کی شرط میں سے اس کا اظہار کرنا ہے۔ بعض نے فرمایا: کرامت وہ ہوتی ہے جو بغیر دعویٰ کے ظاہر ہوتی ہے اور معجزہ انبیاء کے دعویٰ کے وقت ظاہر ہوتا ہے ان سے دلیل کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو اس کے بعد معجزہ وہ ظاہر کرتا ہے، کتاب کے مقدمہ میں معجزہ کی شرائط گزر چکی ہیں۔ الحمد للہ وحدہ لا شریک لہ۔

ایسی احادیث جو کرامت کے ثبوت پر وارد ہیں ان میں سے ایک وہ بھی ہے جو امام بخاری نے نقل فرمائی ہے (۲)، حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے ایک دن دس آدمیوں کا ایک گروہ بطور جاسوس بھیجا اور ان کا امیر عاصم بن ثابت انصاری کو بنایا تھا۔ یہ عاصم بن عمر بن خطاب کے دادا تھے ☆ پس وہ چلے حتیٰ کہ جب ہدایۃ مقام پر پہنچے جو عسفان اور مکہ کے درمیان ہے تو ان کا ذکر ہذیل کے ایک قبیلہ سے کیا گیا جنہیں بنو لیمیان کہا جاتا تھا، انہوں نے اپنے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، جلد 2، صفحہ 961 2۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، هل یستأمر الرجل، جلد 1، صفحہ 427

☆ یہ ایک قبیلہ ہے ان کے علاقہ کی وجہ سے انہیں یہ نام دیا گیا۔

ہر قسطنطینی نے ارشاد الساری جلد 5 صفحہ 163 میں کہا: مصعب زہری نے کہا یہ عاصم کے ماموں تھے۔

دوسو کے قریب تیر انداز تیار کیے وہ ان کے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے چلے حتیٰ کہ انہوں نے ان کے کھانے کی جگہ پر کھجوریں پائیں جو مدینہ طیبہ سے لے آئے تھے، وہ کہنے لگے: یہ تو مدینہ کی کھجوریں ہیں وہ ان کے قدموں کے نشانات پر چلے جب عاصم اور اس کے ساتھیوں نے انہیں دیکھا تو وہ ایک بلند جگہ پر چڑھ گئے اور بنولیمان نے ان کا احاطہ کر لیا، انہوں نے انہیں کہا: تم اتر آؤ اور اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو، ہم تمہیں عہد اور وعدہ دیتے ہیں کہ ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ عاصم جو اس گروہ کا سردار تھا اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں تو آج کافر کے ذمہ میں نہیں اتروں گا اور دُعا کی: اے اللہ اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری خبر پہنچا دے۔ بنولیمان نے تیر مارے اور عاصم اور چھ مزید لوگوں کو قتل کر دیا۔ تین مسلمان، ان کے عہد و میثاق پر نیچے اتر آئے تھے وہ خبیب انصاری، ابن دشنہ اور ایک شخص تھا جب وہ ان پر غالب آگئے تو انہوں نے اپنی کمانوں کی رسیاں کھولیں اور انہیں ان سے باندھ دیا تیسرے شخص نے کہا: یہ پہلا غدر ہے، اللہ کی قسم! میں تمہارے ساتھ نہیں چلوں گا میرے لیے ان مقتولوں کا اَسوہ ہے۔ بنولیمان نے اسے کھینچا اور اسے ساتھ لے جانے کی کوشش کی لیکن اس نے ایسا نہ کیا انہوں نے اسے بھی قتل کر دیا وہ خبیب اور ابن دشنہ کو لے کر چلے حتیٰ کہ انہوں نے جنگ بدر کے بعد مکہ میں انہیں فروخت کر دیا۔ بنو حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف نے خبیب کو خرید لیا، خبیب وہ شخص تھا جس نے حارث بن عامر کو جنگ بدر میں قتل کیا تھا۔ حضرت خبیب ان کے پاس قیدی بن کر رہے۔ عبید اللہ بن عیاض نے بتایا کہ بنت حارث نے انہیں بتایا کہ جب وہ (بنولیمان) جمع ہوئے تھے تو خبیب نے استرا مانگا جس کے ساتھ وہ اپنے بال صاف کرے تو اس عورت نے اسے استرا دے دیا، پھر وہ کہتی ہے: میں غافل تھی تو میرا بچہ اس کے پاس چلا گیا تو اس نے اسے پکڑ لیا وہ عورت کہتی ہے میں نے خبیب کو دیکھا کہ وہ اس بچے کو اپنی ران پر بٹھائے ہوئے ہے اور استرا اس کے ہاتھوں میں ہے۔ اس عورت نے کہا: میں گھبرا گئی۔ خبیب میری گھبراہٹ میرے چہرے سے پہچان گئے حضرت خبیب نے کہا کیا: تو خوف کر رہی ہے کہ میں اسے قتل کر دوں گا؟ میں ایسا نہیں کروں گا، اس عورت نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے خبیب سے بہتر کوئی قیدی نہیں دیکھا اللہ کی قسم! میں نے ایک دن اسے ہاتھوں میں اٹھو لے کر کھاتے ہوئے دیکھا حالانکہ وہ لوہے کی زنجیروں کے ساتھ باندھا ہوا تھا اور مکہ میں کوئی پھل نہیں تھا، وہ کہتی تھی: یہ وہ رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے خبیب کو دیا تھا جب وہ خبیب کو حرم سے باہر لے کر گئے تاکہ اسے حرم سے نکالیں تو خبیب نے اسے کہا: مجھے چھوڑ دو میں دو رکعتیں ادا کر لوں پھر حضرت خبیب نے دو رکعتیں ادا کیں پھر فرمایا: اگر تم یہ گمان نہ کرتے کہ میں موت سے ڈر گیا ہوں تو میں رکعتوں کو لمبا کرتا پھر فرمایا: اے اللہ! ان کو جڑ سے ختم کر دے اور انہیں جدا جدا کر کے قتل کر دے اور ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ پھر کہا:

وَلَسْتُ اَبَالِي حِيْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا عَلٰى اَبِي سَيْقٍ كَانِ لِلّٰهِ مَضْرَعِيْ

وَذَلِكْ لِيْ ذَاتِ الْاِلٰهِ وَاِنْ يَشَا يُبَارِكْ عَلٰى اَوْصَالِ شَيْبُوْ مُنَزَّمِ

مجھے کوئی پروا نہیں جب میں مسلمان ہو کر قتل کیا جاؤں گا جس طرف بھی اللہ کی رضا کے لیے میرا گرنا ہوگا یہ ذات الہی کے

لیے ہے اگر وہ چاہے گا تو اکھڑے ہوئے اعضاء میں بھی برکت ڈال دے گا۔

بنو حارث نے حضرت خبیب کو قتل کر دیا، خبیب وہ شخص تھا جس نے ہر مسلمان کے لیے دو رکعت سنت چھوڑیں جو باندھ کر قتل کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم کی دُعا قبول فرمائی تھی جب وہ شہید ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو ان کی شہادت کی خبر پہنچادی۔

کفار قریش کو جب خبر پہنچی کہ حضرت عاصم قتل ہو گئے ہیں تو انہوں نے کچھ لوگوں کو بھیجا تاکہ وہ عاصم کے جسم سے کچھ کاٹ کر لے آئیں تاکہ وہ اسے پہچان لیں۔ حضرت عاصم نے بدر کی جنگ میں ان کے ایک سردار کو قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم کی حفاظت کے لیے بھڑوں کو بھیج دیا جنہوں نے ان کی طرف آنے والے افراد سے حضرت عاصم کی حفاظت کی وہ ان کا گوشت کاٹنے پر قادر نہ ہوئے (1)۔

ابن اسحاق نے اس واقعہ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عاصم بن ثابت جب شہید ہو گئے تو ہذیل نے ارادہ کیا کہ ان کا سر کاٹ لیں تاکہ اسے سلافۃ بنت سعد کے ہاں فروخت کریں اس نے نذر مانی تھی جب حضرت عاصم نے اس کے بیٹوں کو جنگ احد میں قتل کیا تھا کہ اگر وہ اس کے سر پر قادر ہوئی تو اس کی کھوپڑی میں شراب پیئے گی تو بھڑوں نے حضرت عاصم کی حفاظت کی، جب بھڑیں حائل ہو گئیں تو انہوں نے کہا: اسے چھوڑ دو حتیٰ کہ شام ہو جائے تو شام کے وقت بھڑیں چلی جائیں گی پھر ہم اس کو کاٹ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے وادی کو حکم دیا تو اس نے حضرت عاصم کو اٹھا لیا اور وہ غائب ہو گئے۔ حضرت عاصم نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ وہ کسی مشرک کو نہ چھوئیں گے اور نہ کوئی مشرک انہیں چھوئے گا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کے بعد محفوظ فرمایا اس سے جس سے وہ زندگی میں بچتے رہے۔

عمر بن امیہ ضمری سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں تنہا بطور جاسوس بھیجا فرمایا میں خبیب کی سولی کے پاس آیا میں اس پر چڑھا میں دیکھنے والوں سے ڈر رہا تھا، میں نے خبیب کو سولی سے کھولا تو وہ زمین پر گرے پھر میں اتر پھر میں تھوڑا سا دور ہوا پھر میں متوجہ ہوا تو زمین نے اسے نکل لیا تھا۔ ایک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ آج تک خبیب کی قبر کا ہم سے ذکر نہیں کیا گیا، یہ بیہقی نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ یہ کوئی ناپسندیدہ بات نہیں کہ ولی کے لیے مال اور جائیداد ہو جس کے ساتھ وہ اپنی ذات اور عیال کی حفاظت کرے۔ صحابہ کرام کی ذوات میں تیرے لیے اسوہ کافی ہے کہ ان کی ولایت و فضیلت کے باوجود ان کے اموال تھے اور وہ دوسروں پر حجت تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں (2) فرمایا: ”ایک شخص صحرا میں تھا اس نے بادل میں ایک آواز سنی فلاں کے باغ کو پانی پلا، وہ بادل چلا اور پتھر لے ٹیلے میں اپنا پانی برسا یا وہاں جو پانی کانالا تھا وہ پانی سے بھر گیا وہ شخص اس پانی کے پیچھے پیچھے چلا تو کیا دیکھا ایک آدمی کسی کے ساتھ پانی کو پھیر رہا ہے پوچھا: اے اللہ کے بندے! تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: فلاں، وہ نام ذکر کیا جو اس نے بادل کے اندر سے سنا تھا۔ اس نے کہا: اے اللہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، هل یستأمر الرجل، جلد 1، صفحہ 427

2۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، فضل الانفاق علی المساکین و اہل السبیل، جلد 2، صفحہ 411

کے بندے! تو نے میرا نام کیوں پوچھا ہے؟ اس نے کہا: میں نے اس بادل میں آواز سنی تھی جس کا یہ پانی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا: فلاں کے باغ کو پانی پلا، اس نے تیرا نام لیا تھا، تو اس میں کیا کرتا ہے؟ اس نے کہا جب تو کہتا ہے (توسن) میں اس باغ کی کل پیداوار کو دیکھتا ہوں پھر اس سے ایک تہائی صدقہ کرتا ہوں ایک تہائی میں اور میرا عیال کھاتے ہیں اور ایک تہائی اس میں پھر کاشت کرتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے: ”اس کا ایک تہائی مسکین، ساکین اور مسافروں کے لیے رکھتا ہوں“ (1)۔

میں کہتا ہوں: یہ حدیث نبی کریم ﷺ کے ارشاد: ”لَا تَتَّخِذُوا الضَّيْعَةَ فِتْرًا كُنُوا إِلَى الدُّنْيَا“ (تم جائیداد نہ بناؤ ورنہ دنیا کی طرف جھک جاؤ گے) کے منافی نہیں ہے۔ اس حدیث کو ترمذی نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے (2)، اور فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ یہ حدیث اس پر محمول ہے جو کثرت مال کی خاطر جائیداد بناتا ہے یا جائیداد سے لطف اندوز ہونے کے لیے جائیداد اکٹھی کرتا ہے لیکن وہ شخص جو بطور معیشت جائیداد بناتا ہے تاکہ اس کے ساتھ اپنے دین اور اپنے عیال کی حفاظت کرے تو اس نیت سے جائیداد بنانا افضل عمل ہے اور یہ افضل مال ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”بہتر مال نیک شخص کے لیے ہے“ (3)۔ کرامات اولیاء بہت سے لوگوں نے کثرت سے ذکر کی ہیں جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس میں کفایت ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَتَّخَذَتْ عَلَيْهِ أَجْرًا اس میں اجارہ کے جواز کی صحت پر دلیل ہے یہ انبیاء اور اولیاء کی سنت ہے جیسا کہ اس کا بیان سورۃ القصص میں ان شاء اللہ آئے گا۔ جمہور علماء نے لَتَّخَذَتْ اور ابو عمرو نے لَتَّخَذَتْ پڑھا ہے۔ حضرت ابن مسعود، حسن اور قتادہ کی یہی قرأت ہے یہ دونوں لغتیں ہیں اور دونوں کا معنی ایک ہے۔ اور الأخذ سے مشتق ہے جیسے تیسرا قول ہے: تبع واتبع تلی واتبی۔ بعض قراء نے ذال کو تاء میں ادغام کیا ہے اور بعض نے مدغم نہیں کیا ہے۔ حضرت ابی ابن کعب کی حدیث میں ہے: لَوَشِئْتُ لِأُوتِيَتْ أَجْرًا (4)۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی جبت سے سوال صادر ہوا تھا نہ کہ بطور اعتراض تھا۔ اس وقت حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کو کہا: هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ کاکرار اور بیننا سے عدول تاکید کی خاطر ہے۔ سبویہ نے کہا، کہا جاتا ہے: أَخْزَى اللَّهُ الْكَاذِبَ مَنِي وَمَنْكَ يَعْنِي مَنَّا يَعْنِي هَمٌّ مِّنْ سَبْوِيَّةٍ كَوَاللَّهِ رَسُوًّا كَرَى۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول کشتی اور غلام کے بارے میں اللہ کے لیے تھا اور دیوار کے بارے میں قول اپنی ذات کے لیے دنیا کی چیز طلب کرنے کے لیے تھا، پس یہی جدائی کا سبب بنا۔ وہب بن منبہ نے کہا: وہ دیوار سوا تھا اونچی تھی۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سَأَلْتُكَ بِأَوْيَلِّ مَا لَمْ تَسْطِمْ عَلَيْهِ صَبْرًا کسی چیز کی تاویل کا مطلب ہے اس کا انجام یعنی حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ سے کہا: میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کیا ہے کیوں کیا ہے؟ ان آیات کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حجت ہیں نہ کہ ان کے لیے تعجب ہیں، یہ اس طرح ہے کہ جب کشتی کے پھاڑنے پر انکار کیا تو آواز دی گئی: اے موسیٰ! یہ تیری تدبیر کہاں تھی جب تو تابوت میں تھا اور تجھے دریا میں ڈالا گیا تھا، پھر

2- جامع ترمذی کتاب الزهد، باب ما جاء في هم الدنيا وحبها، حدیث 2250

4- صحیح بخاری تفسیر سورہ کہف، اذ قال موسى لفتاه، جلد 2، صفحہ 688

1- جامع ترمذی، ہم الدنيا، جلد 2، صفحہ 56

3- مسند امام احمد بن حنبل حدیث نمبر 17763

جب لڑکے کے مسئلہ پر انکار کیا تو ارشاد ہوا: یہ تیرا انکار کہاں تھا تو نے جب قبلی کو مارا تھا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا، جب دیوار کے کھڑے کرنے پر انکار کیا تو آواز دی گئی: یہ کہاں تھا جب تو حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کے لیے کنوئیں کا پتھر بغیر اجرت کے اٹھا رہا تھا۔

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسْكِينٍ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ
وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۝۹ وَأَمَّا الْعُلَمَاءُ فَكَانَ أَبُوهُمُ مُؤْمِنِينَ فَخَشِينَا
أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۝۱۰ فَأَرَدْنَا أَنْ يُبَدِّلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ
رُحْمًا ۝۱۱ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا
وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً
مِّنَ رَبِّكَ ۗ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۗ ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝۱۲

”وہ جو کشتی تھی وہ چند غریبوں کی تھی جو (ملاحی کا) کام کرتے تھے دریا میں، سو میں نے ارادہ کیا کہ اسے عیب دار بنا دوں اور (اس کی وجہ یہ تھی کہ) ان کے آگے (جابر) بادشاہ تھا جو پکڑ لیا کرتا تھا ہر کشتی کو زبردستی۔ اور وہ جو لڑکا تھا (تو اس کی حقیقت یہ ہے) کہ اس کے والدین مومن تھے پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (اگر زندہ رہا تو) مجبور کر دے گا انہیں سرکشی پر۔ پس ہم نے چاہا کہ بدلہ دے انہیں ان کا رب ایسا بیٹا جو بہتر ہو اس سے پاکیزگی میں اور (ان پر) زیادہ مہربان ہو۔ باقی رہی دیوار (تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ) وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (دُن) تھا اور ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا، پس آپ کے رب نے ارادہ فرمایا کہ وہ دونوں بچے اپنی جوانی کو پہنچیں اور نکال لیں اپنا دینیہ یہ (ان پر) ان کے رب کی خاص رحمت تھی، اور (جو کچھ میں نے کیا) میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا یہ حقیقت ہے ان امور کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسْكِينٍ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ جو علماء کہتے ہیں فقیر سے مسکین بہتر حال میں ہوتا ہے انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے، اس کا معنی سورہ براءۃ میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ لوگ تاجر تھے لیکن چونکہ وہ مسافر تھے وہ دریا کے اوپر تھے ان کے پاس مال کم تھا اور تکلیف کو دور کرنے کی حالت میں کمزور تھے تو انہیں مساکین کہا گیا کیونکہ وہ ایسی حالت میں تھے کہ اس کے سبب ان پر شفقت کی گئی ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے تو کسی غنی شخص کے بارے میں کہتا ہے جو کسی تکلیف اور مصیبت میں واقع ہوا ہے: مسکین ہے۔ کعب وغیرہ نے کہا: یہ مساکین دس بھائی تھے جن کو کشتی باپ کی طرف سے میراث میں ملی تھی پانچ ان میں سے اپانچ تھے اور پانچ دریا میں ملاحی کا کام کرتے تھے۔ بعض نے فرمایا: وہ سات تھے ان میں سے ہر ایک کو ایسی تکلیف تھی جو دوسرے کو نہیں تھی۔ نقاش نے ان کے اسماء ذکر کیے ہیں ان میں سے جو کام کرنے والے تھے ان میں ایک جزام کی مرض میں مبتلا تھا، دوسرا کانا تھا، تیسرا لنگڑا تھا، چوتھے کو خسیوں کی

تکلیف تھی، پانچواں بخار میں ہمیشہ رہتا تھا وہ سب سے چھوٹا تھا۔ پانچ وہ تھے جو کام بالکل نہیں کر سکتے تھے وہ اندھا، بہرہ، گونگا، اپانچ اور مجنون تھا۔ اور وہ جس دریا میں کام کرتے تھے وہ فارس اور روم کے درمیان تھا، یہ تغلیبی نے ذکر کیا ہے۔ ایک فرقہ نے لستاکین، سین کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ کشتی کے ملاح تھے کیونکہ مساک وہ ہوتا ہے جو کشتی کا نچلا حصہ روکتا ہے اور پوری خدمت اس کے روکنے کی وجہ سے ہوتی ہے اس لیے تمام کو مساکین کہا گیا۔ ایک جماعت نے کہا: المساکین سے مراد کھالوں کا دباغت کرنا ہے اس کا واحد مسک ہے۔ اظہر قرأت مساکین ہے جمع مسکین ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ کشتی ضعیف اور کمزور لوگوں کے لیے تھی ان پر شفقت کرنا مناسب تھا، واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا مِّنْ أَعْيَابِهَا مِّنْ عَيْبِ دَارِ كَرْنَا جَابَا۔ کہا جاتا ہے: عيب الشيء فعاب، میں نے اسے عیب دار کیا تو وہ عیب دار ہو گئی۔ فهو معيب وعائب، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر نے صحیحہ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عثمان بن عفان نے صالحہ پڑھا ہے اور وراء اس کی اصل بمعنی خلف ہے۔ بعض مفسرین نے کہا: وہ پیچھے تھا اور ملاحوں نے اس بادشاہ کی طرف لوٹنا تھا۔ اکثر علماء نے کہا: یہاں وراء کا معنی امام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر کی قرأت اس کی تائید کرتی ہے۔ وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ صَحِيحَةً غَصْبًا۔ ابن عطیہ نے کہا: میرے نزدیک وَرَاءَهُمْ اپنے معنی میں ہے یہ اس طرح ہے کہ ان الفاظ میں زمانہ کی رعایت رکھی جاتی ہے پس جو حادثہ مقدم موجود ہے وہ پہلے ہے اور جو اسکے بعد آئے گا وہ وراء (پیچھے) ہے۔ یہ باوی النظر میں جو ظاہر ہوتا ہے اس کے خلاف ہے ان الفاظ میں ان کے مقامات پر غور کر جہاں یہ وارد ہیں تو تو ان کو عام پائے گا۔ اس آیت میں اس کا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ اور ان کا عمل اور ان کی کوشش اس کے بعد اس بادشاہ کا غصب ہے اور جنہوں نے امامہم پڑھا ہے انہوں نے جگہ کے اعتبار سے کہا ہے، یعنی وہ گویا ایک شہر کی طرف جائیں گے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "الصلاة أمامك" (1) (نماز آگے پڑھیں گے) یہاں بھی مکان کا ارادہ کیا ہے۔ اس وقت میں ان کا ہونا زمانہ کے اعتبار سے نماز سے پہلے تھا۔ اس گفتگو میں غور کر یہ تجھے ان الفاظ کے استعمال کی پریشانی سے راحت دے گی۔ طبری کی کتاب میں قتادہ کا قول: وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ کے تحت واقع ہوا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی امامہم ہے۔ آپ نہیں دیکھتے کیا میں؟ وَرَاءَهُمْ جَهَنَّمُ۔ یعنی ان کے آگے جہنم ہے۔ یہ قول درست نہیں ہے غیر فصیح قول ہے جس سے حسن بن ابی حسن نے اختلاف کیا ہے، یہ زجاج کا قول ہے (2)۔

میں کہتا ہوں: اس امام نے جو اختیار کیا ہے اس سے پہلے ابن عرفہ نے بھی اختیار کیا ہے۔ ہروی نے کہا: ابن عرفہ نے کہا کہنے والا کہتا ہے: من وراءہ کیسے کہا ہے؟ وہ اس کے آگے تھی، ابو عبیدہ اور ابو علی قطرب نے کہا: یہ لفظ اضداد میں سے ہے وراء، قتادہ کے معنی میں ہے یہ غیر محصل ہے کیونکہ امام، وراء کی ضد کی ہے یہ اماکن اور اوقات میں استعمال کی صلاحیت

1- صحیح بخاری، کتاب الحج، الجمع بین الصلاتین بالمزدلفة، جلد 1، صفحہ 227

2- المهرالجوز، جلد 3، صفحہ 535

رکھتا ہے جیسے تیرا قول ہے: اِذَا وَعَدَ وَعْدًا فِي رَجَبٍ لِرَمَضَانَ۔ پھر وہ کہے: وَمَنْ دَرَأَكَ شَعْبَانَ، تو جائز ہے، اگرچہ وہ اس سے آگے ہے کیونکہ وہ وعدہ کے وقت اس کو پیچھے کرتا ہے۔ قشیری نے بھی اس قول کی طرف اشارہ کیا ہے، فرمایا: یہ اوقات کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ آدی کو امامت نہیں کہا جاتا کیونکہ وہ تیرے پیچھے ہے۔ فراء نے کہا: دوسرے علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے اس قوم کو بادشاہ کی خبر نہیں تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو خبر دی حتیٰ کہ انہوں نے کشتی کو عیب لگا دیا؛ یہ زجاج نے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے کہا: امام کی جگہ میں وراء کے استعمال میں اہل عربیہ کے تین اقوال ہیں: 1۔ اس کا استعمال ہر حال میں جائز ہے اور ہر مکان میں جائز ہے یہ اضداد میں سے ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مِنْ وَّرَاءِ آيِهِمْ جَهَنَّمُ**۔ یعنی امامہم جہنم، شاعر نے کہا:

أَتَرْجُو بَنُو مَرَوَانَ سَعِيٍّ وَطَاعَتِي وَقَوْمِي تَمِيمٍ وَالْفَلَاحُ وَرَائِيَا

یہاں بھی وراء، امام کے معنی میں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وراء، امام کی جگہ میں مواقیت اور زمانہ میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ انسان اس سے گزر جاتا ہے اور وہ اس کے پیچھے ہوتا ہے اور اسکے علاوہ جائز نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ ان اجسام میں استعمال ہوتا ہے جن کا سامنا ہوتا ہے جیسے دو متقابل پتھر ان میں سے ہر ایک دوسرے کے پیچھے ہے، اور اس کے علاوہ میں جائز نہیں، یہ علی بن عیسیٰ کا قول ہے (1)۔

اس بادشاہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: بَدْدُ بْنُ بَدْدٍ تَهَا بَعْضٌ نَزَّهَا جَلْنَدِي تَهَا، یہ سہیلی کا قول ہے۔ امام بخاری نے اس غصب کو جاننے والے بادشاہ کا ذکر کیا ہے فرمایا: وہ ہدد بن بدد تھا اور مقتول لڑکا، اس کا نام جیسور تھا، ہم نے ”الجامع“ میں یزید مروزی کی روایت سے اسی طرح مقید کیا ہے اور اس روایت کے علاوہ میں جیسور (حاء کے ساتھ) ہے اور میرے پاس کتاب کے حاشیہ میں تیسری روایت ہے وہ جیسون ہے۔ وہ بادشاہ ہراچھی کشتی غصب کر لیتا تھا اسی وجہ سے حضرت خضر علیہ السلام نے اسے عیب لگا دیا اور اس میں شکاف کر دیا، اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ مصلحت کے لیے کوئی عمل کرنا جائز ہے جب مصالح ثابت ہوں اور کل مال کی بعض مال کے افساد کے ساتھ اصلاح کرنا جائز ہے یہ پہلے گزر چکا ہے۔ صحیح مسلم میں کشتی کو شکاف لگانے کی حکمت اس طرح بیان کی گئی ہے: جب وہ آئے گا جو اس کو قبضہ میں کرنا چاہتا ہو تو وہ اسے پھینا ہو پائے گا تو وہ اس سے آگے نکل جائے گا، پھر یہ لکڑی کے ساتھ اس کی اصلاح کر لیں گے (2)۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تکالیف میں صبر کرنا چاہیے بہت سی ناپسندیدہ چیزوں میں فوائد ہوتے ہیں، اس ارشاد: **وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ** (بقرہ: 216) کا یہی معنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَإِنَّمَا الْعُلَمَاءُ فَكَّانَ آبَاءَ الْمُؤْمِنِينَ** صحیح حدیث میں ہے: ”اس پر کافر ہونے کی مہر لگائی گئی تھی“ (3)۔ یہ اس کی تائید کرتا ہے کہ وہ بالغ نہیں تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اس کے متعلق خبر ہو جبکہ وہ بالغ ہو، یہ مفہوم پہلے

2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، فضائل خضر علیہ السلام، جلد 2، صفحہ 271

1۔ تفسیر طبری، ج 15-16، صفحہ 6

3۔ جامع ترمذی، تفسیر سورہ کہف، جلد 2، صفحہ 144

گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا بَعْضَ عُلَمَاءَ نِيَّاتِهِمْ: یہ حضرت خضر علیہ السلام کے کلام سے ہے۔ سیاق کلام بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ اور اکثر مفسرین کا یہی قول ہے یعنی ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ انہیں سرکشی اور کفر پر مجبور کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کے لیے اس جہت پر نفوس کے قتل میں اجتہاد کو مباح کر دیا تھا۔ بعض علماء نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت خضر علیہ السلام نے بیان کیا۔ طبری نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے جان لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے جان لیا۔ یہ اس طرح ہے جس طرح علم کو خوف سے تعبیر کیا جاتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ (بقرہ: 229)۔

حکایت ہے کہ حضرت ابی نے فَعَلِمَ رَبُّكَ پڑھا ہے۔ بعض نے فرمایا: خشیت بمعنی کراہت ہے۔ کہا جاتا ہے: فرقت بینہما خشية أن يقتلا۔ یعنی لڑکے کی کراہت کی وجہ سے میں نے ان کے درمیان جدائی کر دی۔ ابن عطیہ نے کہا: میرے نزدیک اس تاویل کی توجیہ میں اظہر یہ ہے اگرچہ لفظ اس کی تائید نہیں کرتے کہ یہ استعارہ ہے یعنی مخلوق اور مخاطبین کے گمان پر اگر وہ اس کی حالت کو جان لیں انہیں والدین کو مجبور کرنے کا اندیشہ واقع ہو۔ حضرت ابن مسعود نے فخاف ربك، پڑھا ہے یہ استعارہ میں واضح ہے اس کی نظیر قرآن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعل اور عسویٰ کا ذکر ہے۔ تمام ایسے حروف اور صیغے جن میں ترحمی، توقع، خوف اور خشیت ہے وہ تمہارے اعتبار سے ہیں اے مخاطبوا! يُرْهِقَهُمَا کا معنی ہے وہ انہیں مجبور کرے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی محبت انہیں اس کی اتباع پر ڈالے گی پس وہ گمراہ ہو جائیں گے۔ فَأَسْرَدْنَا أَنْ يُبْهتَا لَهْمَا رَبُّهُمَا جمہور علماء نے باء کے فتح اور دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور عاصم نے باء کے سکون اور دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اسے بیٹا عطا فرمائے گا۔ خَيْرٌ أَوْقِنُهُ زَكَاةً۔ جو دین اور صلاح کے اعتبار سے اس سے بہتر ہو، کہا جاتا ہے: ہذل و اہذل جیسے مہل و امہل، نزل و أنزل کہا جاتا ہے۔ وَأَقْرَبَ رُحْمًا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، شاعر نے کہا:

وکیف بظلم جاریۃ ومنها اللین والرحم

باقی قراء نے حاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے: اسی سے رُوْبَہ بن حجاج کا قول ہے:

يَا مُنْزِلَ الرَّحْمِ عَلٰی اِدْرِيسَا وَمُنْزِلَ اللّٰعِنِ عَلٰی اِبْلِيسَا (1)

ابو عمرو سے اختلاف مروی ہے۔ رحماً، معطوف ہے۔ زکاۃ، پر اس کا معنی رحمة ہے کہا جاتا ہے: رَجِمَهُ رَحْمَةً وَرُحْمًا، اس کا الف تانیث کے لیے ہے اس کا ذکر رُحْم ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: رَحْمًا بمعنی الرَّحْم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وَأَوْصَلَ رُحْمًا پڑھا ہے یعنی رَحْمًا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اذی منہ بھی پڑھا ہے۔ ابن جبیر اور ابن جریج سے مروی ہے کہ ان والدین کو لڑکی بدلہ میں دی گئی۔ کلبی نے کہا: اس لڑکی سے ایک نبی نے نکاح کیا تھا پھر اس سے نبی پیدا ہوا تھا

اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے ایک امت کو ہدایت دی تھی۔ قتادہ نے کہا: اس نے بارہ انبیاء کو جنم دیا تھا۔ ابن جریج سے مروی ہے کہ اس لڑکے کی ماں اس دن ایک مسلمان بچے کے ساتھ حاملہ تھی جس دن وہ قتل ہوا تھا اور مقتول لڑکا کافر تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس نے بچی کو جنم دی جس نے پھر نبی کو جنم دیا۔ ایک روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کے بدلے میں بچی دی جس نے ستر انبیاء کو جنم دیا، اور یہ جعفر بن محمد نے اپنے باپ سے روایت کر کے کہا ہے: ہمارے علماء نے کہا یہ بعید ہے، انبیاء کی کثرت صرف بنی اسرائیل میں معروف ہے اور یہ عورت بنی اسرائیل میں نہ تھی۔ اس آیت سے مستنبط ہوتا ہے کہ اولاد کے مفقود ہونے کے ساتھ مصائب آسان ہوتے ہیں اگرچہ اولاد جگر کا ٹکڑا ہوتی ہے اور جو قضاء الہی کو تسلیم کرتا ہے اس کا انجام ید بیضا سے بھی روشن ہوتا ہے۔ قتادہ نے کہا: جب وہ بچہ پیدا ہوا تھا تو اس کے والدین خوش ہوئے تھے اور جب وہ قتل ہوا تھا تو پریشان ہوئے تھے۔ اگر وہ لڑکا باقی رہتا تو اس میں ان کی ہلاکت تھی، پس ہر شخص پر اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہونا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کامومن کے حق میں کبھی ناپسندیدہ امر کا فیصلہ بہتر ہوتا ہے نسبت اس کے جو وہ اس کے لیے اس کی پسند کا فیصلہ فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ اَقَامَ الْجَدَارُ فَاَنَّ الْاَعْلَمِيْنَ**۔ (1) یہ لڑکے دونوں چھوٹے تھے کیونکہ یتیم کے ساتھ ان کی صفت

بیان کی گئی ہے۔

ان کے نام اصرام اور صریم تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **لَا يَتِمُّ بَعْدَ بَلُوغٍ** ”بلوغت کے بعد یتیمی نہیں ہے“۔ یہی ظاہر ہے۔ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ ان پر شفقت کی بناء پر بعد از بلوغ یتیم کا لفظ بولا گیا ہو اگرچہ وہ یتیم نہ تھے (2)۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ لوگوں میں یتیم وہ ہوتا ہے جس کا باپ فوت ہو جائے اور حیوانوں میں وہ ہوتا ہے جس کی ماں مر جائے۔ فی الْمَدِينَةِ میں دلیل ہے کہ دیہات کو بھی مدینہ کہا جاتا ہے، اسی سے حدیث ہے **اَمْرٌ بِقَرِيْبَةٍ تَاْكُلُ الْقَرِيْبَةَ** (3) اور ہجرت کی حدیث میں ہے۔ **لَمَنْ اَنْتَ**۔ تو اس شخص نے کہا: **مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ**۔ یعنی مکہ سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ كَانَ تَحْتَهُ كَنْزُ ثَمَرًا**، گنڈ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، عکرمہ اور قتادہ نے کہا: وہ بہت بڑا مال تھا، یہ کنز کے اسم سے ظاہر ہے کیونکہ لغت میں مال مجموع کو کنز کہا جاتا ہے؛ اس کے متعلق کلام گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا یہ علم تھا جو مد فون صحیفوں میں تھا (4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے فرمایا: وہ سونے کی تختی تھی جس پر یہ لکھا ہوا تھا **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ** مجھے تعجب ہے اس شخص کے لیے جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے پھر وہ کیسے پریشان ہوتا ہے؟ مجھے تعجب ہے اس پر جو رزق پر ایمان رکھتا ہے پھر وہ کیسے تھکتا ہے؟ مجھے تعجب ہے اس پر جو موت پر ایمان رکھتا ہے پھر وہ کیسے خوش ہوتا ہے؟ مجھے تعجب ہے اس پر جو حساب پر ایمان رکھتا ہے پھر کیسے غافل ہوتا ہے؟ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو اس کو جانتا ہے اور اس کے اپنے اہل کے ساتھ تبدیل ہونے کو بھی جانتا ہے پھر اس کے لیے مطمئن ہوتا ہے، **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ**۔

2۔ سنن ابی داؤد، باب ما جاء منقطع الیتیم، حدیث 2489

1۔ المحرر الوجیز، جلد 3، صفحہ 537

4۔ تفسیر طبری، ج 15-16، صفحہ 9

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الوصایا، ما جاء منقطع الیتیم، جلد 2، صفحہ 41

عکرمہ اور عمر مولیٰ غفرہ سے اسی طرح مروی ہے، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا** ساق کلام اور لفظ کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا قریبی والد تھا (1)۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ ان کا ساتواں دادا تھا؛ یہ جعفر بن محمد کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ دسواں دادا تھا اس کی وجہ سے ان کی حفاظت کی گئی اگرچہ وہ صلاح کے ساتھ مشہور نہ تھا، اسے کا شیخ کہا جاتا تھا؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ ان کی والدہ کا نام دینا تھا؛ یہ نقاش نے ذکر کیا ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ صالح شخص کی اپنی بھی حفاظت فرماتا ہے اور اس کی اولاد کی بھی حفاظت فرماتا ہے، اگرچہ وہ اس سے بہت دور کا رشتہ رکھتے ہوں۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ صالح آدمی کی سات پشتوں تک حفاظت کرتا ہے، اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: **إِنَّ وَلِيَ اللَّهِ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ** (الاعراف)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي**۔ یہ اس بات کا متشخص ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے (2) ان کے بارے میں اختلاف گزر چکا ہے۔ **ذَلِكَ تَأْوِيلٌ** یعنی تفسیر۔ **مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا** (1) ایک جماعت نے تسطیع پڑھا ہے۔ جمہور علماء نے تسطیع پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے کہا: ہم مصحف کے خط میں اسی طرح پڑھتے تھے۔ یہاں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نوجوان کا ذکر نہ آیت کی ابتدا میں ہونا آخر میں ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نوجوان کا ذکر نہیں سنا گیا حالانکہ وہ ان کے ساتھ تھا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نوجوان نے پانی پیا تھا پس وہ ہمیشہ زندہ رہے گا اسے عالم نے پکڑا اور اس پر کشتی کو چسپاں کر دیا پھر اس دریا میں چھوڑ دیا وہ اس کے ساتھ قیامت تک دریا میں گھومتی رہے گی یہ اس لیے ہوا کہ اسے پانی پینا نہیں تھا، لیکن اس نے اس سے پانی پی لیا تھا۔ قشیری نے کہا: اگر یہ ثابت ہو تو پھر نوجوان یوشع بن نون نہ ہو کیونکہ یوشع بن نون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد زندہ رہے تھے اور ان کے خلیفہ تھے۔ اظہر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نوجوان کو واپس بھیج دیا تھا جب ان کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی۔ ہمارے شیخ امام ابو العباس نے کہا: یہ احتمال ہے کہ متبوع کے ذکر کی وجہ سے تابع کا ذکر چھوڑ دیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 2۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ان لڑکوں کے خزانہ کو نکالنے کے واقعہ کو اللہ کی طرف کیسے منسوب کیا جبکہ انہوں نے کشتی کو شکاف لگانے کے بارے میں کہا **فَأَمْرٌ ذُو الْعَيْنَيْنِ** کی نسبت اپنی طرف کی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ دیوار میں ارادہ کو اللہ کی طرف منسوب کیا کیونکہ ایک لمبے زمانہ میں ایک نیا امر تھا اور غیوب میں سے ایک غیب تھا، پس اس جگہ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہی بہتر تھا، اگرچہ حضرت خضر علیہ السلام نے وہ ارادہ کیا تھا جو اللہ تعالیٰ نے اسے بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: چونکہ یہ کام تمام خیر تھا تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی۔ اور کشتی کے عیب کو ادب کی رعایت کرتے ہوئے اپنی طرف منسوب کیا کیونکہ یہ عیب کا لفظ تھا پس انہوں نے ادب کا خیال کرتے ہوئے ارادہ کو اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ اپنی طرف منسوب کیا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ادب

کا خیال کرتے ہوئے کہا تھا: وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِي ﴿۱۰﴾ (الشعراء) پہلے اور بعد میں فعل کو اللہ کی طرف منسوب کیا اور اپنی طرف مرض کی نسبت کی کیونکہ اس میں نقص اور مصیبت کا معنی ہے، پس اللہ تعالیٰ کی طرف صرف وہی الفاظ منسوب کیے جاتے ہیں جو مستحسن ہوں۔ یہ ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بِبَيْتِكَ الْعَزِيزُ (آل عمران: 26) خیر پر اکتفا فرمایا اور شر کو اپنی طرف منسوب نہیں کیا اگرچہ خیر و شر، نقصان اور نفع اس کے ہاتھ میں ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی ہر شے سے آگاہ ہے، اس پر اس حدیث سے اعتراض نہیں کیا جاسکتا جس میں ہے کہ ”اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا: اے ابن آدم! میں مریض تھا تو تو نے میری عیادت نہیں کی، میں نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا تو تو نے مجھے کھلایا نہیں تھا، میں نے تجھ سے پانی طلب کیا تھا تو تو نے مجھے پانی نہیں پلایا تھا“ (1)۔ یہ خطاب میں تنزل اور عتاب میں تملطف ہے۔ اس کا مقصد ذی الجلال کی فضیلت کی پہچان ہے، اور ان پر اعمال کے ثواب کی مقدار کی معرفت ہے؛ یہ معنی پہلے گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کوشایان ہے کہ اپنے لیے جو چاہے بیان کرے اور ہمیں صرف اسی کی اجازت ہے جس میں اوصاف جمیلہ کا ذکر ہو اور افعال شریفہ کا بیان ہو۔ اللہ تعالیٰ ناقص اور آفات سے بلند و بالا ہے۔ لڑکے کے بارے میں فرمایا: فَأَمَّا ذُنُقًا قَتَلَ كِي نَسَبَتْ اِبْنِي طَرْفِ كِي اَوْرْتَبْدِلِي كِي نَسَبَتْ اِللهِ تَعَالَى كِي طَرْفِ كِي، افضل کمال خلق اور کمال عقل ہے۔ سورہ انعام میں اس کا معنی گزر چکا ہے۔ الحمد للہ۔

مسئلہ نمبر 3۔ ہمارے شیخ ابوالعباس نے فرمایا: زنا وقتہ باطنیہ قوم سلوک طریق کا نظریہ رکھتے ہیں جس سے احکام شرعیہ لازم ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: یہ احکام شرعیہ عامہ جو ہیں ان کے ساتھ حکم انبیاء اور عوام پر لگایا جاتا ہے۔ رہے اولیاء اور اہل خصوص وہ ان نصوص کے محتاج نہیں ہیں بلکہ ان سے وہی مراد ہوتا ہے جو ان کے دلوں میں واقع ہوتا ہے۔ اور ان پر اس کے ساتھ حکم لگایا جاتا ہے جو ان کے خواطر پر غالب آتا ہے، انہوں نے کہا: یہ اس لیے ہے کہ ان کے دل کدورتوں سے صاف ہوتے ہیں اور ان کے دل اغیار سے خالی ہوتے ہیں، اور ان کے لیے علوم الہیہ روشن ہوتے ہیں اور حقائق ربانیہ واضح ہوتے ہیں، وہ اسرار کائنات پر واقف ہوتے ہیں اور جزئیات کے احکام جانتے ہیں اس لیے وہ احکام شرعیہ کلیہ سے مستغنی ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام کے لیے اتفاق ہوا وہ علوم جو ان کے لیے روشن تھے ان کی وجہ سے وہ ان علوم سے مستغنی ہوئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تھے اور یہ لوگ یہ حدیث اپنے اس نظریہ پر نقل کرتے ہیں ”اپنے دل سے فتویٰ پوچھ اگرچہ مفتی تجھے فتویٰ دیں“۔ ہمارے شیخ نے فرمایا: یہ قول زندقہ اور کفر ہے، اس کے قائل کو قتل کیا جائے گا اور اس سے توبہ طلب نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ معلوم شراک کا انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت جاری فرمائی اور اپنی حکمت نافذ فرمائی ہے کہ اس کے احکام معلوم نہیں ہوتے ہیں مگر ان رسولوں کے واسطے سے جو اس کے اور مخلوق کے درمیان سفیر ہوتے ہیں وہ اس کے پیغام اس کی طرف پہنچاتے ہیں اور وہ اس کی شریعت اور احکام بیان کرتے ہیں، اسی وجہ سے اس نے انہیں چنا ہے اور اس کے ساتھ انہیں خاص کیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ اِنَّ

اللَّهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (انج)

اور فرمایا: اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ مَسَالِكَهُ (الانعام: 124) اور فرمایا: كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ (البقرہ: 213) اس کے علاوہ بھی آیات ہیں۔

بہر حال علم یقینی اور قطعی یقین اور سلف و خلف کا اس بات پر اجماع حاصل ہے کہ احکام الہیہ کی معرفت کا کوئی راستہ نہیں جو اس کے امر اور نہی پر مشتمل ہیں۔ اور ان میں سے کسی حکم کی پہچان نہیں ہو سکتی مگر رسولوں کی جہت سے۔ پس جو کہتا ہے کہ کوئی دوسرا طریقہ ہے جس سے امر و نہی کی پہچان بغیر رسولوں کے ہوتی ہے رسولوں کی جس میں ضرورت نہیں تو وہ کافر ہے، اسے قتل کیا جائے گا اور اس سے تو بہ طلب نہیں کی جائے گی اور نہ اس کے ساتھ سوال و جواب کی ضرورت ہے۔ پھر یہ تو ہمارے نبی کریم ﷺ کے بعد دوسرے انبیاء کا اثبات ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء اور خاتم الرسل بنایا ہے۔ حالانکہ اس کے بعد نہ کوئی نبی ہے نہ رسول اس کا بیان یہ ہے کہ جو کہتا ہے کہ وہ اپنے دل سے احکام لیتا ہے جو اس کے دل میں واقع ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہو گا وہ اس کے مقتضا کے مطابق عمل کرے گا وہ اس کیفیت کے ساتھ کتاب و سنت کا محتاج نہیں تو اس نے خاص اپنے لیے نبوت ثابت کی کیونکہ یہ اس طرح ہے جو رسول ﷺ نے فرمایا تھا: کہ ”روح القدس نے میرے دل میں پھونکا“ ☆۔

مسئلہ نمبر 4۔ جمہور لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کا وصال ہو گیا ہے۔ اور ایک جماعت نے کہا: وہ زندہ ہیں کیونکہ آپ نے آب حیات کے چشمہ سے پانی پیا تھا۔ وہ زمین میں باقی ہیں اور وہ بیت اللہ کالج کرتے ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: اس مفہوم میں نقاش نے بڑی لمبی کلام کی ہے، انہوں نے اپنی کتاب میں بہت سی چیزیں حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کی ہیں۔ یہ تمام روایات کسی بنیاد پر مبنی نہیں۔ اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے اور حج کرتے تو ملت اسلامیہ میں ان کا ظہور ہوتا۔ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کی تفصیل کو جاننے والا ہے اس کے علاوہ کوئی رب نہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام کے وصال پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے: أَرَأَيْتُمْ لَيْسَتْكُمْ هَذِهِ فُلَانَةٌ لَا يَبْقَى مَتْنٌ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ (1)۔

میں کہتا ہوں: یہ امام بخاری کا مسلک ہے، قاضی ابوبکر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ صحیح قول دوسرا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں جیسا کہ ہم ذکر کریں گے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی پاک ﷺ نے اپنی زندگی کے آخر میں ایک رات عشاء کی نماز پڑھائی جب سلام پھیرا تو آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ”تم اپنی اس رات کے بارے میں بتاؤ کہ اس سے سو سال کے آغاز پر جو سطح زمین پر ہے ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا“ (2)۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا: نبی کریم ﷺ کی بات پر لوگ غلط تبصرے کرنے لگے، سو سال کے بارے میں مختلف باتیں کرنے لگے جو وہ کرتے تھے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”جو آج سطح زمین پر ہے اس میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا“ (3)۔ اس سے مراد یہ تھا کہ یہ قرن ختم ہو جائے گی۔ اس حدیث کو حضرت جابر بن عبداللہ نے بھی روایت کیا ہے

1۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، السفری العلم، جلد 1، صفحہ 22

2۔ کنز العمال، جلد 14، صفحہ 194، حدیث نمبر 38344

☆ شرح ابن بنوی۔ 4110

3۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، جلد 2، صفحہ 310

فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو وصال سے ایک مہینہ پہلے یہ کہتے ہوئے سنا: ”تم مجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہو، اس کا علم اللہ کے پاس ہے اور میں اللہ کی قسم اٹھاتا ہوں! سطح زمین پر کوئی نفس رہنے والا نہیں ہوگا جس پر سو سال گزرے گا“ دوسری روایت میں ہے سالم نے کہا: ہم نے ذکر کیا کہ جو اس دن پیدا ہو چکا ہے۔ ایک روایت میں ہے آج کوئی نفس ایسا نہیں جس پر سو سال آئے گا، اور وہ اس وقت زندہ ہوگا۔ عبدالرحمن صاحب السقاۃ نے اس کی تفسیر میں فرمایا: عمر کم ہوگی۔ حضرت ابو سعید خدری سے اس حدیث کی طرح مروی ہے۔ ہمارے علماء نے کہا: اس حدیث کے ضمن میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے وصال سے ایک مہینہ پہلے خبر دی تھی کہ بنی آدم میں سے جو بھی موجود ہے اس کی عمر سو سال پر ختم ہو جائے گی کیونکہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ما من نفس منقوسۃ (1)۔ یہ لفظ ملائکہ اور جن کو شامل نہیں کیونکہ ان سے صحیح نہیں کہ وہ اس طرح ہیں اور نہ حیوان غیر عاقل شامل ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: متن هو علی ظہر الارض احد (2)۔ یہ اصل وضع کے اعتبار سے ذوی العقول کے لیے بولا جاتا ہے پس تعین ہو گیا کہ مراد بنی آدم ہیں۔ حضرت ابن عمر نے اس معنی کو بیان کیا ہے فرمایا: اس سے مراد صدی کا ختم ہونا ہے۔ اس شخص کے لیے کوئی حجت نہیں جو اس شخص کے قول کے بطلان پر حجت پکڑتا ہے جو کہتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں کیونکہ ما من نفس منقوسۃ (3) میں عموم ہے چونکہ عموم اگرچہ استغراق کی تاکید کرتا ہے، لیکن اس میں نص نہیں ہوتا بلکہ وہ تخصیص کے قابل ہوتا ہے۔ پس یہ اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شامل نہیں ہے، کیونکہ وہ فوت ہوئے ہیں نہ قتل ہوئے ہیں، نص قرآنی کے ساتھ ان کا زندہ ہونا ثابت ہے، اور یہ عموم و جال کو بھی شامل نہیں حالانکہ وہ بھی زندہ تھا، اس کی دلیل حدیث الجسارہ ہے۔ اسی طرح یہ عموم حضرت خضر علیہ السلام کو بھی شامل نہیں۔ وہ لوگوں کو نظر نہیں آتے اور نہ ان کو نظر آتے ہیں جن لوگوں میں وہ جاتے ہیں تاکہ ان کے دل میں ایک دوسرے سے خطاب کے وقت خطرہ پیدا نہ ہو، اس عموم کی مثل ان کو شامل نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اصحاب کہف زندہ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حج کرتے ہیں جیسا کہ پہلے نزر چکا ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نوجوان جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول میں ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔ ابو اسحاق ثعلبی نے (العرائس) میں ذکر کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں ان کو لمبی عمر دی گئی ہے، آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ محمد بن متوکل نے ضمیرہ بن ربیعہ عن ابن شوذب کے سلسلہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: حضرت خضر علیہ السلام فارس کی اولاد سے تھے اور حضرت الیاس علیہ السلام بنی اسرائیل سے تھے، وہ ہر سال حج کے موقع پر آپس میں ملاقات کرتے ہیں۔ عمرو بن دینار سے مروی ہے فرمایا: حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام زمین پر زندہ رہیں گے جب تک قرآن زمین پر موجود ہے، جب قرآن اٹھالیا جائے گا وہ بھی فوت ہو جائیں گے۔ ہمارے شیخ امام ابو محمد عبد المعطی بن محمد بن عبد المعطی نخعی نے قشیری کے رسالہ کی شرح میں بہت سے نیک مردوں اور عورتوں کی حکایات ذکر کی ہیں کہ انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا اور ان سے ملاقات کی جس کے مجموعہ سے ظن غالب یہی ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہیں نیز نقاش اور ثعلبی وغیرہ نے بھی یہ ذکر کیا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے ”دجال شورلی زمین پر پہنچے گا جو مدینہ

کے قریب ہوگی اس وقت اس کی طرف ایک شخص نکلے گا جو لوگوں سے بہتر ہوگا۔ اس حدیث کے آخر میں ہے ابو اسحاق نے کہا: یعنی اِنَّ هَذَا الرَّجُلَ هُوَ الْخَضِرُ (1) (وہ شخص حضرت خضر ہوگا) ابن ابی الدنیا نے ”الہوائف“ میں ایک سند کے ساتھ ذکر کیا ہے جس کو انہوں نے حضرت نلی بنینہ تک پہنچایا ہے کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملے اور انہوں نے آپ کو یہ دعا سکھائی اور اس میں اس شخص کے لیے بہت بڑے ثواب، مغفرت اور رحمت کا ذکر کیا ہے جو ہر نماز کے بعد اس کو پڑھتے گا وہ دعا یہ ہے: يَا مَن لَا يَشْغَلُهُ سَمْعٌ عَن سَمْعٍ، وَيَا مَن لَا تَغْلِبُهُ الْمَسَائِلُ، وَيَا مَن لَا يَتَبَرَّمُ مِنَ الْحَاءِ الْمَلْحِينَ، أَذْقَنِي بَرْدَ عَفْوِكَ، وَحَلَاوَةَ مَغْفِرَتِكَ (اے وہ ذات جس کو ایک آواز کا سنا دوسری آواز کے سننے سے غافل نہیں کرتا، اے وہ ذات مسائل جس سے غلطی نہیں کراتے، اے وہ ذات جو اصرار سے مانگنے والوں کے اصرار سے اکتاتی نہیں! تو مجھے اپنے عفو کی ٹھنڈک اور اپنی مغفرت کی حلاوت عطا فرما) انہوں نے حضرت عمر سے بھی بعینہ یہی دعا ذکر کی ہے جو انہوں نے حضرت نلی بنینہ سے ذکر کی جو انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے سنی ہے، اسی طرح انہوں نے حضرت الیاس علیہ السلام کا نبی کریم ﷺ سے ملاقات ہونا بھی ذکر کیا ہے۔ جب حضرت الیاس علیہ السلام کا نبی کریم ﷺ سے ملاقات ہونا بھی ذکر کیا ہے۔ اب ابن ابی الدنیا نے ذکر کیا ہے کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام ہر سال بیت اللہ کے پاس ملتے ہیں اور جدائی کے وقت کہتے ہیں: مَا شَاءَ اللَّهُ مَا شَاءَ اللَّهُ، لَا يَصْرِفُ السُّؤَالَ اللَّهُ، مَا شَاءَ اللَّهُ مَا شَاءَ اللَّهُ مَا يَكُونُ مِنْ نِعْمَةٍ فَسَنَ اللَّهُ مَا شَاءَ اللَّهُ مَا شَاءَ اللَّهُ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (جو اللہ چاہے جو اللہ چاہے اور تکلیف کو اللہ کے سوا کوئی نہیں پھیر سکتا، جو اللہ چاہے جو اللہ چاہے۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو اللہ چاہے جو اللہ چاہے۔ میں اللہ پر بھروسہ رکھتا ہوں، ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی بہتر کارساز ہے) رہی حضرت الیاس علیہ السلام کی خبر تو وہ سورہ الصافات میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ابو عمر بن عبدالبر نے کتاب ”التمہید“ میں حضرت نلی بنینہ سے روایت کیا ہے فرمایا: جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا اور کپڑے کے ساتھ آپ کو لپیٹا گیا تھا تو گھر کے ایک کونے سے ہاتھ نہیں نے آواز دی لوگ اس کی آواز سنتے تھے اور اس شخصیت کو نہیں دیکھتے تھے: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ۔ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ اِنَّ فِي اللَّهِ خَلْفًا مِنْ كُلِّ هَالِكٍ وَعَوْضًا مِنْ كُلِّ تَالِفٍ، عَزَاءٌ مِنْ كُلِّ مُصِيبَةٍ، فَبِاللَّهِ فَشَقُوا، وَيَا هَ فَا رَجُوا، فَبِاللَّهِ الصَّابِ مِنْ حُرْمِ الشَّوَابِ (اے اہل بیت! تم پر سلام ہو، ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس ہر جانے والے کا خلیفہ ہے اور تلف ہونے والے کا عوض ہے، ہر مصیبت سے تسلی ہے، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اور اس سے امید رکھو، مصیبت زدہ وہ ہے جو ثواب سے محروم کیا گیا) صحابہ کرام خیال کرتے تھے کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں عنی الارض میں الف، الام، عبید کے لیے ہے جنس کے لیے نہیں ہے، اس سے مراد عرب کی زمین ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کا اسمیں تصرف تھا اور اس کی طرف لوٹنا تھا نہ کہ یا جوج و ما جوج کی زمین اور نہ بند و بندھ کے دور دراز علاقے جس کا نام بھی نہیں سنا گیا اور نہ اس کا علم ہوا

اور دجال کے بارے میں جواب نہیں۔

علامہ سہیلی نے کہا: حضرت خضر علیہ السلام کے نام کے بارے میں بڑا واضح اختلاف ہے۔ ابن مہبہ سے مروی ہے انہوں نے کہا: ایلیا بن مکنان بن فالغ بن شالح بن ارفشد بن سام بن نوح۔ بعض علماء نے کہا: وہ ابن عامیل بن ساجین ابن اریا بن علقما بن عیسو بن اسحاق ہے، ان کا باپ ملیکا تھا اور ماں بنت فارس اس کا نام لھا تھا انہوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو ایک غار میں جنم دیا تھا وہاں ایک بکری تھی جو انہیں ہر روز دودھ پلاتی تھی وہ اس شہر کے ایک آدمی کی بکریوں میں سے تھی، اس شخص نے حضرت خضر علیہ السلام کو پکڑ لیا اور آپ کی پرورش کی جب جوان ہو گئے تو ملک جو حضرت خضر کا باپ ہے نے ایک کاتب بلایا اور اہل معرفت و نبالت کو جمع کیا تاکہ وہ صحیفے لکھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت شیث علیہ السلام پر نازل ہوئے تھے۔ جو کاتبوں میں اس کے سامنے آیا اس کا بیٹا خضر تھا، وہ اسے نہیں جانتا تھا، جب اس نے بہت اچھا لکھا تو اس نے اس کے بارے میں خوب چھان بین کی اسے پتا چلا کہ وہ اس کا بیٹا ہے تو اس نے اس کو اپنی قربت بخشی اور لوگوں کے امور کا والی بنا دیا پھر حضرت خضر علیہ السلام بادشاہ سے بھاگ گئے۔ ان اسباب کی وجہ سے جن کا ذکر بہت طویل ہے، حتیٰ کہ وہ آب حیات کے چشمہ پر پہنچے اور اس کا پانی پی افس وہ دجال کے نکلنے تک زندہ رہیں گے اور وہ شخص جس کو دجال قتل کرے گا اور پھر اسے کاٹ دے گا اور پھر اللہ تعالیٰ اسے زندہ کرے گا وہ حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہیں پایا اور یہ صحیح نہیں ہے۔ امام بخاری اور اہل حدیث کی ایک جماعت نے کہا جن میں سے ہمارے شیخ ابو بکر بن عربی رحمہ اللہ بھی ہیں کہ وہ سو سال ختم ہونے سے پہلے وصال کر گئے، اس کی وجہ یہ حدیث ہے:

الی رأس مائة عام لا يبقى على هذه الأرض فمن هو عليها أحد سو سال کے آغاز تک جو بھی اس زمین پر ہے ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے، یعنی جو زندہ تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام فرمایا تھا۔

میں کہتا ہوں: ہم نے اس حدیث کا ذکر کیا اور اس پر کلام کی اور ہم نے حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی اب تک کے لیے

بیان کی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت خضر علیہ السلام جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جدا ہونے لگے تو

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا: مجھے وصیت فرمائیے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: تو مسکرانے والا ہو جا اور ہنسنے والا نہ ہو، لجاجت چھوڑ دے اور بغیر حاجت کے نہ چل۔ خطا کاروں پر ان کی خطاؤں کی وجہ سے عیب نہ لگا اور اے ابن

عمران اپنی خطا پر رو۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْقَرْنَيْنِ ۗ قُلْ سَأَلْتُمُو عَنِّي وَمَا عَلَيَّ ذِكْرُ مَا فِي سَمَاءِ رَبِّي وَإِنِّي أَخَذْتُ الْقُرْآنَ وَمَا أَدَّبْتُمُو ۗ وَأَوَّلُ عَمَلِي طُغْيَانًا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ أَوْحَيْتُ إِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ أَنْ قُلْ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۗ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِيَذَّبَ بِهِنَّ الَّذِينَ اسْتَفْسَدُوا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيمُ ۗ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِيَذَّبَ بِهِنَّ الَّذِينَ اسْتَفْسَدُوا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيمُ ۗ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِيَذَّبَ بِهِنَّ الَّذِينَ اسْتَفْسَدُوا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيمُ ۗ

ثُمَّ يَرُدُّ إِلَى رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا مُّكْرَمًا ۝ وَأَمَّا مَنْ أَمِنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءٌ
 الْحَسَنُ ۖ وَسَنُقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا ۖ ثُمَّ اتَّبَعْنَا سَبَبًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا بَدَأْنَا مَظْلِعَ
 السَّنَنِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَهُمْ مِنْ دُونِهَا سِتْرًا ۖ كَذَلِكَ ۖ وَقَدْ
 أَحَطْنَا بِالدَّيَّةِ خُبْرًا ۖ

”اور وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے ذی القرنین کے متعلق، فرمائیے: میں ابھی بیان کرتا ہوں تمہارے سامنے اس کا حال۔ ہم نے اقدار بخشا تھا اسے زمین میں اور ہم نے دیا تھا اسے ہر چیز (تک رسائی حاصل کرنے) کا ساز و سامان، پس وہ روانہ ہوا ایک راہ پر، یہاں تک کہ جب وہ غروب آفتاب کی جگہ پہنچا تو اس نے اسے یوں پایا گویا وہ ڈوب رہا ہے ایک سیاہ کچھڑ کے چشمہ میں اور اس نے وہاں ایک قوم پائی، ہم نے کہا: اے ذوالقرنین! (تمہیں اختیار ہے) خواہ تم انہیں سزا دو خواہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ ذوالقرنین نے کہا: جس نے ظلم (کفر و فسق) کیا تو ہم ضرور اسے سزا دیں گے، پھر اسے لوٹا دیا جائے گا اس کے رب کی طرف تو وہ اسے عذاب دے گا بڑا ہی سخت عذاب۔ اور جو شخص ایمان لایا اور اچھے عمل کیے تو اس کے لیے اچھا معاوضہ ہے اور ہم اسے حکم دیں گے ایسے احکام بجالانے کا جو آسان ہوں گے۔ پھر وہ روانہ ہوا دوسرے راستہ پر، یہاں تک کہ جب وہ پہنچا طلوع آفتاب کے مقام پر تو اس نے پایا سورج کو کہ وہ طلوع ہو رہا ہے ایسی قوم پر کہ نہیں بنائی ہم نے ان کے لیے سورج (کی گرمی) سے بچنے کی آڑ، بات یونہی ہے، اور ہم نے احاطہ کر رکھا ہے ہر اس چیز کا جو اس کے پاس تھی۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ يَسْأَلُونَكَ عَنِ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُوا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا ۖ ابن اسحاق نے کہا: ذی القرنین کی خبر میں سے یہ ہے کہ انہیں وہ عطا کیا گیا جو کسی دوسرے کو عطا نہیں کیا گیا اس کے لیے اسباب اتنے کشادہ ہوئے کہ وہ زمین کے مشارق و مغارب کے شہروں تک پہنچا۔ وہ کسی زمین پر پہنچا تو اس پر غالب آ گیا حتیٰ کہ وہ مشرق و مغرب کے اس مقام پر پہنچا کہ جس کے بعد مخلوق نہیں ہے۔ ابن اسحاق نے کہا: مجھے اس شخص نے بتایا جو عجیبوں سے حکایات روایت کرتا ہے کہ وہ ذی القرنین کے بارے میں متواتر یہ علم رکھتے ہیں کہ وہ اہل مصر میں سے ایک شخص تھا جس کا نام مرزبان بن مردبہ یونانی تھا وہ یونان بن یافت بن نوح کی اولاد سے تھا۔ ابن ہشام نے کہا: اس کا نام اسکندر تھا، یہ وہی ہے جس نے اسکندر یہ بنایا پس اس کی نسبت اس کی طرف کی گئی۔ ابن اسحاق نے کہا مجھے ثور بن یزید نے خالد بن معدان کلاعی سے روایت کر کے بتایا۔ خالد ایک شخص تھا جس نے لوگوں کو پایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالقرنین کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ”وہ بادشاہ تھا جس نے زمین کو نیچے سے چھوا اسباب کے ساتھ“ (1)۔ خالد نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یا ذالقرنین کہتے

ہوئے سنا تو حضرت عمر نے کہا: اللہم غفراً أما رضیتم أن تسوا بأساء الانبیاء حتی تسمیتم بأساء الملائکة (اے اللہ معاف فرما کیا تم خوش نہیں ہو کہ تم انبیاء کے اسماء کے ساتھ نام رکھو حتی کہ تم نے ملائکہ کے اسماء کے ساتھ نام رکھ لیے) ابن اسحاق نے کہا: اللہ بہتر جانتا ہے وہ کون تھا کیا یہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا یا نہیں۔ حق یہ ہے کہ نہیں فرمایا تھا۔

میں کہتا ہوں: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر کے قول کی مثل مروی ہے انہوں نے ایک شخص کو سنا جو دوسرے شخص کو آواز دے رہا تھا: اے ذوالقرنین! حضرت علی نے فرمایا: کیا تمہارے لیے کافی نہ تھا کہ تم نے انبیاء کرام کے نام کے ساتھ نام رکھے حتی کہ تم نے ملائکہ کے نام کے ساتھ نام رکھ لیے ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ صالح بادشاہ بندہ تھا، اللہ تعالیٰ کا مخلص تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تائید فرمائی۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ نبی تھے جو مبعوث کیے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے اسے زمین کی فتح عطا فرمائی۔ دارقطنی نے کتاب الاخبار میں ذکر کیا ہے کہ ایک فرشتہ ہے جس کو رباقیل کہا جاتا ہے وہ ذی القرنین پر اترتا تھا یہ وہ فرشتہ ہے جو قیامت کے روز زمین کو لپیٹے گا اور اسے کم کرے گا۔ تمام لوگوں کے اقدام اس زمین پر واقع ہوں گے جیسا کہ بعض اہل علم نے ذکر کیا۔ سہلی نے کہا: یہ وہ فرشتہ تھا جو ذی القرنین پر مقرر کیا گیا تھا جس نے زمین کے مشارق و مغارب کو طے کیا تھا جیسا کہ خالد بن سنان کا واقعہ ہے کہ ان کے لیے آگ کو مسخر کیا گیا تھا آگ پر متعین فرشتے کی حالت میں مشاکلت تھی وہ فرشتہ مالک ہے علیہ السلام و علی جمیع الملائکة اجمعین۔ ابن ابی خثیمہ نے کتاب البدء میں خالد بن سنان کا ذکر کیا ہے اور اس کی نبوت کا ذکر کیا ہے۔ خازن النار مالک فرشتہ کو اس پر مقرر کیا گیا تھا (یعنی اس کے ذریعے اس کی تائید کی جاتی تھی) اس کی نبوت کی علامتوں میں سے یہ تھا کہ ایک آگ کو نار اُخذ ثمان کہا جاتا تھا وہ لوگوں پر ایک غار سے نکلتی تھی اور لوگوں کو جلادیتی تھی لوگ اس کو دور نہیں کر سکتے تھے، خالد بن سنان نے اس کو لوٹا یا تو وہ پھر کبھی نہ نکلی۔

ذی القرنین کے نام میں اور اس سبب میں بہت زیادہ اختلاف ہے جس کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا رہا اس کا نام تو بعض نے کہا: وہ اسکندر بادشاہ یونانی مقدونی ہے، کبھی قاف مشد کہا جاتا ہے، المققدونی کہا جاتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا نام ہر مس ہے۔ بعض نے کہا اس کا نام ہر دیس ہے۔ ابن بشام نے کہا: وہ صعوب بن ذی یزن حمیری ہے جو وائل بن حمیر کی اولاد سے تھا، ابن اسحاق کا قول پہلے گزر چکا ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا: وہ رومی ہے۔ طبری نے نبی کریم ﷺ سے ایک حدیث ذکر کی ہے کہ ذی القرنین روم کا ایک نوجوان تھا (1)۔ اس حدیث کی سند انتہائی کمزور ہے؛ یہ ابن عطیہ کا قول ہے۔ سہلی نے کہا: ظلم الاخبار سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دو شخص تھے ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وہ شخص تھا جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے فیصلہ کیا تھا جب وہ بئر السبع کے بارے میں شام میں فیصلہ اس کے پاس لے گئے تھے۔ دوسرا شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔ بعض نے فرمایا: وہ افریدون تھا جس نے عبد ابراہیم میں بیور اسب بن اردن اسب سرکش بادشاہ کو قتل کیا تھا یا اس سے پہلے کچھ زمانہ تھا۔ رہا اس سبب میں اختلاف جس کی وجہ سے اسے ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔ تو بعض نے کہا: اس کے بالوں کی دو مینڈھیاں تھیں ان کی وجہ سے ذوالقرنین کہا جاتا ہے؛ یہ ثعلبی

وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ الضفائر، سر کے بالوں کی مینڈھیوں کو کہتے ہیں، شاعر نے کہا:

فَلَسْتُ فَاها آخِذا بِقُرُونِها شُرْبُ الشَّرِيفِ بِبُرْدِ ماءِ الحَشْرِجِ

بعض علماء نے فرمایا: اس نے اپنی بادشاہی کے آغاز میں خواب دیکھا کہ وہ سورج کے دونوں قرن پر قابض ہے (1) اس نے یہ خواب بیان کیا تو اس کی تعبیر یہ بتائی گئی کہ وہ ہر اس جگہ پر غالب آئے گا جس پر سورج طلوع ہوتا ہے، اسی وجہ سے اسے ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اسے یہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ مغرب و مشرق تک پہنچا گویا اس نے دنیا کے دونوں کناروں کو جمع کر لیا۔ ایک جماعت نے کہا: جب وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پہنچا تو اس کے دیکھنے کے ساتھ سورج کے قرون ظاہر ہوئے اسی وجہ سے اسے ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔ سورج کے ساتھ شیطان کے قرن (سینگ) دیکھے۔ وہب بن منبہ نے کہا اس کے عماد کے نیچے دو سینگ تھے۔ ابن الکواء نے حضرت علی بن ابی طالب سے ذی القرنین کے متعلق پوچھا کہ وہ نبی تھے یا بادشاہ؟ حضرت علی نے فرمایا: نہ نبی تھا نہ بادشاہ، وہ اللہ کا نیک بندہ تھا اس نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف بلایا تھا تو انہوں نے اس کا سر زخمی کر دیا پھر انہوں نے دعوت دی تو لوگوں نے سر کی دوسری طرف بھی زخمی کر دی اسی وجہ سے اسے ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔ اس کے زمانہ کے بارے میں کسی اختلاف ہے، ایک قوم نے کہا: وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد تھے ایک قوم نے کہا: وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد فترت کے زمانہ میں تھے۔ بعض نے کہا: وہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے زمانہ میں تھے اور حضرت خضر علیہ السلام ان کا بڑا جھنڈا اٹھانے والے تھے۔ اس نے اس کا ذکر سورہ بقرہ میں کیا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے اسے اقتدار بخشا اور سلطنت بخشی اور بادشاہوں نے اس کی اطاعت کی، روایت ہے کہ تمام دنیا کے چار بادشاہ تھے (2)، دو مومن تھے دو کافر تھے، مومن حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام اور اسکندر تھے اور کافر نمرود اور بخت نصر تھے اور پانچواں اس امت سے مالک ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (التوبہ: 33) اور وہ مہدی علیہ السلام ہوں گے۔ بعض علماء نے فرمایا ان کو ذوالقرنین اس لیے کہا جاتا تھا کیونکہ وہ باپ اور ماں دونوں کی طرف سے کریم الطرفین تھا (یعنی اس کے والدین کے خاندان اعلیٰ حسب و نسب والے تھے) بعض علماء نے فرمایا: اس کے وقت میں لوگوں کی دو نسلیں گزریں جبکہ وہ زندہ تھا اس لیے اسے ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس لیے یہ نام تھا کہ وہ جب لڑتا تھا تو ہاتھوں اور رکابوں دونوں سے لڑتا تھا۔ بعض نے فرمایا: اس لیے کہ اسے ہم ظاہر اور علم باطن دیا گیا تھا۔ بعض نے فرمایا: وہ ظلمت و نور میں داخل ہوا تھا۔ بعض نے فرمایا: وہ فارس و روم کا بادشاہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا مَكِّنَّا لَكَ فِي الْأَنْصِلِ حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا: اس کے لیے بادل کو مسخر کیا گیا تھا اور اس کے لیے اسباب پھیلائے گئے تھے اور اس کے لیے نور کشادہ کیا گیا تھا اس پر رات اور دن برابر تھا۔ حضرت عقبہ بن عامر کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کے کچھ لوگوں کو کہا جنہوں نے آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھا تھا فرمایا: "ابتداء میں وہ رومیوں میں سے ایک جوان تھا، پھر اسے بادشاہی عطا کی گئی وہ چلاستی کہ وہ مصر کی زمین پر آیا وہاں اس نے ایک شہر بنایا جسے اسکندر نے کہا جاتا

ہے۔ جب وہ فارغ ہوا تو اس کے پاس ایک فرشتہ آیا وہ اسے اوپر لے گیا اس نے اسے کہا: اپنے نیچے دیکھ، اس نے کہا: میں صرف اپنا شہر دیکھتا ہوں اس کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتا۔ اس فرشتے نے اسے کہا: یہ ساری زمین ہے اور اس کے ارد گرد جو تو سیاہی دیکھ رہا ہے یہ سمندر ہے، اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تجھے زمین دکھائے اس نے تیرے لیے اس میں بادشاہی قائم کی ہے پس تو اس میں چل اور جاہل کو تعلیم دے اور عالم کو پختہ کر۔ (1)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا** ⑩ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ہر چیز کا علم عطا فرمایا جس کام کا ارادہ کرتے علم اس کا سبب بنتا۔ حسن نے کہا: جہاں کا ارادہ کرتے وہاں پہنچنا مراد ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ہر وہ چیز بخشی جس کے ساتھ مخلوق کو ضرورت ہوتی ہے۔ بعض نے فرمایا: ہر وہ چیز بخشی جس کے ساتھ بادشاہ مدد حاصل کرتے ہیں، شہروں کی فتح، دشمنوں پر غلبہ وغیرہ۔ السبب کا اصل معنی رسی ہے پھر استعارۃً ہر اس چیز کے لیے استعمال کیا گیا جس کے ذریعے کسی چیز تک پہنچا جاتا ہے۔ **فَاتَّبَعُوا سَبَبًا**۔ ابن عامر، عاصم، حمزہ اور کسائی نے فاتبع ہمزہ قطعی کے ساتھ پڑھا ہے۔ اہل مدینہ اور ابو عمرو نے فاتبع سبباً ہمزہ وصلی کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی جو اسباب اسے دیے گئے تھے اس کو استعمال کیا۔ انفس نے کہا: تبعته واتبعتہ ایک معنی میں ہیں جیسے ردفتہ اور ارففتہ ایک معنی میں ہیں، اسی سے یہ ارشاد بھی ہے: **إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ** ⑪ (الصافات)

اسی سے کلام میں الاتباع ہے جیسے **حَسَنٌ بَسَنٌ** اور **قَبِيحٌ شَقِيحٌ**۔ ابو عبیدہ نے اہل کوفہ کی قرأت کو پسند کیا فرمایا: کیونکہ یہ سیر (چلنے) سے ہے۔ ابو عبیدہ اور اصمعی نے حکایت کیا ہے کہ کہا جاتا ہے: تبعہ واتبعہ جب کوئی کسی کے پیچھے چلے اور اس کو پہنچ نہ پائے۔ اور ابو عبیدہ نے کہا: اس کی مثل ہے: **فَاتَّبَعُوهُمْ مُشْرِقِينَ** ⑫ (الشعراء)

نحاس نے کہا: یہ تفریق ہے اگرچہ اس کو اصمعی نے بیان کیا ہے مگر بغیر علت اور دلیل کے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَاتَّبَعُوهُمْ مُشْرِقِينَ** ⑫ (الشعراء) حدیث میں نہیں ہے کہ وہ ان کو ملے تھے۔ حدیث میں ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی دریا سے نکل گئے اور فرعون اور اس کے ساتھی دریا میں داخل ہوئے تو دریا ان کے اوپر مل گیا۔ اس میں حق یہ ہے کہ تبع، اتبع اور اتباع سب لغات ہم معنی ہیں، یہ السید کے معنی میں ہیں۔ اس کے ساتھ لاحق ہونا ہے اور لاحق نہ ہونا دونوں جائز ہیں۔ **حَتَّىٰ إِذَا بَلَغْتَ مَعْرَبَ النَّسِيسِ وَجَدَ فَاتَّعْرَبُ فِي عَدْنٍ حَمِئَةٍ** ابن عاصم، حمزہ اور کسائی نے حامیہ پڑھا ہے، جس کا معنی ہے گرم اور باقی قراء نے حمیہ پڑھا ہے، جس کا معنی ہے سیاہ مٹی۔ تو کہتا ہے: **حَمَاتُ البِثْرِحَاءِ** (میم کی تسکین کے ساتھ) تو اس کا معنی ہے کنویں کی مٹی زیادہ ہوگئی اور حامیہ بھی جائز ہے۔ اور یہ الحمات سے ہوگا حمزہ میں تخفیف کی گئی اور یاء سے بدلا گیا ہوگا۔ دونوں قراءتوں کو کبھی جمع کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے: وہ مٹی گرم تھی اور سیاہی والی تھی۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو نے کہا (2): نبی کریم ﷺ نے سورج کی طرف دیکھا جب وہ غروب ہو رہا تھا فرمایا: نار اللہ الحمیہ لولا یزعها من امر اللہ لأحرقت ما علی الأرض (اللہ تعالیٰ کی گرم آگ سے، اگر اسے اللہ کا امر نہ روکتا تو یہ جو کچھ

زمین پر ہے اسے جلادیتی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ابی نے مجھے یہ اسی طرح پڑھایا جس طرح انہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا تھا۔ لی غوین حَمِیۃ (1)۔ اور حضرت معاویہ نے کہا: یہ حامیۃ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا: میں امیر المؤمنین کے ساتھ تھا پس انہوں نے کعب کو اپنا حکم بنایا انہوں نے کہا: اے کعب! تم یہ تورات میں کیسے پاتے ہو؟ انہوں نے کہا: میں اسے پاتا ہوں کہ یہ سیاہ چشمے میں غروب ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی موافقت کی۔ شاعر نے کہا: وہ تیج الیمانی ہے۔

قد کان ذوالقرنین قبلِ مسلّمنا مَلِکاً تَدِیْنُ لَہِ الْمَلُوکُ وَتَسْجُدُ (2)

بدغ المغارب والمشارق یتتبعی أسبابَ أمرٍ من حکیم مُرشد

فری مغیب السّیس عند غروبها فی عون ذی خُلب و شاطِ حَرَمَدِ

الغلب سے مراد مٹی ہے۔ الشاط سے مراد سیاہ مٹی ہے۔ الحرامد سے مراد بھی سیاہ ہے۔ قتال نے کہا: بعض علماء نے فرمایا اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ سورج کے مغرب و مشرق تک پہنچا حتیٰ کہ اس نے اس کے جرم کو چھوا کیونکہ وہ آسمان کے ساتھ زمین کے ارد گرد گھومتا ہے بغیر اس کے کہ وہ زمین سے ملے، یہ اس سے بہت بڑا ہے کہ وہ زمین کے چشموں میں سے کسی چشمہ میں داخل ہو بلکہ یہ زمین سے کئی گنا بڑا ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ مغرب کی جہت کی آخری آبادی اور مشرق کی جہت کی آخری آبادی۔ پس اسے آنکھ سے ایسے نظر آیا کہ وہ سیاہ چشمہ میں داخل ہو رہا ہے جیسے ہم اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ زمین میں داخل ہو رہا ہے، اسی وجہ سے فرمایا: وَجَدَ هَاتِلِکُمْ عَلٰی قَوْرٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَہُمْ قِنْدُوزِہَا سِتْرًا ①

اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ ان پر طلوع ہوتا تھا تو وہ انہیں چھوتا تھا اور ان سے ملا ہوتا تھا بلکہ یہ مراد ہے کہ پہلے ان پر طلوع ہوتا تھا۔ قلمی نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ چشمہ سمندر سے ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ سورج اس کے پیچھے یا اس کے ساتھ یا اس کے پاس غروب ہوتا ہو، پس صفت کے حرف کو موصوف کے قائم مقام رکھا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

وَوَجَدَ عِنْدَہَا قَوْمًا یعنی اس چشمہ کے پاس یا چشمہ کی انتہا کے پاس۔ یہ اہل جابر تھے انہیں سریانی زبان میں جرجیسا کہا جاتا ہے، اس چشمہ پر قوم ثمود کی نسل سے کچھ لوگ موجود تھے یہ ان کے باقی ماندہ لوگ تھے جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ سبلی نے ذکر کیا ہے: وہب بن منبہ نے کہا ذوالقرنین روم کی بوڑھیوں میں سے ایک بوڑھی کا بیٹا تھا جس کی ذوالقرنین کے علاوہ کوئی اولاد نہ تھی، اس کا نام اسکندر تھا جب وہ بالغ ہوا تو وہ نیک بندہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ذوالقرنین! میں تجھے زمین کی امتوں کی طرف بھیجنے والا ہوں، ان امتوں کی زبانیں مختلف ہیں وہ ساری زمین کی امتیں ہیں اور وہ کئی اقسام پر ہیں۔ دو امتیں ہیں جس کے درمیان ساری زمین کا طول ہے۔ دو امتیں ایسی ہیں جن کے درمیان ساری زمین کا عرض ہے اور کچھ امتیں زمین کے وسط میں ہیں ان میں سے جن، انس اور یاج و ماجوج ہیں اور وہ دو امتیں جن کے درمیان زمین کا طول ہے ان میں سے ایک امت سورج کے غروب ہونے کی جگہ کے پاس ہے اسے ناسک کہا جاتا ہے۔ اور

دوسری امت سورج کے طلوع ہونے کی جگہ کے پاس ہے اسے منسک کہا جاتا ہے۔ اور وہ دو امتیں جن کے درمیان زمین کا عرض ہے ان میں سے ایک زمین کے دائیں قطر میں ہے اسے ہادیل کہا جاتا ہے اور دوسری امت زمین کے بائیں قطر میں ہے اسے تاویل کہا جاتا ہے۔ ذوالقرنین نے کہا: اے اللہ! تو نے مجھے ایک عظیم کام کی طرف بلا یا ہے جس پر صرف تو ہی قادر ہے، تو مجھے ان امتوں کے بارے بتا کہ میں کس قوت کے ساتھ ان پر زیادتی کروں اور کس صبر کے ساتھ میں انہیں برواشت کروں اور کس زبان کے ساتھ میں ان سے کلام کروں، میں کیسے ان کی زبان سمجھوں گا جب کہ میرے پاس قوت نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تجھ پر بوجھ ڈال رہا ہوں اس کے ساتھ میں تجھے کامیاب کروں گا تیرا سینہ تیرے لیے کھول دوں گا تو ہر چیز کو سنے گا اور تیرے لیے تیرے فہم کو پختہ کروں گا تو ہر چیز کو سمجھ لے گا اور تجھ میں ہیبت دوں گا کوئی چیز تجھے نہیں ڈرائے گی اور میں تیرے لیے نور اور ظلمت مسخر کروں گا، پس وہ تیرے لشکروں میں سے لشکر ہوں گے، نور تیرے آگے سے راہنمائی کرے گا اور پیچھے سے تاریکی تیری حفاظت کرے گی۔ جب اسے یہ کہا گیا تو وہ اپنے متبعین کو ساتھ لیکر چلا پس پہلے وہ اس امت کی طرف چلا جو سورج کے غروب ہونے کی جگہ کے پاس تھی کیونکہ وہ قریب ترین امت تھی اور وہ ناسک امت تھی وہ اتنے زیادہ تھے کہ ان کو شمار نہیں کر سکتا تھا مگر اللہ تعالیٰ اور ایسی قوت تھی کہ اس کی طاقت نہیں رکھتا مگر اللہ اور ان کی مختلف زبانیں تھیں اور مختلف خواہشات۔ تو ظلمت کے ساتھ ان پر حملہ کیا ان کے ارد گرد تاریکی کے تین لشکر لگائے جنہوں نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا حتیٰ کہ تاریکی نے انہیں ایک مکان میں جمع کر دیا پھر وہ ان پر نور کے ساتھ داخل ہوا پھر انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت کی طرف بلا یا۔ بعض ان میں سے ایمان لے آئے اور بعض نے انکار کیا، پھر منکرین پر ظلمت کو داخل کیا جس نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا حتیٰ کہ وہ ان کے مونہوں، ناکوں، آنکھوں اور گھروں میں داخل ہو گئی اور انہیں ہر طرف سے گھیر لیا پس وہ حیران ہو گئے اور گھومنے لگے اور ہلاکت کا خوف کرنے لگے۔ پس وہ ایک آواز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر ایمان لے آئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان سے تاریکی ختم کر دی اور انہیں سختی سے پکڑ لیا اور وہ دعوت الہیہ میں داخل ہو گئے۔ پس انہوں نے اہل مغرب سے ایک لشکر بنایا اور انہیں ایک لشکر بنایا پھر وہ ان کی قیادت کرتا ہوا چلا تاریکی ان کے پیچھے چلتی تھی اور پیچھے سے حفاظت کرتی تھی، نور آگے سے قیادت کرتا تھا اور راہنمائی کرتا تھا پھر وہ چلا زمین کی دائیں جانب کی طرف وہ اس امت کا ارادہ کرتا تھا جو زمین کی دائیں جانب تھی اور وہ امت ہادیل تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ، دل، عقل اور فکر کو مسخر کر دیا تھا وہ جب بھی کوئی کام کرتا تھا تو غلطی نہیں کرتا تھا جب وہ کسی حوض یا دریا پر آتے تھے تو چھوٹی چھوٹی تختیوں سے جوتیوں کی مثل کشتیاں بناتا پھر انہیں ایک ساعت میں منظم کر دیتا پھر جتنے لوگ ساتھ ہوتے ان میں سوار کر دیتا جب وہ دریاؤں اور انہار کو طے کر لیتا تو ان کشتیوں کو توڑ دیتا اور ہر شخص کو ایک تختہ دے دیتا پس وہ ان کو اٹھانے پر کوئی بوجھ محسوس نہ کرتا، پس وہ ہادیل تک پہنچا اس نے ان کے ساتھ بھی اسی طرح کیا جس طرح اس نے ناسک قوم کے ساتھ کیا تھا وہ ایمان لے آئے پھر ان سے فارغ ہوا تو لشکر زمین کی دوسری طرف چلا حتیٰ کہ منسک امت تک پہنچا جو سورج کے طلوع ہونے کی جگہ کے پاس تھی پھر اس نے اس میں بھی عمل کیا اور ان سے اسی طرح لشکر تیار کیا جس طرح پہلی امت میں کیا تھا۔ پھر وہ زمین کی

بائیں جانب کی طرف پلٹا وہ تاویل قوم کا ارادہ کرتا تھا یہ وہ امت تھی جو ہاویل کے مقابل تھی ان کے درمیان زمین کا عرض تھا۔ اس نے اس میں بھی ایسا ہی کیا جیسے پہلی قوم میں کیا تھا۔ پھر ان امتوں کی طرف پلٹنا جو زمین کے وسط میں تھیں یعنی جن، انس اور یاجوج و ماجوج جب وہ راستہ میں تھا جو مشرقی جانب ترکوں کے اختتام سے ملی ہوئی جگہ ہے تو اسے انسانوں کے ایک نیک گروہ نے کہا: اے ذوالقرنین! ان دو پہاڑوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے جو بے شمار ہے ان میں انسان سے مشابہت نہیں ہے وہ جانوروں کے مشابہ ہیں، گھاس کھاتے ہیں اور جانوروں اور وحشیوں کو اس طرح چیرتے پھاڑتے ہیں جس طرح درندے چیرتے پھاڑتے ہیں وہ زمین کے حشرات سانپ، بچھو، چھکلی اور ہر ذی روح کو کھاتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق ایسی نہیں جو سال میں اتنی بڑھتی ہو جتنا کہ وہ بڑھتے ہیں۔ اگر وقت زیادہ گزر گیا تو وہ زمین کو بھر دیں گے اور لوگوں کو زمین سے نکال دیں گے کیا ہم آپ کے لیے خراج مقرر کریں، اس بناء پر تو ہمارے اور ان کے درمیان دیوار بنا دے، پھر حدیث مکمل ذکر کی۔ آئندہ یاجوج و ماجوج اور ترک کا ذکر آئے گا کہ وہ ان کی ایک قوم ہے اور وہ بیان کفایت کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْنَا يَا الْقَرْنَيْنِ - قشیری ابو نصر نے کہا: اگر وہ نبی تھا تو یہ وحی تھی، اگر وہ نبی نہیں تھا تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام تھا۔ اِمَّا اَنْ تُعَذَّبَ وَ اِمَّا اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝ ابرہیم بن سری نے کہا: ان دو چیزوں میں سے اختیار دیا گیا تھا جس طرح حضرت محمد ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا، فرمایا: فَاِنْ جَاءُوْكَ فَاَحْكَمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ (المائدہ: 42) ابواسحاق زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے ان دو حکموں میں اختیار دیا ہے۔ نحاس نے کہا: علی بن سلیمان نے اس کا قول رد کیا ہے کیونکہ یہ صحیح نہیں ہے کہ ذوالقرنین نبی تھا اور اس کے ساتھ اس کو خطاب کیا جاتا تھا۔ وہ اپنے رب کو کیسے کہتا تھا: لَمْ يَرِدْ اِي رَايَهٗ؟ اور کیسے کہتا تھا: فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ؟ وہ نون یعنی جمع کے صیغہ کے ساتھ کیسے اس سے مخاطب ہوتا تھا؟ فرمایا: اس کی تقدیر اس طرح ہے کہ قلنا يا محمد قالوا يا ذا القرنين - ابو جعفر نے کہا: یہ ابوالحسن نے کہا ہے اور اس سے کوئی چیز لازم نہیں آتی۔ رہا یہ قول: قُلْنَا يَا الْقَرْنَيْنِ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی کی زبان پر اسے خطاب کیا ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ اسے اس طرح فرمایا ہو جس طرح ہمارے نبی ﷺ کو فرمایا: فَاِمَّا مَّا تَبَعْدُ وَ اِمَّا هَذَا ۝ (محمد: 4) رہا یہ اشکال: فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ لَمْ يَرِدْ اِي رَايَهٗ تو اس کی تقدیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اسے اِمَّا اَنْ تُعَذَّبَ کے قول میں قتل کرنے اور اِمَّا اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا میں ان کو باقی رکھنے کے درمیان اختیار دیا تو انہوں نے اس قوم سے کہا: اِمَّا مَن ظَلَمَ - یعنی جو تم میں سے کفر پر قائم رہا فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ہم اسے قتل کے ساتھ عذاب دیں گے۔ لَمْ يَرِدْ اِي رَايَهٗ - پھر قیامت کے دن اپنے رب کی طرف لوٹا یا جائے گا۔ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا مُّكْرًا - تو وہ اسے جہنم میں سخت عذاب دے گا۔ فَاِمَّا مَن تَابَ (القصص: 67) اور جو کفر سے توبہ کرے گا وَ عَمِلَ صَالِحًا اور نیک عمل کرے گا۔ احمد بن یحییٰ نے کہا: "ان" اِمَّا اَنْ تُعَذَّبَ وَ اِمَّا اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا - میں محل نصب میں ہے اگر تو اسے رفع دے تو بھی درست ہے تو بمعنی اما ہوگا جیسا کہ شاعر نے کہا:

فسیرا فإما حاجة تقضيانها وإما مقيلٌ صالحٌ وصديقٌ

فَلَهُ جَزَاءٌ الْحُسْنَى - اہل مدینہ، ابو عمرو اور عاصم کی قرأت فلہ جزاء الحسنی۔ مبتدا کی بناء پر رفع کے ساتھ ہے استقرار کے ساتھ ہے اور الحسنی اضافت کی وجہ سے محل جر میں ہے اور تنوین اضافت کی وجہ سے حذف کی گئی ہے یعنی اس کے لیے آخر میں اللہ کی بارگاہ میں جزاء الحسنی ہے اور وہ جنت ہے، جزاء کو جنت کی طرف مضاف کیا۔ جیسے فرمایا: حَتَّىٰ الْيَقِينِ ۝ (الواقعة) اور فرمایا: وَلَدَارُ الْآخِرَةِ (یوسف: 109) اور یہ بھی احتمال ہے کہ الحسنی سے مراد اعمال صالحی ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جزاء، ذی القرنین کی طرف سے ہو یعنی میں اسے عطا کروں گا اور اس پر مہربانی کروں گا اور یہ بھی جائز ہے کہ التقاء ساکنین کی وجہ سے تنوین حذف کی گئی ہو اور الحسنی بدل کی بناء پر محل رفع میں ہو یہ بصریوں کے نزدیک ہے اور کوفیوں کے نزدیک ترجمہ کی بنا پر ہے۔ ابن ابی اسحاق کی قرأت اس بناء پر ہے۔ فلہ جزاء الحسنی منصوب اور تنوین کے ساتھ پڑھا ہے یعنی فلہ الحسنی جزاء۔ الفراء نے کہا: جزاء تمیز کی بنا پر منصوب ہے۔ بعض نے فرمایا: مصدر کی بنا پر منصوب ہے۔ الزجاج نے کہا یہ مصدر حال کی جگہ میں ہے یعنی مجزبا بہا جزاء۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مسروق نے فلہ جزاء الحسنی منصوب بغیر تنوین کے پڑھا ہے؛ یہ ابو حاتم کے نزدیک ہے۔ اور تنوین کا حذف التقاء ساکنین کی وجہ سے ہے جیسے فلہ جزاء الحسنی رفع میں ایک وجہ کے اعتبار سے۔ نحاس نے کہا: دوسروں کے نزدیک یہ خطا ہے کیونکہ یہ التقاء ساکنین کی وجہ سے تنوین کے حذف کی جگہ نہیں ہے اس کی تقدیر ہوگی: فلہ الثواب جزاء الحسنی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اتَّبَعْنَا سَبَبًا ۝ اس کا معنی گزر چکا ہے کہ اتبع اور اتبع کا معنی ایک ہے یعنی وہ راستے اور منزل کی طرف چلا۔ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغْتَ مَظِلِّمَ الْبُسْبُوسِ مجاہد اور ابن محیصن نے میم اور لام کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، کہا جاتا ہے: طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَالْكَوَاكِبُ طُلُوعًا وَمَطْلَعًا، الْمَطْلَعُ وَالْمَطْلَعُ۔ طلوع ہونے کی جگہ؛ یہ جوہری کا قول ہے اس کا معنی ہے وہ ایسی قوم کی جگہ پہنچا کہ ان کے اور سورج کے طلوع ہونے کے درمیان کوئی شخص نہیں تھا۔ سورج کے پیچھے بہت زیادہ مسافت سے طلوع ہوتا تھا یعنی معنی ہے اس قول کا بھی: وَجَدَهَا تَطْلَعُ عَلَى قَوْمٍ۔ ان کے بارے میں اختلاف ہے، وہب بن منبہ سے وہی مروی ہے جو پہلے گزر چکا ہے: یہ ایک امت ہے جسے منک کہا جاتا ہے یہ ناسک کے مقابل تھی؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کو زنج کہا جاتا ہے (1)۔ کلبی نے کہا: یہ تارس، ہاویل اور منک میں جو ننگے پاؤں اور برہنہ جسم رہتے تھے اور حق کا نور دیکھنے سے اندھے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ اہل جابلق ہیں یہ قوم عاد کے مومنین کی نسل سے تھے جو حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ سریانی زبان میں انہیں مرقیسا کہا جاتا ہے۔ اور جو سورج کے غروب ہونے کی جگہ کے پاس تھے وہ اہل جابرس ہیں ان دو شہروں میں سے ہر ایک شہر کے دس ہزار دروازے تھے ہر دو دروازوں کے درمیان ایک فرسخ کا فاصلہ تھا اور جابلق کے پیچھے امتیں ہیں وہ تافیل اور تارس ہیں، وہ یاجوج و ماجوج کے پڑوس میں ہیں۔ اہل جابرس اور جابلق، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے۔ شب معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے تو آپ نے انہیں دعوت

دی تو انہوں نے آپ کی دعوت قبول نہ کی، یہ سہیلی نے ذکر کیا ہے، انہوں نے کہا: میں نے یہ تمام ایک طویل حدیث سے اختصار کیا ہے جس کو مقاتل بن حبان نے عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ طبری نے مسند مقاتل سے روایت کی ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَمْ نَجْعَلْ لَهُمْ مِنْ دُونِهَا سِتْرًا ① یعنی ایسا حجاب جس کے ساتھ وہ سورج کے طلوع ہونے کے وقت چھپتے۔ قتادہ نے کہا: ان کے اور سورج کے درمیان کوئی پردہ نہ تھا وہ ایسی جگہ میں تھے جہاں کوئی عمارت ٹھہرتی نہیں تھی وہ سرگموں میں رہتے تھے حتیٰ کہ جب سورج ڈھل جاتا تھا تو وہ اپنے مال، مویشی اور کھیتوں کی طرف لوٹتے تھے یعنی وہ سورج سے نہ کسی پہاڑ کی غار میں چھپ سکتے تھے اور نہ کسی گھر میں چھپ سکتے تھے۔ امیہ نے کہا: میں نے کچھ لوگوں کو سمرقند میں پایا ہے جو ان لوگوں کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ بعض نے کہا: میں چین کی طرف چلا تو مجھے کہا گیا تیرے اور ان کے درمیان ایک دن اور ایک رات کی مسافت ہے، میں نے ایک شخص کو اجرت پر لیا تا کہ وہ مجھے وہ قوم دکھائے حتیٰ کہ میں نے صبح ان کے پاس کی، میں نے دیکھا کہ ان کا ایک شخص اپنا ایک کان نیچے بچھاتا تھا اور دوسرا کان اوپر لیٹ لیتا تھا۔ میرا ساتھی ان سے اچھی طرح کلام کرتا تھا ہم نے ان کے ساتھ رات گزاری، انہوں نے پوچھا: تم کیسے آئے ہو؟ ہم نے کہا: ہم اس لیے آئے ہیں تا کہ دیکھیں کہ سورج کیسے طلوع ہوتا ہے؟ ہم اسی اثنا میں تھے کہ ہم نے گھنٹی کی ہیئت کی آواز سنی تو میں مدہوش ہو گیا پھر مجھے افاقہ ہوا تو وہ مجھے تیل کی ماش کر رہے تھے۔ جب پانی پر سورج طلوع ہوا تو وہ پانی پر زیتون کے تیل کی ہیئت کی طرح تھا، جب آسمان کی طرف پر تھا تو خیمہ کی مانند تھا جب مزید بلند ہوا تو انہوں نے مجھے ایک سرنگ میں داخل کیا، جب سورج بلند ہوا اور ان کے سروں سے ڈھل گیا تو وہ مچھلیوں کے شکار کے لیے نکلے وہ مچھلیوں کو سورج کے سامنے کرتے تھے تو وہ پک جاتی تھیں۔ ابن جریج نے کہا: ایک دفعہ ان کے پاس ایک لشکر آیا تو انہوں نے لشکر والوں کو کہا: سورج کے طلوع ہونے کے وقت تم یہاں نہ ہونا۔ انہوں نے کہا: ہم سورج کے طلوع ہونے تک یہاں ٹھہریں گے۔ انہوں نے کہا: یہ ہڈیاں کیسی ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ ایک لشکر کی ہڈیاں ہیں جن پر سورج طلوع ہوا تھا پس وہ مر گئے تھے۔ فرمایا: وہ زمین میں پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ حسن نے کہا: ان کی زمین ایسی تھی کہ نہ کوئی پہاڑ تھا اور نہ درخت اور ان کی زمین عمارت کو برداشت نہیں کرتی تھی جب ان پر سورج طلوع ہوا تو وہ پانی میں اتر جاتے تھے جب سورج بلند ہوا تو وہ نکل آتے تھے اور وہ جانوروں کی طرح جرتے تھے (1)۔

میں کہتا ہوں: یہ تمام اقوال اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہاں کوئی شہر نہیں تھا۔ بعض اوقات ان میں سے کوئی نہر میں داخل ہوتا بعض سرنگ میں داخل ہوتے۔ حسن اور قتادہ کے قول میں کوئی تضاد نہیں۔

لَمْ أَتَّبِعْ سَبَبًا ② حَتَّىٰ إِذَا بَدَأْتُمُ الْبَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُونَ
يَفْقَهُونَ قَوْلًا ③ قَالُوا يَا الْقُرْنَيْنِ إِنَّ يَا جُوجَ وَمَا جُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ
فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ④ قَالَ مَآءَ بَنِي فِئِيءِ

رَأَيْتُ خَيْرًا فَاَعَيْنُونِي بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَادُمًا ۝ اَتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ۝ حَتَّىٰ
اِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا ۝ حَتَّىٰ اِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ اَتُونِي اُفْرَغْ
عَلَيْهِ قَطْرًا ۝ فَمَا اسْتَطَاعُوا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا ۝ قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ
مِّنْ رَبِّي ۝ فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّآءً ۝ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ۝

”پھر وہ روانہ ہوا ایک اور راہ پر۔ یہاں تک کہ جب وہ پہنچا دو پہاڑوں کے درمیان تو پایا اس نے ان پہاڑوں کے پیچھے ایک قوم کو جو نہیں سمجھ سکتے تھے (ان کی) کوئی بات۔ انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! یا جوج و ما جوج نے بڑا فساد برپا کر رکھا ہے اس علاقے میں تو کیا ہم مقرر کر دیں آپ کے لیے کچھ خراج تاکہ آپ بنا دیں ہمارے درمیان اور ان کے درمیان ایک بلند دیوار۔ وہ بولا: وہ دولت جس میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے وہ بہتر ہے پس تم میری مدد کرو جسمانی مشقت سے۔ میں بنا دوں گا تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ۔ تم لے آؤ میرے پاس لوہے کی چادریں (چنانچہ کام شروع ہو گیا) یہاں تک کہ جب ہموار کر دیا گیا وہ خلا جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا تو اس نے حکم دیا دھونکو یہاں تک کہ جب وہ لوہا آگ بنا دیا تو اس نے کہا: لے آؤ میرے پاس پگھلا ہوا تانبا کہ میں اسے اس پگھلے ہوئے لوہے پر انڈیلوں۔ سو (یا جوج و ما جوج) بڑی کوشش کے باوجود اسے سر نہ کر سکے اور نہ ہی اس میں سوراخ کر سکے۔ ذوالقرنین نے کہا: یہ میرے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے مجھے یہ توفیق بخشی) اور جب آجائے گا تیرے رب کا وعدہ تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ (پختہ) سچا ہوا کرتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اتَّبَعْنَا سَبَبًا ۝ حَتَّىٰ اِذَا بَدَّلْنَا بَيْنَ السَّدَّيْنِ يَه اَرْمِيْنَا اور آذر بیجان کی طرف سے دو پہاڑ ہیں۔ عطا خراسانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: بَيْنَ السَّدَّيْنِ۔ سے مراد ارمینہ اور آذر بیجان کے پہاڑ ہیں (1)۔ وَجَدَا مِنْ دُونِهِمَا۔ یعنی ان پہاڑوں کے پیچھے قَوْمًا لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝ ایسی قوم پائی جو نہیں سمجھ سکتی تھی (ان کی) کوئی بات۔ حمزہ اور کسائی نے يَفْقَهُوْنَ کو یاء کے ضمہ اور قاف کے کسرہ کے ساتھ اَفْقَه سے مشتق کر کے پڑھا ہے۔ جس کا معنی ہے ظاہر کرنا یعنی وہ دوسروں کو کلام نہیں سمجھا سکتے تھے۔ اور باقی قراء نے یاء اور قاف کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وہ نہیں جانتے تھے۔ دونوں قراءتیں صحیح ہیں وہ غیر کی بات سمجھتے تھے اور نہ غیر کو سمجھاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالُوا يَا الْقُرْنَيْنِ۔ یعنی ایک صالح قوم نے اسے کہا: اِنَّ يَا جُوجَ وَمَا جُوجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اَنْفُسَ اَنْفُسَ نِي كَمَا بِيَا جُوجَ هَمَزَه كَمَا تَه هِي اوردونوں الفوں کو اصل سے بنایا ہے انہوں نے کہا: یا جوج کا وزن یفعلول ہے اور ما جوج کا وزن مفعول ہے گویا یہ اجیب النار سے مشتق ہیں۔ اور جو مہوز نہیں بناتے وہ دونوں الفوں کو زائد بناتے

ہیں وہ کہتے ہیں: یا جوج یججت سے ہے اور ماجوج مججت سے ہے اور یہ دونوں غیر منصرف ہیں۔ رو بہ نے کہا:

لَوَانِ يَاجُوجَ وَمَاجُوجَ مَعَا وَعَادَ عَادٌ وَاسْتَجَاشُوا تُبْنَعا

یہ جوہری نے ذکر کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: دونوں غیر منصرف ہیں کیونکہ دونوں اسمِ عجمی ہیں جیسے طالوت اور جالوت، غیر مشتق ہیں ان کے غیر منصرف ہونے کے اسباب عجم اور تعریف اور تانیث ہیں اور ایک جماعت نے کہا: یہ آج اور آجج سے مشتق ہو کر معرب ہیں۔ ان کے غیر منصرف ہونے کی علتیں تعریف اور تانیث ہیں۔ ابو علی نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ دونوں عربی لفظ ہوں جس نے ہمزہ سے یا جوج پڑھا ہے یہ اس کے نزدیک یربوع کی طرح یفعول کے وزن پر ہو جیسے تیراقول ہے: اجت النار، اسی سے الاجیج ہے، یعنی روشن کی گئی آگ اسی سے مدح اُجاہ ہے۔ اور جس نے ہمزہ سے نہیں پڑھا ممکن ہے اس نے ہمزہ میں تخفیف کر کے اے الف سے بدل دیا ہو جیسے راس ہے۔ رہا یا جوج یہ آج سے مفعول کے وزن پر ہے دونوں کلمے اشتقاق میں ایک اصل سے ہیں اور جس نے ہمزہ سے نہیں پڑھا جائز ہے کہ اس نے ہمزہ میں تخفیف کی ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ مَجج سے فاعول کے وزن پر ہو اور تانیث اور تعریف کی وجہ سے غیر منصرف ہے گویا یہ قبیلہ کا اسم ہے ان کے فساد میں اختلاف ہے۔ سعید بن عبدالعزیز نے کہا: ان کا (فساد برپا کرنا یہ تھا کہ وہ) بنی آدم کو کھاتے تھے۔ ایک جماعت نے ان کا افساد متوقع ہے یعنی وہ فساد کریں، پس انہوں ان سے بچاؤ کی وجہ کو تلاش کیا۔ ایک جماعت نے کہا: ان کا افساد ظلم، زیادتی، قتل اور وہ تمام شرانگیزیوں ہیں جو انسانیت میں معروف ہیں۔ واللہ اعلم۔ یا جوج، ماجوج کی صفات، ان کے خروج کے بارے میں اخبار وارد ہیں۔ وہ یافت کی اولاد سے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ”حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے ہوئے، سام، حام اور یافت، پھر سام سے عرب، فارس اور روم پیدا ہوئے اور ان میں خیر ہے۔ یافت سے یا جوج، ماجوج، ترک اور صقالیہ پیدا ہوئے اور ان میں خیر نہیں ہے۔ اور حام سے قبط، بربر اور سودان پیدا ہوئے۔“ کعب احبار نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کو احتلام ہوا ان کا پانی مٹی سے ملا تو انہوں نے افسوس کیا پس اس پانی سے یا جوج ماجوج پیدا کیے گئے۔ یہ باپ کی طرف سے ہمارے ساتھ متصل ہیں اور ماں کی طرف سے متصل نہیں اس میں نظر ہے کیونکہ انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم وسلم کو احتلام نہیں ہوتا۔ یہ یافت کی اولاد سے ہیں: اسی طرح مقاتل وغیرہ نے کہا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ”ان کا کوئی آدمی فوت نہیں ہوتا حتیٰ کہ اس کی پشت سے ہزار افراد پیدا ہو چکے ہوتے ہیں یعنی یا جوج و ماجوج۔“ حضرت ابوسعید نے کہا: یا جوج و ماجوج کے علاوہ یہ پچیس قبائل ہیں ان میں سے اور یا جوج و ماجوج میں سے کوئی شخص فوت نہیں ہوتا حتیٰ کہ اس کی پشت سے ہزار آدمی پیدا ہو چکے ہوتے ہیں: یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یا جوج و ماجوج کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یا جوج اور ماجوج دو امتیں ہیں ہر امت چار لاکھ امت ہے ان کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ان میں سے کوئی شخص نہیں مرتا حتیٰ کہ اسکے اس کی صلب سے ہزار افراد پیدا ہو چکے ہوتے ہیں، تمام کے تمام ہتھیار اٹھا چکے ہوتے ہیں۔“ عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے ان کی صفت بیان فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: ”وہ تین قسمیں ہیں ان میں سے ہر صنوبر کے درخت کی مثل ہے، ایک درخت شام میں ہے اس درخت کی لمبائی ایک سو بیس ہاتھ ہے۔ ایک قسم وہ ہے جس کا عرض اور طول برابر ہے جیسے ہاتھ ہے۔ ایک قسم وہ ہے جو ایک کان پچھوتا بناتے ہیں اور دوسرے کان کو لٹاف بناتے ہیں وہ کسی ہاتھی، وحشی اور خنزیر سے گزرتے ہیں تو اسے کھا جاتے ہیں اور جوان میں سے مر جاتا ہے اسے بھی کھا جاتے ہیں ان کا مقدمہ شام میں ہوگا اور ان کا ساقہ خراسان میں ہوگا۔ وہ مشرق کی نہریں اور بحیرہ طبرہ کو پی جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور بیت المقدس سے روک لے گا“ (1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان میں سے ایک قسم لمبائی میں ایک بالشت ہے ان کے پنچے ہیں اور درندوں جیسی کچلیاں ہیں، کبوتر کی طرح بلا تے ہیں، جانوروں کی طرح جفتی کرتے ہیں اور بھیڑیوں کی طرح غراتے ہیں اور ان کے بال انہیں گرمی اور سردی سے بچاتے ہیں اور ان کے بڑے بڑے کان ہیں۔ ایک وبرہ ہے جس میں وہ سردیاں گزارتے ہیں اور دوسرا جلدہ ہے جس میں وہ گرمیاں گزارتے ہیں وہ دیوار کو کھودتے ہیں حتیٰ کہ وہ سوراخ کرنے کے قریب پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پھر اسے پہلے کی طرح بھردیتا ہے حتیٰ کہ وہ کہیں گے: کل ان شاء اللہ ہم اس کا سوراخ مکمل کریں گے اور باہر نکل آئیں گے، لوگ اپنے قلعوں میں پناہ لیں گے وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے وہ تیر ان کی طرف خون میں لت پت لوٹا یا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ انہیں اس کیڑے سے ہلاک کرے گا جو ان کی گردنوں میں نکلے گا؛ یہ غزنوی نے ذکر کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ ”یا جوج ایک امت ہے اس کے چار سوا میر ہیں اور اسی طرح ماجوج ہے ان کا کوئی فرد نہیں مرتا حتیٰ کہ وہ اپنی اولاد سے ہزار شہسوار دیکھ لیتا ہے“۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے (2) جیسے ابن ماجہ نے سنن میں تخریج کیا ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یا جوج و ماجوج ہر روز دیوار کو کھودتے ہیں جب وہ سورج کی شعاع دیکھنے کے قریب پہنچ جاتے ہیں تو ان کے اوپر جو مسلط ہوتا ہے وہ کہتا ہے: اب واپس چلے جاؤ باقی کل کھودنا تو اللہ تعالیٰ اسے پہلے سے زیادہ مضبوط کر کے بھردیتا ہے حتیٰ کہ جب ان کی مدت پوری ہوگی اور اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں پر بھیجنے کا ارادہ کرے گا تو وہ دیوار کو کھودیں گے حتیٰ کہ سورج کی شعاع دیکھنے کے قریب پہنچ جائیں گے تو وہ کہے گا: اب واپس چلے جاؤ پھر کل ان شاء اللہ تم اسے کھودو گے پس وہ ان شاء اللہ کہیں گے تو پھر وہ لوٹ کر اس کی طرف آئیں گے تو وہ اسی طرح ہوگی جس طرح وہ چھوڑ کر گئے ہوں گے وہ پھر اسے کھودیں گے اور لوگوں پر نکل آئیں گے وہ سارا پانی نکالیں گے لوگ اپنے قلعوں میں اپنا بچاؤ کریں گے پھر وہ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے تو ان پر خون لوٹے گا“۔ الذی احفظ۔

پس وہ کہیں گے: ہم اہل زمین پر غالب آگئے اور ہم اہل آسمان پر بھی غالب آگئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر ایک کیڑا مسلط فرمائے گا جو ان کی گدیوں میں پیدا ہوگا پس اللہ تعالیٰ انہیں اس کے ذریعے قتل کر دے گا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! زمین کے کیڑے یا جوج و ماجوج کا گوشت کھانے کی وجہ سے موٹے

ہو جائیں گے اور خوب خون سے بھر جائیں گے“ (1)۔ جوہری نے کہا: شَكْرَتِ النَّاقَةِ تَشْكُرُ شَكَرًا فَهِيَ شَكْرَةٌ وَاشْكُرِ الضَّرْعُ امْتِلَاءً لِبَنَاتِهِ۔ یعنی اونٹنی کی کھیری دودھ سے بھر گئی۔ وہب بن منبہ نے کہا: ان کو ذوالقرنین نے دیکھا ان میں سے ایک کے قد کی لمبائی ہم میں سے درمیانے قد والے شخص کے نصف کے برابر تھی۔ ان کے ناخنوں کی جگہ پنچے تھے۔ اور ان کی درندوں کی طرح داڑھیں اور کبلیاں اور اونٹوں کی طرح ان کے جڑے تھے وہ بالوں والے تھے ان پر اتنے بال تھے کہ وہ انہیں چھپا دیتے تھے، ہر ایک کے بڑے بڑے کان تھے۔ ایک کان کو لحاف بناتے اور دوسرے کان کو بچھونا بناتے تھے۔ ان میں ہر ایک کی عمر معلوم نہیں ان میں سے کوئی نہیں مرتا حتیٰ کہ اس کی پشت سے ہزار مرد پیدا ہو جاتے تھے۔ اگر وہ مذکر ہوتا تھا اور اس کے رحم سے ہزار مؤنث پیدا ہو جاتے تھے اگر وہ مؤنث ہوتی۔ سدی اور ضحاک نے کہا: ترک، یاج و ماجوج سے ایک جماعت ہے جو ان سے نکلی ہے تبدیل ہو چکی ہے۔ ذوالقرنین آیا تو اس نے دیوار تعمیر کی پس وہ دیوار کی دوسرے جانب ہیں۔ سدی نے کہا: وہ دیوار اکیس قبائل پر بنائی گئی ہے۔ ان میں سے ایک قبیلہ دیوار سے باہر رہ گیا اور وہ ترک ہیں؛ یہ قباہہ کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: جب یہ ہے تو نبی کریم ﷺ نے ترکوں کی اسی طرح صفت بیان کی جس طرح یاجوج و ماجوج کی بیان کی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ مسلمان ترکوں سے لڑیں گے وہ ایسی قوم ہے جن کے چہرے ایسی ڈھالوں کی طرح ہیں جن پر تہہ ورتہ کھالیں چڑھائی گئی ہوں، وہ بالوں کا لباس پہنیں گے اور بالوں میں چلیں گے“ (2)۔ ایک روایت میں ہے ”وہ بالوں کے جوتے بنائیں گے“۔ اس حدیث کو مسلم، ابوداؤد وغیرہما نے روایت کیا ہے۔ جب نبی کریم ﷺ نے ان کی کثرت تعداد اور ان کی شوکت کی حدت جان لی تو فرمایا: ”ترکوں کو چھوڑے رکھو جس وقت تک وہ تمہیں چھوڑے رہیں (3) ان سے اس وقت اتنی امتیں نکلیں جن کی تعداد کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور مسلمانوں سے انہیں صرف اللہ تعالیٰ نے ہی روکا حتیٰ کہ گویا وہ یاجوج و ماجوج ہیں یا ان کا مقدمہ ہیں“۔ ابوداؤد نے ابوبکرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”میری امت سے کچھ لوگ کھلی ہموار جگہ پر اتریں گے جو نہر کے پاس ہے وہ اس جگہ کو بھرہ کہیں گے اور اس نہر کو دجلہ کہا جاتا ہوگا اس کے اوپر ایک پل ہوگا اس کے رہنے والے زیادہ ہوں گے اور وہ مہاجرین کے شہروں سے ہوگا“۔ ابن سنی نے کہا: ابو معمر نے کہا: یہ آخر زمانہ میں ہوگا۔ بنو قنطور یا جوڑے ہوئے مونہوں والے، چھوٹی آنکھوں والے آئیں گے حتیٰ کہ وہ نہر کے کنارے اتریں گے پھر وہ لوگ تین فرقوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک فرقہ گائیوں کی دم پکڑے گا اور بریت کو اختیار کرے گا اور وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ ایک گروہ اپنے نفسوں کو اختیار کرے گا اور وہ کفر کریں گے اور ایک فرقہ اپنی عورتوں اور بچوں کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے رکھے گا اور وہ ان سے لڑیں گے اور وہ شہداء ہیں۔ بنو قنطورا سے مراد ترک ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قنطوراء ایک لونڈی کا نام ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تھی اس سے آپ کی اولاد ہوئی تو ان کی

1۔ تفسیر ابن کثیر، صفحہ 2193۔ ابن ماجہ، باب ومن سورۃ الکہف، حدیث 4069۔ جامع ترمذی باب فتنة الدجال، حدیث نمبر 3078

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 2، صفحہ 235۔ سنن ابی داؤد، باب فی قتال الترتک، 3749

3۔ سنن ابی داؤد، باب فی النہی عن تہییج الترتک والجشۃ، حدیث نمبر 3748

نسل سے ترک ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا** ۵۱ اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا**۔ یہ استفہام حسن ادب کے اعتبار سے ہے۔ خراج کا

معنی ہے کچھ مال، خراج بھی پڑھا گیا ہے۔ الخراج، الخراج سے خاص ہے۔ کہا جاتا ہے: **أَدَّخَرَ رَأْسُكَ وَخَرَجَ مَدِينَتِكَ**۔ ازہری نے کہا: الخراج کا اطلاق ٹیکس پر ہوتا ہے اور مال فی پر بھی ہوتا ہے اور غلہ پھر بھی ہوتا ہے اور الخراج اس کو کہا جاتا ہے جو اموال میں سے فرضی حصہ نکالا جاتا ہے اور الخراج مصدر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **عَلَىٰ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا** ۵۱ یعنی روم (دیوار)، روم اس کو کہتے ہیں جس کا بعض، بعض پر جوڑا گیا ہو حتیٰ کہ وہ مل جائے۔ ثوب مردم وہ کپڑا جو جوڑا گیا ہو؛ ہروی کا یہ قول ہے، کہا جاتا ہے: **رَدِمَتِ الشَّلَّةُ أَرْدَمَهَا رَدْمًا**۔ میں سوراخ بند کر دیا۔ الردم اسم ہے اس کا معنی دیوار بھی ہے۔ بعض نے فرمایا: الردم، السد سے زیادہ بلوغ ہے کیونکہ السد ہر وہ چیز ہوتی ہے جس کے ساتھ روکا جائے اور الردم کا معنی ہے کسی چیز کو کسی چیز پر رکھنا خواہ پتھر ہو، مٹی ہو یا کوئی اور چیز ہوتی کہ اس کے ساتھ مضبوط پردہ بن جائے گا اسی سے ردم ثوبہ۔ جب اس پر مزید کپڑے لگائے جائیں بعض بعض پر جڑے ہوئے ہوں۔ اسی سے عشرہ کا قول ہے:

هل غادر الشعراء من متردم

یعنی ایسا قول جس کا بعض بعض پر مرکب کیا گیا ہو۔ اور **سَدًّا**۔ سین پر فتح کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ خلیل اور سیبویہ نے کہا: سین کے ضمہ کے ساتھ اسم ہے اور فتح کے ساتھ مصدر ہے۔ کسائی نے کہا: ضمہ اور فتح کے ساتھ دونوں لغتیں ہیں دونوں کا معنی ایک ہے۔ نکرمة، ابو عمرو بن العلاء اور ابو عبیدہ نے کہا: جو اللہ کی تخلیق سے ہو اس میں کوئی کسی عمل سے شریک نہ ہو تو وہ ضمہ کے ساتھ ہے اور جو بشر کے عمل سے ہو وہ فتح کے ساتھ ہے۔ اس قول والوں کو سد اسین کے فتح کے ساتھ پڑھنا واجب ہے اور اس سے پہلے بین السدین ضمہ کے ساتھ پڑھنا واجب ہے؛ یہ حمزہ اور کسائی کی قرأت ہے۔ ابو حاتم نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، ابو عبیدہ کے قول کا برعکس مروی ہے، ابن ابی اسحاق نے کہا: جس کو تیری آنکھیں دیکھیں وہ **سُدًّا** (ضمہ کے ساتھ) ہے اور جس کو آنکھیں نہ دیکھیں وہ **سُدًّا** (سین کے فتح کے ساتھ) ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں جیل خانے بنانا اور فساد یوں کو ان میں قید کرنا اور انہیں تصرف سے روک دینا جائز ہے اور ان فساد یوں کو اپنے حال پر نہیں رہنے دیا جائے گا بلکہ ان کو سزا دی جائے گی یا ان سے ضامن لیے جائیں گے اور انہیں چھوڑ دیا جائے گا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ** اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ **قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ** یہ ذوالقرنین نے ان لوگوں کو کہا: جو اللہ تعالیٰ نے مجھے قدرت اور ملک عطا فرمایا وہ تمہارے خراج اور مال سے بہتر ہے لیکن تم بدنی قوت سے میری مدد کرو، یعنی مردوں کے ساتھ اور بدنی عمل کے

ساتھ اور اس آلہ کے ساتھ میری مدد کرو جس کے ساتھ میں وہ دیوار تیار کروں۔ اس کلام میں ذی القرنین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید ہے کیونکہ اگر لوگ خراج جمع کرتے تو کوئی اس کی مدد نہ کرتا اور وہ دیوار کی تعمیر اس کے سپرد کر دیتے اور ان کا اپنے جسموں سے مدد کرنا اس عمل کو جلدی مکمل کر کے اور خوبصورت بنانے کا باعث تھا اور جو انہوں نے اس کے لیے ذکر کیا وہ خراج سے زیادہ تھا۔ ابن کثیر نے مامکنی، دونوں کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے مامکنی فیہ ربی پڑھا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ بادشاہ پر فرض ہے کہ وہ اپنی رعیت کی حفاظت کرے اور ان کی ضروریات کو پورا کرے اور ان کی سرحدوں کی اصلاح کرے، ان کے مال سے جو ان پر لازم کیے گئے ہیں اور ان حقوق سے جو اس کے ذریعے ان کے خزانہ میں جمع ہیں حتیٰ کہ اگر حقوق اس خزانہ کو ختم بھی کر دیں اور ضروریات اسے صفر تک پہنچادیں تو ان کے اموال سے جبراً نیکس لیا جائے گا اور بادشاہ پر ضروری ہے کہ وہ رعیت کے بارے میں عمدہ اور بہتر انداز میں غور و فکر کرے۔ یہ تین شروط کے ساتھ ہے (i) وہ کسی چیز کے ساتھ اپنے آپ کو ترجیح نہ دے (ii) پہلے اس مال سے حاجت مندوں پر خرچ کرے اور ان کی مدد کرے (iii) ہر ایک کو اس کی قدر و منزلت کے مطابق عطا کرے۔ اس کے بعد اگر مال ختم ہو جائے اور خزانہ خالی ہو جائے اور حوادث ظاہر ہوں تو بادشاہ لوگوں کو اموال کے خرچ کرنے سے پہلے اپنے جسموں کو پیش کرنے کے لیے کہے اگر جسمانی طاقت سے کام نہ چلے تو پھر تدبیر کے تصرف و تقدیر پر ان سے اموال لیے جائیں گے۔ جب ذوالقرنین پر ان لوگوں نے مال پیش کیا تا کہ وہ ان سے یا جوج و ماجوج کی زیادتی کو روکے تو اس نے کہا: مجھے مال کی ضرورت نہیں مجھے تمہاری افرادی قوت کی ضرورت ہے۔ فَأَعِينُونِي بِقُوَّتِي یعنی میرے ساتھ تم جسمانی خدمت بجالاؤ۔ اموال میرے پاس ہیں اور جسمانی قوت تمہارے پاس ہے۔ اس نے دیکھا کہ ان کے مال مفید نہیں کیونکہ ان کے اموال کو اجرت کے طور پر لے گا تو جس کام کی ضرورت ہے وہ اس سے کم ہیں، پھر ان پر اجر لوٹے گا، پس بدنی خدمت خود اپنی طرف سے پیش کرنا بہتر ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ کسی سے کام لینا حلال نہیں مگر ضرورت کے لیے جو لاحق ہوتی ہے اس سے وہ مال جبراً لیا جائے گا خفیہ نہیں اور مال وہ عدل کے ساتھ خرچ کرے گا، ترجیحات کے اعتبار سے نہیں، جماعت کی رائے سے خرچ کرے گا نہ کہ اپنی مرضی سے۔ اللہ تعالیٰ درست سمت کی توفیق دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلتَّوْنِي زُبْرَ الْحَدِيدِ تم مجھے لوہے کی چادریں دو اس نے انہیں آلات نقل کرنے کا حکم دیا یہ تمام اس عطیہ کا طلب کرنا ہے جو مہتہ کے معنی میں نہیں ہے یہ لینے کے لیے استدعا ہے کیونکہ اس نے ان سے خراج نہ لینے کے قول پر مرتب کیا ہے۔ پس صرف مناوت کی صورت ہی باقی رہ جاتی ہے اور بدنی اعمال کی ضرورت رہ جاتی ہے۔ زبر الحديد۔ لوہے کے ٹکڑے۔ اس کلمہ کی اصل اجتماع ہے اس سے زبرة الاسد ہے۔ شیر کے کندھے کے جمع شدہ بالوں کو کہتے ہیں۔ زبرث الكتاب، یعنی میں نے کتاب کو لکھا اور اس کے حروف کو جمع کیا، ابو بکر اور مفضل نے رد ما ایتون پڑھا ہے۔ یہ الاتیان سے ہے جس کا معنی ہے آنا، یعنی میرے پاس لوہے کی چادریں لے آؤ۔ جب حرف جر ساقط ہو تو فعل کو نصب دیا گیا جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

حرف جر کو حذف کیا گیا اور فعل کو نصب دی گئی۔ جمہور نے زبر۔ (فاء کے فتح) کے ساتھ پڑھا ہے۔ حسن نے اس کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ تمام زبرۃ کی جمع ہے اس سے مراد لوہے کا بڑا ٹکڑا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتَّىٰ اِذَا سَاوَى، یعنی جب دیوار کھڑی ہوگئی، دیوار کے لفظ کو حذف کر دیا کیونکہ کلام اس پر دلالت کر رہا ہے۔ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ۔ ابو عبیدہ نے کہا: یہ پہاڑ کی دونوں طرفیں ہیں۔ اس کو یہ نام اس لیے دیا جاتا ہے کیونکہ یہ آپس میں ملی ہوئی ہوتی ہیں؛ یہ زہری کا قول ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کیونکہ وہ دوسری طرف سے اعراض کیے ہوئے ہے۔ یہ الصدوف سے مشتق ہے، شاعر نے کہا:

كَلَّا الصَّدَفَيْنِ يَنْفُذُهُ سَنَاهَا تَوَقَّدُ مِثْلَ مِصْبَاحِ الظَّلَامِ

بلند عمارت کو بھی الصدف کہتے ہیں۔ صدف کو پہاڑ کی طرف سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ”جب جھکی ہوئی بلند منزل سے گزرتے تو تیز چلتے“ (1)۔ ابو عبیدہ نے کہا: الصدف اور الھدف، ہر بلند عمارت کو کہتے ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: الصدفان سے مراد وہ دو پہاڑ ہیں جو آمنے سامنے ہوتے ہیں (2)۔ ان کو صدفان کہتے ہیں کیونکہ ہر ایک دوسرے کے سامنے ہوتا ہے۔ نافع، جزہ اور کسائی نے الصدفین یعنی صاد کے فتح اور شد کے ساتھ اور وال کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ قرأت حضرت عمر بن خطاب اور عمر بن عبدالعزیز کی ہے؛ یہ ابو عبیدہ کی مختار قرأت ہے اور یہ مشہور لغت ہے۔ ابن کثیر، ابن عامر اور ابو عمرو نے الصدفین صاد اور وال کے ضمہ کے ساتھ پڑھا۔ عاصم نے ابوبکر کی روایت میں الصدفین یعنی صاد کے ضمہ اور وال کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ جیسے الجُؤف اور الجُؤف۔ یہ تخفیف ہے، ابن ماجشون نے صاد کے فتح اور وال کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ قتادہ نے بین الصدفین، صاد کے فتح اور وال کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ تمام کا معنی ایک ہے دو پہاڑ جو مقابل ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ انْفُخُوا۔ یعنی دھونکنیوں کے ساتھ لوہے کے ٹکڑوں پر پھونکو۔ وہ انہیں لوہے کے ٹکڑے اور پتھر کے ٹکڑوں کو رکھنے کا حکم دیتا تھا پھر ان پر ایندھن اور کوئلہ رکھا جاتا تھا اور دھونکنیوں کے ذریعے آگ جلائی جاتی تھی حتیٰ کہ وہ لوہا گرم ہو جاتا تھا۔ لوہے کو جب گرم کیا جاتا تو وہ آگ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: حَتَّىٰ اِذَا جَعَلَهُ نَارًا۔ سے یہی مراد ہے پھر پگھلا ہوا تانبا، رصاص یا لوہا لایا جاتا تھا (قطر میں اختلاف کی بناء پر) اسے ان لوہے کی گرم تہہ در تہہ رکھی ہوئی چادروں پر ڈالا جاتا تھا جب وہ جڑ جاتا تھا اور ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتا تھا تو پھر دوسری چادر ڈالی جاتی تھی یہاں تک کہ عمل مکمل ہوا اور مضبوط پہاڑ سا بن گیا۔ قتادہ نے کہا: وہ یعنی چادر کی طرح تھا ایک لائن زرد اور ایک لائن سرخ تھی۔ روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا: یا رسول اللہ! سلینہا لہم میں نے یا جوج و ما جوج کی دیوار دیکھی ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”تو نے کیسی دیکھی ہے؟“ اس نے کہا: میں نے وہ یعنی دھاری دار چادر کی طرح دیکھی ہے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”تو نے واقعی دیکھی ہے“ (3)۔ حَتَّىٰ اِذَا جَعَلَهُ نَارًا۔ کا معنی ہے جب وہ آگ کی

طرح ہو گیا۔ اَتُونِيْ اَفْرِغْ عَلَيْهِ قَطْرًا۔ کا معنی ہے تم مجھے قطر (تانبا) دو میں اس پر انڈیلو۔ اس میں تقدیم و تاخیر ہے اور جس نے اتون پڑھا ان کے نزدیک اس کا معنی ہے تم آؤ میں اس پر تانبا ڈالو۔ القطر اکثر مفسرین کے نزدیک پگھلا ہوا تانبا ہے اس کی اصل القطر ہے کیونکہ جب وہ پگھلایا جاتا ہے تو اس طرح اس کے قطرے گرتے ہیں جیسے پانی کے قطرے گرتے ہیں۔ ایک جماعت نے کہا: اس سے مراد پگھلا ہوا لوہا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: ان میں سے ابن الانباری بھی ہے کہ قطر سے مراد پگھلا ہوا تانبا ہے۔ یہ قطر یقطر قطراً سے مشتق ہے۔ اسی سے ہے وَ اَسْلَنَالَهُ عَيْنِ الْقَطْرِ (سبا: 12) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا۔ یعنی یاجوج و ماجوج اس پر چڑھ نہ سکے کیونکہ وہ چکنی اور پہاڑ جتنی بلند تھی کہ پہاڑ بلند تھا اس کو عبور کرنے کا قصد نہیں کیا جاتا تھا اس دیوار کی بلندی دو سو ہاتھ تھی اور چوڑائی پچاس ہاتھ تھی۔ روایت ہے کہ اس کا طول دو پہاڑوں کی طرفوں کے درمیان تھا (یعنی) سو فرسخ اور عرض پچاس فرسخ؛ وہب بن منبہ نے یہی کہا ہے۔ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا۔ اس کے عرض اور مضبوطی کی وجہ سے یاجوج و ماجوج سوراخ نہ کر سکے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ”آج یاجوج و ماجوج کی دیوار سے اس کی مثل کھل گیا ہے“۔ وہب بن منبہ نے اپنے ہاتھ سے توے کا عقد بنایا۔ ایک روایت میں ہے: انہوں نے انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی سے حلقہ بنایا۔۔۔ الخ۔ یحییٰ بن سلام نے سعد بن ابی عروبہ سے انہوں نے قنادہ سے انہوں نے ابورافع سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یاجوج و ماجوج ہر روز دیوار کو پھاڑتے ہیں حتیٰ کہ جب وہ سورج کی شعاع دیکھنے کے قریب پہنچتے ہیں تو ان کا نگران کہتا ہے: اب لوٹ جاؤ باقی تم کل پھاڑو گے۔ پس اللہ تعالیٰ اسے پہلے سے زیادہ مضبوط کر کے لوٹا دیتا ہے حتیٰ کہ جب ان کی مدت پوری ہوگی اور اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں پر بھیجنے کا ارادہ فرمائے گا تو وہ دیوار کو کھودیں گے حتیٰ کہ جب سورج کی شعاع دیکھنے کے قریب ہوں گے تو ان کا نگران انہیں کہے گا: ان شاء اللہ کل تم اسے پھاڑو گے۔ وہ دوسرے دن اس کی طرف آئیں گے تو وہ اسے اسی ہیئت میں پائیں گے جس ہیئت میں چھوڑ کر گئے ہوں گے، پس وہ اسے پھاڑ دیں گے اور لوگوں پر نکل آئیں گے“ (1) (الحمدیث)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَا اسْتَطَاعُوا طَاءَ كِ تَخْفِيفِ كِ سَاتِهٖ جَمِهٖو رِ كِ قِرَاتِ هٖ۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ لغت استطاعوا کے معنی میں ہے۔ بعض نے فرمایا: بلکہ یہ استطاعوا ہی تھا عربوں کے کلام میں کثرت سے موجود ہے حتیٰ کہ بعض نے اس سے تاء حذف کر دی اور انہوں نے کہا: استطاعوا۔ اور بعض نے طاء حذف کر دی اور کہا: استاع يستيع بمعنى استطاع يستطيع یہ مشہور لغت ہے۔ صرف حمزہ نے اسے فَمَا اسْتَطَاعُوا یعنی طاء کی شد کے ساتھ پڑھا ہے گویا اس نے استطاعوا کا ارادہ کیا پھر تاء کو طاء میں ادغام کر دیا ہے اور اسے مشدّد کر دیا۔ یہ ضعیف قرأت ہے۔ ابوبلی نے کہا: یہ جائز نہیں ہے۔ اعمش نے فَمَا اسْتَطَاعُوا نِ يَظْهَرُ وَ مَا اسْتَطَاعُوا لَهٗ نَقْبًا۔ پڑھا ہے دونوں جگہ تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ هٰذَا رَاحَةٌ مِّنْ تَرْتِیْ اس كَا قَا ل ذَا الْقَرْنِیْنِ هٖ هٰذَا كِ سَاتِهٖ اس دِیَا رِ كِ طَرَفِ اُو رِ اس

پر قوت اور یا جوج و ما جوج کے ضرر کو دفع کرنے میں اس سے انتفاع کی طرف اشارہ کیا۔ ابن ابی عمبلہ نے ہذا رحمة من ربی پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: **فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ رَٰبِیٍّ**۔ یعنی قیامت کا دن آئے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: جب یا جوج و ما جوج کے خروج کا دن آئے گا **جَعَلَهُ دَكَاةً** تو اسے زمین کے برابر کر دے گا اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اِذَا دُكَّتِ اِلَآءَ مَرَضٍ دَكَاةً** (الفجر) ابن عرفہ نے کہا: اس کا مطلب ہے وہ اس طرح برابر کر دی جائے گی کہ اس میں کوئی ٹیلہ نہ ہوگا، اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **جَعَلَهُ دَكَاةً**۔ ایسی اونٹنی جس کی کہان ختم ہو گئی ہو۔ قتیبی نے کہا: اس دیوار کو زمین کے برابر بنا دے گا۔ کلبی نے کہا: اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا۔ شاعر نے کہا:

هل غیر غاد دك غار افا نهدم

از ہری نے کہا: کہا جاتا ہے: د ککتہ یعنی دقتہ۔ ریزہ ریزہ کرنا۔ جس نے د کاء پڑھا ہے اس نے یہ ارادہ کیا ہے کہ پہاڑ کو برابر زمین بنا دے گا اس سے مراد وہ ٹیلہ ہے جو پہاڑ کی اونچائی کو نہ پہنچتا ہو۔ اس کی جمع دکادات ہے۔ حمزہ، عاصم اور کسائی نے د کاء مد کے ساتھ پڑھا ہے اور الناقۃ الدکاء (بے کوہان اونٹنی) کے ساتھ تشبیہ کی بناء پر۔ اس کلام میں حذف ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے: جعلہ فی مثل دکاء۔ اس تقدیر کی بناء پر حذف ضروری ہے کیونکہ السد مذکر ہے اس کی صفت د کاء نہیں ہو سکتی اور جنہوں نے د کاء پڑھا ہے تو یہ د ک دیکٹ کا مصدر ہوگا جب کوئی چیز گرا دی جائے اور چور کر دی جائے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ جعل بمعنی خلق ہو اور د کاء پر نصب حال کی بنا پر ہو، اسی طرح جنہوں نے مد کے ساتھ پڑھا ہے اس کی نصب کے دو احتمال ہیں۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَ مِثْرٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَعَلْنَاهُمْ جَمْعًا ۝ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ عَرْضًا ۝ الَّذِينَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِي غَطَاةٍ عَن ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا ۝ اَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا اَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي اَوْلِيَاءَ ۗ اِنَّا اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ۝ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِينَ اَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يُحْسَبُونَ اَنْهُمْ يُحْسِنُونَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَايِهِ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا تُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝ ذٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ بِمَا كَفَرُوا وَاَتَّخِذُوا الْاَيْتِي وَرُسُلِي هُرُوًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حَوْلًا ۝ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنتَفَدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَتَفَدَّ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جُنَّتْ بِسْمِئِهِ مَدَدًا ۝ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

يُؤْتِي إِلَىٰ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ ۚ فَمَن كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا
صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ ۚ أَحَدًا ۝

”اور ہم واگزار کر دیں گے بعض کو اس دن کہ وہ (تند موجوں کی طرح) دوسروں میں گھس جائیں گے اور صور پھونکا جائے گا تو ہم سب کو اکٹھا کر دیں گے۔ اور ہم ظاہر کر دیں گے جہنم کو اس دن کفار کے لیے بالکل عیاں۔ وہ کافر جن کی آنکھوں پر پردے پڑے تھے میری یاد سے اور جو (کلمہ حق) سن بھی نہیں سکتے تھے۔ کیا گمان کرتے ہیں کفار کہ وہ بنا لیں گے میرے بندوں کو میرے بغیر اپنا تہا نیتی؟ (یہ ناممکن ہے) بیشک ہم نے تیار کر رکھا ہے جہنم کو کفار کی رہائش کے لیے۔ فرمائیے: (اے لوگو) کیا مطلع کریں تمہیں ان لوگوں پر جو اعمال کے لحاظ سے گھانٹے میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد نبوی زندگی کی آرائگی میں کھو کر رہ گئی اور یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ کوئی بڑا عمدہ کام کر رہے ہیں، یہی وہ (بد نصیب) ہیں جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا اور اس کی ملاقات کا تو ضائع ہو گئے ان کے اعمال تو ان (کے اعمال تو لنے) کے لیے روز قیامت کوئی ترازو نصب نہیں کریں گے۔ یہ ہے ان کی جزاء جہنم اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور رسولوں کو مذاق بنا لیا۔ یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل (بھی) کرتے رہے تو فردوس کے باغات ان کی رہائش گاہ ہوں گے۔ وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں (اور) نہیں چاہیں گے کہ وہ اس جگہ کو بدل لیں۔ (اے حبیب!) آپ فرمائیے کہ اگر ہو جائے سمندر روشنائی میرے رب کے کلمات (لکھنے) کے لیے تو ختم ہو جائے گا سمندر اس سے پیشتر کہ ختم ہوں میرے رب کے کلمات اور اگر ہم لے آئیں اتنی اور روشنائی اس کی مدد کو (تب بھی ختم نہ ہوں گے)۔ (اے پیکر عنائی وزیبائی) آپ فرمائیے کہ میں بشر ہی ہوں تمہاری طرح وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا خدا صرف اللہ وحدہ ہے، پس جو شخص امید رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجًا فِي بَعْضٍ ۚ تَرَ كُنُوزًا مِّنْ ذَهَبٍ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَرِجَالًا لَّا يَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا سَاءَ مَا يَحْكُمُهُمْ ۚ وَسَاءَ جِزَاءً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنَجْتَنِبُكَ عَنَّا يَوْمَ تَمُوجُ الْوَوَاجِعُ كَمَا تَمُوجُ الْوَوَاجِعُ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّاسِ سَوَاءٌ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا سَاءَ مَا يَحْكُمُهُمْ ۚ وَسَاءَ جِزَاءً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنَجْتَنِبُكَ عَنَّا يَوْمَ تَمُوجُ الْوَوَاجِعُ كَمَا تَمُوجُ الْوَوَاجِعُ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّاسِ سَوَاءٌ ۚ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجًا فِي بَعْضٍ ۚ تَرَ كُنُوزًا مِّنْ ذَهَبٍ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَرِجَالًا لَّا يَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا سَاءَ مَا يَحْكُمُهُمْ ۚ وَسَاءَ جِزَاءً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنَجْتَنِبُكَ عَنَّا يَوْمَ تَمُوجُ الْوَوَاجِعُ كَمَا تَمُوجُ الْوَوَاجِعُ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّاسِ سَوَاءٌ ۚ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجًا فِي بَعْضٍ ۚ تَرَ كُنُوزًا مِّنْ ذَهَبٍ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَرِجَالًا لَّا يَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا سَاءَ مَا يَحْكُمُهُمْ ۚ وَسَاءَ جِزَاءً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنَجْتَنِبُكَ عَنَّا يَوْمَ تَمُوجُ الْوَوَاجِعُ كَمَا تَمُوجُ الْوَوَاجِعُ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّاسِ سَوَاءٌ ۚ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجًا فِي بَعْضٍ ۚ تَرَ كُنُوزًا مِّنْ ذَهَبٍ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَرِجَالًا لَّا يَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا سَاءَ مَا يَحْكُمُهُمْ ۚ وَسَاءَ جِزَاءً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنَجْتَنِبُكَ عَنَّا يَوْمَ تَمُوجُ الْوَوَاجِعُ كَمَا تَمُوجُ الْوَوَاجِعُ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّاسِ سَوَاءٌ ۚ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجًا فِي بَعْضٍ ۚ تَرَ كُنُوزًا مِّنْ ذَهَبٍ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَرِجَالًا لَّا يَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا سَاءَ مَا يَحْكُمُهُمْ ۚ وَسَاءَ جِزَاءً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنَجْتَنِبُكَ عَنَّا يَوْمَ تَمُوجُ الْوَوَاجِعُ كَمَا تَمُوجُ الْوَوَاجِعُ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّاسِ سَوَاءٌ ۚ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجًا فِي بَعْضٍ ۚ تَرَ كُنُوزًا مِّنْ ذَهَبٍ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَرِجَالًا لَّا يَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا سَاءَ مَا يَحْكُمُهُمْ ۚ وَسَاءَ جِزَاءً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنَجْتَنِبُكَ عَنَّا يَوْمَ تَمُوجُ الْوَوَاجِعُ كَمَا تَمُوجُ الْوَوَاجِعُ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّاسِ سَوَاءٌ ۚ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجًا فِي بَعْضٍ ۚ تَرَ كُنُوزًا مِّنْ ذَهَبٍ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَرِجَالًا لَّا يَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا سَاءَ مَا يَحْكُمُهُمْ ۚ وَسَاءَ جِزَاءً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنَجْتَنِبُكَ عَنَّا يَوْمَ تَمُوجُ الْوَوَاجِعُ كَمَا تَمُوجُ الْوَوَاجِعُ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّاسِ سَوَاءٌ ۚ

فَإِذَا جَاءَ وَعْدَ رَبِّيٰ كَآرِثَاتٍ فِي ٱلْأَرْضِ ۚ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوا ۖ سَوَآءٌ أَعْمَىٰ أَوْ بَصِيرٌ ۚ ۝۱۰۰
 فَاذْجَأَ وَعْدَ رَبِّيٰ كَآرِثَاتٍ فِي ٱلْأَرْضِ ۚ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوا ۖ سَوَآءٌ أَعْمَىٰ أَوْ بَصِيرٌ ۚ ۝۱۰۰
 میں گزر چکا ہے۔ فَجَعَلْنَاهُمْ جَمْعًا ۝ یعنی قیامت کے میدان میں جن و انس کو ہم جمع کریں گے۔ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ لِيَعْنِيَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا ۖ سَوَآءٌ أَعْمَىٰ أَوْ بَصِيرٌ ۚ ۝۱۰۰
 لیے ہم جہنم کو ظاہر کریں گے۔ يَوْمَ مَهَيَّا لِلْكَافِرِينَ عَرْضًا ۝ ٱلَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ أَصْرَابًا مِّمَّا كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوا ۖ سَوَآءٌ أَعْمَىٰ أَوْ بَصِيرٌ ۚ ۝۱۰۰
 جر میں ہے۔ فِي عِظَآءٍ عَن ذِكْرِي ۚ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوا ۖ سَوَآءٌ أَعْمَىٰ أَوْ بَصِيرٌ ۚ ۝۱۰۰
 وَكَانُوا لَا يَسْتَفِيدُونَ سَعًا ۝ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کی طاقت نہیں رکھتے وہ بہرے شخص کی طرح ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد
 ہے: أَفَحَسِبَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا ۖ حَسْبًا كَآرِثَاتٍ فِي ٱلْأَرْضِ ۚ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوا ۖ سَوَآءٌ أَعْمَىٰ أَوْ بَصِيرٌ ۚ ۝۱۰۰
 سکون اور باء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی انہیں کافی ہے۔ أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي لَعْنَةُ رَبِّكَ مَثَلًا ۚ بَلَىٰ ۚ سَوَآءٌ أَعْمَىٰ أَوْ بَصِيرٌ ۚ ۝۱۰۰
 حضرت عزیر علیہ السلام۔ مِنْ دُونِي ۚ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوا ۖ سَوَآءٌ أَعْمَىٰ أَوْ بَصِيرٌ ۚ ۝۱۰۰
 کیا انہوں نے گمان کیا ہے کہ انہیں یہ نفع دے گا؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِٱلْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ ٱلَّذِينَ
 صَلَّىٰ سَعْيُهُمْ فِي ٱلْحَيَاةِ ٱلدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا ۖ يَأْتُوا بِٱلْبَاطِلِ وَتَرْتُوبُهُمْ وَٱلْقَآءِمَةُ
 فَحِطَّتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَامَةِ وَزْنَآ ۝۱۰۰ اس میں دو مسئلے ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ ٱلْآيَةَ۔ اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ لوگوں میں سے جو عمل کرتا ہے اور وہ یہ
 خیال کرتا ہے وہ اچھائی کرنے والا ہے حالانکہ اس کی محنت رائیگان ہو چکی ہوتی ہے اور جو چیز اس کی محنت کے ضیاع کا باعث
 بنتی ہے وہ اس کے عقیدہ کی خرابی ہے یا ریاکاری ہے اور یہاں کفر مراد ہے۔ امام بخاری نے مصعب سے روایت کیا ہے
 فرمایا: میں نے اپنے باپ سے پوچھا: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِٱلْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ سے مراد حروریہ (خوارج) ہیں؟ انہوں
 نے فرمایا: نہیں وہ یہود و نصاریٰ ہیں کیونکہ یہود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں اور نصاریٰ جنت کا انکار کرتے ہیں،
 انہوں نے کہا: اس میں کھانا، پینا نہیں ہے اور حروریہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے پختہ عہد کرنے کے بعد عہد کو توڑا۔ حضرت سعد
 انہیں فاسقین کہتے تھے۔ آیت میں تو بیخ ہے یعنی ان کفار کو کہو جو میرے علاوہ کی عبادت کرتے ہیں ان کی سعی اور ان کی
 امنگیں کل قیامت کے روز سب خائب و خاسر ہوں گی۔ پس یہی لوگ اعمال کے اعتبار سے گھائے میں ہیں۔ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا ۖ سَوَآءٌ أَعْمَىٰ أَوْ بَصِيرٌ ۚ
 صَلَّىٰ سَعْيُهُمْ فِي ٱلْحَيَاةِ ٱلدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ یعنی میرے سوا کی عبادت میں گمان رکھتے ہیں۔ حضر
 ت علی نے فرمایا: وہ حروراء کے خوارج ہیں۔ مژدہ نے کہا: وہ راہب ہیں جو صوامع میں رہتے ہیں۔ روایت ہے کہ ابن الکواء
 نے الاخسرین اعمال کے متعلق ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا: اس سے مراد تو اور تیرے ساتھی ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: ان
 تمام اقوال کو اس کے بعد والا قول کمزور کر دیتا ہے وہ یہ ہے: ٱلَّذِينَ كَفَرُوا ۖ يَأْتُوا بِٱلْبَاطِلِ وَتَرْتُوبُهُمْ وَٱلْقَآءِمَةُ
 فَحِطَّتْ أَعْمَالُهُمْ اور ان گروہوں میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ، اس کی ملاقات، بعث اور نشور کا انکار نہیں کرتا۔ یہ مشرکین مکہ کی صفت
 ہے جو بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ حضرت علی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہما نے ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اس آیت سے
 اپنا حصہ لیا۔ اعمالاً۔ پر نصب تمیز کی بناء پر ہے۔ حبطت۔ جمہور کی قرأت باء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ حضرت ابن عباس

نہجہ جانے باء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے (1)۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَلَا تُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا** ﴿٥﴾ جمہور کی قرأتِ نقیم نونِ عظمت کے ساتھ ہے۔ مجاہد نے یاءِ غائب کے ساتھ پڑھا یعنی اللہ قائم فرمائے گا۔ عبید بن عمیر نے فلا یقوم پڑھا ہے اسے وزن پڑھنا لازم ہے اسی طرح مجاہد نے، فلا یقوم لہم یوم القیامۃ وزن پڑھا ہے۔ عبید بن عمیر نے کہا: قیامت کے روز ایک بہت لمبے ترنگے، زیادہ کھانے پینے والے کو لایا جائے گا اللہ کی بارگاہ میں پچھر کے برابر بھی وزن نہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں: ایسا قول رائے سے تو نہیں کہا جاتا۔ اس کا معنی بخاری و مسلم کی صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے (2)، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت کے روز ایک بڑے موٹے شخص کو لایا جائے گا اللہ کی بارگاہ میں پچھر کے برابر بھی اس کا وزن نہ ہوگا۔ اگر چاہو تو یہ پڑھ لو، **فَلَا تُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا**۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا ثواب نہ ہوگا اور ان کے اعمال کے مقابل عذاب ہوگا، ان کی کوئی نیکی نہ ہوگی کہ قیامت کے میزانون میں اس کا وزن کیا جائے۔ اور جس کی کوئی نیکی نہ ہوگی وہ آگ میں ہوگا۔ حضرت ابو سعید خدری نے کہا: تمہارے پہاڑ کی طرح اعمال کے ساتھ لایا جائے گا لیکن ان کا کچھ وزن نہ ہوگا۔ بعض نے فرمایا: یہ بھی احتمال ہے کہ مجاز اور استعارہ مراد ہو گیا فرمایا: ہمارے نزدیک اس دن ان کی کوئی قدر نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔ اس حدیث میں فقہ یہ ہے کہ اس موٹاپے کی مذمت کی گئی ہے جو تکلفاً حاصل کیا جاتا ہے کیونکہ اس کے لیے کھانے پینے کا تکلف کرنا ہوگا اور مکارم سے دوری ہوگی، بلکہ یہ دلیل ہے کہ کفایت کی قدر سے زائد کھانا حرام ہے جس کے ساتھ ترفہ اور موٹاپا مطلوب ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ترین شخص موٹا دینی پیشوا ہے“ (3)۔ عمران بن حصین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ”تم میں سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر جو اس کے ساتھ متصل ہوں گے“۔ عمران نے کہا: میں نہیں جانتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے بعد دو زمانوں کا ذکر کیا یا تین زمانوں کا ذکر کیا۔ پھر فرمایا: ”تمہارے بعد ایک قوم ہوگی جو گواہی دیں گے جبکہ ان سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی، وہ خیانت کریں گے اور امین نہ ہوں گے، نذریں مانیں گے اور نذر پوری نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا“۔ یہ مذمت ہے اس کا سبب یہ ہے کہ موٹاپا جو حاصل کیا جاتا ہے وہ کثرت سے کھانے اور حرص کرنے، آرام اور امن سے رہنے اور نفس کو شہوات پر چھوڑنے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پس وہ اپنے نفس کی عبادت کرنے والا ہے، اپنے رب کی عبادت کرنے والا نہیں اور جس کی یہ حالت ہو وہ حرام میں واقع ہوتا ہے اور ہر وہ گوشت جو حرام سے پیدا ہوتا ہے آگ اس کی زیادہ مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زیادہ کھانے کی وجہ سے کفار کی مذمت کی ہے فرمایا: **وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَكْتُمُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَشْوَى لَهُمْ** ﴿٥٠﴾ (محمد)

جب ایک مومن ان کے مشابہ ہوگا اور ہر حال اور زمانہ میں ان جیسے تنعم سے لطف اندوز ہوگا تو اس کے ایمان کی حقیقت کہاں ہوگی اور وہ اسلام کے وظائف کو کیسے قائم کرے گا؟ جو زیادہ کھاتا پیتا ہے اس کی حرص اور لالچ زیادہ ہوتی ہے۔ رات کو

سستی اور نیند زیادہ ہوتی ہے، پس اس کا دن لالچ میں گردش کرتے ہوئے اور رات سوتے ہوئے گزرتی ہے۔ یہ مفہوم سورہ اعراف میں گزر چکا ہے۔ اس میں میزان کا ذکر بھی گزر چکا ہے۔ اس کے دو پلڑے ہیں جن میں اعمال کے صحائف کا وزن کیا جائے گا، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب صحابہ حضرت ابن مسعود کی پنڈلی کی باریکی کو دیکھ کر ہنستے تھے جب کہ وہ کھجور پر چڑھ رہے تھے: ”تم پنڈلی کی وجہ سے ہنس رہے ہو تمام اہل زمین کے عمل کے ساتھ اس کا وزن کیا جائے گا“۔ یہ دلیل ہے کہ اشخاص کا وزن کیا جائے گا؛ غزنوی نے اس کو ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ جَزَاءُ وَّهُمْ۔ ذٰلِكَ مِثْرًا لِّیْهِ وَزَنَ کَا تَرَکَ ہِے۔ ذٰلِکَ مُبْتَدَا ہِے اور جَزَاءُ ہُمُ خَبْر ہِے۔ جہنم، متبدا سے بدل ہے جو ذٰلِکَ ہِے۔ اور بسا کفر و ایمان مِلصِدْر ہِے اور الھِزْعُ کَا مَعْنٰی مِزَاحَ کَرْنَا اور ہَلْکَا سَجْحْنَا ہِے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَاَنَتْ لَہُمْ جَنَّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰﴾ قنادہ نے کہا: فردوس جنت کا بلند، عمدہ، اعلیٰ، افضل اور ارفع مقام ہے۔ حضرت ابو امامہ باہلی نے کہا: فردوس جنت کی ناف ہے۔ کعب نے کہا: جنتوں میں سے ایک جنت ہے جو جنت الفردوس سے بھی اعلیٰ ہے، اس میں وہ لوگ ہوں گے جو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (1) فرمایا: ”نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جو اللہ پر ایمان لایا، نماز قائم کی، رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے خواہ اس نے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا ہو یا اس زمین میں بیٹھا رہا ہو جس میں پیدا ہوا تھا“۔ صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کو اس کی خوشخبری دے دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جنت میں ایک سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیے ہیں۔ اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جیسا کہ آسمان اور زمین کے درمیان ہے جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا اعلیٰ اور بلند درجہ ہے“۔ میرا خیال ہے فرمایا: ”اس کے اوپر رحمن کا عرش ہے اس سے جنت کی نہریں پھوٹی ہیں“۔ مجاہد نے کہا: فردوس، رومی زبان میں باغ کو کہتے ہیں۔ فراء نے کہا: یہ عربی لفظ ہے۔ فردوس جنت میں ایک باغیچہ ہے۔ فردوس یمامہ کے قریب ایک باغ کا نام ہے۔ اس کی جمع فرادیس ہے۔ امیہ بن ابی الصلت ثقفی نے کہا:

کانت منازلہم اذ ذاک ظاہرۃ فیہا الفرادیس والفومان والبصل

الفرادیس شام کا ایک علاقہ ہے۔ کرم مفردس کا مطلب ہے انگور کی بیلین جو چھپر کی طرح پھیلی ہوئی ہوں۔ خلدیون فیہا وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ لَا یَبْغُونَ عَنْہَا حَوْلًا ﴿۱۱﴾ یعنی وہ اس جنت سے کسی اور طرف پھرنا نہیں چاہتے۔ الحول بمعنی التحویل ہے یہ ابوتلی نے کہا۔ زجاج نے کہا، حال من مکانہ حولاً، جیسے کہا جاتا ہے: عظم عظماً۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ الحیلہ سے مشتق ہو یعنی، لا یحتالون منزلاً غیرہا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ لَوْ کَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَّکَلِمَتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمَتُ رَبِّیْ، نَفِدَ الشَّیْءُ کَا

معنی ہے جب مکمل اور فارغ ہو جائے۔ یہ مفہوم پہلے گزر چکا ہے۔ **وَلَوْ جِئْنَا بِبِطْلِهِ مَدَدًا**۔ اگر ہم سمندر پر عدد یا وزن کے اعتبار سے زیادتی کر دیں۔ معحف ابی میں مداداً ہے اسی طرح مجاہد، ابن محیسن اور حمید نے پڑھا ہے۔ مدد اکی نصب تمیز یا حال کی بناء پر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب نبی پاک ﷺ نے فرمایا: **وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا** (الاسراء) تو یہود نے کہا: ہمیں تورات دی گئی ہے اور جس کو تورات دی گئی تو اسے خیر کثیر دیا گیا (تو ہم افضل ہوئے پھر ہم آپ کی پیروی کیسے کریں) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: **قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ**۔۔۔ الآیۃ۔ بعض علماء نے کہا: یہود نے کہا: آپ کو حکمت دی گئی ہے اور جسے حکمت دی گئی اسے خیر کثیر دیا گیا پھر آپ کہتے ہیں: مجھے روح کا علم نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ فرمائیں اگر مجھے قرآن دیا گیا ہے اور تمہیں تورات دی گئی ہے تو تورات اللہ کے کلمات کی نسبت سے کم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: **لِكَلِمَاتٍ سَرِيَّةٍ**۔ سے مراد مواعظ ربی ہے یعنی میرے رب کے مواعظ۔ بعض علماء نے فرمایا: کلمات سے مراد وہ قدیم کلام ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے اگرچہ وہ ایک ہے اس کو لفظ جمع سے تعبیر کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں فرائد کلمات موجود ہیں اور فرائد کلمات کے قائم مقام ہے۔ پس عظمت شان کے اظہار کے لیے جمع کے صیغہ سے تعبیر کرنا جائز ہے۔ اعمش نے کہا:

دو جة نغن اللون صاف بزينه مع الجيد لبتاك لها ومعاصم

اس شعر میں لبہ کولبات سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن میں ہے: **نَحْنُ أَوْلَىٰ بِكُمُ** (حم السجدہ: 31) **إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ** (الحجر: 9) **وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ** (الحجر: 23)۔ اسی طرح فرمایا: ابن ابراہیم کان امۃ۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام ایک امت کے قائم مقام تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے وہ عبارات اور دلالات ختم نہ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے کلام کے معانی کے مفہومات پر دلالت کرتی ہیں۔ سدی نے کہا: اس کا مطلب ہے اگر سمندر روشنائی بن جائے میرے رب کے کلمات کے لیے تو سمندر ختم ہو جائے گا اس سے پہلے کہ اس جنت کی صفات ختم ہوں جو دارالثواب ہے۔ عکرمہ نے کہا: سمندر ختم ہو جائے گا **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کہنے والے کے ثواب کے ختم ہونے سے پہلے۔ اس آیت کی مثال یہ آیت ہے: **وَلَوْ أَنَّ مَآبِيَ** **الْأَرْضِ** **بِوَيْحٍ** **شَجَرَةٍ** **أَوْ** **أَقْلَامٍ** **وَالْبَحْرُ** **يَمْدُ**۔۔۔۔۔ الآیۃ (لقمان: 27)

حزہ اور کسائی نے قبل ان ینفد یاء کے ساتھ پڑھا ہے فعل کے تقدم کی وجہ سے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **قُلْ إِنَّمَا أَنَا** **بَشَرٌ** **مِّثْلُكُمْ** **يُوحَىٰ** **إِلَىٰ**۔ یعنی میں نہیں جانتا مگر جو اللہ تعالیٰ مجھے سکھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم شمار سے وراہ ہے مجھے تو حکم ہے کہ میں تمہیں **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** پہنچاؤں۔ **فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ**۔ جو اللہ تعالیٰ کی رویت اور ثواب کی امید رکھتا ہے اور اس کے عذاب سے ڈرتا ہے۔ **فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ** **أَحَدًا** ○ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ حضرت جناب بن زہیر عامر کے بارے میں نازل ہوئی اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! سنئے ﷺ میں اللہ کے لیے عمل کرتا ہوں اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہوں مگر جب اس پر (لوگوں کی) آگاہی پائی جاتی ہے تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ قبول نہیں فرماتا مگر پاک کو اور اسے قبول نہیں فرماتا جس میں کسی اور کو

شریک کیا گیا ہو' (1) تو یہ آیت نازل ہوئی۔ طاؤس نے کہا: یا رسول اللہ! سَلِّمْ عَلَیْہِمْ میں اللہ کے راستہ میں جہاد کو پسند کرتا ہوں اور میں یہ بھی پسند کرتا ہوں کہ میرا مکان و مرتبہ دیکھا جائے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد نے کہا: ایک شخص نبی کریم سَلِّمْ عَلَیْہِمْ کے پاس آیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! سَلِّمْ عَلَیْہِمْ صدقہ کرتا ہوں اور صلہ رحمی کرتا ہوں اور میں یہ کام نہیں کرتا مگر اللہ کے لیے۔ پھر میری طرف سے اس کام کو ذکر کیا جاتا ہے اور اس پر تعجب کیا جاتا ہے تو مجھے خوشی ہوتی ہے اور مجھے اچھا لگتا ہے۔ نبی کریم سَلِّمْ عَلَیْہِمْ خاموش ہو گئے اور کوئی کلام نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: **فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا** (2)۔

میں کہتا ہوں یہ آیت تمام اعمال کو شامل ہے سورہ ہود میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث ان تین شخصوں کے بارے میں گزر چکی ہے جن کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا۔ اور سورہ النساء میں ریاکاری پر کلام گزر چکی ہے اور ہم نے وہاں بہت سے واقعات ذکر کیے ہیں جن میں کفایت ہے ماوردی نے کہا: تمام علماء تفسیر نے کہا: **وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا** کا مطلب ہے کہ وہ اپنے اعمال کسی کو نہ دکھائے (یعنی ریاکاری نہ کرے) ترمذی حکیم رضی اللہ عنہ نے نوادر الاصول میں روایت کیا ہے فرمایا: ہمیں عبدالواحد بن زید نے عبادہ بن نسی سے روایت کر کے بتایا فرمایا: میں شداد بن اوس کے پاس اس کی جائے نماز میں آیا تو وہ رو رہے تھے میں نے کہا: اے ابو عبد الرحمن تم کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے کہا: میں نے ایک دن نبی پاک سَلِّمْ عَلَیْہِمْ سے ایک دن ایک حدیث سنی تھی؟ میں نے نبی پاک سَلِّمْ عَلَیْہِمْ کے چہرے پر پریشانی دیکھی تھی۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! سَلِّمْ عَلَیْہِمْ آپ کے چہرے پر پریشانی کے آثار ہیں کیا وجہ ہے؟ آپ سَلِّمْ عَلَیْہِمْ نے فرمایا: ”شُرک اور خفیہ شہوت“ (3)۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! سَلِّمْ عَلَیْہِمْ ریاکاری شرک ہے؟ آپ سَلِّمْ عَلَیْہِمْ نے فرمایا: ”ہاں“۔ میں نے پوچھا: حضور! شہوت خفیہ کیا ہے؟ آپ سَلِّمْ عَلَیْہِمْ نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی صبح کے وقت روزے سے ہوگا پھر اس کے لیے دنیا کی شہوات ظاہر ہوں گی تو وہ روزہ افطار کر دے گا“۔ عبدالواحد نے کہا: میں حسن سے ملا تو میں نے پوچھا: اے ابو سعید! مجھے ریاکاری کے بارے بتا کیا وہ شرک ہے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔ کیا تو یہ آیت نہیں پڑھتا: **فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ**۔ الخ۔ اسماعیل بن اسحاق نے روایت کیا ہے فرمایا: ہمیں محمد بن ابی بکر نے بتایا تو انہوں نے کہا: ہمیں معتمر بن سلیمان نے بتایا انہوں نے لیث سے انہوں نے شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے فرمایا: عبادہ بن صامت اور شداد بن اوس اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا: ہم اس امت پر شرک اور شہوت خفیہ کا خوف کرتے ہیں۔ شہوت خفیہ عورتوں کی طرف سے ہے۔ انہوں نے کہا: ہم نے نبی پاک سَلِّمْ عَلَیْہِمْ کو یہ فرماتے سنا ہے ”جس نے ریاکاری کرتے ہوئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے دکھاوا کرتے ہوئے

روزہ رکھا اس نے شرک کیا“ پھر یہ آیت تلاوت کی: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ... الآية (1)۔

میں کہتا ہوں: شہوت خفیہ کی تفسیر اس کے خلاف بھی آئی ہے وہ ہم نے سورۃ النساء میں ذکر کر دی ہے۔ حضرت سہل بن عبد اللہ نے کہا: حسن سے اخلاص اور ریا کاری کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: اخلاص میں سے یہ ہے کہ تو اپنی نیکیوں کو چھپانا پسند کرے اور اپنی برائیوں کو پسند نہ کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ تجھ پر تیری نیکیاں ظاہر کر دے تو تو کہے: (اے رب کریم!) یہ تیرا فضل اور احسان ہے یہ نیکیاں میرا فعل نہیں (بلکہ یہ کرم ہے) اور تو اس ارشاد کو یاد کر لے: فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ... الآية۔ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا... الآية (المؤمنون: 60) یعنی جنہیں اخلاص دیا گیا ہے وہ ڈرتے ہیں کہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور ریا کاری تو وہ یہ ہے کہ انسان دنیا میں اپنے نفس کے عمل کا حصہ طلب کرے۔ پوچھا گیا کیسے ہو گا؟ فرمایا: ”جس نے اپنے اور اللہ تعالیٰ اور دار آخرت کے سوا کسی کو اپنے کسی عمل کے ساتھ طلب کیا تو وہ ریا کاری ہے“۔ ہمارے علماء نے فرمایا: ریا کاری انسان کو لوگوں کے استہزات تک پہنچاتی ہے جیسا کہ حکایت ہے کہ طاہر بن حسین نے ابو عبد اللہ مروزی سے کہا: تم اے عبد اللہ! کب سے عراق میں ہو؟ اس نے کہا: میں بیس سال سے عراق میں ہوں اور میں تیس سال سے روزہ رکھ رہا ہوں۔ اس نے کہا: اے ابو عبد اللہ! ہم نے تجھ سے ایک سوال پوچھا آپ نے ہمیں دو مسئلے بتا دیے۔ اصمعی نے حکایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے نماز پڑھی اور بڑی لمبی نماز پڑھی اور اس کے قریب ایک قوم تھی انہوں نے کہا: کیا خوب تیری نماز تھی۔ اس نے کہا: اس کے ساتھ میں روزے سے بھی ہوں۔ اشعث بن قیس کا قول ہے کہ اس نے نماز پڑھی اور بہت تخفیف کی ان سے کہا گیا: تو نے بہت تخفیف کی ہے۔ اس نے کہا: اس میں ریا کاری ملی ہوئی نہیں، اپنے نفس سے ریا کاری کی نفی کرنے کے ساتھ ان کی تنقیح سے بچ گیا۔ سورۃ النساء میں ریا کاری کی دواء اور علاج لقمان کے قول سے گزر چکا ہے کہ وہ عمل کو چھپانا ہے۔ ترمذی حکیم نے زید فرمایا: ہمیں جریر نے بتایا میرے باپ نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں جمانی نے خبر دی فرمایا ہمیں جریر نے بتایا انہوں نے لیث سے روایت کیا انہوں نے شیخ سے انہوں نے معقل بن یسار سے روایت کیا فرمایا: حضرت ابو بکر نے کہا اور انہوں نے اس کے ساتھ نبی پاک ﷺ پر گواہی دی فرمایا: نبی پاک ﷺ نے شرک کا ذکر کیا فرمایا: ”شرک تم میں چیونٹی کے ریگنے سے بھی زیادہ مخفی ہوتا ہے (2)، میں تجھے ایک وظیفہ سکھاتا ہوں جب تو وہ کرے گا تو چھوٹا، بڑا شرک تجھ سے دور ہو جائے گا۔ تو کہہ: اللہم! اِن اَعُوذُ بِكَ اَنْ اَشْرَكَ بِكَ وَاَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ (3)“ اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں تیرے ساتھ دانستہ شرک کروں اور میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں کہ میں غیر دانستہ شرک کروں“۔ تین بار کہے۔ عمر بن قیس کنڈی نے کہا: میں نے حضرت معاویہ کو سنا انہوں نے منبر پر یہ آیت تلاوت کی، فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ... پھر کہا: یہ آخری آیت ہے جو آسمان سے نازل ہوئی اور حضرت عمر نے کہا (4): نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مجھے وحی کی گئی ہے کہ جو فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ... الخ۔ پڑھے گا اس کے لیے ایک

2- سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، الریاء واسیعة، جلد 1، صفحہ 320

1- مستدرک للحاکم، جلد 4، صفحہ 329

4- المستدرک للحاکم، جلد 2، صفحہ 371

3- مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 385

نور بلند کیا جائے گا جو عدن سے مکہ تک فاصلہ جتنا ہوگا اس کو ملائکہ نے پُر کر رکھا ہوگا جو اس بندے کے لیے دعا کرتے ہوں گے اور اس کے لیے استغفار کرتے ہوں گے۔ حضرت معاذ بن جبل نے کہا (1): نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس نے سورہ کہف کا اول و آخر پڑھا اس کے لیے سر سے قدموں تک نور ہوگا اور جو پوری سورت پڑھے اس کے لیے زمین سے لیکر آسمان تک نور ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ایک شخص نے ان سے کہا: میں رات کے وقت اٹھنے کا دل میں عزم کرتا ہوں لیکن مجھ پر نیند غالب آ جاتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تو رات کے کسی وقت اٹھنا چاہے تو بستر پر سوتے وقت یہ آیت پڑھا کر۔ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ أَوْ كَلِمَةٍ سَأَلْتَنِي بِهِ لَأَخَذْتَهُ بِرَأْسِهِ لَوْلَا أَنْ يَرْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ لَوَدِدْتُ كَلِمَةً يَأْتِي بِهَا نَارٌ مِّنَ الْجَهَنَّمَ لِيَقُولَ عَلَيْهَا سَعَىٰ النَّاصِبُونَ“۔ الخ۔ تو اللہ تعالیٰ تجھے بیدار کر دے گا جب تو اٹھنا چاہے گا۔ یہ فضائل ثعلبی نے ذکر کیے۔ پس مسند داری میں ہے ابو محمد نے کہا: ہمیں محمد بن کثیر نے بتایا انہوں نے اوزاعی سے انہوں نے عبدہ سے انہوں نے زر بن حبیش سے روایت کیا ہے فرمایا: جس نے سورہ کہف کا آخر تلاوت کیا وہ رات کو جس وقت اٹھنا چاہے گا اٹھ پڑے گا۔ عبدہ نے کہا: ہم نے اس کا تجربہ کیا تو ہم نے اسی طرح پایا۔ ابن عربی نے کہا: ہمارے شیخ طروشی اکبر کہتے تھے زمانے تم سے ہم عمروں سے لڑتے ہوئے اور بھائیوں سے تعلق جوڑتے ہوئے نہ گزر جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیان کو اس قول پر ختم کر دیا ہے۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ﴿١٥﴾

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ تفسیر سورہ مریم

﴿ اسٹا ۹۸ ﴾ ﴿ ۱۹ سُوْرَةُ مَرْیَمَ مَكِّيَّةٌ ۲۲ ﴾ ﴿ مَرْکُوْعَاتُهَا ۲ ﴾

یہ بالا جماع مکی سورت ہے اور اس کی 98 آیات ہیں۔

جب جنگ بدر ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس میں کفار کے سرداروں کو قتل کر دیا تو کفار قریش نے کہا: تمہارا بدلہ حبشہ کی زمین میں ہے۔ نجاشی کی طرف جاؤ اور اس کی طرف اپنے دو صاحب رائے اور بھیجو شاید وہ تمہیں قریش کے وہ آدمی دے دے جو اس کے پاس ہیں۔ پھر تم اپنے بدر کے مقتولوں کے بدلے میں انہیں قتل کر دینا۔ کفار قریش نے عمرو بن عاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ کو بھیجا۔ نبی پاک ﷺ نے جب ان کے آدمی بھیجنے کے متعلق سنا تو آپ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمیری کو بھیجا اور اسے نجاشی کے لیے خط لکھ کر دیا۔ عمرو بن امیہ نجاشی کے پاس آیا اور اس نے نبی پاک ﷺ کا خط پڑھا پھر جعفر بن ابی طالب اور مہاجرین کو بلا یا اس نے راہبوں اور علماء کو بلا یا اور انہیں جمع کیا پھر جعفر کو ان پر قرآن پڑھنے کو کہا تو انہوں نے سورہ مریم، کھپھص پڑھی اور لوگ اٹھے تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ان لوگوں کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَسَجَدَتۡ اَسَدًاۙ النَّاسِ عَدَاوَةٌۭ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُواۙ الْیَهُودَ وَالَّذِیۡنَ اَشْرٰکُوۡاۙ وَ لَسَجَدَتۡۙ اَقْرَبَهُمۡ مَّوَدَّةًۭ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُواۙ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّا نَصْرٰیۙ ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنْهُمۡ قَسِیۡمِیۡنَ وَ رُهَبَانًاۙ وَ اَنَّهُمۡ لَا یَسْتَكْبِرُوۡنَ ﴿۱۰﴾ وَ اِذَا سَمِعُوۡۤا مَا اُنزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰۤی اَعۡیُنُهُمۡ تَفۡیِضُ مِنَ الدَّمۡعِ مَتَاعَرَفُوۡۤا مِنَ الْحَقِّ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۙ اٰمِنَّاۙ فَاکْتَتَبْنَا مَعَ الشَّہِیۡدِیۡنَ ﴿۱۱﴾ (المائدہ) تلاوت کی۔ یہ ابوداؤد نے ذکر کیا ہے۔ سیرت میں نجاشی نے کہا: کیا تمہارے پاس وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم ﷺ لائے ہیں؟ حضرت جعفر نے کہا: ہاں۔ نجاشی نے آپ کو کہا: وہ مجھ پر پڑھو۔ تو انہوں نے کھپھص پڑھا تو وہ رونے لگا حتیٰ کہ آنسوؤں سے اس کی داڑھی تر ہو گئی۔ اس کے علماء بھی رونے لگے حتیٰ کہ ان کی داڑھیاں بھی تر ہو گئیں۔ جب انہوں نے وہ کلام سنا جو ان پر تلاوت کیا گیا تھا۔ نجاشی نے کہا: یہ وہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لیکر آئے تھے۔ یہ ایک مشکاة سے نکلے ہیں۔ نجاشی بادشاہ نے عمرو بن عاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ کو کہا: تم دونوں چلے جاؤ اللہ کی قسم! یہ لوگ میں کبھی بھی تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔ پھر مکمل خبر ذکر کی۔

کھپھص ﴿۱۰﴾ ذِکْرُ رَاحِمَتِ رَبِّکَ عَبْدَاۙ زَکَرِیَّا ﴿۱۱﴾ اِذۡ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا ﴿۱۲﴾
قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ وَ هُنَّ الْعِظَمُ مِنِّیۡ وَ اَشْتَعَلَ الرَّاسُ شَیْبًاۙ وَ لَمۡ اَکُنْ بِدُعَاۤیِکَ رَبِّ شَقِیًّا ﴿۱۳﴾ وَ اِنِّیۡ خِفْتُ الْمَوَالِیۡ مِنْ وَّ رَآءِیۡ وَ کَانَتِ اٰمْرًاۙ قٰتِیۡ عَاقِرًا فَهَبْ لِیۡ مِنْ لَدُنْکَ وَلِیًّا ﴿۱۴﴾ یَّرِثُنِیۡ وَ یَرِثُ مِنْ اِیۡ یَعْقُوْبَۙ وَ اجْعَلْہٗ رَبِّ رَاضِیًّا ﴿۱۵﴾ یٰۤاٰیُّ زَکَرِیَّا

إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي
يَكُونُ لِي عُلْمٌ وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذَلِكَ
قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَىٰ هَاتَيْنِ وَقَدْ خَلَقْتكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ
لِي آيَةً ۚ قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنَ
الْبَحْرَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۝ يٰحْيَىٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ ۚ
وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَكَاةً ۚ وَكَانَ تَقِيًّا ۝ وَبَرَّآبَوَالِدَيْهِ
وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝ وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝

”کاف، ہا، یا، عین، ص۔ یہ ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا پر فرمائی جب اس نے پکارا اپنے رب کو چپکے چپکے۔ عرض کی: اے میرے رب! میری حالت یہ ہے کہ کمزور و بوسیدہ ہو گئیں میری ہڈیاں اور بالکل سفید ہو گیا ہے (میرا) سر بڑھا پے کی وجہ سے اور اب تک ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تجھے پکارا ہو اے میرے رب! اور میں نامراد رہا ہوں۔ اور میں ڈرتا ہوں (اپنے دینی) رشتہ داروں سے (کہ وہ) میرے بعد (دین ضائع نہ کر دیں) اور میری بیوی بانجھ ہے پس بخش دے مجھے اپنے پاس سے ایک وارث۔ جو وارث بنے میرا اور وارث بنے یعقوب علیہ السلام کے خاندان کا اور بنا دے اسے اے رب! پسندیدہ (سیرت والا)۔ اے زکریا! ہم مژدہ دیتے ہیں تجھے ایک بچے (کی ولادت) کا اس کا نام یحییٰ ہوگا ہم نے نہیں بنایا اس کا کوئی ہم نام اس سے پہلے۔ زکریا نے عرض کی: میرے رب! کیسے ہو سکتا ہے میرے ہاں لڑکا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود پہنچ گیا ہوں بڑھا پے کی انتہا کو؟ فرمایا: یونہی ہوگا تیرے رب نے فرمایا ہے کہ اس کبر سنی میں بچہ دینا میرے لیے آسان بات ہے اور (دیکھو) میں نے تمہیں بھی تو پیدا کیا تھا اس سے پیشتر حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔ زکریا نے عرض کی: اے میرے رب! ٹھہراؤ میرے لیے کوئی علامت۔ جواب ملا تیری علامت یہ ہے کہ تو بات نہیں کر سکے گا لوگوں سے تین رات تک حالانکہ تو بالکل تندرست ہوگا۔ پھر آپ نکل کر آئے اپنی قوم کے پاس (اپنے) عبادت خانہ سے تو اشارہ سے انہیں سمجھایا کہ پاکی بیان کرو (اپنے رب کی) صبح و شام۔ اے یحییٰ! پکڑ تو کتاب کو مضبوطی سے اور ہم نے عطا فرمادی ان کو دانائی جبکہ وہ بچے تھے۔ نیز عطا فرمائی دل کی نرمی اپنی جناب سے اور نفس کی پاکیزگی اور وہ بڑے پرہیزگار تھے۔ اور وہ خدمت گزار تھے اپنے والدین کے اور وہ جابر اور سرکش نہ تھے۔ اور سلامتی ہو ان پر جس روز وہ پیدا ہوئے اور جس روز انتقال کریں گے اور جس روز انہیں اٹھایا جائے گا زندہ کر کے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَهَيْئَتِصَّ - حروف مقطعات پر کلام پہلے سورتوں کے آغاز میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس

نبیہما نے فرمایا: کاف۔ کافی سے، ہا۔ ہادی ہے، یا۔ حکیم سے اور عین۔ علیم سے اور صاد۔ صادق سے ہے؛ یہ ابن العزیز نے ذکر کیا ہے۔ قشیری نے حضرت ابن عباس نبیہما سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لیے کافی ہے اپنے بندوں کو ہدایت دینے والا ہے۔ اس کا ہاتھ سب کے ہاتھوں پر ہے (یعنی سب پر غالب ہے) ان کو جاننے والا ہے اپنے وعدہ میں سچا ہے۔ یہ قول ثعلبی نے کلبی، سدی، مجاہد اور ضحاک سے روایت کیا ہے۔ کلبی نے یہ بھی کہا ہے کہ الکاف، کریم، کبیر اور کافی سے۔ ہا، ہادی سے ہے۔ یارحیم سے ہے۔ عین علیم اور عظیم سے ہے۔ صاد صادق سے ہے۔ معنی ایک ہی ہے۔

حضرت ابن عباس نبیہما سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اس طرح دُعا مانگتے تھے: یا کَهِيعَصَّ اغْفِرْ لِي؛ یہ غزنوی نے ذکر کیا ہے۔ سدی نے کہا: یہ وہ اسم اعظم ہے جس کے ذریعے سوال کیا جائے تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور جب اس کے ذریعے دعا مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتا ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ قرآن کے اسماء میں سے اسم ہے؛ یہ عبدالرزاق نے معمر سے اور انہوں نے قتادہ سے روایت کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ سورت کا نام ہے۔ قشیری کا اختیار یہی ہے (1) کہ حروف مقطعات سورتوں کے نام ہیں اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ کَهِيعَصَّ پر کلام کا تمام ہے۔ گویا یہ سورت کے نام کے متعلق بتایا گیا ہے جیسے تو کہتا ہے: فلاں کتاب (طہارت) یا باب فلاں (وضو) پھر تو مقصد میں شروع ہوتا ہے۔ ابو جعفر نے ان حروف کو علیحدہ علیحدہ پڑھا ہے۔ اور باقی قراء نے وصل کیا ہے۔ ابو عمرو نے ہا میں امالہ کیا اور یاء کو فتح کے ساتھ پڑھا۔ ابن عامر اور حمزہ نے اس کے برعکس پڑھا ہے اور ان دونوں کو کسائی، ابو بکر اور خلف نے امالہ کیا ہے۔ اہل مدینہ، نافع وغیرہ نے ان دونوں کے درمیان پڑھا ہے اور باقی قراء نے دونوں کو فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ خارجہ سے مروی ہے کہ حسن کاف کو ضمہ دیتے تھے اور اس کے علاوہ سے حکایت ہے کہ انہوں نے ہا کو ضمہ دیا ہے۔ اسماعیل بن اسحاق نے حکایت کیا ہے کہ وہ یاء کو ضمہ دیتے تھے۔ ابو حاتم نے کہا: کاف کو ضمہ دینا اور ہا اور یاء کو ضمہ دینا جائز نہیں۔ نحاس نے کہا: اہل مدینہ کی قرأت سب سے بہتر ہے اور ہا اور یاء میں امالہ جائز ہے اور حسن کی قرأت جماعت قراء پر مشکل ہے حتیٰ کہ انہوں نے کہا: یہ جائز نہیں ہے، ان علماء میں سے ابو حاتم بھی ہیں اس کے بارے میں ہارون القاری نے بیان کیا ہے انہوں نے کہا: حسن رفع کو اٹھام کرتے تھے، اس کا معنی ہے وہ اشارہ کرتے تھے جیسا کہ سیبویہ نے حکایت کیا ہے کہ عربوں میں سے بعض کہتے ہیں: الصلوة والزكاة یومی الی الواو۔ یعنی الصلوة اور الزكاة کے لفظ واو کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور صاد کے جے سے دال کو نافع، ابن کثیر، عاصم، اور یعقوب نے ظاہر کیا ہے؛ یہی ابو عبیدہ کا اختیار ہے اور باقی قراء نے اسے ادغام کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدًا زَكِرْتًا ۝ اِذْ نَادَى رَبَّهُ نِدًا خَفِيًّا ۝ اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ ذِكْرٌ كَرِيمٌ ۝ اس میں تین اقوال ہیں۔ قراء نے کہا: یہ کَهِيعَصَّ کی وجہ سے مرفوع ہے۔ زجاج نے کہا: یہ محال ہے کیونکہ کَهِيعَصَّ اس میں سے نہیں ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ

نے ہمیں حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق خبر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضرت زکریا علیہ السلام اور انہیں جو بشارت دی اس کے متعلق خبر دی اور کَھَيِّعَصَّ ان کے قصہ سے نہیں ہے۔ انخس نے کہا: تقدیر عبارت اس طرح ہے فیما یقصد علیکم ذکر رحمة ربك۔ اور بعض علماء نے فرمایا: حسن نے ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ پڑھا ہے، یعنی هذا المتلوم من القرآن ذکر رحمة ربك۔ اور ذِکْرُ امر کا صیغہ پڑھا گیا ہے۔ اور رحمة لکھا جاتا ہے اور ہاء کے ساتھ اس پر وقف کیا جاتا ہے اسی طرح ہر اسم جو اس کی مثل ہوتا ہے اس کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے۔ اس میں نحو یوں کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس میں انہوں نے یہ علت بیان کی ہے کہ یہ ہا اسماء کی تانیث کے لیے ہے تاکہ ان کے اور افعال کے درمیان فرق ہو جائے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عَبْدَاۗءُ۔ انخس نے کہا: یہ رحمة کی وجہ سے منصوب ہے اور زکریا اس سے بدل ہے جیسے تو کہتا ہے: هذا ذکر ضرب زید عمراً ضرب کی وجہ سے منصوب ہے اسی طرح عبدا، رحمة کی وجہ سے منصوب ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ تقدیم و تاخیر پر ہے اس کا معنی ہے ذکر ربك عبدا زکریا، برحمة۔ پس عبدا، ذکر کی وجہ سے منصوب ہے، زجاج اور فراء نے یہ ذکر کیا ہے۔ بعض علماء نے عبدا زکریا رفع کے ساتھ پڑھا ہے یہ ابو العالیہ کی قرأت ہے۔ یحییٰ بن یعمر نے ذکر نصب کے ساتھ پڑھا ہے اس معنی پر کہ هذا القرآن ذکر رحمة عبدا زکریا۔ زکریا کے بارے میں قرأت اور لغات سورہ آل عمران میں گزر چکی ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْ نَادَى رَبَّهُ نِدَاۗءً خَفِيًّا ۝ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۗ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِلِينَ ۝ (الاعراف) یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ندا کا معنی دُعا اور رغبت ہے یعنی انہوں نے محراب میں اس کے ساتھ اپنے رب سے مناجات کی، اس کی دلیل یہ اشارہ ہے: فَتَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَاۗءٍ يُّصَلِّيٰ فِی الْمِحْرَابِ (آل عمران: 39) یہ ظاہر ہوا کہ ان کی نماز میں ہی دعا کی قبولیت ہوئی جیسا کہ انہوں نے نماز کے اندر دعا کی ان کی دعا کو مخفی کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: اپنی قوم سے اس دعا کو مخفی کیا تاکہ بڑھاپے میں بچے کے سوال پر انہیں ملامت نہ کی جائے۔ دوسرا یہ کہ یہ دنیوی امر تھا اگر اس کی دعا قبول کی گئی تو وہ اپنا مقصود پالیں گے اگر قبول نہ ہوگی تو اس کے متعلق کسی کو علم نہ ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس دعا میں خلوص کا مظاہرہ کر رہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مطلع نہ تھا۔ بعض علماء نے فرمایا: کیونکہ خفیہ اعمال افضل ہوتے ہیں اور ریاکاری سے پاک ہوتے ہیں اس لیے انہوں نے دعا کو مخفی کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: خفیہ۔ کا مطلب ہے رات کی تاریکی میں اپنی قوم سے چھپا کر دعا کی یہ تمام احتمال موجود ہیں لیکن پہلا قول اظہر ہے۔

سورہ اعراف میں گزر چکا ہے کہ دعا میں اخفا مستحب ہے اور یہ آیت اس میں نص ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی اس پر تعریف فرمائی ہے۔ اسماعیل نے روایت کیا ہے فرمایا ہمیں مسدود نے بتایا فرمایا ہمیں یحییٰ بن سعید نے بتایا انہوں نے اسامہ بن زید سے روایت کیا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا اور یہ ابن ابی کبشہ سے انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے (1) فرمایا: ان عبد الذکر الخفی و محید

الرزق مایکفی۔ بہتر ذکر خفی ہے اور بہتر رزق وہ ہے جو کفایت کرے۔ یہ عام ہے۔ یونس بن عبیدہ نے کہا: حضرت حسن کا نظریہ یہ ہے کہ امام دعائے اور مقتدی بغیر بلند آواز کے آمین کہیں اور یونس نے تلاوت کی: اِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدًا خَفِيًّا۔ ابن عربی نے کہا: امام مالک نے دعا آہستہ کی اور امام شافعی نے اس میں جبر کیا۔ اور دعائے جبر افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ جبراً دعا فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهْنٌ الْعَظْمُ مِثْنِیْ اِسْ مِیْنِ دُوَسْنِیْ هِیْنَ :

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهْنٌ۔ وَهْنٌ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کمزور ہونا۔ کہا جاتا ہے: وَهْنٌ یَّهِنُ وَهْنًا فَهُوَ وَهِنٌ۔ کمزور ہونا۔ ابو یزید نے کہا: وَهْنٌ یَّهِنُ اَوْ وَهْنٌ یَّوْهِنُ بھی کہا جاتا ہے۔ الْعَظْمُ کا ذکر کیا کیونکہ یہ بدن کا عمود ہے اس کے ساتھ جسم کا قوام ہے۔ یہ اس کی بنا (ڈھانچہ) کی اصل ہے جب ہڈیاں کمزور ہوتی ہیں تو جسم کی تمام قوتیں کمزور ہو جاتی ہے کیونکہ جسم میں ہڈی ہی سخت اور مضبوط ہوتی ہے جب ہڈیاں کمزور ہو جاتی ہیں تو دوسرا جسم بدرجہ اولیٰ کمزور ہو جاتا ہے۔ عظم واحد ذکر فرمایا کیونکہ واحد جنسیت کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے یہ قصد فرمایا کہ یہ وہ جنس ہے جو عمود اور قوام کا باعث ہے اور جسم جس سے مرکب ہوتا ہے اس میں سخت ترین یہ ہے اس کو بھی کمزوری لاحق ہو چکی ہے۔ اگر جمع ذکر کی جاتی تو دوسرے مفہوم کا ارادہ ہوتا اور وہ یہ ہے کہ اس سے بعض ہڈیاں کمزور نہیں ہوئیں لیکن اکثر کمزور ہوئی ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا۔ ابو عمرو نے سین کو شین میں ادغام کیا ہے۔ یہ عرب کلام میں خوبصورت ترین استعارہ ہے۔ الاشتعال کا معنی ہے آگ کی شعاع کا بکھرنا، اس کے ساتھ سر میں بڑھاپے کے پھیلنے کو تشبیہ دی گئی ہے، یعنی حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا: میں کمزور اور بوڑھا ہو چکا ہوں۔ اشتعال کو بالوں کے پیدا ہونے کی جگہ کی طرف منسوب کیا اور وہ سر ہے۔ اس (سر) کو مضاف نہیں کیا کیونکہ مخاطب کو علم ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا سر مراد ہے۔ شیباً اس کی نصب میں دو وجوہ ہیں۔ (1) یہ مصدر ہے کیونکہ اشتعال کا معنی ہے شاب۔ یہ انخفش کا قول ہے اور زجاج نے کہا: یہ تمیز کی بنا پر منصوب ہے۔ نحاس نے کہا: انخفش کا قول اولیٰ ہے کیونکہ وہ فعل سے مشتق ہے پس مصدر بنانا اولیٰ ہے۔ الشیب کا معنی ہے سفید اور سیاہ بالوں کا ملنا۔

مسئلہ نمبر 3۔ ہمارے علماء نے فرمایا: انسان کے لیے مستحب ہے کہ اپنی دعائے ان انعامات کو یاد کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر کیے ہیں اور ایسی چیزوں کا ذکر کرے جو خضوع کے مناسب ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهْنٌ الْعَظْمُ مِثْنِیْ خَضُوعٌ کا اظہار ہے اور وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَاۤیِكُمْ رَبِّ شَقِيًّا دعا قبول کرنے میں فضل کرنے کی عادات کا اظہار ہے یعنی تجھ سے دعائے مانگنے میں کبھی شقی نہیں ہوا، یعنی جب بھی میں نے تجھ سے دعا مانگی تو میں دعا میں محروم نہیں رہا، یعنی تو نے مجھے دعا کی قبولیت کا عادی بنا دیا ہے۔ کہا جاتا ہے: شقی بکنذا یعنی اس میں تھک گیا اور مقصود حاصل نہ ہوا۔ بعض علماء سے مروی ہے کہ محتاج نے اس سے سوال کیا اور کہا: میں وہ ہوں تو نے فلاں وقت میں اس سے احسان کیا تو اس نے کہا: خوش آمدید اسے جو ہمارے ذریعے ہم تک پہنچا اور پھر اس کی حاجت پوری کر دی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَاءِ الْمِيثَاقِ وَالَّذِينَ يَخِضُّونَ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَاءِ الْمِيثَاقِ وَالَّذِينَ يَخِضُّونَ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَاءِ الْمِيثَاقِ** اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ** حضرت عثمان بن عفان، محمد بن علی اور علی بن حسین اور یحییٰ بن یعمر رضی اللہ عنہم نے خفت خا کے فتح اور فا کی شد اور تا کے کسرہ کے ساتھ اور الموالی کو یا کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ خفت کی وجہ سے یہ محل رفع میں ہے۔ اس کا معنی ہے میرے رشتہ دار موت کے ساتھ ختم ہو گئے۔ اور باقی قراء نے خفت خا کے کسرہ، فا کے سکون اور تا کے ضمہ اور موالی کے یا کی نصب کے ساتھ پڑھا ہے، کیونکہ خفت کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ الموالی سے یہاں مراد قریبی رشتہ دار ہیں۔ اور چچا کے بیٹے اور وہ عصبات ہیں جو نسب میں ان سے ملتے تھے۔ عرب چچا کے بیٹوں کو بھی الموالی کہتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

مَهْلًا بَنِي عَيْنَنَا مَهْلًا مَوَالِينَا لَا تَنْبُشُوا بَيْنَنَا مَا كَانَ مَدْفُونًا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ نے کہا: حضرت زکریا علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ قریبی رشتہ دار وارث بنیں گے اور باپ اور بیٹے کے علاوہ وہ لوگ وارث بنیں گے۔ ایک جماعت نے کہا: آپ کے رشتہ دار دین کے لیے سستی کرنے والے تھے تو آپ کو اپنی موت سے دین کے ضیاع کا خوف ہوا، پس آپ نے ایسا ولی طلب کیا جو ان کے بعد دین کو قائم رکھے؛ یہ قول زجاج نے حکایت کیا ہے۔ اس قول کی بنا پر ہے کہ آپ نے مال کے وارث کا سوال نہیں کیا کیونکہ انبیاء میراث نہیں چھوڑتے۔ یہ قول آیت کی تاویل میں دونوں قول میں سے صحیح ہے، کیونکہ انہوں نے علم، نبوت کی وراثت کا ارادہ فرمایا تھا مال کی وراثت کا ارادہ نہیں فرمایا تھا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہم انبیاء کا گروہ میراث نہیں چھوڑتے جو ہم نے چھوڑا وہ صدقہ ہے“ (1)۔ ابو داؤد کی کتاب میں ہے ”علماء انبیاء کے وراثہ ہیں، انبیاء وینارود رہم کا وارث نہیں بناتے اور وہ علم کا وارث بناتے ہیں“ (2)۔ اس کی مزید وضاحت یرثنی کے قول کے تحت آئے گی۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ حدیث مسند تفسیر میں داخل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَوَيْثَ سُلَيْمَانَ دَاوُدَ (النمل: 16)** اور حضرت زکریا کے قول کو یوں تعبیر فرمایا: **فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا** یرثنی ویرث من آل یعقوب۔

اور اس میں عموم کی تخصیص ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام کے مال کے وارث نہ بنے تھے۔ اپنے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو خلیفہ بنایا تھا اور اس سے حکمت و علم کے وارث ہوئے تھے، اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام آل یعقوب سے وارث ہوئے تھے۔ رافضیوں کے علاوہ مفسرین نے اس قرآنی آیت کی تفسیر میں یہی کہا ہے مگر حسن بصری سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: یرثنی مال کا وارث بنے۔ ویرث من آل یعقوب نبوت و حکمت کا وارث بنے۔ ہر وہ قول جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مخالف ہو وہ مردود، مجبور ہے؛ یہ ابو عمر کا قول ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: مفسرین میں اکثر کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے مال کی وراثت کا ارادہ کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے قول: ”ہم انبیاء کا گروہ میراث نہیں چھوڑتے“ (1)۔ احتمال رکھتا ہے کہ آپ نے اس سے عموم مراد نہ لیا ہو بلکہ اس سے مراد غالب امر ہو۔ یہ مقام غور ہے۔ اظہر اور مناسب حضرت زکریا علیہ السلام کے لیے یہ ہے کہ انہوں نے وراثت علم اور دین مراد لی ہے۔ اس صورت میں وراثت، مستعارہ ہوگی کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا جب انہوں نے ولی طلب کیا ہے تو انہوں نے بچے کو خاص نہیں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی امنگ کو کامل طور پر پورا فرمایا۔ ابوصالح وغیرہ نے کہا: **مِنْ آلِ يَعْقُوبَ** سے مراد علم اور نبوت کی میراث ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مِنْ ذَرَاةِ آءِ مِیْ ابْنِ کَثِیْرٍ** اسے مد اور ہمزہ اور یا کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان سے مقصود اور یا کے فتح کے ساتھ پڑھنا بھی مروی ہے، جیسے عصائی اور باقی قراء نے ہمزہ، مد اور یا کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور قراء خفت کی قرأت پر ہیں جیسے نشتہ مگر جوہم نے عثمان سے ذکر کیا ہے یہ بہت شاذ قرأت ہے حتیٰ کہ بعض علماء نے فرمایا: وہ جائز ہی نہیں ہے۔ فرمایا: وہ کیسے یہ کہتے ہوں گے: **خَفَّتِ السَّوَالِیْ مِنْ بَعْدِی**؟ یعنی میرے وصال کے بعد، حالانکہ وہ زندہ تھے۔ نحاس نے کہا: اس کی تاویل ہو سکتی ہے کہ **مِنْ ذَرَاةِ آءِ مِی** سے مراد من بعد موتی نہ ہو لیکن من درائی فی ذالک الوقت ہو۔ یہ تاویل بھی بعید ہے اور دلیل کی محتاج ہے کہ وہ اس وقت کم تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کثرت کی خبر دی ہے جب انہوں نے کہا: **أَیُّهُمْ یُکْفَلُ مَرْیَمَ** (آل عمران: 44)

ابن عطیہ نے کہا: **مِنْ ذَرَاةِ آءِ مِی** کا مطلب ہے اس زمانہ میں میرے بعد (2) اور یہ بھی وراء ہے جیسا کہ سورہ الکہف میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَكَانَتْ أُمُّ آدَمَ عَاقِرًا** آپ کی بیوی ایشاع بنت فاقوذ ابن قبیل تھی۔ یہ حنہ بنت فاقوذ کی بہن تھی؛ یہ طبری کا قول ہے۔ حنہ یہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ہے جیسا کہ سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ قصبی نے کہا: حضرت زکریا کی بیوی ایشاع بنت عمران تھی۔ اس قول کی بنا پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کی خالہ کے بیٹے ہوں گے اور دوسرے قول کی بنا پر حضرت پر عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی خالہ کے بیٹے ہوں اور حدیث اسراء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **فَلَقِیْتُ ابْنِی الْخَالَةَ یَحْیٰی وَعِیْسٰی** میں خالہ کے بیٹوں یحییٰ اور عیسیٰ سے ملا۔ یہ قول پہلے قول کا شاہد ہے۔ واللہ اعلم۔

العاقرا اس عورت کو کہتے ہیں جو عمر کے زیادہ ہونے کی وجہ سے بچے جنم نہیں دیتی اس کا ذکر آل عمران میں ہو چکا ہے اور عورتوں میں عاقرا اس کو بھی کہتے ہیں جو عمر کے زیادہ ہونے کے باوجود بھی بچے جنم نہیں دیتی اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ عَقِيْرًا** (الشوریٰ: 50)

اسی طرح مردوں میں سے بھی العاقرا ہوتا ہے شاعر کا قول ہے:

لہنس الفتیٰ إن كنتُ أعودَ عاقراً جباناً فما عُدْرِی لَدَیْ کُلِّ مَحْضَرٍ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب العلم، جلد 2، صفحہ 57-58۔ ایضاً 3157۔ سنن ابن ماجہ، باب فضل العلماء والحث عن طلب العلم، حدیث نمبر 218

2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 5

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا** ⑤ یہ سوال اور دعا ہے بیٹے کے لیے، صراحۃً دعا نہیں کی کیونکہ انہیں اپنی حالت بھی معلوم تھی اور عورت کے بارے بھی علم تھا۔ قتادہ نے کہا: ان کے لیے یہ امر جاری ہوا جبکہ عمر ستر سال سے زائد تھی۔ مقاتل نے کہا: پچتر (75) سال تھی یہ زیادہ مناسب ہے۔ حضرت زکریا کا غالب گمان تھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے ان کا بچہ پیدا نہ ہوگا اسی وجہ سے کہا: **وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا**۔ ایک جماعت نے کہا: بلکہ انہوں نے بچہ طلب کیا (1) پھر اس بات کی قبولیت طلب کی کہ وہ زندہ رہے حتیٰ کہ وہ وارث بنے، اس بات سے حفاظت کے لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بچے کے بارے میں دعا قبول ہو لیکن پھر وہ ختم ہو جائے اور اس سے غرض پوری نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 6۔ علماء نے فرمایا: حضرت زکریا علیہ السلام نے بچے کے لیے دعا کی تاکہ ان کے دین کا غلبہ ہو اور ان کی نبوت کا احیا ہو اور ان کے اجر میں اضافہ ہو دنیا کی خاطر دعا نہیں کی تھی۔ رب کریم نے انہیں قبولیت کا عادی بنا دیا تھا اسی وجہ سے انہوں نے کہا: **لَمْ أَكُنْ بِدُعَاءِ رَبِّ شَقِيًّا**۔ یہ ایک اچھا وسیلہ ہے کہ انہوں نے اپنے اوپر نعمت کے وسیلہ سے سفارش طلب کی اور اس کے فضل کا، اس کے فضل کے وسیلہ سے سوال کیا۔

روایت ہے کہ حاتم طائی جو بہت سخی تھا اسے ایک شخص ملا اور اس نے اس سے سوال کیا۔ حاتم نے اسے کہا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں وہ ہوں جس پر تو نے پہلے سال احسان کیا تھا۔ حاتم نے کہا: خوش آمدید جس نے ہماری بارگاہ میں ہمیں ہی شفیع بنایا۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے بغیر اذن کے خارق للعادة امر کا کیسے سوال کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے انبیاء کے زمانوں میں جائز تھا اور قرآن حکیم میں اس مفہوم کی وضاحت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **كَلِمًا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْبِحْرَابِ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ لَيْسَ لِي لَكَ هَذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ** ⑤ (آل عمران)

جب خارق للعادة امر کو دیکھا تو دعا کی قبولیت میں ان کی امید مزید مستحکم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً** (آل عمران: 38)

مسئلہ نمبر 7۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ آیت بچے کے لیے دعا کرنے کے جواز پر دلالت کرتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اموال اور اولاد کی آفات سے ڈرایا ہے اور ان کے مفاسد پر تشبیہ کی ہے فرمایا: **إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ** (التغابن: 15) **إِنَّ مِنْ أَرْوَاحِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ** (التغابن: 14) اس کا جواب یہ ہے کہ بچے کے لیے دعا کرنا کتاب و سنت سے ثابت ہے جیسا کہ اس کا بیان سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ پھر حضرت زکریا علیہ السلام نے بری اولاد سے بچاؤ کیا۔ عرض کی: **ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً** (آل عمران: 38) اور کہا: **وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا**۔

جب بچہ ان صفات کا حامل ہو تو دنیا و آخرت میں والدین کے لیے نفع بخش ہوتا ہے اور وہ عداوت اور فتنہ کی حد سے نکل جاتا ہے اور مسرت و نعمت کا باعث ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم انس کے لیے دعا فرمائی: **اللَّهُمَّ أَكْثَرُ مَا لَه**

دولدا وبارک لہ فیما اعطیتہ۔ (1) اے اللہ! اس کے مال اور اولاد میں کثرت فرما اور جو تو اسے عطا فرمائے اس میں برکت دے۔ آپ ﷺ نے برکت کی دعا فرمائی تاکہ اس کثرت سے بچایا جائے جو ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے۔ اسی وجہ سے بندے کو اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں اپنی اولاد کی ہدایت اور دنیا و آخرت میں اس کی نجات کی دعا کرنی چاہیے تاکہ انبیاء علیہم السلام اور فضلاء و اولیاء کی اقتدا ہو جائے۔ اس کا بیان سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۚ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا** ○ اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَرِثُنِي** اہل حرمین، حسن، عاصم اور حمزہ نے یرثنی اور یرث دونوں کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ یحییٰ بن عمر، ابو عمر اور یحییٰ بن وثاب، اعمش اور کسائی نے دونوں کو جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں دھب کا جواب نہیں ہیں، جیسا کہ سیبویہ کا مذہب ہے۔ اس کی تقدیر اس طرح ہے: ان تہبہ یرثنہ ویرث۔ معنی کے اعتبار سے پہلا قول زیادہ درست ہے کیونکہ انہوں نے موصوف وارث طلب کیا تھا یعنی تو مجھے ایسا ولی عطا فرما جو اس حالت اور صفت پر ہو کیونکہ ان میں بعض اولیاء وارث نہیں ہوتے۔ فرمایا: **ہب لی الذی یکون وراثی**۔ یعنی مجھے عطا فرما جو میرے پیچھے رہنے والا ہو: یہ ابو عبیدہ کا قول ہے اور جزم کی قراءت کا رد کیا ہے۔ فرمایا: اس کا معنی ہے اگر تو مجھے عطا فرمائے تو تو اسے وارث بھی بناوہ کیسے اللہ تعالیٰ کو اس کے متعلق خبر دے رہا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق اس سے بہتر جانتا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ مشہور حجت ہے کیونکہ نحویوں کے نزدیک جو اب امر میں شرط اور جزا کا معنی ہوتا ہے تو کہتا ہے: **اطع اللہ یدخلک الجنة**۔ یعنی ان تطعه یدخلک الجنة۔ اگر تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا تو وہ تجھے جنت میں داخل کرے گا۔

مسئلہ نمبر 2۔ نحاس نے کہا: **يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ** کے معنی کے متعلق علماء کے تین جواب ہیں: بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد نبوت کی وراثت ہے۔ بعض نے فرمایا: حکمت کی وراثت ہے۔ بعض نے فرمایا: مال کی وراثت ہے۔ رہا ان کا قول کہ نبوت کی وراثت ہے یہ محال ہے کیونکہ نبوت میں میراث نہیں چلتی۔ اگر اس میں میراث ہوتی تو کہنے والا کہتا: لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں جبکہ وہ نبی مرسل ہے۔ اور علم و حکمت کی میراث کا قول عمدہ ہے۔ حدیث میں ہے: **العلماء ورثة الانبياء**۔ علماء، انبیاء کے وارث ہیں۔ اور رہا مال کی وراثت کا قول تو یہ بھی ممتنع نہیں اگرچہ ایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **لانورث ما ترکنا صدقة**۔ ہم میراث نہیں چھوڑتے جو ہم نے چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ اس میں کوئی حجت نہیں کیونکہ ایک اپنے متعلق جمع کی اخبار کے ساتھ خبر دے رہا ہے کبھی اس کی اس معنی کے ساتھ تاویل کی جاتی ہے۔ **لانورث الذی ترکنا صدقة**۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے کوئی ایسی چیز پیچھے نہیں چھوڑی جو آپ کی طرف سے بطور میراث ہوتی اور یہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی میں آپ کے لیے اس قول: **وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ رَبَّهُ حُمُسُهُ** وَلِلرَّسُولِ (الانفال: 41) سے مباح فرمایا تھا کیونکہ **لہ** کا مطلب ہے سبیل اللہ۔ اور سبیل اللہ میں سے وہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کی مصلحت میں تھا جب تک آپ ظاہری حیات میں تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بعض روایات میں ہے:

انا معاشر الانبیاء لانورث ماترکنا صدقہ۔ اس میں دو تاویلیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ ما بمعنی الذی ہے اور دوسرا یہ کہ جس کی یہ حالت ہو وہ میراث نہیں چھوڑتا۔ لانورث ماترکنا صدقہ کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے اور یہ اکثر علماء اور جمہور علماء کا قول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے میراث نہیں چھوڑی اور جو چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی میراث جاری نہیں ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ شان بخشی کہ آپ کا سارا مال صدقہ بنا دیا آپ کی فضیلت میں زیادتی کے لیے جیسا کہ نکاح میں، بعض چیز آپ کے لیے مباح کی گئی ہیں جبکہ وہ دوسرے لوگوں کے لیے حرام ہیں؛ یہ قول بعض اہل بصرہ کا ہے ان میں سے ایک ابن علیہ ہے اور باقی تمام علماء اسلام کا پہلا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مِنْ آلِ يَعْقُوبَ** بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد یعقوب اسرائیل ہے۔ حضرت زکریا کی شادی مریم بنت عمران کی بہن سے ہوئی تھی اور اس کا نسب حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف لوٹتا ہے کیونکہ وہ حضرت سلیمان بن داؤد کی اولاد سے تھی اور وہ یہود ابن یعقوب کی اولاد سے تھے۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام ہارون کی اولاد سے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے۔ حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ، لاوی بن یعقوب کی اولاد سے تھے۔ اور نبوت یعقوب بن اسحاق کی اولاد میں تھی۔ بعض علماء نے فرمایا: یہاں یعقوب سے مراد یعقوب بن ماتان ہے جو عمران بن ماتان کا بھائی تھا اور عمران حضرت مریم کا والد تھا۔ یہ دونوں حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی نسل سے دونوں بھائی تھے، کیونکہ یعقوب اور عمران، ماتان کے بیٹے تھے اور بنو ماتان بنی اسرائیل کے رؤسائے تھے؛ یہ مقاتل وغیرہ کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: آل یعقوب آپ کے ماموں تھے اور وہ یعقوب بن ماتان تھے اور ان میں بادشاہت تھی اور حضرت زکریا علیہ السلام حضرت ہارون بن عمران کی اولاد سے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے۔ قتادہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یرحم اللہ تعالیٰ زکریا ماکان علیہ من درثتہ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام پر رحم فرمایا اس وجہ سے جو ان پر ان کے ورثاء کی طرف سے تھا۔ یعقوب غیر منصرف ہے کیونکہ عجم ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا** یعنی جس کے اخلاق اور افعال میں پسندیدگی ہو۔ بعض نے فرمایا: جو تیری قضاء و قدرت پر راضی ہو۔ بعض نے فرمایا: جو ایسا نیک ہو جس سے تو خوش ہو۔ ابو صالح نے کہا: اسے ایسا نبی بنا جیسے تو نے اس کے باپ کو نبی بنایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يُؤْكَفِيَا** اس کلام میں حذف ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور پھر فرمایا: **يُؤْكَفِيَا** **إِنَّا نَبِّئُكَ بِعَلِيمٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ** یہ بشارت (1) تین چیزوں کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ (1) ایک دعا کی قبولیت اور یہ ایک کرامت و عزت ہے۔ (2) اسے بچہ عطا کرنا اور وہ قوت ہے۔ (3) اس نام کے ساتھ ان کا منفرد ہونا۔ سورہ آل عمران میں یحییٰ نام رکھنے کا معنی گزر چکا ہے۔ مقاتل نے کہا: ان کا نام یحییٰ رکھا کیونکہ وہ بوڑھے باپ اور بوڑھی ماں کے درمیان زندہ ہوئے۔ اس میں نظر ہے کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ ان کی بیوی بانجھ تھی بچے جنم نہیں دیتی تھی واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَوِيًّا ۝ ہم نے سبھی سے پہلے کسی کا یہ نام نہیں رکھا (1)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ ابن اسلم اور سدی کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرمایا کہ کسی کے والدین کو یہ نام رکھنے کی توفیق نہیں دی؛ یہ مجاہد وغیرہ کا قول ہے۔ سَوِيًّا اس کا معنی مثل اور نظیر ہے۔ یہ گویا المسا ماة اور السمو سے مشتق ہے۔ اس میں بعد ہے کیونکہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ پر انہیں فضیلت نہیں ہے مگر یہ کہ کسی خاص صفت میں فضیلت دی گئی ہو جیسے سرداری اور عورتوں سے اجتناب وغیرہ جیسا کہ سورہ آل عمران میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے بانجھ عورتوں نے اس کی مثل بچہ جنم نہیں دیا (2)۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قبل (پہلے) کی شرط لگائی کیونکہ ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سے افضل پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تھا اور وہ حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ اچھے ناموں کا اثر ہوتا ہے۔ عرب اچھے نام رکھنے کی کوشش کرتے تھے کیونکہ وہ عار اور شرم دلانے سے زیادہ پاک ہوتے ہیں حتیٰ کہ شاعر نے کہا:

سُنُّمُ الْأَسَامِي مُنْسِبِي أَزْرًا حُنْبُرُ تَسْشِ الْأَرْضِ بِالْهُدْبِ

رؤبہ نے نساہ بکری کو کہا جبکہ اس نے اس کا نسب پوچھا تھا: انا ابن العجاج میں ابن العجاج ہوں۔ تو اس نے کہا: قَصْرَتْ وَعَرَفْتِ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ رَبِّ آفِي يَكُونُ لِي عُلْمٌ۔ یہ انکار کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تعجب کی بنا پر ہے کہ وہ بانجھ عورت اور بوڑھے آدمی سے بچہ پیدا کرے گا۔ بعض علماء نے اس کے علاوہ بھی اقوال کہے ہیں جن کا بیان سورہ آل عمران میں ہو چکا ہے۔ وَقَدْ بَلَغَتْ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا۔ یعنی بڑھاپے، خشکی کی انتہاء کو پہنچ چکا ہوں ان کی مثل العسو ہے۔ اصمعی نے کہا: عسا الشون يعسو عسوا وعساء کا معنی ہے خشک ہونا اور سخت ہونا۔ وقد عسا الشيخ يعسو عسباً۔ اس کا معنی ہے پیٹھ پھیرنا حد سے بڑھنا جیسے عتا ہے۔ کہا جاتا ہے: عتا الشيخ يعتو عتياً وعتياً۔ اس کا معنی ہے وہ حد سے بڑھ گیا، پیٹھ پھیر گیا۔ عتوت یا فلان تعتو عتوا وعتياً۔ اس کی اصل عتو ہے کیونکہ یہ وادی ہے پھر وادو کو یاء سے بدلا گیا ہے کیونکہ وہ اس سے زیادہ خفیف ہے اور تمام آیات یاء پر ختم ہو رہی ہیں اور جنہوں نے عتیا کہا ہے انہوں نے کسرہ اور یاء کے ساتھ ضمہ کو ناپسند کیا ہے۔ شاعر نے کہا:

انما يُعْذَرُ الْوَلِيدُ وَلَا يُعْمِ ذُرٌّ مِّنْ كَانِ فِي الزَّمَانِ عِتِيًّا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عسباً پڑھا ہے۔ اسی طرح ابی کے مصحف میں ہے۔ یحییٰ بن وثاب، حمزہ، کسائی اور حفص نے عتیا عین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی طرح جشیا اور صلیبا ہیں۔ جہاں بھی آئے ہیں۔ حفص نے بکبیا، کو ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اسی طرح باقی قراء نے تمام میں ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: عتیا عسباً کے معنی میں ہے، کہا جاتا ہے: ملک عات جب بادشاہ سخت دل ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّئًا لِّعَنِ فَرِشْتَةٍ نَزَلَتْ بِرُوحِ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِقَوْلِ الْكَافِرِ كَذِبًا لِيَقُولَ لَوْلَا يُرْسِلُ إِلَيْنَا سَائِغًا مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً يُسْقِينَا ۚ وَكَذَلِكَ يَمُوجُ الْوَيْلُ لِمَن يَكْفُرُ ۚ

رفیع میں ہے یعنی الامر کذا لک، یعنی معاملہ ایسا ہی ہے جیسا تجھے کہا گیا ہے۔ هُوَ عَلَيَّ هَيِّئًا۔ فراء نے کہا: اس کا مطلب ہے مجھ پر اس کی تخلیق آسان ہے۔ وَقَدْ خَلَقْتِكَ مِنْ قَبْلُ یعنی یحییٰ سے پہلے میں نے تجھے پیدا کیا تھا؛ یہ اہل مدینہ، بصرہ اور عاصم کی قرأت ہے۔ تمام کوفیوں نے وقد خلقناک پڑھا ہے۔ ناصح تعظیم کے لیے ہے۔ پہلی قرأت کلام کے زیادہ مناسب ہے۔

وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۚ یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھے جس طرح عدم کے بعد پیدا کیا جبکہ تو موجود نہ تھا، وہ یحییٰ کی تخلیق اور ایجاد پر بھی قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ۚ ملائکہ کے بشارت دینے کے بعد اور وَقَدْ خَلَقْتِكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا کے قول کے بعد طمانیت میں زیادتی کے لیے نشانی طلب کی یعنی میرے لیے کوئی نشانی بنا کر نعمت کو مکمل کر۔ یہ نشانی نعمت و کرامت کی زیادتی ہوگی۔ بعض علماء نے فرمایا: آپ نے نشانی طلب کی جو اس بات پر دلالت کرے کہ بشارت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے شیطان کی طرف سے نہیں ہے کیونکہ ابلیس نے ان کو وہم میں ڈالا تھا؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ سدی کے قول کا بھی یہی معنی ہے۔ اس قول میں نظر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ملائکہ نے انہیں آواز دی جیسا کہ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

قَالَ اٰیٰتِكَ اَلَا تُكَلِّمُ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِيًّا ۙ اس کا بیان بھی آل عمران میں گزر چکا ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ یعنی اپنی عبادت گاہ سے ان کی طرف جھانکا ہے۔ محراب بلند جگہ اور معزز مجلس ہوتی ہے۔ لوگ عبادت گاہیں زمین سے اونچی بناتے تھے۔ اس کی دلیل حضرت داؤد علیہ السلام کی محراب ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ لوگوں کا اس کے اشتقاق میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے کہا: یہ الحرب سے مشتق ہے گویا اس میں ہمیشہ رہنے والا شیطان اور شہوات سے جنگ کرتا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: الحرب (راء کے فتح کے ساتھ) سے مشتق ہے گویا عبادت خانہ میں رہنے والا تھکن اور مشقت اٹھاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت دلیل ہے کہ امام کا مقتدیوں سے بلند ہونا ان کے نزدیک مشروع تھا۔ اس مسئلہ میں فقہاء الامصار کا اختلاف ہے۔ امام احمد بن حنبل وغیرہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور انہوں نے منبر والے واقعہ سے دلیل پکڑی ہے۔ امام مالک نے زیادہ اونچا ہونے سے منع کیا ہے، تھوڑا اونچا ہونے سے نہیں منع کیا۔ اور ان کے اصحاب نے منع کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ امام پر تکبر کا اندیشہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے اس میں بہتر وہ ہے جو ابوداؤد نے ہمام سے روایت کیا ہے (1) کہ حدیفہ نے مدائن میں لوگوں کی امامت دکان پر کرائی تو ابوسعود نے ان کی قمیص سے پکڑ کر انہیں کھینچا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ لوگوں کو اس طرح کرنے سے روکا گیا ہے؟ حدیفہ نے کہا: ہاں۔ مجھے اس وقت یاد آیا جب تو نے مجھے کھینچا۔ اور عدی بن ثابت انصاری سے روایت کیا ہے فرمایا: مجھے ایک شخص نے بیان کیا کہ وہ حضرت عمار بن یاسر کے ساتھ مدائن میں تھا۔ نماز کے لیے تکبیر کہی گئی تو عمار بن یاسر آگے بڑھے اور دکان پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے جبکہ لوگ نیچے

تھے۔ حضرت حذیفہ آگے بڑھے اور ان کے ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ حضرت عمار ان کے پیچھے پیچھے چلتے آئے حتیٰ کہ حضرت حذیفہ نے انہیں اتار لیا۔ جب عمار نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت حذیفہ نے انہیں کہا: کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہیں سنا: ”جب کوئی شخص قوم کی امامت کرائے تو ان کی جگہ سے بلند جگہ پر کھڑے نہ ہو (1)“ یا اسی جیسے کلمات فرمائے۔ حضرت عمار نے کہا: اسی وجہ سے میں تمہارے پیچھے پیچھے چلتا آیا جب تو نے میرے ہاتھوں کو پکڑا۔

میں کہتا ہوں: ان تینوں صحابہ نے بلند جگہ پر کھڑے ہونے کے بارے میں نبی کی خبر دی ہے۔ اور کسی نے حدیث منبر سے حجت نہیں پکڑی، تو یہ دلیل ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ اور اس کے نسخ پر دلیل یہ ہے کہ اس میں عمل زائد ہے اور وہ منبر سے اترنا اور چڑھنا ہے پس یہ منسوخ ہے۔ جس طرح نماز میں کلام اور سلام منسوخ ہیں۔ یہ اولیٰ ہے اس سے ہمارے اصحاب نے دلیل پیش کی ہے کہ نبی کریم ﷺ تکبر سے محفوظ تھے، نیز بہت سے آئمہ ایسے ہوتے ہیں جن میں کبر نہیں ہوتا۔ ان میں سے بعض نے یہ علت بیان کی ہے کہ منبر کی بلندی تھوڑی تھی۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَاذْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَنْ سَبَّحُوا بُكْرًا وَأَعَشِيًّا** ۝ کلبی، قتادہ اور ابن منبہ نے کہا: اس نے ان کی طرف اشارہ کیا ہے (2)۔ قتبی نے کہا: اس نے اشارہ کیا۔ مجاہد نے کہا: اس نے زمین پر لکھا۔ عکرمہ نے کہا: کتاب میں کئی کتب۔ کلام عرب میں وحی کا مطلب لکھنا ہے۔ اسی سے ذوالرمتہ کا قول ہے:

سوى الأربع الذمهم اللواتى كأنها بقیة وحی فی بطون الصحائف

عشرہ نے کہا ہے:

کو حی صحائف من عهد کسری فأهداها لأعجم طنبطی

ان دونوں اشعار میں وحی بمعنی کتابت استعمال ہوئی ہے۔

بُكْرًا وَأَعَشِيًّا دونوں ظرف ہیں۔ فراء نے کہا: العشی مؤنث ہے اور اس کی تذکیر جائز ہے جب تو اسے مبہم کرے۔ اس نے کہا: کبھی العشی، عشیة کی جمع ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ سورہ آل عمران میں اشارہ میں حکم گزر چکا ہے۔ ہمارے علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کوئی کہے: میں فلاں سے کلام نہیں کروں گا، پھر اس کی طرف تحریر لکھ دے یا کوئی پیغام رساں بھیج دے۔ امام مالک نے فرمایا: ایسا کرنے سے وہ حائث ہو جائے گا مگر یہ کہ اس نے بالمشافہ گفتگو کرنے کی نیت کی ہو۔ پھر رجوع کیا اور فرمایا: تحریر میں نیت نہ ہوگی اور وہ حائث ہو جائے گا مگر یہ کہ خط پہنچنے سے پہلے واپس لے لے۔ ابن القاسم نے کہا: جب وہ اس تحریر کو پڑھے گا تو حائث ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر قسم اٹھانے والا مخلوف علیہ (جس کے متعلق قسم اٹھائی گئی تھی) کی تحریر پڑھے تو بھی یہی حکم ہے۔ اشہب نے کہا: جب قسم اٹھانے والا اسے پڑھے گا تو حائث (قسم توڑنے والا) نہ ہوگا۔ یہ واضح ہے کیونکہ اس نے کلام

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، الامام یحییٰ بن یوسف نے کہا: من مکان ارض من مکان القوم، جلد 1، صفحہ 88

2۔ تفسیر طبری، ج 16، ص 64

نہیں کی اور نہ کلام سے ابتدا کی مگر یہ کہ اس نے یہ ارادہ کیا ہو کہ وہ اس کی کلام کا معنی نہیں جانے گا تو اس صورت میں حانث ہو جائے گا۔ ابن القاسم کا قول اس پر محمول ہوگا اگر قسم اٹھائے کہ وہ ضرور اس سے کلام کرے گا پھر تو وہ اپنی قسم کو پورا نہیں کر سکے گا حتیٰ کہ بالمشافہ گفتگو کرے۔ ابن الماجشون نے کہا: اگر یہ قسم اٹھائے کہ اگر اس نے جانا تو وہ اسے سکھائے گا یا اسے خبر دے گا پھر اس نے اسے لکھ کر بھیج دیا یا کوئی پیغام رسان بھیج دیا تو وہ قسم پوری کرنے والا ہوگا۔ اور اگر دونوں نے اسے سکھایا تو قسم پوری کرنے والا نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ اسے سکھائے کیونکہ ان دونوں کا علم مختلف ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ امام مالک، امام شافعی اور کوفیوں کا اتفاق ہے گونگا جب اپنے ہاتھ سے طلاق لکھے گا تو طلاق لازم ہو جائے گی۔ کوفیوں نے کہا: مگر کوئی شخص کئی دن بہرہ کیا گیا ہو پھر اس نے طلاق لکھی تو اس سے کوئی چیز جائز نہ ہوگی۔ طحاوی نے کہا: گونگا، عارضی بہرے پن کے مخالف ہے جیسا کہ مرض کی وجہ سے ایک دن جماع سے عارضی عاجز شخص کا حکم جماع سے ہمیشہ مایوس شخص کے حکم کے مخالف ہے، جیسا کہ جدائی میں عورت کے خیار کے باب میں مجنون کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَجِيئُ خُنَا الْكِتَبِ بِقُوَّةٍ** اس کلام میں حذف ہے معنی یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کا بچہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مولود (یحییٰ) کو کہا: **يَجِيئُ خُنَا الْكِتَبِ بِقُوَّةٍ**۔ یہ اختصار ہے جس پر کلام دلالت کر رہی ہے۔ **الْكِتَابِ** سے مراد تورات ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ **بِقُوَّةٍ** سے مراد کوشش اور اجتہاد ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے (1)۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے اس کا علم حاصل کرنا، اس کو یاد کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ اور یہ عمل کرنا ہے اس کے اوامر کا التزام ہے اور نواہی سے رکنا ہے؛ یہ زید بن اسلم کا قول ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا** بعض علماء نے فرمایا: **الْحُكْمَ** سے مراد احکام اور ان کی معرفت ہے۔ معمر نے روایت کیا ہے کہ بچوں نے یحییٰ سے کہا: ہمارے ساتھ چلو ہم کھیلیں گے۔ انہوں نے کہا: میں کھیل کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نازل فرمایا: **وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا**۔ قتادہ نے کہا: آپ اس وقت دو یا تین سال کے تھے۔ مقاتل نے کہا: آپ تین سال کے تھے۔ صبیٹا پر نصب حال کی بنا پر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس نے بالغ ہونے سے پہلے قرآن پڑھا وہ وہ ہے جسے بچپن میں حکم عطا کیا گیا (2)۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عمر کے طریق سے نبی کریم ﷺ سے مروی ہے فرمایا: ”قیامت کے روز آدم علیہ السلام کا ہر بیٹا آئے گا اور اس پر گناہ ہوگا سوائے یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے“۔ قتادہ نے کہا: حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کبھی اللہ تعالیٰ کی کوئی چھوٹی اور بڑی نافرمانی نہیں کی (3)۔ اور نہ آپ کو کسی عورت کا خیال آیا۔ مجاہد نے کہا: حضرت یحییٰ علیہ السلام کا کھانا، گھاس تھا۔ اس کے رخساروں پر آنسوؤں کے لیے گزر گاہیں بنی ہوئی تھیں۔ وسیدا و حصوراً، کا معنی سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَخَانَا قَوْمِنَا، خَانَا،** کا عطف **الْحُكْمَ** پر ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ **الْحَنَّانُ** کیا ہے (4)۔ جمہور مفسرین نے کہا: **الْحَنَّانُ** کا مطلب شفقت، الرحمة اور

2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 7

1۔ تفسیر طبری، ج 16-15، صفحہ 65

4۔ تفسیر طبری، ج 16-15، صفحہ 67

3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 8

المحبة ہے اور یہ نفس کے افعال میں سے ایک فعل ہے۔ نحاس نے کہا: الحنان کے معنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دو قول مروی ہیں (۱) فرمایا: اللہ تعالیٰ کا رحمت کے ساتھ ان پر مہربانی فرمانا (۲) اور دوسرا قول یہ ہے کہ جو اس نے لوگوں پر رحمت فرمائی حتیٰ کہ انہیں کفر و شرک سے نکالا (۱)۔ اس کی اصل حنین الناقة علی ولدہا یعنی اونٹنی کا اپنے بچے پر انتہائی مہربان ہونا، کہا جاتا ہے: حنانک وحنانیک بعض علماء نے فرمایا: یہ دونوں لغتیں ہیں اور معنی ایک ہے۔ بعض نے فرمایا: حنانیک، الحنان کا تشبیہ ہے ابو عبیدہ نے کہا: عرب کہتے ہیں: حنانک یارب وحنانیک یارب، دونوں کا معنی ایک ہے، مراد رحمت ہے۔ امرء القیس نے کہا:

وَيَنْحَهَا بَنُو شَيْخِي بِنِ جَزْمٍ مَعِيَزَ هُنَّ حَنَانِكَ ذَا الْحَنَانِ

اور طرفہ نے کہا:

أَبَا مُنْذِرٍ أَفْنَيْتَ فَاسْتَبَقِ بَعْضَنَا حَنَانِيكَ بَعْضَ الشَّيْءِ أَهْوَنُ مِنْ بَعْضِ

زمخشری نے کہا: حنانا، اپنے والدین وغیرہما کے لیے رحمت و مہربانی اور شفقت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ سیبویہ نے یہ شعر کہا:

فَقَالَتْ حَنَانٌ مَا أَتَى بِكَ هُنَا أَذُو نَسَبٍ أَمْ أَنْتَ بِالْحَيِّ عَارِفٌ

ابن الاعرابی نے کہا: الحنان، اللہ تعالیٰ کی صفت ہے نون مشدود کے ساتھ ہو تو اس کا معنی الرحیم ہے اور نون مخفف ہو تو اس کا معنی مہربانی کرنا اور رحمت ہے۔ الحنان کا معنی رزق اور برکت بھی ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: عرب کلام میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں بڑے امر کو بھی کہتے ہیں اسی سے زید بن عمرو بن نفیل کا قول حدیث بلال میں ہے: اللہ کی قسم! اگر تم اس غلام کو قتل کر دو گے تو میں اس پر رحم کروں گا۔ اس خبر کو ہروی نے ذکر کیا ہے انہوں نے کہا: حدیث بلال میں ہے ورقۃ بن نوفل حضرت بلال کے پاس سے گزرے جبکہ انہیں عذاب دیا جا رہا تھا تو ورقۃ نے کہا: واللہ لئن قتلتهم لأتخذنہ حناناً۔ ہروی نے کہا: اس کا معنی ہے میں اس پر مہربانی کروں گا اور اس پر رحم کروں گا کیونکہ یہ اہل جنت سے ہے۔

میں کہتا ہوں: الحنان کا معنی العطف ہے۔ اسی طرح مجاہد نے کہا: اور حناناً ہمارا اس کی طرف مائل ہونا یا اس کا مخلوق کی طرف کرم فرمانا ہے۔ حطیب نے کہا:

تَحَنُّنٌ عَلَىٰ هَذَاكَ الْمَلِيكَ فَمَا لِكِ مَقَامٍ مَقَالًا

عکرم نے کہا: اس کا معنی محبت ہے۔ حنة الرجل امرأته، کہا جاتا ہے، دونوں کی آپس میں محبت کی وجہ سے۔ شاعر نے کہا:

فَقَالَتْ حَنَانٌ مَا أَتَى بِكَ هُنَا أَذُو نَسَبٍ أَمْ أَنْتَ بِالْحَيِّ عَارِفٌ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَذَكْوًا، الزکا کا معنی تطہیر، برکت اور خیر اور نیکی میں زیادتی کرنا ہے، یعنی ہم نے اسے لوگوں کے لیے برکت والا بنا دیا ہے، وہ لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم نے اس کی تعریف کے ساتھ اس کا تذکیہ کیا ہے، جس طرح گواہ کسی انسان کا تذکیہ کرتے ہیں۔ پس بعض علماء نے فرمایا: ذکوا کا مطلب ہے اس

کے والدین پر اس کو صدقہ کیا؛ یہ ابن قتیبہ کا قول ہے۔ وَكَانَ تَقِيًّا یعنی وہ اللہ تعالیٰ کا اطاعت کرنے والا ہے۔ اس وجہ سے انہوں نے کوئی خطا کی اور نہ کبھی انہیں ایسا خیال آیا۔ اللہ کا ارشاد ہے: وَبَرَّ آبَاؤَ الدِّيْنِ، البر بمعنی بہار ہے۔ نیکی کو فروغ دینے والا۔ جَبَّارًا، متکبر۔ یہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی نرمی اور تواضع کے اوصاف ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَسَلِّمْ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ طَبْرِي وغيرہ نے کہا (1): اس کا معنی ہے امان۔ ابن عطیہ نے کہا: میرے نزدیک اظہر یہ ہے کہ یہ متعارف سلام ہے (2)۔ یہ امان سے زیادہ اشرف و معزز مقام ہے کیونکہ امان کو ان کے لیے ان سے عصیان کی نفی سے بھی حاصل ہوتی ہے اور یہ کم درجہ ہے اور اشرف اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر سلام بھیجا اور اسے ایسے موقع پر زندہ رکھا جہاں انسان حد درجہ ضعیف و کمزور اور حاجت میں ہوتا ہے اور حیلہ کم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قوت کی طرف محتاج ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ عمدہ قول ہے ہم نے اس کا معنی سورہ سبحان میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے بیان میں سفیان بن عیینہ سے ذکر کیا ہے۔ طبری نے حسن سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام آپس میں ملے وہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت یحییٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا: آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا کریں آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا: آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں آپ مجھ سے بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر سلام بھیجا ہے اور میں نے اپنے اوپر خود سلام بھیجا ہے۔ بعض علماء نے سلام کرنے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کا مسئلہ نکالا ہے فرمایا: انہوں نے اپنے اوپر سلام کرنے میں اور اللہ کی بارگاہ میں اپنی قدر و منزلت میں راہنمائی کی ہے، جو منزلت ثابت ہے جب اللہ تعالیٰ نے اس کو ثابت کیا۔ اور قرآن حکیم میں سلام کیے جانے سے زیادہ بلند مرتبہ حکایت کیا گیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: ہر ایک کی ایک وجہ ہے (3)۔

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَدَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرِيًّا ۖ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا ۗ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۗ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۗ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۗ قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ۗ قَالَ كَذَلِكَ ۗ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَىٰ هَدًى ۗ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا ۗ وَكَانَ امْرَأَتًا مَقْضِيًّا ۗ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَدَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۗ فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ ۗ قَالَتْ يَلَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا مَنْسِيًّا ۗ فَأَدْبَاهَا مِنْ تَحْتِهَا إِلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۗ وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسْقِطُ عَلَيْكَ رَطْبًا

جَنِيًّا ۝ فَكَلِمٌ وَّاشْرَبِي وَ قَرِي عَيْنًا فَاِمَاتَرِيْنَ مِّنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقَوْلِي اِنِّي
نَذَرْتُ لِمَا حٰمِن صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝

”اور (اے حبیب!) بیان کیجئے کتاب میں مریم (کا حال) جب وہ الگ ہو گئی اپنے گھر والوں سے ایک مکان میں جو مشرق کی جانب تھا۔ پس بنا لیا اس نے لوگوں کی طرف سے ایک پردہ پھر ہم نے بھیجا اس کی طرف اپنے جبرائیل کو پس وہ ظاہر ہوا اس کے سامنے ایک تندرست انسان کی صورت میں۔ مریم بولیں: میں پناہ مانگتی ہوں رحمن کی تجھ سے اگر تو پرہیزگار ہے۔ جبرائیل نے کہا: میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ میں عطا کروں تجھے ایک پاکیزہ فرزند۔ مریم (حیرت سے) بولیں (اے بندہ خدا) کیونکر ہو سکتا ہے میرے ہاں بچہ حالانکہ نہیں چھوا مجھے کسی بشر نے اور نہ میں بد چلن ہوں۔ جبرائیل نے کہا: یہ درست ہے (لیکن) تیرے رب نے فرمایا: یوں بچہ دینا میرے لیے معمولی بات ہے اور (مقصد یہ ہے کہ) ہم بنا لیں اسے اپنی (قدرت کی) نشانی لوگوں کے لیے اور سراپا رحمت اپنی طرف سے اور یہ ایسی بات ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ پس وہ حاملہ ہو گئیں اس (بچہ) سے پھر وہ گئیں اسے (شکم میں) لیے کسی دور جگہ۔ پس لے آیا انہیں دروازہ ایک کھجور کے تنے کے پاس (بصد حسرت ویاس) کہنے لگیں: کاش! میں مر گئی ہوتی اس سے پہلے اور بالکل فراموش کر دی گئی ہوتی۔ پس پکارا اسے ایک فرشتہ نے اس کے نیچے سے: (اے مریم!) غمزہ نہ ہو جاری کر دی ہے تیرے رب نے تیرے نیچے ایک ندی۔ اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کے تنے کو گرنے لگیں گی تم پر پکی ہوئی کھجوریں (بیٹھے بیٹھے خرے) کھاؤ اور (ٹھنڈا پانی) ہو اور (اپنے فرزند دل بند کو دیکھ کر) آنکھیں ٹھنڈی کرو پھر اگر تم دیکھو کسی آدمی کو تو (اشارہ سے اسے) کہو کہ میں نے نذر مانی ہوئی ہے رحمن کے لیے (خاموشی کی) روزہ کی پس میں آج کسی انسان سے گفتگو نہیں کروں گی۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ اِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ** یہ قصہ کی ابتدا ہے اس کا پہلے واقعہ سے تعلق نہیں اور خطاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، یعنی دور ہو گئی۔ النہن کا معنی پھینکنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ** (آل عمران: 187) **مِنْ اٰهْلِهَا**، یعنی ان سے جو آپ کے ساتھ تھے۔ اذ، مریم سے بدل اشتمال ہے کیونکہ اوقات اس پر مشتمل ہوتے ہیں جو ان میں ہوتا ہے۔ الانتہا کا معنی جدا ہونا اور علیحدہ ہونا ہے۔ علماء کا اختلاف ہے کہ حضرت مریم کیوں جدا ہوئیں؟ سدی نے کہا: وہ علیحدہ ہوئیں تاکہ حیض اور نفاس سے پاک ہو جائیں۔ دوسرے علماء نے کہا: تاکہ اللہ کی عبادت کریں۔ یہ قول عمدہ ہے۔ حضرت مریم عبادت خانہ کی خدمت اور اس میں عبادت کرنے پر وقف تھیں اسی لیے وہ لوگوں سے جدا ہوئیں اور مشرقی جانب محراب میں داخل ہوئیں تاکہ خلوت میں عبادت کریں تو ان کے پاس جبرائیل آئے۔ **مَكَانًا شَرْقِيًّا**، مشرقی جانب کی جگہ۔ الشارق راء کے سکون کے ساتھ اس مکان کو کہتے ہیں جس میں سورج کی دھوپ پڑتی ہے۔ الشارق راء کے فتح کے ساتھ ہوتا اس سے مراد سورج ہوتا ہے۔ مشرقی مکان کو خاص کیا گیا ہے کیونکہ وہ مشرقی جہت کی تعظیم کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ انوار طلوع ہوتے تھے۔ اور جہات شرقیہ ہر چیز سے افضل تھیں؛ یہ طبری نے حکایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

حکایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں (1) کہ نصاریٰ نے مشرق کو کیوں قبلہ بنایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِذِ انْتَبَدَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ پس انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی جگہ کی جہت کو قبلہ بنا لیا وہ کہتے تھے: اگر زمین کی کوئی جہت مشرق سے بہتر ہوتی تو حضرت مریم علیہا السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس جہت میں جنم دیتیں۔

علماء کا حضرت مریم کی نبوت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: اس ارسال اور فرشتے سے گفتگو کی وجہ سے نبیہ تھیں۔ بعض نے فرمایا: نبیہ نہیں تھیں انسان کی مثال نے ان سے کلام کیا تھا اور ان کا فرشتے کو دیکھنا ایسے ہی تھا جیسے جبرئیل کو دیکھنے کی صفت میں دیکھا گیا تھا جب انہوں نے ایمان اور اسلام کے بارے میں سوال کیا تھا۔ پہلا قول اظہر ہے اس مفہوم پر کلام سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَأَنْزَلْنَاهَا مِنْهَا نَزْلًا آخَرًا، بعض علماء نے فرمایا: وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رُوحوں کو اجساد سے پہلے پیدا فرمایا تھا اور حضرت عیسیٰ کا جسم جو حضرت مریم کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا تھا اس میں روح پھونکی۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ روح کو اللہ کی طرف تخصیص اور کرامت کے لیے مضاف کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے یہ جبرئیل علیہ السلام تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَشَكَّلَ لَهَا، یعنی فرشتہ مریم کے لیے انسانی شکل میں آیا۔ بَشَرًا، تفسیر یا حال ہے۔ سَوِيًّا، متواز اخلاقت والا، چونکہ حضرت مریم، جبرئیل کو اصلی شکل میں دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتی تھیں۔ اس لیے انسانی شکل میں آئے۔ جب حضرت مریم نے انسانی شکل میں ایک خوبصورت انسان دیکھا جس نے آپ پر قائم پردہ کو ہٹایا (اور اندر آ گیا) تھا تو آپ نے خیال کیا کہ یہ کوئی برائی کا ارادہ رکھتا ہے۔ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ یعنی میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو ان لوگوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ بکالی نے کہا: جبرئیل امین رحمن کے ذکر سے گھبرا کر پیچھے ہٹے۔ ثعلبی نے کہا: وہ نیک شخص تھا تو حضرت مریم نے تعجب کی بنا پر پناہ مانگی۔ بعض نے فرمایا: تقی فعل بمعنی مفعول ہے، یعنی تو ان لوگوں سے ہے جن سے بچاتا ہے۔ بخاری میں ہے ابو وائل نے کہا: مریم علیہا السلام جانتی تھیں کہ متقی عظمند ہوتا ہے جب انہوں نے کہا: إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا، بعض نے فرمایا: تقی اس وقت میں معروف فاجر شخص کا نام ہے؛ یہ وہب بن منبہ کا قول ہے، مکی وغیرہ نے اس حکایت کیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ قول ضعیف ہے اندازہ سے قول کیا گیا ہے (2)۔ جبرئیل نے حضرت مریم سے کہا: إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ۝ عطا کرنے کی نسبت جبرئیل نے اپنی طرف کی کیونکہ اس عطیہ کی آگاہی جبرئیل کی طرف سے تھی۔ ورس نے نافع سے روایت کر کے لیہب لک پڑھا ہے۔ اس مفہوم پر کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے تاکہ وہ تجھے عطا کرے۔ بعض علماء نے فرمایا: لاهب اپنے معنی پر معمول ہے یعنی فرمایا میں نے اسے بھیجا تاکہ میں تجھے عطا کروں۔ اور اھب بغیر ہمزہ کے ہو تو احتمال رکھتا ہے کہ یہ بمعنی مہوز ہو پھر ہمزہ میں تخفیف کی گئی ہو جب حضرت مریم نے اس کے قول سے یہ سنا تو استفہام کے طریق پر کہا: قَالَتْ أَلَمْ يَكُنْ لِيَ رَحِيمًا ۝

يَكُونُ بِيْ عِلْمٍ وَّلَمْ يَنْسِفِ بَشَرًا يَعْنِي مَجْهُدًا كَمَا نَكَحَ نَهِيْسَ هُوَ، وَّلَمْ أَلِكْ بَغِيًّا ۝ میں زانیہ نہیں ہوں۔ یہ آپ نے بطور تاکید ذکر کیا کیونکہ، لَمْ يَنْسِفِ بَشَرًا کا قول حلال اور حرام کو شامل ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت مریم نے اللہ کی قدرت سے کسی چیز کو بعید نہیں سمجھا لیکن انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ بچہ کیسے پیدا کیا؟ یہ مستقبل میں خاوند کی طرف سے پیدا ہوگا یا اللہ تعالیٰ ابتداً اسے پیدا فرمائے گا؟ روایت ہے کہ جبریل نے جب حضرت مریم سے یہ بات کی تو آپ نے آپ کی قمیص کے گریبان میں اور آستین میں پھونک مار دی؛ یہ ابن جریج کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جبریل نے قمیص کی کشادہ جگہ کو اپنی انگلیوں سے پکڑا اور اس میں پھونک مار دی۔ پس حضرت مریم اسی وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حاملہ ہو گئیں۔ طبری نے کہا: نصاریٰ نے کہا: حضرت مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حاملہ ہوئیں تو ان کی عمر تیرہ سال تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھائے جانے تک تیس سال اور کچھ دن باقی رہے اور حضرت مریم ان کے اٹھائے جانے کے بعد چھ سال باقی رہیں۔ حضرت مریم کی کل عمر پچاس سال سے کچھ زائد تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لِنَجْعَلَنَّ يَه مَحْدُوفٍ كَيْ تَمُوتَ بِهٖ نَخْلَةً لِّنَجْعَلَهٗ، ہم اسے تخلیق کریں گے تاکہ اسے اپنی عجیب قدرت کی نشانی بنا دیں۔ مَرْحَمَةً وَّرَاحَةً اور اس کے لیے رحمت بنا دیں جو ان پر ایمان لائے۔ وَ كَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ لوح محفوظ میں یہ مقدار اور مسطور ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَانْتَبَهَتْ بِهٖ مَكَانًا قَهِيًّا ۝، یعنی وہ حمل کے ساتھ دور کے مکان میں جدا ہو گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وادی کے دور کنارے پر یہ بیت لحم کی وادی ہے (1)۔ اس کے اور ایلیاء کے درمیان چار میل کا فاصلہ ہے وہ اس لیے دور چلی گئی تھیں کہ قوم انہیں عار دلانے لگی کہ بغیر خاوند کے بچہ جنم دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ کوئی لمبا عرصہ نہیں ہوا تھا پس وہ حاملہ ہوئی تھیں اور اسی وقت جنم دیا تھا، یہ ظاہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حمل کے بعد پھینکنے کا ذکر کیا ہے۔ بعض نے اس کے علاوہ قول کیا ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جُذُعِ النَّخْلَةِ، اجاءہا کا معنی ہے اس نے اسے مجبور کر لیا (2)۔ جاء کو ہمزہ کے ساتھ متعدی بنایا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے: جاء به وأجاءہ إلى موضع كذا، جیسے کہا جاتا ہے: ذهب به وأذهبہ، شبیل، اور رویت نے عاصم سے فَاجَاءَهَا مَفَاجَاتٍ مِّنْ مَّشْرِقِهَا كَمَا نَكَحَ نَهِيْسَ هُوَ، زہیر نے کہا:

وَجَارٍ سَارٍ مَعْتَمِدًا إِلَيْنَا أَجَاءَتْهُ الْمَخَافَةُ وَالرَّجَاءُ

جمہور علماء نے الْمَخَاضُ مِمَّ كَيْ تَمُوتَ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن کثیر سے مروی ہے کہ انہوں نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ الْمَخَاضُ سے مراد دروزہ ہے۔ فَخَضَتِ السَّرَاةَ تَمَخُّضًا مَخَاضًا وَمَخَاضًا۔ ناقة ماخص، ایسی اونٹنی جس کے بچے کی پیدائش قریب ہو۔ إِلَىٰ جُذُعِ النَّخْلَةِ، گویا اس نے ایسی چیز طلب کی جس کے ساتھ سہارا لے اور اس سے متعلق ہو جیسے حاملہ عورت درد کی شدت کی وجہ سے کسی چیز کو پکڑتی ہے۔ الجذع، کھجور کے خشک تنا کو کہتے ہیں جو صحرا میں ہو اور اس پر پتے نہ ہوں اور نہ ٹہنی ہو اسی وجہ سے الی النخلة نہیں فرمایا۔ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا حضرت مریم نے دین کی جہت سے دو

وجوہ کی بنا پر موت کی تمنا کی۔ ۱۔ انہیں خوف ہوا کہ اس کے متعلق ان کے دین میں شر کا گمان کیا جائے گا اور عار دلائی جائے گی اور یہ چیز اسے فتنہ میں ڈال دے گی۔ ۲۔ تاکہ قوم ان کے سبب بہتان اور زنا کی طرف نسبت کرنے میں مبتلا نہ ہو کیونکہ یہ چیز مہلک ہے اس حد پر موت کی تمنا جائز ہے۔ یہ معنی سورہ یوسف میں گزر چکا ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے سنا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام نے ایک شخص کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا نکل جا اے وہ جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہے تو آپ اس وجہ سے پریشان ہوئیں۔ قَالَتْ يَلَيْتَنِي مَثُ قَبْلَ هَذَا وَ كُنْتُ نَسِيًا مَّنْسِيًا ۝ کلام عرب میں النسوی کا معنی وہ حقیر شی ہے جس کی شان یہ ہو کہ وہ بھلائی جائے اور اس کے گم ہونے سے پریشانی نہ ہو جیسے کیل اور رسی جو مسافر کے پاس ہوتے ہیں۔ یہ عربوں سے حکایت ہے کہ وہ جب ایک منزل سے کوچ کرنے کا ارادہ کرتے تھے تو کہتے تھے: احفظوا أنساءکم۔ النساء، نسوی کی جمع ہے اس سے مراد وہ حقیر چیز ہے جس سے غفلت کی جائے اور بھلائی جائے۔ اسی سے کیت کا قول ہے:

أَتَجْعَلُنَا جِنْمًا لِّكَلْبٍ قُضَاعَةٌ وَ لَسْتُ بِنِسْوِي فِي مَعَدٍ وَلَا دَخَلُ

فراء نے کہا: النسوی سے مراد وہ چیتھڑے ہیں جو عورت حیض کے خون سے ملوث کر کے پھینک دیتی ہے۔ نسیاتون کے فتہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے الحَجْر اور الحجر، الوْتْر اور الوْتْر، محمد بن کعب قرطبی نے ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نَسَاء، اور نون کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نَوْف بکائی نے نَسَاء نون کے فتہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ انہوں نے نساء اللہ تعالیٰ فی أجلہ سے مشتق کیا ہے جس کا معنی ہے اللہ نے اس کی عمر میں تاخیر فرمائی۔ یہ ابوالفتح اور دانی نے محمد بن کعب سے حکایت کیا ہے۔ بکر بن حبیب نے نساء، سین کی شد اور نون کے فتہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے۔ طبری نے حضرت مریم کے قصص میں حکایت کیا ہے کہ جب حضرت مریم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حاملہ ہوئیں تو ان کی بہن حضرت یحییٰ کے ساتھ حاملہ ہوئیں۔ حضرت یحییٰ کی والدہ ان کی زیارت کے لیے آئی تو حضرت مریم نے اسے کہا: کیا تجھے معلوم ہے کہ میں حاملہ ہو گئی ہوں۔ آپ کی بہن نے کہا: میں محسوس کرتی ہوں کہ جو میرے پیٹ میں ہے وہ اسے سجدہ کر رہا ہے جو تمہارے پیٹ میں ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ روایت ہے کہ اس نے اپنے جنین (پیٹ کا بچہ) کو محسوس کیا کہ وہ حضرت مریم کے بطن کی طرف اپنا سر جھکا رہا ہے۔ سدی نے کہا: اس ارشاد سے یہی مراد ہے۔ مُصَدِّقًا بِكَلِمَاتِهِ مِنَ اللَّهِ وَ سَيِّدًا وَ حَصُورًا وَ نَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ (آل عمران) ان کے قصص میں طبری نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت مریم بنی اسرائیل کے ایک شخص کے ساتھ بھاگ گئی تھیں اسے یوسف نجار کہا جاتا تھا وہ بھی حضرت مریم کے ساتھ مسجد کی خدمت کرتا تھا (1)۔ انہوں نے اس میں بڑی طویل گفتگو کی ہے۔ کلبی نے کہا: یوسف کو کہا گیا کہ مریم زنا کی وجہ سے حاملہ ہوئی ہے (نعوذ باللہ من ذالک القول) ابھی فرشتہ نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو جبرئیل امین یوسف کے پاس آئے اور کہا: یہ روح القدس سے ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ تمام واقعات ضعیف ہیں۔ یہ قرآنی واقعہ تقاضا کرتا ہے کہ حضرت مریم حاملہ ہوئیں

اور وہ عورتوں کے عرف پر حاملہ رہیں۔ روایات ایک دوسری کی تائید کرتی ہیں کہ انہوں نے آٹھ ماہ کے بعد بچہ جنم دیا؛ یہ عکرمہ کا قول ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ آٹھ ماہ کا بچہ زندہ نہیں رہتا تا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت باقی رہے۔ بعض علماء نے فرمایا: انہوں نے نو ماہ کے بعد بچہ جنم دیا، بعض نے کہا: چھ ماہ بعد جنم دیا۔ جو ہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے وہ اصح اور اظہر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا**، یہ میم کے فتح اور کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مَنْ سے مراد جبرئیل ہے (1) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کلام نہ کی حتی کہ حضرت مریم سے قوم کے پاس لے آئیں یہ علقہ، ضحاک اور قتادہ کا قول ہے۔ اس میں حضرت مریم کے لیے نشانی اور علامت تھی کہ اللہ تعالیٰ کے خارق للعادة امور میں کوئی مقصد عظیم ہوتا ہے۔ **أَلَا تَحْزَنِي**، یہ ندا کی تفسیر ہے اور ان مفسرہ بمعنی ای ہے معنی ہے کہ بچے کے جنم سے پریشان نہ ہو۔ **قَدْ جَعَلَ رَبُّكَ تَحْتَكِ سَرِيًّا** یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ السری مردوں میں سے اسے کہتے ہیں جو عظیم خصال کا حامل ہو اور سردار ہو۔ حسن نے فرمایا: اللہ کی قسم! مردوں میں سے السری تھا یعنی سردار تھا۔ کہا جاتا ہے: **سَرِيٌّ** فلان علی فلان۔

جمہور علماء نے کہا: یہ اس نالی کی طرف اشارہ ہے جو کھجور کے تنا کے قریب تھی (2)۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: السری سے مراد نہر ہے جس کا پانی ختم ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے لیے اسے جاری فرما دیا۔ النہر کو سریا کہتے ہیں گویا اس کا پانی اس میں چلتا ہے جیسا شاعر نے کہا:

سَلَّمَ تَرَى الدَّائِعَ مِنْهُ أَذْوَرًا إِذَا يَعْبُ فِي السَّرِيِّ هَزْرًا

لبید نے کہا:

فَتَوَسَّطًا عَرَضَ السَّرِيِّ وَصَدَعًا مَسْجُورًا مُتَجَاوِرًا قَلَامُهَا

بعض علماء نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت مریم کو نداری حضرت مریم کے دل کی تسکین کے لیے یہ معجزہ اور نشانی تھی۔ پہلا قول اظہر ہے۔ حضرت ابن عباس نے اسے فناداها منك من تحتها، پڑھا ہے۔ علماء نے فرمایا: حضرت جبرئیل علیہ السلام اس جگہ سے پست جگہ پر تھے جس پر حضرت مریم موجود تھیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَهَزَّتْ رِيًّا إِلَيْكَ بِجُنْجُوعِ النَّخْلَةِ تُسْقِطُ عَلَيْكَ رَطْبًا جَنِيًّا** ﴿١٥﴾ **فَكُلْنَ وَاشْرَبْنَ وَقَرْنَ عَيْنِنَا** اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ **وَهَزَّتْ رِيًّا** اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو خشک کھجور کے تنا کو حرکت دینے کا حکم دیا تا کہ مردہ تنا کے احیا میں دوسری نشانی دیکھ لیں۔ **بِجُنْجُوعِ** میں باء زائدہ موکدہ ہے جیسے کہا جاتا ہے: **خَذِبْنَا لِمَامٍ وَأَعْطَى بَيْدَكَ**۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبِ إِلَى السَّمَاءِ** (الحج: 15) یعنی فلیمدد سبباً۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے کھجور کے تنا پر جو تر کھجوریں ہیں انہیں اپنی طرف جھکاؤ۔ **تُسْقِطُ** اصل میں تتساقط ہے تاء کو سین میں ادغام کیا گیا ہے۔ حمزہ نے تتساقط پڑھا

ہے یعنی تخفیف کے ساتھ انہوں نے تا کو حذف کر دیا ہے جس کو دوسروں نے ادغام کیا ہے۔ عاصم نے حفص کی روایت میں تساقط تاء کے ضمہ کے ساتھ تخفیف اور قاف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ دونوں تاء کے اظہار کے ساتھ تساقط بھی پڑھا گیا ہے۔ تساقط یا اور تاء کے ادغام کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ تسقط اور یسقط، تَسْقُطٌ وَيَسْقُطُ تاء کے ساتھ نخلۃ کی وجہ سے اور یا کے ساتھ جذع کی وجہ سے نو قراتیں ہیں ان کو زمخشری نے ذکر کیا ہے۔ مُرَطَّبًا، اس کو نصب هُزِّجَتْ کی وجہ سے ہے یعنی جب توتنے کو حرکت دے گی تو اس کی حرکت سے تر کھجوروں کو حرکت دے گی۔ بہر حال مُرَطَّبًا کی نصب میں قرأت کے معانی کے اعتبار سے اختلاف ہے کبھی فعل کو الجذع کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور کبھی الہزء کی طرف، کبھی النخلۃ کی طرف اور جَنِيًّا اس کا معنی ہے جو پک چکی ہیں اور چننے کے قابل ہو چکی ہیں یہ جنیت الشرة سے مشتق ہے۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ انہوں نے تساقط علیک رطباً جنیا برنیا پڑھا ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ مجاہد نے کہا: مُرَطَّبًا جَنِيًّا وہ عجمہ کھجور تھی۔ حضرت عباس بن فضل نے کہا: میں نے ابو عمرو بن العلاء سے رطباً جنیا، کے بارے پوچھا تو انہوں نے کہا: وہ ابھی خشک نہیں ہوئی تھی اور چننے والوں کے ہاتھوں سے دور نہیں ہوئی تھی یہ صحیح قول ہے۔ فراء نے کہا: الجنی والمجنی کا معنی ایک ہے؛ اس کا نظریہ یہ ہے کہ قتیل اور مقتول، جرح اور مجروح کی طرح ہے۔ فراء کے علاوہ علماء نے کہا: الجنی وہ کھجوریں جو ایک درخت سے کاٹی گئی ہوں اور اس مکان سے لی گئی ہو جہاں وہ پیدا ہوئیں بطور دلیل یہ شعر پڑھا:

وطيب شارب في رياض اريضة وانصان اشجار جناها على قارب

الجنی سے مراد وہ ہے جو چینی جاتی ہیں یعنی جو کاٹی جاتی ہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: وہ تنا با لکل خشک تھا جب حضرت مریم نے اسے حرکت دی تو آپ نے تے کے اوپر دیکھا وہاں سبز پتے ظاہر ہو چکے تھے پھر اس کے گاہے کو دیکھا جو ان ٹہنیوں اور پتوں سے نکل چکا تھا پھر سبز کھجوریں بنیں پھر آدھی پکی کچی کھجوریں بنیں پھر سرخ ہوئیں پھر پک گئیں پھر چھوڑے کی شکل میں بن گئیں، اور یہ سب کچھ آنکھ جھپکنے کی دیر میں ہوا کھجوریں آپ کے سامنے گرئیں اور اس میں کوئی پھٹتی نہیں تھی۔

مسئلہ نمبر 2۔ بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ رزق اگر چہ حتمی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے لیے کوشش کو مقرر فرمایا ہے کیونکہ اس نے حضرت مریم علیہا السلام کو تنے کو حرکت دینے کا حکم دیا تاکہ وہ نشانی دیکھ لے اور نشانی تب ہوتی جبکہ وہ اس کے حرکت دینے کے بغیر ہوتا۔

مسئلہ نمبر 3۔ رزق میں محنت کی تکلیف دینا، اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں میں سنت ہے یہ توکل کے منافی نہیں بخلاف جاہل صوفیاء کے جو کہتے ہیں کہ محنت کرنا توکل کے خلاف ہے۔ یہ مفہوم پہلے گزر چکا ہے۔ اس سے پہلے حضرت مریم کے پاس رزق بغیر تکسب و محنت کے آتا تھا جیسا کہ ارشاد فرمایا: كَلَّمَآ دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْبَيْتَ وَوَجَدَهَا عِنْدَ هَارِزَ قَابِ جَب حضرت مریم نے بچہ جنم دیا تو انہیں تنے کو حرکت دینے کا حکم دیا گیا۔ ہمارے علماء نے فرمایا: جب حضرت مریم کا دل فارغ تھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تکسب سے فارغ کر دیا تھا جب انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنم دیا اور ان کا دل اس کی محبت سے معلق ہوا اور اس کی بات اور اس کے امر کے ساتھ ان کا باطن مشغول ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مریم کو کسب کی طرف متوجہ کر دیا اور اسے

عادت کی طرف لوٹا دیا کہ وہ اسباب کے ذریعے رزق دیتا ہے۔ طبری نے ابن زید سے حکایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت مریم سے کہا: لَا تَحْزَنِي تُوپریشان نہ ہو۔ حضرت مریم نے کہا: میں کیسے فکر مند نہ ہوں جبکہ تو میرے ساتھ ہے؟ نہ میں خاوند والی ہوں نہ مملوکہ ہوں لوگوں کے سامنے میرا عذر کیا ہوگا؟ يَلِيْتَنِي مِنْ قَبْلِ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا مَنِيًّا ﴿١٠﴾ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت مریم سے کہا: میں کلام کر کے تمہاری طرف سے جواب دوں گا۔

مسئلہ نمبر 4۔ ربیع بن خثیم نے کہا: اس آیت کی وجہ سے میرے نزدیک بچہ جنم دینے والی عورتوں کے لیے کھجوروں سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک بچہ جنم دینے والی عورتوں کے لیے کوئی اور چیز افضل ہوتی تو اللہ تعالیٰ حضرت مریم کو وہی کھلاتا۔ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا: اس وقت سے نفاس والی عورتوں کے لیے چھوڑوں کی عادت ہے اسی طرح گھٹی بھی کھجور سے دی جاتی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جب بچہ جنم دینا مشکل ہو تو کھجور سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں اور مریض کے لیے شہد سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں؛ یہ زمخشری نے ذکر کیا ہے۔ ابن وہب نے کہا: امام مالک نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مُرَطَّبًا جَنِيًّا، الجنی اس کھجور کو کہتے ہیں جو بغیر نقش اور فساد کے پکی ہوئی ہو۔ النقش یہ ہے کہ آدھی پکی آدھی کچی کھجور کو نیچے سے کانٹے مارنا تاکہ جلدی پک جائے۔ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ امام مالک کے نزدیک یہ وقت سے پہلے کسی چیز کو جلدی تیار کرنا ہے ایسا کرنا کسی کے لیے مناسب نہیں اگر کوئی ایسا کرے گا تو بیع کے لیے ایسا کرنا جائز نہ ہوگا نہ اس کو پکانے کے لیے یہ جائز ہوگا۔ اس پر گفتگو سورہ انعام میں گزر چکی ہے۔ طلحہ بن سلیمان سے جنیبا اتباع کے طور پر جیم کے کسرہ کے ساتھ مروی ہے یعنی ہم نے نہر اور کھجور میں دو فائدے رکھے ہیں، ایک کھانا، پینا اور دوسرا دل کی تسلی کیونکہ یہ دونوں معجزے ہیں۔ فَكَلْنِ وَاشْرَبْنِ وَقَرْنِ عَيْنًا، کا یہی مفہوم ہے یعنی کھجوروں سے کھاؤ، نہر سے پانی پیو اور اپنے بیٹے کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ قَرْنِ قاف کے فتح کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور یہ جمہور کی قرأت ہے۔ طبری نے قری کو قاف کے کسرہ کے ساتھ حکایت کیا ہے۔ یہ مجد کی لغت ہے کہا جاتا ہے کہ قر عینا یقرہ ویقر قاف کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ۔ أقر الله عينه فقرات، اللہ نے اس کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا تو وہ ٹھنڈی ہو گئیں۔ یہ القراء اور القراءۃ سے ماخوذ ہے۔ دونوں کا معنی ٹھنڈا ہونا ہے۔ خوشی کے آنسو ٹھنڈے ہوتے ہیں اور غم کے آنسو گرم ہوتے ہیں۔ ایک جماعت نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، انہوں نے کہا: ہر آنسو گرم ہوتا ہے۔ أقر الله عينه کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ محبوب کے دیدار کے ساتھ تیری آنکھوں کو ٹھنڈا کرے تاکہ وہ ٹھنڈی ہو اور سکون پائے۔ فلان قرۃ عینی یعنی فلان کے قرب سے میرے نفس کو سکون ملتا ہے۔ شیبانی نے کہا: قَرْنِ عَيْنًا اس کا معنی ہے تو سوجا، اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو کھانے، پینے اور سونے پر ابھارا۔ ابو عمرو نے کہا: أقر الله عينه کا مطلب ہے اللہ نے اسے سلا یا اور اس کے جاگنے کو ختم کر دیا۔ عَيْنًا پر نصب تمیز کے اعتبار سے ہے جیسے تیرا قول ہے: طب نفسا، حقیقت میں فعل آنکھ کے لیے تھا پھر اسے آنکھ والے کی طرف نقل کر دیا اور جو حقیقت میں فاعل تھا اسے تفسیر کی بنا پر نصب دی گئی مثلاً طب نفساً۔ تفقات شحاً و تصببت عرقاً۔ اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِنَّمَا تَرِيْنَ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُوْنِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَمَا تَتَرِينَ** اصل میں تو این تھا ہمزہ کو حذف کیا گیا جس طرح تری سے ہمزہ حذف کیا گیا ہے۔ پھر اس کا فتح راء کی طرف نقل کیا گیا ہے تو یہ تری بن گیا پھر پہلی یاء کو الف سے بدلا کیونکہ وہ متحرک ہے اور اس کا ما قبل مفتوح ہے۔ پھر دو ساکن الف اور یاء تانیث جمع ہوئے تو التقاء ساکنین کی وجہ سے الف کو حذف کر دیا گیا تو تری بن گیا پھر جزم کی علامت کے طور پر نون کو حذف کیا گیا کیونکہ ان حرف شرط اور ماصلتہ ہے۔ پس تری رہ گیا۔ پھر نون ثقیلہ داخل ہوا تو التقاء ساکنین کی وجہ سے یاء تانیث کو کسرہ دیا کیونکہ نون ثقیلہ دونوں کے قائم مقام ہوتا ہے اور پہلا نون ساکن ہے پس یہ تری بن گیا۔ اس طریقہ پر ابن درید کا قول ہے:

أما ترى رأسي حاكى لونه

اور الفوہ کا قول ہے:

إما ترى رأسي أزمى به

اور یہاں ما کے توطئة کے لیے نون داخل ہوا ہے جس طرح اس کے دخول کے لیے لام قسم بطور توطئة داخل کیا جاتا ہے۔ طلحہ، ابو جعفر اور شبیہ نے تری یاء کے سکون اور نون کے فتح کے ساتھ تخفیف سے پڑھا ہے۔ ابوالفتح نے کہا: یہ شاذ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ** یہ جواب شرط ہے اور اس میں اضمار ہے یعنی تیرے بچے کے متعلق کوئی سوال کرے تو تو یہ کہہ کہ میں نے خاموشی کے روزے کی نذر مانی ہے؛ یہ حضرت ابن عباس اور حضرت انس بن مالک کا قول ہے (1)۔ حضرت ابی بن کعب کی قرأت میں **إِنِّي نَذَرْتُ** للرحمن صوماً صمتاً ہے۔ حضرت انس سے یہ بھی مروی ہے اور حضرت انس سے دستاواؤ کے ساتھ بھی مروی ہے۔ لفظوں کا اختلاف دلالت کرتا ہے کہ ایک تفسیر کے لیے ذکر کیا گیا ہے نہ کہ قرأت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ جب اس کے ساتھ واؤ ہو تو ممکن ہے کہ یہ روزے کے علاوہ ہو۔ محدثین اور لغات کے روایات سے جو روایات مروی ہیں وہ متفق ہیں کہ روزے سے مراد خاموشی ہے کیونکہ الصوم کا مطلب بھی امساک (رکنا) ہے اور الصمت کا معنی کلام سے روکنا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: الصوم سے مراد روزہ ہی ہے اور ان لوگوں پر روزے کے دن خاموشی بھی لازم ہوتی تھی مگر اشارہ کے ساتھ کلام جائز تھا اس بنا پر حضرت انس کی قرأت و صمتاً واؤ کے ساتھ ہوگی۔ الصمت (خاموشی) ان کے نزدیک روزے میں نذر کے ساتھ لازم تھی جیسا کہ کسی نے ہم میں سے بیت اللہ کی طرف چلنے کی نذر مانی تو یہ حج یا عمرہ کے ساتھ احرام کا بھی مقتضی ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کی زبان پر حضرت مریم کو حکم دیا یا ان کے بیٹے کی زبان پر انہیں حکم دیا جیسا کہ اختلاف گزر چکا ہے کہ انسان سے مخاطب ہونے سے رک جانا اور اپنے بیٹے کی طرف سوال کرنے والے کو پھیر دینا تاکہ وہ اس کی خجالت کو دور کرے۔ معجزہ ظاہر ہو اور حضرت مریم کا عذر قبول ہو۔ آیت کا ظاہر یہ ہے کہ حضرت مریم کے لیے یہ الفاظ کہنا مباح کیا گیا تھا جو آیت کے اندر موجود ہیں؛ یہ جمہور کا قول ہے۔ ایک جماعت نے کہا: اس کا مطلب ہے تو اشارہ سے یہ کہہ نہ کہ کلام سے۔ زمخشری نے کہا: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ (سفیہ)

بیوقوف پر خاموش ہونا واجب ہے اور لوگوں میں سے ذلیل ترین وہ بیوقوف ہے جو بیوقوف کو نہ سمجھے۔

مسئلہ نمبر 3۔ جس نے نذر کے ساتھ یہ التزام کیا کہ وہ آدمیوں میں سے کسی سے بات نہیں کرے گا تو یہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ قربت ہو اور نذر کے ساتھ لازم ہوئی ہو اور یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ یہ ہماری شرع میں جائز نہیں کیونکہ اس میں نفس کی تعذیب اور تنگی ہے جیسے کوئی نذر مانے کہ وہ دھوپ میں کھڑا ہوگا۔ اس بنا پر خاموشی کی نذر اس شریعت میں تھی ہماری شریعت میں نہیں۔ یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے جس نے خاموشی کی نذر مانی تھی؛ حضرت ابن مسعود نے اسے کلام کرنے کا حکم دیا تھا اور ابواسرائیل کی حدیث کی وجہ سے یہی صحیح ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا۔ ابن زید اور سدی نے کہا: پہلے لوگوں کے نزدیک صیام (روزہ) رکھنے اور کلام کرنے سے رکنا تھا۔

میں کہتا ہوں: ہماری سنت سے ہے کہ ہم بھی روزے کی حالت میں قبیح کلام سے رک جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو وہ نہ بری بات کرے اور نہ جہالت کا کام کرے، اگر کوئی شخص اس سے لڑے یا اسے گالی دے تو اسے اتنا کہنا چاہیے میں روزہ رکھے ہوئے ہوں“ (1)۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جو جھوٹی بات اور جھوٹ پر عمل کو نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا، پینا چھوڑنے کی حاجت نہیں“ (2)۔

فَأْتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا لِمَرِيْمٍ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝ يَا حَتَّ هُرُونَ مَا
كَانَ أَبُو لَنَا مَرَأً سَوْءًا وَمَا كَانَتْ أُمَّلًا بَغِيًّا ۝

”اس کے بعد وہ لے آئیں بچہ کو اپنی قوم کے پاس (گود میں) اٹھائے ہوئے انہوں نے کہا: اے مریم! تو نے بہت بُرا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ بُرا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بد چلن تھی۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَأْتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت مریم معجزات دیکھ کر مطمئن ہو گئیں اور انہیں یقین کامل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کا معذور ہونا ظاہر فرمائے گا تو اس مکان سے بچے کو اٹھا کر لے آئیں جس میں پہلے چلی گئی تھیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: جب سورج نکلا تھا تو آپ ان کے پاس سے چلی گئی تھیں اور ظہر کے وقت ان کے پاس واپس آئیں اور ساتھ بچہ بھی اٹھائے ہوئے تھیں۔ یہ حمل اور اس کی ولادت دن کی تین ساعتوں میں ہوئی تھی۔ کلبی نے کہا: آپ نے بچے کو وہاں جنم دیا جہاں کی قوم کو خبر نہ تھی، آپ نفاس کے چالیس دن ٹھہری رہیں پھر بچے کو اٹھا کر قوم کے پاس لے آئیں جب لوگوں نے آپ کو دیکھا اور آپ کے ساتھ بچے کو دیکھا تو وہ پریشان ہوئے اور ان کے گھروالے نیک لوگ تھے تو انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا: لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝ تو نے بہت بُرا کام کیا ہے۔ بڑا کام جیسے کوئی ایسی چیز لانے والا جو اس نے خود گھڑی ہوتی ہے۔ مجاہد نے کہا: فَرِيًّا کا معنی عظیم ہے (3)۔ سعید بن سعد نے کہا: ایسا کام جو گھڑا ہو اور بناوٹی ہو، کہا جاتا ہے: فریت وافریت، دونوں کا معنی ایک ہے۔ زنا کا بچہ گھڑی ہوئی اور بناوٹی چیز کی طرح ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصیام، حفظ اللسان، جلد 1، صفحہ 363

3۔ تفسیر طبری، ج 16، صفحہ 91

2۔ صحیح بخاری، کتاب الصوم، من لم یدم قول الزور والعمل بہ، جلد 1، صفحہ 255

نے فرمایا: وَلَا يَأْتِيَنَّ بِهِمَا نَبُؤَاتٍ مِّنْ بَدَنٍ أَيْ نُبُهَيْنَ وَأَسْرَجُلَيْنِ (المستح: 12)

یعنی بچے کو خاوند سے لاحق کرنے کا قصد کرنا جو اس خاوند سے نہ ہو۔ کہا جاتا ہے: فلان یفیری الغریبی، یعنی وہ ایسا کام کرتا ہے جو انتہا کو پہنچا ہوا ہو۔ ابو عبیدہ نے کہا: الغریبی، عجیب اور نادر چیز کو کہتے ہیں؛ یہ انفس کا قول ہے۔ فرمایا: فریبا کا معنی ہے عجیب، الغریبی کا معنی کا ثنا بھی ہے گویا جو کام عادت کو ختم کرتا ہے یا عجیب اور نادر ہونے کی وجہ سے قول کو کا ثنا ہے۔ قطرب نے کہا: الغریبی نئے کام کو کہتے ہیں یعنی تو نے ایک نیا کام کیا ہے پہلے تو تو نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ ابو حیوہ نے شیثا فریبا، پڑھا ہے (یعنی راء کے سکون کے ساتھ) سدی اور وہب بن منبہ نے کہا: جب حضرت مریم بچہ اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں تو بنو اسرائیل میں یہ بات مشہور ہو گئی ان کے مرد اور عورتیں جمع ہوئے ایک عورت نے آپ کو مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اس طرف کو خشک کر دیا پس وہ اسے اسی طرح اٹھائے رہی۔ ایک اور شخص نے کہا: یہ تو زنا کارہ ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اسے گونگا کر دیا تو لوگ آپ کو مارنے سے رک گئے اور کوئی اذیت ناک کلمہ کہنے سے باز آ گئے اور وہ بڑے نرم انداز میں آہستہ سے یہ کہنے لگے: لَيْزِمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝۔ الراجز نے کہا:

قَد أَطَعْتِي دَقْلًا حَوْلِيَا مُسَوِّنَا مَدَوْدَا حَجْرِيَا

و كُنْتِ تَفْرِيْنَ بِهِ الْفَرِيَّا (1)

یعنی نو اس کو بڑا سمجھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَا حَتَّ هُرُونَ اس اخوت کے معنی میں اختلاف ہے اور یہ ہارون کون ہے؟ بعض علماء نے فرمایا: یہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھائی ہے، مراد یہ ہے کہ جس کو ہم عبادت میں ہارون کی مثل گمان کرتے تھے وہ ایسا فعل کرتی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس بنا پر حضرت مریم حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارون کی اولاد سے تھی۔ پس اخوت کے ذریعے ان کی طرف منسوب کی گئی کیونکہ ان کی اولاد سے تھی جیسے تھی کو کہا جاتا ہے: یا اختیم اور عربی کو کہا جاتا ہے: یا اخا العرب۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت مریم کا ایک باپ کی طرف سے بھائی تھا جس کا نام ہارون تھا کیونکہ یہ نام بنی اسرائیل میں کثرت سے تھا لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون کے نام کے ساتھ برکت حاصل کرنے کے لیے ہارون نام رکھتے تھے اور بنی اسرائیل میں وہ ایک مثالی شخص تھا۔ بعض علماء نے کہا: ہارون یہ ایک اس زمانہ کا نیک صالح شخص تھا جس دن ان کا وصال ہوا اس کے جنازہ میں چالیس ہزار افراد آئے۔ تمام کا نام ہارون تھا۔ قتادہ نے کہا: اس زمانہ میں بنی اسرائیل میں ایک عابد شخص تھا جو صرف اللہ تعالیٰ سے لو لگائے ہوئے تھا اسے ہارون کہا جاتا تھا (2)۔ پس لوگوں نے حضرت مریم کو اس اخوت کی طرف منسوب کیا کیونکہ اس سے پہلے وہ ہارون کے طریقہ پر تھی کیونکہ وہ عبادت گاہ کی خدمت پر وقف تھی یعنی اے نیک صالحہ عورت! تیری شان کے لائق یہ عمل نہیں تھا۔ کعب احبار نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں کہا: حضرت مریم، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون کی بہن نہیں تھی۔ حضرت عائشہ نے اسے کہا: تو نے غلط کہا ہے۔ کعب نے کہا: اے ام المومنین اگر نبی پاک ﷺ نے یہ کہا ہے تو آپ سب سے سچی خبر دینے والے ہیں ورنہ میں ان کے

درمیان چھ سو سال کی مدت پاتا ہوں۔ فرمایا: یہ سن کر حضرت عائشہ خاموش ہو گئیں۔ صحیح مسلم میں حضرت مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے (1) فرمایا: جب میں نجران آیا تو لوگوں نے مجھ سے پوچھا انہوں نے کہا: تم پڑھتے ہو یا اُخْتِ هَارُونَ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اتنی مدت پہلے تھے۔ جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو میں نے اس کے متعلق پوچھا آپ ﷺ نے فرمایا: ”لوگ اپنے انبیاء اور گزرے ہوئے صالحین کے ناموں کے ساتھ نام رکھتے تھے“۔ غیر صحیح میں بعض طرق میں آیا ہے کہ نصاریٰ نے حضرت مغیرہ سے کہا: تمہارا ساتھی گمان کرتا ہے کہ مریم، ہارون کی بہن ہے حالانکہ ان کے درمیان چھ سو سال کی مدت ہے۔ مغیرہ نے کہا: میں نہیں جانتا جو میں کہوں۔ آگے حدیث ذکر کی۔ مطلب یہ ہے کہ ایک اسم، دوسرے اسم کے موافق ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کے اسماء کے ساتھ نام رکھنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

میں کہتا ہوں: حدیث صحیح دلالت کرتی ہے کہ موسیٰ اور عیسیٰ اور ہارون کے درمیان لمبا زمانہ تھا۔ زمخشری نے کہا: حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے درمیان ہزار سال یا اس سے زائد سالوں کا زمانہ تھا۔ پس یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت مریم، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی بہن تھی۔ اگر یہ صحیح ہو تو اس طرح ہوگا جیسا کہ سدی نے کہا ہے کہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھی یہ ایسے ہے جیسے تو کہتا ہے قبیلہ کے شخص کو: یا اخافلان، اسی سے نبی کریم ﷺ کا قول ہے: ان اُخَصْدَاءِ قَدْ اَذَّنَ فَنَ اَذَّنَ فَهَوِ يُقِيمُ (2)، صدائی نے آذان دی ہے۔ پس جو آذان دے وہی تکبیر کہے اور یہ پہلا قول ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: ایک جماعت نے کہا: اس زمانہ میں ایک فاجر شخص تھا اس کا نام ہارون تھا (3) پس انہوں نے عار دلانے اور زبردستی سے اس کی طرف نسبت کرنے کی جہت سے اس کی طرف نسبت کی ہے؛ بطری نے اس کا ذکر کیا ہے اور قائل کا نام ذکر نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں: غزنوی نے یہ سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ وہ فاسق شخص تھا اور فجور میں مثال تھا۔ پس اس کی طرف نسبت کی گئی۔ مطلب یہ ہے کہ تیرا باپ اور تیری والدہ اس فعل کے اہل نہ تھے تو نے یہ کیسے کیا؟ یہ تعریض ہے جو تصریح کے قائم مقام ہے۔ یہ ہمارے نزدیک حد کو ثابت کرتی ہے۔ مزید بیان سورہ النور میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ آخری قول کو حدیث صحیح رد کرتی ہے وہ نص صریح ہے پس کسی کے لیے کلام کی گنجائش نہیں اور اس پر کوئی غبار نہیں ہے۔ واللہ۔ عمر بن لباتس نے مَا كَانَ اَبُوكَ اَمْرًا سَوْءًا پڑھا ہے۔

فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نَكَلِمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۖ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ ۖ
 آتَنِي الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۖ وَجَعَلَنِي مُبْرَكًا لِّأَيِّنِ مَا كُنْتُ ۖ وَأَوْصَنِي بِالصَّلَاةِ
 وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۖ وَبَرًّا بِوَالِدَاتِي ۖ وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ۖ وَالسَّلَامُ
 عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۖ

”اس پر مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کیا لوگ کہنے لگے: ہم کیسے بات کریں اس سے جو گہوارہ میں (کمن) بچہ

2- سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، فی الرجل یؤذن ویقیم، جلد 1، صفحہ 76

1- صحیح مسلم، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 207

3- المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 14

ہے (اچانک) بچہ بول پڑا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا مجھے حکم دیا ہے نماز ادا کرنے کا اور زکوٰۃ دینے کا جب تک میں زندہ رہوں۔ اور مجھے خدمت گزار بنایا ہے اپنی والدہ کا اور اس نے نہیں بنایا مجھے جابر (اور) بد بخت۔ اور سلامتی ہو مجھ پر جس روز میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے اٹھایا جائے گا زندہ کر کے۔“

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَإِشَارَاتٍ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نَكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا** حضرت مریم کو ترک کلام کا جو حکم دیا گیا تھا۔ آپ نے اسے لازم پکڑا۔ اس آیت میں وارد نہیں ہے کہ آپ نے **إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا** بول کر کہا تھا بلکہ یہ وارد ہے کہ آپ نے اشارہ فرمایا۔ پس یہ ان علماء کے قول کو تقویت دیتا ہے کہ (قول) کا جو امر آپ کو دیا گیا تھا اس سے مراد اشارہ ہے۔ روایت ہے کہ جب آپ نے بچے کی طرف اشارہ کیا تو لوگوں نے کہا: اس کا ہمارے ساتھ استخفاف اس کے زنا سے بھی ہم پر زیادہ سخت ہے۔ پھر انہوں نے تقریر و ثبوت کی جہت سے کہا: **كَيْفَ نَكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا**، (1) اس آیت میں **كَانَ** سے مراد ماضی نہیں کیونکہ جو بھی مہد میں ہوتا ہے وہ بچہ ہی ہوتا ہے بلکہ یہ **الآن** (اب) کے معنی میں ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: **كان** یہاں لغو ہے؛ جیسے شاعر نے کہا:

و جدران لنا كانوا كرام

بعض علماء نے فرمایا: **كان** یہاں وجود اور حدوث کے معنی میں ہے جیسے ارشاد ہے: **وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ (البقرہ: 280)** یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ابن انباری نے کہا: اسے زائدہ کہنا جائز نہیں کیونکہ **صبيًا** کو اس نے نصب دی ہے اور **كان** بمعنی حدث ہونا تو کہتا ہے: **دكان الحتا**، یعنی اس صورت میں صرف **ام** ذکر ہوتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ **مَنْ** جزا کے معنی میں ہے یعنی شرطیکہ ہے اور **كان** بمعنی **يكن** ہے۔ **تقدير** عبارت یہ ہے: **من يكن في المهدي صبيا فكيف نكلمه** (جو پنگھوڑے میں کسن بچہ ہے ہم اس سے کیسے بات کریں) جیسے تو کہتا ہے: **كيف أعطى من كان لا يقبل عطية**۔ میں اسے کیسے عطا کروں جو عطیہ قبول ہی نہیں کرتا یعنی: **من يكن لا يقبل كسبى ماضى**، جزا میں مستقبل کے معنی میں ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **تَبَرَّكَ الَّذِي مَنَىٰ إِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِنْ ذَلِكَ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (الفرقان: 10)** اس آیت میں **إِنْ شَاءَ جَعَلَ** کا معنی ان **إِنْ شَاءَ جَعَلَ** ہے اور تو کہتا ہے: **من كان إلى منه إحسان كان إليه منى مثله**، یعنی **من يكن منه إلى إحسان يكن إليه منى** مثله۔ جس کا مجھ پر احسان ہوگا اس پر میری طرف سے اس کی مثل احسان ہوگا۔ **المهدي** بعض علماء نے فرمایا: وہ چار پائی پنگھوڑے کی طرح تھی۔ بعض نے فرمایا: یہاں **المهدي** سے مراد ماں کی گود ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: مطلب یہ ہے کہ ہم اس سے کیسے بات کریں کسن کی وجہ سے پنگھوڑے میں سونا جس کا معمول ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی باتیں سنیں تو آپ نے اپنی آرام گاہ میں لیٹے ہوئے کہا: **إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ الْخَلْقِ**۔

مسئلہ نمبر 2۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام دودھ پی رہے تھے جب انہوں نے لوگوں کی باتیں سنیں تو دودھ پینا چھوڑ دیا اور ان کی طرف متوجہ ہوئے اور بائیں طرف پر سہارا لیا اور ان کی طرف اپنی دائیں سبابہ انگلی سے اشارہ کیا اور فرمایا: اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ سب سے پہلے آپ نے اللہ تعالیٰ کے عبد ہونے کا اعتراف کیا اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا تاکہ ان لوگوں کا رد ہو جائے جو آپ کے بعد آپ کی شان میں غلو کرنے والے تھے۔ الکتاب سے مراد انجیل ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: بچپن کی حالت میں آپ کو کتاب عطا فرمائی تھی اور اس کا فہم اور علم بھی بخشا تھا اور اس وقت انہیں نبوت عطا فرمائی تھی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء سکھائے تھے۔ وہ اس وقت روزہ بھی رکھتے تھے اور نماز بھی پڑھتے تھے۔ یہ انتہائی ضعیف قول ہے جیسا کہ ہم اس کے بعد مسئلہ میں بیان کریں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ نے ازل میں مجھے کتاب اور نبوت دینے کا حکم دیا تھا اگرچہ کتاب فی الحال نازل نہیں ہوئی تھی؛ یہ صحیح قول ہے۔

وَجَعَلْنٰی مُبْرَكًا، برکت والا بنایا۔ دین میں نفع دینے والا، اس کی طرف بلانے والا، اور اس کی معرفت کی تعلیم دینے والا بنایا۔ تستری نے کہا: اس کا معنی ہے وہ مجھے نیکی کا حکم دینے والا اور برائی سے منع کرنے والا اور گمراہوں کو راہ ہدایت دینے والا، مظلوم کی مدد کرنے والا اور مجبور کی معاونت کرنے والا بنایا۔ وَ اَوْضِنٰی بِالصَّلٰوٰةِ وَ الزَّكٰوٰةِ یعنی جب میں مکلف ہوں تو نماز اور زکوٰۃ ادا کروں جب میرے لیے ان کی ادائیگی ممکن ہو۔ یہ آخری صحیح قول کے مطابق ہے۔ مَا ذُفْتُ حَيًّا، مآظروف کی بناء پر محل نصب میں ہے یعنی دوام حیات (جب تک میری زندگی ہے) وَ بَرًّا بِوَالِدٰی، فرمایا اور بوالد یعنی نہیں فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ چیز اللہ کی طرف سے تھی۔

وَلَمْ يَجْعَلْنٰی جَبَّارًا اور اس نے مجھے جابر و متکبر نہیں بنایا جو غصہ میں آکر قتل کرتا ہے اور مارتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جبار وہ ہوتا ہے جو اپنے اوپر کسی کا حق نہیں دیکھتا۔ شَقِيًّا خَيْرٌ سِوَا حَرَمٍ، اس نے اس کا معنی نافرمان کیا ہے، بعض نے رب کا نافرمان معنی کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس نے مجھے اپنے حکم کا تارک نہیں بنایا کہ میں بد بخت ہوں جس طرح ابلیس اللہ کے حکم کو ترک کر کے بد بخت ہوا۔

مسئلہ نمبر 3۔ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے تحت فرمایا: یہ اہل القدر پر کتنی سخت ہے (1)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس بات کی خبر دی جو فیصلہ ہو چکا ہے اور جوان کی وصال تک ہونے والا ہے۔ اس آیت کے قصص میں ابن زید سے روایت ہے کہ انہوں نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام سنا تو انہیں یقین ہو گیا۔ اور انہوں نے کہا: یہ کسی امر عظیم کی وجہ سے ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے طفولیت میں کلام کی تھی۔ یہ اس آیت سے ثابت ہے لیکن پھر بچوں کی حالت پر لوٹ گئے تھے حتیٰ کہ انسانی عادت کے مطابق بچوں کی طرح بڑھے۔ آپ کا بولنا اپنی والدہ کی برأت کے لیے تھا نہ کہ وہ اس حالت میں یہ شعور رکھتے تھے وہ اس طرح بولے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اعضاء انسانی کو قوت گویائی بخشے گا یہ منقول نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ بولتے رہے۔ اور نہ وہ نماز پڑھتے تھے جب وہ ایک دن یا ایک مہینہ کے

تھے۔ اگر وہ اس بچپن میں متواتر بولتے رہتے اور تسبیح و نصیحت اور نماز پڑھتے رہتے تو یہ چیز پوشیدہ نہ ہوتی۔ یہ تمام چیزیں پہلے قول کے فساد پر دلیل ہیں اور قائل کی جہالت پر صریح ہیں اور یہ بھی دلیل ہے کہ آپ پنگھوڑے میں بولے تھے، جبکہ یہود و نصاریٰ کا قول اس کے مخالف ہے۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ نماز، روزہ، والدین کی خدمت گزاری پہلی امتوں پر بھی واجب تھیں یہ وہ چیزیں ہیں جن کا حکم ثابت رہا اور آپ کی شریعت میں یہ حکم منسوخ نہ ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انتہائی متواضع تھے درختوں کے پتے کھاتے تھے اور بالوں سے بنا ہوا لباس پہنتے تھے اور مٹی پر بیٹھتے تھے اور جہاں رات ہو جاتی وہی رہ جاتے تھے۔ آپ کا کوئی خاص مسکن نہ تھا۔ صلی اللہ علی نبینا وعلیہ وسلم۔

مسئلہ نمبر 4۔ کوفیوں نے کہا: گونگے کا قذف اور لعان صحیح نہیں ہے اس کی مثل شعبی سے بھی مروی ہے۔ امام اوزاعی، امام احمد اور اسحاق نے بھی یہی کہا ہے۔ ان علماء کے نزدیک قذف صریح زنا کے لفظ سے صحیح ہے اور اس کے معنی سے۔ اور گونگے سے ضرورتاً قذف صحیح نہیں ہے، پس وہ قاذف نہ ہوگا۔ اشارہ کے ساتھ زنا، حلال اور شبہ و طمی سے ممتاز نہیں ہوتا۔ نیز یہ علماء کہتے ہیں: لعان ہمارے نزدیک شہادت ہیں اور گونگے کی شہادت بالاجماع مقبول نہیں ہے۔ ابن القصار نے کہا: ان علماء کا یہ قول ہے کہ قذف صرف صریح زنا سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ تمام زبانوں کے اعتبار سے باطل ہے سوائے عربی زبان کے۔ اسی طرح گونگے کا اشارہ ہے اور انہوں نے جو اجماع ذکر کیا ہے کہ گونگے کی شہادت کے عدم قبولیت پر اجماع ہے یہ بھی غلط ہے۔ امام مالک کی نص موجود ہے کہ ان کے اشارہ کو سمجھا جاتا ہو تو اس کی شہادت مقبول ہے اس کا اشارہ لفظ کے ساتھ شہادت دینے کے قائم مقام ہوگا۔ رہا یہ کہ لفظ پر قدرت ہو تو پھر لفظ کے ساتھ ہی شہادت واقع ہوگی۔ ابن المنذر نے کہا: مخالفین گونگے کی طلاق، بیع اور باقی تمام احکام لازم کرتے ہیں، پس قذف بھی اس کی مثل ہونا چاہیے۔ مہلب نے کہا: بہت سے فقہی ابواب میں اشارہ کلام سے قوی ہوتا ہے مثلاً نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بعثت أنا و الساعۃ کھاتین، میں اور قیامت ان دونوں کی طرح قریب قریب مبعوث کیے گئے ہیں۔ ہم ان دونوں کیوں کے درمیان جو قرب ہے اسے وسطی انگلی کی سبابہ پر زیادتی کی مقدار سے جانتے ہیں۔ دانشوروں کا اجماع ہے کہ عیان (مشاہدہ) خبر سے اقویٰ ہوتا ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ اشارہ بعض مواقع پر کلام سے قوی ہوتا ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ، اللہ کی طرف سے مجھ پر سلام ہو۔ زجاج نے کہا: اس سے پہلے سلام کا لفظ الف، لام کے بغیر ذکر کیا گیا تھا پس دوبارہ الف، لام کے ساتھ ذکر کرنا بہتر تھا۔ يَوْمَ وُلِدْتُ یعنی دنیا میں۔ بعض نے فرمایا: شیطان کے وسوسہ سے۔ یہ سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ وَيَوْمَ أُمُوتُ یعنی قبر میں۔ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا یعنی آخرت میں، کیونکہ آپ کے تین احوال تھے: دنیا میں زندہ رہنا، قبر میں مردہ ہونا، آخرت میں اٹھنا۔ تو آپ نے تمام حالات میں سلامتی بھیجی؛ یہ کلبی کے قول کا معنی ہے پھر آپ کا کلام پنگھوڑے میں ختم ہو گیا حتیٰ کہ اس عمر کو پہنچے جس میں عام بچے بولتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: ہمارے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ ایک عورت نے دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہر زمانہ میں مردوں کو زندہ کرتے ہیں (1)، اندھوں اور برص کے

مریضوں کو درست کرتے ہیں تو اس نے کہا: مبارک ہو اس بطن کو جس نے تجھے اٹھائے رکھا اور مبارک ہو اس سینے کو جس نے تجھے دودھ پلایا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے کہا: مبارک ہو اسے جس نے کتاب اللہ کی تلاوت کی اور اس کی پیروی کی جو کتاب اللہ میں تھا اور کتاب اللہ پر عمل کیا۔

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۗ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٣٣﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهُ ۗ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٣٤﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡوٌ رَّابُّكُمْ فَاَعْبُدُوْهُ ۗ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٣٥﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۗ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿٣٦﴾ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصُرْ ۗ يَوْمَ يَأْتُوْنَآ لٰكِنَ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿٣٧﴾ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَّهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٨﴾ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا ۗ وَإِنَّا يُرْجَعُوْنَ ﴿٣٩﴾

”یہ عیسیٰ بن مریم ہیں۔ یہ زیبا ہی نہیں اللہ تعالیٰ کو کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے وہ پاک ہے جب وہ فیصلہ فرمادیتا ہے کسی کام کا تو بس صرف اتنا حکم دیتا ہے اس کے لیے کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی سو اسی کی عبادت کیا کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔ پھر کئی گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے پس ہلاکت ہے کفار کے لیے اس دن کی حاضری سے جس دن آئیں گے ہمارے پاس لیکن یہ ظالم آج کھلی گمراہی میں ہیں۔ اور اے نبی کریم! آپ ڈرائیے انہیں حسرت و ندامت کے دن سے جب ہر بات کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور آج یہ لوگ غفلت میں ہیں اور یہ ایمان نہیں لاتے۔ یقیناً ہم ہی وارث ہوں گے زمین کے اور جو کچھ اس کے اوپر ہے اور ہماری طرف ہی سب لوٹائے جائیں گے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ یعنی یہ جس کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ عیسیٰ ابن مریم ہے پس اسی طرح تم اس پر اعتقاد رکھو نہ اس طرح کہو جس طرح یہود کہتے ہیں کیونکہ وہ درست نہیں ہے وہ کہتے ہیں: یہ یوسف نجار کا بیٹا ہے اور اس طرح بھی تم نہ کہو جس طرح نصاریٰ نے کہا: وہ الہ ہے اور الہ کا بیٹا ہے۔ قَوْلَ الْحَقِّ کسائی نے کہا: یہ عیسیٰ کی لغت ہے یعنی ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ حضرت عیسیٰ کو قول الحق کہا گیا جس طرح انہیں کلمۃ اللہ کہا گیا (1)۔ الحق سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ابو حاتم نے کہا: اس کا معنی ہے ہو قول الحق۔ تقدیر کلام اس طرح ہے هذا الکلام قول الحق، حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ کلام قول حق ہے، باطل نہیں ہے، قول کو الحق کی طرف اس طرح مضاف کیا گیا ہے جس طرح اس آیت میں ہے: وَعَدَ الصّٰدِقِ الَّذِيۡ كَانُوۡا يُوعَدُوْنَ ﴿١٠٩﴾ (الاحقاف) یعنی الوعد الصّدق، اور فرمایا: وَلَدًا مِّنَ الْاٰخِرَةِ حَيًّا (یوسف: 109) یعنی الدار الاخرۃ، یعنی موصوف کو صفت کی طرف مضاف کیا گیا

ہے۔ عاصم اور عبد اللہ بن عامر نے قول الحق حال کی بنا پر منصوب پڑھا ہے، یعنی أقول قولاً حقاً، ذالک میں اشارہ کا معنی اس میں عامل ہے۔ زجان نے کہا: یہ مصدر ہے یعنی أقول قول الحق، کیونکہ اس کا ما قبل اس پر دلالت کرتا ہے۔ بعض نے فرمایا: مدح کی بنا پر منصوب ہے۔ بعض نے فرمایا: اغرا کی بنا پر منصوب ہے۔ عبد اللہ نے قال الحق پڑھا ہے۔ حسن نے قول الحق، قاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، اسی طرح سورہ انعام میں قوله الحق کو پڑھا ہے۔ القول، القول، القول تمام کا ایک معنی ہے جیسے الزهْبُ الرَّهْبُ کا معنی ایک ہے۔ الذی، عیسیٰ کی صفت ہے۔ فِیْهِ یَنْتَوُونَ، شک کرتے ہیں یعنی عیسیٰ بن مریم جس میں یہ شک کرتے ہیں۔ سچا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: یَنْتَوُونَ کا معنی اختلاف کرتے ہیں۔ عبدالرزاق نے ذکر کیا ہے فرمایا: ہمیں معمر نے قتادہ سے روایت کر کے ذَلِکَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَنْتَوُونَ ۝ کے متعلق بتایا کہ بنو اسرائیل جمع ہوئے اور پھر انہوں نے اپنے میں سے چار افراد نکالے ہر قوم نے اپنا عالم نکالا پس وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے اختلاف کرنے لگے جب وہ اٹھائے گئے۔ ایک نے کہا: وہ اللہ تھا وہ زمین پر اترتا، اسے زندہ کیا جسے زندہ کیا اور اسے موت دی جسے موت دی پھر وہ آسمان کی طرف چڑھ گیا۔ یہ گروہ یعقوبیہ تھا۔ دوسرے تینوں نے کہا: تم نے جھوٹ کہا ہے پھر ان میں سے دو نے تیسرے شخص سے کہا: تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے بات کر، اس نے کہا: وہ اللہ کا بیٹا ہے؛ یہ گروہ نستوریہ ہے۔ پھر دوسروں نے کہا: تو نے غلط کہا ہے، پھر دو میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: تو بات کر، اس نے کہا: تین میں سے تیسرا تھا، اللہ الہ ہے، عیسیٰ بھی الہ ہے اور اس کی والدہ بھی الہ ہے؛ یہ گروہ اسرائیلیہ ہے جو نصاریٰ کے ملوک ہیں۔ چوتھے نے کہا: تو نے غلط کہا ہے بلکہ وہ الہ کا بندہ اور اس کا رسول، اس کی روح، اس کا کلمہ ہے؛ یہ مسلمان ہیں۔ پس ان میں سے ہر ایک کے متبعین ہیں جیسا کہ انہوں نے فرمایا: وہ آپس میں لڑے تو مسلمانوں پر غلبہ دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَ یَقْتُلُونَ الَّذِیْنَ یَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ (آل عمران: 21) سے یہی مراد ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں (1) جن کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاصْتَخَفْنَا لَهَا حِزْبًا مِنْ بَنِیْنِهِمْ، انہوں نے اس میں اختلاف کیا اور وہ کئی گروہ بن گئے۔ الَّذِیْ فِیْهِ یَنْتَوُونَ کا یہی معنی ہے۔ ابو عبد الرحمن سلمیٰ کی قرأت تسمعون (تاء کے ساتھ ہے) حضرت ابن عباس نے فرمایا: حضرت مریم کے چچا کا بیٹا حضرت مریم اور ان کے بیٹے کو لیکر مصر کی طرف چلا گیا اور وہ اس میں بارہ سال رہے حتیٰ کہ وہ بادشاہ مر گیا جس سے وہ خوف کرتے تھے؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: مصر کی تاریخ میں واقع ہے جو میں نے دیکھی ہے اور انجیل میں بھی آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بیت لحم میں ہوئی تھی اور اس وقت ہیرودس بادشاہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف نجار کو خواب میں وحی فرمائی اور اسے فرمایا: اٹھ اور اس بچے اور اس کی والدہ کو لیکر مصر کی طرف چلا جا اور وہاں رہے حتیٰ کہ میں تجھے کہوں کیونکہ ہیرودس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تلاش کرنے کا پختہ ارادہ کیا ہوا تھا تا کہ اسے ہلاک کر دے پس یوسف خواب سے بیدار ہوا اور اپنے رب کے حکم کی پیروی کی انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام اور مریم ان کی والدہ کو ساتھ لیا اور مصر میں آ گیا مصر آتے وقت وہ ہلسان کے کنویں پر اترتا جو قاہرہ کی زمین میں تھا۔

حضرت مریم نے اس کنویں پر کپڑے دھوئے بلسان ایسی جگہ ہے جہاں کوئی چیز نہیں آگتی سوائے اس جگہ کے (جہاں حضرت مریم نے کپڑے دھوئے تھے) اسی جگہ سے وہ تیل نکلتا ہے جو اس زیتون سے ملایا جاتا ہے جس کا نصاریٰ قصد کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے مصریوں میں اس تیل کی ایک بوتل کی بہت بڑی قیمت ہے۔ یہ تیل نصاریٰ کے بادشاہوں ملک قسطنطنیہ، ملک صقلیہ، ملک حبشہ، ملک النوبہ، ملک الفرنج اور دوسرے بادشاہوں کو جب مصر کے بادشاہ ہدیہ بھیجتے ہیں تو ان کے ہاں اس کی بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے۔ ہر تحفہ سے زیادہ یہ تحفہ محبوب ہوتا ہے۔ اس سفر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اشمونین اور فسقام (جو اب المحرقہ کے نام سے معروف ہے) کے شہروں میں گئے۔ اسی وجہ سے اب بھی نصاریٰ ان شہروں کی تعظیم کرتے ہیں اور عید الفصح میں ہر جگہ سے ان شہروں کی طرف آتے ہیں کیونکہ یہ انتہا ہے مصر کی زمین کی جہاں مسیح علیہ السلام پہنچے تھے اور یہاں سے شام کی طرف لوٹے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا كَانَ لِلَّهِ لِيَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ كَمَا كَانَ لِلْبَنَاتِ كَوْنٌ لِأَنَّ يَتَّخِذُ وَلَدًا۔ اُنْ، كَانُ كَالِاسْمِ هُوَ فِي رَفْعٍ مِمَّنْ هِيَ لِيَعْنِي كَوْنٌ كَوْنًا بِنَاثًا اسکی صفت سے نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بات سے اپنی ذات کو منزہ و مبرا فرمایا (سجائے) وہ کسی کو بیٹا بنانے سے پاک ہے۔ اِذَا قَضَيْتُمْ مَرْءًا قَوْلًا لَكُمْ فَيَكُونُ ۝ اس پر تفصیلی گفتگو سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ وَإِنَّ اللَّهَ سَمِيٌّ وَرَبُّكُمْ، اِبْلِ مَدِينَةَ، اِبْنِ كَثِيرٍ اور ابو عمرو نے اُن کو ہمزہ کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور اہل کوفہ نے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ نئی کلام ہے۔ اس پر دلیل ابی کی قرأت ہے لَنْ يَكُونَ ۝، اِنَّ اللّٰهَ لَعِنِّيْ بِغَيْرِ وَاوْ كِے اور انہوں نے قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ پر عطف کیا ہے۔ اور ہمزہ کے فتح کی صورت میں کئی اقوال ہیں۔ خلیل اور سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کا معنی ہے دِلَانِ اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ اور اسی طرح وَ اَنَّ السَّجْدَ لِلّٰهِ (الجن: 18) ان دونوں نحو یوں کے نزدیک اُن محل نصب میں ہے۔ اور فراء نے لام کے حذف کی بنا پر محل جر میں ہونا بھی جائز قرار دیا ہے۔ اور اس اعتبار سے بھی محل جر میں ہونا جائز قرار دیا ہے کہ یہ اس مفہوم میں ہو وَ اَوْضَعِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا دِلَانِ اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ، اور کسائی نے محل رفع میں ہونا بھی جائز قرار دیا ہے کہ یہ اس معنی میں ہوگا دِلَانِ اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ، اس میں پانچواں قول بھی ہے۔ ابو عبیدہ نے حکایت کیا ہے کہ ابو عمرو بن العلاء نے یہ کہا ہے کہ یہ اس معنی میں ہوگا وَقَضَىٰ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ اور یہ امر پر عطف ہے جو اِذَا قَضَيْتُمْ مَرْءًا كَقَوْلِكَ سے ہے۔ معنی یہ ہوگا اِذَا قَضَيْتُمْ مَرْءًا وَقَضَىٰ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ۔ اس تقدیر پر اور تیسری تقدیر پر ان کے ساتھ ابتدا جائز نہ ہوگی اور باقی وجوہ پر ان کے ساتھ ابتدا جائز ہوگا۔

فَاعْبُدُوْهُ ۗ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ یعنی دین مستقیم جس میں کوئی کجی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ، مِنْ زَائِدَةٍ هِيَ لِيَعْنِي اَخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ بَيْنَهُمْ، قِتَادَةٌ نَعْنِي جَوَانِ كِے درمیان اختلاف تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے اہل کتاب کے فرقوں میں اختلاف تھا۔ یہود قدح کرتے اور جادو کا الزام لگاتے۔ نصاریٰ میں سے نسطور یہ کہتے: وہ اللہ کا بیٹا ہے۔ مکانیہ نے کہا: تین میں سے تیسرا ہے۔ یعقوبیہ نے کہا: وہ اللہ ہے۔ نصاریٰ نے افراط اور غلو کیا اور یہود نے تفریط اور کوتاہی کی۔ یہ بحث سورہ النساء میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: الْاَحْزَابُ سے مراد وہ لوگ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف گروہ درگروہ آئے تھے اور مشرکین میں سے جنہوں نے آپ کو جھٹلایا تھا۔

قَوْلٍ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَّشْهَدٍ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝، مَشْهَدًا سے مراد قیامت کے دن کی حاضری ہے۔ مشہد بمعنی مصدر ہے۔ الشہود کا معنی الحضور ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ الحضور لہم کے معنی میں ہو اور ظرف کی طرف مضاف کیا گیا ہے کیونکہ اس دن میں حاضری کا وقوع ہے جیسے کہا جاتا ہے: ویل لفلان من قتال یوم کذا، یعنی من حضورہ ذالک الیوم بعض علماء نے فرمایا: الشہد سے مراد وہ جگہ ہے جہاں لوگ حاضر ہوں گے جیسے محشر وہ جگہ جہاں لوگ جمع ہوں گے۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ہلاکت ہے کافروں کے لیے اس مشہد میں حاضر ہونے کی وجہ سے جس میں وہ مشورہ کے لیے جمع ہوئے پھر اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے پر اتفاق کیا اور اس قول پر اجماع کیا کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُ تَوْنًا، ابوالعباس نے کہا: عرب یہ صیغے تعجب کی جگہ استعمال کرتے ہیں تو کہتا ہے: أَسْمِعْ بزید و أبصر بزید زید کتنا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ فرمایا: اس کا معنی ہے اس نے اپنے نبی کو ان پر متعجب کیا۔ کلبی نے کہا: کوئی ان سے زیادہ قیامت کے دن سننے اور دیکھنے والا نہ ہوگا جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا: ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوا مِنِّي وَأُتِي الْهَيْئَ مِنْ دُونِ اللَّهِ (المائدہ: 16) بعض علماء نے فرمایا: أَسْمِعْ کا معنی ہے اس دن وہ اللہ تعالیٰ کی کتنی زیادہ اطاعت کرنے والے ہوں گے۔ لٰكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ یعنی دنیا میں ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔ اس سے زیادہ کھلی گمراہی کیا ہو سکتی ہے کہ ایک آدمی اپنے جیسے شخص کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے وہ خدا ہے جبکہ اسے رحم نے اٹھایا، اس نے کھایا، پیا، حدث کیا اور محتاج ہوا۔ اسی گمراہی کی بنا پر فرمایا: وہ بہرہ اور اندھا ہے لیکن آخرت میں دیکھے گا اور سنے گا جب عذاب کو دیکھے گا لیکن اس وقت کا سننا اور دیکھنا مفید نہ ہوگا۔ یہ مفہوم قتادہ وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ، حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے فرمایا: جو بھی دوزخ میں داخل ہوگا اس کے لیے جنت میں بھی گھر ہوگا پس وہ اس پر حسرت و افسوس کرے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ اس وقت حسرت کرے گا جب نامہ اعمال اسے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ، یعنی حساب مکمل ہو جائے گا۔ اہل جنت، جنت میں اور اہل نار آگ میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے (1) فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب جنتی جنت میں داخل ہوں گے اور دوزخی دوزخ میں داخل ہوں گے تو قیامت کے روز موت کو لایا جائے گا گویا وہ چکبرا مینڈھا ہے، پس اسے جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کیا جائے گا۔ کہا جائے گا: اے اہل جنت! کیا تم اسے جانتے ہو؟ پس وہ اپنی گردنیں لمبی کر کے دیکھیں گے اور وہ کہیں گے: ہاں یہ موت ہے۔“ فرمایا: ”پھر کہا جائے گا: اے دوزخیو! کیا تم اسے جانتے ہو وہ گردنیں لمبی کر کے دیکھیں گے اور کہیں گے: ہاں یہ موت ہے۔“ فرمایا: ”پھر اسے ذبح کرنے کا حکم دیا جائے گا تو وہ ذبح کر دی جائے گی پھر کہا جائے گا: اے جنتیو! تمہیں یہاں رہنا ہے اب موت نہیں ہے اور (کہا جائے گا) اے دوزخیو! تمہیں یہاں رہنا ہے اب موت نہیں ہے۔“ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی: وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ اس حدیث کو امام بخاری نے حضرت ابن عمر

سے، ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ کی حدیث سے ترمذی نے حضرت ابوسعید سے مرفوع روایت کی ہے (1) اور فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ہم نے یہ اپنی کتاب ”المذکرہ“ میں ذکر کی ہے اور وہاں ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ ان احادیث اور آیات کی وجہ سے کافر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور ہم نے ان کے قول کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ غضب کی صفت ختم ہو جائے گی۔ ایلیس اور پیر و کار کفار جیسے فرعون، ہامان، قارون اور ان کے مشابہ لوگ بھی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَحْيِي الْحَيَاتِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝** اِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَحْيِي الْحَيَاتِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝

وَأَذْكُرُ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ۚ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۚ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا ۚ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ۚ قَالَ أَرَأَيْتَ أَنْتَ عَنْ الْإِلهِ يَا إِبْرَاهِيمُ ۚ لَيْسَ لَكَ تَنْتَهُ لَا رَجْعَكَ وَأَهْجُرُنِي مَلِيًّا ۚ قَالَ سَلِّمْ عَلَيْكَ ۚ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي ۚ إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ۚ وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ وَأَدْعُوا رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ۚ فَلَمَّا أَعْتَزَلْتَهُمْ وَمَا يَعْْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۚ وَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝

”اور ذکر کیجئے آپ کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا وہ بڑا راست باز نبی تھا۔ جب انہوں نے کہا: اپنے باپ سے کہ اے میرے باپ! تو کیوں عبادت کرتا ہے اس کی جو نہ کچھ سنتا ہے اور نہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ تجھے فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اے میرے باپ! بیشک آیا ہے میرے پاس وہ علم جو تیرے پاس نہیں آیا اس لیے تو میری پیروی کر میں دکھاؤں گا تجھے سیدھا راستہ۔ اے باپ! شیطان کی پوجا نہ کیا کر بیشک شیطان تو رحمن کا نافرمان ہے۔ اے باپ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تجھے پہنچے عذاب (خدا کے) رحمن کی طرف سے تو تو بن جائے شیطان کا ساتھی۔ باپ نے کہا: کیا روگردانی کرنے والا ہے تو میرے خداؤں سے اے ابراہیم؟ اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا اور دور ہو جاؤ میرے سامنے سے کچھ عرصہ۔ ابراہیم نے (جواب میں) کہا: سلام ہو تم پر میں مغفرت طلب کروں گا تیرے لیے اپنے رب سے، بیشک وہ مجھ پر بے حد مہربان ہے۔ اور میں الگ ہو جاؤں گا تم سے اور (ان سے بھی) جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر اور میں اپنے رب کی عبادت کروں گا مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کی

عبادت کی برکت سے نامراد نہیں رہوں گا۔ پس جب وہ جدا ہو گیا ان سے اور جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تو عطا فرمایا ہم نے ابراہیم کو اسحق اور یعقوب اور سب کو ہم نے نبی بنایا۔ اور ہم نے عطا فرمائیں انہیں اپنی رحمت سے (طرح طرح کی نعمتیں) اور ہم نے ان کے لیے سچی اور دائمی تعریف کی آواز بلند کر دی۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا** ① یعنی وہ کتاب جو آپ پر نازل کی گئی اس میں حضرت ابراہیم کے واقعہ کا ذکر کریں۔ الصدیق کا معنی سورہ نساء میں گزر چکا ہے اور الصدق کا اشتقاق سورہ بقرہ میں بیان ہو چکا ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ آیت کا معنی ہے کہ اے محمد! سن! یہاں آیت قرآن میں حضرت ابراہیم کے مکالمہ کا ذکر ان پر پڑھے یہ جان چکے ہیں کہ وہ حضرت ابراہیم کی اولاد سے ہیں وہ حنیف مسلم تھے اور اللہ تعالیٰ کے مد مقابل نہیں بناتے تھے یہ کیوں اللہ کے مد مقابل بناتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: **وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ قَلْبِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ** (البقرہ: 130)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ، ابیہ سے مراد آزر ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔** **يَا أَبَتِ، سورہ یوسف میں اس پر گفتگو ہو چکی ہے۔ لِمَ تَعْبُدُ كَس وَجِهَ سَ آسَ عِبَادَتِ كَرَتَ سَ هِ۔ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا** ② جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ تجھے کچھ فائدہ دیتے ہیں۔ اس سے مراد بت ہیں۔ **يَا أَبَتِ إِنْ قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ** یعنی اللہ کی معرفت اور یقین اور جو موت کے بعد ہونا ہے اور جس نے غیر اللہ کی عبادت کی اسے عذاب دیا جائے گا۔ **فَاتَّبَعَنِي** اس کی اتباع کرو جس کی طرف میں دعوت دیتا ہوں۔ **أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا** ③ میں تمہاری دین مستقیم کی طرف راہنمائی کروں گا جس میں نجات ہے۔ **يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ** وہ جو تمہیں کفر کا حکم دیتا ہے اس کی طاعت نہ کرو جس نے کسی معصیت میں شیطان کی اطاعت کی اس نے اس کی عبادت کی۔ **إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا** ④ کان صلتہ (زائدہ) ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا: کان بمعنی صار ہے۔ بعض نے فرمایا: حال کے معنی میں ہے یعنی ہو للرحمن، عصیا اور عاص دونوں کا ایک معنی ہے؛ یہ کسائی کا قول ہے۔ **يَا أَبَتِ إِنْ آخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابُ مِنَ الرَّحْمَنِ** اگر تو اس عقیدہ پر مر گیا جس پر تو اب ہے تو میں جانتا ہوں کہ رحمن کی طرف سے تجھے عذاب ملے گا۔ اور آخاف بمعنی اعلم ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اپنے معنی میں ہو معنی یہ ہو کہ مجھے ڈر ہے کہ تو کفر پر مرے گا پھر تجھے عذاب ہوگا۔ **فَتَكُونُ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا** ⑤ آگ میں ساتھی ہوگا۔ **قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ تَبَرَّأْتَ مِنَ اللَّهِ تَبَرَّأْتَ مِنْ رَبِّكَ** ⑥ حضرت ابن عباس نے کہا: اس کا معنی ہے میں تجھے پتھروں سے ماروں گا۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد ہے میں تجھے گالی دوں گا۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اس کا مطلب ہے میں تجھے سزا دوں گا۔ بعض نے کہا: اس کا معنی ہے میں تیرا معاملہ ظاہر کروں گا۔ **وَإِذْ نَادَى مَوْلَانَا** ⑦ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کا مطلب ہے عزت بچا کر مجھ سے الگ ہو جا کہیں ایسا نہ ہو کہ میری طرف سے تجھے کوئی نساہ پہنچے، طبری نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اس مفہوم پر **مَوْلَانَا**، ابراہیم سے حال ہوگا۔ حسن اور مجاہد نے کہا: **مَوْلَانَا** کا معنی ہے لمبا زمانہ (1)؛ اسی سے **المہلبل** کا قول ہے:

فَتَصَدَّعَتْ صُمُّ الْجِبَالِ لَمَوْتِهِ وَبَكَتْ عَلَيْهِ لِرُمَلَاتِ مَلِيَّتَا

اس شعر میں ملیتا سے مراد لمبا زمانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ سَلَّمَ عَلَيْكَ، حضرت ابراہیم نے جواب تندی اور ترشی میں نہیں دیا کیونکہ انہیں اس کے کفر پر اسے قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ جمہور علماء نے کہا ہے کہ یہاں سلام سے مراد مسالہ ہے یعنی متارکہ (چھوڑنا) ہے سلام نہیں ہے۔ طبری نے کہا: اس کا معنی ہے مجھ سے آپ کو امن ہے۔ اس بنا پر کافر کو پہلے سلام نہیں کیا جائے گا۔ نقاش نے کہا: یہ حلیم کا سفیہ سے خطاب ہے جیسے فرمایا: وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۖ (الفرقان) بعض علماء نے اسے سلام کے معنی میں فرمایا، یہ جدائی کا سلام ہے اور کافر کو سلام کرنے اور اس کو پہلے سلام کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ ابن عیینہ سے پوچھا گیا: کیا کافر کو سلام کرنا جائز ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا يَنْهَيْكُمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَ لَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَ تُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ (الممتحنہ) اور فرمایا: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ (الممتحنہ) اور حضرت ابراہیم نے اپنے باپ سے کہا: سَلَّمَ عَلَيْكَ۔

میں کہتا ہوں: اس آیت سے وہی ظاہر ہوتا ہے جو سفیان بن عیینہ نے کہا ہے اور اس باب میں دو صحیح احادیث ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ نے نبی پاک ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: ”یہود اور نصاریٰ کو پہلے سلام نہ کرو اور جب تم ان میں سے کسی کو راستہ میں ملو تو اسے تنگی کی طرف مجبور کرو“ (1)۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ صحیحین میں حضرت اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ گدھے پر سوار ہوئے جس پر پالان تھا جس کے نیچے فدک کا بنا ہوا کپڑا تھا اور آپ نے پیچھے حضرت اسامہ بن زید کو سوار کیا ہوا تھا۔ آپ ﷺ حضرت سعد بن عبادہ کی بنی الحارث بن الخزرج میں عیادت کے لیے جا رہے تھے، یہ جنگ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے حتیٰ کہ آپ ایک ایسی مجلس سے گزرے جس میں مسلمان، مشرکین، بت پرست اور یہودی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں (رئیس المنافقین) عبد اللہ بن ابی بن سلول بھی تھا اور مجلس میں حضرت عبد اللہ بن رواحہ بھی موجود تھے جب مجلس پر گدھے کا غبار پڑا تو عبد اللہ بن ابی نے اپنی ناک اپنی چادر سے ڈھانپ لی اور کہا: ہم پر غبار نہ اڑاؤ۔ نبی کریم ﷺ نے ان پر سلام کیا (الحدیث) پہلی حدیث ابتداً غیر مسلموں کو سلام نہ کرنے کو ظاہر کر رہی ہے کیونکہ سلام کرنا عزت دینا ہے اور کافر اس کا اہل نہیں اور دوسری حدیث ابتداءً سلام کرنے کو جائز ظاہر کر رہی ہے۔ طبری نے کہا: حضرت اسامہ کی مروی، حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کے معارض نہیں ہے کیونکہ ہر ایک دوسری کے خلاف نہیں ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کا مخرج عموم ہے اور حضرت اسامہ کی حدیث بیان کرتی ہے کہ اس کا معنی خصوص ہے۔ نخعی نے کہا: جب تجھے یہودی یا نصرانی سے حاجت ہو تو اسے پہلے سلام کر، اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث (کہ انہیں پہلے سلام نہ کرو (2)) اس صورت میں ہے جب کوئی ایسا سبب نہ ہو جو سلام کرنے کا موجب ہو مثلاً کوئی فیصلہ کرانا ہو، کوئی اور حاجت ہو جو تمہیں ان کی طرف سے لاحق ہو یا سنگت کا حق ہو یا پڑوس کا حق ہو یا سفر کا حق ہو۔

1- صحیح مسلم، کتاب السلام، نہی عن ابتداء اهل الكتاب بالسلام، جلد 2، صفحہ 214

2- صحیح بخاری، کتاب الاستیذان، التسليم في المجلس فيه الخلاط من المسلمين والشركيين، جلد 2، صفحہ 924

طبری نے کہا: سلف سے مروی ہے کہ وہ اہل کتاب کو سلام کرتے تھے۔ حضرت ابن مسعود نے ایک کسان کو سلام کیا جو راستے میں آپ کے ساتھ تھا۔ حضرت علقمہ نے کہا: میں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے کہا: اے ابوعبدالرحمن! کیا اہل کتاب کو پہلے سلام کرنا مکروہ نہیں ہے؟ حضرت عبد اللہ نے فرمایا: ہاں، لیکن حق صحبت و سنگت کی وجہ سے مکروہ نہیں ہے۔ حضرت ابوامامہ جب اپنے گھر کی طرف لوٹے تو مسلمان، نصرانی، چھوٹے بڑے جس کے پاس سے گزرتے اسے سلام کرتے۔ اس کی وجہ ان سے پوچھی گئی تو فرمایا: ہمیں سلام افشاء کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ امام اوزاعی سے اس مسلمان کے بارے پوچھا گیا جو کسی کافر کے پاس سے گزرتا ہے اور پھر اسے سلام کرتا ہے تو انہوں نے فرمایا: اگر تو سلام کرے تو تجھ سے پہلے نیک لوگوں نے سلام کیا ہے اگر تو سلام نہ کرے تو تجھ سے پہلے نیک لوگوں نے سلام کو ترک کیا ہے۔ حسن بصری سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: جب تو کسی ایسی مجلس سے گزرے جس میں مسلمان اور کفار ہوں تو انہیں سلام کر۔

میں کہتا ہوں: پہلے مقالہ والوں نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ سلام جس کا معنی تحیہ ہے یہ اس امت کے ساتھ خاص ہے کیونکہ حضرت انس بن مالک کی حدیث ہے فرمایا: نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے میری امت کو ایسی تین چیزیں عطا فرمائی ہیں جو ان سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئیں۔ (1) السلام یہ اہل جنت کا سلام ہے“ الحدیث۔ اس حدیث کو حکیم ترمذی نے ذکر کیا ہے ان کی سند کے ساتھ سورہ فاتحہ میں گزر چکی ہے۔ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي کے معنی پر کلام گزر چکی ہے اور سلام پر رفع ابتدا کی وجہ سے ہے۔ اس کے نکرہ ہونے کے باوجود اسے مبتدا بنانا جائز ہے کیونکہ نکرہ مخصوصہ، حکم میں معرفہ کے ساتھ متصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اِنَّهُ كَانَ فِي حَفِيَّتَا ۝ الحفی جو نیکی کرنے اور مہربانی کرنے میں انتہا کو پہنچا ہوا ہو۔ کہا جاتا ہے: حفی بہ و تحفی، اس کا معنی ہے اس نے اس سے نیکی اور مہربانی کی۔ کسائی نے کہا: کہا جاتا ہے: حفی بی حفاوۃ و حفاوۃ، فراء نے کہا: اِنَّهُ كَانَ فِي حَفِيَّتَا، یعنی وہ عام اور باریک بین ہے وہ میری دُعا قبول فرماتا ہے جب میں اس سے دعا مانگتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَعْتَزِلْكُمْ، العزله کا معنی جدائی ہے، سورۃ الکہف میں اس کا بیان ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: عَسَىٰ اَلَّا اَكُوْنَ بِدُعَاۤءِ رَبِّي سَقِيَّتًا ۝ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اہل اور اولاد عطا کرے جن سے وہ تقویت حاصل کرے تاکہ وہ اپنی قوم سے جدائی کی وجہ سے وحشت میں مبتلا نہ ہوں اسی وجہ سے فرمایا: فَلَمَّا اَعْتَزَلْتَهُمْ وَ مَا يَعْجُبُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَ هَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ ۙ وَ يَعْقُوْبَ ۙ هُمْ نَعْمَ الْبٰرِعِيْنَ ۙ اِسْحٰقَ ۙ وَ يَعْقُوْبَ ۙ هُمْ نَعْمَ الْبٰرِعِيْنَ ۙ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بندہ قطعاً طور پر دور کیا۔ حضرت ابن عباس وغیرہ سے یہ مروی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: عَسَىٰ، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بندہ قطعاً طور پر دور کیا۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ معرفت پر باقی رہے یا مستقبل میں باقی رہے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ باپ کے لیے ہدایت کی دعا ہے اور عَسَىٰ سے شک کیا ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ کیا اس کے حق میں دعا قبول کی جائے گی یا نہیں؟ پہلا قول اظہر ہے اور فرمایا: وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝ یعنی ہم نے ان کی خوب تعریف کی کیونکہ تمام ملتیں ان انبیاء کرام کی تعریف میں رطب اللسان ہوتی ہیں اور لسان، مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۝ وَنَادَيْنَاهُ مِنْ

جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ۝ وَهَبْنَا لَهُ مِنْ شَرْحِنَّا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا ۝

”اور ذکر فرمائیے کتاب میں موسیٰ کا پیشک وہ (اللہ کے) چنے ہوئے تھے اور رسول و نبی تھے۔ اور ہم نے انہیں پکارا طور کی دائیں جانب سے اور ہم نے انہیں قریب کیا راز کی باتیں کرنے کے لیے۔ اور ہم نے بخشا انہیں اپنی (خاص) رحمت سے ان کا بھائی ہارون جو نبی تھا۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ یعنی قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ان پر پڑھو۔ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا اپنی عبادت میں خلوص رکھتا تھا، ریاکار نہ تھا۔ اہل کوفہ نے لام کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی ہم نے اسے چن لیا اور چنا ہوا بنا دیا۔ وَنَادَيْنَاهُ ہم نے جمعہ کی رات اس سے کلام کی۔ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب، پہاڑ کے پہلو میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں طرف درخت تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مسرک طرف آرہے تھے؛ یہ طبری وغیرہ نے کہا ہے۔ کیونکہ پہاڑوں کا دایاں، بائیں نہیں ہوتا (1)۔ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا، نَجِيًّا پر نصب حال کی بناء پر ہے، یعنی ہم نے بغیر وحی کے اس سے کلام کی۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ہم نے اسے قدر و منزلت کے اعتبار سے اتنا قریب بخشا کہ ہم نے اس سے کلام کی۔ وکعب اور قبیسہ نے سفیان سے انہوں نے عطاء بن سائب سے انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے حضرت ابن عباس سے وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا کے تحت روایت کیا ہے کہ انہیں قریب کیا حتیٰ کہ انہوں نے قلموں کے چلنے کی آواز سنی (2)۔ وَهَبْنَا لَهُ مِنْ شَرْحِنَّا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا ۝ یہ اس وقت ہوا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا وَاجْعَلْ لِي وَزِيْرًا مِّنْ أَهْلِی ۝ هَارُونَ أَخِي ۝ (ط)

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۝ وَكَانَ

يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۝

”اور ذکر کیجئے کتاب میں اسماعیل کو پیشک وہ وعدہ کے سچے تھے اور رسول (اور) نبی تھے۔ اور وہ حکم، یا کرتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اور اپنے رب کے نزدیک بڑے پسندیدہ تھے۔“

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: اس اسماعیل سے مراد اسماعیل بن حزقیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا تھا تو انہوں نے ان کے سر کی جلد اتار لی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قوم کو عذاب دینے میں اختیار دیا تھا تو انہوں نے عفو طلب کیا اور اللہ تعالیٰ کے ثواب پر راضی ہوئے اور انکا معاملہ، معاف کرنے یا عذاب دینے میں اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ یہ اسماعیل ذبیح ابوالعرب ابن ابراہیم ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: ذبیح حضرت اسحاق تھے۔ پہلا قول اظہر ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا

ہے (ب)۔ اور مزید بحث سورہ الصافات میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وعدہ الصدق کے ساتھ شرف و عزت بخشنے کے لیے خاص کیا ہے اگرچہ یہ صفت دوسرے انبیاء کرام میں بھی موجود تھی جیسے حلیم، اداہ اور الصدیق، لقب کے طور پر دیے گئے ہیں نیز وہ ان خصائل سے مشہور تھے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وعدہ کی سچائی محمود صفت ہے اور یہ انبیاء اور مرسلین کے اخلاق سے ہے۔ اس کی ضد وعدہ خلافی ہے اور مذموم ہے یہ فاسقین اور منافقین کے اخلاق سے ہے جیسا کہ سورہ برأت میں گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اسماعیل علیہ السلام کی تعریف کی اور وعدہ کی سچائی کی صفت سے موصوف فرمایا۔ اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ صفت اس لیے بخشی گئی کہ انہوں نے اپنے نفس پر ذبح کے وقت صبر کا وعدہ کیا تو انہوں نے صبر کیا حتیٰ کہ فد یہ دیا گیا۔ یہ ان کا قول ہے جو کہتے ہیں: ذبح اسماعیل تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: انہوں نے ایک شخص سے کسی جگہ ملاقات کا وعدہ کیا حضرت اسماعیل آئے اور اس جگہ اس شخص کا ایک دن اور ایک رات انتظار کرتے رہے جب دوسرا دن تھا وہ شخص آیا تو آپ نے اسے فرمایا: میں کل سے تیرے انتظار میں یہاں ہوں۔ بعض نے فرمایا: آپ تین دن انتظار میں رہے (1) اس کی مثل ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعثت سے پہلے واقعہ آیا ہے۔ یہ واقعہ نقاش نے ذکر کیا ہے اور ترمذی وغیرہ (2) نے عبد اللہ بن ابی الحمساء سے روایت کیا ہے فرمایا میں نے بعثت سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بیع کی تو آپ کے لیے کچھ باقی رہ گیا میں نے وعدہ کیا کہ میں وہ مال اسی جگہ لے آؤں گا پھر میں بھول گیا پھر مجھے تین دن کے بعد یاد آیا، میں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی جگہ موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے جوان! تو نے مجھے بہت تکلف دی ہے میں تین دن سے یہاں تیرا انتظار کر رہا ہوں“۔ یہ ابوداؤد کے الفاظ کا ترجمہ ہے۔ یزید رقاشی نے کہا: حضرت اسماعیل نے بائیس دن اس شخص کا انتظار کیا تھا؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ ابن السلام کی کتاب میں ہے کہ آپ نے ایک سال انتظار کیا تھا۔ زرخشری نے یہ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اپنے ساتھی سے وعدہ کیا ”اس جگہ وہ اس کا انتظار کریں گے“ تو آپ نے پورا سال انتظار کیا اور قشیری نے یہ ذکر کیا ہے کہ ایک سال آپ اپنی جگہ پر رہے حتیٰ کہ جبرئیل امین آپ کے پاس آئے اور کہا کہ وہ تاجر جس نے آپ سے بیٹھنے کا سوال کیا تھا حتیٰ کہ واپس آ جائے وہ شیطان تھا آپ نہ بیٹھے اور اس کے لیے کوئی عزت نہیں۔ یہ بعید ہے اور صحیح نہیں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جو بھی وعدہ کیا اسے پورا کیا۔ یہ صحیح قول ہے اور آیت کا ظاہر بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس باب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: العدة دین (3) (وعدہ کرنا دین ہے) اور اثر میں مومن کا وعدہ واجب ہے یعنی مومنین کے اخلاق میں وعدہ پورا کرنا واجب ہے ہم نے کہا: یہ بطور فرض واجب نہیں کیونکہ علماء کا اس

2۔ سنن ابی داؤد، باب فی العدة، حدیث نمبر 4344، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

1۔ البحر الرغیب، جلد 4، صفحہ 21

3۔ صحیح بخاری، کتاب الہبة، اذ وہب الہبة أو وعدتم، جلد 1، صفحہ 354

یہ حدیث منفسہ کے قول میں بظاہر تعارض ہے یہاں اسے ظاہر قرار دے رہے ہیں جب کہ بعد میں دوسرے قول کو راجع قرار دیتے ہیں۔

پراجماع ہے جو ابو عمر نے حکایت کیا ہے کہ جس نے مال کا وعدہ کیا جو موجود تھا تو وہ دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ اس کو حساب سے لے گا اسی وجہ سے ہم نے کہا: وعدہ پورا کرنا مردّت اور اچھی بات ہے اس کا قطعی فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ عرب وعدہ پورا کرنے پر مدح کرتے ہیں اور وعدہ شکنی پر مذمت کرتے ہیں۔ اسی طرح تمام امتوں میں تھا۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

مَتَى مَا يَقْلُ حُرًّا لِّصَاحِبِ حَاجَةٍ نَعْمٌ يَقْضِيهَا وَالْحُرُّ لِلْوَاوِي ضَامِنٌ

”آزاد آدمی جب اپنے کسی حاجت مند ساتھی سے ہاں کہتا ہے تو اس کی حاجت پوری کرتا ہے اور آزاد آدمی وعدے ہ

ضامن ہوتا ہے۔“

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وفا کرنے والا شکر اور تعریف کا مستحق ہے جبکہ عہد شکنی کرنے والا مذمت کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ سچ کرنے والے اور نذر پوری کرنے والے کی تعریف فرمائی تو اس کے لیے یہی مدح و ثنا کافی ہے جبکہ اس کے مخالف کے لیے مذمت ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ امام مالک نے فرمایا: جب کوئی شخص کسی کو ہبہ کرنے کا سوال کرے اور وہ اسے ہاں کہے پھر اس کے لیے ایسا نہ کرنا ظاہر ہو تو میرے خیال میں اس پر کچھ لازم نہیں۔ امام مالک نے کہا: اگر یہ صورت اگر قرض کی ادائیگی میں ہو پھر وہ اس سے کہے کہ اس کی طرف سے قرض ادا کر دے اس نے کہا: ٹھیک ہے اور وہاں اور بہت سے افراد ہوں جو اس پر گواہی دیں تو اس پر چیز لازم ہوگی جب اس پر دو آدمی گواہی دیں۔ امام ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب اور امام اوزاعی، امام شافعی اور تمام فقہاء نے کہا: وعدہ کرنے سے کوئی چیز لازم نہیں کیونکہ یہ منافع ہیں عاریہ چیز میں اس کا قبضہ نہیں ہوا کیونکہ وہ طاری ہے اور غیر عاریہ میں جو اشخاص اور اعیان ہیں جو ہبہ کیے جاتے ہیں ان پر قبضہ نہ ہو تو مالک کو ان میں رجوع کا حق ہوتا ہے۔ امام بخاری میں ہے: اِذْ كُنَّا فِي الْكَيْتِ اِسْبَعِيلَ اِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ، ابن اشوع نے وعدہ کی وجہ سے فیصلہ کیا یہ انہوں نے حضرت سمرہ بن جندب سے روایت کر کے ذکر کیا ہے۔ امام بخاری نے فرمایا: میں نے اسحاق بن ابراہیم کو دیکھا وہ ابن اشوع کی حدیث سے حجت پکڑتے تھے (1)۔

مسئلہ نمبر 5۔ وَ كَانَ رَأْسُؤَلَا نَبِيًّا ۝ بعض علماء نے فرمایا: حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جرہم قبیلہ کی طرف مبعوث کیا گیا اور تمام نبی جب وعدہ کرتے تھے تو اسے سچا کر دکھاتے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا خصوصی اس صفت کے ساتھ ذکر کرنا ان کو شرف بخشنے کے لیے ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ وَ كَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ، حسن نے فرمایا: اہل سے مراد ان کی امت ہے اور حضرت ابن مسعود کی قرأت میں اس طرح تھا۔ وَ كَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ جُرْهُمٌ دَوْلِدَةٌ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا یعنی پسندیدہ پاکیزہ اور صالح تھے۔ کسائی اور فراء نے کہا: جنہوں نے مرضی کہا انہوں نے رضیت کی بنا پر کہا۔ کسائی اور فراء نے کہا: اہل حجاز مرضو کہتے ہیں، نیز ان نحویوں نے کہا: عربوں میں سے کچھ لوگ رضوان، رضیان کہتے ہیں۔ پس

رضوان، مرضو کی بنا پر ہے۔ بصری علماء صرف رضوان اور ربوان کہنا جائز قرار دیتے ہیں۔ ابو جعفر نحاس نے کہا میں نے ابواسحاق زجاج کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ لکھنے میں غلطی کرتے ہیں اور ربوا کو یاء کے ساتھ لکھتے ہیں، پھر اس سے بڑی شدید غلطی یہ کرتے ہیں کہ ربوان کہتے ہیں اور یہ صرف ربوان اور رضوان جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا آتَيْتُمْ مِنْ تَرَابًا

لَيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ (روم: 39)

وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِذِ بَرِئْنَا ۖ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۖ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۖ

”اور ذکر فرمائیے کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا بیشک وہ بڑے راستباز تھے (اور) نبی تھے۔ اور ہم نے

بلند کیا تھا انہیں بڑے اونچے مقام تک۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ إِذِ بَرِئْنَا ۖ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۖ حضرت ادریس علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم کے ساتھ لکھا اور کپڑے سینے اور سلعے ہوئے کپڑے پہننے کا آغاز بھی آپ سے ہوا۔ علم نجوم اور حساب اور ستاروں کے چلنے میں غور و فکر بھی آپ سے شروع ہوا۔ اور ادریس کو ادریس اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کتاب اللہ کا کثرت سے درس دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر تیس صحیفے نازل کیے جیسا کہ حضرت ابو ذر کی حدیث میں ہے۔ زرخشری نے کہا: بعض علماء نے کہا: ادریس کو، ادریس کتاب اللہ کا کثرت سے درس دینے کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ آپ کا نام اخنوخ تھا اور یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر یہ درس سے افعیل کے وزن پر ہوتا تو اس میں غیر منصرف ہونے کا صرف ایک سبب ہوتا اور وہ علمیت ہے اور اس کا غیر منصرف ہونا اس کے عجمہ ہونے پر دلیل ہے اسی وجہ سے ابلیس عجمی ہے یہ ابلاس سے مشتق نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے اور اسی طرح یعقوب، العقب سے نہیں ہے اور اسرائیل، اسرال سے نہیں ہے جیسا کہ ابن السکیت نے گمان کیا ہے۔ جو تحقیق نہیں کرتا اور علوم میں مہارت حاصل نہیں کرتا اس سے اس قسم کی اغلاط کثرت سے ہوتی ہیں اور یہ جائز ہے کہ ادریس کا معنی اس لغت میں اس مفہوم کے قریب ہو اور راوی نے ادریس سے مشتق خیال کر لیا ہے۔ ثعلبی اور غزنوی وغیرہا نے کہا: یہ حضرت نوح کے دادا تھے اور یہ خطا ہے۔ سورہ اعراف میں اس کا بیان گزر چکا ہے اسی طرح سیرت میں واقع ہے حضرت نوح علیہ السلام بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ یہ ادریس نبی علیہ السلام ہیں جیسا کہ گمان کرتے ہیں واللہ اعلم۔ اور یہ پہلے شخص تھے جس کو بنی آدم سے نبوت دی گئی تھی اور قلم کے ساتھ سب سے پہلے انہوں نے لکھا اس کا شجرہ نسب یہ ہے۔ ادریس بن برد بن مہلائیل بن قینان بن یانش بن شیث بن آدم صلی اللہ علیہ وسلم۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۖ حضرت انس بن مالک اور حضرت ابوسعید وغیرہا نے کہا (1): مَكَانًا

عَلِيًّا سے مراد چوتھا آسمان ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی مروی ہے اور کعب احبار نے بھی یہی کہا ہے۔ حضرت ابن عباس اور

نحاک نے کہا: اس سے مراد چھٹا آسمان ہے (2)۔ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: بخاری میں شریک بن عبد اللہ بن ابی نمر سے مروی ہے فرمایا میں نے حضرت انس کو یہ فرماتے ہوئے سنا: وہ

رات جس میں نبی پاک ﷺ کو کعبہ کی مسجد سے سیر کرائی گئی۔ اس حدیث میں ہے ”ہر آسمان میں انبیاء تھے“۔ آپ نے نام بیان کیے ان میں حضرت ادریس علیہ السلام کا دوسرے آسمان میں ہونے کا ذکر کیا۔ یہ وہم ہے صحیح یہ ہے کہ چوتھے آسمان پر تھے۔ اسی طرح ثابت بنانی نے حضرت انس بن مالک سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے: یہ مسلم نے صحیح میں ذکر کیا ہے۔ حضرت مالک بن صعصعہ نے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو میں ادریس علیہ السلام کے پاس چوتھے آسمان میں آیا“ (1)۔ یہ بھی مسلم نے نقل کیا ہے حضرت ادریس علیہ السلام کو بلند کرنے کا سبب وہ ہے جو حضرت ابن عباس اور کعب وغیرہ نے کہا ہے: ایک دن وہ کسی کام کے لیے چلے تو انہیں سورج کی گرمی لگی تو انہوں نے کہا: یارب! میں ایک دن چلا ہوں (تو یہ حالت ہے) جو ایک دن میں پانچ سو سال اس کو اٹھائے گا اس کی کیا کیفیت ہوگی۔ اللہ اس سے اس کا بوجھ ہلکا کر دے یعنی سورج کے فلک پر متعین فرشتہ۔ حضرت ادریس نے کہا: اے اللہ! اس سے اس کا بوجھ ہلکا کر دے اور اس سے اس کی گرمی اٹھالے۔ جب فرشتے نے صبح کی تو اس نے سورج کی خفت اور ایسا سایہ پایا جو وہ جانتا نہیں تھا۔ اس فرشتہ نے عرض کی: یارب! تو نے مجھے سورج کے اٹھانے کے لیے پیدا کیا تھا پھر یہ کیا فیصلہ فرمایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے ادریس نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ میں تجھ سے اس کے بوجھ اور اس کی گرمی میں تخفیف کر دوں تو میں نے اس کی دعا قبول کی ہے۔ اس فرشتے نے عرض کی: یارب! مجھے اور اسے جمع کر دے، میرے اور اس کے درمیان دوستی بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو اجازت دی حتیٰ کہ وہ حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس آیا۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے اس سے پوچھا اور کہا: مجھے خبر دی گئی ہے کہ تو ملائکہ میں سے معزز فرشتہ ہے اور ملک الموت کے ہاں تیری دوسروں کی نسبت سے زیادہ عزت ہے، تم میری اس کے پاس سفارش کرو تا کہ وہ میری عمر میں ڈھیل دے دے تاکہ اللہ کا شکر اور عبادت زیادہ کروں۔ فرشتے نے کہا: اللہ تعالیٰ کسی نفس کو ڈھیل نہیں دیتا جب اس کی موت کا وقت آجاتا ہے۔ حضرت ادریس نے فرشتے سے کہا: مجھے یہ معلوم ہے لیکن یہ میرے نفس کے لیے اچھا ہوگا۔ پھر سورج کے فرشتے نے حضرت ادریس کو اپنے پر کے اوپر اٹھایا اور آسمان کی طرف بلند کیا اور انہیں سورج کے مطلع کے پاس اتارا پھر فرشتے نے ملک الموت سے کہا: بنی آدم سے میرا ایک دوست ہے اس نے تیری بارگاہ میں میری سفارش پیش کی ہے کہ تو اس کی عمر میں ڈھیل دے۔ ملک الموت نے کہا: یہ میرے بس میں نہیں اگر تو پسند کرتا ہے کہ وہ جان لے کہ وہ کب فوت ہوگا تو میں اسے یہ بتا دیتا ہوں۔ اس نے کہا: ٹھیک ہے۔ یہی بتا دو۔ پھر ملک الموت نے اپنے دیوان میں دیکھا تو فرمایا: تو مجھ سے ایسے انسان کے بارے سوال کر رہا ہے میں اسے نہیں دیکھتا کہ وہ کبھی فوت ہوگا فرشتے نے کہا: وہ کیسے؟ ملک الموت نے کہا: میں نے اس کی موت کو نہیں پایا مگر سورج کے طلوع ہونے کے پاس۔ فرمایا: میں تیرے پاس آیا ہوں جبکہ ادریس کو میں اسی جگہ چھوڑ آیا ہوں۔ ملک الموت نے کہا: تم جاؤ میں تجھے نہیں دیکھتا مگر یہ کہ تو اسے فوت شدہ پائے گا۔ اللہ کی قسم! ادریس علیہ السلام کی عمر سے کچھ بھی باقی نہیں ہے۔ وہ فرشتہ واپس آیا تو حضرت ادریس علیہ السلام کو فوت شدہ پایا۔ سدی نے کہا: ایک دن حضرت ادریس علیہ السلام سوئے ہوئے تھے تو انہیں سورج کی گرمی بڑی

شدید لگی وہ اٹھے تو وہ اس کی وجہ سے تکلیف میں تھے۔ عرض کی: اے اللہ! سورج کے فرشتے سے سورج کی گرمی میں تخفیف کر اور اس کی اس کے بوجھ پر مدد فرما کیونکہ وہ گرم آگ برداشت کرتا ہے سورج کے فرشتے نے صبح کی تو اس کے لیے نور کی ایک کرسی لگائی گئی تھی اور اس کے پاس ستر ہزار فرشتے دائیں طرف اور ستر ہزار فرشتے بائیں طرف اس کی خدمت کرتے تھے اور اس کا حکم اور عمل بجالاتے تھے۔ سورج کے فرشتے نے کہا: یارب! یہ میرے لیے کہاں سے آیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تیرے لیے بنی آدم میں سے ایک نے دعا کی ہے جسے ادریس کہا جاتا ہے۔ پھر کعب کی حدیث کی طرح ذکر کیا ہے فرمایا: سورج کے فرشتے نے حضرت ادریس سے کہا: تیری کیا حاجت ہے؟ حضرت ادریس نے کہا: میری خواہش ہے کہ میں جنت کو دیکھوں۔ فرمایا: اس فرشتے نے آپ کو اپنے پروں پر اٹھایا پھر اڑ گیا جب وہ چوتھے آسمان میں تھا تو اس کی ملاقات ملک الموت سے ہوئی وہ آسمان میں دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ سورج کے فرشتے نے ملک الموت پر سلام کیا اور کہا: اے ادریس یہ ملک الموت ہے پس تو اس پر سلام کر۔ ملک الموت نے کہا: سبحان اللہ! تو اسے یہاں کس لیے لایا ہے؟ اس نے کہا: میں نے اسے اس لیے بلند کیا ہے تاکہ اسے جنت دکھاؤں فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ادریس علیہ السلام کی روح چوتھے آسمان پر قبض کروں۔ میں نے کہا: یارب! ادریس چوتھے آسمان پر کیسے ہوگا؟ پس میں چوتھے آسمان پر اترتا ہوں تمہارے ساتھ تھے پس اس کی روح قبض کی اور جنت کی طرف اسے بلند کیا۔ ملائکہ نے آپ کے جسم کو چوتھے آسمان میں دفن کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَمَا فَتَنَّا مَكَانًا** عَلِيًّا كَمَا هِيَ مَشْهُومٌ هُوَ۔ وہب بن منبہ نے کہا: حضرت ادریس علیہ السلام کی ہر روز عبادت میں سے اس کی مثل بلند ہوتا تھا جتنا کہ اہل زمین کے لیے اس زمانہ میں بلند ہوتا تھا۔ ملائکہ نے اس پر تعجب کیا اور ملک الموت کو آپ کی ملاقات کا شوق ہوا۔ ملک الموت نے آپ کی زیارت کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو اجازت مرحمت فرمائی۔ ملک الموت انسانی شکل میں آپ کے پاس آئے۔ حضرت ادریس علیہ السلام دن کو روزہ رکھتے تھے جب افطار کا وقت ہوتا تھا تو ملک الموت کو کھانے پر بلاتے تھے تو وہ کھانے سے انکار کرتا تھا یہ اس کے ساتھ تین دن کیا پھر ادریس نے عجیب سمجھا اور اس سے پوچھا: تو کون ہے؟ فرمایا: میں ملک الموت ہوں۔ میں نے اپنے رب سے اجازت طلب کی تھی کہ میں آپ سے ملوں تو اس نے مجھے اجازت دی۔ حضرت ادریس نے کہا: مجھے آپ سے ایک کام ہے۔ حضرت ملک الموت نے کہا: وہ کیا ہے؟ فرمایا: تو میری روح قبض کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو وحی فرمائی کہ اس کی روح قبض کر لے۔ ملک الموت نے اس کی روح قبض کر لی۔ ایک لمحہ بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی روح لوٹا دی۔ ملک الموت نے حضرت ادریس سے کہا: تیری روح قبض کرنے میں کیا فائدہ ہوا؟ فرمایا: تاکہ میں موت کی تکلیف چکھ لوں اور میں اس کے لیے زیادہ استعداد حاصل کروں۔ پھر حضرت ادریس نے ملک الموت سے کہا: مجھے تجھ سے ایک اور کام ہے۔ ملک الموت نے کہا: وہ کیا ہے؟ فرمایا: تو مجھے آسمان کی طرف بلند کرتا کہ میں جنت اور دوزخ کو دیکھوں۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو اذن دیا کہ اسے آسمانوں کی طرف لے جائے۔ حضرت ادریس نے آگ دیکھی تو غشی طاری ہوئی جب افاقہ ہوا تو کہا: مجھے جنت دکھاؤ۔ وہ اسے جنت میں لے گئے پھر حضرت ادریس سے ملک الموت نے کہا: جنت سے باہر نکلنا کہ میں تجھے اپنی جگہ پر لوٹا دوں تو حضرت ادریس نے ایک درخت کو پکڑ لیا اور کہا: میں جنت سے نہیں

نکلوں گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان فیصلہ کے لیے ایک فرشتہ بھیجا جس نے فیصلہ کرنا تھا اس فرشتے نے حضرت ادریس سے پوچھا: تم جنت سے کیوں نہیں نکلتے؟ حضرت ادریس نے کہا: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كُلُّ نَفْسٍ ذَا نَفْسٍ الْمَوْتِ (آل عمران: 185) (ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے) اور میں موت کا ذائقہ چکھ چکا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا تَمَّ مِنْ سَبِيلٍ (الحجر: 47) (وہ اس (جنت) سے نکلنے والے نہیں؟ پھر میں اس سے کیسے نکلوں؟ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت سے فرمایا: میرے اذن سے وہ جنت میں داخل ہوئے تھے اور میرے حکم سے ہی باہر نکلیں گے، پس حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں زندہ ہیں اور وَارِدُهَا مَكَانًا عَلِيًّا (سورہ الحجر: 47) سے یہی مراد ہے۔ النحاس نے کہا: ادریس کا قول: وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس کو یہ سکھایا ہو پھر اس کو قرآن میں نازل کیا ہو۔ وہب بن منبہ نے کہا: حضرت ادریس جنت میں کبھی کھاتے پیتے ہیں اور کبھی ملائکہ کے ساتھ آسمان میں اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ ۖ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۚ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ ۚ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۝

”یہ وہ (مقدس ہستیاں) ہیں جن پر انعام فرمایا اللہ تعالیٰ نے انبیاء (کرام کے زمرہ) سے یہ آدم کی اولاد سے تھے اور بعض ان کی اولاد جن کو ہم نے سوار کیا تھا (کشتی میں) نوح کے ساتھ اور بعض ابراہیم اور یعقوب کی اولاد سے تھے اور ان میں سے جنہیں ہم نے ہدایت دی اور چن لیا، جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے رحمن کی آیتیں تو وہ گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور (زار و قطار) روتے ہوئے۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أُولَئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ اس سے مراد صرف حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ سے مراد صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ سے مراد حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں اور (اسرائیل) کی ذریت سے مراد حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔ حضرت ادریس اور حضرت نوح کو حضرت آدم علیہ السلام سے قرب کا شرف تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے حضرت نوح علیہ السلام سے قرب کا شرف تھا اور حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کو حضرت ابراہیم سے قرب کا شرف تھا۔ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا، یعنی جن کو ہم نے اسلام کی طرف ہدایت دی۔ وَاجْتَبَيْنَا اور ہم نے ایمان کے لیے چن لیا۔ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَنِ، شہل بن مہادکی نے بتلایا کہ کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ فاعل مونث غیر حقیقی ہے اور فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ بھی ہے۔ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ان کا وصف بیان فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے خشوع کا اظہار کرنے والے ہیں اور اس کی بارگاہ میں رونے

والے ہیں۔ یہ الفاظ سورہ سبحان میں گزر چکے ہیں۔ کہا جاتا ہے: بکی بکی بکاء و بکی و بکیئا۔ مگر خلیل نے کہا: جب تھوڑا رونا ہو تو وہ حزن کی مثل ہے یعنی اس کے ساتھ آواز نہ ہو جیسے شاعر نے کہا:

بکت عینی وحق لها بکاها وما یغنی البکاء ولا العویل

اور سُجَّداً، پر نصب حال کی وجہ سے ہے اور بکیئا اس پر معطوف ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ رحمن کی آیات کا دلوں پر اثر ہے۔ حسن نے کہا: إِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَةُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ⑤ یعنی نماز میں جب ان پر آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔ اہم نے کہا: آیت الرَّحْمٰن سے مراد وہ کتب ہیں جو اس کی توحید اور اس کی محبتوں کو متفہم ہیں اور وہ ان کی تلاوت کے وقت سجدہ کرتے تھے اور ان کے ذکر کے وقت روتے تھے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس سے مراد خاص قرآن ہے اور وہ اس کی تلاوت کے وقت سجدہ کرتے تھے اور روتے تھے۔ الکیا نے کہا: اس آیت میں حضرت ابن عباس کے قول سے اس شخص کے قول کی دلیل ہے جو کہتا ہے کہ قرآن وہ ہے جو تمام انبیاء پر پڑھا جاتا تھا لیکن اگر اس طرح ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس کے انزال کے ساتھ مختص نہ ہوتے۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابو بکر رازی نے اس آیت سے حجت پکڑی ہے کہ قاری اور سننے والے پر قرآن کے سجدے واجب ہیں۔ الکیا نے کہا: یہ بعید ہے کیونکہ یہ وصف تو اللہ تعالیٰ کی تمام آیات کو شامل ہے اور سجود کو بکاء (رونے) کے ساتھ ملا یا گیا ہے اور اس سے انبیاء کا طریقہ ظاہر ہوا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اور اس کی آیات کی تعظیم کرتے تھے۔ اس میں مخصوص آیت پڑھتے وقت سجدہ کے وجوب پر کوئی دلالت نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ علماء نے فرمایا: جو سجدہ کی آیت پڑھے وہ آیات کے مطابق اس سجدہ میں دعائے مانگے مثلاً اگر سورہ السجدہ، الم تنزیل آیت سجدہ پڑھے تو یہ دعائے مانگے: اللھم اجعلنی من الساجدین لوجهک المستبحین بحمدک وأعوذ بک أن اکون من المستکبرین عن أمرک۔ اے اللہ! مجھے اپنی رضا کے لیے سجدہ کرنے والوں، اپنی حمد کے ساتھ تسبیح کرنے والوں سے بنا دے اور میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں تیرے حکم سے تکبر کرنے والوں سے ہو جاؤں۔ اور اگر سورہ سبحان کی آیت سجدہ پڑھے تو یہ دعائے مانگے: اللھم اجعلنی من الباکین الیک الخاشعین لک۔ اے اللہ! مجھ اپنی بارگاہ میں رونے والوں اور خشوع کرنے والوں سے بنا دے۔ اگر یہ آیت پڑھے تو یہ دعائے مانگے: اللھم اجعلنی من عبادک المنعم علیہم المھدین الساجدین لک الباکین عند تلاوة آیاتک۔ اے اللہ! مجھے اپنے انعام یافتہ، ہدایت یافتہ اور اپنی بارگاہ میں سجدہ کرنے والے لوگوں سے (اور) آیات کی تلاوت کے وقت رونے والوں سے بنا دے۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ
عَذَابًا ⑥ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ
شَيْئًا ⑦ جَنَّتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ ⑧ إِنَّهُ كَانَ وَعْدًا مَاتِيًّا ⑨

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا ۚ وَلَهُمْ فِيهَا مَبْرُورَاتٌ مُّكْوَّاتٌ وَغُصَّيَاتٌ ۝ تِلْكَ الْجَنَّةُ
الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝

”پس جانشین بنے ان کے بعد وہ ناخلف جنہوں نے ضائع کیا نمازوں کو اور پیروی کی خواہشات (نفسانی) کی سو وہ دو چار ہو گئے اپنی نافرمانی (کی سزا) سے، مگر جو تائب ہوئے اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا ظلم نہیں کیا جائے گا۔ سدا بہار چمن جن کا وعدہ (خداوند) رحمن نے اپنے بندوں سے غیب میں کیا ہے یقیناً اس کا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا ہے۔ نہیں سنیں گے جنت میں کوئی لغوبات بجز سلامت رہو کی دعائیہ صدا اور انہیں ان کا رزق ملے گا وہاں ہر صبح و شام۔ یہ وہ جنت ہے جس کا ہم وارث بنائیں گے اپنے بندوں سے (صرف) اس کو جو متقی ہوگا۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اس سے مراد بری اولاد ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: ہمیں حجاج نے بیان کیا انہوں نے ابن جریج سے انہوں نے مجاہد سے روایت کیا ہے فرمایا: یہ قیامت کے قیام کے وقت ہوگا اور اس امت کے نیک لوگوں کے چلے جانے کے وقت ہوگا، لوگ گلیوں میں زنا کریں گے۔ خلف کے متعلق کلام سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَضَاعُوا الصَّلَاةَ۔ حضرت عبداللہ اور حسن نے أضاعوا الصلوات، پڑھا ہے یہ مذمت ہے۔ اور نص ہے کہ نماز کا ضائع کرنا ان کبار میں سے ہے جو انسان کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا: جس نے نماز کو ضائع کیا وہ اسکے علاوہ احکام شرع کو زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔ علماء کا اختلاف ہے کہ اس آیت سے کون مراد ہیں؟ مجاہد نے کہا: نصاریٰ مراد ہیں، جو یہود کے بعد آئے۔ محمد بن کعب قرظی اور مجاہد اور عطاء نے کہا: اس سے مراد آخر زمانہ میں نبی کریم ﷺ کی امت سے آنے والے لوگ ہیں (1) یعنی اس امت سے ہوں جن کی یہ صفت ہوگی، نصاریٰ مراد نہیں ہیں۔ اور علماء کا نماز کو ضائع کرنے کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ قرظی نے کہا: اس سے مراد نماز کا انکار کرنا ہے۔ قاسم بن مخمرہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا: اس کو وقت پر ادا نہ کرنا اور اس کے حقوق کو قائم نہ کرنا ہے۔ یہ قول صحیح ہے کیونکہ جب نماز وقت پر ادا نہ کی جائے اور آداب و حقوق سے خالی ہو تو وہ صحیح نہیں ہوتی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس شخص کو فرمایا جس نے نماز پڑھی اور آیا اور آپ کو سلام پیش کیا: ”واپس جا اور نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی“ (2) یہ تین مرتبہ فرمایا۔ اس حدیث کو مسلم نے نقل کیا ہے۔ حضرت حذیفہ نے ایک شخص کو فرمایا جس نے نماز میں کوتاہی کی تھی: تو کتنے عرصہ سے یہ نماز پڑھ رہا ہے؟ اس نے کہا: چالیس سال سے۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا: تو نے نماز نہیں پڑھی

1۔ البحر الوعیز، جلد 4، صفحہ 22

2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، وجوب قرآۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ، جلد 1، صفحہ 170

اگر تو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے مر گیا تو حضرت محمد ﷺ کی سنت پر نہیں مرے گا، پھر فرمایا: انسان کو نماز مختصر پڑھنی چاہیے مکمل پڑھے اور اچھے انداز میں پڑھے۔ اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا ہے اور یہ لفظ نسائی کے ہیں۔ ترمذی میں حضرت ابو مسعود انصاری سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ نماز جائز نہیں ہوتی جس میں انسان سیدھا نہیں ہوتا یعنی رکوع اور سجود میں پیٹھ کو سیدھا نہیں کرتا ہے (1)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور اہل علم صحابہ اور تابعین کا اس پر عمل ہے ان کا نظریہ ہے کہ آدمی رکوع و سجود میں اپنی پیٹھ کو سیدھا کرے۔ امام شافعی، امام احمد اور اسحاق نے کہا: جو اپنی پیٹھ رکوع اور سجود میں سیدھی نہیں کرتا اس کی نماز فاسد ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”یہ نماز منافق کی نماز ہے سورج کو تاڑتے ہوئے بیٹھا رہتا ہے حتیٰ کہ جب سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے تو کھڑا ہوتا ہے اور چار ٹھونگیں مارتا ہے وہ نماز میں اللہ کا ذکر نہیں کرتا مگر تھوڑا (2)“ یہ مذمت ہے اس شخص کی جو ایسا کرتا ہے۔ فروہ بن خالد بن سنان نے کہا: ایک دفعہ ضحاک کے ساتھیوں نے نماز عصر میں امیر کا بہت دیر تک انتظار کیا حتیٰ کہ سورج غروب ہونے کے قریب پہنچ گیا۔ ضحاک نے اس وقت یہ آیت پڑھی پھر فرمایا: اللہ کی قسم! نماز کو ترک کرنا میرے نزدیک اسے ضائع کرنے سے بہتر ہے۔ بہر حال اس باب میں حتیٰ قول یہ ہے کہ جو نماز کا مکمل وضو نہیں کرتا اور رکوع و سجود صحیح نہیں کرتا وہ نماز کی حفاظت کرنے والا نہیں اور جس نے نماز کی حفاظت نہیں کی اس نے اسے ضائع کر دیا اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ دوسرے احکام شرع کو زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔ حسن نے کہا: نماز کے ضیاع سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے مساجد کو معطل کر دیا اور اپنے دنیا کے کاموں اور اسباب میں مشغول ہو گئے۔ **وَاشْبَعُوا الشَّهَوَاتِ** یعنی لذات اور معاصی کی پیروی کی۔

مسئلہ نمبر 3۔ ترمذی اور ابوداؤد نے انس بن حکیم ضمی سے روایت کیا ہے (3) کہ وہ مدینہ طیبہ آئے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملے انہوں نے کہا: اے نوجوان! کیا میں تجھے ایسی حدیث بیان نہ کروں شاید اللہ تعالیٰ تجھے اس سے نفع دے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں (ضرور بتائیے) فرمایا: قیامت کے روز لوگوں کے اعمال میں سے جس کا پہلے محاسبہ ہوگا وہ نماز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا حالانکہ وہ زیادہ جانتا ہے: میرے بندے کی نماز دیکھو اس نے اس کو مکمل کیا یا کوتاہی کی اگر وہ نماز مکمل ہوگی تو اس کے لیے مکمل لکھی جائے گی، اگر اس میں کچھ کمی ہوگی تو ارشاد ہوگا: دیکھو کیا میرے بندے کے نوافل ہیں، اگر اس کے نوافل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندے کے لیے اس کے نوافل سے اس کے فرائض کو مکمل کر دو پھر اس پر دوسرے اعمال کا مواخذہ ہوگا۔ یونس نے کہا: میرا گمان ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے؛ یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں (4) فرمایا: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں حماد نے بیان

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 124۔ ایضاً حدیث نمبر 729۔ سنن ترمذی حدیث نمبر 245، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، استجاب التکبیر بالعصر، جلد 1، صفحہ 225

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، قول الی کل صلوٰۃ لایتم صاحبها، جلد 1، صفحہ 126

4۔ سنن ابی داؤد باب قول النبی ﷺ، حدیث نمبر 733۔ ابن ماجہ، باب ما جاء اول ما یحاسب بہ العبد، حدیث نمبر 1414، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کیا انہوں نے تمیم داری سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے یہی مفہوم روایت کیا ہے پھر فرمایا: ”زکوٰۃ بھی اس کی مثل ہے (1) پھر اس کے مطابق اعمال کا مواخذہ ہوگا“۔ اس حدیث کونسانی نے ہمام سے انہوں نے حسن سے انہوں نے حریث بن قبیصہ سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے نبی پاک ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”قیامت کے روز بندے کا جس چیز کے متعلق محاسبہ کیا جائے گا وہ نماز ہے۔ اگر نماز درست ہوگی تو وہ شخص کامیاب و کامران ہو جائے گا اگر نماز کا معاملہ خراب ہوگا تو وہ خائب و خاسر ہوگا“۔ ہمام نے کہا: میں نہیں جانتا یہ قتادہ کے کلام سے ہے یا روایت سے ہے، اگر اس کے فرائض میں سے کچھ کمی ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: دیکھو کیا میرے بندے کے لیے کوئی نفل ہے پھر فرائض کی کمی نفل سے پوری کی جائے گی پھر تمام اعمال اس کے مطابق ہوں گے۔ ابو سعید ام نے اس کی مخالفت کی۔ انہوں نے یہ قتادہ سے انہوں نے حسن سے انہوں نے ابو رافع سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے روز بندے کا سب سے پہلے جس چیز کا محاسبہ ہوگا وہ اس کی نماز ہے اگر وہ مکمل پائی جائے گی تو وہ مکمل لکھی جائے گی، اگر اس میں کچھ کمی ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: دیکھو کیا تم اس کے لیے نفل پاتے ہو فرائض نماز میں سے جو کمی ہوگی اس کے نفل سے مکمل کی جائے گی پھر تمام اعمال اس کے مطابق جاری ہوں گے (2)۔ نسائی نے کہا ہمیں اسحاق بن ابراہیم نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں نصر بن شمیل نے بتایا فرمایا ہمیں حماد بن سلمہ نے خبر دی انہوں نے ازرق بن قیس سے انہوں نے یحییٰ بن یعمر سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی پاک ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: ”قیامت کے روز سب سے پہلے بندے کے جس عمل کا محاسبہ کیا جائے گا وہ اس کی نماز ہے اگر نماز درست ہوگی تو وہ شخص کامیاب و کامران ہو جائے گا اگر نماز کا معاملہ خراب ہو گیا تو وہ خائب و خاسر ہوگا“ (3)۔ ورنہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے بندے کے بارے میں دیکھو کیا اس کے نفل ہیں اگر نفل ہوئے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کے فرائض کی کمی کو پورا کر دو۔ ابو عمر بن عبد البر نے کتاب التعمید میں فرمایا: نوافل سے فرائض کا مکمل کرنا اس کے لیے ہوگا جو فرض کو بھول گیا ہوگا اور اسے ادا نہ کیا ہوگا یا اس کا رکوع و سجود بہتر ادا نہ کیا ہوگا اور اسے اس کی قدر معلوم نہ ہوگی لیکن جس نے نماز کو جان بوجھ کر ترک کیا ہوگا یا پہلے بھولا ہوگا پھر اسے یاد آیا ہوگا لیکن جان بوجھ کر پھر ادا نہ کیا ہوگا اور فرض کی ادائیگی کو چھوڑ کر نوافل میں مشغول ہوا ہوگا جبکہ فرض اسے یاد بھی ہوگا تو اس کے لیے نوافل سے فرض کو مکمل نہیں جائے گا۔ اس کے بارے میں شامیین کی حدیث سے ایک منکر حدیث مروی ہے جس کو محمد بن حمیر نے عمرو بن قیس سکونی سے انہوں نے عبد اللہ بن قرط سے انہوں نے نبی پاک ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: ”جس نے کوئی نماز پڑھی اور اس میں رکوع و سجود مکمل نہ کیا، اس میں اس کی تسبیحات زیادہ کہی گئیں حتیٰ کہ نماز مکمل کی جائے گی۔ ابو عمر نے کہا: یہ نبی کریم ﷺ سے محفوظ نہیں ہے مگر اسی طریق سے اور یہ قوی نہیں اور اگر یہ صحیح ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ نماز سے باہر ہو گیا اس نے اپنے خیال میں نماز کو مکمل کیا جبکہ حکم میں مکمل نہ تھی۔

1- سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، قول ال کل صلوٰۃ لایتم صاحبها، جلد 1، صفحہ 126۔ ایضاً حدیث نمبر 733، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3- ایضاً، جلد 1، صفحہ 81

2- سنن نسائی، کتاب الصلوٰۃ، المحاسبۃ علی الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 82

میں کہتا ہوں: انسان کے لیے مناسب ہے کہ وہ فرض اور نفل اچھے طریقے سے ادا کرے تاکہ اس کے لیے نفل ہوں جو اس کے فرض سے زائد ہوں اور وہ اپنے رب کا ان کے ذریعے قرب حاصل کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں“ (1) (المحدیث) رہا یہ کہ جب اس کے لیے نفل ہوگا اس کے ساتھ فرض کو پورا کیا جائے گا تو اس کا حکم معنی میں فرض کا حکم ہوگا اور جو فرض اچھی طرح نہیں پڑھتا وہ نفل بھی اچھی طرح نہیں پڑھے گا یقیناً لوگوں سے نوافل میں زیادہ نقصان اور خلل ہوتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ان کی زیادہ اہمیت نہیں ہوتی اور اس میں وہ سستی کرتے ہیں حتیٰ کہ گویا اس کو کچھ شمار نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ پایا جاتا ہے اس کے متعلق علم کا گمان کیا جاتا ہے اس کے نفل اسی طرح ہوا کرتے ہیں بلکہ فرض کو بھی مرغ کے دانہ چکنے کی طرح ادا کرتا ہے کیونکہ حدیث کی معرفت نہیں ہوتی پھر جہاں کی کیا حالت ہوگی جو کچھ جانتے بھی نہیں؟ علماء نے فرمایا: رکوع و سجود جائز نہیں ہوتا اور رکوع کے بعد وقوف جائز نہیں ہوتا اور دو سجدوں کے درمیان جلوس جائز نہیں ہوتا حتیٰ کہ اعتدال کے ساتھ رکوع کرے، وقوف کرے، سجدہ کرے اور بیٹھے۔ یہ اثر میں صحیح ہے اسی طرح جمہور اور اہل نظر کا نظریہ ہے: یہ ابن وہب اور ابو مصعب کی امام مالک سے روایت ہے: یہ معنی سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ جب معاملہ اس طرح ہو تو ایسے نوافل کے ساتھ فرض کی کمی کو کیسے پورا کیا جائے گا بلکہ یہ تمام غیر صحیح اور غیر مقبول ہیں کیونکہ یہ غیر مطلوب طریقہ پر واقع ہوا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ اتَّبِعُوا الشَّهَوَاتِ**۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس ارشاد کے تحت مروی ہے کہ اس

سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے پختہ مکان بنائے، قابل دید سواری پر سوار ہو اور مشہور اور شہرت والا لباس پہنا۔

میں کہتا ہوں: **الشَّهَوَاتِ** سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جو انسان کے موافق ہوتی ہیں انسان ان کی خواہش کرتا ہے اور وہ اس کے مناسب ہوتی ہیں اور انسان ان سے نہیں بچتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے: ”جنت کو تکالیف کے ساتھ گھیرا گیا ہے اور دوزخ کو شہوات کے ساتھ گھیرا گیا ہے“ (2) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے وہ اس کا جزء ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا** ابن زید نے کہا: غیا سے مراد شریا گمراہی یا خسارہ ہے۔ شاعر نے کہا ہے:

فمن يلق خيرا يحمد الناس أمره ومن يلقو لا يعذم على الغي لا حيا

حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: جہنم میں ایک وادی ہے (3)۔ اہل لغت کے نزدیک تقدیر عبارت اس طرح ہے: فسوف يلقون هذا الغي۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا** (الفرقان) اظہر یہ ہے کہ الغی وادی کا نام ہے، اس کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ گمراہ لوگ اس کی طرف جائیں گے۔ کعب نے کہا: آخر زمانہ میں ایک قوم ظاہر ہو گی ان کے ہاتھوں میں گائے کے دموں کی طرح کوڑے ہوں گے پھر یہ تلاوت کیا: **فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا**۔ یعنی وہ جہنم میں ہلاکت و گمراہی پائیں گے، ان سے یہی مروی ہے کہ غی جہنم میں ایک وادی ہے جہنم کی سب سے گہری وادی ہے اور انتہائی

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، التواضع، جلد 2، صفحہ 923

3۔ تفسیر طبری، ج 15-16، صفحہ 117

2۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، حجت النار بالشہوات، جلد 2، صفحہ 960

گرم وادی ہے اس میں ایک کنواں ہے جس کو الہیم کہا جاتا ہے، جب جہنم بجھتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کنویں کو کھول دیتا ہے پس جہنم اس کے ساتھ بھڑک اٹھتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: غی جہنم میں ایک وادی ہے اور جہنم کی دوسری وادیاں اس کی گرمی سے پناہ مانگتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس وادی کو اس زانی کے لیے تیار کیا ہے جو زنا پر اصرار کرتا ہے اور اس شرابی کے لیے تیار کیا ہے جو ہمیشہ شراب پیتا ہے اور جھوٹ کی گواہی دینے والوں کے لیے تیار کیا ہے اور اس عورت کے لیے تیار کیا ہے جس نے اپنے خاوند پر ایسے بچے کو داخل کیا جو اس سے نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِلَّا مَنْ تَابَ**، یعنی نماز کے ضائع کرنے اور شہوات کی پیروی کرنے سے جس نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹ آیا۔ **وَأَمَّنْ**، اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا۔ **وَعَمِلَ صَالِحًا** وَلِئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ ابوجعفر، شیبہ، ابن کثیر، ابن محصین، ابو عمرو، یعقوب اور ابو بکر نے **يَدْخُلُونَ** خاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ **وَلَا يُظَلَّمُونَ شَيْئًا** ان کے اعمال صالحہ میں سے کچھ کمی نہیں کی جائے گی مگر ان کے لیے ہر نیکی کے بدلے دس سے لیکر سات سو تک نیکیاں لکھی جائیں گی۔ **جَنَّتِ عَدْنٍ** یہ الجنة سے بدل ہے اس لیے منصوب ہے۔ ابو اسحاق زجاج نے کہا: **جَنَّتِ عَدْنٍ** متبدا کی حیثیت سے مرفوع بھی جائز ہے۔ ابو حاتم نے کہا: اگر خط (کتابت) نہ ہوتا تو یہ جنة عدن ہوتا کیونکہ اس سے پہلے **يَدْخُلُونَ** الجنة ہے۔ **الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَنُ عِبَادًا بِالْغَيْبِ**، یعنی جس نے رحمن کی عبادت کی اور غیب میں کیے گئے عہد کی حفاظت کی۔ بعض نے فرمایا: جنت پر ایمان لائے جبکہ انہوں نے اسے دیکھا نہیں۔ **إِنَّهُ كَانَ وَعْدًا مَّا تَبَيَّنَا** الاتیان سے مفعول کا صیغہ ہے۔ ہر وہ چیز جو تجھ تک پہنچتی ہے تو اس تک پہنچتا ہے تو کہتا ہے: **آتَتْ** عن ستون سنة و آتيت عن ستين سنة۔ مجھ پر ساٹھ سال آئے اور میں ساٹھ سال پر آیا۔ **وَصَلَّ إِلَىٰ مَنْ فَلَانَ خَيْرٌ** وصلت منه الی خیر مجھے فلان کی طرف سے خیر پہنچی اور اس کی طرف سے خیر کو پہنچا، دونوں کا ایک معنی ہے۔ قتبی نے کہا: **مَّا تَبَيَّنَا** بمعنی آت ہے یہ مفعول بمعنی فاعل ہے اور **مَاتِيَا** مہوز ہے کیونکہ یہ آتی یاتی سے آیا ہے اور جنہوں نے ہمزہ میں تخفیف کی اس نے اس کو الف بنایا ہے۔ طبری نے کہا: **الوعد** سے یہاں **السوعد** مراد ہے اور وہ جنت ہے یعنی جنت میں اس کے اولیاء آئیں گے۔ **لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَعْوًا** اور جنت میں لغوبات نہیں سنیں گے۔ **اللغو** کا معنی باطل اور فحش کلام ہے اور **فضول**، بے مقصد بات ہے، اسی سے حدیث ہے: ”جب تو اپنے ساتھی کو جمعہ کے دن کہے: انصت (خاموش) جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو تو تو نے لغوبات کی“ (1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی لغت میں یہ لغیت ہے (جبکہ پہلی حدیث میں لغوت ہے معنی دونوں کا ایک ہے واوی اور یائی ہونے میں فرق ہے) جیسا کہ شاعر نے کہا:

وَرَبِّ أَمْرَابٍ حَجِيجٍ كُفِّمٍ عَنِ النَّفَا وَرَفِثِ الشَّكِّمِ

حضرت ابن عباس نے فرمایا: **اللغو** ہر وہ بات ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ ہو یعنی جنتیوں کی جنت میں کلام الحمد لله اور سبحان الله ہوگی۔ **إِلَّا سَلْمًا**۔ لیکن وہ سلامائیں گے، یہ مستثنیٰ منقطع ہے یعنی وہ ایک دوسرے کو سلام کریں

گے اور فرشتے کا ان پر سلام ہوگا؛ یہ مقاتل وغیرہ کا قول ہے۔ سلام خیر کا جامع اسم ہے اس کا معنی ہے وہ اس میں نہیں سنیں گے مگر جو وہ پسند کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَهُمْ بِرِزْقِهِمْ فِيهَا بَكْرَةٌ وَعَشِيًّا** ⑩ یعنی ان کے لیے صبح و شام ان کی خواہش کے مطابق کھانے اور مشروبات ہوں گے یعنی ان دنوں وقتوں کی مقدار میں کیونکہ وہاں جنت میں نہ صبح ہوگی نہ شام جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **عُدُّوْهَا شَهْرًا وَسَوَاعِدًا شَهْرًا** (سبا: 12) یعنی یہ کی مقدار۔ یہ مفہوم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جریج وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے انہیں اہل جنت کے احوال کا اعتدال بتایا ہے۔ اور عربوں کے نزدیک خوشگوار کھانا اور مشروب صبح و شام کا ہے۔ یحییٰ بن ابی کثیر اور قتادہ نے کہا: عربوں میں سے جس کو صبح و شام کھانا میسر ہوتا وہ الناعم (نعمت والا) شمار ہوتا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ جنت میں ان کا رزق منقطع نہ ہوگا جیسا کہ فرمایا: **لَا مَقْطُوعَةٌ وَلَا مَمْنُوعَةٌ** ⑪ (الواقعة) جیسے تو کہتا ہے: **أَنَا أَصْبِحُ وَأَمْسِي فِي ذِكْرِكَ**، یعنی میں ہمیشہ تیرا ذکر کرتا رہتا ہوں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ بکرة سے مراد ان کے لذات سے مشغول ہونے سے پہلے کا وقت ہو اور العشی سے مراد ان کے لذات سے فارغ ہونے کے بعد کا وقت ہے، کیونکہ ان اوقات کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے کے لیے فترات (وقفہ) حائل ہوتے ہیں۔ یہ قول پہلے قول کی طرف راجع ہے۔ زبیر بن بکار نے اسماعیل بن ابی اُیس سے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت مالک بن انس نے فرمایا: مومنین کا کھانا دن میں دو مرتبہ ہوگا، اور پھر یہ تلاوت کی: **وَلَهُمْ بِرِزْقِهِمْ فِيهَا بَكْرَةٌ وَعَشِيًّا** ⑩ پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مومنین کو روزوں میں صبح کے کھانے کے عوض سحر کا کھانا دیا تاکہ اپنے رب کی عبادت پر قوت حاصل کریں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ اس لیے ذکر فرمایا کیونکہ غذا (صبح کا کھانا) کی صفت وہیت، شام کے کھانے کی صفت اور ہیئت سے مختلف ہوتی ہے اور یہ صرف بادشاہ ہی جانتے ہیں، اسی طرح جنت میں صبح کا کھانا، شام کے کھانے سے مختلف ہوگا انہیں مختلف قسم کی نعمتیں دی جائیں گے تاکہ تنعم اور رشک میں اضافہ ہو۔ حکیم ترمذی نے ”نو اور الاصول“ میں ابان عن الحسن و ابی قلابہ کی حدیث سے روایت کیا ہے فرمایا: ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! سئل علیہ السلام کیا جنت میں رات ہے؟ آپ نے فرمایا: تجھے اس کے متعلق سوال کرنے پر کس چیز نے ابھارا ہے؟ اس شخص نے کہا: میں نے سنا ہے اللہ تعالیٰ نے کتاب میں ذکر کیا ہے: **وَلَهُمْ بِرِزْقِهِمْ فِيهَا بَكْرَةٌ وَعَشِيًّا** ⑩ میں نے سوچا بکرة اور عشیا کے درمیان رات ہوگی، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جنت میں کوئی رات نہیں“۔ جنت میں صرف نور اور روشنی ہے صبح و شام پر لوٹے گی اور نمازوں کے اوقات میں جس میں وہ نمازیں پڑھتے تھے ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحائف آئیں گے اور فرشتے انہیں سلام کریں گے یہ اس آیت کے مفہوم کا بیان ہے۔ ہم نے کتاب ”التذکرہ“ میں اس کا ذکر کیا ہے (1)۔ علماء نے فرمایا: جنت میں رات ہے، نہ دن ہے جنتی ہمیشہ نور میں ہوں گے وہ رات کی مقدار پر دوں کے لٹکانے سے جائیں گے اور دروازوں کے بند ہونے سے پہچانیں گے اور دن کی مقدار پر دوں کے اٹھنے اور دروازوں کے کھلنے سے پہچانیں گے؛ یہ ابو الفرج جوزی اور مہدوی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي فِيهَا جَنَّاتٌ** جنت جس میں رہنے والوں کے

احوال ہم نے بیان کیے۔ نُؤْمِرُثٌ تَخْفِيفُ كَيْفِ سَاتِهٍ هِيَ۔ يعقوب نے نُؤْمِرُثٌ واو کے فتح اور راء کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ بہتر تخفیف ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: كُمْ أَوْ رَأَيْنَا الْكِتَابَ (فاطر: 32)

مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا مطلب ہے جو مجھ سے ڈرا اور میری اطاعت کا عمل کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیر اس طرح ہے: نُورِثُ مَنْ كَانَ تَقِيًّا مِنْ عِبَادِنَا۔ ہم اپنے بندوں میں متقین کو وارث بنا کریں گے۔

وَمَا نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۚ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۗ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ۝

”اور (جبریل! میرے نبی سے کہو) ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے اسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اور نہیں ہے آپ کا رب بھولنے والا۔ وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سو اس کی عبادت کرو اور ثابت قدم رہو اس کی عبادت پر، کیا تم جانتے ہو کہ اس کا کوئی ہم مثل ہے۔“

ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی پاک ﷺ نے جبریل سے کہا: ”کیا چیز تجھے اس سے مانع ہے کہ تو ہماری اس سے زیادہ ملاقات کرے جتنی کہ تو (پہلے) کرتا ہے“ (1)۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: وَمَا نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ۔ یہ حدیث حسن غریب ہے اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے ہمیں خلاد بن یحییٰ نے بتایا ہمیں عمرو بن ذر نے بتایا انہوں نے کہا میں نے اپنے باپ کو یہ بات کرتے ہوئے سنا انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے جبریل سے کہا: ”تمہیں اس سے زیادہ ہماری ملاقات سے کیا مانع ہے (2)؟“ تو یہ آیت نازل ہوئی: وَمَا نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ فرمایا: یہ حضرت محمد ﷺ کو جواب تھا۔ مجاہد نے کہا: فرشتے (جبریل) نے نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں آنے سے دیر لگادی پھر حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے پوچھا: تجھے کس چیز نے دیر کرادی ہے؟ جبریل نے کہا: ہم تمہارے پاس کیسے آئیں جبکہ تم اپنے ناخن نہیں کاٹتے اور اپنی مونچھیں نہیں کاٹتے اور اپنی انگلیوں کے جوڑوں کے درمیان کی جگہ کو صاف نہیں کرتے اور مسواک نہیں کرتے۔ مجاہد نے کہا: یہ آیت اس پر نازل ہوئی۔ مجاہد، قتادہ، عکرمہ، ضحاک، مقاتل اور کلبی کا قول ہے کہ جبریل نے نبی پاک ﷺ کے پاس آنے میں دیر لگادی جب آپ ﷺ سے لوگوں نے اصحاب کہف، ذی القرنین اور روح کے بارے میں سوال کیا تھا آپ نہیں جانتے تھے کہ انہیں کیا جواب دیں آپ ﷺ کو امید تھی کہ جبریل ان کے سوال کا جواب لائیں گے، عکرمہ نے کہا: چالیس دن بعد آپ

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورہ مریم، 2، صفحہ 145۔ ایضاً حدیث نمبر 3083، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح بخاری، تفسیر سورہ مریم، مانتزل إلا ہا صر ربك، جلد 2، صفحہ 691

کے پاس جبریل آئے۔ مجاہد نے کہا: بارہ راتوں کے بعد آئے۔ بعض نے کہا: پندرہ دنوں کے بعد آئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تو نے بہت تاخیر کر دی حتیٰ کہ میرا گمان صحیح نہ رہا اور مجھے تیرا بہت اشتیاق ہوا“۔ جبریل نے کہا: مجھے آپ (کی ملاقات) کا شوق تھا لیکن میں عبد مامور (حکم کا بندہ) ہوں جب مجھے بھیجا جاتا ہے تو حاضر ہوتا ہوں اور جب مجھے روکا جاتا ہے تو رک جاتا ہوں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: وَمَا نُنزِّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ۔ اور یہ نازل فرمایا: وَالضُّحَىٰ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَاقَلِي ۝ (الضحیٰ) یہ ثعلبی، واحدی اور قشیری وغیرہم نے ذکر کیا ہے (1)۔ بعض نے فرمایا: یہ اہل جنت کی طرف سے خبر دی ہے کہ وہ جنت میں داخلہ کے وقت یہ کہیں گے: ہم ان جنتیوں میں نہیں اترے مگر اپنے رب کے حکم سے۔ اس صورت میں آیت کا ماقبل سے تعلق ہوگا۔ اور جو پہلے ہم نے اقوال ذکر کیے ہیں ان کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا: اس کا ماقبل سے تعلق نہیں ہے۔ قرآن سورتوں میں ہے پھر سورتیں جملوں پر مشتمل ہیں ہر جملہ دوسرے جملہ سے جدا ہوتا ہے۔ وَمَا نُنزِّلُ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! تم کہو: وَمَا نُنزِّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ۔ یہ دو احتمال رکھتا ہے۔

۱۔ جب ہمیں حکم ہوتا ہے تو ہم آپ پر اترتے ہیں۔ ۲۔ جب تمہارا رب حکم دیتا ہے تو ہم آپ پر اترتے ہیں۔ پہلی صورت پر امر، نزول کی طرف متوجہ ہوگا اور دوسری صورت پر تنزیل کی طرف متوجہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَهُ، یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ مَا بَيْنَ أَيُّدِينَا یعنی جو کچھ ہمارے سامنے ہے اس کا اللہ کو علم ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے سب کا اس کو علم ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن جریج نے فرمایا: اس کا معنی ہے جو کچھ دنیا کے معاملات سے ہمارے سامنے گزر چکا ہے جو بعد میں ہوگا اور آخرت کے امر سے ہے، اس کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔ وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ سے مراد برزخ ہے۔ قنادہ اور مقاتل نے کہا: لَهُ مَا بَيْنَ أَيُّدِينَا، سے مراد امر آخرت ہے اور خَلْفَنَا سے مراد جو گزر چکا ہے۔ وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ سے مراد دو نفخوں کے درمیان جو ہمارے اور ان کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ انفس نے کہا: مَا بَيْنَ أَيُّدِينَا سے مراد ہے جو ہم سے پہلے تخلیق ہو چکا تھا۔ وَمَا خَلْفَنَا جو کچھ ہمارے مرنے کے بعد ہوگا۔ وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ جو کچھ ہماری تخلیق سے لے کر ہمارے مرنے تک ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: مَا بَيْنَ أَيُّدِينَا سے مراد ثواب، عقاب اور امور آخرت ہیں اور وَمَا خَلْفَنَا سے مراد دنیا میں جو ہمارے اعمال میں سے ہو چکے۔ وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ وہ اس وقت سے قیامت تک ہوگا۔ اور پانچواں احتمال یہ بھی ہے کہ مَا بَيْنَ أَيُّدِينَا سے مراد آسمان ہے وَمَا خَلْفَنَا سے مراد زمین ہے۔ وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ سے مراد وہ ہے جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ لَهُ مَا بَيْنَ أَيُّدِينَا سے مراد دنیا سے زمین تک ہے اور وَمَا خَلْفَنَا سے مراد آسمان ہیں۔ یہ پہلے قول کا برعکس ہے اور وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ سے مراد ہوا ہے۔ پہلا قول ماوردی نے ذکر کیا ہے اور دوسرا قشیری نے ذکر کیا ہے۔ زبخشری نے کہا: بعض علماء نے فرمایا جو ہماری عمروں سے گزر چکا ہے اور وہ حال جس میں ہم ہیں اور مابین ذینک نہیں فرمایا۔ کیونکہ مابین سے مراد وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے اس کے درمیان جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَأَقَامِرَاضٌ وَلَا يَكْرُ عَوَانٌ

بَنَنْ ذٰلِكَ (البقرہ: 68) یعنی جو ہم نے ذکر کیا ہے اس کے درمیان۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝ یعنی آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور ان کا خالق ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کا خالق ہے اور ان کا مالک ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کا مالک ہے جس طرح زمانہ کی تدبیر اس کے سپرد ہے اسی طرح اعیان کی تدبیر بھی اس کے سپرد ہے۔ فَاَعْبُدُوْهُ، اس لیے اسی کی عبادت کر۔ اس میں دلیل ہے کہ خلق کے اکتسابات (کوششیں) اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہیں جیسا کہ اہل حق کا قول ہے اور یہی تو حق ہے کیونکہ اس جگہ رب کو اس کے معانی پر محمول کرنا ممکن نہیں مگر مالک کے معنی پر۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ آسمان اور زمین کا مالک ہے تو اس میں مخلوق کا اکتساب بھی داخل ہے اور اس کی عبادت واجب ہے۔ جب ثابت ہوا کہ وہ علی الاطلاق مالک ہے اور عبادت کی حقیقت حد درجہ عاجزی کے ساتھ طاعت ہے تو مالک و معبود کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ یعنی ثابت قدم رہو اس کی طاعت پر اور وحی کی تاخیر سے پریشان نہ ہوں بلکہ اس میں مشغول رہو جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ اصطبر کی اصل اصطبر ہے، تا اور صاد کو ان کے اختلاف کی وجہ سے جمع کرنا ثقیل تھا تو تا کو طاسے بدل دیا گیا جیسے تو کہتا ہے: اصطام، یہ الصوم سے ہے۔

هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ کیا تو اس کے لیے کوئی بیٹا یا اس کی کوئی مثال جانتا ہے یا کوئی شبیہ جانتا ہے جو اس کے نام الرحمن کی مثل نام کا مستحق ہو (1)۔ یہ مجاہد نے کہا ہے: یہ المسامات سے مشتق ہے۔ اسرائیل نے سماک سے انہوں نے عکرم سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: کیا تو کسی کو جانتا ہے جس کو الرحمن کہا جاتا ہو؟ نحاس نے کہا: یہ عظیم سند سے جو میں جانتا ہوں جو اس حرف میں مروی ہے یہ صحیح قول ہے۔ الرحمن صرف اللہ تعالیٰ کو ہی کہا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ بسم اللہ کی بحث میں وضاحت ہو چکا ہے۔ الحمد للہ۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا کے تحت سبیا کا معنی مثلاً روایت کیا ہے۔ ابن مسیب نے اس کا معنی عدلاً روایت کیا ہے۔ قتادہ اور کلبی نے کہا: اس کا مطلب ہے کیا تو کوئی ایسا جانتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اللہ تعالیٰ کہا جاتا ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے؟ ہل بمعنی لا ہے یعنی تو نہیں جانتا۔ واللہ اعلم۔

وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ إِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ۝ أَوْ لَا يَذُكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ عَنْ مِنْ كُلِّ شَيْعَةٍ أَيْهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ عِتِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ۝ وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَسَامًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنْجِي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ۝

”اور انسان (ازراہ انکار) کہتا ہے کہ کیا جب میں مر جاؤں گا تو مجھے پھر زندہ کر کے نکالا جائے گا۔ کیا یاد نہ رہا انسان کو کہ ہم نے ہی پیدا کیا اسے اس سے پہلے حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔ سو (اے محبوب!) تیرے رب کی قسم ہم جمع کریں گے انہیں بھی اور شیطانوں کو بھی پھر حاضر کریں گے ان سب کو جہنم کے ارد گرد کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے۔ پھر ہم (چن چن کر) الگ کریں گے ہر گروہ سے ان لوگوں کو جو (خداوند) رحمن کے سخت نافرمان تھے۔ پھر ہم ہی خوب جانتے ہیں ان لوگوں کو جو زیادہ مستحق ہیں اس آگ میں تپائے جانے کے۔ اور تم سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا گزر دوزخ پر ہوگا یہ آپ کے رب پر لازم ہے (اور اس کا) فیصلہ ہو چکا ہے۔ پھر ہم نجات دیں گے پرہیزگاروں کو اور رہنے دیں گے ظالموں کو دوزخ میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ إِذَا مَا مَاتَ لَسَوْفَ أَخْرَجُ حَيًّا ۝ انسان سے مراد یہاں ابی بن خلف ہے اس نے پرانی ہڈیاں پائیں پھر انہیں اپنے ہاتھ سے مسل دیا اور کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہے کہ ہم مرنے کے بعد اٹھائے جائیں گے؛ یہ کلبی کا قول ہے، یہ واحدی، ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ اور مہدوی نے کہا: یہ ولید بن مغیرہ اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ لَسَوْفَ میں لام تاکید کے لیے ہے گویا اسے کہا گیا: جب تو مرے گا تو یقیناً زندہ کر کے اٹھایا جائے گا تو اس نے کہا: کیا جب میں مر جاؤں گا تو مجھے پھر زندہ کر کے نکالا جائے گا؟ یہ اس نے انکار کرتے ہوئے کہا۔ پس لام اس کے جواب میں آیا جیسا کہ پہلے قول میں تھا اگر یہ ابتدائی کلام ہوتی تو اس پر لام داخل نہ ہوتا کیونکہ یہ تاکید اور ایجاب کے لیے ہوتا ہے وہ دوبارہ اٹھنے کا منکر تھا۔ ابن ذکوان نے: اذا مامت پڑھا ہے اور دوسرے قراء نے استفہام کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ اس کا ہمزہ میں اصول ہے۔ حسن اور ابو حیوہ نے لَسَوْفَ أَخْرَجُ حَيًّا پڑھا ہے۔ یہ اس نے استہزاء کیا تھا کیونکہ وہ دوبارہ اٹھنے پر یقین نہیں کرتا تھا اور یہاں انسان سے مراد کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَوْلَايَدُ كُرُّ الْإِنْسَانِ یعنی کیا یہ کہنے والے کو یاد نہیں؟ أَلَمْ نَخْلُقْ مِنْ قَبْلُ یعنی اس کے سوال اور اس کے اس قول سے پہلے ہم نے اسے پیدا کیا۔ وَلَمْ يَكُنْ شَيْئًا ۝، جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھا، اعادہ ابتدا کی طرح ہوتا ہے پس تناقض نہیں۔ عاصم کے سوال اہل کوفہ، اہل مکہ، ابو عمرو اور ابو جعفر نے اولایذ کتر پڑھا ہے۔ شیبہ، نافع اور عاصم نے اولایذ کتر تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ بہتر تشدید ہے اس کی اصل یتذ کتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ (الزمر) اور اس قسم کے دوسرے ارشادات ہیں۔ اور ابی کی قرأت میں اولایتذ کتر ہے؛ یہ قرأت تفسیر کی بنا پر ہے کیونکہ مصحف کے خط کے مخالف ہے۔ یتذ کتر کا معنی یتفکر ہے اور یتذ کتر کا معنی یتنبہ اور یتعلم ہے؛ یہ نحاس کا قول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَوَسَّاتِكَ لَنَخْشَرَنَّهْمْ حَتَّىٰ تَقُومَ كَرْنُ الْكَلْبِ أَنَّىٰ كَرْنُ الْكَلْبِ وَأَنْتَ مَعَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا وَعَصَوُوا وَأَلْفَاظٌ مِّنْ دُونِ ذَلِكَ وَلَمْ يَكُنْ شَيْئًا ۝ (الزمر) اور اس قسم کے دوسرے ارشادات ہیں۔ اور ابی کی قرأت میں اولایتذ کتر ہے؛ یہ قرأت تفسیر کی بنا پر ہے کیونکہ مصحف کے خط کے مخالف ہے۔ یتذ کتر کا معنی یتفکر ہے اور یتذ کتر کا معنی یتنبہ اور یتعلم ہے؛ یہ نحاس کا قول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَوَسَّاتِكَ لَنَخْشَرَنَّهْمْ حَتَّىٰ تَقُومَ كَرْنُ الْكَلْبِ أَنَّىٰ كَرْنُ الْكَلْبِ وَأَنْتَ مَعَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا وَعَصَوُوا وَأَلْفَاظٌ مِّنْ دُونِ ذَلِكَ وَلَمْ يَكُنْ شَيْئًا ۝ (الزمر) اور اس قسم کے دوسرے ارشادات ہیں۔ اور ابی کی قرأت میں اولایتذ کتر ہے؛ یہ قرأت تفسیر کی بنا پر ہے کیونکہ مصحف کے خط کے مخالف ہے۔ یتذ کتر کا معنی یتفکر ہے اور یتذ کتر کا معنی یتنبہ اور یتعلم ہے؛ یہ نحاس کا قول ہے۔

سکتی ہے یہ بمعنی مع زیادہ مناسب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انہیں ان کے ان شیاطین ساتھیوں کے ساتھ جمع کیا جائے گا جنہوں نے انہیں اغوا اور گمراہ کیا ہر کافر شیطان کے ساتھ ایک زنجیر میں جکڑا ہوگا۔ اگر تو کہے: یہ مفہوم اس صورت میں ہے جب انسان سے مراد خاص کافر ہی ہوں اگر انسان سے مراد عام انسان ہوں تو پھر انہیں شیاطین کے ساتھ کیسے جمع کیا جائے گا؟ میں کہوں گا: جب سب لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو ان میں سے کافر شیاطین کے ساتھ جکڑے ہوں گے وہ شیاطین کے ساتھ جمع کیے جائیں گے جس طرح ان کو کفار کے ساتھ جمع کیا جائے گا۔ اگر تم کہو کہ حشر میں بد بختوں سے سعادت مندوں کو الگ کیوں نہیں کیا گیا ہوگا جس طرح جزا میں وہ ان سے الگ کیے جائیں گے؟ میں کہوں گا: محشر میں ان کے درمیان جدائی نہ ہوگی وہ حاضر کیے جائیں گے جہاں وہ جہنم کے ارد گرد گھٹنوں کے بل گرے پڑے ہوں گے اور ان کے ساتھ انہیں آگ میں وارد کیا جائے گا تاکہ وہ سعادت مندوں کے احوال دیکھ لیں اللہ تعالیٰ نے جنہیں نجات دی اور انہیں خلاصی بخشی تاکہ کفار کو شک زیادہ ہو اور اولیاء اللہ کی سعادت اور ان پر سعادت مندوں کی خوشی سے انہیں تکلیف زیادہ ہو۔ اگر تو کہے کہ گھٹنوں کے بل انہیں لانے کا کیا مطلب ہے؟ تو میں کہوں گا: جب انسان سے مراد خاص انسان (کافر) ہوں تو معنی یہ ہوگا کہ انہیں محشر سے جہنم کے کنارے کی طرف مجبور کر کے لے جایا جائے گا ان کی وہی حالت ہوگی جو ان کی موقف میں ہوگی وہ گھٹنوں کے بل چلیں گے قدموں پر نہیں چلیں گے یہ اس طرح ہے کہ اہل موقف کی حشو (گھٹنے کے بل چلنا) کی صفت بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَتَرَى كُلَّ أُمَّةٍ جَاثِيَةً** (الباقیہ: 28) ہر شخص مواقف میں گفتگو اور نقل ہونے کی مخصوص حالت میں ہوگا کچھ لوگ گھٹنوں کے بل کھڑے ہوں گے کیونکہ اس میں غیر اطمینانی اور پریشانی ہے۔ الجشا کا اطلاق طمانینت کے خلاف پر ہوگا یا انہیں ایسی شدت اور سختی لاحق ہوگی کہ وہ اپنے قدموں پر کھڑے بھی نہ ہو سکیں گے اور گھٹنوں کے بل چلیں گے۔ اور اگر انسان سے مراد عام انسان ہو تو معنی یہ ہوگا کہ وہ جہنم کے کنارے پر پہنچنے کے وقت گھٹنوں کے بل گر جائیں گے، اس پر بنا پر جثیا، حال مقدرہ ہوگا جیسا کہ وہ موقف میں گھٹنوں کے بل تھے کیونکہ یہ حساب کے لیے کھڑے ہونے کے توابع سے ثواب اور عقاب تک پہنچنے سے پہلے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ: **لَنُخَضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًا** یعنی وہ اپنے گھٹنوں پر ہوں گے کہ وہ قیام پر قادر نہ ہوں گے۔ **حَوْلَ جَهَنَّمَ** اس میں یہ بھی جائز ہے کہ اس سے مراد جہنم کا داخل ہو جسے تو کہتا ہے: **جلس القوم حول البيت**، قوم گھر کے اندر بیٹھی اس کے ارد گرد طواف کرتے ہوئے۔ اور **حَوْلَ جَهَنَّمَ** یہ بھی جائز ہے کہ یہ دخول کے بعد ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ دخول سے پہلے ہو۔ **جِثِيًا** جمع ہے جاث کی، کہا جاتا ہے: **جثا علی رکتیہ، یجثو ویجثی جثوا وجثیا، مصدر دونوں میں فعول کے وزن پر ہے۔ اجثاہ غیرہ، قوم جثی، جیسے جلس، جلوسا اور قوم جلوس ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جثیا کا مطلب جماعت ہے۔ مقال نے کہا: اس کا معنی ہے جمعاً جمعاً (اکٹھا اکٹھا) اس تاویل پر یہ **جُثُوَةٌ جُثُوَةٌ** اور **جِثُوَةٌ تِنُونَ** لغات ہیں۔ یہ جمع شدہ پتھروں اور جمع شدہ مٹی کو کہتے ہیں، شرابی لوگ علیحدہ ہوں گی، زانی علیحدہ ہوں گے اسی طرح سارے مجرم علیحدہ ہوں گے۔ طرفہ نے کہا:**

تَرَى جُثُوِينَ مِنْ تَرَابٍ عَلَيْهِمَا صَفَائِحُ صُمَّ مِنْ صَفِيحٍ مُنْقَدٍ

حسن اور ضحاک نے کہا: گھٹنوں کے بل کھڑا ہونا۔ اس تاویل پر یہ جاٹ کی جمع ہوگی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور یہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے ہوگا یعنی ان کے لیے مکمل بیٹھنا ممکن نہ ہوگا۔ بعض نے فرمایا: آپس میں جھگڑنے کی وجہ سے گھٹنوں کے بل ہوں گے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُونَ** (الزمر) کیت نے کہا ہے:

هُمْ تَرَكَوْا مَرَاتِهِمْ جَثِيًّا وَهُمْ دُونَ السَّرَاةِ مَقْرِنِينَ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ثُمَّ لَنُنزِلَنَّ عَنْ مِّنْ كُلِّ شَيْعَةٍ**، یعنی ہم ہر امت اور ہر اہل دین سے نکالیں گے۔ **أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ عِتِيًّا** نحاس نے کہا: یہ آیت ترکیب کے اعتبار سے بہت مشکل ہے کیونکہ تمام قراء ایہم کو رفع کے ساتھ پڑھتے ہیں سوائے ہارون قاری اعور کے۔ سیبویہ نے اس سے **أَيُّهُمْ** پر نصب دی ہے کیونکہ اس پر **لَنُنزِلَنَّ عَنْ** کو واقع کیا ہے۔ ابواحق نے کہا: **أَيُّهُمْ** کے رفع میں تین اقوال ہیں۔ خلیل بن احمد نے کہا: یہ سیبویہ نے اس سے حکایت کیا ہے کہ یہ حکایت پر مرفوع ہے اس کا مفہوم یہ ہے: **ثُمَّ لَنُنزِلَنَّ مَنْ كُلِّ شَيْعَةٍ الَّذِي يُقَالُ مِنْ أَجْلِ عِتْوَةِ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ عِتِيًّا**۔ اور خلیل نے بطور دلیل یہ شعر پیش کیا ہے:

وَلَقَدْ أُبِيَتْ مِنَ الْفَتَاةِ بِنَزْلِ فَأَبِيْتُ لَا حَرَجَ وَلَا مَحْرُومَ

یعنی فابیت بمنزلة الذی یقال لہ لاہو حرج ولا محروم۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: میں نے ابواسحاق کو دیکھا وہ اس قول کو پسند کرتے تھے اور اچھا سمجھتے تھے فرمایا: کیونکہ یہ اہل تفسیر کے قول کا معنی ہے اور یہ کہا ہے کہ **ثُمَّ لَنُنزِلَنَّ عَنْ مِّنْ كُلِّ شَيْعَةٍ** کا معنی یہ ہے **ثُمَّ لَنُنزِلَنَّ مَنْ كُلِّ فِرَاقَةٍ الْأَعْتَى فَا لأَعْتَى**۔ یعنی ہم ہر فرقہ سے جو زیادہ نافرمان ہوگا اسے نکالیں گے پھر جو اس کے بعد نافرمان ہوگا اسے نکالیں گے جو سب سے زیادہ نافرمان ہوگا اسے عذاب دیا جائے گا پھر جو اس سے متصل ہوگا۔ یہ اس آیت کے معنی میں ابواسحاق کے کلام کی نص ہے۔ یونس نے کہا: **لَنُنزِلَنَّ عَنْ** ان افعال کے قائم مقام ہے جو ملغی ہوتے ہیں اور **أَيُّهُمْ** کا رفع مبتدا کی حیثیت سے ہے۔ مہدی نے کہا: وہ فعل جو لَنُنزِلَنَّ ہے یونس کے نزدیک معلق ہے ابوعلی نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ ایہم اشدہ کی جگہ میں عمل کر رہا ہے ملغی نہیں ہے۔ اور خلیل اور سیبویہ کے نزدیک لَنُنزِلَنَّ کی مثل فعل معلق نہیں ہوتا افعال شک اور وہ افعال جن کا وقوع متحقق نہیں ہوتا وہ معلق ہوتے ہیں۔ سیبویہ نے کہا: ایہم مبنی برضہ ہے کیونکہ حذف میں اس نے اپنے اخوات کی مخالفت کی ہے کیونکہ اگر تو کہے: **رَأَيْتَ الَّذِي أَفْضَلُ وَمَنْ أَفْضَلُ تَوَيْتِجٌ** ہوگا حتیٰ کہ تو کہے: **مَنْ هُوَ أَفْضَلُ**، ایہم میں حذف جائز ہے۔ ابو جعفر نے کہا: میں کسی نحوی کو نہیں جانتا مگر اس نے اس میں سیبویہ کو غلط کہا ہے میں نے ابواسحاق کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ سیبویہ کی کتاب میں میرے لیے کوئی غلطی ظاہر نہیں ہوئی مگر دو جگہوں پر ان میں سے ایک یہ ہے فرمایا: ہم جانتے ہیں کہ سیبویہ نے ایبا کو اعراب دیا ہے جبکہ یہ مفرد ہے کیونکہ یہ مضاف ہوتا ہے وہ اسے کیسے مبنی بناتا ہے جبکہ یہ مضاف ہوتا ہے؟ ابواسحاق نے ذکر نہیں کیا مگر یہی تین اقوال۔ ابوعلی نے کہا: سیبویہ کے مذہب پر مبنی ہونا واجب ہے کیونکہ جس وجہ سے یہ پہچانا جاتا ہے وہ اس سے حذف کیا گیا ہے اور وہ ضمیر ہے حالانکہ اس کی احتیاج ہے جیسا

کہ: من قبل و من بعد میں وہ چیز حذف کی گئی ہے جسکے ساتھ پہچانے جاتے ہیں کیونکہ صلہ موصول کی وضاحت کرتا ہے اور اسے خاص کرتا ہے۔ ابو جعفر نے کہا: اس میں ان مذکورہ تین اقوال کے علاوہ چار اقوال ہیں۔ کسائی نے کہا: لننزعن کا معنی ایہم پر واقع نہیں کہ اسے نصب دیتا ہے۔ مہدوی نے یہ زائد کہا ہے کہ اس کے نزدیک فعل، من کل شیعۃ کے محل پر واقع ہے۔ ایہم اشد جملہ متانفہ ہے اور مبتدا کی حیثیت سے ایہم مرفوع ہے اور سیبویہ الواجب میں من کی زیادتی کے قائل نہیں۔ فراء نے کہا: اس کا معنی ہے ہم ندا کے ذریعے نکالیں گے اور لننزعن کا معنی پر واقع ہے جیسے تو کہتا ہے: لبست من الشیاب و اکت من الطعام اور لننزعن ہے ہم پکاریں گے۔ مہدوی نے کہا: نادى فعل معلق ہوتا ہے جب اس کے بعد جملہ ہوتا ہے جیسا کہ ظننت ہے۔ پس یہ معنی میں عمل کرتا ہے اور لفظ میں عمل نہیں کرتا ہے۔ ابو جعفر نے کہا: ابو بکر بن شقیر نے حکایت کیا ہے کہ بعض کوفیوں نے کہا: ایہم میں شرط و جزا کا معنی ہے اس لیے ما قبل اس میں عمل نہیں کرتا، معنی یہ ہے پھر ہم ہر ایک فرقہ سے نکالیں گے اگر تم گروہ بنو یانہ بنو جیسے تو کہتا ہے: ضربت القوم ایہم غضب، معنی یہ ہے کہ اگر وہ غصہ میں ہوں یا نہ ہوں میں قوم کو ماروں گا۔ ابو جعفر نے کہا: یہ چھ اقوال ہیں۔ میں نے علی بن سلیمان کو محمد بن یزید سے یہ حکایت کرتے ہوئے سنا کہ ایہم۔ شیعۃ کے متعلق ہے وہ مبتدا کی حیثیت سے مرفوع ہے معنی یہ ہے پھر ہم ان لوگوں سے نکالیں گے جنہوں نے آپس میں تعاون کیا اور دیکھا کہ کون رحمن کا سخت نافرمان ہے؟ یہ حسن کا قول ہے۔ کسائی نے حکایت کیا ہے کہ التشیاع کا معنی تعاون کرنا ہے۔ اور عتی کو نصب بیان کی وجہ سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ اَوْلٰی بِهَا صِلٰیًا ۝ یعنی وہ آگ میں داخل ہونے کے زیادہ حقدار ہیں۔ کہا جاتا ہے: صَلَّى يَصِي صُلِيَا، جیسے مَضَى يَمْضِي مَضِيَا جب کوئی چلا جائے۔ ہوئی يَهْوِي هَوِيَا۔ جو ہری نے کہا: کہا جاتا ہے صليت الرجل ناراً جب تو کسی کو آگ میں جھونک دے، گویا تو اسے جلانا چاہتا ہے۔ میں کہتا ہوں: اصليتہ الف کے ساتھ و صليتہ تصليه بھی آتا ہے۔ وَيُصَلِّي سَعِيدًا بھی پڑھا گیا ہے۔ اور جنہوں نے تخفيف کے ساتھ پڑھا ہے تو وہ عربوں کے اس قول سے ہوگا: صَلَّى فلان بالنار لام کے کسرہ کے ساتھ۔ يَصِي صُلِيَا اس کا معنی ہے جل جانا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هُمْ اَوْلٰی بِهَا صِلٰیًا۔ عجاج نے کہا:

والله لولا النار ان نصلها

اسی طرح کہا جاتا ہے: صلی بالمرجب گرمی اور شدت سخت ہو جائے۔ طہوی نے کہا:

وَلَا تَهَيَّ بِسَالَتُهُمْ دَانَ هُمْ صَلَّى بِالْحَرْبِ حِينًا بَعْدَ حِينٍ

وَأَصْلِيَّتِ بِالنَّارِ وَتَصْلِيَّتِ بِهَا

ابوزبید نے کہا:

وَقَدْ تَصَلَّيْتُ حَرَّ حَرْبِهِمْ كَمَا تَصَلِّي النَّقْرُ دُرٌّ مِنْ فَرَسٍ

فلاں لا يُصَلِّي بنارہ کہا جاتا ہے جب کوئی بہادر شخص ہو اور اس کا مقابلہ نہ کیا جاتا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۖ اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنْ مِنْكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَن لَّمْ يَسْأَلْ سَألًا مَّا كَانَتْ تُحِبُّهُ فَاجَبَلْتُهُ جَنَابًا ۚ اس کی تفسیر بیان کرتی ہے۔ لایبوت لأحد من المسلمين ثلاثة من الولد فتسسه النار إلا تحلة القسم۔ جس مسلمان کے تین بچے فوت ہو جاتے ہیں اسے آگ نہیں چھوئے گی مگر قسم پوری ہونے کی مقدار۔ زہری نے کہا: گویا یہ آیت مراد لے رہے ہیں وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا۔ یہ ابوداؤد طیالسی نے ذکر کیا ہے اور حدیث میں الإتحلة القسم کا قول تفسیر مسند میں نکلتا ہے، کیونکہ اس حدیث میں جو قسم مذکور ہے اہل علم کے نزدیک اس کا معنی یہ ارشاد ہے: وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا، بعض علماء نے فرمایا: القسم سے مراد یہ ارشاد ہے: وَالَّذِي يَرِيءُ ذُرْوَاهُ ۖ فَالْحَوْلُوتُ وَقِرَاءُ ۖ فَالْحَوْلُوتُ يُسْرًا ۖ فَالْقَسْمُ أَمْرًا ۖ إِتْمَا تُوَعْدُونَ لَصَادِقِي ۖ وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ ۖ (الذاریات) پہلا قول زیادہ مشہور ہے اور مفہوم قریب قریب ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ الورد کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، بعض نے فرمایا: اس سے مراد دخول ہے (1)۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے فرمایا میں نے نبی پاک ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ”الورد سے مراد دخول ہے کوئی نیکو کار اور فاجر باقی نہیں ہوگا مگر وہ دوزخ میں داخل ہوگا مومنین پر آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوئی تھی“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثًّا ۖ ابو عمر نے کتاب ”التمہید“ میں اپنی سند کے ساتھ یہ ذکر کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، خالد بن معدان، ابن جریج وغیرہم کا یہی قول ہے۔ یونس نے حسین سے روایت کیا ہے کہ وہ وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا پڑھتے تو الورد کی تفسیر الدخول سے بیان کرتے۔ بعض راویوں سے اس میں غلطی ہوئی اور انہوں نے الورد، الدخول کے الفاظ کو قرآن کے ساتھ لاحق کر دیا ہے۔ مسند دارمی میں حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے فرمایا نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”لوگ آگ پر وارد ہوں گے پھر وہ اس سے اپنے اعمال کے ساتھ نکلیں گے پہلے لوگ بجلی کی چمک کی طرح تیزی سے نکلیں گے پھر (بعد والے) ہو کی طرح نکلیں گے پھر (بعد والے) گھوڑے کی تیز رفتاری سے نکلیں گے پھر (بعد والے) اس مسافر کی تیزی سے نکلیں گے جو اپنی سواری کو تیز چلانے والا ہوتا ہے پھر اس شخص کی طرح جو تیز چلتا ہے“ (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں نافع بن ازرق خارجی سے فرمایا: رہا میں اور تو، تو ضرور ہم وارد ہوں گے۔ رہا میں تو اللہ تعالیٰ مجھے اس سے نجات دے گا اور ہا تو تو میں گمان نہیں کرتا کہ وہ تجھے نکالے گا تیرے جھٹلانے کی وجہ سے۔ اکثر علماء ڈرتے ہیں کیونکہ دوزخ پرورد تو یقینی ہے لیکن اس سے نکلنا مجہول ہے۔ ہم نے یہ مسئلہ (التذکرہ) میں بیان کر دیا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: الورد سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابن مسعود اور کعب احبار اور سدی سے مروی ہے۔ سدی نے اس کو حضرت

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، فضل من مات ولد فاحتسب، جلد 2، صفحہ 145

2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورہ مریم، جلد 2، صفحہ 145۔ ایضاً، حدیث نمبر 3084، فیاء القرآن، پبلی کیشنز

ابن مسعود سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ حسن کا بھی یہی قول ہے فرمایا: الورد د سے مراد الدخول نہیں ہے تو کہتا ہے: وردت البصرہ ولم أدخل۔ میں بصرہ پر وارد ہوا اور داخل نہیں ہوا۔ فرمایا: الورد د سے مراد بل صراط سے گزرتا ہے۔ ابو بکر انباری نے کہا: حسن کے مذہب پر اہل لغت کی ایک قوم نے بنیاد رکھی ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے حجت پکڑی ہے: **إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ** (الانبیاء)

یہ علماء فرماتے ہیں: وہ شخص دوزخ میں داخل نہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ دوزخ سے دور کرنے کی ضمانت دے گا۔ اور وہ شہ کو تاء کے فتح کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور پہلے مقالہ والوں نے ان کے خلاف یہ حجت پکڑی ہے کہ **أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ** کا معنی ہے دوزخ میں عذاب سے دور کرنا اور جلانے سے دور کرنا، جو اس میں داخل ہوگا وہ اسے محسوس نہیں کرے گا اور کوئی تکلیف نہیں پائے گا وہ حقیقت میں دوزخ سے دور کیا گیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: **ثُمَّ نُنتِجِي الَّذِينَ اتَّقَوْا** سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ شہ کو تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں: شہ دخول کے بعد نجات پر دلالت کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: صحیح مسلم میں ہے ”جہنم پر ایک پل لگایا جائے گا اور شفاعت کا در کھلے گا لوگ کہیں گے: سلم سلم سلامتی عطا فرما، سلامتی عطا فرما“ (1)۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! **سَلِّمْ عَلَيْهِمْ** وہ پل کیا ہے؟ فرمایا: ”وہ ایک پھسلن ہے اس میں اچک لینے والے اور نوک دار مڑے ہوئے کٹھے ہیں۔ ان میں سے شانے کاٹھے ہیں اس کو سعدان کہا جاتا ہے۔ مومنین آنکھ جھپکنے کی طرح گزریں گے اور بجلی کی طرح اور ہوا کی طرح اور پرندوں کی طرح اور عمدہ گھوڑوں کی طرح اور اونٹوں کی طرح کچھ نجات پانے والے سلامتی پانے والے ہوں گے۔ اور کچھ کو خراشیں آئیں گی اور چھوڑ دیے جائیں گے اور کچھ جہنم میں دھکیل دیے جائیں گے۔“

اس سے ان علماء نے حجت پکڑی ہے جو فرماتے ہیں کہ بل صراط سے گزروہ وورد ہے جس کو یہ آیت اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے نہ کہ دوزخ میں داخل ہونا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: بلکہ وورد سے مراد جھانکنا، اطلاع اور قرب ہے۔ وہ حساب کی طرح حاضر ہوں گے اور وہ جہنم کے قریب ہوگی پس وہ اس کی طرف حساب کی حالت میں دیکھیں گے پھر اللہ تعالیٰ انہیں اس سے نجات دے گا جو انہوں نے دیکھا پھر انہیں جنت کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ **وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ ظَالِمِينَ** کو آگ کی طرف لے جانے کا حکم دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَلَسَاءَ رَآءَ مَا أَهْلُ مَدْيَنَ** (القصص: 23) یعنی پانی پر جھانکا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ پانی میں داخل ہوا۔ زہیر نے کہا:

قَلْنَا وَرَدَّنَ الْمَاءَ زُرْنَقًا جِثَامُهُ وَضَعْنَ عِصْوًا الْحَاضِرِ الْمُتَخَيِّمِ

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”آگ میں اہل بدر اور اہل حدیبیہ میں سے کوئی داخل نہ ہوگا“ (2)۔ فرماتی ہیں: میں نے عرض کی یا رسول اللہ! **سَلِّمْ عَلَيْهِمْ** وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَاهِدًا كَقَوْلِ كِبَاهَا جَائِعًا؟ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”خاموش، **ثُمَّ نُنتِجِي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثَامًا**“ اس حدیث کو امام

مسلم نے حضرت ام مبشر سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں: میں نے نبی پاک ﷺ کو حضرت حفصہ سے یہ فرماتے سنا (الحدیث) زجاج نے اس قول کو اس ارشاد کی وجہ سے ترجیح دی ہے: **إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ (الانبیاء: 101)** مجاہد نے کہا: مومنین کے آگ پر وارد ہونے سے مراد بخار ہے جو مومن کو دنیا میں لاحق ہوتا ہے یہی آگ سے مومن کا حصہ ہے وہ دوزخ کی آگ میں داخل نہ ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ایک مریض کی عیادت کی جس کو بخار تھا نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا: ”تمہیں بشارت ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ (بخار) میری آگ ہے جو میں اپنے بندہ مومن پر مسلط کرتا ہوں تاکہ یہ آگ سے اس کا حصہ ہو جائے“۔ ابو عمر نے اسے مسند ذکر کیا ہے فرمایا عبد الوارث بن سفیان نے ہمیں بیان کیا فرمایا ہمیں قاسم بن اصبح نے بیان کیا فرمایا ہمیں محمد بن اسماعیل صانع نے بیان کیا فرمایا ہمیں ابو اسامہ نے بیان کیا فرمایا ہمیں عبد الرحمن بن یزید بن جابر نے بیان کیا انہوں نے اسماعیل بن عبید اللہ سے انہوں نے ابو صالح اشعری سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے مریض کی عیادت کی پھر یہ حدیث مذکور ذکر کی اور حدیث میں ہے ”بخار، مومن کا آگ سے حصہ ہے“ (1)۔ اور ایک جماعت نے کہا: الورد سے مراد قبر میں دوزخ کو دیکھنا ہے پھر کامیاب شخص کو اللہ تعالیٰ نجات دیتا ہے اور جس کی تقدیر میں اس میں داخل ہونا لکھا ہوگا وہ اس میں داخل ہوگا پھر اس سے شفاعت کے ذریعے یا اس کے علاوہ اللہ کی رحمت سے نکلے گا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ان علماء نے حجت پکڑی ہے کہ ”جب تم میں سے کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اس پر صبح و شام اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے“ (الحدیث) و کعب نے شعبہ سے انہوں نے عبد اللہ بن سائب سے انہوں نے ایک شخص سے اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے **وَإِنْ مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا** کی تفسیر میں فرمایا: یہ خطاب کفار کو ہے۔ ان سے یہ بھی روایت ہے کہ وہ وان منہم پڑھتے تھے وہ ان آیات پر اس کو لوٹاتے تھے جن میں کفار کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَوَسَّاتُكَ لَخَشْرَتَهُمْ وَالشَّيْطَانِ لَمْ لَخْضَرَتَهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا** (1) اسی طرح عکرمہ اور ایک جماعت نے پڑھا ہے، اس قرأت پر کوئی جھگڑا نہیں۔ ایک فرقہ نے کہا: منکم سے مراد کافر ہیں معنی یہ ہے کہ اے پیارے محمد ﷺ ان سے کہو: یہ تاویل آسان ہے اور کاف ضمیر منکم میں **لَخَشْرَتَهُمْ وَالشَّيْطَانِ** میں ہا کی طرف لوٹ رہی ہے۔ پس کاف کا ہاء کی طرف لوٹنا پسندیدہ نہیں یہ اس ارشاد میں بھی معروف ہے۔ **وَسَقَّوْهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا** (1) **إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيَكُمْ مَشْكُورًا** (الدھر) اس آیت میں **كَانَ لَكُمْ** سے مراد کان لہم ہے۔ کاف ضمیر ہاء کی طرف راجع ہے۔ اکثر علماء نے فرمایا: مخاطب تمام عالم ہے اور تمام کا ورود ضروری ہے اس پر ورود میں اختلاف پیدا ہوا ہے۔ ہم نے اس کے متعلق علماء کے اقوال بیان کر دیے ہیں۔ ورود کا ظاہر معنی دخول ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **فَتَمَسَّتْ النَّارُ - الْمَسِيْسَ كَالْمَعْنَى** لغت میں چھونا ہے۔ مگر وہ آگ مومنین پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی اور وہ اس سے سلامتی کے ساتھ نجات پائیں گے۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب الطب، ما جاء تبديد الحن، جلد 2، صفحہ 29-28۔ ایضاً، حدیث نمبر 2014، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ایضاً، ابن ماجہ، باب الحن، حدیث نمبر 3460، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

خالد بن معدان نے کہا: جب اہل جنت، جنت میں داخل ہوں گے تو وہ دیکھیں گے کیا ہمارے رب نے کہا نہیں تھا کہ ہم آگ پر وارد ہوں گے؟ انہیں کہا جائے گا: تم اس میں وارد ہوئے تھے پس تم نے اسے رکھ پایا۔

میں کہتا ہوں: یہ قول مختلف اقوال کا جامع ہے اگر کوئی اس میں وارد ہو اور اسے آگ اپنے شعلے سے اذیت نہ دے تو وہ اس سے دور کیا گیا اور اس سے بچایا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے نجات عطا فرمائے، ان لوگوں سے کرے جو اس پر وارد ہوں تو سلامتی کے ساتھ داخل ہوں اور اسے غنیمت کے ساتھ نکالے۔ اگر یہ کہا جائے کہ کیا انبیاء آگ میں داخل ہوں گے؟ ہم کہیں گے: ہم یہ مطلق نہیں کرتے بلکہ ہم کہتے ہیں: ساری مخلوق دوزخ پر وارد ہوگی جیسا کہ حضرت جابر کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے تا فرمان اپنے جرائم کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوں گے، اولیاء اور سعادت مند ان مجرموں کی شفاعت کے لیے داخل ہوں گے پس ان دونوں دخولوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ ابن انباری نے مصحف عثمان اور قرأت عامہ سے حجت پکڑتے ہوئے کہا: لغت میں جائز ہے کہ غائب سے مخاطب اور مخاطب سے غائب کی طرف التفات ہوتا رہتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَسَقَهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ۝۱۰** **إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيِكُمْ مَشْكُورًا ۝** (دہر) پہلے غائب کی ضمیریں تھیں پھر مخاطب کی ضمیریں ذکر فرمائیں؛ یہ مفہوم سورہ یونس میں گز چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد میں **الْحِجَلَةُ الْقِسْمُ** یہ مستثنیٰ منقطع کا بھی احتمال رکھتا ہے لیکن **تَحِلَّةُ الْقِسْمِ** یہ کلام عرب میں معروف ہے یعنی اسے آگ بالکل نہ چھوئے گی۔ یہاں کلام مکمل ہوئی پھر نئی کلام فرمائی **الْحِجَلَةُ الْقِسْمِ** یعنی لکن **تَحِلَّةُ الْقِسْمِ** (قسم پوری قسم کرنے کے لیے ضروری ہے) جو کہ اس ارشاد میں ہے: **وَإِنْ قَسِمْتُمْ إِلَّا وَإِهَادُهَا** اور وہ بل صراط سے گزرتا ہو یا آگ کو دیکھنا یا سلامتی کے ساتھ داخل ہونا ہو پس اس میں کوئی مسمیس نہ ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”تم میں سے جن کے تین بچے فوت ہو جائیں گے پھر وہ ان پر ثواب کی امید رکھے گا تو وہ اس کے لیے دوزخ سے ڈھال ہوں گے“ (1)۔ **الجنة** کا معنی ڈھال اور پردہ ہے۔ اور جو آگ سے بچایا گیا اور اس سے چھپایا گیا اس کو بالکل آگ نہ چھوئے گی اگر آگ اسے چھوتی تو وہ بچایا گیا نہ ہوتا۔

مسئلہ نمبر 4۔ یہ حدیث پہلی حدیث کی تفسیر ہے کیونکہ اس میں **الحسبة** کا ذکر ہے اسی وجہ سے امام مالک نے اپنے اثر کے ساتھ اس کو مفسر فرمایا ہے۔ اس دوسری حدیث کو اس نے مقید کیا ہے جو امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے فرمایا: **من مات له ثلاثة من الولد لم يبغفوا الحنث كان له حجابا من النار أو دخل الجنة (2)**۔ پس نبی کریم ﷺ کا ارشاد: **لم يبغفوا الحنث**، اہل علم کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اس عمر کو نہ پہنچے ہوں کہ ان پر گناہ لازم ہوتا ہو۔ یہ دلیل ہے کہ مسلمانوں کے بچے جنت میں ہوں گے، واللہ اعلم۔ کیونکہ رحمت جب ان کے آباء پر نازل ہوئی تو یہ محال ہے کہ جن کی وجہ سے دوسروں پر رحم کیا گیا ہو وہ خود مرحوم نہ ہوں۔ اس

1۔ مؤطا امام مالک، کتاب الجنائز، صفحہ 218

2۔ صحیح بخاری، کتاب الايمان والنذور، أقسموا بالله جهد أيمانهم، جلد 2، صفحہ 985

پر علماء کا اجماع ہے کہ مسلمانوں کے بچے جنت میں ہیں، اس میں مخالفت نہیں کی مگر جبریہ فرقہ نے انہوں نے اس کو مشیت کے ساتھ خاص کیا ہے۔ یہ ان کا اجماع کی وجہ سے مردود قول ہے جن کی مخالفت جائز نہیں اور نہ ان کی مثل پر غلطی جائز ہے نیز ثقہ عادل لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے اخباراً حادروایت کی ہیں اور نبی کریم ﷺ کا قول: الشقی من شقی فی بطن أمه والسعيد من سعد فی بطن أمه وأن الملك ينزل فيكتب أجله وعمله ودرماقہ (1)۔ بد بخت وہ ہے جو اپنی ماں کے بطن میں بد بخت تھا اور سعید وہ ہے جو اپنی ماں کے بطن میں سعید تھا فرشتہ نازل ہوتا ہے وہ اس کی عمر اس کا عمل اور اس کا رزق لکھتا ہے۔ یہ حدیث مخصوص ہے مسلمانوں کے بچوں میں سے جو اکتساب سے پہلے مر جائے گا وہ ہوگا جو اپنی ماں کے بطن میں سعید تھا اور وہ بد بخت نہیں تھا اس کی دلیل احادیث اور اجماع ہے، اسی طرح حضرت عائشہ کو نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا اور اس کے لیے رہنے والے بھی پیدا کیے جبکہ وہ اپنے آباء کی صلہوں میں تھے۔“ یہ اجماع اور آثار کی وجہ سے ضعیف اور مردود ہے۔ طلحہ بن یحییٰ جس نے اس حدیث کو روایت کیا ہے وہ ضعیف ہے قابل حجت نہیں۔ اس حدیث کے ساتھ وہ منفرد ہے اس لیے قبول نہیں۔ شعبہ عن معاویہ بن قرہ بن ایاس مزنی عن ابیہ عن النبی ﷺ کے سلسلہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری کا چھوٹا بچہ فوت ہو گیا وہ اس پر بہت افسردہ ہوا اسے نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”کیا تجھے یہ خوشی نہیں کہ تو جنت کے دروازوں میں سے جس دروازے سے آئے تو تو اسے پائے کہ وہ تیرے لیے دروازہ کھولتا ہے“ (2)۔ یہ حدیث ثابت صحیح ہے ان احادیث کے معنی کے ساتھ جو ہم نے ذکر کی ہیں نیز جمہور کا اجماع بھی ہے۔ یہ صحیح حدیث یحییٰ کی حدیث کے معارض ہے اور اسے دور کرتی ہے۔ ابو عمر نے کہا: میرے نزدیک اس حدیث میں اور اس کے مشابہ آثار میں وجہ یہ ہے کہ یہ اس کے لیے ہے جس نے فرائض کی آدیگی کی محافظت کی، کبار سے اجتناب کیا، مصیبت پر صبر کیا اور ثواب کی امید رکھی۔ خطاب اس زمانہ میں ایسی قوم کو تھا جن کا غالب اسی پر تھا وہ صحابہ کرام تھے۔ نقاش نے بعض علماء سے ذکر کیا ہے کہ: وَإِنْ قَبَلْتُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَقَوْلِ مَنْسُخٍ هِيَ: اور اس کی ناسخ یہ آیت ہے: إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿١٠٠﴾ (الانبیاء) جس کو آگ نے نہیں چھوا وہی آگ سے دور کیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے ”قیامت کے روز آگ مومن کو کہے گی: ”اے مومن! گزر جا تیرا نور میرے شعلہ کو بجھا رہا ہے“ (3)۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَانَ عَلَىٰ رَأْسِكَ حَسْمًا مَّقْضِيًّا ﴿١٠١﴾، الحتم کا معنی ہے فیصلہ کو واجب کرنا یعنی یہ حتمی تھا۔ مَّقْضِيًّا اللہ تعالیٰ نے یہ تم پر فیصلہ فرما دیا تھا۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: یہ قسم واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا، یعنی ہم متقین کو نکالیں گے، وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿١٠٢﴾ یہ آیت دلیل ہے کہ ورود سے مراد دخول ہے کیونکہ ندخل الظالمین نہیں فرمایا۔ اس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ مذہب یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اگرچہ دوزخ میں داخل ہوگا اسے اس کی بد اعمالیوں کی مقدار سزا ملے گی پھر وہ نجات پائے گا۔ فرقہ مرجہ نے کہا: وہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، فضل مکن له ولد فاحتسب، جلد 1، صفحہ 167

3۔ تفسیر طبری

2۔ اتہد جلد 6، صفحہ 349-351۔ مسند امام احمد حدیث نمبر 24132

بھی داخل نہ ہوگا۔ وعید یہ نے کہا: گناہ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اس کا بیان کئی مقامات پر گزر چکا ہے۔ عاصم جحدری، معاویہ بن مرہ نے ثم نتھی تخفیف کے ساتھ اتھی سے پڑھا ہے؛ یہ حمید، یعقوب اور کسائی کی قرأت ہے اور باقی قراء نے شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن ابی لیلیٰ نے شہ پڑھا ہے، یعنی وہاں، ثم ظرف ہے مگر یہ مبنی ہے کیونکہ غیر محصل ہے پس یہ مبنی ہوگا جیسے ذابنی ہے اور ہاء یہ بھی جائز ہے کہ یہ حرکت کے بیان کے لیے ہو پس اسے وصل میں حذف کیا جائے گا اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ بقعہ کی تانیث کے لیے ہو پس وصل میں تاء ثابت ہوگی۔

وَ إِذَا تُثْلِي عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ
الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَ أَحْسَنُ نَدِيًّا ۝ وَ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ
أَخْسَنُ أَثَاكًا وَ رِءْيَا ۝ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَبْذُذْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَذَابًا
حَتَّىٰ إِذَا سَاءَ مَا يُوْعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَ إِمَّا السَّاعَةَ ۚ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ
شَرٌّ مَكَانًا وَ أضعفُ جُنْدًا ۝

”اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں وضاحت سے (تو) کافر کہتے ہیں ایمان والوں سے کہ (یہ تو بتاؤ) ہم دونوں گروہوں میں سے کس کی رہائش گاہ آرام دہ ہے اور کس کی نشست گاہ خوبصورت ہے؟ اور (ان احمقوں نے یہ نہ سوچا) کہ کتنی تو میں ان سے پہلے تھیں جن کو ہم نے برباد کر دیا وہ ساز و سامان اور ظاہری سج دھج میں (ان سے) بہتر تھیں۔ آپ فرمائیے: جو گمراہی میں (گن) ہو تو ڈھیل دیئے رکھتا ہے اسے رحمن لمبی ڈھیل یہاں تک کہ جب دیکھیں گے وہ چیز جس کا وعدہ کیا گیا ہے یعنی عذاب یا قیامت تو اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ کون مکان کے لحاظ سے برا اور لشکر کے اعتبار سے کمزور ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ إِذَا تُثْلِي عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ، یعنی ان کفار پر جب ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جن کا ذکر آج سے پہلے کیا گیا ہے اور ان کے بارے میں فرمایا: وَ نَذَرْنَا لِلظَّالِمِينَ فِيهَا جِثْيًا ۝ جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو دنیا کی وجہ سے عزت والے بنتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمیں کیا ہے اگر ہم باطل پر ہوئے ہم مال کے اعتبار سے زیادہ ہیں، نفی کے اعتبار سے معزز ہیں؟ ان کا مقصود کمزور لوگوں پر شبہ کو زائل کرنا اور ان کو وہم دلانا تھا کہ جس کا مال زیادہ ہوتا ہے یہ دلیل ہے کہ وہ اپنے دین میں حق پر ہے، گویا انہوں نے کفار میں کوئی فقیر نہیں دیکھا اور مسلمانوں میں کوئی غنی نہیں دیکھا۔ اور یہ انہیں معلوم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو دنیا سے دھوکا کھانے اور کثرت سے اس کی طرف میلان سے دور رکھتا ہے۔ بَيِّنَاتٍ، کا معنی جن کے الفاظ میں ترتیل ہے اور معانی میں تلخیص ہے، مقاصد کو بیان کرنے والی ہیں۔ محکمات ہیں یا متشابہات ہیں محکمات کی وجہ سے ان کا بیان ان کے پیچھے موجود ہے یا نبی پاک ﷺ نے قولاً یا فعلاً بیان کیا ہے، ان کے ظاہر میں اعجاز ہے ان کے ساتھ چیلنج کیا گیا ہے کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا یا یہ جھتیں اور براہین ہیں یہ حال مؤکدہ ہے جیسے اللہ

تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا (البقرہ: 91) کیونکہ آیات ہمیشہ واضح ہوتی ہیں اور جھٹلتی ہوتی ہیں۔ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا اس سے مراد قریش کے مشرک ہیں نصر بن حراث اور اس کے ساتھی، الَّذِينَ آمَنُوا اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فقراء صحابہ ہیں ان کی حالت بوسیدہ تھی ان کی زندگیوں میں خشونت تھی اور ان کے لباس پھٹے پرانے ہوتے تھے مشرک لوگ اپنے بالوں کو کنگھی کرتے تھے، اپنے سروں پر تیل لگاتے تھے اور عمدہ لباس پہنتے تھے انہوں نے مومنین سے کہا: أَمْثَلُ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا، ابن کثیر، ابن محیصن، حمید اور شبل بن نباد نے مقام امیم کے ساتھ پڑھا ہے یعنی قیام کی جگہ، اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ الإقامة کے معنی میں مصدر میسی ہو اور باقی قراء نے مقاماً کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی منزل اور مسکن۔ بعض علماء نے فرمایا: مقام سے مراد وہ جگہ ہوتی ہے جس میں بڑے بڑے امور طے کیے جاتے ہیں یعنی دونوں فریقوں میں سے زیادہ جاہ و حشمت اور مددگاروں والا کون ہے؟ أَحْسَنُ نَدِيًّا، (1) ندیا سے مراد مجلس ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد منظر ہے لغت میں مجلس کو النادی کہتے ہیں اسی سے دار الندوہ ہے کیونکہ مشرکین اس میں اپنے امور کا مشورہ کرتے تھے۔ ناداء کا مطلب ہے مجلس میں اس نے اسے بٹھایا۔ شاعر نے کہا: أُنَادِي بِهِ آلَ الْوَلِيدِ وَجَعْفَرَ النَّدِيِّ فَعِيلُ كَ وَزْنَ بِرَقُومِ كَ بِيْضِنِي كِي جَلْهٍ اَوْرِ كُفْتَلُو كِي جَلْهٍ اَسِي طَرَحِ النَّدُوَّةِ، النَّادِي، الْمُنْتَدِي، الْمُنْتَدِي هِيَ اِذَا رَقُومٌ بَكَهْرٍ جَاءَتْ تَوَدُّهُ نَدِيٌّ نَيْسٌ هِيَ؛ يَهِيَ جَوْهَرِيٌّ نَدِيٌّ هِيَ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ، قرن سے مراد امت اور جماعت ہے، هُمْ أَحْسَنُ أَثَاكًا زِيَادَةً مَالٍ وَمَتَاعٍ مَرَادٍ هِيَ۔ شاعر نے کہا:

دَفَعَ يَزِينُ الْمَثَنَ أَسْوَدَ فَاحِمٍ أَثِيثٍ كَهْنُو النَّخْلَةِ الْمُسْتَعْشِكِلِ

الاثاث سے مراد گھر کا ساز و سامان ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اثاث جو بچھایا جاتا ہے۔ الحملى جو پہنا جاتا ہے۔ حسن بن علی طوسی نے یہ شعر کہا ہے:

تَقَادِيمُ الْعَهْدِ مِنْ أُمِّ الْوَلِيدِ بِنَا دَهْرًا دَسَارَ أَثَاثِ الْبَيْتِ خُرَيْثِيًّا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اثاث سے مراد بیت ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد کپڑے ہیں، وَ هِيَ عِيَا خُو بِصُورَتِ مَنْظَرٍ، اس میں پانچ قراتیں ہیں: اہل مدینہ نے دریا، بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے۔ اہل کوفہ نے دریا ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعقوب نے حکایت کیا ہے کہ طلحہ نے دریا ایک یا مخففہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور سفیان نے اعمش سے انہوں نے ابو ظبیان سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ہم احسن اثاثا و زیا یعنی زاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ چار قراتیں ہیں۔ ابواسحاق نے کہا: ہم احسن اثاثا و ریشا یعنی یا کے بعد ہمزہ کے ساتھ بھی جائز ہے۔ نحاس نے کہا: اہل مدینہ کی قرأت اس میں بہتر ہے اور اس میں دو تقریریں ہیں۔ (1) یہ رایت سے مشتق ہو پھر ہمزہ میں تخفیف کی گئی ہو اور اسکو یا سے بدل دیا گیا ہو اور پھر یا کو یا میں ادغام کیا گیا ہو۔ یہ بہتر ہے تاکہ آیات کے سرے متفق ہو جائیں کیونکہ وہ غیر مہوز

ہیں اس بنا پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: الرئی کا مطلب منظر ہے بس معنی یہ ہے ہم احسن اثاثا ولباسا اور دوسری تقریر یہ ہے کہ أن جلودهم مرتویہ من النعمۃ ان کی کھالیں نعمتوں سے سیراب تھیں۔ پس اس بنا پر ہمزہ جائز نہیں اور ورث کی روایت میں نافع اور ابن ذکوان نے ابن عامر سے ریثا ہمزہ کے ساتھ پہلی وجہ پر ہوگا: یہ اہل کوفہ اور ابو عمرو کی قرأت ہے یہ اصل پر رایت سے مشتق ہوگا۔ طلحہ بن مصرف کی قرأت دریا ایک یا مخففہ کے ساتھ میں، اس کو غلط خیال کرتا ہوں۔ بعض نحو یوں کا خیال ہے کہ اس کی اصل ہمزہ ہے پھر ہمزہ کو یا سے تبدیل کیا گیا پھر ایک یا کو حذف کیا گیا۔ مہدوی نے کہا: ریثا ہونا بھی جائز ہے یا کو تبدیل کیا گیا تو وہ ریثا ہو گیا۔ پھر ہمزہ کی حرکت یا کی طرف نقل کی گئی اور اسے حذف کیا گیا، بعض نے دریا قلب کی بنا پر پڑھا ہے۔ یہ پانچویں قرأت ہے۔ سیبویہ نے راء بمعنی راء حکایت کیا ہے۔ جوہری نے کہا: جس نے اس کو ہمزہ دیا ہے اس نے اسے رایت سے مشتق کیا ہے اور اس سے مراد منظر ہے جس کو آنکھ اچھی حالت اور خوبصورت لباس میں دیکھتی ہے۔ ابو عبیدہ نے محمد بن نمیر ثقفی نے کہا:

أشأقتك الظعائن يوم بانوا بذی الرئی الجبیل من الاثاث

اور جنہوں نے اس کو ہمزہ نہیں دیا یا تو وہ ہمزہ کی تخفیف کی بنا پر ہے یا وہ رایت ألوانہم و جلودہم ریا سے مشتق ہوگا، جس کا معنی ہے ان کے رنگ اور کھالیں بھری ہوئی اور خوبصورت تھیں۔ رہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابی بن کعب اور سعید بن جبیر اور اعسم مکی اور یزید بربری کی قرأت و ذیا، زاء کے ساتھ اس کا معنی بھی ہیئت اور خوبصورت ہے۔ یہ جائز ہے کہ یہ زویت سے مشتق ہو یعنی جمع کی گئی اس کی اصل رویا ہوگی واو کو یا سے بدلا گیا ہے اسی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے: زویت لی الارض (1) زمین میرے لیے پیٹ دی گئی یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی چیز بھی فائدہ نہ دے گی۔ یہ لوگ جتنا چاہیں زندگی گزاریں پس انہیں موت اور عذاب کی طرف لوٹنا ہے اگرچہ وہ کتنی لمبی عمر پائیں یا جلدی پہنچنے والا عذاب مراد ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ان کی معرفت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ، یہاں ضلالت سے مراد کفر ہے۔ فَلْيَسُدُّ لَهُ الرُّحْمَ مَدًّا یعنی اس کی جہالت اور کفر کی سرکشی میں اسے چھوڑے رکھتا ہے۔ صیغہ امر کا ہے لیکن اس کا معنی خبر ہے یعنی جو گمراہی میں ہوگا اللہ تعالیٰ اسے ڈھیل دے گا حتیٰ کہ اس کا غرور بڑھتا جائے پس وہ اس کے عقاب کو مزید سخت کر دے گا اس کی مثال یہ ہے: اِثْمَانِي لِيَوْمِ لِيَزْدَادُوا اِثْمًا (آل عمران: 178) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَنَذَرْنَاهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ (الانعام) اس کی مثالیں بہت سی ہیں یعنی جتنا چاہے زندہ رہے اپنی عمر میں اپنے لیے وسعت کرے۔ اس کا انجام موت اور عقاب ہی ہوگا۔ یہ شدید وعید اور دھمکی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ دعا ہے جس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے۔ تو کہتا ہے: من سرق مالی فليقطع الله تعالى بيده، جو میرا مال چوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ کاٹے۔ یہ چور کے خلاف بددعا ہے یہ جواب شرط ہے اس بنا پر فليسد ذخیر نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتَّىٰ اِذَا مَا اَوْاٰ هَٰؤُلَاءِ عَدُوْنَ، راء، فرمایا کیونکہ لفظ مَنْ واحد اور جمع کی صلاحیت رکھتا ہے اور اذا

ماضی کے ساتھ بھی مستقبل کا معنی دیتا ہے، یعنی حتیٰ کہ وہ دیکھ لیں گے جو ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ العذاب سے یہاں مراد ان کے خلاف مومنین کی مدد کر کے عذاب دینا ہے پس وہ تلو اور قیدی بنا کر انہیں عذاب دیں گے یا قیامت قائم ہوگی پس اور وہ آگ کی طرف جائیں گے۔ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضْعَفُ جُنْدًا ۝ اس وقت حقائق منکشف ہوں گے۔ یہ ان کے قول: أَمْ الْفَرِيقَيْنِ... الخ کا رد ہے۔

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى وَالْبَقِيَّةُ الصَّالِحَةُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا
وَخَيْرٌ مَرَدًّا ۝

”اور زیادہ کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں (کے نور) ہدایت کو، اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے اور انہی کا انجام اچھا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى اللہ تعالیٰ مومنین کو ہدایت پر ثابت قدم رکھتا ہے اور ان کی نصرت میں اضافہ کرتا ہے اور ایسی آیات نازل فرماتا ہے جو یقین میں زیادتی کا سبب ہوتی ہیں یہ ان کی جزا کے لیے ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اور ناسخ و منسوخ کی تصدیق کی وجہ سے ان کی ہدایت میں اضافہ کرتا ہے جس کا دوسرے لوگ انکار کرتے ہیں؛ یہ معنی کلبی اور مقاتل نے بیان کیا ہے۔ ایک تیسرا احتمال بھی ہے وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا یعنی ہدایت یافتہ لوگوں کی جنت میں اضافہ کرتا ہے۔ یہ مفہوم پہلے مفہوم کے قریب ہی ہے۔ اعمال کی زیادتی اور ایمان و ہدایت کی زیادتی کا مفہوم سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ وَالْبَقِيَّةُ الصَّالِحَةُ اس پر گفتگو سورہ الکہف میں گزر چکی ہے۔ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا ثَوَابًا سے مراد جزا ہے۔ وَخَيْرٌ مَرَدًّا ۝ آخرت میں بہتر انجام ہوگا اس سے جس کے ساتھ دنیا میں کفار فخر کرتے تھے۔ المراد مصدر ہے جیسے الرد ہے، یعنی نیکیاں کرنے والے پر بہتر ثواب لوٹا یا جائے گا، کہا جاتا ہے: هَذَا رَدُّ عَلَيْكَ یعنی میں تجھے نفع دوں گا۔ بعض علماء نے فرمایا: خَيْرٌ مَرَدًّا ۝ یعنی بہتر مرجع، ہر ایک اپنے اس عمل کی طرف لوٹا یا جائے گا جو اس نے عمل کیا۔

أَفْرَعَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝ أَظَلَمَ الْغَيْبِ أَمْ
اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۝ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّهُ مِنَ الْعَذَابِ
مَدًّا ۝ وَنَرَاهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝

”کیا آپ نے دیکھا اس کو جس نے انکار کیا ہماری آیتوں کا اور کہنے لگا کہ مجھے ضرور ضرور دیا جائے گا مال اور اولاد (اس لاف زنی کی وجہ کیا ہے) کیا وہ آگاہ ہو گیا ہے غیب پر یا لے لیا ہے اس نے (خداوند) رحمن سے کوئی وعدہ، ہرگز ایسا نہیں، ہم لکھ لیں گے جو یہ کہہ رہا ہے اور لمبا کر دیں گے اس کے لیے عذاب کو خوب لمبا کرنا۔ اور ہم ہی وارث ہوں گے جو وہ کہتا ہے (یعنی اس کے مال و اولاد کے) اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَفْرَعَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا، آئمہ حدیث نے یہ الفاظ مسلم شریف کے ہیں، حضرت خباب سے

روایت کیا ہے (1) فرمایا: میرا عاص بن وائل پر قرض تھا میں اس سے وہ قرض طلب کرنے کے لیے آیا، تو اس نے مجھے کہا: میں تجھے قرض ادا نہیں کروں گا حتیٰ کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کرے۔ حضرت خباب نے فرمایا: میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہیں کروں گا حتیٰ کہ تو مر جائے پھر اٹھایا جائے۔ عاص نے کہا میں مرنے کے بعد اٹھایا جاؤں گا؟ تو پھر میں اس وقت تجھے قرضہ ادا کروں گا جب میں اپنے مال اور اولاد کی طرف لوٹوں گا۔ وکیع نے کہا: اعمش نے اسی طرح کہا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی: **أَفْرَعَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا** --- **وَيَأْتِيَنَّا فَرْدًا** (2)۔ ایک روایت میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کاریگر تھا میں نے عاص بن وائل کے لیے کام کیا تو میں نے اس سے رقم کا مطالبہ کیا۔ بخاری نے اس کو نقل کیا ہے۔ کلبی اور مقاتل نے کہا: حضرت خباب کاریگر تھا اس نے عاص کے لیے کوئی زیور بنایا پھر اس سے اجرت کا مطالبہ کیا۔ عاص نے کہا: آج میرے پاس وہ نہیں ہے جو میں تجھے ادا کروں۔ حضرت خباب نے کہا: میں تجھے نہیں چھوڑوں گا حتیٰ کہ تو مجھے میرا قرض ادا کرے۔ عاص نے کہا: اے خباب! تجھے کیا ہوا؟ تو ایسا تو نہیں تھا تو تو بہت اچھے طریقہ سے مطالبہ کرتا تھا۔ حضرت خباب نے کہا: پہلے میں تیرے دین پر تھا آج میں دین اسلام پر ہوں تیرے دین کو چھوڑنے والا ہوں۔ اس نے کہا: کیا تم ہی نہیں کہتے کہ جنت میں سونا، چاندی اور ریشم ہے؟ حضرت خباب نے کہا: کیوں نہیں۔ عاص نے کہا: تو مجھے مہلت دے میں تجھے جنت میں ادا کروں گا۔ اس نے استہزاء یہ کہا۔ اللہ کی قسم! تو اور تیرے ساتھی جنت کے مجھ سے زیادہ حقدار نہ ہوں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: **أَفْرَعَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا، يَعْنِي عَاصَ بْنَ وَائِلٍ - أَظْلَمَ الْغَيْبِ** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے کیا اس نے لوح محفوظ میں دیکھا ہے؟ مجاہد نے کہا: کیا اس نے غیب جان لیا ہے حتیٰ کہ وہ جانتا ہے کہ کیا وہ جنت میں ہے یا نہیں۔ **أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا** (3) قنادہ اور ثوری نے کہا: یعنی اس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی عمل صالح کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: **عَهْدًا** سے مراد توحید ہے۔ بعض نے فرمایا: وعدہ ہے۔ کلبی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس سے عہد کیا ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ گلا یہ اس پر رد ہے یعنی ایسا کچھ بھی نہیں ہے نہ وہ غیب پر مطلع ہے اور نہ اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لیا ہے۔ گلا پر کلام مکمل ہوئی۔ حسن نے کہا: یہ آیات ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ پہلا قول اصح ہے کیونکہ وہ صحاح میں موجود ہے۔ حمزہ اور کسائی نے **وَوَلَدًا** کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور باقی لوگوں نے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ ضمہ اور فتح میں دو وجہ سے اختلاف کیا گیا ہے: (1) یہ دونوں لغتیں ہیں اور دونوں کا معنی ایک ہے۔ کہا جاتا ہے: **وَوَلَدًا**، **وَوَلَدًا** جیسے کہا جاتا ہے: **عَدَمٌ وَعُدْمٌ**۔ حرث بن حلزہ نے کہا:

ولقد رأيتُ معاشراً قد شئروا مالا وولدًا (2)

دوسرے نے کہا:

فليت فلانا كان في بطن أمه وليت فلانا كان وندجمار (3)

1- جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی سورۃ مریم، جلد 2، صفحہ 145

2- البحر الوجیز، جلد 4، صفحہ 130

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ قیس ولد کو واؤ کے ضمہ کے ساتھ جمع بناتے ہیں اور فتح کے ساتھ واحد بناتے ہیں۔ ماوردی نے کہا: لَا وَتَدَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا میں دو وجہیں ہیں: ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طاعت و عبادت پر جنت کا جو وعدہ فرمایا ہے اس کا مزاج کرتے ہوئے اس نے یہ کہا، یہ کلبی کا قول ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے دنیا میں ان چیزوں کا ارادہ کیا، یہ جمہور کا قول ہے۔ اس میں دو احتمال ہیں۔ (۱) اگر میں اپنے آباء کے دین پر اور اپنے خداؤں کی عبادت پر قائم رہا تو مجھے مال اور اولاد دی جائے گی۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اگر میں باطل پر ہوتا تو مجھے مال اور اولاد نہ دی جاتی۔

میں کہتا ہوں: کلبی کا قول ظاہر احادیث کے زیادہ مناسب ہے بلکہ احادیث کی نص اس پر دلیل ہے۔ مسروق نے کہا: میں نے حضرت خباب بن ارت کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں عاص بن وائل کے پاس آیا تا کہ اس سے اپنے قرض کا مطالبہ کروں اس نے کہا: میں تجھے قرض نہیں دوں گا حتیٰ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے۔ میں نے کہا: نہیں، حتیٰ کہ تو مر جائے اور پھر اٹھایا جائے۔ عاص نے کہا: میں مروں گا پھر اٹھایا جاؤں گا؟ میں نے کہا: ہاں۔ عاص نے کہا: میرے لیے وہاں مال اور اولاد ہوگی تو میں تجھے قرضہ ادا کروں گا تو یہ آیت نازل ہوئی: أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا تَرْمِي نَهَا بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (الأنعام: 143) تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیات میں اصل اللہ، الذکرین ہے پس دوسرے الف کو مد سے بدلاتا کہ استغفہام اور خبر کے درمیان فرق ہو جائے اگر اللہ خیر بغیر مد کے کہتے تو استغفہام خبر کے ساتھ ملتبس ہو جاتا اور اطلع میں اس مد کی ضرورت محسوس نہ کی کیونکہ الف استغفہام میں مفتوح ہے اور خبر کا الف مکسور ہے، اسی وجہ سے تو استغفہام میں کہتا ہے: اطلع؟ افتدی؟ استغفرت؟۔ الف کے فتح کے ساتھ اور خبر میں تو کہتا ہے: اطلع، افتدی، اصطفیٰ استغفرت لہم۔ یہ تمام ہمزہ مکسورہ کے ساتھ ہیں پس انہوں نے فتح اور کسرہ کے درمیان فرق کیا ہے اور دوسرے فرق کی ضرورت محسوس نہ کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَطْلَعَ الْغَيْبِ اس کا الف، الف استغفہام ہے کیونکہ اس کے بعد آمد آیا ہے اس کا معنی تو بخ ہے۔ اس کی اصل اطلع ہے۔ پھر دوسرے الف کو حذف کیا گیا کیونکہ الف وصل ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ الف کے بعد مد کو کیوں نہیں لائے اور کہتے: اطلع جس طرح کہا: آ اللَّهُ حَيٌّ (النمل: 59) وَالَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا تَرْمِي نَهَا بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (الأنعام: 143) تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیات میں اصل اللہ، الذکرین ہے پس دوسرے الف کو مد سے بدلاتا کہ استغفہام اور خبر کے درمیان فرق ہو جائے اگر اللہ خیر بغیر مد کے کہتے تو استغفہام خبر کے ساتھ ملتبس ہو جاتا اور اطلع میں اس مد کی ضرورت محسوس نہ کی کیونکہ الف استغفہام میں مفتوح ہے اور خبر کا الف مکسور ہے، اسی وجہ سے تو استغفہام میں کہتا ہے: اطلع؟ افتدی؟ استغفرت؟۔ الف کے فتح کے ساتھ اور خبر میں تو کہتا ہے: اطلع، افتدی، اصطفیٰ استغفرت لہم۔ یہ تمام ہمزہ مکسورہ کے ساتھ ہیں پس انہوں نے فتح اور کسرہ کے درمیان فرق کیا ہے اور دوسرے فرق کی ضرورت محسوس نہ کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَلَّا قُرْآنَ كَ نَصْفِ أَوَّلِ مِ نْ كَلَا كَ ذَكَرْ نَحْنُ بِهٖ۔ نصف ثانی میں اس کا ذکر آیا ہے۔ اس کے دو معانی ہیں۔ ایک اس کا معنی ہے حقاً اور دوسرا اس کا معنی ہے نہیں۔ جب یہ حقا کے معنی میں ہو تو اس کے ماقبل پر وقف جائز ہے پھر کلا سے آغاز ہوگا اور جب یہ لا کے معنی میں ہوگا تو کلا پر وقف جائز ہوگا جیسا کہ اس آیت میں ہے کیونکہ اس کا معنی ہے نہیں معاملہ اس طرح نہیں ہے اور عہداً پر وقف کرنا اور کلا سے آغاز کرنا بھی جائز ہے یعنی كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: لَعَلَّ نَ أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا (المؤمنون: 100) اس میں کلا پر اور ترکت پر وقف جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَهُمْ عَلٰی ذُنُوبٍ فَا خَافَ اَنْ يُّقْتُلُوْنَ ﴿۱۰﴾ قَالَ كَلَّا (الشعراء) اس میں وقف کلا پر ہے کیونکہ اس کا معنی ہے نہیں یعنی معاملہ اس طرح نہیں جیسا کہ تم گمان کر رہے ہو۔ فاذهبا تم دونوں جاؤ۔ اس میں حق کے معنی

میں ہونے کی جگہ نہیں۔ فراء نے کہا: کلا، سوف کے قائم مقام ہے کیونکہ یہ صلہ ہے اور یہ حرف رد ہے گویا نعم (ہاں) اور لا (نہیں) ہے اگر تو اسے مابعد کے لیے صلہ بنائے تو اس پر وقف نہیں کرے گا جیسے تیرا قول ہے: کلا ورب الکعبہ، کلا پر وقف نہیں کرے گا کیونکہ یہ ای ورب الکعبہ کے قائم مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **كَلَّا وَالْقَمَرِ ۝ (المدثر)** پس کلا پر وقف قبیح ہے کیونکہ یہ الیسین کا صلہ ہے۔ ابو جعفر محمد بن سعدان کلا میں فراء کے قول کی طرح فرماتے تھے۔ حفش نے کہا: کلا کا معنی جھڑکنا اور روکنا ہے۔ ابو بکر انباری نے کہا: میں نے ابو العباس کو یہ فرماتے ہوئے سنا پورے قرآن میں کلا پر وقف نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ جواب ہے اور اس کا فائدہ مابعد میں واقع ہوتا ہے۔ پہلا قول اہل تفسیر کا قول ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ** یعنی ہم اس کے قول کو اس پر محفوظ کر لیں گے اور آخرت میں اس کی وجہ سے اسے سزا دیں گے۔ **وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝** ہم اس کے عذاب پر عذاب کا اضافہ کریں گے۔ **وَنُرِثُهُ مَا يَقُولُ** اور ہم نے جو اسے دنیا میں مال اور اولاد عطا کی ہے وہ ہم چھین لیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ہم اسے ہلاک کرنے کے بعد مال اور اولاد کے وارث بن جائیں گے۔ بعض نے فرمایا: ہم اسے اس خواہش سے آخرت میں محروم کر دیں گے جو وہ مال اور اولاد کی رکھتا ہے اور ہم اس کے علاوہ دوسرے مسلمانوں کو دیں گے۔ **وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝** وہ ہماری بارگاہ میں متفرد آئے گا نہ اس کے لیے مال ہوگا، نہ اولاد اور نہ خاندان جو اس کی مدد کرتا ہوگا۔

وَإِتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝

”اور انہوں نے بنا لیے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا کہ وہ ان کے لیے مددگار بنیں۔ ہرگز نہیں وہ جھوٹے خدا انکار کر دیں گے ان کی عبادت کا اور وہ (اللہ کے دشمن ہو جائیں گے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَإِتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۝** اس سے مراد شرکین ہیں۔ عِزًّا اس کا معنی ہے مددگار اور محافظ، یعنی اولاد، العزم و سلا دھا بارش کو بھی کہتے ہیں؛ یہ ہر دی کا قول ہے۔ کلام کا ظاہر یہ ہے کہ عِزًّا ان بتوں کی طرف راجع ہے جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے۔ اور اس کو واحد ذکر فرمایا کیونکہ یہ مصدر کے معنی میں ہے یعنی تاکہ وہ اس کے ساتھ عزت پائیں اور ان کے ذریعے اللہ کے عذاب سے محفوظ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **كَلَّا**، معاملہ اس طرح نہیں جس طرح انہوں نے گمان کیا بلکہ وہ ان کی عبادت کا انکار کریں گے یعنی وہ انکار کریں گے کہ انہوں نے بندوں کی عبادت کی تھی یا وہ بت مشرکوں کی عبادت کا انکار کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا آيَاتِنَا يَعْبُدُونَ ۝ (القصص)** اور یہ بت جمادات ہیں عبادت کا علم نہیں رکھتے۔

وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝، ضد کا معنی ہے انکی خصومت و تکذیب میں ان کے خلاف مددگار ہوں گے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے وہ ان کے دشمن ہوں گے۔ ابن زید نے کہا: وہ ان پر مصیبت ہوں گے پس ان کے معبودوں کو جمع کیا جائے گا اور ان کو عقل دی جائے گی اور وہ بولیں گے اور کہیں گے: یارب! ان کو عذاب دے جنہوں نے تجھے چھوڑ کر ہماری عبادت کی۔

کلاً یہاں یہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ لا کے معنی میں ہو اور یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ حقاً کے معنی میں ہو۔ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ ابونہیک نے، کلاً سیکفرون یعنی تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور ان سے اس کے ساتھ کاف کا ضمہ اور فتح بھی مروی ہے۔ مہدوی نے کہا: کلاً زجر و تنبیہ ہے اور یہ پہلی کلام کے رد کے لیے ہوتا ہے اور کبھی مابعد کی تحقیق اور اس پر تنبیہ کے لیے واقع ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَّاظِرٌ ① (العلق) اس معنی پر وقف نہیں کیا جاتا اور پہلے معنی پر اس پر وقف کیا جاتا ہے اگر اس میں دو معانی کی صلاحیت ہو تو اس پر وقف اور ابتدا جائز ہوتی ہے۔ اور جنہوں نے کلاً کو تنوین دی ہے اور کاف کو فتح بھی دیا ہے تو وہ کل کا مصدر ہے اور اس کو نصب فعل مضمَر کی وجہ سے ہے معنی یہ ہے: كل هذا الرأي والإعتقاد كلاً یعنی ان صورتوں کو معبود بنانے کا اعتقاد اور نظریہ ہرگز درست نہیں تاکہ وہ ان کے مددگار ہوں۔ پس اس مفہوم پر غزا اور کلاً پر وقف ہوگا؛ اسی طرح جماعت کی قرأت میں ہے کیونکہ یہ ماقبل کے رد اور مابعد کی تحقیق کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور جنہوں نے تنوین کے ساتھ کاف کا ضمہ روایت کیا ہے وہ بھی فعل مضمَر کے ساتھ منصوب ہے۔ گویا فرمایا: سَيَكْفُرُونَ، كَلَّا سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ، یعنی اپنے بتوں کی عبادت کا انکار کریں گے۔

میں کہتا ہوں: کلاً میں چار معانی حاصل ہوتے ہیں: (۱) تحقیق یعنی یہ حقاً کے معنی میں ہوتا ہے۔ (۲) نفی، (۳) تنبیہ، (۴) قسم کا صلہ۔ صرف پہلی صورت میں اس پر وقف ہوگا۔ کسائی نے کہا: لا صرف نفی کرتا ہے اور کلاً ایک چیز کی نفی کرتا ہے اور ایک چیز کو ثابت کرتا ہے جب کہا جاتا ہے: اكلت تمرآتو تو کہتا ہے: کلاً انا اكلت عسلاً لا تمرأ میں نے شہد کھایا، کھجور نہیں کھائی۔ اس کلمہ میں ماقبل کی نفی ہے اور مابعد کی تحقیق ہے۔ الضد کبھی واحد ہوتا ہے اور کبھی جمع ہوتا ہے جیسے العدا اور الرسول واحد اور جمع استعمال ہوتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: الضد مصدر کی جگہ واقع ہے یعنی وہ ان کے علاوہ معاون ہوں گے اسی وجہ سے جمع نہیں ذکر کیا گیا، یہ چونکہ لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا کے مقابلہ میں ہے اور العزم مصدر ہے پس اسی طرح اس کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے۔ پھر علماء نے فرمایا: یہ آیت بتوں کے بچاریوں کے متعلق ہے اور بتوں کو شعور والوں کے قائم مقام رکھا گیا ہے جیسے کہ کفار کا نظریہ تھا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ ان کے بارے ہے جو سچ علیہ السلام یا ملائکہ یا جن یا شیاطین کی عبادت کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكٰفِرِينَ تَوَثُّرَهُمْ ۖ أَمْرًا ۖ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعْدُ لَهُمْ عَذَابًا ۖ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۖ ۝۱۵ ۖ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وَفْدًا ۖ ۝۱۶ ۖ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۖ ۝۱۷

”کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم نے مسلط کر دیا ہے شیطانوں کو کفار پر وہ انہیں (اسلام کے خلاف) ہر وقت اکساتے رہتے ہیں۔ پس عجلت نہ کیجئے ان پر (نزدول عذاب کے لیے) ہم گن رہے ہیں ان کے ایام زندگی کو اچھی طرح۔ وہ دن جب ہم اکٹھا کریں گے پرہیزگاروں کو رحمن کے حضور میں (معزز و مکرم مہمان بنا کر) اور

اس روز ہانک کر لائیں گے مجرموں کو جہنم کی طرف پیا سے جانوروں کی طرح۔ انہیں کوئی اختیار نہ ہوگا شفاعت کا۔ بجز ان کے جنہوں نے خداوند رحمن سے کوئی وعدہ لے لیا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **الْم تَرَانَا آتْرَسَلْنَا الشَّيْطَانَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ هَمْ نَع شَيْطَانُوْنَ كُوَان پْرَاغُوَا كْرِنَع كَع لِيَع مَسْلَط كْر دِيَا هَع يِيَا س وَت قْت هُوَا جِب اَبْلِيْس سَع كَبَا تَهَا: وَاسْتَفْرَزْ هَمِن اسْتَطَعْت مِنْهُم بِصَوْتِكَ (بنی اسرائیل: 64)**
 بعض نے فرمایا: **اَنَا آتْرَسَلْنَا** کا معنی ہے ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ کہا جاتا ہے: **اُرسلت البعید** میں نے اونٹ کو چھوڑ دیا ہے یعنی ہم نے شیطانوں اور ان کو چھوڑ دیا ہے ہم ان کی شیطانوں کی بات قبول کرنے سے حفاظت نہیں کرتے۔ **زجاج** نے **اَتْرَسَلْنَا** کا معنی **قبضنا** (ہم نے مسلط کر دیا) کیا ہے۔ **تَوْتُرُهُمْ** **اَمْرًا** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے وہ انہیں طاعت کی جگہ معصیت اور نافرمانی پر اکساتے ہیں۔ ان سے مروی ہے تعزیرہم اغراء بالشہوہ انہیں شر پر ابھارتے ہیں اس میں جاری رہو اس میں جاری رہو، حتیٰ کہ وہ انہیں آگ میں ڈال دیتے ہیں۔ پہلا معنی ثعلبی نے اور دوسرا مورو نے حکایت کیا۔ مفہوم ایک ہی ہے۔ **ضحاک** نے کہا: **تغویہم اغواء**، وہ انہیں گمراہ کرتے ہیں۔ **مجاہد** نے کہا: ابھارتے ہیں۔ اس کا اصل معنی حرکت کرنا اور ابھرتا ہے؛ اسی سے خبر مروی ہے کہ نبی کریم **سَلَّمَ** **قَامِرًا** **اِلَى الصَّلَاةِ وَلِجَوْفِهِ اُزِيرٌ كَاذِيْبٌ** **اَلْبِرْجَلِ مِّنَ الْبِكَاءِ (1)** جب نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ کے اندر سے رونے کی وجہ سے ابلنے کی آواز آئی جیسے ہانڈی ابلتی ہے۔ جب ہانڈی ابل رہی ہو تو کہتے ہیں: **اَنْتَزَتْ الْقِدْرُ اَنْتَزَا**۔۔۔ **الاذ**، کا معنی ابھارنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **الْم تَرَانَا آتْرَسَلْنَا الشَّيْطَانَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَوْتُرُهُمْ اَمْرًا** ① یعنی وہ انہیں گناہوں پر اکساتے ہیں۔ **الاذ** کا معنی **الاختلاط** بھی ہے **قَدْ اَنْزَمَتِ الشَّيْ اَوْزَهَا** میں نے بعض کو بعض سے ملا دیا، یہ جوہری کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ** یعنی ان کے لیے جلدی عذاب طلب نہ کرو، **اِنَّمَا نَعْدُوْ لَهُمْ عَذَابًا** کبھی نے کہا: اس کا معنی ہے ہم ان کے ایام، راتیں، مہینے، سال عذاب کے پہنچنے تک شمار کر رہے ہیں۔ **ضحاک** نے کہا: اس کا مطلب ہے ہم ان کے سانس گن رہے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم دنیا میں ان کے سانس گن رہے ہیں جس طرح ہم ان کے سال گن رہے ہیں۔ بعض نے فرمایا: ہم ان کے قدم گن رہے ہیں۔ بعض نے فرمایا: ہم ان کی لذات گن رہے ہیں۔ بعض نے فرمایا: لمحات گن رہے ہیں۔ بعض نے فرمایا: آپ ان کے لیے جلدی نہ کریں ہم ان کو مہلت دے رہے ہیں تاکہ یہ گناہ زیادہ کر لیں۔ روایت ہے کہ مامون نے یہ سورت پڑھی اس آیت پر گزرا تو اس نے ابن سماک کی طرف اپنے سر سے اشارہ کیا تاکہ وہ نصیحت پکڑے، اس کے پاس فقہاء کی جماعت بیٹھی تھی اس نے کہا: جب سانس گنے جا رہے ہیں تو پھر ان کے لیے کوئی مدد نہیں ہے اور کتنے جلدی وہ ختم ہونے والے ہیں۔ اسی مفہوم میں شاعر نے کہا:

حَيَاتُكَ اَنْفَاسٌ تُعَدُّ فَكَلِمًا مَّضَى نَفْسٌ مِنْكَ اتَّقِمْتْ بِهٖ جُزْءًا
 يَمِيْتُكَ مَا يَحْيِيْكَ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ وَيَخْدُوْكَ حَادٍ مَا يَرِيْدُ بِهٖ الْهُزْءًا

1- سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، البکاء فی الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 130، ایضاً حدیث نمبر 769، روایت بالمعنی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کہا جاتا ہے: انسان ایک دن اور رات میں چوبیس ہزار سانس لیتا ہے بارہ ہزار سانس دن میں اور بارہ ہزار رات میں لیتا ہے۔ یہ شمار ہو چکے ہیں ان کی تعداد معلوم ہے، ان کے لیے کوئی لمبائی و مدد نہیں ہے اور یہ کتنے جلدی ختم ہونے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدًا** ﴿۱۰﴾ اس کلام میں حذف ہے یعنی رحمن کی جنت کی طرف اور اس کے دار کرامت کی طرف متقین کو لے جائیں گے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيِّدًا** ﴿۱۱﴾ (الصافات) اسی طرح حدیث میں ہے: من کانت ہجرتہ إلى اللہ ورسولہ فہجرتہ إلى اللہ ورسولہ، (1) جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے۔ الوفا اسم ہے وافرین کا، جیسا کہا جاتا ہے: صوم فطر و زور، یہ وافر کی جمع ہے جیسے رقبہ و راقب، صاحب و صاحبیہ و فدیفد و فدا و وفودا و وفادۃ سے مشتق ہے جب کوئی فتح یا کسی خطیر امر کی صورت میں بادشاہ کی طرف جائے۔ جوہری نے کہا: وفدا فلان علی الامیر کہا جاتا ہے یعنی وہ پیغام رساں بن کر آیا، فہو و افدا اس کی جمع و فدا ہے جیسے صاحب کی جمع صاحب ہے و فدا کی جمع وفاد اور وفود ہے اور اسم الوفاۃ ہے: اوفدته أنا إلى الامیر یعنی میں نے اسے امیر کی طرف بھیجا۔ اور تفسیر میں ہے وفدا یعنی وہ اپنی طاعتوں کی سواریوں پر سوار ہو کر حاضر ہوں گے۔ یہ اس لیے ہے کہ عام طور پر آنے والا سفیر سوار ہوتا ہے۔ الوفا سے مراد سوار ہیں۔ اس کو مفرد ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ مصدر ہے۔ ابن جریج نے کہا: وفدا علی النجائب سواری پر سوار ہو کر آئیں گے۔ عمرو بن قیس ملائی نے کہا: مومن جب اپنی قبر سے نکلے گا تو اس کا عمل حسین صورت اور پاکیزہ خوشبو کی صورت میں اس کا استقبال کرے گا، وہ کہے گا: کیا تو مجھے جانتا ہے۔ مومن کہے گا: نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے تیری خوشبو بہت اچھی بنائی اور تیری صورت حسین بنائی ہے۔ وہ کہے گا: میں دنیا میں اسی طرح تھا میں تیرا نیک عمل ہوں، دنیا میں میں تجھ پر سوار رہا آج تو مجھ پر سوار ہو، پھر یہ آیت تلاوت کی: **يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدًا** اور کافر کا عمل اس کا استقبال کرے گا وہ انتہائی قبیح صورت اور بدبودار ہوگا، وہ کہے گا: تو مجھے جانتا ہے؟ وہ کہے گا: نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے تیری شکل قبیح بنائی ہے اور بڑی کریم ہے۔ وہ کہے گا: میں دنیا میں اسی طرح تھا۔ میں تیرا بر عمل ہوں کبھی دنیا میں تو مجھ پر سوار تھا آج میں تجھ پر سوار ہوں گا پھر یہ آیت تلاوت کی: **وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ** (الانعام: 31) یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح نہیں، یہ ابن عربی نے سراج المریدین میں کہا ہے اور اس حدیث کو ابو نصر عبد الرحیم بن عبد الکریم قشیری نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جو گھوڑے پر سوار ہونا پسند کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر حاضر ہوگا جو نہ لید کرے گا اور نہ پیشاب کرے گا، اس کی لگام سرخ یا قوت اور سبز زبرجد اور سفید موتیوں سے ہوگی اور اسکی زین سندس اور استبرق (ریشم) کی ہوگی اور جو اونٹ پر سوار ہونا پسند کرتا ہوگا وہ اونٹ پر سوار ہو کر جائے گا جو نہ مینگیاں کرتا ہوگا اور نہ پیشاب کرتا ہوگا اس کی مہار یا قوت اور زبرجد سے ہوگی اور جو کشتی پر سوار ہونا پسند کرتا ہوگا وہ زبرجد اور یا قوت کی کشتی پر سوار ہوگا وہ غرق ہونے سے امن میں ہوں گے اور پریشانیوں سے امن میں ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت علی

بیٹھنے نے عرض کی: یا رسول اللہ! سنئے! میں نے بادشاہ اور ان کے وفود دیکھے ہیں اور میں نے ہر وفد سوار دیکھا ہے پس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جانے والے کیسے ہوں گے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”وہ نہ اپنے قدموں پر چلائے جائیں گے اور نہ انہیں ہانکا جائے گا بلکہ انہیں جنت کی اونٹنیوں میں سے دی جائیں گی جن کی مثل مخلوق نے پہلے نہ دیکھی ہوگی ان کے پالان سونے کے ہوں گے اور ان کی مہاریں زبرجد کی ہوں گی اور ان پر سوار ہوں گے حتیٰ کہ وہ جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے“ (۱)۔ حضرت علی شیر خدا سے مروی ثعلبی کے الفاظ اس خبر میں زیادہ واضح ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! سنئے! میں نے بادشاہ اور ان کے وفود دیکھے ہیں میں نے کوئی وفد نہیں دیکھا مگر وہ سوار تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے علی! جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لوٹنا ہوگا تو فرشتے مومنین سے ایسی سفید اونٹنیوں کے ساتھ ملیں گے جن کے پالان اور نکلیں سونے کی ہوں گی ہر سواری پر ایک حملہ ہوگا دنیا جس کے مساوی نہ ہوگی، ہر مومن ایک لباس پہنے گا پھر ان کے ساتھ ان کی سواریاں چلیں گی پھر وہ اونٹنیاں انہیں لیکر چلیں گی حتیٰ کہ وہ انہیں جنت تک پہنچادیں گی۔ پھر انہیں فرشتے ملیں گے اور کہیں گے: سَلِّمَ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوا خِلَابِنِن ۙ (الزمر)

میں کہتا ہوں: یہ خبر نص ہے کہ وہ نہ سوار ہوں گے اور نہ لباس پہنیں گے مگر موقف سے۔ اور جب قبور سے باہر نکلیں گے پیدل چلتے ہوں گے ننگے پاؤں اور ننگے بدن ہوں گے اور غیر مختون ہوں گے، اسی حالت میں موقف کی طرف جائیں گے۔ اس کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے فرمایا: نبی کریم ﷺ ہمیں نصیحت کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور کہا: ”اے لوگو! تم اللہ کی بارگاہ میں جمع کیے جاؤ گے جبکہ ننگے پاؤں، برہنہ بدن اور غیر مختون ہو گے“۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے تخریج کیا ہے۔ یہ مکمل سورۃ المؤمنین میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اسی مفہوم کی حدیث حضرت عبداللہ بن انیس کی حدیث سورۃ آل عمران میں گزر چکی ہے۔ یہ کوئی بعید نہیں کہ دونوں حالتیں سعادت کی ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث مخصوص ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: وفد یعنی اونٹوں پر سوار ہو کر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ سوار ہوں گے انہیں جنت کی اونٹنیاں دی جائیں گے ان پر سونے کے کجاوے ہوں گے اور ان کی زینیں اور ان کی مہاریں زبرجد کی ہوں گی پس ان پر سوار کر کے انہیں جمع کیا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ پیدل جمع نہ کیے جائیں گے بلکہ وہ اونٹنیوں پر سوار ہوں گے جن کے کجاوے سونے کے ہوں گے ان کی زینیں یواقیت کی ہوں گی اگر وہ ارادہ کریں گے تو وہ چل پڑیں گی اور جب وہ انہیں حرکت دیں گے تو وہ اڑ پڑیں گی۔

بعض علماء نے فرمایا: وہ جو پسند کریں گے اس پر سوار ہو کر آئیں گے اونٹ یا گھوڑے یا کشتیاں جیسا کہ پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وفد کیونکہ وفد کی شان عربوں کے نزدیک یہ ہوتی ہے کہ وہ بشارات کے ساتھ آتے ہیں، وہ انعامات کا انتظار کرتے ہیں پس متقین عطا اور ثواب کا انتظار کریں گے۔ وَتَسْوَى النَّجْرَ وَنَنَّ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وَنَمْدًا، السوق کا معنی ہے چلنے پر ابھارنا، ورد کا معنی ہے پیاسے؛ یہ حضرت ابن عباس

بنیٰ منہا کا قول ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حسن کا قول ہے۔ انخس، فراء اور ابن اعرابی نے کہا: اس کا مطلب ہے وہ برہنہ پا ہوں گے اور پیدل ہوں گے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے وہ گرد ہوں کی شکل میں ہوں گے۔ ازہری نے کہا: اس کا معنی ہے وہ پیدل اور پیاسے ہوں گے جیسے اونٹ پانی پر وارد ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے: جاء ورد بنی فلاں (فلاں قبیلہ کے اونٹ پانی پر آئے) اور قشیری نے کہا: ورداً کا قول پیاس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ پانی عام طور پر پیاس کے لیے لایا جاتا ہے۔ اور تفسیر میں ہے اس کا معنی ہے وہ پیدل ہوں گے پیاسے ہوں گے تاکہ ان کی گردنیں پیاس کی وجہ سے کٹ جائیں۔ جب مجرموں کو دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا تو متقین کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: ورداً اس کا معنی ہے الورد جیسے تیرا قول ہے: جئتک اکراماً لک یعنی لا کرامک، اس کا معنی ہے نسوتھم لورد النار ہم انہیں آگ پر وارد کرنے کے لیے ہانکیں گے۔

میں کہتا ہوں: ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں۔ انہیں پیاسے، برہنہ پا پیدل گرد ہوں کی شکل میں ہانکا جائے گا۔ ابن عرفہ نے کہا: الورد سے مراد وہ قوم ہے جو پانی پر وارد ہوتی ہے۔ پیاسوں کو ورداً کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ پانی پر ورود طلب کرتے ہیں جیسے تو کہتا ہے: قوم صوم یعنی روزے دار لوگ۔ قوم زور زیارت کرنے والے لوگ۔ یہ مصدر کے لفظ پر اسم ہے اس کا واحد وارد ہے۔ الورد اس جماعت کو بھی کہتے ہیں جو پانی پر وارد ہوتی ہے خواہ وہ پرندے ہوں یا اونٹ ہوں۔ الورد اس پانی کو بھی کہتے ہیں جس کے لیے ورود ہوتا ہے اور یہ کسی چیز سے کسی چیز کے ساتھ اشارہ کرنے کے باب سے ہے۔ الورد قرآن کے جز کو بھی کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: قرأت وردی، الورد بخار کے دن کو کہتے ہیں جب وہ کسی کو مخصوص وقت پر ہوتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ مشترک ہے۔ شاعر نے کہا وہ کنویں کا وصف بیان کرتا ہے:

يَطْمُو إِذَا الْوَرْدُ عَلَيْهِ السَّخَا (یعنی وہ لوگ جو پانی پر وارد ہوتے ہیں)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ، یعنی یہ کفار کسی کے لیے شفاعت کے مالک نہیں۔ إِلَّا مَن اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۝ اس سے مراد مسلمان ہیں جو شفاعت کے مالک ہوں گے۔ یہ کسی چیز کا استثناء غیر جنس سے ہے یعنی لیکن وہ جنہوں نے خداوند رحمن سے کوئی وعدہ لیا ہے وہ شفاعت کریں گے۔ مَن اس بنا پر محل نصب میں ہے۔ بعض نے فرمایا: یملکون کی واو سے بدل کی بنا پر محل رفع میں ہے یعنی کوئی اللہ کی بارگاہ میں شفاعت کا مالک نہیں ہوگا مگر جس نے اللہ کی بارگاہ میں عہد لیا وہ مالک ہوگا اس بنا پر استثناء متصل ہوگا اور نَسُوْقِ الْمُجْرِمِیْنَ میں الْمُجْرِمِیْنَ سے کفار اور نافرمان سب مراد ہیں۔ پھر خبر لیا وہ مالک ہوگا اس بنا پر استثناء متصل ہوگا اور نَسُوْقِ الْمُجْرِمِیْنَ میں الْمُجْرِمِیْنَ سے کفار اور نافرمان سب مراد ہیں۔ پھر خبر دی کہ وہ شفاعت کے مالک نہ ہوں گے مگر گنہگار مومنین وہ شفاعت کے مالک ہوں گے کہ ان کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں شفاعت کرتا رہوں گے حتیٰ کہ میں کہوں گا: یارب! میری شفاعت ان کے حق میں قبول فرما جنہوں نے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ کہا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تمہارے لیے نہیں بلکہ میرے لیے ہے“ (1)۔ مسلم نے اس حدیث کا مفہوم نقل کیا ہے۔ یہ پہلے گزر چکی ہے۔ اخبار متفق ہیں کہ اہل علم اور اہل فضل

شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ پہلے قول پر کلام ہے، **وَإِتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ إِلَهَةً لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا** سے متصل ہوگی۔ قیامت کے روز بتوں کے پجاریوں کی شفاعت کسی کے حق میں قبول نہ ہوگی اور نہ بتوں کی شفاعت کسی کے لیے ہوگی اور نہ وہ کسی کی شفاعت کا اختیار رکھتے ہوں گے یعنی شفاعت انہیں فائدہ نہ دے گی جیسا کہ فرمایا: **فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشُّفَعَاءِ** (المدثر)

بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ہم متقین اور مجرمین کو جمع کریں گے کوئی شفاعت کا اختیار نہ رکھتا ہوگا مگر جس نے خداوند رحمن سے عہد لیا ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ نے جس کو شفاعت کا اذن دیا ہوگا جیسے فرمایا: **مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ** (البقرہ: 255) اور یہ وہ عہد ہے جس کے بارے فرمایا: **أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا** یہ لفظ ایمان اور ان اعمال صالحہ کا جامع ہے جن کے ذریعے انسان شفاعت کے مفہوم پر پہنچتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: العہد سے مراد **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** ہے۔ مقال اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کوئی شفاعت نہیں کرے گا مگر جس نے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ** کہا اور اپنی ہر قوت و طاقت سے براءت کر کے اللہ تعالیٰ کی قوت و طاقت پر بھروسہ کیا وہ امید نہیں رکھتا مگر اللہ تعالیٰ سے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ سے یہ کہتے ہوئے سنا: ”کیا تم میں سے کوئی عاجز ہے کہ وہ ہر صبح و شام اللہ کی بارگاہ سے عہد کر لے“ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا ہے فرمایا: ”وہ ہر صبح و شام کہے: اللھم فاطر السموات والأرض عالم الغیب والشہادۃ اِنِّیْ اَعھد اِلیک فی ہذہ الحیاة الدنیا بانِّیْ اَشھد اَنْ لا اِله اِلا انت وحدک لا شریک لک وان محمداً عبدک ورسولک فلا تکلنی اِلی نفسی فبانک ان تکلنی اِلی نفسی تباعدنی من الخیر وتقرّبنی من الشر وانّی لا اُثق اِلا برحمتک فاجعل لی عندک عھداً تو فی نھیہ یوم القیامۃ انک لا تخلف البیعاد۔“

جب آدمی یہ کہے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر مہر لگا دے گا اور اسے عرش کے نیچے رکھ دے گا جب قیامت کا دن ہوگا تو ندا دینے والا ندا دے گا: کہاں ہیں وہ لوگ جن کے لیے اللہ کی بارگاہ میں عہد ہے؟ پس وہ کھڑا ہوگا اور جنت میں داخل ہوگا (1)۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۗ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِذَا ۗ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرٰنَ مِنْهُ وَاَتَشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًا ۗ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۗ وَ مَا يَبْغٰی لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۗ اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلاّ اِتٰی الرَّحْمٰنَ عَبْدًا ۗ لَقَدْ اَحْصٰہُمْ وَعَدَّہُمْ عَدًّا ۗ وَ كَلَّہُمْ اِتِیَہِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَرْدًا ۗ

”اور کفار کہتے ہیں: بنا لیا رحمن نے (فلاں کو اپنا) بیٹا۔ (اے کافرو!) یقیناً تم نے ایسی بات کی ہے جو سخت معیوب ہے۔ قریب ہے آسمان شق ہو جائیں اس (خرافات) سے اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ گر پڑیں لرزتے ہوئے، کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ رحمن کا بیٹا ہے۔ اور نہیں جائز رحمن کے لیے کہ وہ بنائے کسی کو (اپنا) فرزند۔ کوئی ایسی چیز

نہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہے مگر وہ حاضر ہوگی رحمن کی بارگاہ میں بندہ بن کر۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کا شمار کر رکھا ہے اور انہیں گن لیا ہے اچھی طرح۔ وہ سب پیش ہوں گے اس کے سامنے قیامت کے دن تنہا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۗ لَعْنَةُ يٰہود و نصاریٰ اور جنہوں نے کہا: ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یحییٰ، اعمش، حمزہ، کسائی، عاصم اور خلف نے وُلْدًا وَاوَادًا کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ چار مقامات پر ایسا ہی پڑھا ہے۔ اس سورہ میں لَأُوْتَيْنَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۗ یہ گزر چکا ہے اور یہ ارشاد: اَنْ دَعَا لِمَلٰٓئِحٰنٍ وَّوَلَدًا ۗ و مَا يٰبُغِيٰی لِمَلٰٓئِحٰنٍ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۗ اور سورہ نوح میں مالہ وولدہ، سورہ نوح میں ابن کثیر، مجاہد، حمید، ابو عمرو اور یعقوب نے ان کی موافقت کی ہے اور باقی قراء نے تمام جگہ واو اور لام میں فتح کے ساتھ پڑھا ہے یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے العُرب والعُرب، العُجم والعُجم۔ شاعر نے کہا:

ولقد رأيت معاشرًا قد ثَمَرُوا مَالًا وَّوُلْدًا

دوسرے شاعر نے کہا:

وليت فلافًا كان في بطنِ أمهٍ وليت فلافًا كان وُلد حمار

اس کے مفہوم میں نابغہ نے کہا:

مهلاً فداء لك الأتوام كلهم وما أُثْبِر من مالٍ ومن وُلدٍ

پس اس نے فتح دیا۔ قیس جمع میں واو پر ضمہ اور مفرد میں واو پر فتح دیتے ہیں۔ جوہری نے کہا: الولد کبھی واحد ہوتا ہے اور کبھی جمع ہوتا ہے اسی طرح الولد ضمہ کے ساتھ ہے۔ بنی اسد کی امثال سے وُلْدُكَ مِنْ دَمِي عَقَبِيَّكَ اور کبھی الولد کی جمع الولد ہوتا ہے جیسے أُسْدُ جَمْع ہے اسد کی اور الولد وَاوَادُ کے کسرہ کے ساتھ الولد میں ایک لغت ہے۔ نحاس نے کہا: ابو عبید نے ان کے درمیان فرق کیا ہے۔ اس نے کہا: الولد اہل کے لیے ہوتا ہے اور الولد تمام کے لیے ہوتا ہے۔ ابو جعفر نے کہا: یہ قول مردود ہے، اہل لغت میں سے کوئی اسے نہیں جانتا۔ الولد اور الولد دونوں آدی کی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے ہوتے ہیں۔ وَلَدُ أَكْلَامِ عَرَبٍ میں اکثر ہوتا ہے؛ جیسے شاعر نے کہا:

مهلاً فداء لك الأتوام كلهم وما أُثْبِر من مالٍ ومن وُلدٍ

ابو جعفر نے کہا: میں نے محمد بن ولید کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے وُلْدًا وُلْدًا کی جمع ہونا جائز ہے، جیسے کہا جاتا ہے: وُشْنٌ دُوشْنٌ۔ اُسْدٌ وَاُسْدٌ۔ ولد اور وُلْدٌ کا ہم معنی ہونا بھی جائز ہے، جیسے کہا جاتا ہے: عَجْمٌ وُعُجْمٌ، عَرَبٌ وُعَرَبٌ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِذَا ۗ، ادا کا مطلب ہے سخت ممنوع اور قبیح چیز، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد وغیرہما سے مروی ہے۔ جوہری نے کہا: الآء، الآءة الداهية والامر العظيم۔ اس کا معنی ہے ہولناک اور سخت ترین امر ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِذَا ۗ اسی طرح الآءة، مثل فاعل ہے اور الآءة کی جمع آءد، ہے آءت فلانا داهية تؤذہ آءد، فلاں کو سخت شدت نے آلیا۔ الآء کا معنی غلبہ اور قوت بھی ہے۔ زجاج نے کہا:

نَضَوْنَ عَنِّي شِدَّةً وَأَذًا مِّنْ بَعْدِ مَا كُنْتُ صُئِلًا جَلْدًا

ابو عبد الرحمن سلمی نے کہا: اذا ہمزہ کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے جب کوئی انتہائی ناپسندیدہ کام کرے۔ راجز نے کہا:

قَدْ لَقِيَ الْاَقْرَانَ مِثِّي نَكْرًا دَاهِيَةً دَهِيَاءَ إِذَا اِمْرًا (1)

نحاس کے علاوہ سے مروی ہے ثعلبی نے کہا: اس میں تین لغات ہیں۔ إذا ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ، یہ قرأت عامتہ ہے۔ إذا ہمزہ کے فتح کے ساتھ، یہ سلمی کی قرأت ہے۔ اور آذ مثل ما ذیہ بعض عربوں کی لغت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو العالیہ سے بھی مروی ہے گویا یہ الشقل کے معنی سے ماخوذ ہے۔ کہا جاتا ہے: أذة الحمل يُودة أذًا، بوجھ نے اسے بوجھل کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَكَادُ السَّمَوَاتُ يِهَابًا وَإِنْ كُنَّ السَّمَوَاتُ سَمَائًا فَسَمَائًا فِي قُرْآنِ عِبَادِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ. نافع، یحییٰ اور کسائی کی قرأت یکاد یاء کے ساتھ ہے کیونکہ فعل مقدم ہے۔ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ، یعنی اس سے پھٹ جائیں۔ نافع، ابن کثیر اور حفص وغیرہم نے یا کے بعد تا اور طا کی شد کے ساتھ پڑھا ہے، یہاں بھی اور سورۃ الشوریٰ میں قرأت عامتہ تاء کے ساتھ ہے۔ نافع، یحییٰ اور کسائی کی ابن عامر نے سورۃ الشوریٰ میں ان کی موافقت کی ہے اور یہاں الإنفطار سے مشتق یلفظن پڑھا ہے اسی طرح ابو عمرو، ابو بکر اور مفضل نے دونوں سورتوں میں الإنفطار سے مشتق پڑھا ہے؛ اور یہی ابو عبیدہ کا اختیار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ۝ (الانفطار) السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ (المزمل: 18) اور اللہ کا ارشاد ہے: وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ لِعَنِي زَمِينٍ پھٹ جائے گی۔ وَتَخْرُجُ الْجِبَالُ هَبًّا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہدماء یعنی سخت آواز کے ساتھ پہاڑ گریں گے۔ حدیث شریف میں ہے: التَّهْمِ ابْنِ أَعْوَذِ بْنِ مَنِ الْهَدِّ وَالْهَدَّةِ، اے اللہ! میں ہد اور الہدۃ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ ثمر نے کہا: احمد بن غیاث مروزی نے کہا: الہد کا معنی گرنا ہے اور الہدۃ کا معنی زمین میں دھنسا ہے۔ الیث نے کہا: الہد سے مراد سخت گرنا ہے جیسے دیوار یکبارگی گرتی ہے۔ کہا جاتا ہے: هَذَانِ الْأُمْرُ هَذَا رَكْنِي، یعنی اس نے مجھے توڑ دیا اور مجھ پر بہت اثر کیا؛ یہ ہروی کا قول ہے۔ جوہری نے کہا: هَذَا الْبِنَاءُ يَهْدَاهُ هَذَا لِعَنِي اس نے دیوار کو توڑ دیا ہلا دیا۔ هَذَاهُ السَّبِيْبَةُ، مصیبت نے اسے کمزور کر دیا، اِنْهَذَا الْجِبَلُ پَہَاؤُ ثُوْثٌ گِیَا۔ اصمعی نے کہا: الہد کمزور آدی۔ جب کوئی شخص کسی کو دھمکی دیتا ہے تو کہتا ہے: ابْنِ لَغِيْدٍ يَعْنِي فِي كَمْزُورٍ آدَمِي نَهِيْسُ هُوْنُ۔ ابن اعرابی نے کہا: الہد مردوں میں سے سخی آدی۔ رہا بزدل کمزور آدی تو اسے الہد (حاء کے کسرہ کے ساتھ) کہتے ہیں؛ شاعر نے کہا:

لَيْسُوا بِهِدِيْنَ فِي الْحُرُوبِ إِذَا تَعَقَّدُ فَوْقَ الْخَرَاقِفِ النَّطُّقُ

الہد اس آواز کو کہتے ہیں جب دیوار گرتی ہے تو کہتا ہے: هَذَاهُ هِدِيْدٌ۔ الہاد اس آواز کو کہتے ہیں جس کو اہل ساحل سنتے ہیں جو دریا کی طرف سے آتی ہے اس کی زمین میں آواز ہوتی ہے۔ اسی سے بعض اوقات زلزلہ آتا ہے۔ دویہ اس کی آواز۔ نحاس نے کہا: ہد مصدر ہے کیونکہ تخرکاً معنی تہذ ہے۔ دوسروں نے کہا: یہ حال ہے اور مہد و دة کے معنی میں ہے۔ اَنْ دَعْوَالِ الْمَاطِنِ وَ لَدَا، اَنْ فَرَاءِ كَيْ زَيْدٍ مِّنْ نَّبْطِ مِيْسُ هُوْنُ۔ اس کا معنی ہے لَنْ دَعْوَاوِ مِّنْ اَنْ دَعْوَا، حرف جر کو حذف

کر کے نصب دی گئی ہے۔ فراء اور کسائی نے کہا: یہ محل جر میں ہے اور حرف جر مقدر ہے۔ ابن المبارک نے ذکر کیا ہے کہ ہمیں مسعر نے بتایا انہوں نے واصل سے انہوں نے عون بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے فرمایا حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے کہتا ہے: اے فلاں! کیا آج تیرے پاس سے کوئی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا گزرا ہے۔ اگر وہ ہاں کہتا ہے تو اسے اس سے خوشی ہوتی ہے پھر حضرت عبد اللہ نے یہ آیت پڑھی۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ﴿۱۰﴾ فرمایا: کیا تو ان پہاڑوں کو دیکھتا ہے کہ یہ جھوٹ کو سنتے ہیں اور خیر کو نہیں سنتے؟ فرمایا: مجھے عوف نے بتایا انہوں نے غالب بن عجر سے روایت کیا انہوں نے کہا مجھے شام کے شخص نے منیٰ کی مسجد میں بتایا اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جب زمین کو پیدا کیا اور جو کچھ اس میں درخت ہیں انہیں پیدا کیا زمین میں کوئی درخت ایسا نہ تھا بنو آدم جس کے پاس آتے مگر وہ اس درخت سے منفعت پاتے ان کے لیے اس سے منفعت ہوتی زمین اور درخت اسی طرح تھے حتیٰ کہ بنی آدم کے کافروں نے یہ بڑا بول بولا کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا، جب انہوں نے یہ کہا تو زمین کانپ گئی اور درختوں کے کانٹے نکل آئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پہاڑ اور تمام درخت کانپ گئے دریا، ان میں رہنے والی مچھلیاں کانپ گئیں اس وجہ سے مچھلیوں میں کانٹے ہو گئے اور درختوں میں کانٹے ہو گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا: اور حضرت کعب نے فرمایا آسمان، زمین، پہاڑ اور تمام مخلوق گھبرا گئی مگر جن و انس نہ ڈرے، قریب تھا کہ آسمان اور زمین زائل ہو جائے۔ فرشتے غصہ میں آئے اور جہنم بھڑک اٹھی اور درختوں کے کانٹے نکل آئے۔ زمین خشک اور بنجر ہو گئی جب لوگوں نے کہا: اتخذ اللہ ولدا، محمد بن کعب نے فرمایا: قریب تھا کہ اللہ کے دشمن ہم پر قیامت برپا کر دیتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۱۰﴾ أَنْ دَعَا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا ﴿۱۱﴾، اور ابن عربی نے کہا (1): کعب نے سچ کہا کہ یہ قول ہی بہت بڑا ہے اس کے متعلق قضاء و قدر ہو چکی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کافر کا کفر کم مرتبہ نہیں کرتا اور کسی مومن کا ایمان اسے بلند نہیں کرتا اور اس کی ملک میں مومن کا ایمان اضافہ نہیں کرتا اسی طرح اس کی ملک سے کسی اعتبار سے کمی نہیں کرتا تو زبانوں پر ایسے کلمات جاری ہی نہ ہوتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ قدوس، حکیم، حلیم ہے اس کے بعد وہ کافروں کے کسی قول کی کوئی پروا نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۱۰﴾ اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۱۰﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے بیٹے کی نشی کی کیونکہ بیٹا ہونا جنسیت اور حدوث کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ ہم نے سورہ بقرہ میں بیان کیا یعنی اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق یہ نہیں اس کے ساتھ اس کا یہ وصف بیان کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کے حق میں یہ جائز ہے کیونکہ بیٹا ہمیشہ والد سے ہوتا ہے پھر اس کا بھی والد اور اصل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے۔ شاعر نے کہا:

فِي رَأْسِ خَلْقَاءَ مِنْ عُنُقَاءَ مُشْرِفَةً مَا يَنْبَغِي دُونَهَا سَهْلٌ وَلَا جَبَلٌ (2)

إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا أَلْقَى الرَّحْمَنُ عَبْدًا ﴿۱۱﴾، اِنْ نَانِيَهْ بِمَعْنَى مَا هِيَ لِعْنَى آسَمَانُوں اُوْر زَمِيْنِ مِيں كُوْنِي اِيْسَا

نہیں ہے مگر وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے لیے عبودیت کا اقرار کرنے والا ہوگا اور اس کی بارگاہ میں عجز و انکساری کرنے والا ہوگا جیسا کہ فرمایا: **وَ كُلُّ أَتَّوٰةٌ ذٰخِرِيْنٌ** (النمل) یعنی تمام اس کی بارگاہ میں عجز و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے آئیں گے ساری مخلوق اس کے غلام ہیں پھر اس مخلوق میں سے کون اس کا بیٹا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ بلند و بالا ہے اس سے جو یہ کہتے ہیں اور جو کچھ یہ منکر بیان کرتے ہیں، اِتی لکھنے میں یاء کے ساتھ ہے اصل تنوین ہے۔ پس یہ استخفافاً حذف کی گئی ہے اور مضاف کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ بیٹا والد کے لیے مملوک نہ ہوگا بخلاف اس شخص کے جو کہتا ہے کہ وہ اسے خریدے گا اور مالک ہو جائے گا اور وہ اس پر آزاد نہ ہوگا مگر جب وہ خود اسے آزاد کرے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اولاد ہونے اور ملک ہونے میں منافات ظاہر فرمائی ہے جب باپ بیٹے کا کسی اعتبار سے مالک ہوگا تو وہ اس پر آزاد ہو جائے گا اس دلیل کی وجہ اس آیت سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ولدیت اور عبودیت کو تقابل کی دو طرفوں میں رکھا ہے ایک کی نفی سے دوسری کا اثبات ہوگا اگر دونوں جمع ہوتیں تو اس کے قول کا کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا جس کے ساتھ احتجاج واقع ہوتا۔ صحیح حدیث میں ہے ”کوئی بیٹا اپنے والد کا حق ادا نہیں کر سکتا مگر وہ اسے مملوک پائے پھر اسے خریدے اور اسے آزاد کر دے“ (1)۔ جب باپ اپنے بیٹے کا مالک نہیں ہوتا حالانکہ باپ کو بیٹے پر ایک مرتبہ حاصل ہے تو بیٹا بدرجہ اولیٰ باپ کا مالک نہ ہوگا کیونکہ وہ مرتبہ میں اس سے کم ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اسحاق بن راہویہ نے نبی کریم ﷺ کے ارشاد: **مَنْ اَعْتَقَ شَرَّكَاءَ فِي عِبْدٍ**، سے استدلال کیا ہے اس سے مراد مذکور غلام ہیں عورتیں نہیں ہیں۔ پس اس پر مکمل نہ ہوگا جس نے مؤنث میں سے اپنا حصہ آزاد کیا۔ یہ جمہور علماء سلف کے نظریہ کے خلاف ہے کیونکہ جمہور نے مذکر اور مؤنث میں فرق نہیں کیا ہے کیونکہ عبد کے لفظ سے جنس مراد ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اِتٰی الرَّحْمٰنُ عَبْدًا** (2) یہ ارشاد مذکر، مؤنث تمام غلاموں کو شامل ہے۔ اور اسحاق نے دلیل پکڑی ہے کہ عبد مؤنث حکایت کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابن آدم نے میری تکذیب کی ہے اسے یہ جائز نہیں تھا اور اس نے مجھے برا کہا حالانکہ یہ اس کو جائز نہ تھا اور رہا اس کا میری تکذیب کرنا تو اس کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دوبارہ پیدا نہیں کرے گا جس طرح پہلے کیا تھا جبکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا مجھ پر اس کے اعادہ سے آسان نہیں تھا اور اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا ہے حالانکہ میں یکتا ہوں، بے نیاز ہوں نہ اس نے کسی کو جنم دیا ہے اور نہ وہ جنم دیا گیا ہے۔ اور نہ میرا کوئی ہمسر ہے“۔ (2) سورہ بقرہ میں یہ گزر چکا ہے اس جیسی جگہ میں اس کا اعادہ بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لَقَدْ اَخْلَصْتُمْ** یعنی ان کی تعداد کا اسے علم ہے۔ **وَ عَدَّہُمْ عَدًّا** یہ تاکید کے لیے ہے یعنی اس پر ان میں سے کوئی معنی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کے اسماء میں المحصو بھی ہے یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں موجود ہے جس کو ترمذی

نے نقل کیا ہے اس فعل کا اشتقاق بھی اس پر دلالت کر رہا ہے۔ استاذ ابو اسحاق اسفرائینی نے کہا: اسماء الہیہ میں سے المحصی بھی ہے اور یہ مختص ہے کہ کثرت اسے غافل نہیں کرتی جیسے نور کی روشنی اور ہوا کا تیز چلنا اور پتوں کا گرنا وغیرہ وہ ہر پتے میں حرکات کے اجزاء کو اس وقت جانتا ہے پھر وہ کیسے نہیں جانتا جبکہ اس نے سب کچھ پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝ (الملك)**

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر میں ہے کہ: **لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا** کا معنی یہ ہے کہ وہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ اس کی عبودیت کا اقرار کریں اور اس کے لیے ربوبیت کی گواہی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا ۝** یعنی تنہا آئے گا اس کا کوئی مددگار نہ ہوگا اور نہ اس کے ساتھ مال ہوگا تا کہ وہ اس سے نفع حاصل کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ۝ إِلَّا مَنْ آتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝ (الشعراء)** پس اسے کوئی چیز نفع نہ دے گی مگر جو اس نے عمل آگے بھیجا ہوگا اور فرمایا: **كُلُّهُمْ آتِيهِ**، یہ لفظ کل کے اعتبار سے ہے اور معنی کے اعتبار سے آتوہ ہے۔ قشیری نے کہا: اس میں اشارہ ہے کہ تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے کہ تم اپنی اولادوں کو غلام بناؤ حالانکہ وہ سب غلام ہیں تو پھر تم اس کے لیے وہ کیسے پسند کرتے ہو جو تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے؟ ان کی اس کی مثل میں رد فرمایا کہ وہ اپنے لیے بیٹیوں کو پسند نہیں کرتے اور وہ کہتے ہیں: فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے اور انہوں نے کہا: مورتیاں اللہ کی بیٹیاں ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَمَا كَانَ لِيُشْرَكَ مَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَى شُرَكَائِهِمْ (الانعام: 136)**

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ اللَّهُ رُحْمًا ۝

”بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے پیدا فرمادے گا خدائے مہربان ان کے لیے (دلوں میں) محبت“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا**، یعنی جنہوں نے تصدیق کی۔ **وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ اللَّهُ رُحْمًا ۝** یعنی اپنے بندوں کے دلوں میں محبت پیدا فرمادے گا جیسا کہ امام ترمذی نے حضرت سعد اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو جبریل سے فرماتا ہے میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر“۔ فرمایا: ”پھر آسمان میں ندا دیتا ہے پھر اس کے لیے محبت کو اہل زمین میں اتارتا ہے“۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے: **سَيَجْعَلُ لَهُمُ اللَّهُ رُحْمًا ۝** ”اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو پسند فرماتا ہے تو جبریل سے فرماتا ہے میں فلاں کو پسند کرتا ہوں پھر آسمان میں منادی کر دی جاتی ہے پھر اس کے لیے نفرت زمین میں اتاری جاتی ہے“۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (1)۔ امام بخاری اور امام مسلم نے اس کا مفہوم ذکر کیا ہے۔ امام مالک نے مؤطا میں روایت کی ہے اور نو اور الاصول میں بھی مروی ہے، ابو بکر بن سابق اموی نے ہمیں بیان فرمایا انہوں نے کہا ہمیں ابو مالک جنبی نے بیان کیا انہوں نے جویر سے انہوں نے ضحاک سے انہوں نے حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ مومن کے لیے محبت، ملاحت اور الفت نیک لوگوں کے سینوں میں اور ملائکہ مقررین میں پیدا فرماتا ہے پھر یہ آیت پڑھی: إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ اللَّهُ رُحْمًا وَقَا ۝ علماء کا اختلاف ہے کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ بعض علماء نے فرمایا: یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت براء بن عازب نے روایت کیا ہے فرمایا نبی پاک ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”اے علی تم یہ کہو: اللَّهُمَّ اجْعَلْ لِي عِنْدَكَ عَهْدًا وَاجْعَلْ لِي فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ مَوَدَّةً (1) (اے اللہ! میرے لیے اپنی بارگاہ سے عہد بنا دے اور میرے لیے مومنین کے دلوں میں محبت ڈال دے) تو یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ ثعلبی نے ذکر فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ عبدالرحمن بن عوف کے بارے میں نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بندوں کے دلوں میں محبت ڈال دی ہے انہیں کوئی مومن نہیں ملتا مگر وہ اس کی عزت کرتا تھا اور کوئی مشرک و منافق نہیں ملتا تھا مگر وہ ان کی تعظیم کرتا تھا۔ حرم بن حیان کہتے تھے: جب کوئی شخص اللہ کی بارگاہ میں سچے دل سے آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے دلوں کو اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کی محبت و رحمت اسے عطا فرماتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے لیے مومنین کے دلوں میں اور فرشتوں میں محبت ڈال دے گا۔

میں کہتا ہوں: جب وہ دنیا میں محبوب تھا تو آخرت میں بھی محبوب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ صرف مومن متقی سے محبت فرماتا ہے اور وہ پسند نہیں فرماتا مگر خالص متقی کو۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی ان نیک لوگوں سے کرے۔ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلا تا ہے اور فرماتا ہے میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر پس جبریل بھی اس سے محبت کرتا ہے پھر وہ آسمان میں منادی کرتا ہے اور کہتا ہے: اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے پس تم اس سے محبت کرو، پس آسمان والے اس سے محبت کرتے ہیں“ (2)۔ فرمایا: ”پھر اس کی قبولیت زمین میں رکھی جاتی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بغض کرتا ہے تو وہ جبریل کو بلا تا ہے اور کہتا ہے: میں فلاں بندے کو ناپسند کرتا ہوں تو بھی اسے ناپسند کر“ فرمایا ”پھر جبریل اسے ناپسند کرتا ہے۔ پھر وہ آسمان والوں میں منادی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں کو ناپسند کرتا ہے تو بھی اسے ناپسند کر“۔ فرمایا: ”وہ اسے ناپسند کرتے ہیں پھر اس کی نفرت زمین میں رکھی جاتی ہے“۔

فَاتَمَّيَسِّرْ لَهُ يَسَارَتَهُ بِبَشِيرٍ بِمُتَّقِيْنَ وَتُنذِرْ بِهِ قَوْمًا لَدُنَّا ۝

”صرف اس لیے ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو آپ کی زبان میں اُتار کر آپ مژدہ سنائیں اس سے پرہیز گاروں کو اور ڈرائیں اس کے ذریعے اس قوم کو جو بڑی جھگڑا لوی ہے“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاتَمَّيَسِّرْ لَهُ يَسَارَتَهُ بِبَشِيرٍ بِمُتَّقِيْنَ وَتُنذِرْ بِهِ قَوْمًا لَدُنَّا ۝ ہم نے آپ کی عربی زبان میں قرآن کو بیان کیا اور ہم نے اسے غور و فکر

1- صحیح بخاری، کتاب التوحید، کلام الرب مع جبرائیل ونداء اللہ و ملائکہ، جلد 2، صفحہ 115

2- صحیح مسلم، کتاب الجہاد والصلۃ، إذا أحب الله عبداً أحبه إلى عباده، جلد 2، صفحہ 231

کرنے والے پر آسان بنا دیا۔ بعض علماء نے فرمایا: ہم نے اسے تجھ پر عرب کی زبان میں نازل کیا تاکہ ان پر اس کا سمجھنا آسان ہو جائے۔ **لِيُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ** یعنی اس کے ساتھ آپ مومنین کو بشارت دیں۔ **وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لِّدَارِهِمُ الَّاٰذَىٰ**، اللذی جمع ہے اللذی کی سخت جھگڑا آدمی؛ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الذالخصامہ شاعر نے کہا:

أبیت نجیا للهومی کأنتی أخاصم أقواماً ذوی جدلی لدا

ابوعبیدہ نے کہا: اللذی سے کہتے ہیں جو حق کو قبول نہ کرتا ہو اور باطل کا دعویٰ کرتا ہو۔ حسن نے کہا: اللذی حق سننے سے بہرا شخص۔ ربیع نے کہا: دلوں کے کان جن کے بہرے ہوں۔ مجاہد نے کہا: اس سے مجاز ہے (1)۔ ضحاک نے کہا: باطل میں جھگڑنے والے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جھگڑے میں سختی کرنے والے۔ بعض نے فرمایا: ظالم وہ ہوتا ہے جو سیدھا نہیں ہوتا۔ سب مفہوم ایک جیسے ہیں۔ یہ لوگ خاص کیے گئے ہیں انذار کے لیے جس کے پاس عناد نہیں ہوتا اس کا مطیع ہونا آسان ہوتا ہے۔

وَ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ ۖ هَلْ تُحِصُّ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝۱۵

”اور کتنی قومیں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا ان سے پہلے کیا محسوس کرتے ہو ان میں کسی کو یا سنتے ہوں ان کی

کوئی آہٹ“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ** سے مراد امت ہے اور جماعت ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل مکہ کو ڈرا رہا ہے۔ **هَلْ تُحِصُّ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا** ۝۱۵ احد محل نصب میں ہے یعنی هل تری منهم احداً وتجد کیا ان میں سے کسی کو آپ دیکھتے ہیں۔ **أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا** ان کے لیے کوئی آواز سنتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے یعنی وہ مرچکے ہیں اور اپنے اعمال پر اجر حاصل کر چکے ہیں۔ بعض نے فرمایا: الرکنوہ آواز یا حرکت جو سمجھی نہ جاسکے یہ یزیدی اور ابوعبیدہ کا قول ہے جیسے رکن الکتیبة، لشکر کی آہٹ۔ ابوعبیدہ نے لبید کا شعر بطور استشہاد لکھا ہے:

وَتَوَجَّسَتْ رِکْنَا الْأُنَیْسِ فِرَاعِهَا عَن ظَهْرِ غِیْبٍ وَالْأُنَیْسِ سَقَامُهَا

بعض نے فرمایا: اس سے مراد مخفی آواز ہے، اس سے رکن الرمح بولا جاتا ہے جب نیزے کی ایک طرف زمین میں غیب

ہو جائے۔ طرفہ نے کہا:

وَصَادِقَتَا سَمِعِ الشَّوْجِسِ لِلشَّمَا لِرِکْنِهَا خَفِیَّ أَوْ لَصَوْتِ مُنَدِّدٍ

اور ذوالرمة ایک نیل کی تعریف کرتا ہے جو شکاری اور کتوں کی آواز سنتا ہے:

إِذَا تَوَجَّسَ رِکْنَا مَقْفِرًا نَدِيسَ بِنِبَاةِ الصَوْتِ مَا لِي سَمِعَهُ كَذِبَ

یعنی اس کے سننے میں جھوٹ نہیں یعنی وہ سننے میں سچا ہے۔ الندیس ماہر کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: ندیس وندیس جیسے کہا

جاتا ہے: حَذِرٌ وَحَذْرٌ، وَيَقْظُ وَيَقْظٌ، النبأ، آہستہ آواز۔ اسی طرح الرکنہ ہے اور الرکاذاں مال کو کہتے ہیں جو دفن کیا گیا ہو؛

واللہ اعلم بالصواب۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورہ ط

﴿سورتها ۱۳۵﴾ ﴿۲۰ سُوْرَةُ ط ۲۵﴾ ﴿مَكُوْعَاتُهَا ۸﴾

سورہ ط تمام علماء کے نزدیک مکی ہے یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ دارقطنی اپنی سنن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا (1) فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی تلوار لٹکائے ہوئے نکلے تو انہیں بتایا گیا کہ تمہارا بہنوئی اور تمہاری بہن دین چھوڑ چکے ہیں۔ عمران کے پاس آئے ان کے پاس ایک مہاجر شخص تھا جس کو خباب کہا جاتا تھا وہ سورہ ط تلاوت کر رہے تھے۔ عمر نے کہا: وہ کتاب مجھے دو جو تمہارے پاس ہے تاکہ میں اسے پڑھوں۔ عمر کتابیں پڑھتے تھے۔ عمر کو ان کی بہن نے کہا: تو ناپاک ہے اور اس قرآن کو صرف پاک ہی چھو سکتے ہیں تم اٹھو غسل کرو یا وضو کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور وضو کیا قرآن حکیم کو پکڑا اور پڑھا۔ یہ ابن اسحاق نے تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔ عمر اپنی تلوار لٹکائے ہوئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارے سے نکلے انہیں نعیم بن عبداللہ ملے، اس نے پوچھا: اے عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟ عمر نے کہا: میں محمد کا ارادہ کر کے جا رہا ہوں جس نے ہمارا دین چھوڑ دیا ہے اور جس نے قریش کی جمعیت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اور قریش کے دانشوروں کو بیوقوف بنایا ہے اور ان کے دین پر عیب لگایا ہے اور ان کے معبودوں کو برا کہا ہے۔ پس میں اسے قتل کروں گا۔ نعیم نے اسے کہا: اللہ کی قسم! اے عمر تجھے تیرے نفس نے دھوکا دیا ہے کیا تجھے بنی عبدمناف زمین پر چلتا رہنے دیں گے جبکہ تو محمد کو قتل کر چکا ہوگا، کیا تو اپنے گھر والوں کی طرف نہیں جاتا تاکہ ان کا معاملہ سیدھا کرے؟ عمر نے پوچھا: میرے گھر والے؟ اس نے کہا: تیرا بہنوئی اور تیرے چچا کا بیٹا سعید بن زید اور تیری بہن فاطمہ بنت خطاب، اللہ کی قسم! دونوں اسلام قبول کر چکے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے پیروکار ہو چکے ہیں تجھے لازم ہے کہ ان کی خبر لو۔ عمر اپنے بہنوئی اور بہن کی طرف لوٹا ان کے پاس حضرت خباب بن ارت بھی تھے ان کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں سورہ ط تھی وہ ان دونوں کو پڑھا رہے تھے جب انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آمد محسوس کی تو حضرت خباب ان کی کوٹھری میں چھپ گئے یا کسی کمرے میں غائب ہو گئے۔ حضرت فاطمہ بنت خطاب نے صحیفہ پکڑا اور اپنی ران کے نیچے کر لیا۔ عمر نے حضرت خباب کی قرأت کو سن لیا جو ان دونوں کو پڑھا رہے تھے جب وہ گھر کے قریب ہوئے تھے جب داخل ہوئے تو پوچھا: جو میں نے مخفی آواز سنی ہے وہ کیسی تھی؟ سعید اور ان کی زوجہ نے کہا: تو نے کچھ نہیں سنا۔ عمر نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی پیروی شروع کر دی ہے عمر نے اپنے بہنوئی سعید بن زید کو پکڑ لیا۔ حضرت فاطمہ بنت خطاب اٹھی تاکہ اپنے خاوند کو عمر سے بچائیں عمر نے اسے بھی مار کر زخمی کر دیا۔ جب عمر نے ایسا کیا تو عمر کو اس کی بہن اور بہنوئی نے کہا: ہاں، ہم اسلام لا چکے ہیں اور

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لا چکے ہیں جو تیرے جی میں آئے کر۔ جب عمر نے اپنی بہن کا خون دیکھا تو اپنے کیے پر شرمندہ ہوا اور پریشان ہوا اس نے اپنی بہن سے کہا: مجھے وہ صحیفہ دے جس کو پڑھتا ہوا میں نے تجھے سنا ہے میں دیکھوں کہ وہ کیا ہے جو محمد ﷺ لے کر آئے ہیں عمر کا تب تھا جب اس نے یہ کہا تو اس کی بہن نے کہا: ہمیں تیرا خوف ہے کہ تو اس کی بھرتی کرے گا۔ عمر نے کہا: تم خوف نہ کھاؤ، عمر نے اپنے خداؤں کی قسم اٹھائی کہ وہ صحیفہ واپس کر دے گا جب وہ پڑھ لے گا۔ جب عمر نے یہ کہا تو اس کو عمر کے اسلام لانے کی امید ہو گئی، بہن نے عمر سے کہا: اے میرے بھائی! تو اپنے شرک کی بنا پر نجس ہے اور اسے صرف پاک ہی چھوس سکتا ہے۔ عمر اٹھا اور غسل کیا۔ بہن نے وہ صحیفہ عمر کو دے دیا اس میں سورہ طہ لکھی ہوئی تھی۔ عمر نے اسے پڑھا اور بے ساختہ کہا: یہ کلام کتنا عمدہ اور خوبصورت ہے اور کتنا معزز ہے! جب حضرت خباب نے یہ سنا تو باہر نکل آئے اور کہا: اے عمر! اللہ کی قسم! میں امید کرتا ہوں اللہ تعالیٰ تجھے اپنے نبی کی دعا کے ساتھ خاص کر دے گا میں نے کل نبی پاک ﷺ کو یہ دعا مانگتے سنا ہے: اللھم ایدنا الاسلام بأبی الحکم بن ہشام أو بعمر بن الخطاب (اے اللہ! ابوالحکم بن ہشام یا عمر بن خطاب کے ساتھ اسلام کی تائید اور قوت فرما) اللہ، اللہ اے عمر! اس وقت عمر نے کہا: اے خباب! محمد ﷺ پر میری راہنمائی کرو تا کہ میں ان کے پاس جا کر اسلام قبول کر لوں۔

مسئلہ: دارمی ابو محمد نے اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے سورہ طہ اور سورہ یسین آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے پڑھی، جب ملائکہ نے قرآن سنا تو کہا: مبارک ہو اس امت کو جس پر یہ قرآن نازل ہوگا اور مبارک ہو ان سینوں کو جو اسے یاد رکھیں گے، مبارک ہو ان زبانوں کو جو اس کی تلاوت کریں گی۔“ ابن فورک نے کہا: اللہ تعالیٰ کے پڑھنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت فرشتوں میں سے جن کو اپنا کلام سمجھایا، سنایا اور ظاہر کیا۔ عرب کہتے ہیں: قرأت الشیء جب تو اس میں غور و فکر کرے اور عرب کہتے ہیں: ما قرأت هذه الناقة فی رحمها سلی قط، یعنی اس اونٹنی کے رحم میں کبھی بچہ ظاہر نہیں ہوا۔ اس بنا پر کلام آسان ہوگا۔ قرأت سے مراد عبارات کا سمجھنا اور سنانا ہے جس کو تخلیق فرمایا اور لکھوانا ہے جس کو بیان فرمایا ہے۔ ہمارے قول: قرأنا کلام اللہ کا یہی مفہوم ہے۔ فَأَقْرَعُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (المزمل: 20) اور فَأَقْرَعُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ (المزمل: 20) کا یہی معنی ہے۔ ہمارے اصحاب میں سے بعض نے کہا کہ قرء کا معنی ہے تحکم بہ اور یہ مجاز ہے جیسے ان کا قول ہے: ذقت هذا القول ذواقا، اس کا معنی ہے میں نے اس کو آزمایا، اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسِ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿١٠﴾ (النحل) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کے ساتھ آزمایا۔ اس کو ذواق کہا گیا۔ خوف حقیقت میں چکھا نہیں جاتا کیونکہ ذوق حقیقت میں منہ کے ساتھ ہوتا ہے، دوسرے جو ارجح سے نہیں ہوتا۔ ابن فورک نے کہا: جو ہم نے پہلے کہا وہ اس خبر کی تاویل میں اصح ہے کیونکہ اللہ کا کلام ازلی ہے، قدیم ہے، جملہ حوادث سے پہلے ہے۔ اس نے اپنی مخلوق میں سے جس کو جس وقت چاہا سنایا اور سمجھایا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے کلام کا عین مدت اور زمانہ کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔

طه ﴿١٠﴾ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْفَىٰ ﴿١١﴾ إِلَّا تَذَكَّرَ لَعَلَّ يَخْشَىٰ ﴿١٢﴾ تَنْزِيلًا مِّنْ

خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَوَاتِ الْعُلَى ۝ الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى ۝ لَهُ مَا فِي
السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَاتَحْتَ الثَّرَى ۝ وَإِنْ تَجَهَّرَ بِالْقَوْلِ
فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى ۝ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۝ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى ۝

”طا۔ ہا۔ نہیں اُتارا ہم نے آپ پر یہ قرآن کہ آپ مشقت میں پڑیں۔ بلکہ یہ نصیحت ہے اس کے واسطے جو
(اپنے رب سے) ڈرتا ہے۔ یہ اُتارا گیا ہے اس ذات کی طرف سے جس نے پیدا فرمایا زمین کو اور بلند آسمانوں
کو۔ وہ بے حد مہربان (کائنات کی فرمانروائی کے) تخت پر متمکن ہوا، اُسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں
ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے۔ اور تو بلند آواز
سے بات کرے (تو تیری مرضی) وہ تو بلاشبہ جانتا ہے رازوں کو بھی اور بھیدوں کو بھی۔ اللہ (وہ ہے کہ) کوئی
عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے اس کے لیے بڑے خوبصورت نام ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: طہ ۝ اس کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ اسرار میں
سے ہے؛ غزنوی نے یہ ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے یارِ جل (اے شخص) یہ بیہقی نے ذکر کیا
ہے۔ بعض نے فرمایا: عکَل قبیلہ کی معروف لغت ہے۔ بعض نے فرمایا: عک قبیلہ کی لغت ہے۔ کلبی نے کہا: اگر عک قبیلہ کے
کسی شخص کو یارِ جل کہے گا تو جواب نہیں دے گا حتیٰ کہ توطہ کہے۔ طبری نے اس کے متعلق ایک شعر لکھا ہے:

دَعْوَتِ بَطْنِ فِي الْقِتَالِ فَلَمْ يُجِبْ فَخَفْتُ عَلَيْهِ أَنْ يَكُونَ مُوَائِلًا (1)

اس شعر میں موئلا کی جگہ مزایلا بھی مروی ہے۔ عبد اللہ بن عمرو نے کہا: عک قبیلہ کی لغت میں اس کا معنی ہے یا حبیبی،
اے میرے حبیب!۔ یہ قول غزنوی نے ذکر کیا ہے۔ قطرب نے کہا: یہ طی قبیلہ کی لغت ہے۔ یزید بن مہلب نے کہا:

إِنَّ السَّفَاهَةَ طَهٌ مِنْ شِمَائِلِكُمْ لَا بَارَكَ اللَّهُ فِي الْقَوْمِ الْمَلَاعِينِ

اسی طرح حسن نے کہا کہ طہ کا معنی یارِ جل ہے؛ یہی عکرمہ کا قول ہے۔ سریانی زبان میں بھی اسی طرح ہے؛ یہ مہدوی
نے ذکر کیا ہے۔ یہ ماوردی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد سے حکایت کیا ہے۔ طبری نے حکایت کیا ہے کہ نبطی زبان
میں اس کا معنی یارِ جل ہے، یہ سدی، سعید بن جبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

إِنَّ السَّفَاهَةَ طَهٌ مِنْ خِلَاتِكُمْ لَا قَدَسَ اللَّهُ أُرْوَاهِ الْمَلَاعِينِ (2)

عکرمہ نے بھی یہ کہا ہے کہ حبشی زبان میں یارِ جل کی طرح ہے؛ یہ قول ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اگرچہ دوسری
لغات میں بھی یہ لفظ ہے لیکن یہ عربی لغت سے بھی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، یہ عک، طی اور عکَل میں یسینی لغت ہے۔ بعض
علماء نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور قسم ہے۔ اس کے ساتھ قسم اٹھائی گئی ہے؛ یہ بھی حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ نبی کریم ﷺ کا اسم مبارک ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کا یہ نام رکھا ہے جس طرح کہ محمد نام بھی اس نے رکھا۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ”میرے رب کی بارگاہ میں دس اسماء ہیں“ ان میں طہ اور یسین کا ذکر کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ سورت کا نام ہے اور اس کے لیے چابی ہے۔ بعض نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کلام سے اختصار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم ﷺ کو اس کے علم کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ حروف مقطعات ہیں ہر لفظ ایک خاص معنی پر دلالت کرتا ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: طہ سے مراد شجرہ طوبیٰ ہے اور ہا سے مراد النار الہادیۃ ہے۔ عرب کسی چیز کو اس کے جز سے تعبیر کر دیتے ہیں گویا جنت اور دوزخ کی قسم اٹھائی۔ سعید بن جبیر نے کہا: طہ اللہ تعالیٰ کے اسم ظاہر اور طلب کا اعادہ ہے اور ہا اللہ تعالیٰ کے اسم ہادی کا آغاز ہے۔ بعض نے فرمایا: طہ سے مراد ہے اے امت کی شفاعت کے حریص! ہا سے ہادی الخلق الی اللہ کا معنی مراد ہے۔ بعض نے فرمایا: طہ طہارت سے ہے اور ہا ہدایت سے ہے۔ گویا نبی کریم ﷺ کو فرمایا: یا طاهرًا من الذنوب یا ہادی الخلق الی علام الغیوب (اے گناہوں سے مبرا! اے مخلوق کی علام الغیوب کی طرف راہنمائی کرنے والے) بعض نے فرمایا: طہ سے مراد طبل جنگ ہے اور ہا سے مراد ان کی ہیبت ہے جو کافروں کے دلوں میں ڈالی جاتی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے: سَتَلِقُنَّ فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللُّرْعَبَ (آل عمران: 181) اور فرمایا: وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ (الاحزاب: 26) بعض نے فرمایا: طہ سے مراد اہل جنت کا جنت میں خوش ہونا ہے اور ہا سے مراد یہ ہے کہ دوزخی دوزخ میں ذلیل ہوں گے۔ چھٹا قول یہ ہے کہ طہ کا معنی ہے مبارک ہے اس کو جس نے ہدایت پائی یہ مجاہد اور محمد بن حنفیہ کا قول ہے۔ ساتواں قول یہ ہے کہ طہ سے مراد طاء الأرض نبی کریم ﷺ نماز میں مشقت برداشت کرتے تھے حتیٰ کہ پاؤں مبارک سوج جاتے تھے اور پاؤں متورم ہو جاتے تھے اور اپنے قدموں کے درمیان آرام کرنے کی احتیاج محسوس ہوتی تو آپ کو کہا گیا: طاء الارض یعنی آپ ٹھکیں نہیں کہ آپ کو آرام کی حاجت ہو، یہ انباری نے حکایت کیا ہے۔ قاضی عیاض نے ”الشفاء“ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ربیع بن انس نے کہا: نبی کریم ﷺ جب نماز پڑھتے تو ایک پاؤں پر کھڑے ہوتے اور دوسرا اٹھا لیتے تو اللہ تعالیٰ نے طہ نازل فرمایا۔ یعنی اے محمد ﷺ زمین پر دوسروں پاؤں بھی رکھو۔ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ، زَمْخَشَرِي تے کہا: حسن سے مروی ہے طہ اور اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ الوطاء سے امر کا صیغہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نماز تہجد میں ایک پاؤں پر کھڑے ہوتے تھے تو آپ کو حکم دیا گیا کہ دونوں پاؤں اکٹھے زمین پر رکھو یہ اصل میں طانتھا ہمزہ کو ہ سے بدل دیا گیا جیسا کہ یطائیں الف سے بدل دیا گیا۔ یہ اس کے بارے میں ہے جس نے کہا: لا هنالك المرتع پھر اس پر یہ امر بنایا گیا اور ہاء سکت کے لیے ہے۔ مجاہد نے کہا: نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رات کے وقت قیام کے لمبا ہونے کی وجہ سے نماز میں اپنے سینوں میں رسیاں باندھتے تھے پھر فرضی نماز کے ساتھ اس کو منسوخ کر دیا گیا، پس یہ آیت نازل ہوئی۔ کلبی نے کہا: جب نبی کریم ﷺ پر مکہ میں وحی نازل ہوئی تو آپ نے عبادت میں بہت زیادہ کوشش کی اور عبادت میں شدت کی اور ساری رات قیام فرماتے تھے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے نفس پر تخفیف کرنے کا حکم دیا پھر آپ نماز بھی پڑھتے تھے اور آرام بھی

کرتے تھے۔ پھر اس آیت نے رات کے قیام کو منسوخ کر دیا اس آیت کے بعد آپ نوافل بھی پڑھتے تھے اور سوتے بھی تھے۔ مقاتل اور ضحاک نے کہا: جب نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کفار قریش کہتے: یہ محمد ﷺ پر قرآن اس لیے نازل ہوا ہے تاکہ آپ کو مشقت میں ڈالے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ فرمایا: **طه مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ** یعنی ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ تھکیں، جیسا کہ آگے آئے گا۔ اس بناء پر طہ اصل میں طاہا ہوگا یعنی طا الأرض ضمیر کا مرجع الارض ہوگا یعنی اپنی نمازوں میں اپنے دونوں پاؤں زمین پر رکھو۔ ہمزہ میں تخفیف کی گئی اور وہ الف ساکن ہوگا۔ ایک جماعت نے طہ پڑھا ہے۔ اس کی اصل طأ ہے اس کا معنی طا الأرض ہے۔ ہمزہ کو حذف کیا گیا اور ہاء السکتہ داخل کی گئی۔ زر بن حبیش نے کہا: ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن مسعود پر طہ پڑھا تو حضرت عبد اللہ نے اسے فرمایا: طہ ہے۔ فرمایا: اے ابو عبد الرحمن! کیا یہ حکم نہیں دیا گیا کہ زمین کو اپنے دونوں پاؤں کے ساتھ روندو۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: طہ، مجھے نبی پاک ﷺ نے اسی طرح پڑھایا تھا۔ ابو عمر، ابو اسحاق نے ہا کے امالہ کے ساتھ پڑھا ہے اور طا کو فتح دیا ہے۔ ابو بکر، حمزہ، کسائی اور اعش نے دونوں میں امالہ کیا ہے۔ ابو جعفر، شیبہ اور نافع نے دونوں کو دونوں لفظوں کے بین بین پڑھا ہے۔ ابو عبیدہ نے اس کو اختیار کیا ہے اور باقی قراء نے تنخیم کے ساتھ پڑھا ہے۔ ثعلبی نے کہا: یہ تمام لغات صحیح اور فصیح ہیں۔ نحاس نے کہا: اکثر اہل عرب کے نزدیک دو وجوہ کی بنا پر امالہ کی کوئی وجہ نہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے یہاں نہ یا ہے اور نہ کسرہ تاکہ امالہ ہوتا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ طان حروف میں سے ہے جو امالہ کے مانع ہیں۔ یہ دونوں علتیں واضح ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ** یہ ما انزلنا عليك القرآن لتشقى بھی پڑھا گیا ہے۔ نحاس نے کہا: بعض نحو یوں نے کہا یہ لام نفی ہے۔ بعض نے کہا: لام جہود ہے۔ ابو جعفر نے کہا: میں نے ابو الحسن بن کیسان کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لام جارہ ہے اس کا معنی ہے: ما انزلنا عليك القرآن للشقاء، الشقاء مد اور قصر کے ساتھ ہے یہ واوی ہے، الشقاء کا لغوی معنی تھکن اور مشقت ہے یعنی آپ کی مشقت کے لیے تو ہم نے آپ پر قرآن نازل نہیں کیا۔ شاعر نے کہا:

ذوالعقل يشقى في النعيم بعقله وأخو الجهالة في الشقاوة ينعم

پس **يَشْقَىٰ** کا معنی ہے تاکہ آپ تھکیں ان پر فرط تاسف کی بنا پر کہ وہ ایمان لے آئیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَلْعَلَّكَ بِأَخِي نَفْسِكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ (الکہف: 6)

یعنی آپ کے ذمہ صرف تبلیغ کرنا اور نصیحت کرنا ہے اور ان کا ایمان لانا آپ پر فرض نہیں کیا گیا اس کے بعد کہ آپ نے رسالت اور موعظ حسنہ کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ روایت ہے کہ ابو جہل (لعنة الله عليه) اور نضر بن حارث نے نبی کریم ﷺ کو کہا کہ آپ شقی ہیں کیونکہ آپ نے اپنے آباء کا دین ترک کر دیا ہے پس اس کا رد کیا گیا ہے کہ دین اسلام اور یہ قرآن تو ہر کامیابی کا زینہ ہے اور ہر سعادت کے حصول کا سبب ہے اور جس نظریہ پر کفار ہیں وہ نری شقاوت ہے۔ مذکورہ اقوال کی بنا پر کہ آپ ﷺ رات کو نوافل پڑھتے تھے حتیٰ کہ آپ کے پاؤں مبارک سوچ جاتے تھے۔ جبریل نے کہا: حضور! اپنے نفس

پر شفقت کریں بیشک اس کا بھی آپ پر حق ہے یعنی ہم نے آپ پر قرآن نازل نہیں کیا تاکہ آپ کا نفس عبادت میں تھک جائے اور تکلیف و مشقت میں آپ اسے مبتلا کریں آپ کو تو آسمان شریعت کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِلَّا تَذْكُرًا لِّعَنْ يُّخْشَى** ① ابواسحاق زجاج نے کہا: یہ تشقی سے بدل ہے یعنی ما انزلناہ إلا تذکرۃ اور نحاس نے کہا: یہ وجہ بہت بعید ہے۔ ابوعلی نے اس کا انکار کیا ہے کیونکہ تذکرۃ، شقاء نہیں ہے۔ یہ مصدر کی بناء پر منصوب ہے یعنی انزلناہ لتذکرۃ یا مفعولہ لاجلہ کی بنا پر منصوب ہے یعنی **مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى** ② ما انزلناہ إلا لتذکرۃ۔ حسین بن فضل نے کہا: اس میں تقدیم و تاخیر ہے، یعنی ما انزلنا علیک القرآن إلا لتذکرۃ لمن یخشی ولئلا تشقی اور تنزیل مصدر ہے یعنی نزلناہ تنزیلاً، بعض نے فرمایا: یہ تذکرۃ کے قول سے بدل ہے۔ ابو حیوہ شامی نے تنزیل مرفوع پڑھا ہے۔ اس معنی کی بناء پر ہذا تنزیل۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مِمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَوَاتِ الْعُلَى** ③، العلاء سے مراد بلند و بالا ہے یہ العلیا کی جمع ہے جیسے کبریٰ و صغریٰ، کبر، صغر اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں اپنی عظمت و جبروت اور جلال کی خبر دی ہے۔ پھر فرمایا: **الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى** اس پر مدح کی بنا پر نصب جائز ہے۔ ابواسحاق نے کہا: بدل کی بنا پر جر ہے۔ سعید بن مسعدہ نے کہا: رفع هو الرحمن کے معنی کی بنا پر ہے۔ نحاس نے کہا: رفع مبتدا کی حیثیت سے ہے اور اس کی خبر لہ صافی السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ہے۔ پس استویٰ پر وقف نہ ہوگا اور خلق میں جو ضمیر مضمَر ہے اس سے بدل کی بنا پر مرفوع ہو تو اس صورت میں استویٰ پر وقف جائز ہوگا اسی طرح جب مبتدا محذوف کی خبر کی بنا پر مرفوع ہوگا تو العلاء پر وقف نہ ہوگا۔ الاستویٰ کے معنی پر گفتگو سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے۔ شیخ ابوالحسن وغیرہ کا نظریہ یہ ہے کہ وہ بغیر حد و کیف کے اپنے عرش پر مستوی ہے جیسا کہ مخلوق کا استوا ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے پیدا کیا جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے اور جو کچھ قیامت کے بعد ہونا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الْعَرْشِ** ④، تَحْتَ الْعَرْشِ سے مراد یہ ہے کہ اس چٹان کے نیچے جو کچھ ہے جس کے نیچے والی چیزوں کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ محمد بن کعب نے کہا: اس سے مراد ساتویں زمین ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: زمین مچھلی پر ہے اور مچھلی پانی پر ہے اور اس مچھلی کی دونوں طرفیں سر اور ذم عرش کے نیچے ملتی ہیں اور سمندر سبز چٹان پر ہے اور آسمان کا سبزہ اس وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اس کے متعلق ارشاد ہے: **فَتَكُنْ فِي صَحْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ** (لقمان: 16) اور وہ چٹان بیل کے سینگ پر ہے اور وہ بیل الثریٰ پر ہے۔ اور ثریٰ کے بچے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ۱۶۔ وہب بن منبہ نے کہا: سطح زمین پر سات سمندر ہیں اور زمینیں سات ہیں اور ہر دو زمینوں کے درمیان ایک سمندر ہے اور نیچے والا سمندر جہنم کے کنارے سے ملا ہوا ہے۔ اگر سمندر کی بڑائی،

۱۶: ملامہ سید محمود آلوی رقم طراز ہیں میرے نزدیک اس قسم کی روایات کا موضوع ہونا اتوی ہے۔ ابن قیم نے النار المصیف جلد 1 صفحہ 78 میں لکھا ہے اس قسم کی فضول روایات کے نقل کرنے والوں پر تعجب ہوتا ہے۔

پانی کی کثرت اور اس کی ٹھنڈک نہ ہوتی تو جہنم ہر اس چیز کو جلا دیتی جو کچھ اس کے اوپر ہے۔ فرمایا: جہنم ہوا کے متن پر ہے اور ہوا کا متن تاریکی کے پردے پر ہے اس کی موناٹی کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ حجاب الثریٰ پر ہے اور الثریٰ تک خلایق کے علم کی انتہا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَإِنْ تَجَهَّمُوا بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَىٰ**۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: السما سے کہتے ہیں جو انسان آہستہ طور پر بیان کرتا ہے اور اخفی سے مراد وہ ہے جو انسان دل میں چھپائے ہوئے ہوتا ہے اور اسے دوسرے کے سامنے بیان نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مردی ہے کہ السما سے مراد دل کی بات ہے اور اخفی سے مراد وہ ہے جسے تیرا نفس بیان کرتا ہے جو ابھی موجود نہیں ہے جبکہ وہ بعد میں ہوگا اور تو اسے جانتا ہے تو اپنے نفس سے آج بیان کرتا ہے اور کل کے متعلق جو بیان کرتا ہے اسے تو نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ اسے بھی جانتا ہے جو تو آج آہستہ سے سوچتا ہے اور جو تو کل سوچے گا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رازوں اور بھیدوں کو جانتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: السما سے مراد وہ ہے جو ابن آدم اپنے دل میں آہستہ سے کہتا ہے اور اخفی سے مراد وہ ہے جو ابن آدم پر مخفی ہوتا ہے جو ہونے والا ہوتا ہے لیکن انسان اسے نہیں جانتا۔ اور اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ماضی اور مستقبل کے بارے میں برابر ہے اس کے علم میں تمام مخلوق ایک نفس کی طرح ہے۔ قتادہ وغیرہ نے کہا: السما سے مراد وہ ہے جو انسان اپنے نفس میں چھپائے ہوئے ہوتا ہے اور اخفی وہ ہوتا ہے جو نہ اسے کوئی چھپائے ہوئے ہوتا ہے۔ ابن زید نے کہا: السما سے مراد خلایق کے راز ہیں اور اخفی سے مراد اللہ تعالیٰ کا راز ہے۔ طبری نے اس کا انکار کیا ہے (1) فرمایا: اخفی وہ ہے جو انسان کے راز میں نہیں ہے وہ آئندہ اس کے نفس میں آئے گا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **أَللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ** ① اللہ اسم جلال پر رفع مبتدا کی حیثیت سے ہے یا مبتدا کے اضمار کی وجہ سے ہے **يَا يَعْلَمُ** میں جو ضمیر ہے اس سے بدل کی بنا پر ہے۔ اس نے اپنی توحید خود بیان فرمائی ہے یہ اس طرح ہے کہ نبی پاک ﷺ نے مشرکین کو اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی طرف دعوت دی تو انہیں یہ گراں گزری۔ ابو جہل نے آپ ﷺ کو الرحمن کا ذکر کرتے ہوئے سنا تو اس نے ولید بن مغیرہ کو کہا: محمد (ﷺ) ہمیں تو اللہ کے ساتھ دوسرے خدا کو پکارنے سے منع کرتا ہے اور خود وہ اللہ تعالیٰ اور الرحمن کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: **الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ** اور یہ نازل فرمایا: **قُلْ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ ۖ أَيًّا مَاتَ دُعَاؤُكُمْ فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ** (بنی اسرائیل: 110) اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کے اسماء کثیر ہیں۔ پھر فرمایا: **أَللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ** ② سورة الاعراف میں اسماء حسنیٰ پر تنبیہ گزر چکی ہے۔

• **وَهَلْ أَسْتَكُ حَدِيثُ مُوسَىٰ ① إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا
لَعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجْدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ② فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يٰمُوسَىٰ ③
إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاحْلَمْ نَعْلَيْكَ ④ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ⑤ وَ أَنَا اخْتَرْتُكَ**

فَاسْتَبْرَأْ لِمَا يُوْحَىٰ ۖ ۝۱۱ اِنِّىۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاَعْبُدْنِىۤ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ

لِذِكْرِىۤ ۖ ۝۱۲ اِنَّ السَّاعَةَ اَتِيَةٌۭ اَكٰدُ اُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ۖ فَلَا

يُصَدِّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُوْحٰى مِنْۢ بِهَا وَاَتَّبَعْهُ وَاْتَرَدٰى ۖ ۝۱۳

”اور (اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو اطلاع موسیٰ کے قصہ کی۔ جب (مدین سے واپسی پر تاریک رات میں) آپ نے آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں کو کہا: تم (ذرا یہاں) ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں لے آؤں تمہارے لیے اس سے کوئی چنگاری یا مجھے مل جائے آگ کے پاس کوئی راہ دکھانیوالا۔ پس جب آپ وہاں پہنچے تو ندا کی گئی: اے موسیٰ! بلاشبہ میں تیرا پروردگار ہوں پس تو اُتار دے اپنے جوتے بیشک تو طویٰ کی مقدس وادی میں ہے۔ اور میں نے پسند کر لیا ہے تجھے (رسالت کے لیے) سو خوب کان لگا کر سن جو وحی کیا جاتا ہے۔ یقیناً میں ہی اللہ ہوں، نہیں ہے کوئی معبود میرے سوا پس تو میری عبادت کیا کر اور ادا کیا کر نماز مجھے یاد کرنے کے لیے۔ بیشک وہ گھڑی (قیامت) آنے والی ہے میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو اس کام کا جس کے لیے وہ کوشاں ہے۔ پس ہرگز نہ رو کے تجھے اس (کو ماننے) سے وہ شخص جو نہیں ایمان رکھتا اس پر اور پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی ورنہ تم بھی ہلاک ہو جاؤ گے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ مُوسٰى ۙ ۝۱۱ اهل معانى نے کہا: یہ استفہام اثبات و ایجاد ہے اس کا معنی ہے ایسے قد اُتاک؟ کیا تیرے پاس نہیں آئی موسیٰ کے واقعہ کی اطلاع؟ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے قد اُتاک (آچکی ہے تیرے پاس)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: اس کا معنی ہے ابھی تک موسیٰ کے واقعہ کی اطلاع نہیں آئی۔ پھر اس کے متعلق خود خبر دی۔ اِذْ نَا اَنَا نَا اَفْقَالَ لِاٰهْلِہٖ اَمٰكُمُوْا اِنِّىۤ اَنْتُمْ نَا نَا الْعَلِیُّ اَتٰیْکُمْ مِنْہَا یَقْبٰسِ اَوْ اَجْدُ عَلٰى النَّاِہِیْدِیۤ ۖ ۝۱۲ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے کہا: یہ اس وقت ہوا جب آپ کی خدمت کرنے کی مدت پوری ہوئی اور آپ اپنی اہلیہ کو لے کر چلے۔ آپ مدین سے مصر کی طرف آرہے تھے اور آپ راستہ بھول گئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک غیور شخص تھے رات کے وقت لوگوں کے ساتھ چلے تھے اور دن کے وقت غیرت کی وجہ سے جدا ہو جاتے تھے تاکہ لوگ آپ کی زوجہ کو نہ دیکھیں پس آپ ساتھیوں سے جدا ہو کر راستہ بھول گئے؛ کیونکہ علم الہی میں ایسا فیصلہ ہو چکا تھا رات تاریک تھی۔ مقاتل نے کہا: جمعہ کی رات تھی سردیوں کا موسم تھا۔ وہب بن منبہ نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام سے اپنی والدہ کی طرف واپس جانے کی اجازت طلب کی تو انہیں اجازت دی گئی۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے گھر والوں اور اپنی بکریوں کے ساتھ چل پڑے۔ ٹھنڈی رات میں راستہ میں آپ کا بچہ پیدا ہوا جبکہ آپ راستہ سے ہٹ چکے تھے اور ان کی بکریاں بھی بکھر چکی تھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ جلائی لیکن آگ نہ جلی پس آپ نے راستہ کی بائیں جانب دور سے آگ دیکھی تو آپ نے اپنے گھر والوں سے کہا: تم یہاں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب آپ آگ کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ نے عناب کے درخت میں آگ دیکھی اس روشنی کی

خوبصورتی سے تعجب کرتے ہوئے آپ ٹھہر گئے اس درخت کے سبزہ کی شدت اتنی تھی کہ آگ کی گرمی کی شدت اس درخت کی سبزی کے حسن کو تبدیل نہ کر سکے اور درخت کے پانی کی کثرت اور سبزہ کی شادابی نے آگ کی روشنی کے حسن کو تبدیل نہیں کیا تھا؛ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ کو دیکھا، جیسا کہ روایت میں ہے: ”یہ علیق (وہ گھاس جو درخت پر لپٹی ہے اور اس کا پھل شہوت کی طرح ہوتا ہے) کا درخت تھا آپ نے اس کا قصد کیا تو وہ آپ سے پیچھے ہو گیا پس آپ لوٹ آئے اور اپنے اندر خوف محسوس کیا پھر وہ درخت قریب ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس درخت سے کلام فرمائی۔“ ماوردی نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک آگ تھی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور تھا (1)۔ حمزہ نے لاهلہ امکشوا، ہاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، اسی طرح سورۃ القصص میں پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ اس کی لغت پر ہے جس نے کہا: صورت بھویا ر جل، وہ اصل پر لایا یہ جائز ہے مگر حمزہ نے دونوں جگہ اس کی اصل کی مخالفت کی۔ امکشوا فرمایا اقیسوا، نہیں فرمایا کیونکہ اقامتو ام کا تقاضا کرتا ہے، الکت ایسا نہیں ہے۔ آنست کا معنی ہے ابصرت؛ یہ ابن اعرابی کا قول ہے؛ اسی سے یہ ارشاد ہے: **فَإِنْ أَنْتُمْ مِنْهُمْ مُرْشِدًا (النساء: 6)**

آنست الصوت میں نے آواز کو سنا۔ القبس آگ کا شعلہ، اسی طرح البقباس ہے۔ کہا جاتا ہے: قبست منه ناراً، واقتبت منه علماً، یعنی میں نے اس سے استفادہ کیا۔ یزیدی نے کہا: اقبست الرجل علماً وقبستہ ناراً میں نے اس سے علم حاصل کیا اور میں نے اس سے آگ حاصل کی۔ اگر تو اس کے لیے آگ طلب کرے تو تو کہے گا: اقبستہ کسائی نے کہا: اقبستہ ناراً وعلماً برابر ہے۔ قبستہ دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ہدیٰ سے مراد ہادیا (راہنما) ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَلَمَّا أَتَاهَا جَبَّ أَسْفَلًا** اس آگ کے پاس آئے نودی تو درخت سے آواز دی گئی جیسا کہ سورۃ القصص میں ہے یعنی اس کی جہت سے آواز آئی جیسا کہ آگ کے آگے گا۔ **يُؤْتِي السَّمَاءَ بِمَاءٍ مُّسَبِّبٍ يُسْقِطُ فِيهَا مَاءً غَمَامًا** اِنِّي اَنَا رَبُّكَ بلاشبہ میں تیرا پروردگار ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَالِجِ الْمَقَدِّسِ طُوًى** اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ** ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے انہوں نے نبی پاک ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: ”جس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمائی اس دن موسیٰ علیہ السلام پر صوف کا کبل تھا صوف (اون) کا جبہ تھا اور صوف کی ٹوپی تھی اور صوف کی شلوار تھی اور آپ کے جوتے مردار گدھے کے چمڑے کے تھے“ (2)۔ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے، ہم اسے صرف حمید الاعرج کے طریق سے جانتے ہیں۔ حمید یہ علی کوفی کا بیٹا ہے۔ اور یہ مکر الحدیث ہے اور حمید بن قیس الاعرج المکی جو مجاہد کا ساتھی ہے وہ ثقہ ہے۔ الکفة، چھوٹی ٹوپی کو کہتے ہیں۔ عام قراء نے ان کو حمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی نودی فقیل لہ یا موسیٰ بنی؛ ابو عبیدہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ ابو عمرو، ابن کثیر، ابن محیصن اور حمید نے انی نداء کے اعمال کی وجہ سے حمزہ کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ علماء کا اختلاف ہے کہ جوتے اتارنے کے حکم کا سبب کیا تھا۔ الخلع کا معنی ہے اتارنا۔ النعل اس چیز کو کہتے ہیں جو زمین سے پاؤں کو بچانے کے لیے بنائی

جاتی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جوتے اتارنے کا حکم اس لیے دیا کیونکہ وہ ناپاک تھے، غیر مذبوح جلد سے بنے ہوئے تھے؛ یہ کعب، عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: اس لیے یہ حکم دیا تاکہ مقدس وادی کی برکت کو حاصل کریں اور آپ کے قدم وادی کی مٹی کو مس کریں؛ یہ حضرت علی بن ابی طالب، حسن اور ابن جریج کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: اللہ کی بارگاہ میں تواضع اور خشوع کا اظہار کرنے کے لیے جوتے اتارنے کا حکم دیا اسی طرح سلف صالحین کرتے ہیں جب وہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ بعض نے فرمایا: اس جگہ کی تعظیم کرنے کے لیے یہ حکم دیا جیسا کہ حرم کی تعظیم کے لیے جوتوں کے ساتھ داخل نہیں ہوا جاتا عرف یہ ہے کہ بادشاہوں کی بارگاہ میں حاضری کے وقت جوتے اتارے جاتے ہیں اور انسان حد درجہ تواضع کا اظہار کرتا ہے۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی وجہ سے یہ حکم دیا گیا اس کا کوئی اعتبار نہیں کہ وہ مردار کے چمڑے سے بنے ہوئے تھے یا کسی اور چیز سے بنے ہوئے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ طیبہ میں سوار نہیں ہوتے تھے وہ اس مٹی کا احترام کرتے تھے جس میں نبی کریم ﷺ کا جسم اقدس موجود تھا اس معنی (تعظیم) کی بنا پر نبی کریم ﷺ نے حضرت بشیر بن خصاصیہ کو فرمایا تھا جبکہ وہ جوتوں کے ساتھ قبور کے درمیان چل رہے تھے: ”جب تو ایسی جگہ پر ہو تو اپنے جوتے اتار دے“ (1)۔ حضرت بشیر فرماتے ہیں: میں نے جوتے اتار دیے۔ پانچواں قول یہ ہے: یہ اہل، اولاد سے دل کو فارغ کرنے کے لیے فرمایا گیا ہے۔ کبھی اہل کو نعل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خواب کی تعبیر میں یہ اس طرح ہے جو خواب دیکھے کہ وہ جوتے پہننے والا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کی شادی ہونے والی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے نور اور ہدایت کی بساط بچھائی تھی تو رب العالمین کی بساط کو جوتوں کے ساتھ روندنا مناسب نہیں تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اتارنے کا حکم دیا گیا ہو۔ یہ ان پر پہلا فرض تھا جیسا کہ سب سے پہلے حضرت محمد ﷺ کو کہا گیا: قُمْ فَأَنْذِرْ ۖ وَرَبَّكَ فَكُفِّرْ ۖ وَالرُّجْزَ فَأُهْجِرْ ۖ (المدثر) حقیقی مراد اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ خبر میں ہے: ”حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جوتے اتارے اور انہیں وادی کے پیچھے پھینک دیا“۔ ابوالاحوص نے کہا: حضرت عبد اللہ، حضرت ابو موسیٰ سے ان کے گھر میں ملے تو نماز کا وقت ہو گیا۔ حضرت ابو موسیٰ نے تکبیر کہی اور حضرت ابو موسیٰ نے حضرت عبد اللہ سے کہا: آگے بڑھو (اور امامت کراؤ) حضرت عبد اللہ نے کہا: تم آگے بڑھو تم اپنے گھر میں ہو۔ تو حضرت ابو موسیٰ آگے بڑھے اور اپنے جوڑے اتار دیے۔ حضرت عبد اللہ نے کہا: کیا تم وادی مقدس میں ہو (کہ تم نے جوتے اتار دیے ہیں) صحیح مسلم میں سعید بن یزید سے مروی ہے فرمایا: میں نے حضرت انس سے کہا: کیا نبی پاک ﷺ نے نعلین میں نماز پڑھتے تھے۔ انہوں نے کہا: ہاں (2)۔ اس حدیث کو امام نسائی نے حضرت عبد اللہ بن سائب سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن اپنے جوڑے اپنی بائیں طرف رکھ دیے۔ ابوداؤد نے حضرت ابوسعید کی حدیث سے

1۔ تفسیر طبری، ج 15-16، صفحہ 167

2۔ صحیح مسلم، کتاب الساجد، جواز الصلوٰۃ النعلین، جلد 1، صفحہ 208

سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ باب الصلوٰۃ النعل، حدیث نمبر 553، معنی کے اعتبار سے، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب کو نماز پڑھائی جب کہ آپ نے اپنے جوڑے اتار دیے تھے اور انہیں اپنی بائیں جانب رکھا تھا جب لوگوں نے یہ دیکھا تو اپنے جوڑے اتار دیے، جب نبی پاک ﷺ نے نماز مکمل فرمائی تو فرمایا: ”تمہیں کس چیز نے جوڑے پھینکنے پر ابھارا ہے؟“ صحابہ نے عرض کی: ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اپنے جوڑے اتار دیے ہیں تو ہم نے اپنے جوڑے اتار دیے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”جبریل میرے پاس آئے اور مجھے بتایا کہ ان میں غلاظت لگی ہوئی ہے“ فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو اسے دیکھنا چاہیے جب اپنے جوڑے میں کوئی غلاظت وغیرہ دیکھے تو اسے صاف کر دینا چاہیے اور پھر ان میں نماز پڑھنی چاہیے“ (1)۔ ابو محمد عبدالحق نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے کہ یہ حدیث دونوں قسم کی احادیث کو جمع کرتی ہے اور ان کے درمیان تعارض کو اٹھا دیتی ہے۔ علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نماز نعلین میں جائز ہے جب وہ ہر قسم کی غلاظت سے پاک ہوں حتیٰ کہ بعض علماء نے فرمایا: جو توں میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: **حُدُوٰ اَزِيْنَتِكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف: 31)** کا یہی مفہوم ہے یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ابراہیم نخعی نے ان لوگوں کے بارے میں فرمایا جو جوڑے اتارتے ہیں: میں خواہش کرتا ہوں کہ کوئی محتاج آئے اور ان کو اٹھا کر لے جائے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اگر تو جو توں کو اتارے تو اپنے قدموں کے درمیان اتار کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو وہ اپنے قدموں کے درمیان جوڑے اتارے“ (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مقبری سے کہا: اپنے قدموں کے درمیان اتار دے اور ان کے ساتھ کسی مسلمان کو اذیت نہ دے۔ حضرت عبد اللہ بن سائب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے جوڑے بائیں جانب اتارے کیونکہ آپ امام تھے۔ جب تو امام ہو یا اکیلا ہو تو ایسا کر لے اگر تو چاہے اور اگر تو صف میں مقتدی ہو تو اپنے جوڑوں کے ساتھ اپنی بائیں طرف والوں کو اذیت نہ دے اور نہ انہیں اپنے سامنے رکھتا کہ وہ تجھے اپنی طرف مشغول رکھیں گے لیکن اپنے قدموں کے آگے رکھ۔ جبیر بن مطعم سے مروی ہے فرمایا: انسان کا اپنے قدموں کے درمیان جوڑے رکھنا بدعت ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اگر جو توں میں ایسی نجاست لگی ہوئی ہو جس کی ناپاکی پر علماء کا اجماع ہے جیسے خون اور غلاظت مثلاً بنی آدم کا پیشاب وغیرہ تو انہیں پانی کے ساتھ دھونا ہی پاک کرے گا؛ یہ امام شافعی اور اکثر علماء کی رائے ہے۔ اگر نجاست ایسی ہو جس میں اختلاف ہے جیسے جانوروں کا پیشاب اور ترگو بر تو اس میں اختلاف ہے کہ جوڑے اور موزے کو مٹی پر رگڑنا اسے پاک کر دے گا یا نہیں۔ ہمارے نزدیک دو قول ہیں: امام اوزاعی اور ابو ثور نے بغیر کسی تفصیل کے اسے مٹی پر رگڑنے کو جائز قرار دیا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: جب وہ خشک ہو تو اسے کھرچ دینا اور رگڑ دینا بھی زائل کر دے گا اور جب وہ تر ہوگی تو اسے دھونا ہی زائل کرے گا سوائے پیشاب کے۔ ان کے نزدیک اس میں دھونا ہی ضروری ہوگا۔ امام شافعی نے فرمایا: ان میں سے کسی چیز کو پاک نہیں کرے گا مگر پانی۔ صحیح قول اس کا ہے جس نے کہا ہے: رگڑنا جوڑے اور موزے کو پاک کر دے گا

1- سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، الصلوٰۃ فی النعال، جلد 1، صفحہ 95

2- سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، الصلوٰۃ اذا خدم نعلیه این یضعہما، جلد 1، صفحہ 96

کیونکہ حضرت ابوسعید کی حدیث ہے کہ اگر نعل اور خف مردار کی جلد سے بنے ہوئے ہوں اگر وہ غیر مدبوغ ہوگی تو وہ بالاتفاق نجس (ناپاک) ہے سوائے اس قول کے جس کی طرف زہری کا رجحان ہے اور لیف کا خیال ہے جیسا کہ سورہ النحل میں گزر چکا ہے۔ اور نجاست کے زائل کرنے کا قول سورہ برأت میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ⑩**، الْمُقَدَّس سے مراد مطہر ہے، القدس کا معنی طہارت ہے۔ الأَرْضُ الْمُقَدَّسَةُ سے مراد پاک زمین ہے۔ اس کو مقدس اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں سے کافروں کو نکال دیا تھا اور مومنین کو آباد کیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بعض مقامات کو بعض پر فضیلت دی ہے جس طرح کہ بعض اوقات کو بعض پر فضیلت دی ہے اسی طرح بعض حیوانوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو زیبا ہے کہ جسے چاہے فضیلت دے دے۔ اس بنا پر کافروں کے نکالنے اور مومنین کے ٹھہرانے کی وجہ سے مقدس ہونے کا اعتبار نہ ہوگا دوسری وجہ بھی اس میں شریک ہے۔ طُوًی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد وغیرہ سے مروی ہے کہ یہ وادی کا نام ہے (1)۔ ضحاک نے کہا: یہ عین گہری، گول وادی ہے جیسے کوئی لپٹی ہوئی چیز ہوتی ہے۔ عکرمہ نے اسے طُوًی پڑھا ہے باقی قراء نے طُوًی پڑھا ہے۔ جوہری نے کہا: طُوًی شام میں ایک جگہ کا نام ہے۔ طا کو کسرہ اور ضمہ دیا جاتا ہے۔ منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ جنہوں نے اسے منصرف بنایا ہے انہوں نے اسے وادی کا اسم اور اسے نکرہ بنایا ہے اور جنہوں نے اسے غیر منصرف بنایا ہے انہوں نے اسے بلدہ اور بقعہ بنایا ہے اور اسے معرفہ بنایا ہے۔ بعض نے فرمایا: طُوًی، طُوًی کی مثل ہے۔ لپٹی ہوئی چیز، انہوں نے الْمُقَدَّسِ طُوًی ⑩ کے بارے میں کہا: وہ دو مرتبہ پاک کی گئی۔ حسن نے کہا: اس میں دو مرتبہ برکت اور تقدیس رکھی گئی۔ مہدوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کو طُوًی اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وادی کو رات کے وقت طے کیا تھا۔ یہ مصدر ہے اس میں وہ عامل ہے جو اس کے لفظ سے نہیں گویا یوں کہا: **إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ الَّذِي طُوًتَهُ طُوًى**، یعنی آپ نے اپنے چلنے کے ساتھ اس کو طے کیا۔ حسن نے کہا اس کو دو مرتبہ پاک کیا گیا۔ یہ طُوًتہ طُوًی سے مصدر بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَإِنَّا اخْتَرْنَاكَ لِيَعْنِي فِيهِ** یعنی میں نے تجھے رسالت کے لیے چن لیا۔ اہل مدینہ ابو عمرو، عاصم اور کسائی نے **وَإِنَّا اخْتَرْنَاكَ** پڑھا ہے اور حمزہ نے **إِنَّا اخْتَرْنَاكَ** پڑھا ہے، دونوں کا معنی ایک ہے لیکن یہاں **إِنَّا اخْتَرْنَاكَ** دو اعتبار سے اولیٰ ہے ایک یہ کہ خط کے اعتبار سے یہ مناسب ہے، دوسرا یہ کہ نسق کلام کے اعتبار سے یہ اولیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يُؤْتِي سُلَيْمَانَ ⑪ إِيَّاهُ أَنْفَارَ بَيْتِكَ فَاخْلَعْنَهُمْ نَعْلَيْكَ**، اس نسق کے اعتبار سے متکلم کا صیغہ آئے گا: یہ نحاس کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَأَسْتَبِعْتَهُ لِيَأْتِيَهُ ⑫** اس میں ایک مسئلہ ہے۔ ابن عطیہ نے کہا (2): مجھے میرے والد صاحب نے بتایا فرمایا میں نے ابو الفضل جوہری رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا گیا: **فَأَسْتَبِعْتَهُ لِيَأْتِيَهُ** تو آپ پتھر پر ٹھہر گئے اور ایک پتھر کے ساتھ ٹیک لگائی اور اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور اپنی ٹھوڑی اپنے سینے پر رکھی اور ٹھہر کر

سننے لگے اور آپ کا لباس اون کا تھا۔

میں کہتا ہوں: حسن استماع واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مدح فرمائی فرمایا: الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُ اللَّهُ (الزمر: 18)

اور اس وصف کے خلاف کی مذمت کی ہے فرمایا: نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُونَ بِهَا (بنی اسرائیل: 47)

حضور عقل کے ساتھ کلام کو سننے کے لیے خاموش رہنے والے کی مدد فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ادب سکھانے کے لیے اس کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۰﴾ (الاعراف) اور یہاں فرمایا: فَاسْتَمِعُوا لِمَا يُؤْتِي ﴿۱۰﴾ کیونکہ اس طرح اللہ کی طرف سے سمجھ ملتی ہے۔ وہب بن منبہ سے مروی ہے فرمایا: سننے کے آداب میں سے یہ ہے کہ اعضاء میں سکون ہو آنکھیں جھکی ہوئی ہوں اور توجہ سے سننا اور عقل کا حاضر ہونا اور عمل کرنے کا عزم کرنا۔ وہ استماع جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ یہ ہے کہ بندہ اپنے جوارح کو روکے کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہو کہ اس کا دل اس سے غافل ہو جائے جسے وہ سن رہا ہے اور اپنی نگاہ کو جھکا کر رکھے اور دل کو کسی نظر آنے والی چیز سے غافل نہ کرے اور اپنے عمل کو حاضر رکھے اور جو سن رہا ہے اس کے سوا کسی چیز کو دل میں نہ لائے۔ سمجھنے کا عزم کرے اور جو سمجھے اس پر عمل کرنے کا ارادہ کرے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: علم کا آغاز غور سے سننا ہے، پھر سمجھنا پھر یاد کرنا ہے، پھر عمل کرنا اور پھر آگے پھیلانا ہے جب انسان کتاب اللہ اور نبی کریم ﷺ کی سنت کو سچی نیت سے اس طرح سنتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور اس کے لیے اس کے دل میں نور پیدا کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ﴿۱۰﴾ اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ لِيَذِكْرِي کی تاویل میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ احتمال ہے کہ یہ مراد ہو کہ تو مجھے نماز میں ذکر کرے یا مراد ہے کہ میں اس نماز کی وجہ سے علیین میں مدح کے ساتھ تیرا ذکر کروں۔ اس بنا پر مصدر فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے توحید کے بعد نماز پر استقامت اختیار کر۔ یہ نماز کی قدر کی عظمت پر تشبیہ ہے کیونکہ نماز اللہ کی بارگاہ میں تضرع ہے اور اس کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ اس بنا پر نماز ہی ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نماز کو ذکر کا نام دیا ہے جب تو بھول جائے پھر تجھے یاد آئے تو نماز پڑھ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: فليصلها إذا ذكرها تو نماز پڑھ جب تجھے یاد آئے یعنی بھولنے کی وجہ سے نماز کو ساقط نہ کر۔

مسئلہ نمبر 2۔ امام مالک وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جو نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو جب اسے نماز یاد آئے تو اسے ادا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي“ ابو محمد عبد الغنی بن سعید نے حجاج بن حجاج کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ پہلا حجاج وہ ہے جس سے یزید بن زریج نے روایت کیا ہے فرمایا ہمیں قتادہ نے بتایا انہوں نے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی پاک ﷺ سے اس شخص کے بارے

پوچھا گیا جو نماز کے وقت میں سویا رہا اور اس سے غافل ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس نماز کو ادا کرے جب اسے یاد آئے“ (1)۔ ابراہیم بن طہمان نے حجاج سے روایت کرنے میں اس کی متابعت کی ہے، اسی طرح ہمام بن یحییٰ نے قتادہ سے روایت کیا ہے۔ دارقطنی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا فرمایا: جو نماز بھول جائے تو اس کا وقت وہ ہے جب اسے یاد آئے“ (2)۔ پس فلیصلھا إذا ذکرھا کا قول دلیل ہے کہ سو جانے والے اور غافل پر قضا واجب ہے خواہ نمازیں (جو قضاء ہوئیں) زیادہ ہوں یا کم ہوں۔ یہ عام علماء کا مذہب ہے اور ایک شاذ قول غیر معتد بہ اس کے مخالف بھی حکایت کیا گیا ہے کیونکہ یہ حدیث کی نص کے مخالف ہے وہ یہ ہے کہ بعض علماء سے مروی ہے کہ پانچ نمازوں سے زائد ہو جائیں تو قضاء لازم نہیں۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے نماز کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے اور اوقات معینہ پر نص موجود ہے فرمایا: **أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ** (بنی اسرائیل: 78) اس کے علاوہ بھی نصوص موجود ہیں اور جس نے دن کی نماز کو رات کے وقت ادا کیا یا رات کی نماز کو دن کے وقت ادا کیا تو اس کا فعل اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نہ ہوگا اور نہ اسے اس فعل پر ثواب ملے گا بلکہ وہ گنہگار ہوگا۔ اس تعریف پر جو نماز فوت ہو جائے اس کی قضا واجب نہیں اگر نبی پاک ﷺ کا یہ ارشاد نہ ہوتا: **مَنْ نَامَ عَنِ صَلَاةٍ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيَصِلْهَا إِذَا ذَكَرَهَا** تو کوئی شخص اپنی اس نماز سے نفع حاصل کرنے والا نہ ہوتا جو غیر وقت میں ادا کی جاتی اس اعتبار سے وہ قضا ہوگی ادا نہ ہوگی کیونکہ قضائے حکم کے ساتھ ہے نہ کہ پہلے امر کے ساتھ۔

مسئلہ نمبر 3۔ جس نے جان بوجھ کر نماز کو ترک کر دیا اس کے متعلق جمہور کا نظریہ یہ ہے کہ اس پر قضا کرنا واجب ہے اگرچہ وہ گنہگار ہوگا مگر داؤد کا قول اس کے مخالف ہے۔ ابو عبد الرحمن اشعری شافعی نے داؤد کی موافقت کی ہے اس سے یہ قول ابن القصار نے حکایت کیا ہے اور جان بوجھ کر نماز ترک کرنے والے، بھولنے والے اور سونے والے کے درمیان فرق گناہ کا نہ ہونا ہے جان بوجھ کر ترک کرنے والا گنہگار ہوگا لیکن تمام قضا کریں گے۔ اور جمہور علماء کے قول کی حجت یہ ارشاد ہے: **وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ** (البقرہ: 43) اس میں کوئی تفریق نہیں وہ وقت میں ہو یا وقت کے بعد ہو یہ امر کا صیغہ ہے جو وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ اس طرح سونے والے اور بھولنے والے کی قضا کا امر ثابت ہے لیکن وہ گنہگار ہوگا پس جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے کے لیے نماز کا قضا کرنا زیادہ ضروری ہے۔ نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **مَنْ نَامَ عَنِ صَلَاةٍ أَوْ نَسِيَهَا** اس میں نسیان بمعنی ترک ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **سُئِلُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ** (التوبہ: 67) **سُئِلُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ** (الحشر: 19) خواہ یہ نسیان ذہول سے ہو یا بغیر ذہول کے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ بھولنے سے پاک ہے اس لیے اس کا معنی ہے اس نے انہیں چھوڑ دیا۔ **مَا نَسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا** (البقرہ: 106) اس آیت میں بھی تنسیہ کا معنی نسیان ہے اسی طرح ذکر نسیان اور اس کے علاوہ صورت کے بعد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مَنْ ذَكَرَ فِي نَفْسِهِ ذَكَرَ فِي نَفْسِهِ**، جس نے مجھے اپنے

1۔ صحیح مسلم، کتاب الساجد، قضاء الغائتہ، جلد 1، صفحہ 241۔ ابن ماجہ، باب من نام عن الصلاة ونسيها، حدیث نمبر 686، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن دارقطنی، کتاب الصلوٰۃ، وقت الصلوٰۃ النسیۃ، جلد 1، صفحہ 423

دل میں یاد کیا میں نے اسے یاد کیا۔ اللہ تعالیٰ نسیان سے پاک ہے اس لیے اس کا یاد کرنا نسیان کے بعد نہیں ہوتا اس کا معنی ہے علت، پس اذا ذکرہا کا معنی ہوگا جب وہ اسے جان لے۔ نیز انسان کا وہ قرض جو وقت کے متعلق ہوتا ہے پھر وہ وقت آ جاتا ہے تو اس کے وجوب کے بعد اس کی قضا ساقط نہیں ہوتی (جب وہ ادا نہ کر لے) اور ابوا (بری کرنا) ہی ان کو ساقط کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے قرض میں بھی یہی ہوگا کہ ان میں ابرا صحیح نہیں ہوگا اور ان کی قضا ساقط نہ ہوگی مگر اس کے اذن سے۔ نیز جہاں تک ہمارا تعلق ہے کہ اگر کوئی شخص رمضان کا ایک روزہ ترک کر دے اور جان بوجھ کر بغیر عذر کے ترک کر دے تو اس کی قضا واجب ہے، اسی طرح نماز کی قضا بھی واجب ہوگی۔ اگر یہ کہا جائے کہ امام مالک سے مروی ہے: جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی وہ کبھی اسے قضا نہیں کر سکے گا۔ یہ اشارہ ہے کہ گذشتہ نماز کا اعادہ نہیں کر سکے گا یا یہ بطور سختی کلام فرمائی ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود اور حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ جس نے جان بوجھ کر رمضان کا روزہ افطار کیا پوری زندگی کے روزے بھی اس کا کفارہ نہ ہوں گے اگرچہ وہ روزہ رکھ بھی لے۔ اس کے ساتھ ساتھ ادا کے قائم مقام قضا کے ذریعے حکم کو پورا کرنا اور تو بہ بھی کرنا ضروری ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ جو چاہے گا کرے گا۔ ابوالمطوس نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ”جس نے ایک دن رمضان کا روزہ جان بوجھ کر ترک کیا پوری زندگی کے روزے اس کو پورا نہیں کریں گے، اگرچہ وہ اسے رکھ بھی لے“ (1)۔ یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ اس کا معنی تغلیظ ہو (اگر یہ حدیث صحیح ہو) یہ حدیث ضعیف ہے۔ ابوداؤد نے اس کو تخریج کیا ہے۔ احادیث صحیح میں کفارہ کا ذکر موجود ہے اور بعض میں اس دن کی قضا کا ذکر ہے۔ الحمد للہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 4۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: من نام عن صلاح أو نسيها (2)، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتى يستيقظ (3) کے عموم کی تخصیص کرتا ہے اور یہاں رفع سے مراد گناہ کا اٹھنا ہے نہ کہ فرض کا اٹھنا یہ اس قول سے نہیں ہے۔ عن الصبی حتى يعتلم بچے مکلف نہیں ہے حتیٰ کہ بالغ ہو جائے۔ اگرچہ یہ دونوں حکم ایک حدیث میں آئے ہیں پس اس اصل پر آگاہی حاصل کر۔

مسئلہ نمبر 5۔ اس معنی میں علماء کا اختلاف ہے جسے فوت شدہ نماز یاد آئے جبکہ وہ نماز کے آخری وقت میں ہو یا وہ نماز میں ہو۔ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ جسے نماز یاد آئے جبکہ دوسری نماز کا وقت ہو چکا ہو تو پہلے وہ نماز پڑھے جو وہ بھول گیا تھا۔ قضا شدہ نمازیں پانچ ہوں یا اس سے کم ہوں اگرچہ اس نماز کا وقت فوت بھی ہو جائے اور اگر پانچ نمازوں سے زیادہ ہوں تو پہلے وقتی نماز کو پڑھے۔ امام ابوحنیفہ، ثوری اور لیث کا مذہب بھی یہی ہے مگر امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں: ہمارے نزدیک ایک دن اور ایک رات کی نمازوں میں ترتیب واجب ہے جب فوت شدہ نماز اور وقتی نماز کے لیے وقت میں

1۔ ترمذی، باب ما جاء في الافطار متعدد، حدیث نمبر 655، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، الحدیث عن ذکر اللہ تعالیٰ، جلد 2، صفحہ 341

3۔ ابوداؤد، باب فی السجود یسرق او یصیبہ الامم، حدیث نمبر 3822، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وسعت ہو اور اگر وقتی نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو پہلے وقتی نماز ادا کرے اور اگر پانچ نمازوں سے زیادہ نمازیں قضا ہو جائیں تو ان کے نزدیک ترتیب واجب نہیں ہوتی۔ ثوری سے ترتیب کا وجوب مروی ہے انہوں نے قلیل اور کثیر میں کوئی فرق نہیں کیا۔ یہ امام شافعی کے مذہب کا حاصل ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: فوت شدہ کو پہلے پڑھے جب تک وقتی نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو اگر وہ ایسا نہ کرے اور وقتی نماز پہلے پڑھے تو بھی انہوں نے جائز قرار دیا ہے۔ اثرم نے ذکر کیا ہے کہ امام احمد کے نزدیک ساٹھ سال کی نمازوں اور اس سے زائد نمازوں میں بھی ترتیب واجب ہے انہوں نے فرمایا: کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ نماز پڑھے جبکہ اسے اس سے پہلے والی فوت شدہ نماز یاد ہو کیونکہ یہ نماز اس پر فاسد ہوگی۔ دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی اپنی فوت شدہ نماز کو یاد کر لے جبکہ وہ نماز میں ہو تو اس سے آغاز کرے جس میں وہ مشغول تھا جب اس سے فارغ ہو جائے تو وہ نماز پڑھے جو بھول گیا تھا“۔ اس کی سند میں عمر بن ابی عمر مجہول ہے۔ میں کہتا ہوں: اگر یہ صحیح ہوتی تو امام شافعی کے قول کے لیے حجت ہوتی کہ وقتی نماز کو پہلے پڑھے۔ صحیح وہ ہے جو اہل صحیح نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے جنگ خندق کے دن کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے اور عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم! میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی حتیٰ کہ سورج غرب ہونے کے قریب پہنچ گیا۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! میں نے بھی نماز عصر نہیں پڑھی ہے“۔ پھر ہم بطحان کے مقام پر اترے نبی پاک ﷺ نے وضو فرمایا اور ہم نے بھی وضو کیا۔ پھر نبی پاک ﷺ نے سورج کے غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھی پھر مغرب کی نماز پڑھی۔ یہ نص ہے کہ پہلے فوت شدہ نماز پڑھے پھر وقتی نماز پڑھے، خصوصاً مغرب کی نماز اس کا وقت تنگ ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک مشہور مذہب میں اس کا وقت ممتد نہیں ہوتا۔ امام شافعی کے نزدیک بھی یہی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ امام ترمذی نے ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعود سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ مشرکین نے نبی پاک ﷺ کو خندق کے روز چار نمازوں سے مشغول کیا حتیٰ کہ رات کا کچھ حصہ گزر گیا جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ آپ ﷺ نے حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم دیا۔ حضرت بلال اٹھے اور اذان دی پھر اقامت کہی۔ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی پھر اقامت ہوئی اور عصر کی نماز پڑھی پھر اقامت ہوئی اور مغرب کی نماز پڑھی پھر اقامت ہوئی اور عشاء کی نماز پڑھی (1)۔ اس سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ جس کی بہت سی نمازیں فوت ہو جائیں وہ اسی ترتیب سے قضا کرے جس طرح فوت ہوئی تھیں جب اسی ایک وقت میں یاد آ جائیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے جب فوت شدہ نماز اس وقت یاد آ جائے جبکہ وقتی نماز کا وقت تنگ ہو۔ علماء کے تین اقوال ہیں۔ (1) پہلے فوت شدہ نماز ادا کرے اگر چہ وقتی نماز کا وقت نکل بھی جائے، یہ امام مالک، لیث اور زہری وغیرہم کا قول ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ (2) پہلے وقتی نماز پڑھے یہ حسن، شافعی اور اصحاب الحدیث کے فقہاء، محاسبی، ابن وہب مالکی کا قول ہے۔ (3) اسے اختیار ہے جو چاہے پہلے پڑھے؛ یہ اشہب کا قول ہے۔ پہلی وجہ نماز کی کثرت ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ زیادہ نمازیں ہوں تو وقتی نماز کو پہلے پڑھے؛ یہ قاضی

عیاض کا قول ہے۔ اور تھوڑی مقدار میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک سے مروی ہے کہ وہ پانچ اور اس سے کم ہیں۔ بعض نے فرمایا: چار اور اس سے کم ہیں۔ یہ حضرت جابر کی حدیث کی وجہ سے ہے اور چھ کے کثیر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

مسئلہ نمبر 6۔ رہا وہ شخص جس کو نماز یاد آ جائے جبکہ وہ نماز میں ہوا اگر وہ امام کے پیچھے ہو تو جو ترتیب کے وجوب کا قول کرتے ہیں اور جو وجوب ترتیب کا قول نہیں کرتے سب کے نزدیک یہ ہے کہ وہ امام کے ساتھ نماز جاری رکھے حتیٰ کہ اپنی نماز مکمل کر لے۔ اس میں اصل وہ حدیث ہے جو امام مالک اور دارقطنی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے فرمایا: جو تم میں سے کوئی نماز بھول جائے اور اسے یاد نہ آئے مگر جب وہ امام کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو تو وہ امام کے ساتھ نماز پڑھے جب اس نماز سے فارغ ہو تو وہ نماز پڑھے جو وہ بھول چکا تھا پھر دوبارہ وہ نماز پڑھے جو اس نے امام کے ساتھ پڑھی تھی۔ دارقطنی کا لفظ ہے۔ موسیٰ بن ہارون نے کہا ہمیں ابو ابراہیم ترجمانی نے بیان کیا فرمایا ہمیں سعید نے یہ حدیث بیان کی اور انہوں نے اسے نبی کریم ﷺ تک پہنچایا اور مرفوع روایت میں ان کا وہم ہے۔ اگر انہوں نے اس کے رفع سے رجوع کر لیا ہے تو اس نے صواب کی موافقت کی ہے۔ پھر علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل نے کہا: پہلے فوت شدہ نماز پڑھے پھر وہ نماز پڑھے جو امام کے ساتھ بڑھی مگر یہ کہ ان دونوں نمازوں کے درمیان پانچ نمازوں سے زیادہ ہوں جیسا کہ کوفیوں سے پہلے روایت کیا گیا ہے۔ یہ امام مالک کے مدنی اصحاب کا مذہب ہے۔ خرقی نے امام احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے فرمایا: جسے فوت شدہ نماز یاد آئے جبکہ وہ دوسری نماز میں ہو تو وہ اسے مکمل کر لے اور پھر یاد آنے والی نماز قضا کر لے اور پھر اس کا اعادہ کرے جس میں پہلے تھا جبکہ وقت میں وسعت ہو اگر اسے وقت کے نکلنے کا اندیشہ ہو اور وہ نماز میں یہ اعتقاد رکھے کہ وہ اس کا اعادہ نہیں کرے گا تو اس کی وہ نماز جائز ہو جائے گی تو پھر وہ قضا نماز ادا کرے۔ امام مالک نے فرمایا: جس کو نماز یاد آئے جبکہ وہ نماز میں ہو اور دو رکعتیں پڑھ چکا ہو تو دو رکعتوں پر سلام پھیر دے۔ اگر وہ امام ہو تو اس کی اور مقتدیوں کی نماز باطل ہو جائے گی؛ یہ امام مالک کا ظاہر مذہب ہے لیکن امام مالک کے اصحاب میں سے اہل نظر کا نظریہ اس طرح نہیں ہے کیونکہ ان کا قول اس شخص کے بارے میں جسے نماز میں فوت شدہ نماز یاد آئی جبکہ وہ ایک رکعت پڑھ چکا تھا تو اس کے ساتھ دوسری رکعت ملا لے اور سلام پھیر دے وہ نماز نفل ہو جائے گی فاسد نہ ہوگی۔ اگر وہ نماز ٹوٹ جاتی اور باطل ہو جاتی تو اسے دوسری رکعت ملانے کا حکم نہ دیا جاتا جیسا کہ اگر ایک رکعت میں حدیث لاحق ہو جائے تو دوسری رکعت اس کے ساتھ نہیں ملائے گا۔

مسئلہ نمبر 7۔ امام مسلم نے ابو قتادہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم ﷺ نے ہمیں خطاب فرمایا حدیث المیضاة طویل ذکر کی اس میں فرمایا: أما لکم فی اسوۃ کیا تمہارے لیے میری ذات میں اسوہ نہیں ہے۔ پھر فرمایا: ”سونے کی صورت میں تفریط (کوتاہی) نہیں ہے کوتاہی تو اس پر ہے جس نے نماز نہ پڑھی حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت آ گیا جس نے ایسا کیا وہ نماز پڑھے جب بیدار ہو جب دوسرا دن ہو جائے تو اس کو اس کے وقت میں ادا کرنے“۔ اس حدیث کو دارقطنی نے ذکر کیا ہے اسی طرح مسلم کے الفاظ کے برابر ہے۔ پس اس کا ظاہر دوسرے اعادہ کا تقاضا کرتا ہے۔ اس کی یاد کے وقت اور آنے والے وقت میں اس کی مثل نماز کی ادائیگی کے وقت۔ اس کی تائید وہ حدیث بھی کرتی ہے جو ابو داؤد نے عمران بن حصین کی حدیث سے

نقل کی ہے اور انہوں نے واقعہ ذکر کیا ہے اور اس کے آخر میں ہے: ”تم میں سے جو دوسرے دن صبح کی نماز کو پائے تو وہ اس کے ساتھ اس کی مثل ادا کرے“ (1)۔

میں کہتا ہوں: یہ اپنے ظاہر پر نہیں ہے ایک مرتبہ اعادہ کیا جائے گا کیونکہ دارقطنی نے عمران بن حصین سے روایت کیا ہے فرمایا: ہم ایک غزوہ میں نبی پاک ﷺ کے ساتھ چلے جب سحری کا وقت تھا تو ہم نے پڑاؤ کیا ہم بیدار نہ ہوئے حتیٰ کہ سورج کی دھوپ نے ہمیں بیدار کیا ہم میں ایک شخص گھبرا کر اٹھا جب نبی پاک ﷺ بیدار ہوئے تو ہمیں وہاں سے چلنے کا حکم دیا پھر ہم چلتے رہے حتیٰ کہ سورج بلند ہو گیا لوگوں نے قضاء حاجت کی پھر حضرت بلال کو آپ ﷺ نے اذان دینے کا حکم دیا انہوں نے اذان دی پھر ہم نے دو رکعتیں ادا کیں پھر آپ ﷺ نے حضرت بلال کو اقامت کہنے کا حکم دیا پھر ہم نے صبح کی نماز پڑھی ہم نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! کیا ہم کل ان دو رکعتوں کو ان کے وقت میں ادا نہیں کریں گے۔ نبی پاک ﷺ نے انہیں فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ تمہیں ربا (سود) سے منع کرتا ہے اور تم سے وہ (سود) قبول کرے گا۔ خطابی نے کہا: میں کسی کو نہیں جانتا جس نے وجوبی طور پر یہ کہا ہو مناسب یہی ہے کہ یہ امر استجاب کے لیے ہوتا کہ قضا میں وقت کی فضیلت کا خیال رکھا جائے۔ صحیح یہ ہے کہ اس پر عمل متروک ہے کیونکہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ تمہیں سود سے منع کرتا ہے تم سے وہ قبول کرے گا“ (2)۔ صحاح کے طرق جو عمران بن حصین کی حدیث کے ہیں ان میں اس زیادتی میں سے کچھ بھی نہیں ہے مگر جو ابوقتاہ کی حدیث سے ذکر کیا گیا ہے وہ محتمل ہے جیسا کہ ہم نے اس کو بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: الکیا طبری نے (احکام القرآن) میں ذکر کیا ہے کہ سلف میں سے ایسے بھی ہیں جو نبی کریم ﷺ کے ارشاد: من نسی صلاة فليصلها اذا ذكرها لا كفارة لها الا ذلك، کی مخالفت کی ہے انہوں نے کہا: اس کے وقت کی مثل تک صبر کرے پھر نماز پڑھے اور جب صبح کی نماز فوت ہو جائے تو اسے دوسرے دن صبح ادا کرے، یہ شاذ قول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيهَا لِيُجْزِيَ كُلَّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ۝ یہ مشکل آیت ہے۔ سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ انہوں نے اکاد اُخْفِيهَا ہمزہ کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ فرمایا: اس کا معنی ہے ظاہر کرنا۔ لِيُجْزِيَ جزا کے لیے اظہار کرنا۔ اس کو ابو عبید نے کسائی سے روایت کیا ہے انہوں نے محمد بن سہل سے انہوں نے ورقاء بن ایاس سے انہوں نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے۔ نحاس نے کہا: اس حدیث کا اس طریق کے علاوہ کوئی طریق نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: ابو بکر انباری نے کتاب الرد میں روایت کیا ہے: حدثني ابي حدثنا محمد بن الجهم الفراء حدثنا الكساني، حدثنا عبد الله بن ناجيه حدثنا يوسف حدثنا يحيى الحمان حدثنا محمد بن سهل، نحاس نے کہا: اس سند سے عمدہ وہ ہے جو یحییٰ القطان نے ثوری سے انہوں نے سائب سے انہوں نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: اکاد اُخْفِيهَا ہمزہ کے ضم کے ساتھ ہے۔

میں کہتا ہوں: ابن جبیر کی قرأت، اُخْفِيهَا ہمزہ کے فتح کے ساتھ مذکورہ سند کے ساتھ ہے۔ ابو بکر انباری نے کہا: فراء نے

کہا اس کا معنی ہے اظہرہا یہ خفیت الشئ اخفیہ سے مشتق ہے جب تو اس کو ظاہر کر دے۔ فراء نے بطور دلیل امرء القیس کا یہ شعر پڑھا ہے:

فَإِنْ تَدْفِنُوا الدَّاءَ لَانْخَفِيَ وَإِنْ تَبْعَثُوا الْحَرْبَ لَانْقَعَدَ

شاعر کی لانخفہ سے مراد لانظہرہ (ہم ظاہر نہیں کریں گے) ہے بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ اخفیہا ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ بھی جائز ہے اس کا معنی ہے اظہرہا کیونکہ کہا جاتا ہے: خفیت الشئ واخفیتہ جب اسے ظاہر کر دے۔ فاخفیتہ اضداد کے حروف میں سے ہے پوشیدہ کرنا اور ظاہر کرنا دونوں معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: خفیت واخفیت دونوں کا ایک معنی ہے۔ نحاس نے کہا: یہ عمدہ ہے یہ ابوالخطاب سے اس نے روایت کیا ہے یہ اہل لغت کے رؤساء میں سے ایک تھا اس کے صدق میں شک نہیں کیا جاتا۔ سیبویہ نے اس سے روایت کیا ہے۔ شاعر نے کہا:

وَإِنْ تَكْتُمُوا الدَّاءَ لَانْخَفِيَ وَإِنْ تَبْعَثُوا الْحَرْبَ لَانْقَعَدَ

اسی طرح ابو عبیدہ نے ابوالخطاب سے نون کے ضمہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔
امرء القیس نے کہا:

خَفَاهُنَّ مِنْ أَنْفَاقِهِنَّ كَأَنَّمَا خَفَاهُنَّ وَذُقُّ عَنِ عَشِيٍّ مُجَلَّبٍ

خفاهن کا معنی اظہرہن ہے۔ عشی مجلب کی جگہ من سحاب مرکب بھی مروی ہے۔ ابوبکر انباری نے کہا: ایک دوسری تفسیر بھی کی گئی ہے۔ إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ، اکاد پر کلام ختم ہوئی اور اس کے بعد کلام مضمّر ہے اکاد اقی بہا اور ابتدا اُخْفِيهَا لِتُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ سَے ہے ضابطی برجی نے کہا:

هَمْنْتُ وَلَمْ أَفْعَلْ وَكِدْتُ وَلِيَتَنِي تَرَكْتُ عَلَى عَشَانَ تَبْكِي حَلَالِيْلَةَ

اس سے مراد وکدت افعل ہے کدت کے ساتھ فعل مضمّر ہے جیسے قرآن میں اس کے ساتھ فعل مضمّر ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ نحاس نے اختیار کیا ہے اور اس سے پہلے قول کو صحیح نہیں سمجھا اس نے کہا: کہا جاتا ہے: خفی الشئ يخفیه جب وہ ظاہر کرے۔ اور اس نے یہ بھی حکایت کیا ہے کہ کہا جاتا ہے: أخفاه جب وہ کسی چیز کو ظاہر کرے اور یہ معروف نہیں ہے۔ انہوں نے کہا: میں نے علی بن سلیمان کو دیکھا جب اس پر اخفیہا کا معنی بیان کرنا مشکل ہوا تو اس نے اس قول کی طرف عدول کیا اور کہا: اس کا معنی واخفیہا کے معنی کی طرح ہے۔ نحاس نے کہا: یہ اظہرہا کے معنی پر نہیں ہے، خصوصاً اخفیہا شاذ قرأت ہے پس قرأت صحیحہ کو شاذ قرأت کی طرف کیسے پھیرا جاتا ہے؟ مضمّر کے معانی اولیٰ ہیں۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی: ان الساعة آتیہ اکاد اقی بہا، آتیہ پر آتی بہا دلالت کرتا ہے پھر فرمایا: اخفیہا سے نئی کلام ہے۔ یہ معنی صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کو مخفی رکھا اور الساعة جس میں انسان مرتا ہے اس کو بھی مخفی رکھا تا کہ انسان اچھے اعمال کرتا رہے اس سے اس معاملہ کو مخفی رکھا تا کہ وہ توبہ کو مؤخر نہ کرے۔

میں کہتا ہوں: اس قول کی بنا پر لتجزی میں جو لام ہے وہ اخفیہا کے متعلق ہوگا۔ ابو علی نے کہا: یہ سلب کے باب سے

ہے۔ اصداد کے باپ سے نہیں ہے۔ اخفیہا کا معنی ہے اس سے خفا کو زائل کیا اور وہ اس کا ڈھانپنا ہے، جیسے خفاء الأخیہ اس سے مراد چادریں ہیں اور اس کا واحد خفاء خاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ جس کو اوپر لپیٹا جائے۔ (چادر) اور جب اس سے پردہ زائل کر دیا تو وہ ظاہر ہوگئی یہ عربوں کے اس قول سے ہے: أشکیتہ میں نے اس کی تکلیف دور کی۔ اعدیتہ میں نے اس کی جانب سے مدد طلب کرنے کو قبول کیا اور اسے اس کے اعادہ کا موقع نہ دیا۔ ابو حاتم نے انفس سے حکایت کیا ہے کہ کاد زائدہ مؤکدہ ہے۔ اور فرمایا: اس کی مثال إِذَا أَخْرَجَ يَدَكَ لَمْ يَكُنْ يَدْرِهَا (النور: 40) ہے، کیونکہ وہ ظلمات جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے ان میں سے بعض ناظر اور منظور الیہ کے درمیان حائل ہو جاتی ہیں؛ یہ معنی ابن جبر سے مروی ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے: إن الساعة آتیہ أخفیہا کل نفس بما تسعی، شاعر نے کہا:

سریعٌ إلى الهیجاءِ شاکِ سِلَاحُهُ فَمَا إِنْ يَكَادُ قِرْنُهُ يَتَنَفَّسُ

شاعر نے فَمَا يَتَنَفَّسُ کا معنی مراد لیا ہے۔ ایک اور شاعر نے کہا:

وَأَلَّا أَلْوَمِ النَّفْسِ فِيمَا أَصَابَنِي وَأَلَّا أَكَادُ بِالذِّي نِلْتُ أَنْجَحُ

اس کا معنی ہے ألا أنجح بالذی نلتہ، پس اکاد کلام کی توکید کے لیے ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اکاد اخفیہا کا معنی ہے میں اس کو قریب کروں گا، کیونکہ جب تو کہتا ہے: کاد زیدٌ یقوم یہ دونوں صورتوں میں جائز ہے، خواہ زید کھڑا ہو یا کھڑا نہ ہو۔ اس پر دلیل یہ ہے اس نے اس کو مخفی کیا اس جواب پر اس کے علاوہ کی دلالت کی وجہ سے۔ لغوی علماء نے کہا: کدت أفعال کا معنی عربوں کے نزدیک یہ ہے کہ میں فعل کے قریب تھا اور میں نے وہ فعل کیا نہیں اور ما کدت أفعال کا معنی ہے میں نے تاخیر کے بعد وہ کام کیا۔ اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: فَذَبْحُوا وَ مَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٥٠﴾ (البقرہ) اس کا مطلب ہے انہوں نے تاخیر کے بعد یہ کام کیا کیونکہ ان پر گائے کا پانا مشکل ہو گیا تھا۔ کبھی ما کدت أفعال کا معنی ہوتا ہے ما فعلت ولا تقاربت جب کلام کو اکاد کے ساتھ مؤکد کیا جائے۔ بعض علماء نے فرمایا: اکاد اخفیہا کا معنی ہے میں اس کو چھپانا چاہتا ہوں۔ انباری نے کہا: اس کی دلیل یہ شعر ہے:

كَادَتْ وَ كِدْتُ وَ تِلْكَ خَيْرُ إِرَادَةٍ لَوْعَادَ مَنْ لَهْوِ الصَّبَابَةِ مَامَضُوا

اس کا معنی ہے ارادت و أردت، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین نے کہا جیسا کہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے کہ اس کا معنی ہے اکاد اخفیہا من نفسی اسی طرح حضرت ابی کے مصحف میں تھا اور حضرت ابن مسعود کے مصحف میں اس طرح تھا: اکاد اخفیہا من نفسی فکیف یعلیہا مخلوق۔ اور بعض قراتوں میں ہے فکیف أظہرہا لکم یہ اس پر محمول ہے جو عربوں کی عادت ہے کہ جب کوئی کسی چیز کو چھپانے میں مبالغہ کرے تو کہتا ہے: کدت أخفیہ من نفسی اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے؛ یہ معنی قطرب وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ شاعر نے کہا:

أَيَّامٌ تَصْحَبُنِي هِنْدٌ وَأَخْبَرُهَا مَا أَكْتَمُ النَّفْسَ مِنْ حَاجِي وَأَسْرَارِي

پس وہ کیسے اسے اس کی خبر دیتا ہے جو اس نے اپنے نفس سے چھپایا ہوا ہے۔

اسی باب سے نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے: رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تَنْفَقَ بَيْنِيهِ، وہ

فخص جو صدقہ کرے اور اتنا خفیہ طریقہ سے کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو جو اس کے دائیں ہاتھ نے خرچ کیا ہے۔ بعض علماء نے کہا: اس کا معنی ہے اکاد اُخفیہا من نفسی، (1) اس مخدوف پر کلام میں کوئی دلیل نہیں ہے اور ایسا مخدوف جس پر دلیل نہ ہو وہ مطروح ہے اور جنہوں نے یہ معنی بیان کیا ہے انہوں نے حضرت ابی بن کعب کے مصحف کی عبارت کی وجہ سے یہ کہا اس میں ہے اکاد اُخفیہا من نفسی اور بعض مصاحف میں ہے اکاد اُخفیہا من نفسی فکیف اُظہر کم علیہا۔

میں کہتا ہوں بعض علماء نے کہا: جنہوں نے اکاد اُخفیہا من نفسی کہا ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اخنا میری طرف سے تھا کسی غیر کی طرف سے نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے اکاد اُخفیہا من نفسی اور طلحہ بن عمرو نے عطا سے یہ روایت کیا ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے فرمایا: میں اس پر کسی کو ظاہر نہیں کروں گا۔ سعید بن جبیر سے مروی ہے فرمایا: قد اُخفاہا یہ اس بنا پر ہے کہ کاخ اندہ ہے یعنی قیامت آنے والی ہے جس کو میں نے پوشیدہ رکھا ہے اور پوشیدہ رکھنے کا فائدہ تخویف (ڈرانا) اور تہویل (ہولناکی بیان کرنا) ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: لِحُجْرِي كَاتِلِقٍ وَاقِمِ الصَّلَاةَ سے ہے۔ پس کلام میں تقدیم و تاخیر ہے؛ یعنی اقم الصلاة لتذکر فی۔

لِحُجْرِي كُلِّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَى ⑤، یعنی بسعیہا إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا، واللہ اعلم۔ بعض علماء نے فرمایا: لتجزی، آتية کے متعلق ہے یعنی ان الساعة آتية لتجزی، فَلَا يُصَدِّدَنَّكَ عَنْهَا لِيَعْنِي اس پر ایمان لانے سے اور اس کی تصدیق کرنے سے تجھے نہ پھیرے۔ مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هُوَ فَتَرْدِي، فتردی کا معنی فتهلك ہے یہ نبی کے جواب میں ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَى ⑥ قَالَ هِيَ عَصَايَ ⑦ أَتَوَكَّلُوا عَلَيْهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ الْغَافِلِينَ ⑧

عَنْ يَمِينِي وَإِلَى يَمِينِي مَا رَبُّ الْأَخْرَى ⑨

”اور (ندا آئی) یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ! عرض کی: (میرے رب) یہ میرا عصا ہے، میں

فیک لگاتا ہوں اس پر اور میں پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں کے لیے اور میرے لیے اس میں کئی اور

فائدے بھی ہیں۔“

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ، بعض علماء نے فرمایا: یہ خطاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کیا گیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاسْتَجِبْ لَهُ بِأُذُنٍ ⑩ (غور سے سنو جو وحی کیا گیا ہے) اور نبی

کی ذات میں ایک معجزہ کا ہونا ضروری ہے جس کے ساتھ وہ اپنی نبوت کی صحت کو جان لے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ

علیہ السلام کو عصا میں اور اپنی ذات میں معجزہ کی صورت دکھائی۔ یہ بھی جائز ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے درخت میں معجزہ دکھایا تھا وہ

ان کی ذات کے لیے کافی ہو پھر ہاتھ اور عصا زیادہ تاکید کے لیے ہوں اور بطور دلیل اپنی قوم کو یہ پیش کیے ہوں۔ وَمَا تِلْكَ

میں جو ما ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ زجاج اور فراء نے کہا: یہ اسم ناقص ہے یمینک کے ساتھ ملایا گیا ہے، یعنی ما التي بیسینک؛ فراء نے یہی کہا ہے سوال کا مقصود امر کا ثبوت ہے تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں یہ میرا عصا ہے تاکہ حجت اعتراف کے بعد ان پر ثابت ہو جائے، ورنہ اللہ تعالیٰ تو ازل سے جانتا ہے کہ وہ کیا ہے۔ ابن جوہری نے کہا: بعض آثار میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عتاب فرمایا کہ انہوں نے عصا کی نسبت اپنی طرف کر دی تو انہیں کہا گیا اپنا عصا ڈالو تاکہ اس سے تم تعجب دیکھ لو اور تم جان لو کہ تمہاری اس پر ملکیت نہیں ہے اور تمہاری طرف منسوب نہیں ہے۔ ابن ابی اسحاق نے عصف پڑھا ہے۔ یہ لغت ہذیل کی بنا پر ہے اس کی مثل یا بشرتی اور محتی یہ پہلے گزر چکا ہے۔ حسن نے عصای التقاء ساکنین کی وجہ سے یا کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کی مثل حمزہ کی قرأت ہے۔ وَمَا أَنْتُمْ بِبُصْرَىٰ (ابراہیم: 22) ابن ابی اسحاق نے یا کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ ایک سوال کے بہت سے جواب دیے جاسکتے ہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے پوچھا: وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسَىٰ ﴿۱۰﴾ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چار چیزیں ذکر کیں۔ عصا کی نسبت اپنی طرف کی، حق تو یہ تھا کہ صرف عصا کہتے۔ التوکو (سہارا لینا) الہش (پتے جھاڑنا) اور مارب اخری (دوسرے فائدے) کا ذکر کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا کے بڑے بڑے اور عمدہ فوائد کا ذکر فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سمندر کے پانی کے بارے پوچھا گیا فرمایا: ”اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے“ (1)۔ ایک عورت نے چھوٹے بچے کے متعلق پوچھا جب وہ آپ کے پاس لے آئی تھی اس نے پوچھا (حضور!) کیا اس پر حج ہے؟ فرمایا ”ہاں اور تیرے لیے اجر ہے“۔ اس کی مثالیں حدیث میں کثرت سے ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَتَوَكَّلُ عَلَيْهَا لِيُخَلِّصُنِي مِنَ الْوَقْدِ الْاِسْكَاءِ ہے۔ وَ اَهْشُ بِهَا اور اِهْش بھی ہے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے یہ نخعی کی قرأت ہے یعنی میں اس کے ساتھ پتے جھاڑتا ہوں یعنی درختوں کی ٹہنیوں کو مارتا ہوں تاکہ اس کے پتے گریں تاکہ میری بکریوں پر ان کا کھانا آسان ہو جائے۔ راجز نے کہا:

أَهْشُ بِالْعَصَا عَنِ أَغْنَامِي مِنْ نَاعِمِ الْأَرَاكِ وَالْبِشَامِ

کہا جاتا ہے: هَشْ عَنِ غَنَمِهِ يَهْشُ۔ هَاءُ كِ الضَّمِّ كِ سَاثِمِ۔ هَشْ إِلَى الرَّجْلِ يَهْشُ، هَاءُ كِ الْفَتْحِ كِ سَاثِمِ۔ اِسِي طَرِحِ هَشْ يَهْشُ وَ هَشِشْتُ اِنَا هِي۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: هَشِشْتُ يَوْمًا فَقَبِلْتُ وَأَنَا صَائِمٌ (2)۔ شمر نے کہا: اس کا معنی ہے میں خوش ہوا اور شوق پورا کیا۔ فرمایا: هَشْ بِمَعْنَى هَشْ بِمَعْنَى جَائِزٍ هِي۔ شاعر نے کہا:

فَكَبَّرَ لِلرَّؤْيَا دَهَاشَ فَوَادَةَ وَبَشَّرَ نَفْسًا كَانَتْ قَبْلَ يَلُومُهَا

یعنی اس کا دل خوش ہوا۔ هَشْ كَالنَّوِي مَعْنَى رِخَادَةٍ هِي۔ کہا جاتا ہے: رَجُلٌ هَشٌّ وَ زَوْجٌ هَشٌّ۔ عَكْرَمَةُ نَعْنَى اِسِي اَهْشُ پڑھا ہے، یعنی سین کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اِنِ دُونِ اللَّغْوِ كَالْاِسِي مَعْنَى هِي۔ بعض نے فرمایا: اِنِ دُونِ اللَّغْوِ كَالْاِسِي مَعْنَى هِي۔

معنی مختلف ہے۔ الہس کا معنی درختوں کے پتے جھاڑنا ہے اور الہس کا معنی بکریوں کو جھڑکنا ہے، یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح زمخشری نے ذکر کیا ہے۔ عکرمہ سے اہس یعنی سین کے ساتھ مروی ہے، یعنی میں اس کے ساتھ بکریوں کو زجر کرتا ہوں۔ الہس کا معنی بکریوں کو جھڑکنا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلِي فِيهَا مَأْرِبٌ أُخْرَى** ①، مَأْرِبٌ سے مراد ضروریات ہیں۔ اس کا واحد مَأْرِبَةٌ اور مَأْرِبَةٌ اور مَأْرِبَةٌ ہے۔ اور اخروی واحد کا صیغہ ذکر فرمایا کیونکہ مَأْرِبٌ جماعت کے معنی میں ہے، لیکن توابع میں واضح طریقہ یہ ہے کہ غیر ذوی العقول کی جمع مفرد ہو اور اس کے لیے بھی کنایہ ہو کیونکہ وہ واحد مونث کے قائم مقام ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا** (الاعراف: 180) اور ارشاد ہے: **يُجِبَالٌ أَوْ يَبِي مَعْنَى** (سباء: 10) یہ سورہ اعراف میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ ایک قوم نے عصا کے منافع کو شمار کیا ہے ان میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں فرمایا: جب میں کنویں پر پہنچتا ہوں اور اس کی رسی چھوٹی ہوتی ہے تو اس کو عصا کے ساتھ باندھ دیتا ہوں جب مجھے سورج کی گرمی لگتی ہے تو اسے زمین میں گاڑ دیتا ہوں اور اس پر کوئی چیز ڈال دیتا ہوں جو مجھ پر سایہ کرتی ہے۔ جب مجھے زمین کے کیزے مکوزوں کا خوف ہوتا ہے تو میں انہیں عصا کے ساتھ مار دیتا ہوں اور جب چلتا ہوں تو اسے کندھے پر رکھ لیتا ہوں اور اس پر اپنی کمان، ترکش اور جھولا لٹکا دیتا ہوں اور اس کے ذریعے بکریوں سے درندوں کو دور کرتا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے میمون بن مہران نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: عصا رکھنا انبیاء کی سنت ہے اور مومن کی علامت ہے۔ حسن بصری نے کہا اس میں چھ خصائل ہیں۔ (۱) انبیاء کی سنت ہے۔ صلحاء کی زینت ہے۔ دشمنوں کی خاطر یہ ہتھیار ہے۔ کمزوروں کے لیے مدد کا باعث ہے۔ منافقین کے لیے غم کا باعث ہے اور طاعات میں زیادتی کا باعث ہے۔ کہا جاتا ہے: جب مومن کے ساتھ عصا ہوتا ہے تو اس سے شیطان بھاگتا ہے اور اس سے منافق اور فاجر ڈرتا ہے۔ جب نماز پڑھتا ہے تو وہ اس کے قبلہ (کی طرف سترہ) ہوتا ہے اور جب مومن کمزور ہوتا ہے تو یہ اس کے لیے قوت کا سبب ہوتا ہے۔ حجاج ایک اعرابی کو مذا اور پوچھا: تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس نے کہا: میرا عصا ہے، اسے میں نماز کے لیے زمین میں گاڑھتا ہوں، میں اسے اپنے دشمنوں کے لیے تیار رکھتا ہوں، اس کے ساتھ اپنے جانور ہانکتا ہوں، سفر میں اس کے ساتھ قوت حاصل کرتا ہوں، چلتے وقت اس پر سہارا لیتا ہوں تاکہ لمبے قدموں سے چلوں اور اس کے ساتھ نہر عبور کرتا ہوں، یہ مجھے ٹھوکر لگنے سے محفوظ رکھتا ہے، اس پر کپڑے ڈالتا ہوں جو مجھے گرمی سے بچاتا ہے اور ٹھنڈک سے بچاتا ہے۔ اور اس کے ذریعے اس چیز کو قریب کرتا ہوں جو مجھ سے دور ہوتی ہے۔ یہ میرے دسترخوان کا عمل ہے اور میرے دوسرے سامان کو لٹکانے کا ذریعہ ہے۔ لڑائی کے وقت اس کے ساتھ لڑائی کرتا ہوں، اس کے ساتھ دروازوں کو کھٹکھٹاتا ہوں، اس کے ساتھ کتوں کے کانٹے سے بچتا ہوں، ہم عمروں کے مقابلہ کے لیے تیر اور کوار کا کام دیتا ہے، یہ میرے باپ کا ورثہ ہے اور یہ میں اپنے بیٹے کو ورثہ میں دوں گا، اس کے ساتھ اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لیے اور بھی لاتعداد منافع ہیں۔

میں کہتا ہوں: عصا کے منافع کثیر ہیں۔ بعض مقامات میں شرعی اعتبار سے اس کا دخل ہوتا ہے مثلاً صحراء میں قبلہ بنایا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی کھوٹی تھی جس کو گاڑھا جاتا تھا اور آپ ﷺ اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ جب عید کے دن آپ نکلتے تھے تو کھوٹی گاڑھنے کا حکم دیتے تھے وہ آپ کے سامنے گاڑھی جاتی تھی اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ اور یہ صحیح میں ثابت ہے۔ الحربة، العنزہ، النیزک، والالة یہ تمام ایک مسمی کھوٹی کے نام ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی ایک کھوٹی تھی جس کے ساتھ آپ حجر اسود کی طرف اشارہ کرتے تھے جب اس کو بوسہ دینے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ یہ بھی صحیح میں ثابت ہے۔ موطا میں سائب بن یزید سے مروی ہے فرمایا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں قاری سو آیات والی سورتیں پڑھتا تھا حتیٰ کہ ہم قیام کے لمبا ہونے کی وجہ سے اپنے عصا پر سہارا لیتے تھے اور ہم مسجد سے صبح کے طلوع ہونے سے کچھ پہلے واپس گھر آتے تھے۔ صحیحین میں ہے: نبی کریم ﷺ کی کھوٹی تھی، اس پر اجماع ہے کہ خطیب تلوار یا عصا پر سہارا لے کر خطبہ دے۔ عصا کا ثبوت اصل کریم اور معدن شریف سے ہے۔ اس کا انکار صرف جاہل ہی کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عصا میں بہت سے معجزات جمع فرمائے تھے۔ اس کی وجہ سے معاندین جادو گر بھی آپ پر ایمان لے آئے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خطبہ دینے، وعظ و نصیحت کرنے اور نماز کی طوالت کے لیے عصا بنایا تھا۔ حضرت ابن مسعود نے نبی کریم ﷺ کے عصا اور کھوٹی بردار تھے اور وہ چھڑی پکڑ کر خطبہ دیتے تھے۔ پس عصا کے شرف پر یہ فضیلت کافی ہے۔ خلفاء، کبراء، خطباء کا عمل اسی پر ہے۔ فصحاء عرب کی عادت بھی عصا اور کھوٹی پکڑنا اور کلام کرتے وقت اس پر سہارا لینا ہے۔ محافل اور خطبوں میں بھی وہ اس پر سہارا لیتے تھے۔ شعوبیہ فرقہ خطباء عرب پر اعتراض کرتا ہے کہ وہ کھوٹی پکڑتے ہیں اور اس کے ساتھ معانی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ شعوبیہ فرقہ عربوں سے بغض کرتا ہے اور عجمیوں کو فضیلت دیتا ہے۔ امام مالک نے فرمایا: عطاء بن سائب کھوٹی ہاتھ میں پکڑتے تھے اور اس سے مدد حاصل کرتے تھے۔ امام مالک نے فرمایا: آدمی جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو وہ جوانی کی مثل نہیں ہوتا۔ آدمی اٹھتے وقت اس سے قوت حاصل کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کے بارے میں ایک شاعر نے کہا:

قد كنتُ أمشي على رجلين معتبداً
فصرتُ أمشي على أخرى من الخشبِ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: لوگ عصا لے کر نکلتے ہیں جب بارش آتی ہے اور ان پر سہارا لیتے ہیں حتیٰ کہ نوجوان بھی اپنے اپنے عصا لیتے ہیں۔ بعض دفعہ اپنے ہم مجلسوں میں عصا لیتے تھے تاکہ اس کے سہارے کھڑے ہوں۔ عصا کے منافع میں سے یہ بھی ہے کہ اصلاح کی خاطر آدمی اپنی بیویوں کو مارتا ہے اس کے ساتھ اپنی اور اپنے گھروالوں کی اصلاح کرتا ہے۔ اسی سے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”ابو جہم وہ تو اپنے کندھے سے عصا رکھتا ہی نہیں ہے“۔ ایک روایت میں ہے ایک شخص کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: ”اپنے اہل سے لاشی نہ اٹھا اللہ کی ذات کے بارے میں انہیں ڈرا“ (1)۔ حضرت عبادہ بن

صامت سے امام نسائی نے اس کو روایت کیا ہے۔ اس مفہوم سے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے ”تو اپنے عصا کو وہاں لٹکا جہاں سے تیرے گھروالے اسے دیکھ سکیں“ (1)۔ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ اس کے فوائد میں سے ہے کہ اس دنیا سے منتقل ہونے پر تنبیہ ہے جیسا کہ کسی زاہد شخص سے کہا گیا: تجھے کیا ہے کہ تو عصا پر چلتا ہے جبکہ تو نہ بوڑھا ہے اور نہ مریض ہے؟ اس نے کہا: میں جانتا ہوں میں مسافر ہوں یہ دنیا فانی ہے اور عصا سفر کا آلہ ہے۔ بعض شعراء نے کہا:

حَلَّتْ الْعَصَا لَا الضَّعْفَ أَوْجِبَ حَمَلَهَا عَنْ وَلَا أَنْ تَحْتِثُ مِنْ كِبَرٍ
وَلَكِنِّي أَلْزَمْتُ نَفْسِي حَمَلَهَا لِأَعْلَمُهَا أَنَّ الْبَقِيمَ عَلَى سَفَرٍ

قَالَ أَلْقَهَا يُوسَى ⑩ فَأَلْقَهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَى ⑪ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ⑫
سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَى ⑬ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَى جَنَاحِكَ تَخْرُجَ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ
سُوءٍ آيَةً أُخْرَى ⑭ لِئَلْتُنَا الْكُبْرَى ⑮

”حکم ہوا: ڈال دے اسے زمین پر اے موسیٰ۔ تو آپ نے اسے زمین پر ڈال دیا پس اچانک وہ سانپ بن کر (ادھر ادھر) دوڑنے لگا۔ حکم ہوا: اسے پکڑ لو اور مت ڈرو ہم لوٹا دیں گے اسے اپنی حالت پر۔ اور (حکم ملا) دبا لو اپنا ہاتھ اپنے بازو کے نیچے یہ نکلے گا جب سپید ہو کر بغیر کسی بیماری کے یہ دوسرا معجزہ (ہم نے تمہیں دیا) ہے، تاکہ ہم دکھائیں تمہیں اپنی بڑی بڑی نشانیاں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ أَلْقَهَا يُوسَى ⑩ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے حصول اور اس کی تکلیف برداشت کرنے کی تدریب کر لیں تو عصا ڈالنے کا حکم دیا۔ فَأَلْقَهَا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اوصاف اور اغراض تبدیل کر ڈالے وہ عصا دو شاخوں والا ہے تو اس کی وہ دو شاخیں اس کا منہ بن گئیں اور وہ سانپ بن گیا جو دوڑ رہا تھا اور پتھروں کو نگل رہا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھا تو تعجب سے دیکھا اور وَئِيْ مُدْبِرٍ أَوْ لَمْ يُعَقِّبْ (النمل: 10) اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اسے پکڑ لو اور مت ڈرو۔ یہ اس لیے فرمایا کیونکہ انہوں نے اپنے دل میں بتقاضائے بشریت خوف محسوس کیا۔ روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنے جبے کی آستین کے ساتھ پکڑا تو انہیں اس طرح پکڑنے سے منع کیا گیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنے ہاتھ سے پکڑا تو وہ عصا بن گیا جس طرح کہ پہلے تھا۔ یہ اس کی پہلی حالت تھی۔ اس نشانی کو ان کے لیے اس لیے ظاہر فرمایا تاکہ آپ اس سے خوفزدہ نہ ہوں جب اسے آپ فرعون کے پاس زمین پر ڈالیں۔ کہا جاتا ہے کہ عصا اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چلتا تھا اور باتیں کرتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پر سامان لٹکاتے تھے اور رات کے وقت اس کی شاخیں ڈول کی طرح ہو جاتی تھی اور جب آپ پانی نکالنا چاہتے تھے تو وہ شاخیں ڈول کی طرح ہو جاتی تھیں اور جب آپ کو پھل کھانے کا شوق ہوتا تو اسے زمین پر گاڑ دیتے تھے اور اس پر پھل لگ جاتا تھا۔ بعض نے فرمایا: یہ ڈنڈا جنت کے آس

کے درخت کا تھا۔ بعض نے فرمایا: اسے جبریل لے کر آئے تھے۔ بعض نے فرمایا: کوئی اور فرشتہ لے کر آیا تھا۔ بعض نے فرمایا: حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موئی علیہ السلام سے کہا تھا اس گھر سے ایک چھڑی لے لو تو وہ چھڑی آپ کے ہاتھ میں عصا بن گئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کا عصا جنت سے آپ کے ساتھ اتر آیا تھا؛ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَى** ﴿١٥٥﴾ نحاس نے کہا: حیتہ بھی جائز ہے۔ کہا جاتا ہے: خراجت فلذا زید جالس و جالساً۔ حیتہ پر وقف ہا کے ساتھ ہے۔ السعی کا معنی جلدی اور پھرتی سے چلنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: وہ عصا بڑا سانپ بن گیا تھا وہ پتھروں اور درختوں کو نگل لیتا تھا۔ جب حضرت موئی علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ تو ہر چیز کو نگل رہا ہے تو وہ اس سے خوفزدہ ہوئے اور اس سے دور ہوئے۔ بعض سے مروی ہے کہ حضرت موئی علیہ السلام اس سے اس لیے خوفزدہ ہوئے کیونکہ آپ کو معلوم تھا جو اس ڈنڈے کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام نے برداشت کیا تھا۔ بعض نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **لَا تَخَفْ** (ڈرو نہیں) تو حضرت موئی علیہ السلام کا خوف ختم ہو گیا اور ول مطمئن ہو گیا۔ آپ نے اس کے منہ میں اپنا ہاتھ داخل کیا اور اس کے جڑوں سے پکڑ لیا۔ **سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَى** میں نے علی بن سلیمان کو یہ کہتے سنا ہے۔ تقدیر عبارت الی سیرتھا ہے جیسے **اخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ** (الاعراف: 155) (میں حرف جر کو حذف کیا گیا ہے)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَى جَنَاحِكَ**، غیر قرآن میں **ضَمَّ مِمْ** کے فتح اور کسرہ کے ساتھ جائز ہے، کیونکہ التقائے ساکنین پایا گیا ہے۔ اور فتح عمدہ ہے کیونکہ وہ خفیف ہے اور کسرہ اصل کی بنا پر ہے اور ضمہ اتباع کی بنا ہے۔ **يَدًا** اصل میں **يَدِي** فعل کے وزن پر ہے اس پر دلیل جمع اید ہے اور **تصغير يَتِي** ہے۔ الجناح سے مراد بازو ہے؛ مجاہد نے یہ کہا ہے اور فرمایا: الی بمعنی تحت ہے۔ قطرب نے کہا: جناح سے مراد الی جیبک ہے۔ اسی سے زاجز کا قول ہے:

أضفة للصدر والجناح

بعض نے فرمایا: الی جنبک کو الی جناح سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ وہ جناح کے محل میں مائل ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب الی عندک ہے۔ مقاتل نے کہا: الی بمعنی مع ہے یعنی مع جناحک، **تَخْرُجُ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ** یعنی بغیر برص کے چھانے والے نور کے ساتھ نکلے گا، دن اور رات کو سورج اور چاند کی طرح چمکے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے یعنی وہ اس طرح چمکدار تھا کہ آپ کی رنگت کے مخالف تھا۔ **بَيْضَاءَ** حال کی بنا پر منصوب ہے اور یہ غیر منصوب ہے کیونکہ اس میں دو الف تانیث ہیں، یہ اس سے زائل نہیں ہوتے گویا ان دونوں کا لزوم دوسری علت ہے نکرہ میں غیر منصوب ہے۔ یہ دونوں الف ہاء کے مخالف ہیں کیونکہ ہاء اسم سے جدا ہوتی ہے۔ **مِنْ غَيْرِ سُوءٍ**، **مِنْ**، **بَيْضَاءَ** کے متعلق ہے جیسے تو کہتا ہے: **أَبْيَضْتُ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ**، **أَيَّةُ أَخْرَجِي**، یعنی عصا کے معجزہ کے علاوہ یہ معجزہ ہے۔ پس حضرت موئی علیہ السلام نے کرتہ جب سے اپنا ہاتھ نکالا تو اس کی سورج کی شعاع کی طرح روشنی تھی جو آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔ اور آیت، **بَيْضَاءَ** سے بدل کی بنا پر منصوب ہے؛ یہ محفش کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قول حسن ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے تجھے دوسرا معجزہ دیا یا دوسرا معجزہ دیں گے کیونکہ فرمایا: **تَخْرُجُ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ** یہ دلیل ہے کہ آپ کے پاس دوسرا معجزہ آیا۔ **لِيُؤْيِكَ مِنَ الْيَتْنِ الْكَبِيرِ**، کبریٰ سے

مراد بڑا ہے۔ حق یہ تھا کہ الکبیر ہوتا لیکن الکبریٰ فرمایا تاکہ آیات کے قافیے مل جائیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس میں اضمار ہے اس کا معنی ہے، لنریک من آیاتنا الایۃ الکبریٰ یعنی ہم تجھے اپنی آیات میں سے بڑی نشانی دکھائیں گے۔ اس کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: ید موسیٰ اکبر آیاتہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ اللہ کی بڑی آیات میں سے تھا۔

إِذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۖ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۙ وَ يَسِّرْ لِي
أَمْرِي ۙ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي ۙ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۙ وَ اجْعَلْ لِي وَ زِيرًا مِّنْ
أَهْلِي ۙ هُرُونَ أَخِي ۙ اشدُّ دِبَةً أَزْرِي ۙ وَ اشرُّ كُهُفِي ۙ أَمْرِي ۙ كُنِّي نَسِيحَكَ
كَثِيرًا ۙ وَ نَذُرَكَ كَثِيرًا ۙ إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ۙ

”(اب) جائے فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے۔ آپ نے دعا مانگی: اے میرے پروردگار! کشادہ فرما دے میرے لیے میرا سینہ اور آسان فرما دے میرے لیے میرا یہ (کٹھن) کام اور کھول دے گرہ میری زبان کی تاکہ اچھی طرح سمجھ سکیں وہ لوگ میری بات۔ اور مقرر فرما میرا وزیر خاندان سے یعنی ہارون کو جو میرا بھائی ہے۔ مضبوط فرما دے اس سے میری کمر۔ اور شریک کر دے اسے میری (اس) مہم میں، تاکہ ہم دونوں کثرت سے تیری پاکی بیان کریں اور ہم کثرت سے تیرا ذکر کریں۔ بیشک تو ہمارے (ظاہر و باطن کو) خوب دیکھنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۖ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید سے مانوس کر دیا اور اسے معجزات دکھادیے جو ان کے رسول ہونے پر دلیل تھے تو انہیں فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا کہ اسے دعوت دیں۔ طغی کا معنی ہے اس نے نافرمانی کی، تکبر کیا، کفر کیا، جبر کیا اور حد سے بڑھا۔ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۙ وَ يَسِّرْ لِي أَمْرِي ۙ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي ۙ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۙ وَ اجْعَلْ لِي وَ زِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۙ هُرُونَ أَخِي ۙ رسالت کی تبلیغ کے لیے اعانت طلب کی۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتا دیا تھا کہ اس نے فرعون کے دل پر مہر لگادی ہے وہ ایمان نہیں لائے گا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: یارب! تو مجھے کیسے حکم دیتا ہے کہ میں اس کے پاس جاؤں جبکہ تو نے اس کے دل پر مہر لگادی ہے؟ تو ہوا کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ آیا اور کہا: اے موسیٰ! اس کی طرف چلو جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۙ یعنی میرا سینہ کشادہ فرما اور ایمان اور نبوت سے منور کر دے۔ وَ يَسِّرْ لِي أَمْرِي ۙ اور فرعون کو تبلیغ کرنے کا جو تو نے مجھے حکم دیا ہے اسے میرے لیے آسان فرما۔ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي ۙ عقده سے مراد وہ گرہ ہے جو اس انگارے کی وجہ سے بن گئی تھی جو آپ نے بچپن میں منہ میں ڈال لیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آپ کی زبان میں لکنت تھی یہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک دن فرعون کی گود میں تھے تو آپ نے فرعون کو طمانچہ مارا اور اس کی داڑھی سے پکڑ کر اسے نوچا۔ فرعون نے آسیہ سے کہا: یہ میرا دشمن ہے۔ ذبح کرنے والوں کو بلا۔ آسیہ نے کہا: بٹھبر جا، یہ معصوم بچے ہیں چیزوں میں تفریق بھی نہیں کر

سکتا۔ پھر آسیہ دو تھال لے آئی ایک میں اس نے انگارے رکھے اور دوسرے میں جواہر رکھے۔ حضرت جبریل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ پکڑا اور اسے آگ پر رکھ دیا حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انگارہ اٹھایا اور اسے اپنے منہ میں زبان پر رکھ دیا اس کی وجہ سے آپ تلاتے تھے۔

روایت ہے کہ آپ کا ہاتھ جل گیا تھا۔ فرعون نے اس کے علاج کی کوشش کی تھی لیکن وہ ٹھیک نہ ہوا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت دی تو اس نے کہا: تو مجھے کون سے رب کی طرف بلاتا ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اس رب کی طرف جس نے میرے ہاتھ کو ٹھیک کیا تھا جبکہ تو اس کے علاج سے عاجز ہو گیا تھا۔ بعض علماء سے مروی ہے کہ آپ کا ہاتھ اس لیے ٹھیک نہ ہوا تھا تا کہ آپ کا ہاتھ فرعون کے ساتھ ایک پلیٹ میں داخل نہ ہو اور ان کے درمیان اکھٹا کھانے کی حرمت منعقد رہے۔ پھر علماء کا اختلاف ہے کہ آپ کا وہ تھلا پن ختم ہو گیا تھا۔ بعض علماء نے فرمایا: زائل ہو گیا تھا اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: **قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يُمُوسَىٰ** بعض نے فرمایا: یہ تھلا پن قائم رہا تھا، اس کی دلیل فرعون کا یہ قول ہے: **وَلَا يَكْفُرُ الْيَهُودُ** (الزخرف) اور آپ نے یہ دعا نہیں کی: **أَحْلِلْ كَلَّ لِسَانِي**، یہ دلیل ہے کہ آگ کو چھونے کی وجہ سے گرہ ان کی زبان میں تھی۔ بعض نے فرمایا: کلیۃً یہ تکلیف زائل ہو گئی تھی، اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: **أُوتِيتَ سُؤْلَكَ**، فرعون نے کہا: **وَلَا يَكْفُرُ الْيَهُودُ** کیونکہ تربیت کے دوران آپ کی گرہ کا اسے علم تھا اور اس تکلیف کے دور ہونے کا اس کے پاس ثبوت نہیں تھا۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو فرعون **وَلَا يَكْفُرُ الْيَهُودُ** نہ کہتا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے فصیح زبان سے کلام کی ہوتی؛ واللہ اعلم۔

بعض علماء نے فرمایا: یہ گرہ اپنے رب سے مناجات کرتے وقت پڑی تھی حتیٰ کہ آپ اللہ کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے سے کلام نہیں کر سکتے تھے۔ **يَفْقَهُوا قَوْلِي** تاکہ وہ اسے جان لیں جو میں کہوں اور اسے سمجھ لیں۔ کلام عرب میں الفقہ کا معنی فہم (سمجھنا) ہے۔ اعرابی نے عیسیٰ بن عمر کو کہا: شہدت علیک بالفقہ؛ اسی سے ہے **فِقْهُ الرَّجُلِ** (بکسر عین کلمہ) فلان لایفقہ ولا ینقہ، أفقہتک الشئی۔ پھر علم شریعت کے لیے خاص ہوا۔ شریعت کا جاننے والا فقیہ ہوتا ہے۔ **فِقْهُ** (میں کلمہ کے ضم کے ساتھ) فقاہة و فقہہ اللہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو سمجھ عطا فرمائے اور وہ سمجھ جائے۔ فاقہتہ جب تو نے علم میں بحث کی۔ یہ جوہری کا قول ہے، الوزیر، الموازی جیسے الاکیل الموائل ہے کیونکہ وہ سلطان سے اس کا بوجھ اتار دیتا ہے۔

کتاب النسائی میں ہے قاسم بن محمد سے مروی ہے میں نے اپنی پھپھو کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جو تم میں سے کسی منصب پر فائز کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا تو اس کے لیے نیک وزیر بنا دیتا ہے اگر وہ بھولتا ہے تو وہ وزیر اسے یاد دلاتا ہے اگر اسے بات یاد ہوتی ہے تو اس کی معاونت کرتا ہے“ (1)۔ اسی مفہوم سے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی مبعوث نہیں فرمایا اور کوئی خلیفہ نہیں بنایا مگر اس کے دو مشیر ہوتے ہیں ایک اسے نیکی کا حکم دیتا ہے اور اسے نیکی پر ابھارتا ہے اور ایک مشیر اسے شر کا حکم دیتا ہے اور شر پر برا بیختہ کرتا ہے۔ محفوظ وہی ہے جسے اللہ

تعالیٰ نے محفوظ کر لیا۔ اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ اس کا وزیر بنا دے مگر انہوں نے یہ ارادہ نہ کیا کہ وہ وزارت پر مقصور ہوتا کہ وہ نبوت میں اس کا شریک نہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بغیر سوال کے اس کا وزیر بنانا جائز ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے متعین فرمایا اور کہا: ہارون، ہارون پر نصب وزیراً سے بدل کی بنا پر ہے یا یہ اجعل لکی وجہ سے منصوب ہے یہ تقدیم و تاخیر کی بنا پر ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ اجعل لی ہارون اخی وزیراً۔ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک سال بڑے تھے بعض نے کہا: تین سال بڑے تھے۔

اشْدُدِيهٖ اَزْهَى ۝ یعنی میری پیٹھ کو مضبوط کر دے۔ الا زہا کا معنی ازار باندھنے کی جگہ ہے مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ میرا نفس مضبوط ہو جائے۔ الا زہا کا معنی قوت ہے۔ آ زہا کا معنی ہے اس نے اسے قوت بخشی۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَزَّهٖ فَاسْتَعْلَظَ (الفتح: 29) ابوطالب نے کہا:

أليس أبونا هاشم شداً أزّه وأوصى بنيه بالطعان وبالضرب

بعض نے کہا: الا زہا کا معنی مدد ہے، یعنی وہ مدد بنا دے جس کے ساتھ میرا معاملہ سیدھا ہو۔ شاعر نے کہا:

شددت به أزمى وأيقنت أنه أخو الفقرا من ضاقت عليه مذاهبه

حضرت ہارون، حضرت موسیٰ علیہما السلام سے زیادہ پر گوشت تھے اور زیادہ قد آور تھے اور ان کا جسم زیادہ سفید تھا اور زیادہ فصیح تھے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین سال پہلے وصال فرما گئے تھے۔ حضرت ہارون کے چہرے میں علامت تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ناک کی بینی پر علامت تھی اور زبان کی ایک طرف پر علامت تھی نہ آپ سے پہلے کسی کی یہ علامت تھی اور نہ آپ کے بعد کسی کی ایسی علامت ہوگی۔ بعض نے فرمایا: یہ ان کی زبان میں گرہ کا سبب تھی؛ واللہ اعلم۔

وَأَشْرِكُهُ فِي أَمْرِي ۝ یعنی نبوت اور تبلیغ رسالت میں اسے شریک کر دے۔ مفسرین نے فرمایا: حضرت ہارون علیہ السلام مصر میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہارون کے پاس آنے کا حکم دیا اور حضرت ہارون علیہ السلام کو مصر میں جی فرمائی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کریں تو ایک منزل پر ان کی ملاقات ہوئی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے اس کے متعلق بتایا جو ان کی طرف وحی کی گئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا ہے میں نے اپنے رب تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ تجھے میرے ساتھ رسول بنا دے۔ عام قراء نے اخی اشدد ہمزہ وصلی کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور اشرا کہ کو دعا کی بنا پر ہمزہ قطعی کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اشدد یارب ازمی و اشرا کہ معنی فی امری۔ ابن عامر، یحییٰ بن حرث، ابو حیوہ، حسن اور عبد اللہ بن ابی اسحاق نے اشدد کو ہمزہ قطعی کے ساتھ اور اشرا کہ کو ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی میں ایسا کروں گا اور میں اس کے ساتھ اپنے آپ کو مضبوط کروں گا۔ اور اسے یارب میں اپنے معاملہ میں شریک کروں گا۔ نحاس نے کہا: دونوں فعل اجعل لکی و زبیرا کے قول کی وجہ سے محل جزم میں ہیں۔ یہ قرأت شاذ اور بعید ہے کیونکہ اس کی مثل کا جواب شرط اور جزا کے معنی میں ہوتا ہے۔ پھر معنی ہوگا اگر تو میرے لیے میرے خاندان سے وزیر بنائے گا تو میں اس کے ذریعے مضبوط ہوں گا اور میں اسے اپنے معاملہ میں شریک کروں گا۔ اور حضرت

موسیٰ علیہ السلام کا امر نبوت اور رسالت تھی۔ یہ آپ کی طرف نہ تھا کہ آپ اس کے متعلق خبر دیتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کے ساتھ نبوت میں شریک کریں۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے اسخی کو یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔

کئی نُسَبَحَكَ كَثِيرًا ⑩، بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم تیرے لیے کثرت سے نماز پڑھیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ تسبیح باللسان مراد ہو یعنی ہم تیری ہر اس چیز سے پاکیزگی بیان کرتے ہیں جو تیری شان جلال کے موافق و مطابق نہ ہو، کَثِيرًا مصدر مخذوف کی صفت ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ وقت کی صفت ہو۔ اور ادغام عمدہ ہے۔ نذکر کثیراً بھی اسی طرح ہے إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا، خطاب نے کہا: البصیر بمعنی البصر ہے۔ البصیر وہ عالم جو مخفی امور کو جاننے والا ہو معنی ہے ہمیں جاننے والا۔ اور ہمارے بچپن میں ہمیں نعمتیں بہم پہنچانے والا۔ پس تو نے پہلے بھی ہم پر احسان کیا پس اب بھی ہم پر احسان فرمائے ہمارے رب!۔

قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَى ⑪ وَ لَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَى ⑫ إِذْ أَوْحَيْنَا
إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ⑬ أَنْ اقْبِدْ فِيهِ فِي الثَّابُوتِ فَاقْبِدْ فِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ
بِالسَّاحِلِ يَا خُذْهُ عَدُوِّي وَعَدُوْلَهُ ⑭ وَ أَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ⑮ وَ لِيُصْنَعَ عَلَيَّ
عَيْنِي ⑯ إِذْ تَمَثَّلَ لَكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ ⑰ فَرَجَعْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ
كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ⑱ وَ قَتَلْتَ نَفْسًا فَجَعَلْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنِكَ فُتُونًا ⑲ فَلَبِثْتَ
سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ⑳ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَا مُوسَى ㉑ وَ اصْطَفَيْنَاكَ لِنَفْسِنَا ㉒
إِذْ هَبُّ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِآيَتِنَا وَلَا تَنبِيئَانِي ذِكْرِي ㉓

”جواب ملا: منظور کر لی گئی ہے آپ کی درخواست اے موسیٰ۔ اور ہم نے احسان فرمایا تھا تم پر ایک بار پہلے بھی، جب ہم نے وہ بات الہام کی تمہاری ماں کو جو الہام ہی کیے جانے کے قابل تھی۔ یہ کہ رکھ دو اس معصوم بچے کو صندوق میں پھر ڈال دو اس صندوق کو دریا میں پھینک دے گا اسے دریا ساحل پر پھر پڑے گا وہ شخص جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچے کا بھی دشمن ہے اور (اے موسیٰ!) میں نے پر تو ڈالا تجھ پر محبت کا اپنی جناب سے (تاکہ جو دیکھے فریفتہ ہو جائے) اور (اس تدبیر کا منشا یہ تھا) کہ آپ کی پرورش کی جائے میری چشم (کرم) کے سامنے۔ یاد کرو جب چلتے چلتے آئی آپ کی بہن اور کہنے لگی (فرعون کے اہل خانہ سے): کیا میں بتاؤں تمہیں وہ آدمی جو اس کی پرورش کر سکے پس (یوں) ہم نے آپ کو لوٹا دیا آپ کی ماں کی طرف تاکہ (آپ کو دیکھ کر) اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرے اور غمناک نہ ہو اور (تمہیں یاد ہے جب) تو نے مار ڈالا تھا ایک شخص کو پس ہم نے نجات دی تھی تمہیں غم و اندوہ سے اور ہم نے تمہیں اچھی طرح جانچ لیا تھا پھر تم ٹھہرے رہے کئی سال اہل مدین میں پھر

تم آگے ایک مقررہ وعدہ پر اے موسیٰ۔ اور میں نے مخصوص کر لیا ہے تمہیں اپنی ذات کے لیے۔ اب جائے آپ اور آپ کا بھائی میری نشانیاں لے کر اور نہ سستی کرنا میری یاد میں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يٰمُوسٰى ﴿١٠﴾ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے شرح صدر اور معاملہ کی تیسیر کا سوال کیا تو جو اب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا اور انہیں ان کی طلب اور مرغوب چیز عطا فرمادی۔ سؤل سے مراد طلب ہے یہ فعل بمعنی مفعول ہے، خبز بمعنی مخبوز اور اکل بمعنی ماکول ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ مَنَّآ عَلَیْكَ مَرَّةً اٰخَرٰی ﴿١١﴾ یعنی اس سے پہلے بھی تم پر ہم نے احسان فرمایا۔ اور وہ احسان دشمنوں کے شر سے آپ کی حفاظت ہے اور یہ ذبح کے وقت تھا؛ واللہ اعلم۔ السن کا مطلب احسان کرنا اور مہربانی کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِذْ اَوْحٰیْنَا اِلٰی اٰقَمِكَ مَا یُؤْتٰی ﴿١٢﴾ بعض علماء نے فرمایا: اوحینا کا معنی ہے ہم نے الہام کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: حضرت موسیٰ کی والدہ کو خواب میں وحی کی گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی طرح وحی کی گئی جس طرح انبیاء کو وحی کی گئی تھی۔ اِن اَقْدَفِیْہِ فِی التَّابُوْتِ، مقال نے کہا: موسیٰ آل فرعون سے تھا جس نے تابوت بنایا تھا اور اسے تیار کیا تھا اس کا نام حزقیل تھا۔ اور تابوت حمیر کی لکڑی کا تھا۔ فَاَقْدَفِیْہِ فِی الْیَمِّ یعنی اسے دریا میں پھینک دے یعنی دریائے نیل میں ڈال دے۔ فَلِیْلَیْہِمْ، فراء نے کہا: فَاَقْدَفِیْہِ فِی الْیَمِّ امر کا صیغہ ہے اور اس میں مجازات کا معنی ہے یعنی اَقْدَفِیْہِ یَلْقَہُ الْیَمِّ، اسی طرح یہ ارشاد ہے: اَتَّبِعُوا سَبِیْلَنَا وَ لَنَحْمِلْ خَطِیْئَکُمْ (العنکبوت: 12)

یَا خُذْ اَعْدُوْکَیْ وَ اَعْدُوْکَہُ یعنی فرعون۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے تابوت بنایا اور اس میں چمڑے کے ٹکڑے لگا دیے اور اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رکھ دیا۔ اس تابوت کو تارکول لگادی اور اس کی دراڑیں بند کر دیں پھر اسے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ دریائے نیل سے ایک نہر فرعون کے گھر میں جاتی تھی اللہ تعالیٰ نے اس تابوت کو فرعون کے گھر کی طرف اس نہر میں چلایا۔ یہ بھی روایت ہے کہ اس تابوت میں وحی ہوئی روئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس میں رکھا اور اس کو تارکول لگادی اور سیسہ پھیر دیا پھر اسے دریا میں ڈال دیا۔ اس دریا سے ایک بڑی نہر فرعون کے باغ کو جاتی تھی۔ فرعون اپنی بیوی آسیہ کے ساتھ تالاب کے اوپر بیٹھا تھا کہ اچانک تابوت نظر آیا اس نے تابوت نکالنے کا حکم دیا تو تابوت نکال دیا گیا جب اسے کھولا گیا تو اس میں بچہ تھا جو انتہائی خوبصورت تھا، دشمن خدا اس بچے سے شدید محبت کرنے لگا اور وہ اس کے بغیر صبر نہیں کر سکتا تھا۔ قرآن کا ظاہر یہ ہے کہ دریائے نیل سے ساحل پر ڈال دیا تھا۔ فرعون نے وہ تابوت ساحل پر دیکھا تھا اور اس نے اسے اٹھانے کا حکم دیا تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ دریائے نیل سے ساحل پر ڈالا ہو جہاں فرعون کی نہر کا منہ ہو پھر اس نہر کے ذریعے تالاب میں پہنچا ہو۔ بعض علماء نے فرمایا: فرعون کی بیٹی نے اس بچے کو پایا اس بچی کو برص کا مرض تھا جب اس نے تابوت کھولا تو اسے شفا مل گئی۔ روایت ہے کہ جب انہوں نے وہ تابوت اٹھایا اور اس کو کھولنے کی کوشش کی تو وہ اس پر قادر نہ ہوئے انہوں نے اسے توڑنے کی کوشش کی تو وہ بھی عاجز آ گئے۔ آسیہ قریب ہوئی اور اس نے تابوت میں نور دیکھا اس نے کوشش کی تو اس نے کھول لیا اس میں ایک بچہ تھا جس کی آنکھوں کے درمیان کی جگہ روشن

تھی اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے انگوٹھے سے دودھ چوس رہے تھے وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے محبت کرنے لگے۔ فرعون کی بیٹی کو برص کا مرض تھا۔ اطباء نے اسے کہا تھا کہ یہ ٹھیک نہ ہوگی مگر دریا کی طرف سے۔ دریا میں ایک انسان کے مشابہ ایک چیز پائی جاتی ہے۔ اس کا علاج اس کا لعاب ہے اس لڑکی نے اپنی برص پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لعاب ملا تو وہ ٹھیک ہوگئی۔ بعض علماء نے فرمایا: جب اس لڑکی نے موسیٰ علیہ السلام کے چہرہ کو دیکھا تو صحت یاب ہوگئی۔ واللہ اعلم۔

بعض علماء نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تابوت کو فرعون کی بیوی کی پڑوسن نے پایا تھا جب فرعون نے اس کو دیکھا تو اس نے تمام لوگوں سے اسے خوبصوت پایا۔ فرعون اس سے محبت کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَ أَتَقَبِّتُ عَلَيْكَ مَجَّةً قَبِيئِي**، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے محبت فرمائی اور ساری مخلوق کا محبوب بنا دیا۔ ابن عطیہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے پر تو حسن ان پر ڈال دیا تھا جو دیکھ لیتا صبر نہیں کر سکتا تھا۔ قتادہ نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھوں میں ملاحظت تھی جو دیکھتا محبت و عشق کرنے لگتا تھا۔ عکرمہ نے کہا: اس کا معنی ہے تجھ میں میں نے ملاحظت و حسن رکھ دیا جو تجھے دیکھے گا تجھ سے محبت کرے گا۔ طبری نے کہا: اس کا مطلب ہے میں نے تجھ پر اپنی رحمت ڈال دی۔ ابن زید نے کہا: اس کا مطلب ہے میں نے تجھے ایسا بنا دیا کہ جو تجھے دیکھے گا تجھ سے محبت کرے گا حتیٰ کہ فرعون نے بھی تجھ سے محبت کی اور میں نے اس کے شر سے تجھے بچا لیا۔ آسیہ بنت مزاحم نے تجھ سے محبت کی اور تجھے اپنا بیٹا بنا لیا۔ **وَلْيُضْمَعَ عَلَى عَيْنِي**، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا مطلب ہے کہ یہ میرے سامنے ہو اس طرح کہ تجھے تابوت میں رکھا گیا اور پھر تابوت کو دریا میں ڈالا گیا اور پھر فرعون کی بیوی کی لونڈی نے تجھے اٹھایا اور انہوں نے تابوت کو کھولنے کا ارادہ کیا تا کہ جو کچھ اس میں ہے اسے دیکھیں، ان میں سے ایک نے کہا: تم اسے مت کھولو حتیٰ کہ تمہاری سردار آجائے وہ اس کے زیادہ لائق ہے تا کہ وہ تم پر تہمت نہ لگائے کہ تم نے اس میں جو کچھ پایا وہ تم نے اپنے لیے اٹھالیا ہے۔ فرعون کی بیوی پانی نہیں پیتی تھی حتیٰ کہ وہ لونڈیاں اسے پلاتی تھیں وہ تابوت کو بند کر کے اپنی مالکن آسیہ کے پاس لے گئیں جب اس نے اس تابوت کو کھولا تو اس میں ایک ایسا بچہ دیکھا جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اس پر محبت ڈال دی گئی اس نے وہ بچہ اٹھالیا اور اسے فرعون کے پاس لے گئی اور اسے کہا: یہ میرے لیے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ فرعون نے اسے کہا: ہاں۔ تیری تو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میرے لیے نہیں۔ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ نبی پاک **سَلَّمَ** نے فرمایا: ”اگر فرعون کہتا کہ ہاں وہ میرے لیے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے تو وہ ایمان لے آتا اور تصدیق کرتا“۔ آسیہ نے کہا: یہ مجھے ہبہ کر دے اور اسے قتل نہ کر۔ فرعون نے وہ اسے ہبہ کر دیا (1)۔ بعض علماء نے فرمایا: **وَلْيُضْمَعَ عَلَى عَيْنِي** کا مطلب ہے تو میرے سامنے پروان چڑھے اور غذا دیا جائے، یہ قتادہ کا قول ہے۔ نحاس نے کہا: یہ لغت میں معروف ہے، کہا جاتا ہے: **صنعت الفرس وأمنعته** جب تو گھوڑے کی اچھی دیکھ بھال کرے۔ اس کا معنی ہے **وَلْيُضْمَعَ عَلَى عَيْنِي** میں نے یہ کیا۔ بعض نے فرمایا: **اللامر** بعد کلام **إِذْ تَسْمَعُ أُنْحُكَ** کے متعلق ہے اور تقدیم و تاخیر کی بنا پر ہے۔ **إِذْ، لِيُضْمَعَ** کی ظرف ہے۔ بعض نے فرمایا: **وَلْيُضْمَعَ** میں **وَأَوْزَانَهُ** ہے۔ ابن

القصاع نے کہا: **وَلِصْنَعِ امْرِكِ** بنا پر لام کے سکون کے ساتھ ہے۔ اس کا ظاہر مخاطب ہے اور مامور غائب ہے۔ ابوہبیک نے **وَلِصْنَعِ**، تا کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہے تاکہ آپ کا حرکت کرنا اور تصرف کرنا میری مشیت سے ہو اور میرے سامنے ہو؛ یہ مہدوی نے قول ذکر کیا ہے۔ **إِذْ تَنْشِقُ أُخْتُكَ**، **إِذْ تَنْشِقُ** میں عامل القیت یا تصنع ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ **إِذَا وَحِينًا** سے بدل ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا نام مریم تھا۔ **فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ** یہ اس طرح ہوا کہ وہ اس کی خبر کی تلاش میں نکلی فرعون نے اپنی بیوی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام بہہ کر دیا تو اس کی بیوی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے دودھ پلانے والیاں طلب کیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کا دودھ نہیں پیتے تھے حتیٰ کہ ان کی بہن آگنی اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا اور اپنی گود میں لیا اور پستان منہ میں دیا تو دودھ پینے لگ گئے اور وہ خوش ہو گئے۔ فرعون کے گھر والوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا: تو ہمارے پاس ٹھہرے گی؟ اس نے کہا: میرا دودھ نہیں ہے لیکن میں تمہیں ایسے گھر کے متعلق آگاہ کرتی ہوں جو اس کی کفالت کرے گا اور وہ لوگ اس کے لیے نہایت مخلص ہوں گے۔ انہوں نے پوچھا: وہ کون ہیں؟ اس نے کہا: میری والدہ۔ انہوں نے پوچھا: کیا اس کا دودھ ہے؟ اس نے کہا: میرے بھائی ہارون کا دودھ۔ حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک سال بڑے تھے۔ بعض نے کہا: تین سال۔ بعض نے کہا: چار سال بڑے تھے۔ یہ اس لیے ہو کہ فرعون نے بنی اسرائیل پر رحم کیا اور چار سال ان کے بچوں کو قتل کرنا چھوڑ دیا تھا اسی دور ان حضرت ہارون پیدا ہوئے تھے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔ حضرت موسیٰ کی والدہ آئی تو انہوں نے ان کا دودھ قبول کر لیا۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اشارہ کرتا ہے: **فَدَجَعَلْنَاكَ إِذْ أُمَمًا**، حضرت ابی کے مصحف میں فرد دناک ہے۔ عبد الجبید نے ابن عامر سے روایت کیا ہے کہ تقیر عینہا قاف کے کسرہ کے ساتھ۔ جوہری نے کہا: وقررت به عینا وقررت به قررة وقرود آفیہا، رجل قریر العین، وقد قررت عینہ، تقیر و تقیر یہ گرم ہونے کی نقیض ہے۔ اقر اللہ عینہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمایا حتیٰ کہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہوئی۔ پس اپنے سے اوپر والے کو مت دیکھو۔ کہا جاتا ہے: حتی تبعد ولا تسخن حتی کہ ٹھنڈا ہو گیا اور گرم نہ رہا۔ خوشی کے آنسو ٹھنڈے ہوتے ہیں اور پریشانی کے آنسو گرم ہوتے ہیں۔ یہ مفہوم سورہ مریم میں گزر چکا ہے۔ **وَلَا تَحْزَنْ** یعنی اپنے مفقود ہونے پر پریشان نہ ہو۔ **وَقَتَلْتَ نَفْسًا** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس کو آپ نے قتل کیا وہ قبلی کا فر تھا۔ کعب نے کہا: وہ اس وقت بارہ سال کا تھا۔ صحیح مسلم میں ہے: ”اس کا قتل کرنا خطا تھا“ جیسا کہ آگے آئے گا۔ **فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ** یعنی ہم نے تجھے خوف، قتل اور جس سے امن دیا۔ **وَفَتَّيْنَاكَ فُتُونًا** یعنی ہم نے تجھے آزما یا حتیٰ کہ آپ رسالت کے لیے تیار ہو گئے۔ قتادہ نے کہا: اس کا مطلب ہے ہم نے تمہیں آزمائش میں ڈالا۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے تجھے خالص کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم نے رسالت سے پہلے کئی چیزوں کے ساتھ آزمایا۔ اس سال والدہ نے انہیں بطن میں اٹھایا جس سال میں فرعون بچوں کو قتل کرتا تھا۔ پھر انہیں دریا میں ڈالنا، پھر اپنی والدہ کے علاوہ کسی عورت کا دودھ پینے سے روک دینا پھر فرعون کی داڑھی پکڑ کر کھینچنا، پھر موتی کے بدلے انکارے کو پکڑنا، پھر فرعون کے قتل سے نجات دینا، پھر قبلی کو قتل کرنا، پھر خائف ہو کر نکل جانا پھر بکریاں چرانا تاکہ مخلوق کی

رعایت کرنے کی مشق کر لیں۔ کہا جاتا ہے: بکری کا ایک بچہ بھاگ گیا تو آپ دن کا اکثر حصہ اس کے پیچھے لگے رہے اس نے آپ کو تھکا دیا پھر اسے پکڑا تو اسے بوسہ دیا اور اپنے سینے سے لگایا اور کہا: تو نے مجھے بھی تھکا دیا اور خود بھی تھک گیا اور آپ اس پر ناراض نہ ہوئے۔ وہب بن منبہ نے کہا: اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو کلیم بنایا۔ سورہ نساء میں یہ مسئلہ گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَبِثْتُ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ آپ نے لمبی مدت دس سال پوری کی۔ وہب نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت شعیب کے پاس اٹھائیس سال رہے ان میں سے دس سال ان کی بیوی صفورا بنت شعیب کا مہر تھا۔ اور اٹھارہ سال آپ ویسے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس ٹھہرے یہاں کہ ان کے ہاں ان کی اولاد ہوگئی۔ ثُمَّ جِئْتُ عَلَى قَدْرٍ يَهُوسُی ﴿۱﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور عبدالرحمن نے کہا: اس کا مطلب ہے نبوت و رسالت کے لیے موافق ہو گئے، کیونکہ انبیاء کرام چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیے جاتے ہیں۔ مجاہد اور مقاتل نے کہا: عَلِيٌّ قَدْرٌ كَالْمَعْنَى ہے وعدہ پر۔ محمد بن کعب نے کہا: پھر تو اس مقدار پر ہو گیا جو تیری لیے مقدر کی گئی تھی کہ تو اس میں آئے۔ مفہوم دونوں اقوال کا ایک ہی ہے، یعنی آپ اس وقت آئے جس میں ہم نے تجھے بھیجنے کا ارادہ کیا تھا۔ شاعر نے کہا تھا:

نال الخلافة أو كانت له قدراً كما أتى ربّه موسى على قدر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ﴿۱﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ہم نے اپنی وحی اور رسالت کے لیے تمہیں چن لیا ہے۔ بعض نے فرمایا: اصْطَنَعْتُكَ کا معنی ہے میں نے تجھے پیدا کیا۔ یہ الصنعة سے ماخوذ ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے میں نے تجھے قوت دی اور علم سکھایا تاکہ آپ میرا حکم اور میری نبی میرے بندوں تک پہنچائیں۔ اِذْهَبْ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِأَيَّتِي حَضَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا نے فرمایا: اس سے مراد نو آیات ہیں جو آپ پر نازل کی گئیں۔ وَ لَا تَنِيَّافِي ذِكْرِي ﴿۲﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: امر رسالت میں کمزور نہ ہونا؛ اور یہ قتادہ کا بھی قول ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ست نہ ہونا۔ شاعر نے کہا:

فما دنى محمداً مُدَّانَ عَفْرِ لَهْ إِلَهَ مَامَضَى وَمَا غَبَر

الوفی کا مطلب کمزوری اور سستی ہے اور تھک جانا اور عاجز آ جانا ہے۔ اس آیت میں یہ سب معانی مراد ہو سکتے ہیں۔

اسراء القیس نے کہا:

مَسِيحٌ إِذَا مَا السَّابِحَاتُ عَلَى الْوَنَى أَثَرْنَ غُبَاراً بِالْكَدِيدِ الْمَرَكَلِ

کہا جاتا ہے: ونیت فی الامرونی و ونیاً جس کا معنی ہے کمزور ہونا، فأنادان وناقۃ وانیۃ (کمزور اونٹنی) اونیتهانا نام میں نے اونٹنی کو تھکا دیا اور کمزور کر دیا۔ فلان لاینی کذا یعنی فلاں ہمیشہ رہتا ہے۔ اس کے ساتھ ابان نے آیت کے معنی کی تفسیر بیان کی ہے اور طرفہ کے قول سے استشہاد کیا ہے:

كَانَ الْقُدُورَ الرَّاسِيَاتِ أَمَامَهُمْ قَبَابٌ بَنُوها لَاتِنِي أَبداً تَغِي

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے: لا تبطننا (ست نہ ہونا) حضرت ابن مسعود کی قرأت میں ہے: ولا تنهنا

ذکر ی یعنی میری حمد بیان کرنے، میری بزرگی بیان کرنے اور میرے پیغام کو پہنچانے میں کوتاہی و سستی نہ کرنا۔

إِذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۖ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ۝

”آپ دونوں جائیں فرعون کے پاس وہ سرکش بنا بیٹھا ہے۔ اور گفتگو کریں اس کے ساتھ نرم انداز سے شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِذْهَبَا، آیت کے آغاز میں فرمایا: إِذْهَبَا أَنْتَ وَ أَخُوكَ بِآيَتِي اور یہاں فرمایا: إِذْهَبَا۔ بعض نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کو دعوت پہنچانے کا حکم دیا پہلے صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علیحدہ خطاب فرمایا ان کو شرف بخشنے کے لیے پھر تاکید کے لیے مکرر فرمایا۔ بعض نے فرمایا: اس سے واضح کیا کہ ایک کا جانا کافی نہیں ہے۔ بعض نے فرمایا: پہلا تمام لوگوں کی طرف جانے کا حکم تھا اور دوسرا حکم فرعون کی طرف جانے کا تھا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے جواز کی دلیل ہے۔ اور اس شخص سے نرمی سے بات ہونی چاہیے جو قوت و مرتبہ والا ہو اور اس کے لیے عصمت ہو۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا اور فرمایا: لَا تَخَافَا إِنِّي مَعَكُمَا أَسْمَاءُ وَ أَسْمَىٰ ۝ جب حضرت موسیٰ کلیم اور حضرت ہارون علیہما السلام کی یہ حالت ہے تو ہماری کیا کیفیت ہوگی، ہم اس کیفیت سے تبلیغ کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس وقت امر و نہی کا فریضہ مرغوب انداز میں ہوگا اور مطلوب حاصل ہوگا۔ یہ واضح ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ لَیِّنًا کے قول میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا جس میں کلبی اور عکرمہ بھی ہیں کہ اس کا معنی ہے اس کو کنیت سے بلاؤ؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سدی کا قول ہے۔ پھر بعض علماء نے فرمایا: فرعون کی کنیت ابو العباس تھی۔ بعض نے فرمایا: ابو الولید تھی۔ بعض نے فرمایا: ابو مرثدہ تھی، اس قول کی بنا پر کافر سے کنایہ بات کرنا جائز ہے جب کہ وہ وجیہ اور شرف والا ہو اور اسکے اسلام قبول کرنے کی امید ہو۔ اور یہ جائز ہے جبکہ اس کے اسلام قبول کرنے کی امید نہ بھی ہو کیونکہ طمع اور امید اس عمل کو ثابت نہیں کرتی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب تمہارے پاس کسی قوم کا کریم (معزز) شخص آئے تو اس کا احترام کرو“ (1)۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس کے اسلام قبول کرنے کی امید ہو۔ اور اس کے اکرام میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی کنیت ذکر کی جائے۔ نبی کریم ﷺ نے صفوان بن امیہ سے کہا: انزل ابا وہب، اے ابو وہب! نیچے اترو۔ حضرت سعد کو عبد اللہ بن ابی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: الم تسمع ما یقولہ ابو حباب، ابو حباب، عبد اللہ بن ابی کی کنیت ہے۔ اسرائیلیات میں مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک سال فرعون کے دروازے پر کھڑے رہے انہوں نے کوئی پیغام رساں نہ پایا جو ان کی کلام فرعون تک پہنچاتا حتیٰ کہ خود فرعون باہر نکلا تو پھر یہ سارا واقعہ پیش آیا۔ یہ بعد میں آنے

والے کے لیے تسلی ہے جن کا معاملہ ظالموں کے ساتھ ہو تمہارا رب ہدایت یافتہ لوگوں کو زیادہ جانتا ہے۔ بعض نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا: تو ایمان لے آ اس پر جو میں لے کر آیا ہوں اور تورب العالمین کی عبادت کر، اس پر کہ تیرے لیے ایسی جوانی ہوگی جو موت تک بوڑھا نہیں کرے گی اور ایسی ملکیت پر جو تجھ سے موت تک چھینی نہیں جائے گی۔ اور تیرے عمر میں چار سو سال اضافہ ہو جائے گا اور جب تو مرے گا تو جنت میں داخل ہوگا۔ یہ قول لین ہے، حضرت ابن مسعود نے فرمایا: القول اللین سے مراد یہ ارشاد ہے: فَقُلْ هَلْ لَكَ إِلَىٰ أَنْ تَزْكَىٰ ۖ وَ أَهْدِيكَ إِلَىٰ مَبْتَغَىٰ ۖ ﴿٥﴾ (النازعات) بعض نے فرمایا: قول لین سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے: اے فرعون! ہم تیرے پروردگار، تمام جہانوں کے پروردگار کے پیغام رساں ہیں۔ آپ نے اس کا یہ نام لیا کیونکہ باقی اسماء میں سے یہ نام اسے زیادہ پسند تھا جس طرح ہمارے ہاں الملک (بادشاہ) کو نام دیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: القول اللین سے مراد وہ قول ہے جس میں خشونت نہ ہو۔ کہا جاتا ہے: یلین لیناً، شیئی ولین مخفف ہے اور اس کی جمع الیناء ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نرم لہجہ میں بات کرنے کا حکم دیا گیا تو جوان سے کم مرتبہ ہیں ان کے لیے بدرجہ اولیٰ یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے خطاب میں اس معاملہ کی اقتدا کرے اور کلام میں نرمی کا مظاہرہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرہ: 83) اس کا بیان سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ الحمد للہ۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَعَلَّه يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ﴿٥﴾ اس کا معنی ہے تمہاری امید اور تمہاری رجائے۔ اس میں توقع جہت بشر کی طرف راجع ہے؛ بڑے بڑے نحوی علماء اور سیبویہ وغیرہ نے یہ کہا ہے۔ سورہ بقرہ میں یہ مفہوم گزر چکا ہے۔ زجاج نے کہا: لعل لفظ طمع اور ترحمی ہے، پس اس کے ساتھ علتمندوں کو خطاب کیا جاتا ہے۔ بعض نے کہا: لعل یہاں استفہام کے معنی میں ہے۔ اس کا معنی ہے: فانظر هل يتذکر، یعنی دیکھ کیا وہ نصیحت حاصل کرتا ہے۔ بعض نے کہا: یہ کئی کے معنی میں ہے۔ بعض نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے جو حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا شاید وہ نصیحت حاصل کرے اور ڈرنے لگے؛ یہ حسن کا قول ہے۔ بعض نے کہا: لعل اور عسیٰ تمام قرآن میں اس معنی کے لیے آئے ہیں جو واقع ہو چکا ہو۔ فرعون نے اس وقت نصیحت حاصل کی جب وہ غرق ہونے لگا اور اس وقت ڈرا اور کہا: اٰمَنْتُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْ اٰمَنْتُ بِهٖ بَنُوْا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٥﴾ (یونس) لیکن اس وقت کے ایمان نے اسے نفع نہیں دیا؛ یہ ابو بکر و راق وغیرہ کا قول ہے۔ یحییٰ بن معاذ نے اس آیت میں فرمایا: یہ تیری اس پر مہربانی ہے جو کہتا ہے: میں الہ ہوں، پھر اس پر تیری کتنی بندہ نوازی ہوگی جو کہتا ہے: تو الہ ہے۔ بعض نے فرمایا: فرعون، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کی طرف مائل ہوا جب آپ نے اسے دعوت دی اور اپنی بیوی سے مشورہ کیا وہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئی اور ایمان لانے کا مشورہ دیا پھر اس نے ہامان سے مشورہ کیا تو اس نے کہا: تو ایسا نہ کر تو بادشاہ ہونے کے بعد غلام بن جائے گا، تورب ہونے کے بعد مر بوب ہو جائے گا اور اسے کہا: میں تجھے جوانی کی طرف لوٹاؤں گا۔ اس نے اس کی داڑھی میں سیاہ خضاب لگایا اور یہ پہلا شخص تھا جس نے سیاہ خضاب لگایا تھا۔

قَالَ رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَنْ يُفْرِطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَطْغَى ⑤

”دونوں نے عرض کی: اے ہمارے رب! ہمیں یہ خوف ہے کہ وہ دست درازی کرے گا ہم پر یا سرکشی سے پیش آئے گا۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَافُ أَنْ يُفْرِطَ عَلَيْنَا أَوْ أَنْ يَطْغَى ⑤ ضحاک نے کہا: یفرط کا معنی تجاوز کرنا ہے۔ نوح اس نے کہا: یفرط علینا منہ امر ہمیں اندیشہ ہے کہ اس کی طرف سے ہم پر تجاوز ہوگا۔ فراء نے کہا: اس کی طرف سے امر جلدی ہوگا۔ فراء نے کہا: افراط کا معنی اسراع (جلدی کرنا) ہے اور فرمایا: فراط کا معنی چھوڑ دینا ہے اور جمہور کی قرأت یفرط یاہ کے فتح اور راء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی ہے ہمیں سزا دینے میں وہ جلدی کرے گا۔ کہا جاتا ہے: فراط منی امر جلدی ہوا۔ اسی سے الفارطی الساء ہے، وہ شخص جو پانی تک لوگوں سے پہلے پہنچ جاتا ہے یعنی وہ ہمیں گناہ میں سبقت لے جانے والے کے عذاب کی طرح عذاب دے گا؛ یہ مبرد کا قول ہے۔ اور ایک گروہ نے یفرط یاہ اور راء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان میں ابن محیسن بھی ہے۔ مہدوی نے کہا: شاید یہ بھی ایک لغت ہو ان سے یاہ کے ضمہ اور راء کے فتح کے ساتھ بھی مروی ہے۔ اس کا معنی ہے اسے ہم پر جلدی کرنے پر ابھارنے والا ابھارے گا۔ ایک گروہ نے یفرط یاہ کے ضمہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ اور ابن محیسن نے بھی اسی طرح پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہے وہ ہمیں اذیت دینے میں زیادتی کرے گا۔ راجز نے کہا:

قد أفرط العذْبُ علينا وعجل

قَالَ لَا تَخَافَا إِنِّي مَعَكُمَا أَسْمِعُ وَأُنْصِتُ ⑥

”ارشاد ہوا: ڈرو نہیں میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں (ہر بات) سن رہا ہوں اور (ہر چیز) دیکھ رہا ہوں۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ علماء نے فرمایا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو بتقاضائے بشریت اپنے نفسوں پر خوف لاحق ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آگاہ فرمایا کہ فرعون ان تک اور ان کی قوم تک نہیں پہنچے گا۔ یہ آیت اس کے قول کا رد کرتی ہے جو کہتا ہے: وہ نہیں ڈرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی انبیاء و اولیاء میں سنت ہے کہ انہیں دشمنوں کا خوف ہوتا ہے حالانکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر وثوق اور یقین ہوتا ہے۔ بھری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا جب عامر بن عبد اللہ کے متعلق خبر دینے والے کو کہا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ شام کے راستے پر پانی پرا ترا ہے اور ان کے درمیان اور پانی کے درمیان ایک شیر حائل ہو گیا ہے۔ عامر پانی کی طرف آیا اور اس سے اپنی حاجت پوری کی۔ عامر کو کہا گیا: کیا تو نے اپنے اندر خطرہ محسوس کیا؟ تو عامر نے کہا: میرے پیٹ میں نیزے لگیں تو میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہے کہ اللہ تعالیٰ جان لے لے کہ میں اس کے سوا کسی چیز سے ڈرتا ہوں، جبکہ وہ بھی بتقاضائے بشریت ڈرے تھے جو عامر سے بہتر تھے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ان سے ایک شخص نے کہا تھا: إِنَّ الْمَلَائِكَةَ يَأْتُونَكَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِلَيَّ لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ ⑥ فَخَرَجَ

مِنْهَا خَآءِ بِفَآئِ تَرَقَّبُ ۚ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ (القصص) اور فرمایا: فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَآءِ بِفَآئِ تَرَقَّبُ (القصص) اور جب جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لائٹھیاں پھینکی تو فرمایا: فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْآءِ عَلَى ۝۔

میں کہتا ہوں: اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے ارد گرد خندق کھودی تاکہ مسلمان اور ان کے اموال محفوظ ہو جائیں جبکہ آپ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل اور وثوق میں ایسے مقام پر فائز تھے جس پر کبھی کوئی پہنچا ہی نہیں پھر آپ کے صحابہ کرام جن سے کوئی ناواقف نہیں کہ وہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر ایک مرتبہ حبشہ کی طرف گئے اور پھر مدینہ طیبہ کی طرف گئے کیونکہ انہیں مشرکین مکہ سے اپنی جانوں کا خطرہ تھا اور اس لیے چلے گئے تھے کیونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ انہیں عذاب دے کر انہیں دین کے سلسلہ میں فتنہ میں مبتلا کر دیں گے۔ اسماء بنت عمیس نے حضرت عمر بن الخطاب سے کہا تھا جب انہوں نے اسے کہا تھا: ہم تم سے ہجرت میں سبقت لے گئے ہیں اس لیے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تم سے زیادہ حقدار ہیں۔ اسماء نے کہا: اے عمر! تو نے غلط کہا ہے ہرگز نہیں اللہ کی قسم! تم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے وہ تمہارے بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے، تمہارے جاہلوں کو وعظ کرتے تھے اور ہم دور والی زمین میں تھے جس میں دین اسلام سے نفرت کی جاتی تھی یعنی ہم حبشہ میں تھے اور یہ سب کچھ ہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا کے لیے برداشت کیا۔ اللہ کی قسم! میں نہ کھانا کھاؤں گی اور نہ پانی پیوؤں گی حتیٰ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ عرض کر لوں جو تو نے کہا ہے، ہم اذیت دیئے جاتے تھے اور ہم ڈرتے تھے۔ یہ طویل حدیث ہے۔ اس کو مسلم نے نقل کیا ہے۔ علماء نے فرمایا: اپنی ذات کے متعلق خبر دینے والا جھوٹا ہے سوائے ان باتوں کے جو اللہ تعالیٰ نے نفوس کے اندر پیدا کر دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں رکھ دیا ہے کہ وہ تکلیف دینے والی، اذیت دینے والی اور تلف کرنے والی چیزوں سے ڈرتا ہے۔ علماء نے فرمایا: درندے سے بڑا ضرر نہیں ہے جو انسان پر جنگل میں حملہ کرنے والا ہے اور اس کے پاس اپنی جان کی حفاظت کے لیے تلوار، نیزہ، تیر وغیرہ بھی نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّنِي مَعَكُمْ أَلْعَنِي فرعون کے خلاف میں تمہاری مدد اور نصرت کروں گا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ہم کہتے ہیں: الأُمير مع فلان جب امیر اس کی حفاظت کرنے والا ہو۔ أَسْمَعُ وَأُكْرِمُ ۝ یہ اس ادراک سے عبارت ہے جس کے ساتھ کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔ اللہ رب العالمین کی ذات بڑی بابرکت ہے۔

فَأْتِيَهُ فَفُقُولًا ۖ إِنَّا سَأُولًا لَّرَبِّكَ فَأَرْسَلْنَا مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ۖ وَلَا نُعَذِّبُهُمْ ۚ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكَ ۖ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَن كَذَّبَ وَتَوَلٰى ۝ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمْ يُوسُفُ ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ حُلُقَهُ ثُمَّ هَدٰى ۝

”پس (بے خوف و خطر) اس کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ: ہم دونوں تیرے رب کے فرستادہ ہیں پس بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اور انہیں (اب مزید) عذاب نہ دے، ہم لے آئے ہیں تیرے پاس ایک نشانی تیرے رب کے پاس سے، اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ بیشک وحی کی گئی ہے ہماری طرف کہ عذاب (خداوندی) اس پر آئے گا جو جھٹلاتا ہے (کلام الہی کو) اور روگردانی کرتا ہے۔ فرعون نے پوچھا: موئی تم دونوں کا رب کون ہے؟ فرمایا: ہمارا رب وہ ہے جس نے عطا کی ہر چیز کو (موزوں) صورت پھر (مقصد تخلیق کی طرف) ہر چیز کی راہنمائی کی۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَاتَّبِعْهُ فَقَوْلًا** اِنَّا مَرْسُولًا مِّنْ رَبِّكَ اس کلام میں حذف ہے معنی یہ ہے کہ وہ فرعون کے پاس آئے اور اسے یہ کہا: **فَاَتْرِكْ سَبِيلَ مَعْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ** یعنی ان کو چھوڑ دے۔ **وَلَا تُعَذِّبْهُمْ** محنت و مشقت اور کام میں تھکانے کے ساتھ۔ بنو اسرائیل فرعون کے پاس سخت عذاب میں تھے وہ ان کے لڑکوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں سے خدمت لیتا تھا۔ اور مٹی اور اینٹیں بنانے اور شہر تعمیر کرنے کی تکلیف مالا یطاق دیتا تھا۔ **قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّنْ رَبِّكَ** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت سے مراد عصا اور ہاتھ ہے۔ بعض نے فرمایا: فرعون نے پوچھا وہ نشانی کیا ہے؟ حضرت موئی علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اپنی قمیص کے گریبان میں داخل کیا پھر اسے سفید نکالا اس کی سورج کی شعاع کی طرح شعاع تھی اس ہاتھ کا نور سورج کے نور پر غالب آگیا۔ اور اس سے اس نے تعجب کیا اور عصا کا معجزہ نہیں دکھایا مگر میلہ کے دن۔ **وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى** ۱۰ زجاج نے کہا: جس نے ہدایت کی اتباع کی وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے بچ گیا۔ اور فرمایا: یہ سلام نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ ملاقات کی ابتدا نہیں ہے اور خطاب نہیں ہے۔ فراء نے کہا: **وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى** ۱۱ اور لمن اتبع الهدی برابر نہیں۔ **اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ الْيٰسَّرَ اَنَّ الْعَذَابَ** یعنی دنیا میں ہلاکت و بربادی اور آخرت میں جہنم میں ہمیشہ رہنا۔ **عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى** اس پر ہے جس نے انبیاء کرام کو جھٹلایا۔ **تَوَلٰى** اور ایمان سے اعراض کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت موحدین کے لیے امید افزا ہے کیونکہ انہوں نے نہ جھٹلایا اور نہ اعراض کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **قَالَ فَمَنْ شَرِبْنَا يُمُوْسٰى** ۱۲ فرعون نے حضرت موئی علیہ السلام کا ذکر کیا حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا تاکہ آیات کے سرے مل جائیں۔ بعض نے فرمایا: ذکر کے ساتھ حضرت موئی علیہ السلام کو خاص فرمایا کیونکہ وہ رسالت اور کلام اور معجزہ والے تھے۔ بعض نے فرمایا: دونوں نے پیغام پہنچایا اگرچہ حضرت ہارون علیہ السلام خاموش تھے، کیونکہ کلام کے وقت ایک شخص بات کرتا ہے۔ جب ایک کلام ختم کرتا ہے تو دوسرا اس کی تائید کرتا ہے اور اسے تقویت دیتا ہے۔ پس اس بنا میں ہمارے لیے ایک علمی فائدہ ہے کہ دو شخصوں کو کوئی کام سپرد کیا جائے اور پھر ایک ادا کر دے جبکہ دوسرا وہاں موجود ہو اس وقت وہ اس سے مستغنی ہو تو وہ کام دونوں کا ادا کرنا شمار ہوگا اور دونوں عوض اور بدل کے مستحق ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **اِذْ هَبْنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ** اور پھر فرمایا: **اِذْ هَبْنَا اَنْتَ وَاَخُوْكَ** اور فرمایا: **فَقَوْلًا لَّهٗ** دونوں کو جانے اور بات کرنے کا حکم دیا۔ پھر **فَمَنْ شَرِبْنَا** کے قول سے خطاب نے ہمیں بتایا کہ حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موئی علیہ السلام کے ساتھ موجود تھے۔ **قَالَ**، حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ یعنی وہ اپنی صفات کے ساتھ پہچانا جاتا ہے۔ اس کا کوئی اسم، علم نہیں حتیٰ کہ کہا جائے کہ وہ فلاں ہے بلکہ وہ عالم کا خالق ہے اس نے ہر مخلوق کو اپنی ہیئت اور صورت کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اگر خطاب دونوں کے ساتھ ہوتا تو تو کلام یوں ہوتی: قَالَا رَبَّنَا اور خلقه، اعطى كما مفعول اول ہے یعنی اس نے ہر مخلوق کو ہر وہ چیز دی جس کے وہ محتاج تھے اور جس کی انہیں ضرورت تھی یا یہ مفعول ثانی ہے یعنی اس نے ہر چیز کو اس کی وہ صورت اور شکل دی جو اس منفعت کے مطابق تھی جو اس کے متعلق تھی جیسا کہ ضحاک کا قول ہے جو آگے آ رہا ہے۔ ثُمَّ هَذِي، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر اور سدی نے کہا: اس کا مطلب ہے اس نے ہر چیز کو اس کی جنس سے اس کا جوڑا دیا پھر اس کی نکاح کرنے، کھانے پینے اور رہنے کی طرف راہنمائی کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: پھر اس کی الفت، اجتماع اور مناکحت کی طرف راہنمائی کی۔ حسن اور قتادہ نے کہا: ہر چیز کو اس کی اصلاح دی اور جو اس کے لیے مناسب تھا اس کی طرف راہنمائی کی۔ مجاہد نے کہا: اس نے ہر چیز کو صورت دی اور انسان کی صورت، حیوانوں کی تخلیق پر نہیں بنائی اور نہ حیوانوں کی تخلیق انسانوں کی تخلیق پر بنائی لیکن اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور ایک مخصوص انداز سے بنایا۔ شاعر نے کہا:

وَلَهُ فِي كُلِّ شَيْءٍ خَلْقُهُ وَكَذَلِكَ اللَّهُ مَا شَاءَ فَعَلُ

یعنی جس صورت پر تخلیق کرنا چاہا کر دیا؛ یہ عطیہ اور مقابل کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: اس نے ہر چیز کو اس منفعت کے ساتھ پیدا کیا جو اس کے متعلق تھی اور اس کے مطابق تھی یعنی ہاتھ کو پکڑنے کے لیے، پاؤں کو چلنے کے لیے، زبان کو بولنے کے لیے، آنکھ کو دیکھنے کے لیے، کان کو سننے کے لیے پیدا کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: ہر چیز کو علم یا صنعت الہام کی۔ فراء نے کہا: مرد کو عورت کے لیے تخلیق کیا اور ہر مذکر کے لیے اس کے موافق مونث پیدا کی۔ ہر مذکر کو عورت کے لیے راہنمائی کی اس تقدیر پر مطلب ہوگا: اعطى كل شيء مثل خلقه ہر چیز کو اس کی تخلیق کی مثل عطا کی۔

میں کہتا ہوں: یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا معنی ہے۔ آیت کریمہ عام ہے۔ زائدہ نے اعمش سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ یعنی لام کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے؛ یہ ابن ابی اسحق کی قرأت ہے۔ اور نصیر نے کسائی وغیرہ سے یہ روایت کیا ہے یعنی بنی آدم کو ہر چیز عطا کی وہ اس نے پیدا کی جس کے وہ محتاج تھے۔ دونوں قرأتیں معنی میں متفق ہیں۔

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَى ۝ قَالَ عَلِمَهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا

يُنْسَى ۝

”اس نے کہا: (اچھا یہ بتاؤ) کیا حال ہوا پہلی قوموں کا۔ فرمایا: ان کا علم میرے رب کے پاس ہے جو کتاب میں (مرقوم) ہے نہ بھٹکتا ہے میرا رب اور نہ (کسی چیز کو) بھولتا ہے۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ فَمَا بَالُ، البال سے مراد حالت ہے یعنی کیا حال ہوا اور کیا شان ہوئی، تو

بتایا کہ اس کا علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، یعنی یہ علم غیب سے ہے جس کے متعلق تو نے سوال کیا ہے۔ اور یہ وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کیا ہے اس کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور میں نہیں ہوں مگر تیری مثل بندہ، میں نہیں جانتا مگر جس کے متعلق مجھے وہ علام الغیوب خبر دے، گزشتہ قوموں کے احوال کا علم اللہ کی بارگاہ میں لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے پہلی قوموں کا کیا حال ہوا جنہوں نے توحید و رسالت کا اقرار نہیں کیا یعنی ان کا کیا حال ہوا جو گزر گئے اور انہوں نے تیرے رب کے علاوہ معبودوں کی عبادت کی۔ بعض نے فرمایا: اس نے پہلی قوموں کے اعمال کے متعلق پوچھا تو بتایا کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں شمار کیے گئے ہیں اور اس کے پاس کتاب میں محفوظ ہیں، یعنی وہ اعمال لکھے ہوئے ہیں وہ انہیں عذاب اور جزا دے گا۔ یہاں الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ کتاب ہے جو ملائکہ کے پاس ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت اور اس کی مثل دوسری آیات جو گزر چکی ہیں اور جو آگے آئیں گی علوم کو مدون کرنے اور ان کو لکھنے پر دلالت کرتی ہیں تاکہ علوم بھول نہ جائیں کیونکہ کبھی حفظ کو غلطی اور نسیان جیسی آفات لاحق ہو جاتی ہیں اور کبھی انسان اسے یاد نہیں رکھتا جو وہ سنتا ہے تاکہ وہ اسے مقید کرے تاکہ ضائع نہ ہو جائے۔ ہم نے قتادہ سے متصل سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا: کیا ہم تیرے جیسے لوگوں سے جو سنیں اسے لکھ لیں؟ اس نے کہا: تمہیں لکھنے سے کیا مانع ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جو لطیف و خبیر ہے اس نے خود خبر دی ہے کہ وہ لکھتا ہے فرمایا: قَالَ عَلَّمَهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کا فیصلہ فرمایا تو کتاب میں اپنے اوپر لکھا اور وہ اس کے پاس رکھا ہوا ہے کہ میری رحمت، میرے غضب پر غالب ہے۔“ خطیب ابو بکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: ایک انصاری شخص نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھتا تھا وہ حدیث غور سے سنتا تھا اور وہ اسے پسند کرتا تھا اور اسے یاد نہیں کر سکتا تھا اس نے نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں شکایت کی عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ میں آپ سے حدیث سنتا ہوں اور وہ مجھے اچھی لگتی ہے لیکن میں یاد نہیں کر سکتا۔ اسے نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”اپنے دائیں ہاتھ سے مدد طلب کرو“ (1) اور آپ نے لکھنے کی طرف اشارہ فرمایا۔ یہ نص ہے اور علم کے لکھنے اور اس کی تدوین کے جواز پر جمہور صحابہ اور تابعین کا جواز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ابو شاہ کے لیے وہ خطبہ لکھنے کا حکم دیا جو آپ ﷺ نے حج کے موقع پر دیا تھا۔ ابو شاہ یمن کا ایک شخص تھا اس نے وہ خطبہ لکھ کر دینے کا سوال کیا تھا۔ اس حدیث کو مسلم نے تخریج کیا ہے۔ عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے انہوں نے ان کے دادا سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: ”علم کو لکھنے کے ساتھ قید کرو“ (2)۔ معاویہ بن قرہ نے کہا: جو علم لکھتا نہیں اس کا علم، علم شمار نہیں ہوتا۔ بعض علماء علم کو لکھنے سے منع کرتے ہیں۔ ابو نصرہ نے روایت کیا ہے فرمایا: ابو سعید سے پوچھا گیا: کیا ہم تمہاری یہ حدیث لکھیں۔ اس نے کہا: اس کو قرآن نہ بناؤ، لیکن یاد کرو جس طرح ہم نے یاد کیا ہے۔ اور جو نہیں لکھتے تھے ان میں شعبی، یونس بن عبید اور خالد حذاء ہیں۔ خالد نے کہا: میں نے کبھی کوئی حدیث نہیں لکھی سوائے ایک حدیث کے جب وہ میں نے یاد کر لی تو وہ

میں نے مٹادی۔ ان علماء میں ابن عون اور زہری بھی ہیں۔ بعض لکھتے تھے جب یاد کر لیتے تھے تو اسے مٹا دیتے تھے ان میں سے محمد بن سیرین اور عاصم بن صمرہ ہیں۔ ہشام بن حسان نے کہا: میں نے کبھی کوئی حدیث نہیں لکھی سوائے حدیث الاعماق کے جب میں نے وہ یاد کر لی تو میں نے اسے مٹا دیا۔

میں کہتا ہوں: ہم نے خالد حذاء سے اس کی مثل ذکر کیا ہے۔ حدیثِ اعماق کو مسلم نے کتاب کے آخر میں ذکر کیا ہے۔ ”قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ روی اعماق یا ابق میں اتریں گے“۔ اس کو کتاب الفتن میں ذکر کیا ہے۔ بعض علماء پہلے حدیث یاد کرتے تھے پھر اسے لکھتے تھے ان میں اعش، عبد اللہ بن ادریس اور ہشیم وغیرہم ہیں۔ یہ حفظ پر احتیاط ہے۔ بہر حال لکھنا بہتر ہے۔ اس کے متعلق آیات اور احادیث وارد ہیں اور یہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور بڑے بڑے تابعین سے مروی ہے جیسے حسن، عطاء، طاؤس، عروہ بن زبیر اور ان کے بعد والے اہل علم سے بھی یہ مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَ كَتَبْنَا لَهُ فِي الْاَلْوَابِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (الاعراف: 145)** اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ لِرِثْمِهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (الانبياء)** اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ اَكْتُبْ لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً (الاعراف: 156)** اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ كُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزَّبُورِ (٥٠) وَ كُلُّ صَغِيرٍ وَ كَبِيرٍ مُسْتَقَرٌّ (القمر)** اور فرمایا: **عَلِمَهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ** ان کے علاوہ بھی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ نیز علم کتابت کے ذریعے محفوظ ہوتا ہے، پھر مقابلہ، تکرار، تحفظ، تعہد، مذاکرہ، سوال، ناقلین سے جستجو کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ جن علماء نے ابتدائی دور میں لکھنے کو ناپسند کیا تھا وہ عہد کے قرب کی وجہ سے تھا اور اسناد کے قرب کی وجہ سے تھا تا کہ کاتب لکھنے پر اعتماد نہ کرے اور سلسلہ سند اور حفظ اور عمل کو چھوڑ دے اب جبکہ زمانہ بہت دور ہو گیا ہے اسناد غیر متقارب ہیں، طرق مختلف ہو گئے ہیں، نقل کرنے والے تشابہ ہو گئے ہیں، نسیان کی آفت لاحق ہو چکی ہے، وہم سے بھی امن نہیں ہے پس لکھنے کے ساتھ علم کو مقید کرنا اولیٰ اور بہتر ہے اور اس کے وجوب پر دلیل زیادہ قوی ہے۔ اگر کوئی حضرت ابوسعید کی حدیث سے حجت پکڑے جو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھ سے نہ لکھو، جس نے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہے وہ اسے مٹا دے“ (1)۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مقدم ہے اور کتابت کے امر کے ساتھ منسوخ ہے۔ ابوشاہ کے لیے لکھنے کی اباحت کے ساتھ منسوخ ہے نیز یہ اس لیے فرمایا تھا تا کہ قرآن کے ساتھ کوئی ایسی چیز نہ مل جائے جو قرآن سے نہ ہو۔ اسی طرح حضرت ابوسعید سے بھی مروی ہے: ہم نے خواہش کی کہ نبی کریم ﷺ ہمیں لکھنے کی اجازت دیں تو آپ نے ان کا رد کیا، اگر یہ محفوظ ہے تو یہ ہجرت سے پہلے کی ہے جب کہ قرآن کو چھوڑ کر حدیث سے مشغول ہونے کا اندیشہ تھا۔

مسئلہ نمبر 3۔ ابو بکر خطیب نے کہا: مناسب ہے کہ حدیث کالی سیاہی سے لکھی جائے پھر جبر (روشائی) خاص ہے مداد (سیاہی) نہیں کیونکہ سواد شوخ رنگ ہے اور جبر اسے کافی زمانہ باقی رکھتی ہے۔ سیاہی صاحب علم لوگوں کا آلہ ہے اور اہل

معرفت کا ہتھیار ہے۔ عبد اللہ بن احمد بن حنبل نے ذکر کیا ہے کہ مجھے میرے باپ نے بتایا کہ مجھے امام شافعی نے دیکھا کہ میں ان کی مجلس میں تھا اور میری قمیص پر سیاہی لگی ہوئی تھی اور میں اسے چھپا رہا تھا۔ امام شافعی نے فرمایا: تو اسے کیوں چھپا رہا ہے؟ کپڑے پر سیاہی مروءت سے ہے کیونکہ اس کی صورت آنکھوں میں سیاہی ہے اور بصائر میں سفیدی ہے۔ حضرت خالد بن ولید نے کہا: صاحب حدیث کے کپڑے میں سیاہی اس طرح ہے جیسے دلہن کے لباس پر خوشبو ہوتی ہے۔ ابو عبد اللہ بلوی نے یہی مفہوم اس طرح بیان کیا ہے:

مِدَادَ السَّخَابِرِ طِيبُ الرِّجَالِ وَطِيبُ النِّسَاءِ مِنَ الزَّعْفَرَانِ
فَهَذَا يَلِيقُ بِأَثْوَابِ ذَا وَ هَذَا يَلِيقُ بِشُوبِ الْحَصَانِ (1)

ماوردی نے ذکر کیا ہے کہ عبد اللہ بن سلیمان جیسا کہ حکایت کیا گیا ہے نے اپنے کپڑوں پر زردی کا اثر دیکھا اس نے دوات سے کچھ سیاہی لی اور اس پر اسے مل دیا پھر فرمایا: ہمارے لیے سیاہ زعفران سے زیادہ خوبصورت ہے؛ اور شعر کہا:

إِنَّا الزَّعْفَرَانُ عِطْرُ الْعَذَارَى وَمِدَادُ الذَّوْدِ عِطْرُ الرِّجَالِ

مسئلہ نمبر 4۔ لَا يَضِلُّ رَاقِي وَلَا يَنْسَى ⑤ اس کے مفہوم میں علماء کے پانچ اقوال ہیں:

(1) یہ نئی کلام ہے اور ان دونوں صفتوں سے اللہ تعالیٰ کی تزیہ بیان کی گئی ہے اور کلام فی کتھب میں مکمل ہو چکی ہے؛ اسی طرح زجاج نے کہا ہے۔ اور لَا يَضِلُّ کا معنی ہے وہ ہلاک نہیں ہوتا یہ اس قول سے ہے، إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ (السجدة: 10) کیا جب ہم زمین میں ہلاک ہو جائیں گے۔ وَلَا يَنْسَى ⑤ وہ کوئی چیز بھولتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہلاکت اور نسیان سے تزیہ بیان کی گئی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ لَا يَضِلُّ کا معنی ہے وہ خطا نہیں کرتا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ یعنی وہ تدبیر میں خطا نہیں کرتا جس کو اس نے مہلت دی وہ بھی اس نے کسی حکمت کے تحت مہلت دی اور جس کو جلدی پکڑ لیا تو یہ بھی اس کی حکمت کا تقاضا تھا۔ تیسرا قول یہ ہے لَا يَضِلُّ وہ غائب نہیں ہوتا؛ ابن الاعرابی نے کہا: الضلال کی اصل الغيبوبة ہے۔ کہا جاتا ہے: ضل الناس جب کسی سے کسی چیز کا یاد کرنا غائب ہو جائے۔ فرمایا: اس جملہ کا معنی ہے میرے رب سے کوئی چیز غائب نہیں ہوتی اور نہ وہ کسی چیز سے غائب ہوتا ہے۔ چوتھا قول یہ ہے یہ بھی زجاج نے کہا اور نحاس نے کہا: یہ معنی میں اس کے مشابہ ہے، اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ کتاب کا محتاج نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کا علم اور معرفت اس سے غائب نہیں ہوتی اور جو وہ علم رکھتا ہے اسے بھولتا نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ قول ابن الاعرابی کے قول کے مفہوم کی طرف راجع ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ لَا يَضِلُّ رَاقِي وَلَا يَنْسَى ⑤ کتاب کی صفت ہے یعنی وہ کتاب اللہ تعالیٰ سے غائب نہیں ہونے والی۔ وَلَا يَنْسَى یعنی وہ بھولنے والا نہیں۔ یہ دونوں کتاب کی صفت ہیں۔ اس بنا پر کلام متصل ہوگی اور کتاب پر وقف نہ ہوگا۔ عرب کہتے ہیں: ضلني الشيء جب کوئی چیز نہ پائے۔ أضلته أنا جب میں اسکی جگہ کسی چیز کو چھوڑ دوں کہ پھر میں اسے نہ پاؤں۔ حسن، قتادہ، عیسیٰ بن عمر، ابن مہیصن، عاصم

جمہوری اور ابن کثیر نے جو شبل نے اس سے روایت کیا ہے۔ لایضل، یاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا رب نہ اسے ضائع کرے گا اور نہ اسے بھولے گا۔ ابن عرفہ نے کہا: عربوں کے نزدیک الضلالہ کا معنی ٹیڑھے راستہ پر چلنا ہے۔ کہا جاتا ہے: ضل عن الطريق وأضلّ الشیء جب کسی چیز کو ضائع کر دے اسی سے ہے جنہوں نے لایضل ربی پڑھا ہے جس کا معنی ہے وہ ضائع نہیں کرے گا: یہ عربوں کا مذہب ہے۔

الذی جعل لکم الأرض مہدًا و سَلَکَ لکم فیہا سُبُلًا و أنزل من السماء ماءً
فأخرجنا بہ اَزْوَاجًا مِنْ نَبَاتٍ شَتَّى ۝۶۱ کُلُوا وَاْرْعُوا أَنْعَامَکُمْ ۝۶۲ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ
لِّاُولِی النُّہٰی ۝۶۳ مِنْہَا خَلَقْنٰکُمْ وَفِیہَا نُعِیْدُکُمْ وَ مِنْہَا نُخْرِجُکُمْ تَارَةً اٰخْرٰی ۝۶۴

”وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور بنا دیے تمہارے فائدے کے لیے اس میں راستے اور اُتارا آسمان سے پانی، پھر ہم نے نکالے پانی کے ذریعے (شکم زمین سے) جوڑے گونا گوں نباتات کے۔ خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ، بیشک اس میں (ہماری قدرت و حکمت کی) نشانیاں ہیں دانشوروں کے لیے۔ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور (روز حشر) اسی سے ہم تمہیں نکالیں گے ایک بار پھر۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الذی جعل لکم الأرض مہدًا، الذی، رب کی نعت کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔ یعنی لایضل ربی الذی جعل، اور یہ بھی جائز ہے کہ الذی مبتدا محذوف کی خبر ہو یعنی هو الذی اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ اعنی کے اضمار کے ساتھ منصوب ہو کو فیوں نے یہاں اور سورۃ الزخرف میں مہدًا ہم کے فتح اور ہاء کے اسکان کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے مہاد ا پڑھا ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اس کو اختیار کیا ہے کیونکہ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِہدًا ۝۱ (النبا) کی قرأت پر قراء کا اتفاق ہے۔ نحاس نے کہا: جمع اولی ہے کیونکہ مہد مصدر ہے اور یہ مصدر کی جگہ نہیں بنتی مگر حذف کی تقدیر پر، یعنی ذات مہد۔ مہدوی نے کہا: جس نے مہد ا پڑھا ہے جائز ہے۔ کہ یہ مصدر ہو جیسے الفرش یعنی مہد لکم الأرض مہد اور یہ بھی جائز ہے کہ مضاف کے حذف کی تقدیر پر ہو یعنی ذات مہد اور جنہوں نے مہاد ا پڑھا ہے جائز ہے کہ الفرش کی طرح مفرد ہو اور جائز ہے کہ یہ مہد کی جمع ہو اسماء کے استعمال کی طرح استعمال کیا گیا ہو اور پھر جمع مکسر بنائی گئی ہو اور مہاد کا معنی فراشا اور قرار ہے جس پر وہ ٹھہرتے ہیں۔ و سَلَکَ لکم فیہا سُبُلًا یعنی طرقا اس کی مثال یہ آیت ہے، وَاللّٰهُ جَعَلَ لکم الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝۱ لَتَسْلُکُوْا مِنْہَا سُبُلًا فَجَآجًا ۝۲ (نوح)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الذی جعل لکم الأرض مہدًا و جعل لکم فیہا سُبُلًا لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۲ (الزخرف) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: و أنزل من السماء ماءً اس کا مفہوم پہلے گزر چکا ہے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام کا آخر ہے۔ پھر فرمایا: فأخرجنا بہ بعض نے فرمایا: یہ تمام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام سے ہے۔ فأخرجنا بہ کا مطلب ہے ہم نے کھیتی باڑی اور محنت کے ذریعے نکالا، کیونکہ آسمان سے نازل ہونے والا پانی نباتات کے خروج کا سبب ہے۔ اَزْوَاجًا

کا معنی اقسام ہے، یعنی مختلف قسموں اور رنگوں میں کئی نباتات نکالیں۔ انخس نے کہا: تقدیر یہ ہے ازواجاً شتی من نبات، فرمایا: کبھی نباتات کی نعت بنانا بھی جائز ہے اور شتی یہ شت الشئ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے جدا جدا ہونا۔ کہا جاتا ہے: امرشت متفرق امر، شت الأمرشتا وشتاتا متفرق ہونا۔ اشتت کا بھی یہی معنی ہے اسی طرح التشتت ہے، شتتہ، تشتیتا اس نے اس کو متفرق کر دیا۔ اشتب قوم یعنی میرے معاملہ کو متفرق کر دیا۔ الشتیت کا معنی ہے المتفرق۔ روایت نے اونٹوں کا وصف بیان کیا ہے:

جَاءَتْ مَعًا وَاطْرَقَتْ شَتِيَّتًا هِيَ تُشِيدُ الشَّاطِطُ السِّخْتِيَّتَا

شغرتشتیت یعنی کھلا۔ قوم شتی و اشیاء شتی تو کہتا ہے: جاءوا اشتاتاً، وہ متفرق طور پر آئے۔ اس کا واحد ہے، یہ جوہری کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَلُّوا وَاثْرَعُوا اَنْعَاصَكُمْ اَمْرًا بَاحْتِ كَيْ لِيْهِ هُوَ۔ وَاثْرَعُوا يَهْدِي رَعْتِ الْمَاشِيَةِ الْكَلَاءِ رَعَاهَا صَاحِبُهَا رَعِيَّةٌ سَهْ مَشْتَقٌ هُوَ لِيْعْنِي مَالِكٌ نَعْنِي جَانُورٌ كُوْجِرَا يَا۔ يَهْ لَازِمٌ اَوْر مَتَعَدِي دَوْنُوْنَ طَرَحِ اسْتِعْمَالِ هُوْتَا هُو۔ اِنْ فِيْ ذٰلِكَ لَا يَتَّوْلِي الْاُولٰٓئِي النَّهْلِي، اُولِي النَّهْيِ سَهْ مَرَادٌ عَظْمَنْدُ لُوْغٌ هِي۔ اِسْ كَا وَا حِدْ نَهِيَّةٌ هُو۔ اِنْ كُو يَهْ نَامِ اِسْ لِيْعِي دِيَا جَاتَا هُو كِيُوْنَكُهْ يَهْ اِبْنِي رَا عَيْ تَمَّ كَ جَاتِي هِي۔ بَعْضُ نَعْنِي فَرَمَا يَا: كِيُوْنَكُهْ وَهْ اِبْنِي نَفْسِ كُو قَبَاحٌ سَهْ رُو كَتِي هِي۔ يَهْ تَمَامُ كَلَامِ حَضْرَتِ مَوْسَى عَلِيْهِ السَّلَامُ كَا فِرْعَوْنَ كَهْ خِلَافِ حِجْتِ پِشِ كَرْنَا هُو كَهْ صَانِعٌ مَوْجُوْدٌ هُو جَبَكُهْ فِرْعَوْنَ نَعْنِي كَهَا تَهَا: فَمَنْ سَأَلَ بَكْمَا يَوْمَئِذٍ ۝ اور بيان كِيَا كَهْ صَانِعٌ پَرَا سِ كَهْ اَفْعَالِ سَهْ دَلِيْلُ پَكْزِي جَاتِي هُو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ، یعنی حضرت آدم علیہ السلام کیونکہ انہیں زمین سے پیدا کیا گیا تھا۔ ابو اسحاق زجاج وغیرہ کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: ہر نطفہ مٹی سے تیار کیا جاتا ہے اس پر قرآن کا ظاہر دلالت کر رہا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا مگر اس پر اس کی قبر کی مٹی سے مٹی ڈالی جاتی ہے۔“ ابو نعیم الحافظ نے ابن سیرین کے باب میں روایت کی ہے اور فرمایا: یہ حدیث غریب ہے حدیث عون سے، ہم نے اس کو نہیں لکھا مگر ابو عاصم نبیل کی حدیث سے۔ یہ اہل بصرہ سے ثقہ اور عظیم لوگوں میں سے ہے۔ یہ مفہوم سورۃ الانعام میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے واضح طور پر گزر چکا ہے۔ عطا خراسانی نے کہا: جب رحم میں نطفہ واقع ہوتا ہے تو رحم پر متعین فرشتہ جاتا ہے اور اس مکان سے مٹی لیتا ہے جہاں اس نے دفن ہونا ہوتا ہے اور پھر اس نطفہ پر ڈالتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس نطفہ اور مٹی سے اس کو تخلیق فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے: مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اٰخِرٰی ۝ حضرت براء کی حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بندہ مومن کی روح جب نکلتی ہے تو ملائکہ اسے اوپر لے جاتے ہیں وہ فرشتوں کے جس گردہ سے اس کو گزارتے ہیں وہ کہتے ہیں: یہ کس کی پاکیزہ روح ہے؟ وہ فرشتے کہتے ہیں: فلاں بن فلاں، وہ اس کا خوبصورت نام لیتے ہیں جس کے ساتھ دنیا میں لوگ اسے پکارتے تھے۔ پس وہ اس کے لیے آسمان کا دروازہ کھولتے ہیں تو دروازہ کھول دیا جاتا ہے پھر آسمان سے مقررین فرشتے اسے اوپر والے آسمان تک الوداع کہتے ہیں حتیٰ کہ وہ فرشتے اسے ساتویں آسمان تک پہنچا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے کے لیے علیین میں

کتاب لکھو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو میں نے انہیں زمین سے پیدا کیا ہے اور اس میں میں انہیں لوٹاؤں گا اور دوبارہ انہیں اس سے نکالوں گا پھر اس کی روح اس کے جسم کی طرف لوٹا دی جاتی ہے“ (1) اور حدیث ذکر کی۔ ہم نے یہ حدیث مکمل اپنی کتاب ”التذکرہ“ میں ذکر کی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے اس کو ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ لِمَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ۔ موت کے بعد تمہیں لوٹائیں گے۔ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ بَعثًا وَنَحْنُ نَحْنُ الْغَايِبُونَ۔ تمہیں نکالیں گے۔ تَارَةً أُخْرَى۔ یہ مَوْتِكُمْ کی طرف راجع ہے۔ نُعِيدُكُمْ کی طرف راجع نہیں ہے۔ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے: اشتریت ناقةً وداراً وناقاةً اُخْرَىٰ مَطْلَبٌ يٰۤهٰذَا الَّذِي هُوَ مِنْكُمْ يَدْعُوكَ يَوْمَ الَّذِي كُنْتُمْ تُكْفِرُونَ۔ یہ ہے کہ زمین سے ہم نے تمہیں نکالا اور موت کے بعد زمین سے ایک بار پھر نکالیں گے۔

وَ لَقَدْ اَرٰىنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاٰبٰی ۝۵۱ قَالَ اٰجِئْنَا لِنُخْرِجَنَّٰ مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوسٰی ۝۵۲ فَلَمَّا تَبَيَّنَكَ بِسِحْرِ مِثْلِهِ فَاَجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَا اَنْتَ مَكَانًا سُوٰی ۝۵۳ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزُّبُرَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحٰی ۝۵۴ فَتَوَلٰی فِرْعَوْنُ فِجْءًا وَّكِبًا ۝۵۵ ثُمَّ اٰتٰی ۝۵۶ قَالَ لَهْمُ مُوسٰی وَیَلٰكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلٰی اللّٰهِ كَذِبًا فِیْسِحِّبُكُمْ بِعَذَابٍ ۝۵۷ وَقَدْ خَابَ مَنۢ فَاَتْرٰی ۝۵۸

”اور ہم نے دکھلا دیں فرعون کو اپنی ساری نشانیاں پھر بھی اس نے جھٹلایا اور ماننے سے انکار کر دیا۔ کہنے لگا: موسیٰ! کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ نکال دو ہمیں اپنے ملک سے اپنے جادو کی طاقت سے۔ سو ہم بھی لائیں گے تیرے مقابلہ میں جادو ویسا ہی پس (اب) مقرر کرو ہمارے اور اپنے درمیان مقابلے کا دن نہ ہم پھریں اس سے اور نہ ہی تو پھرے جمع ہونے کی جگہ ہموار اور کھلی ہو۔ آپ نے فرمایا: (تمہارا چیلنج منظور ہے) جس کا دن تمہارے لیے مقرر کرتا ہوں اور یہ خیال رہے کہ سارے لوگ چاشت کے وقت جمع ہو جائیں۔ پھر فرعون واپس مڑا اور اکٹھا کیا اپنے فریب کاروں کو پھر خود آیا۔ فرمایا ان فرعونوں کو موسیٰ نے: کم بختو! نہ بہتان باندھو اللہ تعالیٰ پر جھوٹے ورنہ وہ تمہارا نام و نشان مٹا دے گا کسی عذاب سے اور (اس کا یہ اٹل قانون ہے) کہ ہمیشہ نامراد رہتا ہے جو افتراء بازی کرتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ اَرٰىنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا، یعنی وہ معجزات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلالت کرتے تھے۔ بعض نے فرمایا: وہ آیات مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلالت کرتی تھیں۔ فَكَذَّبَ وَاٰبٰی ۝۵۱ یعنی ایمان نہ لایا۔ یہ دلیل ہے کہ اس نے عناد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر کفر کیا کیونکہ اس نے آیات (معجزات) اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے تھے سنے سنے نہ تھے۔ اس کی مثال یہ آیت ہے، وَ جَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (النمل: 14)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ اٰجِئْنَا لِنُخْرِجَنَّٰ مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوسٰی ۝۵۲ وہ آیات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لے

کر آئے اور اس نے انہیں دیکھا تو کہنے لگا: یہ جادو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تو اس لیے آیا ہے تاکہ لوگوں کو وہم میں ڈالے تو ایسی نشانی لے آیا جو تیری اتباع اور تجھ پر ایمان لانے کا موجب ہے تاکہ تو ہماری زمین پر اور ہم پر غالب آجائے۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَكَ بِسُحُورِ مَثَلِهِ ہم اس کی مثل کے ساتھ تیرا مقابلہ کریں گے جو تو لے کر آیا تاکہ لوگوں پر واضح ہو جائے کہ جو تو لے کر آیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے۔ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا، مَوْعِدًا مَّصْدُرٌ هِيَ لِعْنَى وَعْدًا۔ بعض نے فرمایا: الموعود وعدہ کی جگہ کا اسم ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۱۰﴾ (الحجر) پس الموعود سے یہاں مکان مراد ہے۔ بعض نے فرمایا: وعدہ کے زمانہ کا اسم ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ (ہود: 81) مطلب یہ ہے کہ ہمارے لیے ایک دن متعین کرو یا مخصوص جگہ کا تعین کرو۔ قشیری نے کہا: انظر یہ ہے کہ یہ مصدر ہے اسی وجہ سے فرمایا: لَا نُخْلِفُهُ یعنی ہم اس وعدہ سے نہیں پھریں گے۔ الاخلاف کا مطلب ہے کسی سے کام کا وعدہ کرنا اور پھر اسے پورا نہ کرنا۔ جوہری نے کہا: السبعاد کا مطلب الموعود، الوقت اور الموضع ہے، اسی طرح الموعود ہے۔ ابو جعفر ابن قعقاع، شیبہ اور اعرج نے لانخلفه، اجعل جواب کی وجہ سے جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور جنہوں نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے تو انہوں نے موعود کی صفت بنایا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: موعوداً غیر مخلص۔

مَكَانًا سَوِيًّا ﴿۱۱﴾ ابن عامر، عام اور حمزہ نے سَوِيٍّ سَمِينٍ کے ضمہ کے ساتھ اور باقی قراء نے سَمِينٍ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے عُدَا وَعِدَا طُوِيٍّ وَطُوِيٍّ۔ ابو عبیدہ اور ابو حاتم نے سَمِينٍ کے کسرہ کے ساتھ اختیار کیا ہے کیونکہ یہ لغت عالیہ فصیحہ ہے۔ نحاس نے کہا: کسرہ زیادہ معروف و مشہور ہے۔ تمام نے واو کو تنوین دی ہے۔ حسن سے مروی ہے اور ان سے سَمِينٍ کے ضمہ اور بغیر تنوین کے پڑھنے میں اختلاف مروی ہے۔ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ مکان برابر ہو؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: ایسا، وار مکان جس میں وہ سب کچھ واضح نظر آئے جو ہم بیان کریں، یہ ابن زید کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا معنی نصف بیان کیا ہے۔ مجاہد نے منصف بیان کیا ہے۔ مجاہد اور قتادہ سے اس کا معنی عدلاً بیننا و بیننا بھی مروی ہے۔ نحاس نے کہا: اہل تفسیر نے سَوِيٍّ کا معنی نصف اور عدل بیان کیا ہے؛ یہ حسن قول ہے۔ سیبویہ نے کہا: کہا جاتا ہے: سَوِيٍّ دَسُوِيٍّ، یعنی عدل (مساوی) یعنی اسی جگہ جو دونوں اطراف کا نصف بنتی ہو۔ اس کی اصل تیرے اس قول سے ہے: جلس فی سواء الدار، وہ گھر کے وسط میں بیٹھا۔ اور ہر چیز کا وسط اس کا نصف ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا (البقرہ: 143) کی تفسیر میں عدلاً مروی ہے (1)۔ زہیر نے کہا:

أَرُونَا خُطَّةً لَّا ضَمِيمٌ فِيهَا يُسَوِيٌّ بَيْنَنَا فِيهَا السَّوَاءُ

ابو عبیدہ اور قتبی نے کہا: دونوں فریقوں کے درمیان کی جگہ۔ ابو عبیدہ نے موسیٰ بن جابر نخعی کے لیے یہ شعر کہا:

وَإِنَّ أَبَانَ كَانَ حَلًّا بِلِدَّةِ سَوِيٍّ بَيْنَ قَيْسِ قَيْسَانَ وَالْفِزْرِ

الفزیر سے مراد سعد بن زید مناة بن تمیم ہے۔ انفس نے کہا: سَوِيٍّ جب بمعنی غیر یا بمعنی عدل ہو تو اس میں تین لغات

ہوتی ہیں۔ اگر سین کو ضمہ دیا جائے یا کسرہ دیا جائے تو دونوں صورتوں میں قصر کے ساتھ ہوگا اگر سین کو فتح دیا جائے تو مد کے ساتھ پڑھا جائے گا تو کہتا ہے: مکان سوی و سوی و سوء یعنی دونوں فریقوں کی درمیانی جگہ۔ موسیٰ بن جابر نے کہا:

وجدنا أبانا كان حلّ ببلدنا

بعض نے فرمایا: مکاناً سوی سے مراد ہوا جگہ ہے۔ اس قول والے نے یہ شعر پڑھا ہے:

لَوْ تَمَثَّلَتْ حَبِيبِي مَاعَدَثْنِي وَتَمَثَّلَتْ مَاعَدُوْتُ سِوَاهَا

اور تو کہتا ہے: مرتت برجل سواك و سواك و سواك یعنی غیدك (تیرے سوا) دونوں اس امر میں برابر ہیں۔ اگر تو چاہے تو سوء ان کہے اور جمع کے لیے سوء اور ہم اسواء وہم سواستہ جیسے ثمانیۃ بغیر قیاس کے آتا ہے۔ مگانا پر نصب جعل کے مفعول ثانی کی وجہ سے ہے۔ موعدا کی وجہ سے اس کو نصب دینا درست نہیں کیونکہ وہ مفعول ہے یا ظرف ہے کیونکہ الموعدا سے وصف بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ اسماء جو افعال کے عمل کی طرح عمل کرتے ہیں جب ان کا وصف ذکر کیا جائے یا تصغیر بنائی جائے تو ان کا عمل کرنا مناسب نہیں کیونکہ وہ شبہ فعل سے نکل گئے ہیں اور اس کو اس پر محمول کرنا بہتر نہیں کہ ظرف مفعول ثانی کی جگہ واقع ہوئی ہے، کیونکہ موعدا کے بعد جب ظرف واقع ہو تو عرب ظروف کے ساتھ مصادر کے قائم مقام نہیں کرتے بلکہ وہ اس میں وسعت کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ (ہود: 81) مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ۔ يوم الزينة کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ عید کا دن تھا اس میں وہ زینت اختیار کرتے تھے اور جمع ہوتے تھے؛ یہ قتادہ اور سدی وغیرہما کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعد بن جبیر نے فرمایا: یہ عاشوراء کا دن تھا۔ سعید بن مسیب نے کہا: بازار کا دن مراد ہے جس میں وہ زیب و زینت کرتے تھے؛ یہ بھی قتادہ کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: یہ ہفتہ کا دن ہے۔ بعض نے کہا: نیروز کا دن ہے؛ یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ بعض نے کہا: یہ وہ دن ہے جس میں خلیج ٹوٹی تھی یہ اس لیے کہ اس میں وہ باہر نکلتے تھے اور سیر و سیاحت کرتے تھے۔ اس وقت نیل کی طرف سے مصر کے شہر امن میں ہوتے تھے۔ حسن، اعمش، عیسیٰ ثقفی، سلمیٰ اور ہبیرہ نے حفص سے يوم الزينة پڑھنا روایت کیا ہے۔ يوم الزينة نصب کے ساتھ ہے۔ ابو عمرو سے روایت کیا گیا ہے کہ زینت کے دن میں ہمارے وعدہ کو پورا ہونا ہے۔ باقی قراء نے مبتدا کی خبر کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے۔ اَنْ يُخْشَرَ النَّاسُ ضُحًى یعنی لوگوں کا جمع ہونا چاشت کے وقت ہوگا۔ اَنْ، ان لوگوں کی قرأت پر محل رفع ہوگا جنہوں نے یوم کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اَنْ يُخْشَرَ کا عطف رفع کی قرأت کو تقویت دیتا ہے، کیونکہ اَنْ ظرف نہیں ہوتا اگرچہ مصدر صریح ظرف ہوتا ہے، جیسے مقدم الحاج کیونکہ جنہوں نے کہا: آتیک مقدم الحاج اس نے آتیک اَنْ يقدم الحاج نہیں کہا۔ نحاس نے کہا: اس سے بہتر یہ ہے کہ الزينة پر عطف کی بناء پر محل جر میں ہو۔ الضحیٰ مؤنث ہے عرب بغیر ہا کے اس کی تصغیر کرتے ہیں تاکہ اس کی تصغیر ضحوة کی تصغیر کے مشابہ نہ ہو جائے؛ یہ نحاس کا قول ہے۔ جوہری نے کہا: ضحوة النهار، سورج کے طلوع ہونے کے بعد کا وقت ہے پھر اس کے بعد الضحیٰ ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب سورج چمکتا ہے۔ مقصود ہے مؤنث اور مذکر استعمال ہوتا ہے۔ اور جنہوں نے اس کو مؤنث بنایا ہے ان کا خیال ہے کہ یہ ضحوة

کی جمع ہے اور جنہوں نے اسے مذکر بنایا ہے ان کا خیال ہے کہ یہ فَعَلٌ کے وزن پر اسم ہے جیسے صَدَدٌ اور نَغْرٌ یہ سحر کی طرح ظرف غیر متمکن اسم ہے۔ تو کہتا ہے: لَقِيْتَهُ ضَعًا وَضَعًا- تو، ضعا سے مراد پورا دن لے گا تو اس کو مونث نہیں بنائے گا۔ پھر اس کے بعد الضحَاء کو مدد مذکر ذکر کیا ہے۔ اور یہ سورج کا اچھی طرح بلند ہونے کا وقت ہے۔ الضحَاء کو خاص کیا ہے کیونکہ یہ دن کا آغاز ہوگا۔ اگر معاملہ ان کے درمیان ہو تو دن میں وسعت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور محمد بن جریر وغیرہما سے مروی ہے: **وَ اَنْ يُخْشِرَ النَّاسَ ضُجًى** اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع کرے گا۔ بعض قراء سے مروی ہے: **وان تحشرو الناس**، اس کا معنی ہوگا اے فرعون! تو لوگوں کو جمع کرے گا۔ محمد بن جریر سے مروی ہے: **وان نحشرو نون** کے ساتھ، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے اس دن کا وعدہ کیا تا کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو اور اس کے دین کا ظہور ہو اور کافر نامراد ہو اور اس پر عام باطل بھاگ جائے۔ اور پھر مجمع میں باطل کی رسوائی ہوتا کہ حق میں رغبت کرنے والے کی رغبت میں تقویت ہو اور باطل گروہ عاجز آجائے اور اس امر کو ہر دیہات اور شہروں میں بیان کرنے والے زیادہ ہوں اور تمام لوگوں میں حق پھیل جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدًا**، کید سے مراد حیلہ اور جادو ہے مراد جادو گروں کو جمع کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بہتر جادو گر تھے اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ رسیاں اور لائٹھیاں تھیں۔ بعض نے کہا: وہ چار سو تھے۔ بعض نے کہا: وہ ہزار تھے۔ بعض نے کہا: وہ چودہ ہزار تھے۔ ابن المنکدر نے کہا: وہ اسی ہزار تھے۔ بعض نے کہا: وہ ایک رئیس کے ماتحت تھے جس کو شمعون کہا جاتا تھا۔ بعض نے کہا: اس کا نام یوحنا تھا اس کے ساتھ بارہ نقیب تھے ہر نقیب کے ساتھ بیس عریف (رہبر) تھے اور ہر عریف کے ساتھ ہزار جادو گر تھے۔ بعض نے کہا: وہ تین لاکھ جادو گر فیوم سے تھے تین لاکھ صعید سے تھے اور تین لاکھ ریف سے تھے وہ کل نو لاکھ تھے اور ان کا رئیس اندھا تھا۔ **ثُمَّ آتَىٰ ۙ** یعنی وقت مقررہ پر آیا۔ **قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ** یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور جادو گروں سے کہا: **وَيَلِكُمْ** یہ ان پر ہلاکت کی بددعا ہے۔ یہ بمعنی مصدر ہے ابو اسحاق زجاج نے کہا: یہ منصوب ہے بمعنی **الزمهم الله** ویلاً **الله** ان پر ہلاکت کو لازم کرے۔ فرمایا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ ندا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَوْمَ يَلْتَأَمُنَّ بَعْثَتْنَا** (یسین: 52)

لَا تَقْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا یعنی تم اس پر جھوٹ مٹ گھڑو اور اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ اور معجزت کو جادو نہ کہو۔ **فَيَسْحَتُمْ** بھڑاپ ورنہ وہ تمہیں ہلاک کر کے نیست و نابود کر دے گا۔ کہا جاتا ہے: سحت، أسحت دونوں کا معنی ایک ہے اس کی اصل بالوں کو مونڈ دینا ہے۔ کوفیوں نے فیسحتکم، أسحت سے مشتق کر کے پڑھا ہے۔ باقی قراء نے سحت سے مشتق کر کے فیسحتکم پڑھا ہے۔ یہ اہل حجاز کی لغت ہے اور پہلی بنی تمیم کی لغت ہے۔ اور نصب نبی کے جواب کی بنا پر ہے۔ فرزدق نے کہا:

عَصَ زَمَانٍ يَا بَنَ مَرْوَانَ لَمْ يَدْعُ مِنْ الْمَالِ إِلَّا مُسْحَتًا اَوْ مُجَلَّفًا

زمشری نے کہا: یہ وہ بیت ہے ہمیشہ قافلہ علماء اس کے اعراب کے درست کرنے میں گھٹنے رگڑتا رہا۔

وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَىٰ ۙ یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ایسا دعویٰ کیا ہے جس کی اس نے اجازت

نہیں دی وہ رحمت اور ثواب سے خسارے میں ہے۔

فَتَنَّا زُعْرًا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَأَسْرُ وَالنَّجْوَى ۝ قَالَوَا إِن هَذَا سِحْرٌ يُرِيدُنَا أَنْ
يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِ هِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثَلَى ۝ فَأَجْمَعُوا كَيْدَ كُمْ كُمْ
اسْتَوْصَفَاءَ وَقَدْ أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلَى ۝

”پس وہ جھگڑنے لگے اس کام کے متعلق آپس میں اور چھپ چھپ کر مشورے کرنے لگے۔ وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے: بلاشبہ یہ دو جادوگر ہیں یہ چاہتے ہیں کہ نکال دیں تمہیں تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے اور مٹادیں تمہاری (تہذیب و ثقافت کے) مثالی طریقوں کو۔ پس یکجا کر لو اپنی حیلہ سازیوں کو پھر آؤ پرے باندھے ہوئے اور کامیاب ہوگا آج وہ گروہ جو (اس مقابلہ میں) غالب رہا۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَنَّا زُعْرًا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ یعنی جادوگروں نے آپس میں مشورہ کیا۔ وَأَسْرُ وَالنَّجْوَى ۝ چھپ چھپ کر مشورہ کرنے لگے۔ قَالَوَا انہوں نے کہا: اگر وہ جو لے کر آئے ہیں جادو ہوگا تو ہم غالب آجائیں گے اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام ہوگا تو اس کا امر غالب آجائے گا یہ انہوں نے سرگوشی کی تھی۔ بعض نے کہا: انہوں نے یہ سرگوشی کی تھی اگر وہ ہم پر غالب آگیا تو ہم اس کی اتباع کریں گے، یہ کلبی کا قول ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نیکوکاروں کا معاملہ ہی بالآخر غالب آتا ہے۔ بعض نے کہا: ان کا سرگوشی کرنا یہ تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا: وَيَلِكُمْ لَا تَقْتُلُوا عَلَيَّ اللَّهُ كَذِبًا تَوَانَهُوَا نَ لَہَا: یہ جادوگروں کا قول نہیں ہے۔ النجوى سرگوشی کرنا یہ اسم اور مصدر ہوتا ہے۔ سورۃ النساء میں اس کا بیان آچکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِن هَذَا سِحْرٌ ابوعمر نے ان ہذین لسا حران پڑھا ہے۔ حضرت عثمان، حضرت عائشہ وغیرہما صحابہ سے یہ مروی ہے۔ اسی طرح حسن، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی وغیرہم نے بھی پڑھا ہے۔ قراء میں سے عیسیٰ بن عمر، عاصم جردری نے اسی طرح پڑھا ہے جیسا کہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ یہ قرأت اعراب کے موافق ہے اور مصحف کے مخالف ہے۔ زہری، خلیل بن احمد، مفضل، ابان، ابن محیسن، ابن کثیر اور عاصم نے ایک روایت میں پڑھا ہے: حفص نے بھی ان ہذان ان کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن کثیر ہذان کی نون کو شذ سے پڑھتے تھے۔ یہ قرأت مصحف کی مخالفت سے سلامت ہے اور اعراب کے فساد سے سلامت ہے۔ اس کا معنی ہے ماہذان اِلَّا سَاحِرَان۔ مدنی اور کوفی قراء نے ان ہذان، ان کو شذ کے ساتھ اور لسا حران پڑھا ہے۔ انہوں نے مصحف کی موافقت کی اور اعراب کی مخالفت کی۔ نحاس نے کہا: یہ تین قرأتیں ہیں۔

ائمہ کی ایک جماعت نے ان کو روایت کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ انہوں نے ان ہذان اِلَّا سَاحِرَان پڑھا ہے۔ کسائی نے حضرت عبد اللہ کی قرأت میں ان ہذان سَاحِرَان بغير لام کے کہا ہے۔ فراء نے حضرت ابی کی قرأت میں ان ہذان اِلَّا سَاحِرَان کہا ہے۔ یہ مزید تین قرأتیں ہیں۔ یہ تفسیر پر محمول ہوں گی ان کے ساتھ قرآن کی مخالفت کرنا جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں: اہل مدینہ اور کوفہ کی قرأت میں، مہدوی نے اپنی تفسیر میں اور ان کے علاوہ علماء نے ان کے کلام کے بعض کو بعض میں داخل کر دیا اور ایک قوم نے اس میں خطا کی حتیٰ کہ ابو عمر نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہوں کہ میں ان ہذان

پڑھوں، عروہ نے حضرت عائشہ بنتیہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے لٰكِنَ الرَّسَخُوْنَ فِي الْعِلْمِ (النساء: 162) کے متعلق پوچھا گیا پھر المقيمين اور سورہ مائدہ میں اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِغُوْنَ (المائدہ: 69) کے متعلق پوچھا اور اِنَّ هٰذٰلِكَ لَسَعْرٰنِ کے متعلق پوچھا گیا تو حضرت عائشہ بنتیہ نے کہا: اے میرے بھانجے! یہ کاتب کی خطا ہے۔ حضرت عثمان بن عفان بنتیہ نے کہا: مصحف میں غلطی ہے۔ عرب اپنی زبان کے ساتھ اس کو ٹھیک کر لیں گے ☆۔ حضرت ابان ابن عثمان نے کہا: میں نے یہ آیت اپنے باپ حضرت عثمان بن عفان بنتیہ کے سامنے تلاوت کی تو انہوں نے فرمایا یہ لحن اور خطا ہے۔ کسی نے ان سے کہا: کیا تم لوگ اسے تبدیل نہیں کرو گے؟ حضرت عثمان بنتیہ نے کہا: اس کو چھوڑو کیونکہ یہ نہ حلال کو حرام کرتا ہے اور نہ حرام کو حلال کرتا ہے۔ پہلا قول چھ اقوال میں سے ہے یہ بنی حرب بن کعب، زبیر بن جشم کی لغت ہے اور کنانہ بن زید شنیہ کا رفع، نصب اور حرف الف کے ساتھ پڑھتے ہیں کہتے ہیں۔ جاء الزيدان، رأيت الزيدان، مورت بالزيدان، اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: وَلَا اَدْرَاكُمْ بِهِ (يونس: 16) جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ فراء نے بنی اسد کے ایک شخص کا شعر پڑھا اور کہا: میں نے اس سے فصیح نہیں دیکھا:

فَاطِرَقِ اِطْرَاقِ السُّجَاعِ لَوْ يَرَى مَسَاغًا لِنَابَاةِ السُّجَاعِ لَصَمَّامَا

اور وہ کہتے ہیں: کسرت یداءہ اور کبت علاءہ بمعنی یدیبہ وعلیہ، ان کے شاعر نے کہا:

تَزُوْدَمِنَا بَيْنَ اُذْنَاهُ فَضْبَةٌ دَعْتَهُ اِلَى هَابِ التُّرَابِ عَقِيمِ

محل استدلال "بین اذتاءہ" ہے۔ ایک اور شاعر نے کہا:

اِنَّ اَبَاہَا وَاَبَا اَبَاہَا قَدْ بَلَغَا نِي الْمَجْدِ غَايَتَاہَا

یعنی ان ابا ابیہا وغایتیہا۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: یہ قول ان تمام اقوال سے عمدہ ہے جن پر آیت کو محمول کیا گیا ہے جب کہ یہ لغت معروف ہے اس کو اس نے حکایت کیا ہے جن کے علم اور امانت کو پسند کیا گیا ہے۔ ان میں سے ابو زید انصاری ہے وہ کہتا ہے: جب سیبویہ کہے: حدثنی من اثنی بہ تو اس سے مراد میری ذات ہوتی ہے۔ ابو الخطاب انخس یہ لغت کے ائمہ کا سردار ہے، کسائی اور فراء تمام کہتے ہیں کہ یہ بنی حرث بن کعب کی لغت ہے۔ ابو عبیدہ نے ابو الخطاب سے حکایت کیا ہے کہ یہ بنی کنانہ کی لغت ہے۔ مہدوی نے کہا: ان کے علاوہ نے حکایت کیا ہے کہ یہ جشم قبیلہ کی لغت ہے۔ نحاس نے کہا: یہ جو کچھ سیبویہ کے قول میں کہا گیا اس میں سے واضح ہے جان لے کہ جب تو واحد کا شنیہ بنائے گا تو اس پر دو چیزیں زائد کرے گا ایک یہ کہ حرف مد اور لین اور وہ اعراب کا حرف ہے۔ ابو جعفر نے کہا: سیبویہ کا قول کہ وہ اعراب کا حرف ہے یہ ثابت کرتا ہے کہ اصل تبدیل نہیں ہوتی۔ پس ان ہذان اپنی اصل پر آیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِسْتَوْدَعْنٰهُمْ الشَّيْطٰنَ (المجادلہ: 19) استعاذ نہیں فرمایا یہ اس طرح اس لیے آیا ہے تاکہ اصل پر دلالت کرے اسی

☆ اس قسم کے اقوال کا جلیل القدر صحابہ کرام کی طرف منسوب ہونا عمل نظر ہے جن جلیل القدر صحابہ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی وہ لغت میں مہارت تامہ رکھتے تھے حضرت مفسر نے کئی مقامات پر اس پر گفتگو کی ہے اور ایسی روایات کو قائل اعتنا نہیں سمجھا امام قشیری نے فرمایا ایسا مسلک اپنانا باطل ہے۔

طرح ان ہذاں جو اس لغت کا انکار کرے اس کے انکار میں غور نہیں کیا جائے گا کیونکہ آئمہ نحو نے اس کو روایت کیا ہے۔
 دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں ان بمعنی نعم (ہاں) ہے جیسا کہ کسائی نے عاصم سے روایت کیا ہے، فرمایا: عرب ان بمعنی نعم ذکر کرتے ہیں۔ سیبویہ نے حکایت کیا ہے کہ ان بمعنی اجل بھی آتا ہے۔ اس قول کا نظریہ محمد بن یزید اور اسماعیل بن اسحاق قاضی کا ہے۔ نحاس نے کہا میں نے ابو اسحاق زجاج اور علی بن سلیمان کو یہ قول کرتے ہوئے سنا۔ ابو اسحاق نحاس نے اس پر تعجب کیا۔ علی بن سلیمان نے ہمیں بیان کیا اور انہوں نے کہا ہمیں عبد اللہ بن احمد بن عبد السلام نیشاپوری نے ہمیں بیان کیا پھر میں عبد اللہ بن احمد سے ملا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ مجھے عمیر بن متوکل نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں محمد بن موسیٰ نوقلی نے بتایا جو حرث بن عبد اللہ کی اولاد سے تھے فرمایا ہمیں عمر بن جمعی کوفی نے جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے علی سے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے باپ حضرت علی سے روایت کیا ہے فرمایا: میں شمار ہی نہیں کر سکتا کہ میں نے کتنی مرتبہ منبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: **إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ** پھر فرماتے: میں تمام قریش سے زیادہ فصیح ہوں اور میرے بعد ابان بن سعید بن عاص فصیح ہوگا۔ ابو محمد خفاف نے کہا: عمیر نے کہا اس کا اعراب اہل لغت کے نزدیک **إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ** نصب کے ساتھ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ کیا نعم الحمد لله۔ یہ اس طرح ہے کہ عرب اپنے خطبات نعم کے معنی استعمال کر کے آغاز کرتے تھے۔ شاعر نے نعم کے معنی میں اس کو استعمال کیا ہے:

قالوا عَدْرَتْ فَقَلْتُ إِنَّ وَرُبَّمَا نَالَ الْعُلَا وَشَفَى الْغَلِيلَ الْغَادِرُ

محل استدلال ان ورتبما ہے۔ عبد اللہ بن قیس نے کہا:

بَكَرَ الْعَوَازِلُ فِي الصَّبَا ح يَلُتْنِي وَ أَلْمُهْنَةُ

وَيَقْلُنَ شَيْبٌ قَدْ عَلَا كَ وَ قَدْ كَبُرَتْ فَقَلْتُ إِنَّهُ

محل استدلال "انہ" ہے۔ اس بناء پر **إِنَّ هَذَا مِنْ كَعْرَانٍ** میں ان بمعنی نعم جائز ہے۔ اور اس پر نصب نہیں دی۔ نحاس

نے کہا: داؤد بن ہشیم نے شعر پڑھا اور ثعلب نے مجھے یہ شعر سنایا:

لَيْتَ شَعْرِي هَلْ لِلْحَبِّ شِفَاءٌ مِنْ جَوَى حَبْتِنِ إِنَّ الْلِقَاءَ

محل استدلال "ان اللقاء" ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قول عمدہ ہے مگر اس میں کچھ کمزوری ہے کیونکہ کہا جاتا ہے: نعم زید

خارج یہاں اللام واقع نہیں ہوتا اگرچہ نحو یوں نے اس کے بارے کلام کی ہے اور انہوں نے کہا: اللام سے تقدیم کی نیت کی گئی

ہے، جیسے کہا جاتا ہے:

خَالِي لَأَنْتَ وَمَنْ جَرِيءُ خَالِهِ يَنْبِلُ الْعَلَاءَ وَيَكْرِهُمُ الْأَخْوَالَ

ایک اور شاعر نے کہا:

أَمْ الْحُلَيْسِ لَعَجُورًا شَهْرِيَّةً تَرْضَى مِنَ الشَّاةِ بَعْظِمِ الرَّقَبَةِ

یعنی لغالی و لام الحلیس؛ زجاج نے کہا: مطلب یہ ہے کہ آیت میں معنی یہ ہے ان ہذان لهما ساحران پھر مبتدا کو حذف کیا گیا۔ مہدوی نے کہا: ابوعلی اور ابو الفتح جنی نے اس کا انکار کیا ہے۔ ابو الفتح نے کہا: ہما حذف نہیں کیا جاتا مگر معروف ہونے کے بعد۔ جب معروف ہو تو اس کی معرفت کی وجہ سے لام کے ساتھ تاکید کر نہیں کی جاتی اور یہ فتیح ہے کہ موكّد کو حذف کیا جائے اور موكّد کو باقی رکھا جائے۔

تیسرا قول بھی فراء کا ہے کہتے ہیں: الف ستون ہے فعل کا لام کلمہ نہیں ہے میں نے اس پر نون زیادہ کیا ہے اور میں نے اس پر تبدیلی نہیں کی جیسے تو کہتا ہے: الذی پھر تو اس پر نون زیادہ کرتا ہے اور تو کہتا ہے: جاعنی الذین عندک و رأیت الذین عندک و مررت بالذین عندک۔

چوتھا قول یہ ہے جو بعض کو فیوں نے کہا ہے انہوں نے کہا: ہذان میں الف یفعلان میں الف کے مشابہ ہے پس تبدیل نہیں ہوا۔

پانچواں قول ابو اسحاق کا ہے انہوں نے کہا: قد ماء نحوی کہتے ہیں یہاں ہاء مضمرہ ہے معنی یہ ہے انہ ہذان لساحران۔ ابن انباری نے کہا: ہاء مضمرہ ہے جو منصوب ہے اور ہذان، ان کی خبر ہے اور ساحران کو رفع ہما مضمر کی وجہ سے ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے انہ ہذان لهما ساحران۔ اس جواب والوں کے نزدیک اثبت یہ ہے کہ ہاء ان کا اسم ہو اور ہذان مبتدا ہو اور اس کا ما بعد خبر ہو۔

چھٹا قول یہ ہے ابو جعفر نحاس نے کہا: میں نے ابو الحسن بن کیسان سے اس آیت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا اگر تو چاہے تو میں تجھے نحو یوں کے جواب کے ساتھ جواب دوں اگر تو چاہے تو میں تجھے اپنے قول کے ساتھ جواب دوں۔ میں نے کہا: اپنے قول کے ساتھ جواب دو، انہوں نے کہا: اسماعیل بن اسحاق نے مجھ سے اس کے متعلق پوچھا تو میں نے کہا: میرے نزدیک قول یہ ہے کہ جب کہا جاتا ہے: ہذا مل رفع، نصب اور جر میں ایک حالت پر ہوتا ہے اور تشبیہ میں واجب ہے کہ اس کا واحد تبدیل نہ ہو تشبیہ واحد کے قائم مقام ہو اور فرمایا: کیا اچھا ہوتا کہ تجھے پہلے کسی نے یہ قول کیا ہوتا تا کہ اس سے مانوس ہوا جاتا۔ ابن کیسان نے کہا: میں نے اسے کہا قاضی نے کہا ہے حتی کہ اس کو پسند کیا گیا ہے تو انہوں نے تبسم فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يُرِيدُونَ أَن يُضْرِبُوكُم بِمِثْلِ الَّذِي كُنتُمْ تُضْرَبُونَ ﴿١٠﴾ (غافر) کہا جاتا ہے: فلاں حسن الطریقہ یعنی فلاں عمدہ مذہب والا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: طریقۃ القوم سے مراد فضل القول ہے۔ یہ وہ ہے کہ مناسب ہے کہ وہ اس کے طریقوں پر چلیں اور اس کی اقتدا کریں معنی یہ ہے کہ وہ تمہارے سرداروں اور تمہارے رؤوسا کو مائل کرتے ہوئے لے جائیں یا معنی ہو کہ وہ بنی اسرائیل کو لے جائیں ان سے مراد امثال ہیں اگرچہ وہ تمہارے نوکر تھے، کیونکہ ان کا شجرہ نسب انبیاء کی طرف لوٹا تھا یا یہ معنی کہ وہ ینذہبا باہل طریقتکم یعنی اہل مضاف محذوف ہے۔ المثل یہ الامثل کی تائید ہے، جیسے کہا جاتا

ہے: الافضل والفضلی، طریقتہ کو لفظ کی بنا پر مونث ذکر کیا گیا ہے اگرچہ اس سے مراد مرد ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ تانیث، جماعت کے معنی کی بنا پر ہو۔ کسائی نے کہا: **بَطَرٌ يُقْتَلُكُمْ** سے مراد تمہاری سنت اور تمہارا چال چلن ہے۔ **الْمَثَلُ** لغت ہے جیسے تیرا قول ہے: **امْرَأَةٌ كَبْرَى**، عرب کہتے ہیں: **فَلَانٌ عَلَى الطَّرِيقَةِ الْمَثَلُ**، یعنی وہ ہدایت مستقیم پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَأَجْبِعُوا كَيْدَكُمْ** الاجتماع کا معنی کسی چیز کا پختہ عزم کرنا ہے تو کہتا ہے: **أَجْبَعْتُ الْخُرُوجَ** یعنی تو نے نکل جانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ تمام علماء کی قرأت **فَأَجْبِعُوا** ہے سوائے ابو عمرو کے انہوں نے **فَأَجْبِعُوا** ہمزہ وصلی کے ساتھ میم کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: **فَجَجَعَمَ كَيْدَهُ ثُمَّ آتَى** سے حجت پکڑی ہے۔ نحاس نے کہا: میرے لیے محمد بن یزید سے حکایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: ابو عمرو پر واجب ہے کہ وہ اپنی اس قرأت کے خلاف پڑھیں اور وہ وہ قرأت ہے جس پر اکثر لوگوں کا اتفاق ہے۔ فرمایا: انہوں نے **فَجَجَعَمَ** سے حجت پکڑی ہے یہ تو ثابت ہے پس اس کے بعد **فَأَجْبِعُوا** ہونا بعید ہے۔ اور اس کے بعد **أَجْبِعُوا** ہونا قریب ہے، یعنی عزم کرو اور سنجیدگی اختیار کرو۔ جو کچھ پہلے گزر چکا ہے واجب ہے کہ یہ اس کے معنی کے خلاف ہو۔ کہا جاتا ہے: **أَمْرٌ مُجْبَعٌ وَمُجْبَعٌ عَلَيْهِ**۔ اس پر اجتماع کیا گیا ہے۔ نحاس نے کہا: ابو عمرو کی قرأت **فَأَجْبِعُوا** صحیح ہے، یعنی **أَجْبِعُوا** کل کید لکم وکل حيلة فضوه مع أخيه۔ یہ قول ابو اسحاق کا ہے۔ ثعلبی نے کہا: ہمزہ قطعی اور میم کے کسرہ کی قرأت کی دو ذہبیں ہیں۔ (۱) بمعنی **الجمع** تو کہتا ہے: **أَجْبَعْتُ الشَّيْءَ وَجَمَعْتَهُ** دونوں ہم معنی ہیں۔ صحاح میں ہے: **أَجْبَعْتُ الشَّيْءَ** تو نے کسی چیز کو جمع کر دیا۔ ابو ذؤیب اپنے گدھوں کی تعریف کرتا ہے:

فَكَانَهَا بِالْجِزْعِ بَيْنَ نُبَايِعِ وَأُولَاتِ ذِي الْعُرْجَاءِ نَهَبٌ مُجْبَعٌ

اس شعر میں **مُجْبَعٌ** بمعنی **مَجْبُوعٌ** ہے۔ اور اس کا دوسرا معنی عزم اور احکام ہے، شاعر نے کہا:

يَالَيْتَ شِعْرِي وَالسُّنَى لَأَسْتَفْعُمَ هَلْ أَغْدُونَ يَوْمًا وَأَمْرِي مُجْبَعٌ

اس شعر میں **مُجْبَعٌ** بمعنی محکم ہے۔ **ثُمَّ اسْتَوْصَفْنَا** مقاتل اور کلبی نے صفا کا معنی جیسے کیا ہے۔ بعض نے صفا کہا ہے تاکہ تمہاری ہیبت شدید ہو۔ صفا ابو عبیدہ کے قول پر اس لیے منصوب ہے کہ اس پر فعل واقع ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے: **أَتَيْتُ النِّصْفَ** بمعنی میں مسجد میں آیا۔ ابو عبیدہ کے نزدیک اس کا مطلب ہے تم ایسی جگہ پر آؤ جہاں عید کے دن جمع ہوتے ہو۔ بعض فصحاء، عرب سے حکایت ہے: ما قدرت أن أت الصف (مجھے مسجد میں آنے کی قدرت نہ ہوئی) زجاج نے کہا: یہ معنی بھی جائز ہے پھر تم آؤ جبکہ لوگ صفوں میں ہوں۔ اس صورت میں صفا مصدر حال واقع ہو رہا ہوگا اسی وجہ سے اس کی جمع نہیں بنائی گئی۔ **ثُمَّ ابْتَوَا صَفًا** بھی پڑھا گیا ہے۔ میم کے کسرہ اور یاء کے ساتھ۔ اور جس نے ہمزہ کو ترک کیا تو اس نے ہمزہ سے الف بنا دیا۔ **وَقَدْ أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنْ اسْتَعْلَى**، یعنی غالب آیا۔ یہ تمام گفتگو جادو گروں نے ایک دوسرے کے ساتھ کی۔ بعض نے کہا: یہ فرعون نے جادو گروں سے کہا تھا۔

قَالُوا يَوْمَئِذٍ إِمَّا أَنْ تُلْقَى وَإِمَّا أَنْ تَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقَى ۝ قَالَ بَلْ أَلْقُوا فَأَذَا

جِبَالَهُمْ وَعَصِيَّتُهُمْ يُحْيِلُ إِلَيْهِ مِنْ سَعْرِ هُمْ أَنَّهُاتَسْلَى ۝ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً

مُوسَى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَى ۝ وَآتَى مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفَ مَا صَنَعُوا ۝
 إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدُ سِحْرٍ ۝ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَى ۝ فَأَلْقَى السَّحْرَةَ سُجَّدًا
 قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَى ۝ قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ أَدْنِ لَكُمْ ۝ إِنَّهُ
 لَكَيْدٌ كُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۝ فَلَا قَطِيعَ أَيْدِيكُمْ ۝ وَأَرْجُلُكُمْ مِمَّنْ خِلَافٍ ۝
 لَأَوْصَلِبَنَّكُمْ فِي جُدُوعِ النَّخْلِ ۝ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْلَى ۝

”جادوگر بولے: اے موسیٰ! کیا پہلے آپ پھینکیں گے یا ہم ہی ہو جائیں پہلے پھینکنے والے۔ آپ نے فرمایا: نہیں تم ہی پہلے پھینکو، پھر کیا تھا کیا یک ان کی رسیاں اور ان کی لائٹھیاں آپ کو یوں دکھائی دینے لگیں ان کے جادو کے اثر سے جیسے وہ دوڑ رہی ہوں۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ ہم نے فرمایا: (اے کلیم!) مت ڈرو یقیناً تم ہی غالب رہو گے۔ اور زمین پر پھینک دو جو (عصا) تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے یہ نکل جائے گا جو انہوں نے کاریگری کی ہے، انہوں نے جو کاریگری کی ہے وہ فقط جادوگر کا فریب ہے اور نہیں فلاح پاتا جادوگر جہاں بھی جائے۔ پس گرا دیئے گئے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے، انہوں نے (برملا) کہہ دیا: (اے لوگو! سن لو) ہم ایمان لے آئے ہیں ہارون اور موسیٰ کے رب پر۔ فرعون (کو یارائے ضبط نہ رہا) بولا تم تو ایمان لا چکے تھے اس پر اس سے پہلے کہ میں نے تمہیں (مقابلہ کی) اجازت دی وہ تو تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمہیں سکھایا ہے جادو (کافن) تو میں قسم کھاتا ہوں کہ میں کاٹ ڈالوں گا تمہارے ہاتھ پاؤں یعنی ایک طرف کا ہاتھ ایک طرف کا پاؤں اور سولی چڑھاؤں گا تمہیں کھجور کے تنوں پر اور تم خوب جان لو گے کہ ہم میں سے کس کا عذاب شدید اور دیر پا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالُوا أَيُّنَا نَسَى ۝ اس سے مراد جادوگر ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی۔ اِمَّا أَنْ تَلْقَىٰ یعنی تم اپنا عصا پھینکو گے جو تمہارے ہاتھ میں ہے۔ وَ اِمَّا أَنْ تَكُونَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقَىٰ ۝ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جادوگروں نے ادب کا مظاہرہ کیا یہی ان کا ادب و احترام ان کے ایمان کا سبب بنا۔ قَالَ بَلْ اَلْقَوْا ۝ قَاذًا جِبَالَهُمْ ۝ کلام میں حذف ہے یعنی فالقوا (انہوں نے ڈالا) حذف ہے اس پر معنی دلالت کر رہا ہے۔ حسن نے عصیہم کو عین کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ہارون قاری نے کہا: بنی تمیم کی لغت غصیہم ہے۔ حسن اس کے مطابق پڑھتے تھے۔ باقی قراء نے صاد کے کسرہ کی اتباع کی وجہ سے عین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اسی طرح دُنَىٰ دُنَىٰ اور قُبَسَىٰ وَقُبَسَىٰ ہے۔

يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسَنَىٰ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو حبیہ، ابن ذکوان اور روح نے یعقوب سے روایت کر کے تخیل تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ انہوں نے ضمیر عصى اور الحبال کی طرف لوٹائی ہے چونکہ وہ مونث ہیں اس لیے مونث کا صیغہ پڑھا ہے، کیونکہ انہوں نے لائٹھیوں کو پارہ کے ساتھ لت پت کیا ہوا تھا۔ جب انہیں سورج کی دھوپ لگی تو وہ

حرکت کرنے لگیں۔ کلبی نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خیال کیا کہ زمین سانپوں والی ہے وہ اس کے بطن میں دوڑ رہے ہیں اور تخیل بمعنی تتخیل بھی پڑھا ہے۔ اس کا طریق بھی تخیل والا طریق ہے۔ اور جنہوں نے یخیل یاء کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے اس کا مرجع الکید کو بنایا ہے۔ نخیل نون کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ آزمائش اور محنت کے لیے خیال پیدا کرنے والا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا فاعل اَلْهَاتَسْنِي ہے اور انجمل رفع میں ہے یعنی یخیل الیہ سعیہا۔ یہ زجاج کا قول ہے۔ فراء کا خیال ہے کہ انجمل نصب میں ہے یعنی بَأْتَهَا پھر با کو حذف کیا گیا۔ پہلی صورت میں معنی ہوگا ان کے جادو اور مکر کی وجہ سے انہیں اشتباہ ہو گیا حتیٰ کہ انہوں نے گمان کیا وہ دوڑ رہی ہیں۔ زجاج نے کہا: جس نے تاکے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے اَنْ كُوْمِلِ نَصْبِ مِیْنِ بِنَايَا عِنِّي تَخِيْلًا اِلَيْهِ ذَاتِ سَعْيٍ اَنْهِيَ دَوْرًا نَعْمًا عَلِيْمًا هُوْنِي۔ فرمایا: یہ بھی جائز ہے کہ تخیل میں جو ضمیر ہے اس پر اَنْ بدل ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہو، جو ضمیر الحبال اور العصى کی طرف لوٹ رہی ہے، اس صورت میں بدل اشتمال ہوگا۔ تسعی بمعنی تمشی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَاَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ۗ**، او جس بمعنی اضمحس ہے دل میں محسوس کیا۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی پانا ہے۔ بعض نے کہا: اس کا معنی محسوس کرنا ہے، یعنی سانپوں سے کچھ خوف محسوس کیا یہ وہی ہے جو طبع بشری کو خوف لاحق ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ بعض نے کہا: آپ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ آپ کے عصا پھینکنے سے پہلے لوگ فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ بعض نے کہا: آپ کو خوف ہوا جب عصا ڈالنے کی وحی میں تاخیر ہوئی کہ لوگ اس سے پہلے جدا ہو جائیں گے اور فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ بعض اہل الحقائق نے کہا: اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جادو گروں سے ملے اور آپ نے انہیں فرمایا: (کہنوتو! نہ بہتان باندھو اللہ تعالیٰ پر جھوٹے ورنہ وہ تمہارا نام و نشان مٹا دے گا کسی عذاب سے) حضرت موسیٰ علیہ السلام متوجہ ہوئے تو جبریل آپ کی دائیں طرف کھڑے تھے تو جبریل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: اے موسیٰ! اللہ کے دوستوں کے ساتھ نرمی کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے جبریل! یہ جادو گر ہیں بڑا جادو لے کر آئے ہیں تاکہ معجزہ کو باطل کریں اور فرعون کے دین کی مدد کریں اور اللہ کے دین کا رد کریں۔ آپ کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے نرمی کرو، جبریل نے کہا: یہ اس وقت سے لے کر عصر تک تمہارے پاس ہیں عصر کے بعد یہ جنت میں ہوں گے جب جبریل نے یہ کہا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خوف محسوس ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطرہ لاحق ہوا کہ میرے بارے میں اللہ کا جو علم ہے اس کا مجھے علم نہیں شاید میں اب ایک حالت میں ہوں اور اللہ تعالیٰ کا علم میرے بارے میں اس حالت کے خلاف ہو جیسا کہ یہ لوگ تھے، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خوف کو جان لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی: **لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ۗ** یعنی تم ہی دنیا میں ان پر غالب ہو گے اور جنت میں بلند درجات پر ہو گے۔ اس نبوت و اصطفاء کے مقام کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا۔ حیفۃ کی اصل خِوْفَةٌ ہے۔ خاکے کسرہ کی وجہ سے واویا سے بدل گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَاَلْقِ مَا فِي يَمِيْنِكَ تَلْفَافًا صَاعِقُوًّا يَهِيْمُ فَرْمَايَا كَمَا اِنَّا عَصَا ذَالُو،** یہ جائز ہے انکی رسیوں کی

تھارت کے لیے ہو یعنی ان کی رسیوں اور لٹھیوں کی پروانہ کرو۔ تم وہ ایک چھوٹی سی لکڑی ڈالو جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ ایک ان تمام کو نکل جائے گی، وہ چھوٹی سی لکڑی ان تمام بڑی لکڑیوں کو کھا جائے گی۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ان کی تعظیم کے لیے ہو یعنی ان بڑے بڑے جسموں والی لکڑیوں کی پروانہ کرو کیونکہ جو چیز تمہارے ہاتھ میں ہے وہ ان تمام سے بڑی ہے۔ یہ کثرت کے باوجود اس کے سامنے کم ہیں۔ پس آپ اسے ڈالیں اللہ کے اذن سے تمام کو نکل جائے گا اور منادے گا۔ تَلْقَفُ جواب امر کی وجہ سے مجزوم ہے گویا فرمایا: اگر تو اسے پھینکے گا تو وہ انہیں نکل جائے گا۔ سلمیٰ اور حشس نے تلقف لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ لقف یلقف لقفاً سے مشتق ہے۔ ابن ذکوان، ابو حیوہ شامی، یحییٰ بن حرث نے تلقف تا کے حذف اور فاء کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ بایں معنی کہ فائتا تلقف۔ خطاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہے۔ بعض نے کہا: عصا کے لیے ہے۔ اللقف کا معنی تیزی سے پکڑ لینا ہے۔ کہا جاتا ہے: لقتت الشئ، قاف کے کسرہ کے ساتھ۔ لقفہ لقفاً، تلقفہ، یعنی جلدی کے ساتھ اس نے اسے پکڑ لیا۔ یعقوب سے مروی ہے کہا جاتا ہے: رجل لقف لقف، یعنی چالاک اور دانشمند آدمی۔ اللقف حرکت کے ساتھ دیوار کا گرنا۔ لقد لقف الحوض لقفاً یعنی نیچے سے کھل گیا۔ تلقف وتلقم وتلهم تمام کا معنی ایک ہی ہے؛ یہ سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ لقتت اللقمة لقفاً وتلقمتها اس کا معنی ہے لقمہ کو آسانی سے نکل لیا۔ اسی طرح لہمہ (ہاء کے کسرہ کے ساتھ) اس کا معنی نکل جانا ہے۔ مَا صَنَعُوا یعنی جو انہوں نے کیا اسی طرح اِلْمَا صَنَعُوا یعنی ان الذی صنعوا، کید رفع کے ساتھ ہے (سحر) سین کے کسرہ اور حاء کے سکون کے ساتھ۔ یہ عصام کے سوا کوفیوں کی قرأت ہے۔ اس میں دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ کید، السحر کی طرف مضاف ہو، اتباع کی بنا پر حذف کی تقدیر کے بغیر۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کلام میں حذف ہو یعنی کید ذی سحر، باقی قراء نے کید، نصب کے ساتھ اس پر صنم کے وقوع کے ساتھ۔ ما کاذ ہے۔ ساحر میں اضافت کی وجہ سے ضمیر مضمرنہ ہوگی۔ الکید اس قرأت پر حقیقت میں ساحر کے لیے مضاف ہے سحر کے لیے نہیں۔ ان کا فتح جائز ہے اس معنی پر لاق صانعو کید ساحر کہ جو انہوں نے کیا وہ جادو گر کا مکر و فریب ہے۔ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَى یعنی زمین کی کسی جہت سے آئے جادو گر کامیاب نہیں ہوتا۔ بعض نے کہا: جہاں حیلہ کرتا ہے۔ سورہ بقرہ میں ساحر کا حکم اور سحر کا معنی گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَتِ السَّحَرَةُ سُجَّدًا، جب انہوں نے عصا میں عظیم امر اور خارق لاعادت امر دیکھا تو وہ سجدہ میں گر گئے اس عصا نے رسیوں اور لٹھیوں کے ذریعے جو مکر و فریب کیا تھا سب کو نکل لیا۔ وہ بوجہ جو رسیوں اور لٹھیوں کا تھا تمہن سوانٹ کا تھا، پھر ایک عصارہ گیا۔ کوئی شخص نہیں جانتا تھا کہ رسیاں اور لٹھیاں کہاں ہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ یہ مفہوم اور عصا کا مسئلہ سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ قَالُوا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُونَ وَ مُوسٰی ۝ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ، لہ بمعنی بہ ہے۔ کہا جاتا ہے: آمن لہ وآمن بہ، اسی سے یہ ارشاد ہے: قَامَنَ لَهٗ لُوْطٌ (العنکبوت: 26) اور سورۃ الاعراف آیت 123 میں ہے: قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذِنَ لَكُمْ، فرعون کی طرف سے جادو گروں پر انکار ہے یعنی تم نے تجاوز کیا اور تم نے وہ کیا جس کا میں نے حکم نہیں دیا ہے۔ اِنَّهٗ لَكٰفِرٌ ۝ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ یعنی تعلیم میں جو تمہارا رئیس ہے۔ وہ تم پر غالب آ گیا کیونکہ وہ

جادوگری میں تم سے زیادہ ماہر تھا۔ فرعون نے اپنے اس قول سے یہ ارادہ کیا کہ لوگوں میں اشتباہ پیدا کر دے تاکہ لوگ ان کی اتباع نہ کریں اور ان کی طرح لوگ بھی ایمان نہ لے آئیں ورنہ فرعون جان چکا تھا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کچھ نہیں سیکھا ہے بلکہ وہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے اور ان کی ولادت ہونے سے پہلے جادو جانتے تھے۔ فَلَا قَطْعَنَ أَيُّدِيكُمْ وَأَنْتُمْ جُنُودٌ مِّنْ خَلْقِ اللَّهِ، یعنی علیٰ جذوع النخل، سوید بن ابی کابل نے کہا:

هُم صَلَبُوا الْعَبْدِي فِي جَذَعِ نَخْلَةٍ فَلَا عَطَسَتْ شَيْبَانٌ إِلَّا بِأَجْدَعًا

پس ان کے ہاتھ پاؤں کانے گئے اور سولی پر چڑھائے گئے حتیٰ کہ وہ وصال کر گئے۔ پس اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ ابن محیسن نے یہاں اور سورۃ الاعراف میں فلا قطعن ولا صلبنکم کوالف کے فتح کے ساتھ اور تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ قطع اور صلب سے مشتق کیا ہے۔ وَلَتَعْلَمَنَّ آيُنَا اَشَدُّ عَذَابًا وَاَبْلَىٰ ۝ یعنی میں یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رب؟۔

قَالُوا لَنْ نُؤْتِيَنَّكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ ۗ إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۗ ۝ إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطِئَنَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ وَابْلَىٰ ۗ ۝ إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ ۗ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ۗ ۝ وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ۗ ۝

”انہوں نے کہا: (اے فرعون!) ہمیں اس کی قسم جس نے ہمیں پیدا کیا ہم ہرگز ترجیح نہیں دیں گے تجھے ان روشن دلیلوں پر جو ہمارے پاس آئی ہیں پس (ہمارے بارے میں) جو فیصلہ تو کرنا چاہتا ہے کر دے (ہمیں ذرا پروا نہیں) تو صرف اس (فانی) دنیوی زندگی کے بارے میں ہی فیصلہ کر سکتا ہے۔ یقیناً ہم ایمان لائیں گے اپنے رب پر تاکہ وہ بخش دے ہمارے لیے ہماری خطاؤں کو اور اس تصور کو اور اس تصور کو بھی جس پر تم نے مجبور کیا تھا یعنی فن سحر اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ بیشک جو شخص بارگاہ الہی میں مجرم بن کر آئے تو اس کے لیے جہنم (کاشعلہ زار) ہے نہ وہ مر ہی سکے گا اس میں اور نہ وہ زندہ ہوگا۔ اور جو شخص حاضر ہوگا بارگاہ الہی میں مومن بن کر اس حال میں کہ اس نے عمل بھی نیک کیے ہوں تو یہ وہ (سعادت مند) ہیں جن کے لیے بلند درجات ہیں، یعنی سدا بہار باغات رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ (خوش نصیب) ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ ہے جزا ان کی جنہوں نے (اپنا دامن ہر آلائش سے) پاک رکھا۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالُوا جَادُوا وَكُفُّوا عَنِ الدِّينِ الَّذِي كَانُوا مُسْلِمِينَ ۗ ۝ قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْكُمْ لَئِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الدِّينَ لَأُولُوا حَقِّهِ حَتَّىٰ يُؤْتُوا مِنْكُمْ جِزْيَةً كَمَا كَانُوا مُسْلِمِينَ ۗ ۝ قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْكُمْ لَئِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الدِّينَ لَأُولُوا حَقِّهِ حَتَّىٰ يُؤْتُوا مِنْكُمْ جِزْيَةً كَمَا كَانُوا مُسْلِمِينَ ۗ ۝ قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْكُمْ لَئِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الدِّينَ لَأُولُوا حَقِّهِ حَتَّىٰ يُؤْتُوا مِنْكُمْ جِزْيَةً كَمَا كَانُوا مُسْلِمِينَ ۗ ۝

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: البینات سے مراد یقین اور علم ہے۔ عکرمہ وغیرہ نے کہا: جب انہوں نے سجدہ کیا تو سجدہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی جنت میں منازل دکھائیں اسی وجہ سے انہوں نے کہا: ہم تجھے ترجیح نہیں دیں گے۔ فَاقْضِ مَا

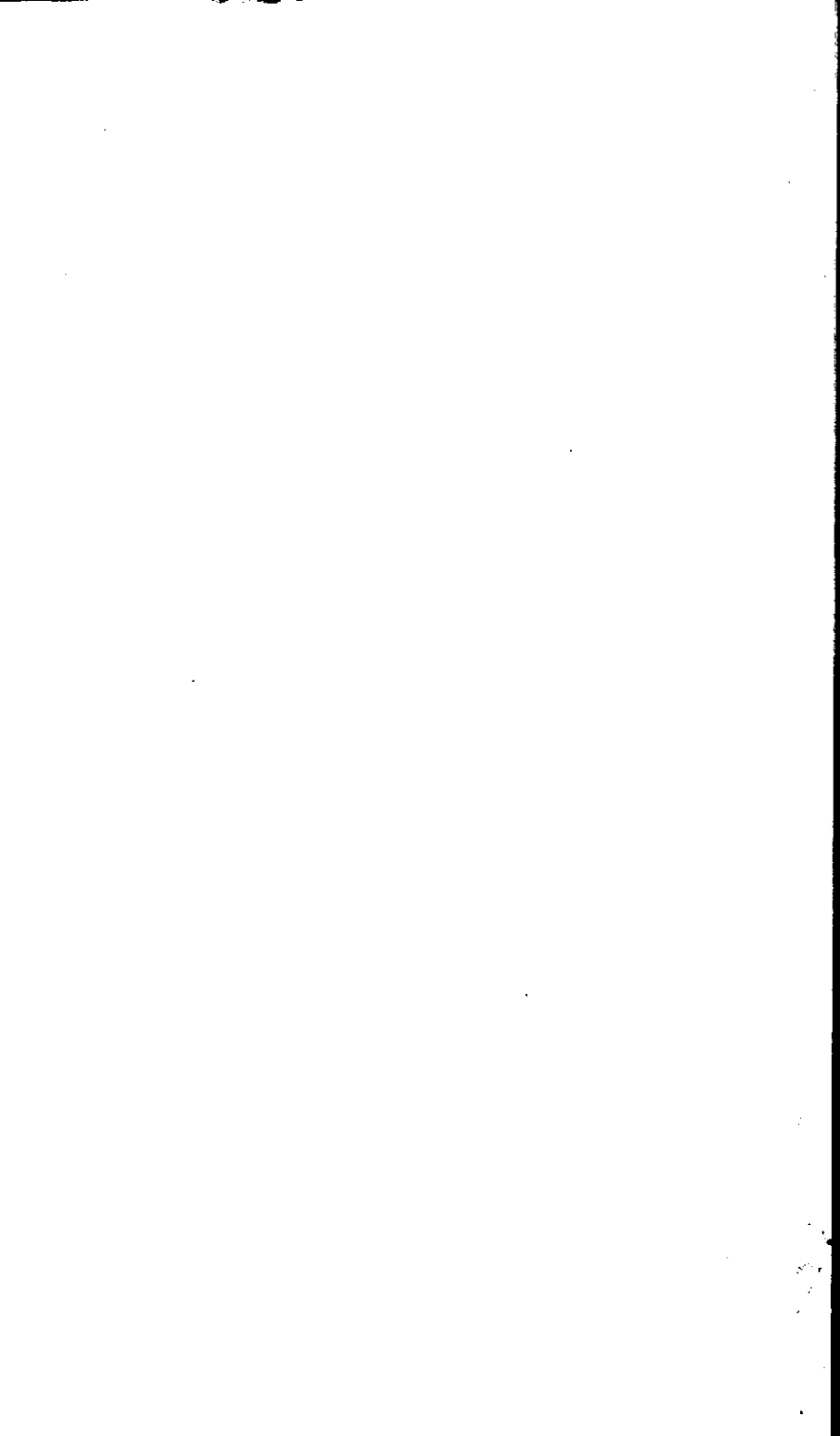
أَنْتَ قَاضٍ تَقْدِيرِ عِبَارَتِ اس طرح ہے، ما انت قاضیہ اور یہاں ما جو فعل کو ملاتا ہے مصدر کے قائم مقام نہیں ہے کیونکہ وہ افعال کو ملاتا ہے اور یہ مبتدا اور خبر کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا مطلب ہے تو کر لے جو تو کرنے والا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے تو فیصلہ کر جو تو کرنے والا ہے یعنی ہاتھ پاؤں کاٹنے اور سولی چڑھانا چاہتا ہے۔ یا کو قاضی سے حذف کیا گیا ہے کیونکہ یا ساکن ہے اور دوسرا تنوین کا سکون ہے۔ سیبویہ نے وقف میں یا کے اثبات کو اختیار کیا ہے، کیونکہ اس صورت میں التقاء ساکنین کی علت زائل ہو جاتی ہے۔

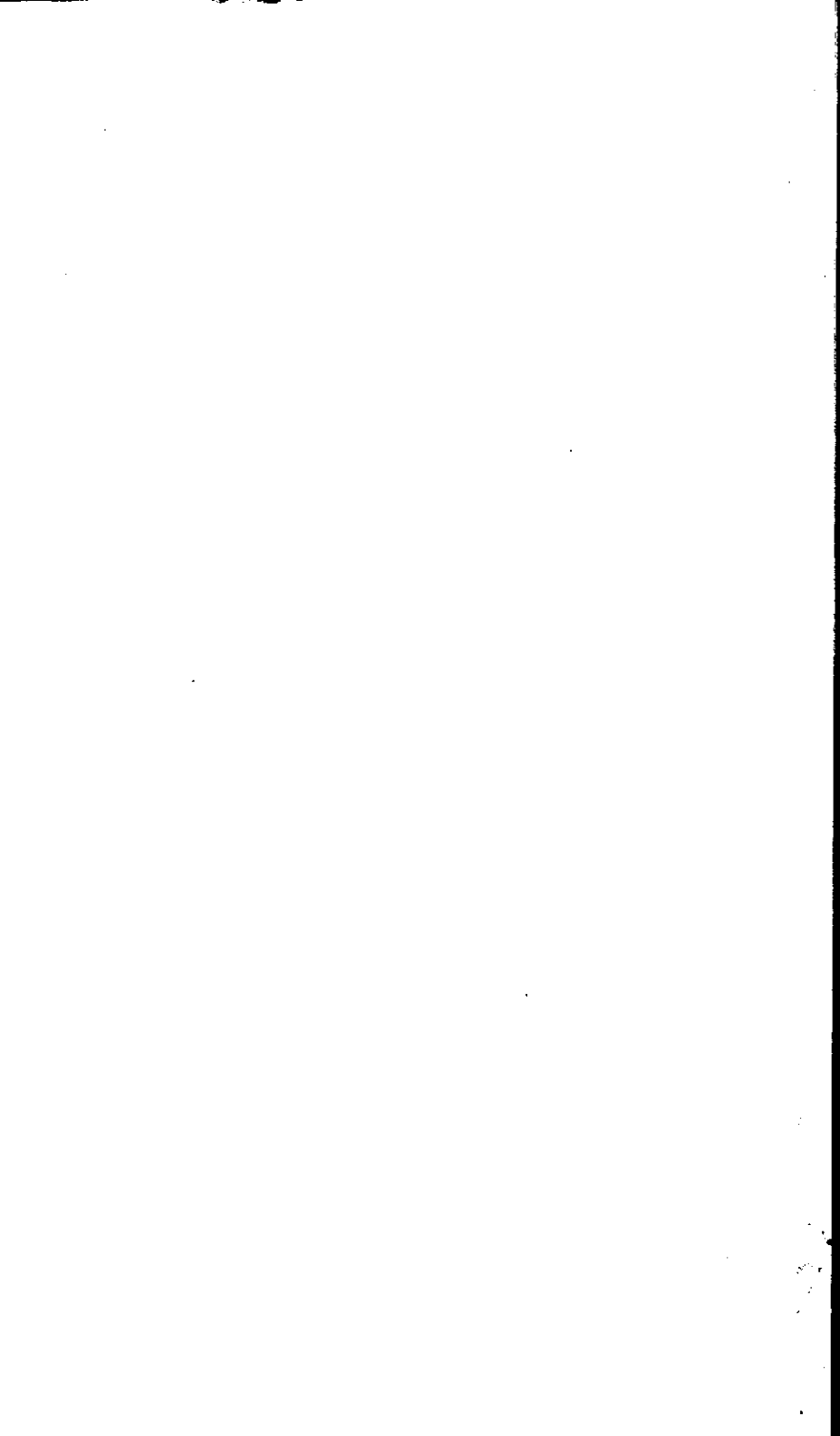
إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ تیرا امر صرف اس دنیاوی زندگی پر نافذ ہوگا۔ یہ ظرف کی بنا پر منصوب ہے مطلب یہ ہے تو اس دنیا کے مال و متاع میں فیصلہ کرتا ہے یا اس دنیا کے وقت میں فیصلہ کرتا ہے پس مفعول کا حذف مقدر ہے۔ پس یہ تقدیر عبارت بھی جائز ہے انما تقضی امور هذه الحياة الدنيا اس صورت میں نصب بھی مفعول کی نصب کی طرح ہوگی اور ما، ان کے عمل کو روکنے والا ہے۔ فراء نے رفع کو جائز قرار دیا ہے اس بنا پر کہ ما معنی الذی ہو اور تَقْضِي سے ضمیر کو حذف کیا گیا ہو اور هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا کو رفع دیا جائے۔ اِنَّا اٰمَنَّا بِرَبِّنَا یعنی ہم اللہ وحدہ لا شریک پر اور جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ لِيَغْفِرَ لَنَا خَطِيئَاتِنَا اس سے مراد وہ شرک ہے جس پر پہلے وہ تھے۔

وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ نَحْسُ نَسِ اس نے فرمایا: اس کا کوئی محل نہیں ہے اور یا نافیہ ہے یعنی لیغفر لنا خطایانا من السحر وما اکرهتنا علیہ۔ نحس نے کہا: پہلا قول اولیٰ ہے۔ مہدوی نے کہا: اس میں نعد ہے کیونکہ ان کا قول ہے: ان لنا لاجران کُتْنَا نَحْنُ الْغَالِبِينَ، یہ مکرہین (مجبور) کا قول نہیں ہو سکتا ہے۔ اور اکراہ کی صورت میں گناہ نہیں ہوتا اگرچہ یہ ہو سکتا ہے کہ بچپن میں انہیں جادو سیکھنے پر مجبور کیا گیا ہو۔ حسن نے کہا: وہ چھوٹے بچوں کو جادو سکھاتے تھے پھر بعد میں خود اس پر اپنی مرضی سے عمل کرتے تھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ما مبتدا کی حیثیت سے محل رفع میں ہو اور خبر مضمیر ہو۔ تقدیر عبارت یہ ہو: وما اکرهتنا علیہ من السحر موضوعنا اور من ساحر اس قول پر اور پہلے قول کی بنا پر اکرهتنا کے متعلق ہوگا۔ اور ما کو نافیہ بنانے کی صورت میں خطایانا کے متعلق ہوگا۔ وَاللَّهُ خَبِيرٌ وَابْلَغٌ یعنی اس کا ثواب بہتر ہے اور دیر پا ہے، مضاف کو حذف کیا گیا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہمارے لیے تجھ سے بہتر ہے اور وہ جو ہمیں عذاب دے گا تیرے عذاب دینے کی نسبت زیادہ دیر پا ہے۔ یہ وَ تَعْلَمَنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَابْلَغًا کا جواب ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ ہمارے لیے بہتر ہے اگر ہم اس کی اطاعت کریں اور ہم اس کی نافرمانی کریں تو وہ تجھ سے زیادہ ہمیں عذاب دینے والا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا لَعَنَّاهُ وَمَا يَكْتُمُونَ لَهُ أَحَادِيثًا يَبْخَثُونَ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكٰفِرِينَ۔ بعض نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا آغاز ہے۔ اور انہ، کی ضمیر کا مرجع الامر اور الشان ہے۔ اور ان من یات بھی جائز ہے:

إِنَّ مَنْ يَدْخُلُ الْكَنِيسَةَ يَوْمًا يَلْقَى فِيهَا جَاذِرًا وَظَبَاءً

اس میں مراد انہ من یدخل ہے یعنی ان الامر هذا مجرم دوزخ میں داخل ہوگا اور مومن جنت میں داخل ہوگا۔ مجرم سے





تبعہ واتبعہ، لحقہ اور الحقہ کا ایک معنی ہے ملنا اور پچھنودہ حال واقع ہو رہا ہے گویا فرمایا: فاتبعہم سائقاً جنودہ یعنی اپنے لشکر کو چلاتے ہوئے ان کا پیچھا کیا۔ فَغَشِبْتُمْ مِّنَ اللَّيْمِ مَا غَشِبْتُمْ، یعنی سمندر کی موجیں لاحق ہوئیں جنہوں نے انہیں غرق کر دیا۔ تعظیم اور امر کی معرفت کی وجہ سے فعل کو مکرر ذکر کیا۔ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَاهَدَىٰ یعنی رشد سے فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور خیر اور نجات کی طرف ان کی راہنمائی نہیں کی، کیونکہ اس نے اندازہ لگایا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی اس سے بچ نہیں سکیں گے کیونکہ ان کے آگے سمندر ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر عصا مارا تو اس میں بارہ راستے بن گئے اور راستوں سے پانی پہاڑوں کی مثل رک گیا اور سورہ شعراء میں ہے: فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ﴿۱۷﴾ (الشعراء) یعنی بہت بڑا پہاڑ۔ ہر قبیلہ نے راستہ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پانی کے پہاڑوں کو حکم دیا کہ وہ جال کی طرح ہو جائیں تو وہ جالوں کی طرح ہو گئے۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھتے تھے اور ایک دوسرے کی کلام سنتے تھے۔ یہ عظیم معجزات میں سے تھا اور بڑی نشانیوں میں سے تھا۔ جب فرعون آیا اور سمندر میں راستے دیکھے اور پانی کو ٹھہرا ہوا دیکھا تو اس نے اپنے ساتھیوں کو کہا: اس کی ہیبت کی وجہ سے سمندر پارہ پارہ ہو گیا ہے۔ پس فرعون اور اس کے ساتھی داخل ہو گئے تو سمندر ان پر مل گیا۔ بعض علماء نے کہا: وَمَاهَدَىٰ اس کے ان کو گمراہ کرنے کی تاکید کے لیے ہے۔ بعض نے کہا: یہ فرعون کے قول: مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَلْمَىٰ وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ ﴿۱۸﴾ (غافر) کا جواب ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس کی تکذیب کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وَمَاهَدَىٰ یعنی اس نے اپنے آپ کو راہ ہدایت نہ دکھائی بلکہ اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو ہلاک کر دیا۔

يَبْنَىٰ إِسْرَائِيلَ قَدْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوَعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَ
نَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّٰنَ وَالسَّلْوَىٰ ﴿۱۷﴾ كُلُّوْا مِّنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ
فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْٓءٌ وَمَنْ يَحِلِّ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوَىٰ ﴿۱۸﴾ وَإِنِّي لَعَفَاؤُا لِمَنْ
تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا مَّا هَتَدَىٰ ﴿۱۹﴾

”اے بنی اسرائیل! (دیکھو) ہم نے بچالیا تمہیں تمہارے دشمن سے اور ہم نے تم سے وعدہ کیا (کوہ) طور کی دائیں جانب کا اور ہم نے اُتار تم پر من و سلوی۔ کھاؤ ان پاک چیزوں سے جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں اور اس میں حد سے تجاوز نہ کرنا ورنہ اترے گا تم پر میرا عذاب، اور وہ (بد نصیب) اترتا ہے جس پر میرا غضب تو یقیناً وہ گر کر رہتا ہے۔ اور میں بلاشبہ بہت بخشنے والا ہوں اسے جو توبہ کرتا ہے اور ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے بعد ازاں ہدایت پر مستحکم رہتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَبْنَىٰ إِسْرَائِيلَ قَدْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دی تو یہ فرمایا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ وَوَعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنِ، جانب پر نصب، واعدنا کے مفعول ثانی کی بنا پر ہے اور اسے ظرف کی بنا پر نصب دینا بہتر نہیں کیونکہ یہ ظرف مکاں محض غیر مبہم ہے اور افعال اور مصادر ظروف مکاں

کی طرف بغیر حروف جر کے متعدی ہوتے ہیں جبکہ وہ ظروف مبہم ہوں۔ مکی نے کہا: یہ اصل ہے اس میں اختلاف نہیں ہے۔ آیت کی تقدیر یہ ہے: وواعدناکم اتیان جانب الطور، پھر مضاف کو حذف کیا گیا۔ نحاس نے کہا: اس کا مطلب ہے ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ نکلنے کا حکم دیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے تمہاری موجودگی میں کلام کریں اور تم بھی اس کلام کو سن لو۔ بعض نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرعون کے غرق ہونے کے بعد طور کی جانب آنے کا وعدہ لیا تاکہ انہیں تورات عطا کریں پس وعدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھا لیکن خطاب انہیں کیا گیا کیونکہ وعدہ ان کے لیے تھا۔ ابو عمرو نے دو وعدناکم بغیر الف کے پڑھا ہے۔ ابو عبید نے بھی اس کو اختیار کیا ہے کیونکہ وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھا اور المواعدہ صرف دو افراد کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہ مفہوم سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ الایمن کو نصب دی گئی ہے کیونکہ یہ جانب کی صفت ہے اور پہاڑ کے لیے کوئی دایاں بائیں نہیں ہوتا جب کہا جاتا ہے: خذ عن یمن الجبل تو اس کا معنی ہوتا ہے تم اپنی دائیں جانب پر پہاڑ کو پکڑو۔ اس وقت پہاڑ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب پر تھا جب وہاں آئے تھے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاءَ وَالسَّلْوٰی یعنی تیرے صحرا میں ہم نے تم پر من و سلویٰ اتارا۔ اس پر کلام گزر چکی ہے۔ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ یعنی لذیذ رزق سے۔ بعض نے کہا: طیب سے مراد حلال رزق ہے جبکہ آدمی کا اس میں کوئی دخل نہیں ورنہ اس میں شبہ داخل ہو جاتا۔ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ یعنی خوشحالی اور عافیت تمہیں نا فرمانی پر نہ ابھارے، کیونکہ الطیان کا معنی ہوتا ہے ناجائز چیز کی طرف تجاوز کرنا۔ بعض نے کہا: اس کا معنی ہے نعمت کا انکار نہ کرو اور نعمتوں کے شکر کو نہ بھولو اور منعم کے شکر کو نہ بھولو جس نے تم پر انعام کیا۔ بعض نے کہا: اس کا مطلب ہے ان کے بدلے دوسری چیزیں طلب نہ کرو جیسا کہ فرمایا: اَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ (البقرہ: 61) بعض نے کہا: ایک دن اور ایک رات سے زائد کے لیے اس میں سے ذخیرہ نہ کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا مطلب ہے جو وہ ذخیرہ کریں ان میں کیزے پیدا کر دیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کبھی کسی کھانے میں کیزا پیدا نہ ہوتا۔ فَيَحِلُّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ یعنی تم پر میرا غضب لازم ہوگا اور غضب اترے گا یہ فا کے ساتھ جواب نہیں میں منصوب ہے نہیں سے مراد وَلَا تَطْغَوْا ہے۔ فَيَحِلُّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ وَ مَنْ يَّحِلُّ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰی، اعش، یحییٰ بن وثاب اور کسائی نے فیحل میں حاء کے ضمہ کے ساتھ اور من یحلل میں پہلے لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور باقی قراء نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ دو لغتیں ہیں۔ ابو عبیدہ وغیرہ نے حکایت کیا ہے: حَلَّ يَحِلُّ کہا جاتا ہے: جب واجب ہو اور حل یحلل کہا جاتا ہے جب اترے۔ اسی طرح فراء نے کہا: الحلول سے یحل حاء کے ضمہ کے ساتھ وقوع کے معنی میں ہوتا ہے اور یحل حاء کے کسرہ کے ساتھ وجوب کے معنی میں ہوتا ہے دونوں معانی متقارب ہیں لیکن کسرہ اولیٰ ہے کیونکہ قراء کا وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (الزمر) پر اجماع ہے۔ غضب اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا عقاب، انتقام اور عذاب ہے۔ فَقَدْ هَوٰی زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے وہ ہلاک ہوا یعنی وہ ہادیہ کی طرف چلا۔ ہادیہ سے مراد دوزخ کی گہرائی ہے۔ یہ ہوی یھوی ہوتا ہے جس کا معنی ہے اوپر سے نیچے کی طرف گرنا۔ ہوی فلان یعنی فلاں مر گیا۔ ابن المبارک نے ذکر کیا ہے کہ ہمیں اسماعیل بن عباس نے بتایا انہوں نے فرمایا: ہمیں

ثعلبہ بن مسلم نے بیان کیا انہوں نے ایوب بن بشر سے انہوں نے ثعنی اصہبی سے روایت کیا ہے فرمایا: ”جنہم میں ایک پہاڑ ہے اسے صعود کہا جاتا ہے، کافر اس پر چڑھنے سے پہلے چالیس سال چلے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَأْتِرُهُ صَعُودًا ⑩ (مذثر) جنہم میں ایک محل ہے جس کو کھوئی کہا جاتا ہے کافر کو اس کے اوپر سے پھینکا جائے گا پس وہ اس کی تہہ تک پہنچنے سے پہلے چالیس سال گرتا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ يَحِلُّ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوِيَ ⑪ حدیث ذکر فرمائی جو ہم نے ”التذکرہ“ کتاب میں ذکر کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنِّي لَعَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ یعنی جس نے شرک سے توبہ کی۔ وَأَمِنَ وَعَيْلَ صَالِحَاتِهِمُ اهْتَدَى ⑫ یعنی ایمان پر قائم رہا حتیٰ کہ ایمان پر ہی وصال ہوا، یہ سفیان ثوری اور قتادہ وغیرہما کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی ایمان میں شک نہ ہوا، یہ ماوردی اور مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ سہل بن عبد اللہ تستری اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی قول ہے کہ جو سنت و جماعت پر قائم رہا، یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ حضرت انس نے کہا: اس نے نبی کریم ﷺ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑا، یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے اور یہ ماوردی نے حضرت ربیع بن انس سے روایت کیا ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ درست عمل کیا، یہ حضرت ابن زید کا قول ہے۔ حضرت ابن زید سے یہ بھی مروی ہے کہ اس نے علم حاصل کیا تا کہ ہدایت پائے کہ کیسے عمل کرے؟ پہلا قول مہدوی نے ذکر کیا اور دوسرا قول ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ ثعلبی، مقاتل اور کلبی نے کہا: اس نے جان لیا کہ اس کے لیے ثواب اور عقاب ہے، یہ فراء کا قول ہے۔ آٹھواں قول ثَمَّ اهْتَدَى پھر اہل بیت نبی ﷺ کی ولایت میں ہدایت پائی؛ یہ ثابت بنانی کا قول ہے۔ پہلا قول تمام اقوال سے احسن ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ تمام اقوال کا مرجع وہی ہے۔ وکیع نے سفیان سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں سنتے ہیں وَإِنِّي لَعَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ یعنی جس نے شرک سے توبہ کی آمِن یعنی شرک کے بعد ایمان لایا وَعَيْلَ صَالِحَاتِهِمُ پڑھی اور روزہ رکھا ثُمَّ اهْتَدَى پھر اسی پر فوت ہوا۔

وَمَا أَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰ مُوسَى ⑬ قَالَ هُمْ أَوْلَاءٌ عَلَيَّ أَتْرَمِي وَعَجَلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَى ⑭ قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ⑮ فَرَجَعَ مُوسَى إِلَى قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ لِقَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعَدَّا حَسَنًا أَ قَطَّالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدْتُمْ أَنْ يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُمْ مَوْعِدِي ⑯ قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا وَلَكِنَّا حَمَلْنَا أَوْذَارًا مِّنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَدْ تَلَّهَا فَكَذَلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ⑰ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُورًا فَقَالُوا هَذَا إِلَهُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَى فَنَسِيَ ⑱ أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ⑲

”اور کس وجہ سے تم جلدی آگے اپنی قوم سے اے موسیٰ! عرض کی: وہ یہ ہیں میرے پیچھے اور میں جلدی جلدی

تیری بارگاہ میں اس لیے حاضر ہوا ہوں میرے رب کہ تو راضی ہو جائے۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے تو آزمائش میں مبتلا کر دیا تمہاری قوم کو تمہارے (چلے آنے کے) بعد اور گمراہ کر دیا ہے انہیں سامری نے۔ (یہ سنتے ہی) لوٹے ہوئی (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف غضبناک اور افسردہ خاطر ہو کر فرمایا: اے میری قوم! کیا وعدہ نہ کیا تھا تم سے تمہارے رب نے بہت عمدہ وعدہ تو کیا طویل مدت گزر گئی ہے اس وعدہ پر (اور تم اس کے ایفاء سے مایوس ہو گئے) یا تم چاہتے ہو کہ اترے تم پر غضب تمہارے رب کی طرف سے اس لیے تم نے توڑ ڈالا میرے ساتھ کیا ہوا وعدہ۔ کہنے لگے: نہیں توڑا، ہم نے آپ سے کیا ہوا وعدہ اپنے اختیار سے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم پر لا دیئے گئے تھے بوجہ قوم (فرعون) کے زیورات سے سو ہم نے (سامری کے کہنے پر) انہیں پھینک دیا اسی طرح سامری نے بھی (اپنے حصہ کے زیور) پھینک دیئے۔ پھر سامری نے بنا نکالا ان کے لیے بچھڑے کا ڈھانچہ جو گائے کی طرح ڈکارتا تھا پھر سامری اور اس کے چیلوں نے کہا: (اے فرزند ان یعقوب) یہ ہے تمہارا خدا اور موسیٰ کا خدا پس موسیٰ بھول گئے۔ کیا ان احمقوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ یہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ اختیار رکھتا ہے ان کے کسی ضار کا اور نہ نفع کا۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا أَغْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يُوسُفُ ۝ تجھے کس چیز نے ابھارا کہ تم اپنی قوم سے پہلے آگئے؟ بعض علماء نے فرمایا: قوم سے مراد تمام بنی اسرائیل ہیں اس وجہ سے بعض علماء نے فرمایا: حضرت ہارون کو بنی اسرائیل پر خلیفہ بنایا تھا اور خود ستر آدمیوں کے ہمراہ چل رہے تھے اور آپ کی طرف متوجہ تھے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ میرے قریب میری واپسی کے منتظر ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنے پیچھے بنی اسرائیل کو لانے کا حکم دیا اور ان سے ملنے کا حکم دیا۔ بعض علماء نے فرمایا: قوم سے مراد وہ ستر افراد ہیں جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے منتخب فرمایا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور کے قریب تھے تو کلام الہی کے سننے کے شوق میں سبقت لے گئے۔ بعض نے کہا: جب طور سینا کی طرف چلے تو اپنے رب کا اشتیاق ہوا اور شوق الہی میں مسافت لمبی ہو گئی اور معاملہ انتہائی تنگ ہو گیا حتیٰ کہ آپ نے اپنی قمیص پھاڑ دی پھر آپ صبر نہ کر سکے حتیٰ کہ قوم کو پیچھے چھوڑ گئے اور اکیلے چلے گئے جب اپنے مقام پر کھڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا أَغْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يُوسُفُ ۝ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام حیرانگی کے عالم میں کوئی جواب نہ دے سکے چونکہ سچے شوق سے استقبال کیا تھا تو جواب سے اعراض کیا اور کنایہ کہا: هُمْ أَوْلَاءِ عَلَىٰ أَثَرِي۔ ما کے کلمہ کے ساتھ جلدی آنے کا سبب پوچھا تو انہوں نے پیچھے آنے کی خبر دی پھر عرض کی: وَعَجَلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتُنْصِحَنِي ۝ شوق کے ذکر سے کنایہ فرمایا اور رضا کی طلب کی طرف کلام کو پھیرا۔ عبدالرزاق نے مسعر سے انہوں نے قتادہ سے وَعَجَلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتُنْصِحَنِي ۝ کے تحت روایت کیا کہ تیرا شوق مجھے جلدی لے آیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: حضرت ہارون نے کہا: ہاں، مجھ سے (عزت والے) کو لے آؤ پس پر قرآن کریم لایا جاتا وہ اسے اپنے سینے سے لگاتیں اور اس سے تسلی لیتی ہوئے سو جاتی تھیں، سفیان نے مسعر سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ جب بارش ہوتی تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کپڑے

اتار دیتے تھے تاکہ جسم پر بارش لگے اور فرماتے تھے: اِنَّهٗ حَدِيْثُ عَهْدٍ بَيْنِيْ (1) (یہ میرے رب کا قریمی عہد ہے) یہ نبی پاک ﷺ کی طرف سے اور آپ کے بعد والوں کی طرف سے شوق و محبت کی وجہ سے تھا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے جو مروی ہے اس میں فرمایا: ”میری ملاقات کا شوق نیکو کاروں کے لیے طویل ہو اور میں ان کی ملاقات کا شوق رکھتا ہوں“ (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جانتا ہے لیکن پھر فرمایا: مَا اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْلِكَ، تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحمت ہے اس قول سے انہیں عزت بخشنا اور ان کے دل کو تسلی دینا اور ان پر شفقت کرنا مقصود تھا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کو جواب دیتے ہوئے کہا: هُمْ اَوْلَاءُ عَلِيٍّ اَثْرِيْ۔ ابو حاتم نے کہا: عیسیٰ نے کہا بنو تمیم کہتے ہیں: ہم اولیٰ یعنی مقصودہ مرسلہ پڑھتے ہیں اور اہل حجاز اولاءِ عد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ فراء نے: هُمْ اَوْلَاءُ عَلِيٍّ اَثْرِيْ حکایت کیا ہے۔ ابو اسحاق زجاج نے کہا: اس کی کوئی وجہ نہیں۔ نحاس نے کہا: یہ اسی طرح ہے جس طرح زجاج نے کہا ہے کیونکہ یہ ان اسماء سے نہیں جو مضاف ہوتے ہیں تاکہ یہ ہدای کی طرح ہو، یہ دو جہتوں میں سے ایک سے خالی نہیں یا یہ اسم مبہم ہوگا تو اس کی اضافت محال ہے یا یہ الذین کے معنی میں ہوگا تو یہ بھی مضاف نہیں ہوتا کیونکہ اس کے بعد صلہ ہوتا ہے اور اس سے یہ معرفہ بن جاتا ہے۔ ابن ابی اسحاق، نصر، روئیس نے یعقوب سے روایت کیا ہے: علی اَثْرِيْ، ہمزہ کے کسرہ اور ثاء کے سکون کے ساتھ یہ بمعنی اثر ہے یہ دونوں لغتیں ہیں۔ وَعَجَلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰنِيْ ۝ یعنی میں نے اس جگہ کی طرف جلدی کی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا تاکہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔ کہا جاتا ہے: رَجُلٌ عَجِلٌ وَعَجَلٌ وَعَجُولٌ وَعَجَلَانٌ بَيْنَ الْعَجَلَةِ اَوْرِ سِتِيْ كِي ضِدَّ عَجَلَةٍ هِے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ هُمْ نِے اُنہیں آزمائش میں ڈالا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر استدلال کریں۔ وَ اَصْلَهُمُ السَّامِرِيُّ ۝ سامری نے انہیں گمراہی کی طرف بلایا یا سامری ان کی گمراہی کا سبب تھا۔ بعض نے فرمایا: فتنانہم کا مطلب ہے ہم نے انہیں فتنہ میں ڈالا یعنی ہم نے ان کے بچھڑے کی عبادت کو مزین کر دیا۔ اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا: اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ (الاعراف: 155) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سامری اس قوم سے تھا جو گائے کی پوجا کرتے تھے پس وہ مصر میں آیا تو وہ بظاہر بنی اسرائیل کے دین میں داخل ہو گیا اور اس کے دل میں گائے کی عبادت کا عقیدہ موجود تھا۔ بعض علماء نے کہا: وہ قبلی تھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پڑوسی تھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا تھا اور آپ کے ساتھ نکلا تھا۔ بعض نے کہا: وہ بنی اسرائیل کے عظماء میں سے ایک عظیم شخص تھا اس قبیلہ سے تھا جو سامرہ کے نام سے مشہور تھا وہ شام میں معروف تھا۔ سعید بن جبیر نے کہا: وہ اہل کرمان سے تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَرَجَعَهُ مُؤْتَسِيْ اِلٰی قَوْمِهِ غَضَبًا اَسْفًا سُوْرَةِ الْاَعْرَافِ مِيں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ قَالَ لِقَوْمِهِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعَدًّا حَسَنًا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ جب وہ اس کی اطاعت پر قائم رہیں گے تو انہیں جنت ملے گی اور ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان پر تورات میں اپنا کلام سنائے گا تاکہ وہ اس پر عمل کریں جو کچھ تورات میں موجود ہے اور وہ اپنے عمل کے ثواب کے مستحق ہو جائیں۔ بعض علماء نے فرمایا: ان سے نصرت و کامیابی کا وعدہ فرمایا تھا۔ بعض نے کہا: یہ

وعدہ تھا، وَإِنِّي لَعَفَا لَرِئِينَ تَابٍ وَآمِنٍ، اَفْطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو بھول گئے۔ کہا جاتا ہے: زمانہ کے لمبا ہو جانے کی وجہ سے چیز بھول جاتی ہے۔ اَمْ اَمَّا ذُنُوبَكُمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَبِّكُمْ، يحل کا معنی یجب اور ينزل (ثابت ہونا اور اترنا) ہے الغضب سے مراد عقوبت و نقت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تم ایسا فعل کرو جو تم پر اللہ کے غضب کے نزول کا سبب ہو کیونکہ کوئی شخص اللہ کا غضب طلب نہیں کرتا بلکہ وہ ایسا فعل کرتا ہے جو غضب کا سبب ہوتا ہے۔ فَاَخْلَقْتُمْ مَّوْعِدِي تَمَّ نِيَّيْتُمْ نے میرے عہد کو توڑا کیونکہ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اللہ کی اطاعت پر قائم رہیں گے حتیٰ کہ وہ طور سے ہو کر ان کے پاس واپس آجائیں۔ بعض علماء نے فرمایا: انہوں نے اپنے پیچھے رہنے کا ان سے وعدہ لیا تھا پس وہ ٹھہرے رہے۔ قَالُوا مَا اَخْلَقْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا، بملکنامیم کے فتح کے ساتھ ہے یہ نافع، عاصم اور عیسیٰ بن عمر کی قرأت ہے۔ مجاہد اور سدی نے کہا: اس کا معنی ہے بپاقتنا (اپنی طاقت سے) ابن زید نے کہا: اس کا مطلب ہے ہمیں اپنے نفسوں پر ضبط نہ تھا ہم مجبور تھے۔ ابن کثیر، ابو عمرو اور ابن عامر نے بملکنامیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو عبید اور ابو حاتم نے اس کو اختیار کیا ہے کیونکہ یہ لغت عالیہ ہے۔ یہ ملکت الثمن املکہ ملکا کا مصدر ہے۔ اور مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے اور مفعول محذوف ہے گویا فرمایا: بملکننا الصواب بل اخطانا، یہ ان کی طرف سے خطا کا اعتراف ہے۔ حمزہ، کسائی نے بملکنامیم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی بسطانتنا ہمارے پاس ملک نہ تھا پس ہم نے تیرے وعدہ کی خلاف ورزی کی پھر کہا گیا کہ قالوا عام ہے اور مراد خاص ہے یعنی ان لوگوں نے کہا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور سے لوٹنے تک اطاعت پر ثابت رہے تھے۔ اَخْلَقْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا یہ بارہ ہزار تھے اور تمام بنی اسرائیل چھ لاکھ تھے۔ وَلَكِنَّا حَمَلْنَا حَاءَ كُفْرًا اور ميم کے مکسورہ مشدودہ کے ساتھ۔ نافع، ابن کثیر، حفص اور رويس نے اس طرح پڑھا ہے۔ باقی قراء نے دونوں حروف کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اس کو اختیار کیا ہے کیونکہ انہوں نے خود قوم کے زیورات اٹھائے تھے اور انہوں نے یہ مجبوراً نہیں اٹھائے تھے۔ اَوْ ذَا رَمَا یعنی بوجھ، مِّنْ زِينَةِ الْقَوْمِ یعنی ان کے زیوروں سے وہ انہوں نے غاریتہ لیے تھے جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکلنے کا ارادہ کیا تھا اور قوم والوں کو یہ وہم دلایا کہ وہ اپنی عید یا ولیمہ کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ وہ زیورات تھے جو انہوں نے آل فرعون سے لیے تھے جب دریا نے انہیں ساحل پر پھینک دیا تھا ان کو اوزار اس لیے کہا کیونکہ وہ گناہ کا سبب تھے یعنی ان کے لیے ان کا اٹھانا جائز نہیں تھا اور نہ ان کے لیے غنائم حلال تھے اور لغت میں اوزار کا معنی بوجھ بھی ہے۔

فَقَدْ فَتِنَاہُمْ پر ان زیورات کا اٹھانا بوجھ بن گیا تھا جو ہمارے ساتھ تھے تو ہم نے انہیں آگ میں ڈال دیا تاکہ وہ پگھل جائیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ہم نے سامری کی طرف انہیں پھینک دیا تاکہ آپ واپس آئیں اور اپنی رائے کا اظہار کریں۔ قتادہ نے کہا: سامری نے انہیں کہا تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کے پاس نہ پہنچے کہ وہ تم سے اس وجہ سے رک گئے ہیں کیونکہ تمہارے پاس زیورات ہیں، پس انہوں نے زیورات کو جمع کیا اور سامری کو دے دیئے اس نے انہیں آگ میں پھینک دیا اور پھر اس سے ان کے لیے ایک بچھڑا بنایا پھر اس پر جبریل کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے جو مٹی اٹھائی تھی

وہ اس پر ڈال دی جب اس نے وہ مٹی ڈالی تو وہ بچھڑے کا جسم بن گیا جو ڈکارتا تھا۔ الخوار گائے کی آواز کو کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب وہ زیور آگ میں ڈالے گئے تو سامری آیا اور حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا: اے اللہ کے نبی! کیا میں ڈالوں جو میرے ہاتھ میں ہے۔ وہ گمان کر رہا تھا کہ وہ زیورات میں سے ہے جو دوسرے لے کر آئے ہیں۔ پس اس نے اس میں مٹی ڈالی اور کہا: بچھڑا بن جا جس کے لیے ڈکارنے کی آواز ہو جیسا کہ فرمایا کہ یہ فتنہ اور آزمائش کے لیے تھا۔ پس وہ ایک مرتبہ ڈکارتا تھا پھر اس کی مثل نہیں ڈکارتا تھا (1)۔ بعض نے کہا: اس کی آواز ہوا کی وجہ سے تھی کیونکہ اس میں سوراخ بنائے گئے تھے جب اس کے اندر ہوا داخل ہوتی تو اس میں آواز پیدا ہوتی۔ حقیقت اس میں زندگی نہیں تھی؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ پہلے قول کی بنا پر وہ بچھڑا گوشت اور خون کا تھا؛ یہ حسن، قتادہ اور سدی کا قول ہے۔ حماد نے سماک سے انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت ہارون سامری کے پاس سے گزرے وہ بچھڑا بنا رہا تھا حضرت ہارون نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ نفع دے گا نقصان نہیں دے گا۔ حضرت ہارون نے دعا کی: یا اللہ! اسے وہ عطا کر جو یہ تجھ سے آپ کے بارے سوال کرے تو سامری نے یہ دعا کی: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ یہ گائے کی طرح آواز نکالے۔ وہ جب ڈکارتا تھا تو لوگ سجدہ میں گر جاتے تھے اور اس کا ڈکارنا حضرت ہارون کی دعا کے سبب تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اس طرح ڈکارتا تھا جس طرح زندہ بچھڑا ڈکارتا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یارب! اس سامری نے ان کے لیے ایک جسم والا بچھڑا نکالا ہے جس کے لیے ڈکارتا ہے اور وہ اس نے ان کے زیورات سے بنایا ہے یہ جسم اور ڈکارنا کس نے بنایا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تیری عزت، تیرے جلال، تیرے ارتفاع، تیرے علو اور تیری سلطنت کی قسم! تیرے سوا کسی نے ان کے حق میں گمراہی کو مقدر نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے حکیم الحکماء! تو نے سچ کہا ہے۔ یہ تمام سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔

فَقَالُوا هَذَا آيَاتُكُمْ وَإِلَهُ مُوسَىٰ سَامِرِيُّ وَارْتَفَعُوا صَوْتَهُمْ فِي الْيَوْمِ ذَلِكَ يَوْمَ تَوَلَّىٰ سَاعِدُنَا فِي الْيَوْمِ ذَلِكَ مَنْزِلَ الْوَيْلِ مِنَ الْمُجْرِمِينَ (الاعراف: 138) ہمارے لیے ایسا الہ بنا جس طرح ان کے لیے الہ ہیں۔ فَنَسِيَ بَعَثَ اللَّهُ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ غَمًّا هَوَّنَ عَلَيْهِ مَا كَانَ يَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ فَجَاءَهُ بِالْحَقِّ وَالْحَقُّ يَكْفِي أَلَمَ الْأَلْمِينِ (الاعراف: 139) حضرت موسیٰ علیہ السلام گم ہو گئے۔ وہ اپنے رب کو تلاش کرنے کے لیے گئے تو وہ اس کا مقام نہ جان سکے اور راستہ جو رب کی طرف جانے والا تھا اسے بھول گئے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے وہاں چھوڑا اور اسے تلاش کرنے کے لیے نکلے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے الہ کو یہاں چھوڑا۔ اسرائیل نے سماک سے انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: اس کا مطلب ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے لیے یہ ذکر کرنا بھول گئے کہ یہ خدا ہے۔ بعض نے کہا: خطاب سامری کے متعلق خبر ہے یعنی سامری نے اس ایمان کو چھوڑا جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے حکم دیا تھا۔ پس وہ گمراہ ہو گیا؛ یہ ابن الاعرابی کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت قائم کرتے ہوئے فرمایا: أَفَلَا يَذَرُونَّ يَعْنِي وَهَ اس میں غور فکر نہیں کرتے کہ وہ ان کی طرف بات کو نہیں لوٹاتا یعنی ان سے

کلام نہیں کرتا۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ دوبارہ آواز نہیں نکالتا۔ وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ صَرْوًا وَلَا نَفْعًا ﴿١٠﴾ اور وہ ان کے نقصان اور نفع کا مالک نہیں پھر وہ کیسے خدا ہو سکتا ہے۔ اور وہ ذات جس کی حضرت موسیٰ علیہ السلام عبادت کرتے ہیں وہ نقصان بھی دیتا ہے اور نفع بھی دیتا ہے، بدلہ بھی دیتا ہے، عطا بھی کرتا ہے اور منع بھی کرتا ہے۔ أَلَا يَرْجِعُ اس کی تقدیر یہ ہے کہ: انہ لایرجع اسی وجہ سے فعل مرفوع ہے ان کو محقق بنایا گیا اور ضمیر کو حذف کیا گیا۔ رویت، علم اور ظن میں یہی اختیار ہے۔ شاعر نے کہا:

نی فتية من سيوف الهند قد علموا أن هالك كل من يخفى ويتعيل
فلو كنت ضيئًا عرفت قرابتي ولكن زنجيم عظيم الشافير

یعنی لکنک تھا۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ لِقَوْمِهِ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ ﴿١١﴾ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ
فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي ﴿١٢﴾ قَالُوا لَنْ نُبْرَحَ عَلَيْهِ عِكْفَيْنَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا
مُوسَىٰ ﴿١٣﴾ قَالَ لَهْرُونَ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا ﴿١٤﴾ أَلَّا تَتَّبِعَنِ
أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ﴿١٥﴾

”اور بیشک کہا تھا انہیں ہارون نے (موسیٰ کی واپسی سے پہلے) اے میری قوم! تم فتنہ میں مبتلا ہو گئے اس سے اور بلاشبہ تمہارا رب تو وہ ہے جو بے حد مہربان ہے پس تم میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔ قوم نے کہا: ہم تو اسی عبادت پر جمے رہیں گے یہاں تک لوٹ آئیں ہماری طرف موسیٰ (موسیٰ علیہ السلام) نے (آ کر غصہ سے) کہا: اے ہارون! کس چیز نے تجھے روکا کہ جب تو نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا، تو (انہیں چھوڑ کر) میرے پیچھے نہ چلا آیا کیا تو نے بھی میرے حکم کی عدولی کی۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی سے پہلے حضرت ہارون نے انہیں کہا: لِقَوْمِهِ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ اس کے ذریعے تم آزمائش میں ڈالے گئے ہو اور تم اسی وجہ سے گمراہ ہو گئے ہو۔ بہ کی ضمیر کا مرجع بچھڑا ہے۔ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ بیشک تمہارا رب رحمن ہے، بچھڑا نہیں۔ فَاتَّبِعُونِي اس کی عبادت کرنے میں میری اتباع کرو۔ وَأَطِيعُوا أَمْرِي ﴿١٢﴾ اور میرے حکم کی اطاعت کرو نہ کہ سامری کے حکم کی۔ یا یہ مطلب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف چلنے میں میری اتباع کرو اور بچھڑے کو چھوڑو، لیکن انہوں نے نافرمانی کی۔ قَالُوا لَنْ نُبْرَحَ عَلَيْهِ عِكْفَيْنَ یعنی ہم بچھڑے کی عبادت پر جمے رہیں گے۔ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ ہم دیکھیں گے کہ کیا وہ اس کی عبادت کرتے ہیں جس طرح ہم کرتے ہیں؟ ان کا خیال تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بچھڑے کی عبادت کریں گے۔ حضرت ہارون نے ان بارہ ہزار کو علیحدہ کر لیا جنہوں نے بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے اور شور و غل سنا وہ لوگ اس بچھڑے کے ارد گرد ناچتے تھے۔ آپ نے اپنے ستر ساتھیوں سے کہا: یہ فتنہ کی آواز ہے۔ جب حضرت ہارون کو دیکھا تو

دائیں ہاتھ سے غصہ کی حالت میں ان کے سر کے بال پکڑ لیے اور بائیں ہاتھ سے داڑھی کے بال پکڑ لیے (1) اور کہا: قَالَ يَهْمُؤُونَ مَا مَنَعَكَ إِذْ سَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا کہا اے ہارون! تجھے کس چیز نے روکا جب تو نے انہیں دیکھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں حق کے راستے سے بھٹک گئے ہیں اور کفر کیا ہے۔ اَلَا تَتَّبِعُنَّ کہ تم میرے پیچھے آ جاتے۔ لازائدہ ہے یعنی تم میرے امر اور میری وصیت کی پیروی کرتے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ان پر انکار کرنے سے اور میری اتباع سے تجھے کوئی بات مانع تھی۔ بعض علماء نے کہا: اس کا معنی ہے تم نے ان سے جنگ کیوں نہیں کی جبکہ تجھے معلوم تھا کہ اگر میں ان کے درمیان ہوتا تو میں ان کے کفر پر ان سے جنگ کرتا۔ بعض علماء نے کہا: جب یہ فتنہ میں مبتلا ہو گئے تو تجھے مجھ سے ملنے سے کیا چیز مانع تھی۔ اَفَصَيْتَ اَمْرِي اس سے مراد یہ ہے کہ تیرے ان کے درمیان ٹھہرنا جبکہ یہ غیر اللہ کی عبادت کر رہے تھے تیری طرف سے میری نافرمانی ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ بعض علماء نے کہا: اس کا معنی ہے تو ان سے جدا کیوں نہیں ہوا تاکہ تیرا ان سے جدا ہونا ان کو زجر و توبیح کے لیے ہوتا اور اَفَصَيْتَ اَمْرِي کا معنی بعض علماء نے فرمایا: امری سے مراد جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سے حکایت تھا۔ وَقَالَ مُوسَى لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٠﴾ (الاعراف) جب حضرت ہارون علیہ السلام ان کے ساتھ ٹھہرے رہے اور انہیں روکنے میں مبالغہ نہ کیا اور ان پر انکار نہ کیا تو عصیان اور مخالفت امر کی نسبت ان کی طرف کر دی۔

مسئلہ: یہ امر بالمعروف اور نہی المنکر میں اصل ہے، اس کو تبدیل کرنا اور برائی کرنے والوں سے جدا ہو جانا ان کے درمیان ٹھہرنے والا خصوصاً جبکہ وہ راضی ہو تو اس کا حکم ان کے حکم کی طرح ہوگا۔ یہ مفہوم سورہ آل عمران، النساء، مائدہ، الانعام، الاعراف اور الانفال میں گزر چکا ہے۔ امام ابو بکر طرطوشی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: ہمارے سردار فقیہ مذہب صوفیاء میں کیا کہتے ہیں؟ ایک جماعت جمع ہوتی ہے وہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور حضرت محمد ﷺ کا ذکر کرتے ہیں پھر وہ ڈھول بجاتے ہیں، بعض رقص کرنے لگتے ہیں اور وجد میں آ جاتے ہیں حتیٰ کہ بے ہوش ہو جاتے ہیں پھر مل کر کھانا کھاتے ہیں کیا ان کے ساتھ حاضر ہونا جائز ہے یا نہیں؟ فتویٰ عنایت فرما کر اجر حاصل کریں۔ اللہ تم پر رحم فرمائے۔ یہ اشعار ہیں جو صوفیاء پڑھتے ہیں:

يَا شَيْخُ كُفَّتْ عَنِ الذُّنُوبِ قَبْلَ الشَّفْرِقِ وَالزُّكُلِ
وَأَعْمَلُ لِنَفْسِكَ صَالِحاً مَا دَامَ يَنْفَعُكَ الْعَمَلُ
أَمَّا الشَّبَابُ فَقَدْ مَضَى وَمَشَيْبُ رَأْسِكَ قَدْ نَزَلَ

جواب یہ ہے کہ صوفیاء کا مذہب باطل، جہالت اور گمراہی ہے۔ اسلام تو صرف کتاب اللہ اور رسول اللہ کی سنت کا نام ہے۔ رہا رقص اور وجد تو یہ سب سے پہلے سامری کے ساتھیوں نے کیا تھا جب اس نے ان کے لیے بچھڑے کا ڈھانچہ بنایا تھا اور اس میں سے آواز نکلتی تھی وہ اس کے ارد گرد رقص کرتے تھے اور وجد کرتے تھے۔ یہ کفار کا دین ہے اور بچھڑے کی پوجا کرنے والوں کا دین ہے اور رہا ڈھول بجانا تو یہ زنادقہ نے سب سے پہلے ایجاد کیا تھا تاکہ اس کے ذریعے مسلمانوں کو کتاب

اللہ سے دور کریں۔ نبی کریم ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھتے تھے تو وقار و تعظیم کی یہ کیفیت ہوتی تھی گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں (1) پس سلطان اور اس کے قائم مقام لوگوں کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کو مساجد میں حاضر ہونے سے روکیں جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے ان کے ساتھ حاضر ہونا جائز نہیں اور وہ باطل پران کی معاونت نہ کرے؛ یہ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل وغیرہم ائمۃ المسلمین کا مذہب ہے۔

قَالَ يَنْتَوَّمُ لَا تَأْخُذْ بِلِحَيْتِي وَلَا بِرَأْسِي ۚ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ۝ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَا مَرْيَمُ ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ۝ قَالَ فَاذْهَبِي فَإِنَّكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ ۚ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ يُخْلَفَهُ ۚ وَانظُرِي إِلَى إِلٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝ إِنَّمَا إِلٰهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝

”ہارون نے کہا: اے میرے ماں جائے (بھائی) نہ پکڑو میری داڑھی کو اور نہ میرے سر (کے بالوں) کو، میں نے اس خوف سے (ان پر سختی نہ کی) کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے پھوٹ ڈال دی بنی اسرائیل کے درمیان اور میرے حکم کا انتظار نہ کیا۔ آپ نے پوچھا: اے سامری! (اس فتنہ انگیزی) سے تیری غرض کیا تھی؛ اس نے کہا: میں نے دیکھی ایسی چیز جو لوگوں نے نہ دیکھی پس میں نے مٹھی بھر لی رسول کی سواری کے نشان قدم کی خاک سے پھر اسے ڈال دیا (اس ڈھانچہ میں) اور اس طرح آراستہ کر دی میری لیے میرے نفس نے یہ بات۔ آپ نے (غصہ سے) فرمایا: جا چلا جا پس تیرے لیے اس زندگی میں تو یہ (سزا) ہے کہ تو کہتا پھرے گا کہ مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے اور بیشک تیرے لیے ایک اور وعدہ (عذاب) بھی ہے جس کی خلاف ورزی نہیں ہوگی اور (ذرا) دیکھ اپنے اس خدا کی طرف جس پر توجہ کر بیٹھا رہا (اس کا کیا حشر ہوتا ہے) ہم اسے جلا ڈالیں گے پھر ہم بکھیر کر بہا دیں گے اس سمندر میں اس (کی راکھ) کو۔ تمہارا معبود تو صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں گھیر رکھا ہے اس نے ہر چیز کو (اپنے) علم سے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَنْتَوَّمُ لَا تَأْخُذْ بِلِحَيْتِي وَلَا بِرَأْسِي حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: دائیں ہاتھ سے سر کے بال پکڑے اور بائیں ہاتھ سے داڑھی کو پکڑا کیونکہ اللہ کی رضا کے لیے غیرت ان پر غالب آچکی تھی یعنی ایسا نہ کرو کہ لوگ خیال کریں گے کہ یہ آپ کی طرف سے استخفاف اور سزا ہے۔ بعض علماء نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بغیر استخفاف اور عقوبت کے کیا تھا جیسا کہ انسان اپنی داڑھی کو پکڑ لیتا ہے۔ یہ واقعہ سورہ اعراف میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی

مراد کو بہتر جانتا ہے۔

إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ یعنی مجھے اندیشہ ہے کہ میں نکلوں گا اور انہیں چھوڑ جاؤں گا حالانکہ آپ نے مجھے حکم دیا تھا میں ان کے ساتھ نکلوں اگر میں خود نکلتا تو قوم میری اتباع نہ کرتی اور قوم بچھڑے کے ساتھ پیچھے رہتی۔ بعض اوقات معاملہ خوزریزی تک جا پہنچتا اور مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں انہیں جھڑکوں گا تو جنگ واقع ہوگی اور پھر آپ مجھے ملامت کریں گے۔ یہ حضرت ہارون کا جواب ہے حضرت موسیٰ علیہما السلام کو جب انہوں نے کہا تھا: أَفَقَصَيْتَ أَمْرِي سُوْرَةُ

الاعراف میں ہے: إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي ۗ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْإِعْرَافَ (الاعراف: 150)

کیونکہ آپ نے حکم دیا تھا کہ میں ان کے ساتھ رہوں۔ اس مفہوم پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے۔ وَلَمْ تَزُقْ قَوْلِي اس کا معنی ہے تو نے ان کی حفاظت کے بارے میں میری وصیت پر عمل نہیں کیا کیونکہ آپ نے مجھے ان کے ساتھ رہنے کا حکم دیا تھا یہ مقاتل کا قول ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: میرے عہد اور میرے آنے کا انتظار نہیں کیا پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو چھوڑ دیا پھر سامری کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا: فَمَا خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ اے سامری! تیری غرض کیا تھی کس چیز نے تجھے اس پر ابھارا ہے؟ قتادہ نے کہا: سامری بنی اسرائیل میں ایک عظیم شخص تھا اس کا تعلق اس قبیلہ سے تھا جسے سامرہ کہا جاتا ہے، لیکن اس اللہ کے دشمن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سمندر پار کرنے کے بعد منافقت کی۔ جب بنی اسرائیل عمالقہ کے پاس سے گزرے جبکہ وہ اپنے بتوں پر بیٹھے تھے تو بنی اسرائیل نے کہا: اے حضرت موسیٰ! ہمارے لیے ایک خدا بنا دو جیسا کہ ان کے خدا ہیں پس سامری نے موقع کو غنیمت جانا اور اس نے جان لیا کہ وہ بچھڑے کی عبادت کی طرف مائل ہیں تو اس نے بچھڑا بنا دیا۔ پس سامری نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیتے ہوئے کہا: بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ میں نے ایسی چیز دیکھی جو انہوں نے نہیں دیکھی تھی یعنی میں نے وہ چیز دیکھی جو انہوں نے نہیں دیکھی میں نے جبریل کو حیاة کے گھوڑے پر دیکھا پس میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس کے نشان قدم سے ایک مٹھی بھریوں پس میں نے اس کو کسی چیز پر نہیں ڈالا مگر اس کے لیے روح، گوشت اور خون بن گیا جب انہوں نے آپ سے سوال کیا کہ آپ ان کے لیے خدا بنا دیں تو میرے نفس نے میرے لیے یہ آراستہ کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب جبریل اترے تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف لے جائیں تو سامری نے لوگوں کے درمیان سے اسے دیکھا اور گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹھی بھر لی۔ بعض نے کہا: سامری نے کہا: میں نے جبریل کو گھوڑے پر دیکھا وہ حد نظر پر قدم رکھتا تھا پس میرے دل میں خیال آیا کہ میں اس کے نشان سے مٹھی بھریوں۔ پس میں نے کسی چیز پر اسے نہیں ڈالا مگر اس کے لیے روح اور خون بن گیا۔ بعض نے کہا: اس نے جبریل کو زگھوڑے پر نزول کے دن دیکھا۔ فرعون کا گھوڑا دریا میں داخل ہونے کے لیے آگے بڑھا۔ کہا جاتا ہے: سامری کی ماں نے سامری کی پیدائش کے دن اسے ایک غار میں رکھا اس خوف سے کہ کہیں فرعون اسے قتل نہ کر دے۔ پس حضرت جبریل امین اس کے پاس آئے اور سامری کی ہتھیلی کو سامری کے منہ میں رکھ دیا پس وہ شہد اور دودھ اس سے پیتا رہا۔ حضرت جبریل اس کے پاس آتے جاتے تھے تو سامری نے اسے اس وقت سے پہچان لیا تھا۔ یہ معنی سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سامری نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام سنا جہاں انہوں نے موم سیم ڈھانچے بنائے تھے ایک ڈھانچہ نیل کا تھا اور دوسرا گھوڑے کا تھا۔ پھر دونوں کو دریائے نیل میں ڈال دیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کو تلاش کرنے کے لیے ایسا کیا تھا وہ پتھر کے تابوت میں دریائے نیل میں تھے تو نیل اس تابوت کو اپنے سینگ پر اٹھالایا۔ پس سامری نے وہ کلام پڑھی جو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سنی تھی پس سامری نے وہ مٹھی بھر مٹی بچھڑے کے پیٹ میں ڈالی تو وہ ڈکارنے لگا۔ حمزہ، کسائی، اعمش اور خلف نے بسالم تبصرہ پڑھا ہے اور باقی قراء نے یاء کے ساتھ خبر کی بناء پر پڑھا ہے۔ حضرت ابی بن کعب، حضرت ابن مسعود، الحسن اور قتادہ نے فقبت قبضة صاد کے ساتھ پڑھا ہے۔ حسن سے قاف کے ضمہ کے ساتھ قبضة سے پڑھا ہے، یعنی صاد بغیر نقطہ کے۔ باقی قراء نے قبضت قبضة ضاد کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ القبض پوری ہتھیلی کو کہتے ہیں اور القبض انگلیوں کے اطراف کو کہتے ہیں ان کی طرح الغضم والقضم ہے القبضة قاف کے ضمہ کے ساتھ مقبوض مقدار کو کہتے ہیں؛ مہدوی نے اس کو ذکر کیا ہے۔ جوہری نے قبضة فا کے ضمہ اور صاد کے ساتھ ذکر نہیں۔ انہوں نے القبضة قاف کے ضمہ اور ضاد کے ساتھ کیا ہے جو تو مٹھی میں پکڑتا ہے۔ کہا جاتا ہے: أعطاه قبضة من سويق اوتہ یعنی میں نے اسے مٹھی بھر ستویا کھجور دی۔ کبھی قاف کے فتح کے ساتھ بھی آتا ہے اور فرمایا: القبض قاف کے کسرہ اور صاد کے ساتھ اس کا معنی ہے لوگوں کی کثیر تعداد۔ کیت نے کہا:

لکم مسجداً اللہ السؤدان والحصى لکم قبضة من بین اشرى واقتري

فَنَهْدُهَا یعنی میں نے اسے بچھڑے میں ڈالا۔ وَ كَذَلِكَ سَوَّلْتُ لِي نَفْسِي میرے لیے میرے نفس نے اسی طرح آراستہ کر دیا؛ یہ انخفش کا قول ہے۔ ابن زید نے کہا: حدثنی نفسی میرے نفس نے بیان کیا۔ دونوں قریب المعنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالَ فَاذْهَبْ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہمارے درمیان سے چلا جا۔ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ زَنْدِی بھر تو یہی کہتا رہے گا کہ مجھے کوئی نہ چھوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنی قوم سے نکال دیا۔ اور بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اس کے ساتھ نہ ملیں اور نہ اس کے قریب جائیں اور نہ اس سے کلام کریں۔ یہ اس کے لیے بطور سزا تھا۔ شاعر نے کہا:

تسیم کرھط الشامری وقوله ألا لا يريد الشامری مساساً

حسن نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سامری کی سزا یہ بنائی کہ لوگوں کو وہ نہ چھوئے اور نہ لوگ اسے چھوئیں، یہ اس کے لیے اور جو اس میں سے قیامت تک ہوگا سب کے لیے سزا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس پر محنت سخت کر دی کہ اسے ایسا بنا دیا کہ وہ کسی کو نہ چھوئے اور کسی کے لیے اس کو چھونا ممکن نہ تھا۔ یہ اس کے لیے دنیا میں سزا تھی۔ کہا جاتا ہے: وہ دوسواں میں مبتلا کیا گیا۔ دوسواں کی اصل اس وقت سے ہے۔ قتادہ نے کہا: ان کے بقیہ لوگ آج بھی ہیں جو کہتے ہیں: لا مساس اگر کوئی دوسرا ان میں سے کسی کو چھو لے تو دونوں اسی وقت بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسے قتل نہ کر دینا سخی ہے۔ کہا جاتا ہے: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے کہا: فَاذْهَبْ فَإِنَّ

لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ تُوهِ بَهَاگ گیا پس وہ جنگلوں میں درندوں کے ساتھ گھومتا رہتا تھا وہ لوگوں میں سے کوئی ایسا نہیں پاتا تھا جو اسے چھو تا حتی کہ وہ اس کہنے والے کی طرح ہو گیا جو ہر وقت کہتا: لَا مِسَاسَ کیونکہ وہ لوگوں سے دور تھا اور لوگ اس سے دور تھے، جیسا کہ شاعر نے کہا:

حَتَّىٰ رَايَاتِ بِهَا قَنَّعَا سَا حَتَّىٰ تَقُولَ الْاُ زِدْ لَامِسَابَسَا

یہ اہل بدعت، نافرمانوں کو نکالنے اور دور کرنے کی اصل ہے اور ان سے اختلاط نہ کرنے کی اصل ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت کعب بن مالک اور پیچھے رہ جانے والے صحابہ کے متعلق ایسا کیا تھا۔ جو شخص حرم میں پناہ لے اور اس پر قتل ہو تو بعض فقہاء کے نزدیک اسے قتل نہیں کیا جائے لیکن اس کے ساتھ معاملہ نہیں کیا جائے نہ بیع کی جائے گی۔ یہ اس کو حرم سے نکلنے پر مجبور کرنا ہے۔ اس قبیل سے زنا کی حد میں جلا وطن کرنا ہے۔ یہ تمام مسائل اپنے اپنے مقام پر گزر چکے ہیں، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ الحمد للہ وحدہ۔

ہارون القاری نے کہا: عرب کی لغت میں لَا مِسَاسَ سین کے کسرہ اور میم کے فتح کے ساتھ ہے۔ نحویوں نے اس میں کلام کی ہے۔ سیبویہ نے کہا: یہ مبنی بر کسرہ ہے جیسے کہا جاتا ہے: اضرب الرجل۔ ابو اسحاق نے کہا: لَا مِسَاسَ نفی ہے سین کو کسرہ دیا گیا ہے کیونکہ کسرہ تانیث کی علامت ہے تو کہتا ہے: فعلتِ يَا امْرَأَةَ۔ نحاس نے کہا: میں نے علی بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا انہوں نے کہا میں نے محمد بن یزید کو یہ کہتے ہوئے سنا: جب کسی اسم میں تین علتیں ہوں تو اس کا مبنی ہونا واجب ہے جس میں دو علتیں ہوں تو اس کا غیر منصرف ہونا واجب ہے کیونکہ حرف کے ترک کے بعد مبنی ہونا ہی باقی رہتا ہے۔ پس مِسَاس اور دراک میں تین جہات سے علت ہے۔ ایک یہ کہ یہ معدول ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ مونث ہے۔ تیسرا یہ کہ یہ معرفہ ہے۔ جب اس میں بنا واجب ہے اور سین سے پہلے الف ساکن ہے تو التقاء ساکنین کی وجہ سے سین کو کسرہ دیا گیا جیسے تو کہتا ہے: اضرب الرجل۔ میں نے ابو اسحاق کو دیکھا کہ وہ اس قول کی طرف جانا خطا ہے۔ اور ابو اسحاق نے ابو عباس کو الزام دیا ہے کہ جب کسی عورت کا نام فرعون رکھا جائے اسے بھی مبنی ہونا چاہیے جبکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ جوہری نے الصحاح میں کہا: رہا عربوں کا قول: لَا مِسَاسَ یہ فطام کی مثل ہے یہ مبنی بر کسرہ ہے کیونکہ یہ مصدر سے معدول ہے اور وہ المس ہے۔ ابو حیوہ نے لَا مِسَاسَ پڑھا ہے۔ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَنْ تُخْلَفَهُ یعنی قیامت کے دن۔ الموعود مصدر ہے یعنی تیرے لیے عذاب کا وعدہ ہے۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے تخلفہ لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کے دو معانی ہیں (۱) تو اس کے پاس آئے گا اور تو اسے وعدہ خلافی کرنے والا نہ پائے گا، جیسے تو کہتا ہے: احدتہ میں نے اسے محمود پایا۔ (۲) دوسرا معنی تہدید کی بنا پر ہے یعنی تیرے لیے ضروری ہے کہ تو اس کی طرف جائے۔ باقی قراء نے لام کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے کیے ہوئے وعدہ میں وعدہ خلافی نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنظُرْ إِلَى إِلٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ لَيْتًا تو اس پر قائم ہے۔ عَاكِفًا، ملازمًا۔ اس کی اصل ظلمت ہے۔ شاعر نے کہا:

خَلَا أَنْ الْعِتَاقَ مِنَ الطَّيَا أَحْسَنَ بِهِ فَهَنْ إِلَيْهِ شَوْش

یعنی أَحْسَنُ اسی طرح اعمش نے اصل پر دو لاموں کے ساتھ پڑھا ہے اور حضرت ابن مسعود کی قرأت میں ظلت ظاء کے کسرہ کے ساتھ ہے کہا جاتا ہے: ظَلَّتْ أَفْعَلْ كَذَا إِذَا فَعَلْتَهُ نَهَارًا وَظَلَّتْ وَظَلَّتْ جَبَّ كَوْنِي دِنًا كَمَا كَرَّرْتُمْ أَوْ جَنَّبُونَ نِي ظَلَّتْ كَمَا فِي لَامٍ تَخْفِيفًا حَذْفٌ كَرِّ دِيَا هِيَ أَوْ جَنَّبُونَ نِي ظَلَّتْ كَمَا فِي لَامٍ كِي حَرَكَتِ ظَا كُو دِي دِي - لَنْحَرَفْتَهُ نُونِ كِي فَتْحًا أَوْ رَاءَ كِي ضَمًّا أَوْ تَخْفِيفًا كِي سَا تَهْ - يِي حَرَا كَتِ الشُّو أَحْرَا قَه حَرَا كِي حِيَزِ كُو أَحَا كِي دُوسَرِي سِي بَا لِكُلِّ مِلِّ دِي نَا، بِشِي دِي نَا: اِسِي سِي عَرَبُونَ كَا قَوْلِ هِيَ: حَرَا قُ نَابَهُ يَحْرَا قَه يَعْنِي اِسِي نِي اِسِي بِسِي ذُ اِلَا حَتِي كِي اِسِي كِي آدَا سِنِي كِنِي - اِسِي قَرَا تِ كَا مَعْنِي هِيَ، هِمَّ اِنْبِي اِزْنِ كِيَا أَوْ رُ كُو تِ دِيَا - اِلْمَبْرُودِ كُو نِي كَا آله - اُورِ پَهْلِي دُورَا تُونَ كَا مَعْنِي هِيَ اِگِ كِي سَا تَهْ اِسِي طَرَحِ خُونِ بَهَا جَسِ طَرَحِ عَامِ بِحِجْرِي كُو ذَنَعِ كَرْنِي سِي خُونِ بَهْتَا هِيَ - پَهْرِ بَهْتُو زِي كِي سَا تَهْ اِسِي كِي بَدِيُونَ كُو تُو زَا اُورِ پَهْرِ جِلَا دِيَا - حَضْرَتِ اِبْنِ مَسْعُودِ كِي قَرَا تِ مِي لِذَبْحِنَهْ ثَمَّ لِذَبْحِنَهْ هِيَ غُوشَتِ اُورِ خُونِ جَبَّ جِلَّ جَاتِي هِي تُو رَا كِهْ بِنَّ جَاتِي هِي بِحِرَا سِي دَرِيَا مِي بِكُحِيرِ نَا مَكْنِ هُوتَا هِيَ - رَا سُو نَا تُو وَهْ رَا كِهْ نَبِي بِنَا - بَعْضِ عِلْمَا نِي كَمَا: حَضْرَتِ مَوْكِي عَلِيهِ السَّلَامِ جَانْتِي تَهْ جَسِ كِي سَا تَهْ سُو نَا رَا كِهْ بِنَّ جَاتَا هِيَ - يِي اِنِ كِي آيَا تِ مِي سِي تَهَا - لَنْنِسْفَتَهُ كَا مَعْنِي هِيَ، هِمَّ اِسِي اِزَا دِي سِي كِي - اِبُورِ جَا نِي لَنْنِسْفَتِهِ سِي ضَمًّا كِي سَا تَهْ پُزْ هَا هِيَ - يِي دُونُونَ لَغْتِي سِي هِي - اِنْسَفْ كَا مَعْنِي هِيَ كِي حِيَزِ كُو جَهَا زِنَا تَا كِي هُو اِسِي كُو اِزَا لِي جَا نِي - اِسِي كُو اَلْتَذْرِيَةِ كَبْتِي هِي - اِنْسَفْ جَسِ كِي سَا تَهْ دَانِي صَا فِ كِي جَاتِي هِي، وَهْ حِيَزِ جَسِ كَا آگِي دَا اِحْصَا اُتْ هَا هُو - اِنْسَا فَا جُو اِسِي سِي نِيچِي كَرِي - كَمَا جَاتَا هِيَ: اِعْزَلِ النُّسَا فَا دِ كَلِّ مِّنِ اَلْخَالِصِ چِهَانِ كُو دُورِ كَرَا وِرِ خَالِصِ كُو كَهَا - كَمَا جَاتَا هِيَ: اِتَانِ فِلَانِ كَانِ لِحَيْتِهْ مَنَسَفٌ بَمَارِي پَا سِ فِلَانِ آيَا گُو يَا اِسِي كِي دَا زْ هِي چِهَانِي هِيَ - اِبُونَصْرِنِي يِي حَا كَا تِ كِيَا هِيَ: اِنْسَفَا اِسِي آله كُو كَبْتِي هِي جَسِ كِي سَا تَهْ كُو نِي عِمَارَتِ اَكْخِيْرِي جَاتِي هِيَ - نَسَفَتِ اَلْبِنَاءِ نَسْفَا مِي نِي عِمَارَتِ كُو اَكْخِيْرِيَا، نَسَفِ اَلْبَعِيْرِ اَلْكَلَا يَنْسَفُ سِي كِي كَسْرَهْ كِي سَا تَهْ - جَبَّ اَوْنَتِ گُهَا سِ كُو جُزِي سِي اَكْخِيْرِي دِي - اِتْسَفَتِ الشُّي كَا مَعْنِي هِيَ مِي نِي حِيَزِ كُو اَكْخِيْرِيَا هِيَ يِي اِبُو زَيْدِ سِي مَرُوي هِيَ - اَللَّهِ تَعَالَى كَا اِرْشَا دِي هِيَ: اِنْسَا اَلْهُكْمُ اَلَّذِي لَا اِلَهَ اِلَّا هُوَ وَ سِعَا كُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا يَعْنِي بِحِجْرِ اِمْعُودِ نَبِي سِي هِيَ، يَعْنِي اَللَّهِ تَعَالَى كَا عِلْمُ بَرِ حِيَزِ كُو وَسِعَ هِيَ وَهْ بَرِ فَعْلِ اِنِي عِلْمُ سِي كَرَا هِيَ - عِلْمًا پَرِ نَسَبِ تَفْسِيرِ كِي بِنَا پَرِ هِيَ - مَجَاهِدِ اُورِ قَتَادِهْ نِي وَنَسَبِ كَلِّ شَيْءِ عِلْمًا پُزْ هَا هِيَ -

كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ۚ مَنْ
 أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وِزْرًا ۝ خَلِدِينَ فِيهِ ۗ وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ
 الْقِيَامَةِ حِمْلًا ۝ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ وَ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۝
 يَتَخَفَتُونَ بَيْنَهُمْ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ
 أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ۝

”یوں ہم بیان کرتے ہیں آپ سے خبریں ان لوگوں کی جو پہلے گزر چکے اور ہم نے مرحمت فرمایا ہے آپ کو اپنی

جناب سے ایک پند نامہ۔ جو شخص روگردانی کرے گا اس سے وہ اٹھائے گا قیامت کے دن ایک بوجھ، یہ لوگ ہمیشہ اس بوجھ تلے دبے رہیں گے اور بہت تکلیف دہ ہوگا ان کے لیے روز قیامت یہ بوجھ۔ جس روز پھونکا جائے گا صور میں اور ہم جمع کریں گے مجرموں کو اس دن اس حال میں کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی، چپکے چپکے آپس میں کہیں گے کہ نہیں رہے تم دنیا میں مگر صرف دس دن۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جبکہ ان میں سب سے زیادہ زیرک کہے گا کہ نہیں ٹھہرے ہو تم مگر صرف ایک دن۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **كَذَلِكَ كَفَّ مَلْجَأَ نَجْوَىٰ مَن لَّمْ يَجْعَلْ لِّوَجْهِهِ كِسْفًا مِّنْ ذُرِّيَّتِهِ لِيَسْفَىٰ بِهِ كِفْلًا مِّنْ حَرِّ جَهَنَّمَ** یعنی کما قصصنا علیک خبر موسیٰ جس طرح ہم نے آپ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خبر بیان کی اسی طرح ہم سابقہ واقعات کو بیان کریں گے تاکہ آپ کے لیے باعث تسلی ہوں اور آپ کی صداقت پر دلیل ہوں۔ **وَقَدْ اتَيْنَكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ۗ** ذکر سے مراد قرآن ہے۔ قرآن کو ذکر اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں نصیحت ہے اور الرسول کو بھی ذکر کہا جاتا ہے کیونکہ ذکر (نصیحت) اس پر اتاری جاتی ہے۔ بعض علماء نے کہا: **اتَيْنَكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا** یعنی ذکر سے مراد شرف ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **إِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ (الزخرف: 44)** یعنی تیرے اسم کے ساتھ شرف اور عزت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ** یعنی جس نے قرآن سے اعراض کیا اور قرآن پر ایمان نہ لایا اور جو احکام اس میں ہیں ان پر عمل نہ کیا۔ **فَأَنَّهُ يُحِطُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَذُرْمًا ۗ** ذرماً سے مراد بڑا گناہ اور بڑا بوجھ ہے۔ **خَلِيدَيْنِ فِيهِ**، وہ اس بوجھ تلے ہمیشہ رہیں گے یعنی اس جزا میں اور اس کی جزا جہنم ہے۔ **وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جُزَاءً ۗ** برا ہے وہ بوجھ جو وہ قیامت کے روز اٹھائیں گے۔ داؤد بن رفیع نے فبانہ **يُحِطُ** پڑھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ** یعنی اس کی قرأت ہے۔ **يُنْفَخُ** یاہ کے ضمہ کے ساتھ فعل مجہول کی بناء پر۔ ابو عمر، ابن ابی اسحاق نے معروف کا صیغہ نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عمرو نے **وَنَحْشًا** سے استدلال کیا ہے۔ ابن ہریر سے **يُنْفَخُ** یاہ کے فتح کے ساتھ مروی ہے، یعنی اسرافیل پھونکے گا۔ سورہ انعام میں اس پر بحث گزر چکی ہے۔ اور کتاب التذکرہ میں بھی اس کی بحث ہے۔ طلحہ بن مصرف نے **وَيَحْشَا** یاہ کے ضمہ کے ساتھ اور **الْمَجْرُمُونَ** کو حالت رفعی میں پڑھا ہے۔ یہ مصحف کے خلاف ہے۔ اور باقی قراء نے **وَنَحْشًا** **الْمَجْرُمِينَ** پڑھا ہے۔ **الْمَجْرُمِينَ** سے مراد مشرک ہیں۔ **ذُرْمًا**، یہ **الْمَجْرُمِينَ** سے حال ہے۔ **الذرق** سیاہی کا متضاد ہے۔ عرب نیلی آنکھوں کو ناپسند کرتے ہیں اور اس کی مذمت کرتے ہیں۔ ان کی آنکھوں کے نیلا ہونے اور چہروں کے سیاہ ہونے کی وجہ سے ان کی خلقت ناپسندیدہ ہوگی۔ کلبی اور فراء نے **ذُرْمًا** کا معنی اندھا بیان کیا ہے۔ ازہری نے کہا: **يَا** سے ان کی شدت پیاس کی وجہ سے آنکھیں نیلی ہوں گی؛ یہ زجاج کا قول ہے، انہوں نے کہا: **يَا** سے ان کی وجہ سے آنکھیں نیلی ہو جاتی ہیں اور سیاہی بدل جاتی ہے۔ بعض نے کہا: یہ جھوٹی امید ہے جب اس کے پیچھے خسارہ ہوگا۔ کہا جاتا ہے: **طويل** انتظار کی وجہ سے میری آنکھیں سفید ہو گئیں۔ **پانچواں** قول یہ ہے کہ شدت خوف سے ان کی آنکھیں کھلی کھلی ہوں گی۔ شاعر نے کہا:

لقد زهرت عيناك يا بن مكنعب
كما كل ضئبي من اللوم اذهرني

کہا جاتا ہے: رجل ازرق العين، المرأة زرقاء بينة الزرق، اسم الزرقه زرق عينة۔ راء کے کسرہ کے ساتھ ازراقت عینہ ازرقاقاً و ازراقت عینہ ازریقاقاً، سعید بن جبیر نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ ذُرْقًا کے متعلق پوچھا گیا اور دوسری جگہ فرمایا: وَ نَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُرْيًا وَ بُكْمًا وَ صُمًّا (الاسراء: 97) فرمایا: قیامت کے دن کے لیے مختلف حالات ہوں گے ایک حالت میں ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور ایک حالت میں اندھے ہوں گے۔

يَتَخَفَتُونَ بَيْنَهُمْ، الخفت کی اصل لغت میں سکون ہے پھر اس کے لیے بھی بولا جاتا ہے جو اپنی آواز کو پست کرتا ہے اور خفیہ بات کرتا ہے۔ آیت کا مطلب ہے وہ سرگوشی کرتے ہیں؛ یہ مجاہد کا قول ہے یعنی وہ حشر کے میدان میں ایک دوسرے سے رازداری سے چپکے چپکے بات کریں گے۔ اِنْ لَّمْ يَسْتَمِعُوا لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَمَّا كُنْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَذَرْهُمْ يَكْتُمُوا عَلَيْنَا وَمَا كُنَّا بِمَسْمُوعِينَ (الاسراء: 81) بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد دو نفخوں کے درمیان کا عرصہ ہے اور وہ چالیس سال ہے اس مدت میں کفار سے عذاب بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اُٹھالیا جائے گا تو وہ اس مدت کو کم خیال کریں گے یا قیامت کے دن کی ہولناکیوں کی شدت کی وجہ سے دنیا میں رہنے کی مدت کو کم خیال کریں گے اور ان میں سے جو زیادہ دانشمند اور سیانا ہوگا اور علم والا ہوگا اسے یوں محسوس ہوگا کہ وہ نہیں ٹھہرے مگر ایک دن یعنی دنیا میں ان کا قیام ایک دن تھا؛ یہ قیامت کے دن ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی: الامثل یوم بعض علماء نے فرمایا: وہ قیامت کی ہولناکیوں کو دیکھ کر وہ دنیا کی نعمتوں کو بھول جائیں گے حتیٰ کہ وہ انہیں ایک دن کی طرح دیکھیں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: ایک دن سے مراد نفخوں کے درمیان ٹھہرنا ہے۔ یا قبور میں ٹھہرنا مراد ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ عشا اور یوما، لیشم کی وجہ سے منصوب ہیں۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۖ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۖ لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَ لَا أَمْتًا ۗ يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۗ وَ خَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ۗ يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَ رَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۗ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ۗ

”اور وہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمائیے: میرا رب انہیں جڑوں سے اکھیڑ کر پھینک دے گا، پس بنا چھوڑے گا اس پہاڑی علاقہ کو کھلا ہوا میدان، نہ نظر آئے گا تجھے اس میں کوئی موڑ اور نہ کوئی ٹیلا۔ اس روز سب لوگ پیروی کریں گے پکارنے والے کی کوئی روگردانی نہیں کر سکے گا اس سے اور خاموش ہو جائیں گی سب آوازیں رحمن کے خوف سے پس تو نہ سنے گا (اس روز) مگر مدہم ہی آہٹ۔ اس دن نہیں نفع دے گی کوئی سفارش سوائے اس شخص کی شفاعت کے جسے رحمن نے اجازت دی اور پسند فرمایا ہو اس

کے قول کو۔ وہ جانتا ہے لوگوں کے آنے والے حالات کو اور ان کے گزرے ہوئے واقعات کو اور لوگ نہیں احاطہ کر سکتے اس کا اپنے علم سے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ يَعْنِي لَوْگ قیامت کے دن پہاڑوں کی حالت کے متعلق پوچھتے ہیں فَقُلْ یہاں فا کے ساتھ آیا ہے ہر سوال جو قرآن میں آیا ہے اس کے جواب میں قل بغیر فاء کے آیا ہے سوائے اس ایک مقام کے، کیونکہ اس کا معنی ہے اگر وہ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کریں تو آپ کہیں۔ تو کلام کے ضمن میں شرط کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ لوگ پہاڑوں کے متعلق سوال کریں گے پس سوال سے پہلے انہیں جواب دیا۔ یہ سوالات جو پہلے گزر چکے ہیں لوگوں نے ان کے متعلق نبی کریم ﷺ نے پوچھا تو سوال کے بعد جواب دیا اسی وجہ سے جواب بغیر فاء کے آیا اور یہ سوال ابھی تک انہوں نے پوچھا نہیں تھا۔ يَنْسِفُهَا وَهِيَ اسے اڑاتا ہے۔ نَسْفًا ابن اعرابی وغیرہ نے کہا: اس کا مطلب ہے وہ اسے جڑ سے اکھڑے گا پھر اسے ریت کی طرح پس ڈالے گا۔ اور پھر اسے دھنی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح کر دے گا جنہیں ہوائیں ادھر ادھر اڑائیں گی۔ اور فرمایا: العهن رنگی ہوئی اون کو کہتے ہیں۔ پھر بکھرے ہوئے ذرات کی طرح ہو جائیں گے۔ فَيَذَّرُهَا یعنی نہیں چٹیل میدان بنا دے گا۔ قَاعًا صَفْصَفًا، القاع اس زمین کو کہتے ہیں جو چٹیل ہو پس کوئی چیز نہ آگتی ہو؛ یہ ابن اعرابی کا قول ہے۔ جو ہری نے کہا: ہموار زمین کو القاع کہتے ہیں۔ اس کی جمع اقوع واقوع وقیعان آتی ہے واو بعد کسرہ کے یاء ہوگی۔ فراء نے کہا: القاع سے مراد وہ زمین ہے جس میں پانی جمع ہوتا ہو اور الصفصف سے مراد وہ زمین ہے جس پر کوئی گھاس وغیرہ نہ ہو۔ کلبی نے کہا: وہ زمین جس پر کوئی گھاس نہ ہو۔ بعض نے کہا: ہموار زمین گویا برابری میں ایک صف کی طرح ہیں؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ القاع اور الصفصف کا ایک معنی ہے۔ القاع کھلی زمین الصففف ہموار چٹیل زمین۔ سیبویہ نے یہ شعر بطور استشہاد پڑھا ہے:

وَكَمِ دُونَ بَيْنِكَ مِنْ صَفْصِفٍ وَذَكَدَاكِ رَمْلٍ وَاعْتِقَادِهَا

قَاعًا کو نصب حال کی بنا پر ہے۔ لَا تَرْمِي محل نعت میں ہے۔ فِيهَا عَوْجًا ابن الاعرابی نے کہا: العوج راستے میں ٹیڑھا پن ہونا۔ الامت سے مراد ٹیلا ہے۔ ابو عمرو نے کہا: الامت سے مراد چھوٹے ٹیلے ہیں۔ ہموار زمین جس میں نشیب و فراز نہ ہو۔ تو کہتا ہے: امتلاء فمأبہ امت و ملأت القربة ملأ الامت فیہ یعنی اس میں ڈھیلا پن نہیں۔ لغت میں الامت سے مراد بلند جگہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عوجاً کا معنی میلا ہے۔ فرمایا: الامت تسمہ کی مثل اثر، ان سے یہ بھی مروی ہے کہ عوجاً سے مراد وادی ہے اور امتاً سے مراد ٹیلا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ العوج سے مراد پستی ہے اور الامت سے مراد بلند جگہ ہے۔ قتادہ نے کہا: عوجاً سے مراد پھٹن ہے اور امتاً سے مراد ٹیلا ہے۔ یمان نے کہا: الامت سے مراد زمین میں دراڑیں ہیں۔ بعض نے کہا: الامت ہموار زمین میں سے یا پہاڑ میں سے نئی جگہ کا سخت ہونا اور کسی جگہ کا نرم ہونا؛ یہ صولی نے حکایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس آیت کے ساتھ مکوڑیوں کا دم کیا جاتا ہے جس کو ہمارے ہاں البراریق کہتے ہیں۔ اس کا واحد بروقة

ہے یہ جسم پر ظاہر ہوتی ہیں خصوصاً ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہیں جو کی تین لکڑیاں لے لو ہر لکڑی کی طرف میں گرہ ہو ہر گرہ کو ان لکڑیوں کے اوپر سے گزارو اور ایک مرتبہ یہ آیت پڑھو پھر ان لکڑیوں کو کسی تر جگہ میں دفن کر دو وہ لکڑیاں جیسے ختم ہوں گی وہ لکڑیاں بھی ختم ہوتی جائیں گی اور کوئی اثر بھی باقی نہ رہے گا۔ میں نے یہ اپنے اوپر بھی تجربہ کیا ہے اور دوسروں پر بھی میں نے اس کو نفع مند پایا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

يَوْمَ مَهَيَّا تَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ، داعی سے مراد اسرافیل علیہ السلام ہیں جب وہ صور میں پھونکیں گے۔ لَا عِوَجَ لَهُ وَه ان کے پکارنے سے انحراف و اعراض نہیں کریں گے بلکہ اس کی طرف جلدی کریں گے اور اس سے ادھر ادھر نہ ہوں گے؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: لَا عِوَجَ لَهُ یعنی اس کی پکار میں کوئی کجی نہ ہوگی۔ بعض علماء نے کہا: اس کا مطلب ہے وہ پکارنے والے کی پوری اتباع کریں گے اس میں کجی نہ ہوگی۔ مصدر مضمر ہے معنی یہ ہے کہ وہ محشر کے لیے پکارنے والے کی آواز کی اتباع کریں گے۔ اس کی مثل یہ آیت ہے: وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ○ (ق) آگے آئے گا وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ آواز پست اور خاموش ہو جائیں گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: جب حضرت زبیر کی خبر آئی تو مدینہ طیبہ کی دیواریں اور پہاڑ پست ہو گئے۔ اور ہیبت کی وجہ سے ہر زبان ساکت ہوگی۔ لِلرَّحْمَنِ الرَّحْمَنِ کی وجہ سے فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ○، الہمس پست آواز کو کہتے ہیں؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے الهمس الخفی پست آواز، حسن اور ابن جریج نے کہا: قدموں کی آہٹ کو الهمس کہتے ہیں۔ وہ آواز جو محشر کی طرف جاتے وقت قدموں کے ایک دوسرے پر تلنے کی وجہ سے پیدا ہوگی۔ زجاج کا قول ہے وَهَنْ يَنْشِينُ بِنَا هَيْسًا۔ اونٹوں کے چلنے کی آواز۔ شیر کو الهموس کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ تاریکی میں آہستہ آہستہ چلتا ہے۔ رובیہ کا شعر ہے:

لَيْثٌ يَدْفِي الْأَسَدَ الْهَمُوسًا وَالْأَقْهَبَيْنِ الْفَيْلَ وَالْجَامُوسَ

ہمس الطعام طعام کو چبانا۔ فوہ منضم ملا ہوا منہ۔ راجز نے کہا:

لَقَدْ رَأَيْتُ عَجَبًا مُذْ أَمَّا عَجَائِزًا مِثْلَ السَّعَالِ حَسَا

يَا كُنَّ مَا أَصْنَعُ هَمْسًا هَمْسًا

بعض علماء نے فرمایا: الهمس کا معنی ہونٹوں اور زبان کو حرکت دینا ہے۔ حضرت ابی بن کعب نے فلا ينطقون الا همساً پڑھا ہے۔ دونوں کا معنی قریب قریب ہے یعنی ان کی آواز، کلام اور قدموں کی آواز نہیں سنی جائے گی۔ (ھ، م، ہ) کی بناء کا اصل معنی خفاء ہے جیسا بھی اس میں تصرف ہو اسی سے حروف مہوسہ ہیں۔ یہ دس حروف ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے (حشہ شخص فسکت) ان کو حروف مہوسہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ مخرج میں اعتماد کمزور ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کے ساتھ سانس جاری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَوْمَ مَهَيَّا لَا تَسْمَعُ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ، مَنْ مَحَلْ نَصَبٍ فِي بَيْتِهِ مِنْ أَسْتِثْنَاءِ خَارِجٍ كِي بِنَا بِرِيعِنِ لَا تَسْمَعُ الشَّفَاعَةَ أَحَدًا إِلَّا الشَّفَاعَةَ مِنْ أَذْنِ لِه الرَّحْمَنِ يَعْنِي كَسِي كُو شَفَاعَتِ نَفْعِ نَه دَعِي كِي مَكْرَاسِ كِي شَفَاعَتِ جِس كُو رَحْمَنِ أَذْنِ شَفَاعَتِ فَرَمَائِي كَا۔ وَمَا ضَعِي لَه قَوْلًا يَعْنِي اللّٰهُ تَعَالَى جِس كِي شَفَاعَتِ بِرِيعِنِ هُو كَا۔ بعض نے فرمایا:

اس کا مطلب ہے شفاعت اسے نفع دے گی جسے رحمن شفاعت کرنے کی اجازت دے گا اور اس کے لیے ایسا قول ہوگا جو پسندیدہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قول سے مراد لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ لِعِزَّتِ قِيَامَتِ كَيْفَ كَرِهَتْ أَسْمَاءُ وَمَا خَلْفَهُمْ أَمْرًا دِينًا هُوَ؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ جانتا ہے جس ثواب اور عقاب کی طرف لوٹیں گے۔ وَمَا خَلْفَهُمْ جو انہوں نے دنیا میں پیچھے چھوڑا پھر بعض نے فرمایا: یہ آیت تمام لوگوں کو شامل ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے داعی کی اتباع کی۔ والحمد لله۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِ اللَّهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۚ۔ یعنی کوئی اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتا، کیونکہ احاطہ حد کا شعور دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ حد سے پاک ہے۔ بعض نے فرمایا: ضمیر کا مرجع علم ہے۔ یعنی کوئی اس علم کا احاطہ نہیں کرتا جس کو اللہ جانتا ہے۔ طبری نے کہا: أَيْدِيهِمْ اور خَلْفَهُمْ اور يُحِيطُونَ میں ضمائر کا مرجع ملائکہ ہیں۔ اللہ زیادہ جانتا ہے۔ جو فرشتوں کی عبادت کرتا ہے وہ نہیں جانتے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔

وَعَنْتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۚ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخْفُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا ۚ ۝

”اور (فرط نیاز سے) جھک جائیں گے سب (لوگوں کے) چہرے حی و قیوم کے سامنے اور نا مراد ہوا جس نے لاد اپنے (سر) پر ظلم (کا بار گراں)۔ اور جو شخص کرتا ہے نیک اعمال اور وہ ایمان دار بھی ہو تو اسے اندیشہ نہ ہوگا کسی ظلم کا یا حق تلفی کا۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعَنْتِ الْوُجُوهُ لِعِزَّتِ قِيَامَتِ كَيْفَ كَرِهَتْ أَسْمَاءُ وَمَا خَلْفَهُمْ أَمْرًا دِينًا هُوَ؛ یہ ابن الاعربی وغیرہ کا قول ہے۔ اسی سے قیدی کو عان کہا جاتا ہے۔ امیہ بن ابی الصلت نے کہا:

مَلِيكَ عَلَى عَرْشِ السَّمَاءِ مُهَيَّبِينَ لِعِزَّتِهِ تَعْنُو الْوُجُوهُ وَتَسْجُدُ

اور شاعر نے کہا:

وَعَنَاهُ وَجْهِي وَخَلْقِي كُلُّهُ فِي السَّاجِدِينَ لَوْجِهَهُ مَشْكُورًا

جوہری نے کہا: عنای یعنی جھک گیا اور مطیع ہوا۔ اور دوسرے نے اسے جھکا دیا۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعَنْتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ کہا جاتا ہے: عنایہم فلان اسیراً یعنی فلاں ان میں قیدی ہو کر رہا۔ عناء غیہہ تعنیہ کا معنی ہے اس نے اس کو روک لیا۔ العان قیدی کو کہتے ہیں۔ وقوم عناءة ونسوة عوان وعننت به امور نزلت قیدی قوم، قیدی عورتیں۔ اس کے ذریعے امور آسان ہو گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عننت کا معنی ہے جھک گئے۔ مجاہد نے کہا: عننت کا معنی ہے خشعت۔ ذل اور خشوع میں فرق ہے اگرچہ قریب المعنی ہیں۔ ذل کا مطلب ہے ذلیل النفس ہونا۔ الخشوع کا مطلب ہے صاحب طاعت کے لیے مطیع ہونا۔ کلبی نے کہا: عننت کا معنی ہے عسنت کام کیا۔ عطیہ عوفی نے کہا: اس کا معنی ہے تسلیم کرنا۔ طلق بن حبیب نے کہا: اس کا مطلب ہے زمین پر سجدہ میں پیشانی اور ناک کو رکھنا۔ نحاس نے کہا: عننت الوجوه

کے دو معانی ہیں ایک یہ کہ آخرت میں چہرے جھکے ہوں گے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: وَعَنْتِ
الْوَجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ فرمایا اس سے مراد رکوع و سجود کرنا اور عنت کا معنی لغت میں قہر اور غلبہ ہے۔ اسی سے ہے: فتحت
البلاد عنوة۔ شاعر نے کہا:

فما أخذوها عنوةً عن مودةٍ ولكن بضربِ المشرفِ اشتقالها

بعض علماء نے فرمایا: یہ العناء سے مشتق ہے جس کا معنی تھکنا ہے لوگوں کی جگہ چہروں کا ذکر فرمایا۔ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ، القيوم
میں تین تاویلات ہیں۔ وہ مخلوق کی تدبیر کو قائم کرتا ہے۔ ہر نفس نے جو کچھ کیا اس پر وہ قائم ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے نہ وہ زائل
ہوگا نہ ہلاک ہوگا۔ یہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا یعنی جس نے شرک کو اٹھایا وہ خسارے میں گیا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ إِيْمَانِ كَيْفَ كُنِيَ كَيْفَ كُنِيَ كَيْفَ كُنِيَ كَيْفَ كُنِيَ كَيْفَ كُنِيَ كَيْفَ كُنِيَ
میں من بعض کے لیے ہے یعنی شینا من الصالحت۔ بعض نے کہا: جنس کے لیے ہے۔ فَلَا يَخْفُفُ ابْنُ كَثِيرٍ، مجاہد، ابن محیصن
نے يخف، من يعمل کے جواب کی حیثیت سے جزم کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے يخاف پڑھا ہے۔ خبر کی بنا پر مرفوع
پڑھا ہے، یعنی فهو لا يخاف یا فانه لا يخاف، ظلمًا اس کی طاعت کے ثواب میں کمی نہ ہوگی اور اس کی سینات میں اس پر
اضافہ کیا جائے گا۔ وَلَا هَضْمًا، کے حق میں کمی کر کے حق تلفی نہیں کی جائے، یعنی میں نے اس کے حق کو گرا دیا اور اسے
چھوڑ دیا۔ هذا يهضم الطعام یعنی وہ کھانے کے بوجھ کو کم کرتا ہے۔ امرأة ضيم الكشح ایسی عورت جس کا پیٹ پتلا ہو۔
ماوردی نے کہا: ظلم اور هضم کے درمیان فرق یہ ہے کہ ظلم کا معنی تمام حق سے روکنا ہے اور الهضم بعض حق سے محروم کرنا ہے۔
الهضم بھی ظلم ہے۔ ایک اعتبار سے فرق ہے۔ متوکل لیش نے کہا:

إِنَّ الْأَذْلَةَ وَاللثَامَةَ لِعَشْرَةَ مَوْلَاهُمْ الْمُتَهَضَّمِ وَالْمُظْلَمِ

جوہری نے کہا: رجل هضم و مهضم یعنی مظلوم آدمی، تهضبه یعنی اس نے اس پر ظلم کیا۔ اهتضمتہ جب کوئی کسی پر
ظلم کرے اور اس کے حق کو توڑ دے۔

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ
لَهُمْ ذِكْرًا ۝ فَتَعَلَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۝ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَى
إِلَيْكَ وَحْيُهُ ۚ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۝

”اور اسی طرح ہم نے اتارا اس کتاب کو قرآن عربی میں اور طرح طرح سے بیان کیے اس میں گناہوں کی
سزائیں تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں یا پیدا کر دے یہ قرآن ان کے دلوں میں یہ سمجھ۔ پس اعلیٰ و ارفع ہے اللہ
تعالیٰ جو سچا بادشاہ ہے اور نہ عجلت کیجئے قرآن کے پڑھنے میں اس سے پہلے کہ پوری ہو جائے آپ کی طرف اس
کی وحی اور دعائے ناکہ کیجئے میرے رب (اور) زیادہ کر میرے علم کو۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَذَلِكَ ۝ فَتَعَلَى اللَّهُ الْمَلِكُ ۝ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَى
إِلَيْكَ وَحْيُهُ ۚ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۝

عربیا یعنی لغت عرب میں بنایا۔ وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ اِمْحَم نے تخويف، تهدید، ثواب اور عقاب بیان کیا۔ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ یعنی وہ اللہ سے ڈریں اور گناہوں سے اجتناب کریں اور اس کے عذاب سے بچنے والے ہو جائیں۔ اَوْ يُحَدِّثْ لَهُمْ ذِكْرًا، ذکر سے مراد نصیحت ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد احتیاط اور تقویٰ ہے۔ بعض نے فرمایا: ذِکْرًا سے مراد شرف ہے۔ یہاں ذکر بمعنی شرف ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ اِنَّهُ لَذِيْ ذِكْرٍ لِّكَ وَلِقَوْمِكَ (الزخرف: 44)** بعض نے فرمایا: تاکہ وہ اس عذاب سے نصیحت حال کریں جس کی انہیں وعید سنائی گئی ہے۔ حسن نے اونحدثون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان سے ثناء کے رفع اور جزم کے ساتھ مروی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَتَعَلَىٰ اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ** جب بندوں کو اپنی عظیم نعمت کا تعارف کرانا اور قرآن کے نازل کرنے کے متعلق بتایا تو اولاد اور ند (مد مقابل) سے اپنی ذات کو پاک فرمایا۔ **فَتَعَلَىٰ اللّٰهُ** یعنی اللہ بلند و بالا ہے۔ **الْمَلِكُ الْحَقُّ** حق والا ہے۔ **وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ** اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بتایا کہ کیسے قرآن کو حاصل کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جبریل کے ساتھ جلدی کرتے تھے اور جبریل کے وحی سے فارغ ہونے سے پہلے اسے پڑھتے تھے یہ آپ کا وحی کی حفاظت پر شوق تھا اور قرآن کے بھولنے کے خوف کی وجہ سے تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے منع فرمایا اور **وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ** نازل فرمایا۔ یہ اس قول کی طرح ہے: **لَا تَحْرُكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ** (القیامۃ) جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے فرمایا: اس کا مطلب ہے آپ اس کو پوری طرح ہمارے واضح کرنے سے پہلے تلاوت نہ کریں۔ بعض نے فرمایا: **وَلَا تَعْجَلْ** کا معنی ہے اس کے انزال کا سوال نہ کر اس سے پہلے کہ آپ کے پاس وحی آجائے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے ان کی تاویل کے بیان سے پہلے لوگوں پر نہ پڑھیں۔ حسن نے کہا: یہ ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس نے اپنی بیوی کو طمانچہ مارا اور وہ عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قصاص کا مطالبہ لے کر آئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے قصاص کا فیصلہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: **أَلَمْ جَاءَ قَوْمُونَ (النساء: 34)** اسی وجہ سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **سَأْتِيكَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ عِلْمًا** کہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص کا حکم فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کا انکار کیا (1)۔ حضرت ابن مسعود وغیرہ نے من قبل ان نقضی نون کے ساتھ اور ضاد کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور وحیہ کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔

وَلَقَدْ عَاهَدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَنَسَىٰ وَلَمْ نُجِدْ لَهُ عَزْمًا

”ہم نے حکم دیا تھا آدم کو اس سے پہلے (کہ وہ درخت کے قریب نہ جائے) سو وہ بھول گیا اور نہ پایا ہم نے (اس لغزش میں) اس کا کوئی قصد“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَقَدْ عَاهَدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَنَسَىٰ** اعمش نے اس سے مختلف پڑھا ہے۔ فَنَسَىٰ یا کے اسکان کے ساتھ۔ اس کے دو معانی ہیں۔ چھوڑ دینا یعنی امر اور عہد کو ترک کر دیا؛ یہ مجاہد کا قول ہے، اکثر مفسرین کا قول ہے اسی سے یہ

قول ہے: **تَسْوَأُ اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ** (التوبہ: 67) دوسرا معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہاں سہو اور نسیان سے ہے۔ انسان سے اس نے عہد لیا اور وہ بھول گیا۔ ابن زید نے کہا: جو اس سے عہد لیا تھا وہ بھول گیا اگر اس کے لیے عزم ہوتا۔ تو اپنے دشمن ابلیس کی اطاعت نہ کرتا اس قول کی بنا پر یہ احتمال ہے کہ اس وقت میں حضرت آدم علیہ السلام کا بھول پر مؤاخذہ کیا گیا تھا اگرچہ اب ہم سے بھول کو معاف کیا گیا ہے۔ **مِنْ قَبْلُ** یعنی درخت سے کھانے سے پہلے کیونکہ انہیں اس سے منع کیا گیا تھا۔ مراد نبی کریم ﷺ کو تسلی دینا ہے یعنی بنی آدم کا شیطان کی اطاعت کرنا امر قدیم ہے، یعنی اگر انہوں نے عہد کو توڑا ہے تو حضرت آدم علیہ السلام نے ہم سے عہد لیا تو وہ بھول گئے؛ یہ قشیری نے حکایت کیا ہے۔ اسی طرح طبری نے بیان کیا ہے: اے محمد! سنئے یہ کفار میری آیات سے اعراض کرتے ہیں اور میرے رسولوں کی مخالفت کرتے ہیں اور ابلیس کی اطاعت کرتے ہیں پہلے ان کے باپ حضرت آدم نے بھی ایسا کیا تھا۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ تاویل ضعیف ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کا منکرین کفار کی مثل ہونا درست نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے تاویل کی وجہ سے معصیت ہوئی تھی۔ اس قول میں نبی کی گستاخی اور نقص ہے آیت میں ظاہر یا تو یہ ہے کہ ایک واقعہ کی ابتدا ہے اس کا ما قبل سے کوئی تعلق نہیں ہے یا اس کا ما قبل سے تعلق ہے کہ حضرت محمد ﷺ سے عہد لیا تھا کہ وہ قرآن کو پڑھنے میں جلدی نہ کریں تو آپ کے لیے آپ سے پہلے ایک نبی کی مثال بیان کی گئی جس کے ساتھ عہد کیا گیا تھا پس وہ بھول گیا تو انہیں عتاب کیا گیا تاکہ تخذیر سخت ہو جائے اور حضرت محمد ﷺ سے عہد میں مبالغہ ہو جائے۔ یہاں عہد بمعنی وصیت ہے اور نسی بمعنی ترک (چھوڑ دینا) ہے یہاں نسیان کا معنی ممکن نہیں کیونکہ بھولنے والے کو سزا نہیں دی جاتی۔ العزم کا معنی ہے کسی بھی چیز میں اپنے اعتقاد پر قائم رہنا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ درخت ممنوعہ سے نہیں کھائیں گے لیکن جب ابلیس نے آپ کو دوسو ڈالیا تو آپ کا قصد و ارادہ موجود نہ تھا اور حضرت آدم علیہ السلام سے جو عہد لیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ وہ اس درخت سے نہیں کھائیں گے اور اس کے ساتھ انہیں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ ابلیس آپ کا دشمن ہے۔ **وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا** کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے فرمایا: ہم نے اسے درخت کے کھانے سے صبر کرنے والا نہ پایا اور حکم کے التزام پر مواظبت کرنے والا نہ پایا۔ نحاس نے کہا: اسی طرح لغت میں ہے کہا جاتا ہے: لفلان عزم یعنی گناہوں سے محفوظ ہونے پر صبر اور ثبات ہے حتیٰ کہ وہ ان سے محفوظ ہے اسی سے یہ ارشاد ہے: **فَأَصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ** (الاحقاف: 35)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطیہ عوفی سے مروی ہے کہ جو انہیں حکم دیا گیا تھا اس کی حفاظت کرنے والا نہ پایا یعنی جس چیز سے اسے منع کیا گیا تھا اس کی حفاظت نہ کی حتیٰ کہ بھول گئے۔ استدلال کے ترک کی وجہ سے اس کا علم نہ رہا۔ یہ اس طرح ہوا کہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا: اگر آپ یہ درخت کھائیں گے تو ہمیشہ جنت میں رہیں گے یعنی اس نے اس درخت کو متعین کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کی بات نہ مانی پھر اس نے اس درخت کی مثل کی طرف بلایا جو نبی کے عموم میں داخل تھا، حضرت آدم علیہ السلام پر واجب تھا کہ وہ اس پر استدلال کرتے اور ایسا نہ کرتے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے گمان کیا کہ یہ نبی میں داخل نہیں ہے پس آپ نے تاویل کی بنا پر کھالیا۔ وہ بھول والا شمار نہیں ہوتا جو جانتا ہو کہ یہ معصیت

ہے۔ ابن زید نے کہا: عزم کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے امر کی محافظت کرنا۔ ضحاک نے کہا: امر کی عزیمت۔ ابن کیسان نے کہا: اصرار کرنا، گناہ کی طرف لوٹنے کو پوشیدہ نہ رکھنا۔ قشیری نے کہا: پہلا قول کلام کی تاویل کے زیادہ قریب ہے۔ اسی وجہ سے ایک قوم نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام اولو العزم رسولوں میں سے نہ تھے اور کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا** معظّم نے کہا: تمام رسل اولو العزم تھے۔ حدیث میں ہے: ”کوئی نبی نہیں تھا مگر اس نے خطا کی، خطا کا خیال گزر اسوائے یحییٰ بن زکریا کے“ (1)۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام اپنی خطا کے سبب اولی العزم سے نکل جاتے تو حضرت یحییٰ کے سوا تمام انبیاء نکل جاتے۔ ابو امامہ نے کہا: اگر بنی آدم کے علم کو جمع کیا جائے جب سے اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے اور قیامت تک (جتنی پیدا ہوگی) سب کے علم کو میزان کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے پلڑے میں حضرت آدم کے علم کو رکھا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کا علم بھاری ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا**۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ أَبَى ۖ فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِرِزْقِكَ فَلَا يُخْرِجُكَ مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْتَلِي ۖ إِنَّ لَكَ أَلًا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَى ۖ ۝ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَصْحَى ۖ ۝

”اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا (سوائے ابلیس کے) اس نے (حکم بجا لانے سے) انکار کیا۔ اور ہم نے فرمادیا: اے آدم! بیشک یہ تیرا دشمن ہے اور تیری زوجہ کا بھی سو (ایسا نہ ہو) کہ وہ نکال دے تمہیں جنت سے اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ بیشک تمہارے لیے یہ ہے کہ تمہیں نہ بھوک لگے گی یہاں اور نہ تم ننگے ہو گے، اور تمہیں نہ پیاس لگے گی یہاں اور نہ دھوپ ستائے گی۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ أَبَى ۖ**، سورہ بقرہ میں اس پر تفصیلاً گفتگو کر چکی ہے۔ **فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِرِزْقِكَ فَلَا يُخْرِجُكَ مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْتَلِي ۖ** ہے مطلب یہ اس کی بات نہ ماننا اور نہ تمہارے جنت سے خروج کا سبب بن جائے گا۔ **فَتَشْتَلِي** یعنی آپ اور آپ کی بیوی دونوں علت کے برابر ہونے میں ایک ہیں۔ فتشقیہ نہیں فرمایا کیونکہ معنی معروف ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام مخاطب ہیں اور وہی مقصود ہیں نیز حضرت آدم علیہ السلام حضرت حواء کے لیے محنت کرنے والے تھے اور اس کے لیے کمانے والے تھے تو شقا میں وہ خاص کیے گئے۔ بعض نے فرمایا: اخراج دونوں پر واقع ہوگا اور شقا صرف حضرت آدم پر ہوگا۔ اس سے مراد شقاوۃ البدن ہے۔ بدن کا ٹھکنا۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ بعد میں فرمایا: **إِنَّ لَكَ أَلًا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَى** یعنی جنت میں نہ تجھے بھوک لگے گی نہ تم ننگے ہو گے۔ **وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَصْحَى** آپ اس میں نہ پیاس لگے گی نہ دھوپ لگے گی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو آگاہ کیا کہ یہ سب کچھ ان کے لیے جنت میں ہوگا لباس، طعام، شراب، مسکن اور اگر آپ نے وصیت ضائع کر دی اور دشمن کی اطاعت کی تو وہ تمہیں جنت سے نکال دے گا اور آپ تھکاوٹ اور اذیت برداشت کریں گے یعنی آپ بھوکے ننگے ہوں گے

اور پیاسے ہوں گے اور تجھے دھوپ بھی لگے گی تم زمین کی طرف لوٹائے جاؤ گے جب جنت سے نکالے جاؤ گے۔ شقاء کے ذکر میں حضرت آدم کو خاص فرمایا: فتشقیان نہیں فرمایا، اس میں تعلیم دی کہ بیوی کا نفقہ خاوند پر ہے پس اس دن سے عورتوں کا نفقہ مردوں پر ہے۔ جب حضرت حواء کا نفقہ حضرت آدم علیہ السلام پر تھا تو اسی طرح زوجیت کے حق کی وجہ سے حواء کی بیٹیوں کا نفقہ حضرت آدم کے بیٹوں پر ہوگا۔ اس آیت میں ہمیں بتایا کہ وہ نفقہ جو عورت کے لیے خاوند پر واجب ہوتا ہے وہ چار چیزیں ہیں۔ طعام، مشروب، لباس اور مسکن۔ جب مرد عورت کو یہ چار چیز مہیا کرے تو وہ اس کے نفقہ سے عہدہ براہ سمجھا جائے گا۔ اگر اس کے بعد اس پر کوئی مہربانی کرتا ہے تو وہ ماجور ہوگا یہ چار چیزیں تو عورت کے لیے ضروری ہیں کیونکہ اس کے ساتھ زندگی کا قیام ہے۔ حسن نے فتشقی سے مراد دنیا کی تکلیف ہے۔ ابن آدم نہیں دیکھا جاتا مگر تمہکا ہوا۔ فرما، نے کہا: وہ اپنے ہاتھ کی محنت سے کھاتا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سرخ اونٹ اتارا گیا وہ اس پر کھیتی باڑی کرتے تھے اور اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے تھے۔ یہ وہ شقا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے اتارا گیا تو یہ پہلی شقا تھی۔ حضرت جبریل نے حضرت آدم علیہ السلام پر جنت سے دانے اتارے تھے اور کہا تھا: اے آدم! اس کو کاشت کرو اور زراعت کر پھر حضرت آدم علیہ السلام نے کھیتی باڑی کی، فصل کو پھر کاٹا، پھر اسے گاھا پھر صاف کیا پھر اسے پیسا پھر گوندھا پھر روٹی پکائی، پھر تھکن کے بعد کھایا پھر ان کے ہاتھ سے روٹی گر گئی حتیٰ کہ وہ پہاڑ کے نیچے چلی گئی حضرت آدم علیہ السلام اس کے نیچے چلتے گئے حتیٰ کہ تھک گئے اور پیشانی پر پسینہ آ گیا اور کہا: اے آدم! تیرا رزق تھکاوٹ اور مشقت کے ساتھ ہوگا اور تیری اولاد کا رزق بھی دنیا میں تیرے بعد اسی طرح ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ ۖ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَصْحَىٰ ۖ** اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا** ضمیر سے مراد جنت ہے۔ **الظما** کا معنی ہے پیاسا نہ ہوگا۔ **الظما** سے مراد پیاس ہے۔ **وَلَا تَصْحَىٰ** تم سورج کے سامنے نہ آؤ گے کہ تمہیں اس کی گرمی لگے کیونکہ جنت میں سورج نہیں ہے۔ وہ لمبے لمبے سائے ہیں جس طرح فجر کے طلوع ہونے سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک کا وقت ہوتا ہے۔ ابو لعلیہ نے کہا: جنت کا دن اسی طرح ہے اور نماز فجر پڑھنے والوں کے لیے وقت کی طرف اشارہ لیا۔ ابو زید نے کہا: **ضحا** الطريق **يضحو ضحوا** اس کا مطلب ہے راستہ ظاہر ہو گیا۔ **وضحيت** وضحيت **ضحاً** (پسینہ آیا) **ضحيت** للشمس **ضحاً** (مردود) کا مطلب ہے ظاہر ہوا۔ **ضحيت** جاء کے فتح کے ساتھ۔ دونوں لغتوں میں اضحیٰ مضارع کا صیغہ آتا ہے۔ عمر بن ابی ربیعہ نے کہا:

رَأَتْ رَجُلًا أَنَا إِذَا الشَّمْسُ عَارَضَتْ فَيَضْحِي دَامًا بِالْعَشِيِّ فَيَخْضِرُ

حدیث میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سائے میں ایک شخص کو دیکھا تو آپ نے اسے فرمایا: جس کے لیے احرام باندھا ہے اس کی خاطر دھوپ میں آ۔ اسی طرح محدثین نے اضحیٰ ہمزہ کے فتح اور جاء کے کسرہ کے ساتھ اضحیت سے مشتق ذکر کیا ہے، کیونکہ آپ نے اسے دھوپ میں آنے کا حکم دیا ہے اسی سے یہ ارشاد ہے: **وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَصْحَىٰ** اور بطور

استشہاد یہ شعر پڑھا ہے:

صَحِيحٌ لَهُ كُنِيَ اسْتَظَلَ بِظِلِّهِ إِذَا الظُّلُّ أَضْحَى فِي الْقِيَامَةِ قَالِصًا

ابو عمرو اور کوفیوں نے سوائے عاصم کے ابو بکر کی روایت میں وانک ہمزہ کے فتح کے ساتھ الاتجوع پر عطف کرتے ہوئے پڑھا ہے۔ اور مرفوع ہونا بھی جائز ہے اس وقت موضع پر عطف ہوگا معنی یہ ہے کہ لك أنك لاتظما فیہا۔ باقی علماء نے استثناء کی بنا پر کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یا ان لك پر عطف کی بنا پر کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبُلَى ۝

فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتَ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا مِنْ ذَرَئِ الْجَنَّةِ وَاعْصَى

آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى ۝ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَى ۝

”پس شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا اس نے کہا: اے آدم! کیا میں آگاہ کروں تمہیں ہمیشگی کے درخت پر اور ایسی بادشاہی جو کبھی زائل نہ ہو۔ سو (اس کے پھسلانے سے) دونوں نے کھا لیا اس درخت سے تو (فورا) برہنہ ہو گئیں ان پر ان کی شرمگاہیں اور وہ چپکانے لگ گئے اپنے (جسم) پر جنت (کے درختوں) کے پتے اور حکم عدولی ہو گئی آدم سے اپنے رب کی سو وہ با مراد نہ ہوا۔ پھر (اپنے قرب کے لیے) چن لیا انہیں اپنے رب نے اور (عفو و رحمت سے) توجہ فرمائی ان پر اور ہدایت بخشی۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ سورة اعراف میں یہ گزر چکا ہے۔ قَالَ یعنی شیطان نے کہا: يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبُلَى یہ کلام بالمشافہہ پر دلیل ہے۔ شیطان جنت میں سانپ کے منہ میں داخل ہوا تھا جیسا کہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اور درخت کے تعین کی بحث بھی گزر چکی ہے۔ اور علماء کے جو اقوال ہیں وہ بھی گزر چکے ہیں، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتَ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا مِنْ ذَرَئِ الْجَنَّةِ۔ یہ بھی سورہ اعراف میں گزر چکا ہے۔ فراء نے کہا: طفقاً کا عربی میں معنی ہے متوجہ ہوئے۔ فرمایا: بعض علماء نے کہا: وہ انجیر کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاعْصَى آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَى اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَاعْصَى سورہ بقرہ میں انبیاء کے ذنوب کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ ہمارے بعض متاخرین علماء نے فرمایا: یہ کہنا مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض سے ذنب کے وقوع کی خبر دی اور ذنوب کو ان کی طرف منسوب کیا اور انہیں اس پر عتاب بھی کیا اور خود انبیاء کرام نے اپنے بارے میں اس کی خبر بھی دی، وہ اس پر پریشان بھی ہوئے ان سے توبہ و استغفار بھی کیا یہ تمام چیزیں بہت سے مقامات پر موجود ہیں۔ یہ امور جو ان سے واقع ہوئے جہت عذر پر ہیں اور جہت خطا اور نسیان پر ہیں یا کسی تاویل کی بنا پر ہیں جو اس کی داعی تھی یہ کام غیر کی نسبت سے نیکیاں تھے اور ان کے حق میں سینات تھے کیونکہ ان کے مناصب و مراتب بہت بلند تھے اور ان کی اقدار بہت بلند تھیں ایک کام پر وزیر کا مواخذہ ہوتا ہے

اور کو تو ال کو بدلہ دیا جاتا ہے اسی وجہ سے وہ قیامت کے موقف میں خوف کھائیں گے حالانکہ انہیں امن و امان اور سلامتی کا عمل ہے۔ فرمایا: یہی حق ہے کیا خوب کہا ہے حضرت جنید نے: حسنات الأبرار سیئات البقیر بین ابرار کی نیکیاں مقررین کی سیئات شمار ہوتی ہیں۔ انبیاء کرام سے ذنوب کے وقوع پر اگرچہ نصوص قائم ہیں لیکن ان کے مناصب و مراتب میں اس سے کمی واقع نہیں ہوتی اور نہ ان کے رتبہ میں قدح کا باعث ہیں بلکہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی تلافی فرمائی اور انہیں مقام اجتہاد عطا فرمایا، ہدایت کا راستہ دکھایا، ان کی مدح کی، ان کا تذکیہ کیا، انہیں مقام اصطفاء سے نوازا۔ صلوات اللہ علیہم و سلامہ۔

مسئلہ نمبر 2۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے فرمایا: آج ہم میں سے کسی کے لیے جائز نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں ایسی بات کریں مگر یہ کہ جب انکا ذکر کریں تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے تحت کلام کریں۔ اپنی طرف سے ان کی شان میں کچھ کہنا قطعاً جائز نہیں۔ ہمارے جو قریبی آباء گزرے ہیں جو ہماری مثل ہیں ان کے بارے میں ہتک آمیز یا تنقیص شان والا جملہ کہنا درست نہیں تو اپنے عظیم المرتبہ نبی مکرم و مقدم باپ کے بارے میں ایسا کلام کیسے جائز ہوگا جن کا اللہ تعالیٰ نے خود عنذر بیان کیا ہے اور ان کی توبہ قبول فرمائی ہے اور ان کی بخشش فرمائی ہے۔

میں کہتا ہوں: جب یہ مخلوق کے بارے میں جائز نہیں تو اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں خبر دینا، ہاتھ، انگلی، پہلو، نزول وغیرہ کا بھی ذکر بدرجہ اولیٰ منع ہوگا۔ ابتدا اپنی طرف سے کچھ کہنا جائز نہیں ہے مگر کتاب اللہ کی قرابت اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ذکر کرنا جائز ہے۔ اسی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں کوئی ایسا وصف بیان کیا جیسا کہ اس کا ارشاد ہے: وَقَالَتِ الْيَهُودُ يُدُّ اللَّهُ مَعْلُوكَةً (المائدہ: 64) پس اس نے اپنے ہاتھ سے گردن کی طرف اشارہ کیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اسی طرح سمع و بصر کی طرف اشارہ کیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات کے ساتھ تشبیہ دی ہے (1)۔

مسئلہ نمبر 3۔ آئمہ نے یہ حدیث روایت کی ہے اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کا مناظرہ ہوا، موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے آدم! تو ہمارا باپ ہے تو نے ہمیں نامراد کیا اور تو نے ہمیں جنت سے نکالا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا اے حضرت موسیٰ! اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنے کلام سے مشرف کرنے کے لیے چنا اور تیرے لیے اپنے ہاتھ سے خط کھینچا۔ اے موسیٰ! کیا تو مجھے ایسے امر پر ملامت کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری تخلیق سے چالیس سال پہلے مجھ پر مقدر کر دیا تھا۔ پس آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے“ (2)۔ یہ جملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا۔ مہلب نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے کا مطلب یہ حجت کے ذریعے غالب آگئے۔ لیث بن سعد نے کہا: اس واقعہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حجت صحیح تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی خطا کو معاف کیا اور ان کی توبہ قبول فرمائی۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے زیبا نہیں تھا کہ وہ انہیں اس خطا کی وجہ سے عار دلاتے جس کو

اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا تھا۔ ”اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام نے کہا تو وہ موسیٰ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تورات عطا کی اور اس میں ہر چیز کا علم ہے اور تو نے اس میں پایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر معصیت کو مقدر کیا ہے اور یہ بھی کہ اس سے توبہ کو مقدر کیا ہے پس اس نے اس وجہ سے مجھ سے ملامت کو ساقط کر دیا کیا تو مجھے ملامت کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ مجھے ملامت نہیں کرتا۔“ اس کی مثل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس شخص پر حجت قائم کی تھی جس نے کہا تھا: عثمان جنگ احد میں بھاگ گئے تھے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اس کا کوئی گناہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا فرمایا: وَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ (آل عمران: 155) بعض نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام آب (باپ) تھے۔ ان کو ان کی نیکی کی وجہ سے عار دلانا جائز نہیں۔ اگر کسی دوسرے کو اس کے ساتھ عار دلانا جائز بھی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کافر والدین کے بارے میں فرمایا: وَصَاحِبَيْهَا فِي الدُّنْيَا صَعْرُؤًا (لقمان: 15) اسی وجہ سے حضرت ابراہیم کو ان کے اب یعنی چچا نے کہا تھا جو کافر تھا: لَيْنَ لَمْ تَنْتَهَ لَا تُرْجُحُكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ۝ قَالَ سَلَّمَ عَلَيْكَ (مریم)

جب ایک کافر کو نازیبا کلمہ کہنا جائز نہیں تو پھر وہ باپ جو نبی بھی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مقام انبیاء پر فائز فرمایا ہے ان کی توبہ قبول کی ہے اور راہ ہدایت دی ہے۔ (اس کی شان میں نازیبا کلمہ کہنا کیسے جائز ہوگا)۔

مسئلہ نمبر 4۔ جس نے کوئی خطا کی اور اس کو مغفرت کا مژدہ نہیں ملا تو علماء کا اجماع ہے کہ اسے حضرت آدم علیہ السلام کی حجت کی طرح حجت نہیں پکڑنی چاہیے کہ وہ کہے: تو مجھے ملامت کرتا ہے کہ میں نے قتل کیا ہے یا زنا کیا یا چوری کی جبکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ مقدر کیا تھا۔ اور امت کا اجماع ہے کہ نیکی کرنے والے کی نیکی کی تعریف کی جائے اور برائی کرنے والے کو برائی پر ملامت کی جائے اور اس کے گناہوں کو شمار کیا جائے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَغَوَىٰ اس کا معنی ہے اس نے اپنی زندگی کو خراب کر دیا؛ یہ نقاش نے حکایت کیا ہے اور قشیری نے اس کو پسند کیا ہے میں نے اپنے شیخ استاذ المقری ابو جعفر قرطبی کو یہ کہتے ہوئے سنا: فَغَوَىٰ دنیا کی طرف اترنے کے ساتھ اپنی زندگی کو خراب کر دیا۔ الغی کا معنی فساد ہے۔ یہ اچھی تاویل ہے اور جنہوں نے غویٰ کا معنی ضل کیا ہے۔ ان کی تاویل سے یہ تاویل اولیٰ ہے۔ ضل معنی کرنے والوں نے اسے الغی سے مشتق کیا ہے جس کا معنی رشد کی ضد ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے اپنے رشد کی جگہ سے ناواقف رہا، یعنی آپ کو معلوم نہ ہوا کہ یہ درخت بھی ان درختوں سے ہے جن سے منع کیا گیا ہے۔ الغی کا معنی الجہل ہے۔ بعض سے مروی ہے: فَغَوَىٰ کا معنی ہے کثرت اکل سے بد ہضمی ہوئی۔ زمخشری نے کہا: یہ ان کی لغت پر صحیح ہے جو یاء ماقبل مکسور کو الف سے بدل دیتے ہیں۔ فنی اور بقی میں فنی اور بقی کہتے ہیں یہ نوٹ کی لغت ہے۔ یہ تفسیر خبیث ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ قشیری ابونصر نے کہا: ایک قوم نے کہا: کہا جاتا ہے عصی آدم و غویٰ عاصی اور غاؤ نہیں کہا جاتا جیسا کہ جو ایک مرتبہ کپڑا سے تو کہا جاتا ہے: خاٹا (اس نے سیا) اسے عیٹا نہیں کہا جاتا جب تک بار بار خیاطت کا عمل نہ کرے۔ بعض نے کہا: سردار کے لیے اپنے غلام کو معصیت کے وقت کہنا جائز ہوتا ہے غیر کے لیے اسے وہ کہنا جائز نہیں ہوتا۔

یہ تکلف ہے اور جو انبیاء کرام کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ یا تو صغائر ہیں یا ترک ادلی ہے یا نبوت سے پہلے کے اعمال ہیں۔ میں کہتا ہوں: یہ بہتر ہے۔ امام ابو بکر بن نورک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام سے یہ کام نبوت سے پہلے ہوا تھا اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: **ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ**، اجتباء اور ہدایت، عصیان کے بعد تھے۔ جب یہ نبوت سے پہلے تھا تو ان پر ایک وجہ سے ذنوب بھی جائز ہیں کیونکہ نبوت سے پہلے ہم پر ان کی تصدیق میں کوئی حکم نہیں جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی مخلوق کی طرف بھیجا جبکہ وہ پیغام کی ادائیگی میں مامون تھے اور معصوم تھے تو پہلے ذنوب نے انہیں کوئی نقصان نہ دیا۔ یہ عمدہ بحث ہے۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۗ فَاِمَّا يَاتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى ۗ وَمَنْ اَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَاِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰى ۗ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۗ قَالَ كَذٰلِكَ اَتٰتَكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَاَنْتَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنۡشٰى ۗ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنۡ بِآيٰتِ رَبِّهِ ۗ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبۡقٰى ۗ

”حکم ملا: دونوں اتر جاؤ یہاں سے اکٹھے تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے پس اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو وہ نہ بھٹکے گا اور نہ بدنصیب ہوگا۔ اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کے لیے زندگی (کا جامہ) تنگ کر دیا جائے گا اور ہم اسے اٹھائیں گے قیامت کے دن اندھا کر کے۔ وہ کہے گا: اے میرے رب! کیوں اٹھایا ہے تو نے مجھے ناچینا کر کے میں تو (پہلے بالکل) بینا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسی طرح آئی تھیں تیرے پاس ہماری آیتیں سو تو نے انہیں بھلا دیا اسی طرح آج تجھے فراموش کر دیا جائے گا۔ اور یونہی ہم بدلہ دیں گے ہر اس شخص کو جس نے حد سے تجاوز کیا اور ایمان نہ لایا اپنے رب کی آیتوں پر، اور (سن لو) آخرت کا عذاب بڑا سخت اور بہت دیر پا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا** حضرت آدم و ابلیس کو خطاب فرمایا۔ **مِنْهَا جنت سے۔** ابلیس کو فرمایا: **اٰخْرَجَ مِنْهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا (الاعراف: 18)** شاید اسے جنت سے آسمان کی کسی جگہ پر نکلنے کا حکم دیا پھر اسے زمین کی طرف اتارا۔ **بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ** یہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ یعنی تو سانپ اور ابلیس کا دشمن ہوگا اور وہ تیرے دشمن ہوں گے۔ یہ دلیل ہے کہ اہبط آدم و حواء کو خطاب نہیں ہے کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن نہ تھے۔ حضرت آدم کا اترنا حضرت حواء کے اترنے کے ضمن میں ہے۔ **فَاِمَّا يَاتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى** رشد اور سچی بات مراد ہے سورہ بقرہ میں یہ بھی گزر چکا ہے۔ **فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ** یعنی جس نے رسل اور کتب کی پیروی کی۔ **فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ**، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ضمانت دی ہے جو قرآن پڑھے گا اور اس کے احکام پر عمل کرے وہ دنیا میں گمراہ نہ ہوگا اور آخرت

كَلِمَةً سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی تیرے رب کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر عذاب لازم ہو جاتا۔ قتادہ کا قول ہے: اللزائم کا مطلب ملازمت ہے یعنی انہیں عذاب لازم ہوتا۔ کان کا اسم مضر ہے۔ زجاج نے فرمایا: **وَأَجَلٌ مُّسْتَسْتَبِقٌ** ⑩، اس کا عطف کلمہ پر ہے۔ قتادہ نے کہا: مراد قیامت ہے۔ یہ قسمی کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد ان کا بدر کے دن تک مؤخر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَأَصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ** ان کی باتوں پر صبر کا حکم دیا ہے۔ وہ کبھی کہتے: جادو گر ہے، کبھی کہتے: کاہن ہے، کبھی کہتے: کذاب ہے۔ معنی یہ ہے کہ آپ ان کی پرواہ نہ کریں کیونکہ ان کے لیے عذاب کا وقت مقرر ہے وہ نہ مقدم ہوگا نہ مؤخر ہوگا۔ پھر بعض نے فرمایا: یہ آیت، آیت قتال سے منسوخ ہے بعض نے فرمایا: منسوخ نہیں ہے کیونکہ آیت قتال کے بعد کفار کو جڑ سے ختم نہیں کیا گیا بلکہ ان میں بڑے بڑے بچ بھی گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَسَيَسْأَلُ بِحِمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ** اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ پانچ نمازوں کی طرف اشارہ ہے۔ **قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ** سے مراد صبح کی نماز ہے۔ **وَقَبْلَ غُرُوبِهَا** سے مراد عصر کی نماز ہے۔ **وَمِنْ آتَائِي** الیل سے مراد عشاء کی نماز ہے۔ **وَأَطْرَافِ النَّهَارِ** سے مراد مغرب اور ظہر کی نماز ہے کیونکہ ظہر دن کے پہلے حصہ کے آخر میں، دوسرے حصہ کی ابتدا میں ہوتی ہے یہ دن کی دونوں طرفوں میں ہے۔ تیسری طرف سورج کا غروب ہے اور وہ مغرب کا وقت ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: دن دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ زوال ان میں حد فاصل ہے ہر حصہ کی دو طرفیں ہیں زوال کے وقت دو طرفیں ہیں۔ پہلے حصہ سے آخری حصہ اور دوسرے حصہ سے پہلا حصہ۔ طرفین کی جگہ اطراف ذکر فرمایا جیسا کہ فرمایا: **فَقَدْ صَعَتْ قُلُوبُهُنَّ** (التحریم: 4) اس کی طرف ابن نورک نے **المشکل** میں اشارہ کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: **النهار** جنس کے لیے ہے ہر دن کی ایک طرف ہے اور وہ جمع کے معنی میں ہے کیونکہ وہ ہر دن کی طرف راجع ہے۔ **آتَائِي** الیل رات کی گھڑیاں۔ **الاناء** کا واحد **إِنَاءٌ** و **أَنَاءٌ**۔ ایک فرقہ نے کہا: اس آیت سے مراد نفلی نماز ہے: یہ حسن کا قول ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لَعَلَّكَ تَرْضَىٰ** ⑪، تاکہ فتح کے ساتھ تاکہ آپ کو ان پسندیدہ اعمال پر ثواب دیا جائے۔ کسائی اور ابو بکر نے عاصم سے روایت کر کے ترضی تاکہ ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ تجھے وہ عطا کیا جائے جو تجھے خوش کرے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفِثَنَّهُمْ

فِيهِ ۗ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْلَىٰ ۗ ۝۱۳ وَأَمْرًا هَلَكًا بِالصَّلَاةِ وَأَصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۗ لَا تَسْأَلُكَ

رِزْقًا ۗ نَحْنُ نَرِزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ۝۱۴

”اور آپ مشتاق نگاہوں سے نہ دیکھیے ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا ہے کافروں کے چند گروہوں کو یہ محض زیب و زینت ہے دنیوی زندگی کی (اور انہیں اس لیے دی ہیں) تاکہ ہم آزمائیں انہیں ان سے اور آپ کے رب کی عطا بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اور حکم دیجئے اپنے گھر والوں کو نماز کا اور خود بھی پابند رہیے اس پر، نہیں سوال کرتے ہم آپ سے روزی کا (بلکہ) ہم ہی روزی دیتے ہیں آپ کو، اور اچھا انجام

پر بیزگاری کا ہی ہوتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ إِيَّاهُ اس کا معنی سورۃ الحجر میں گزر چکا ہے۔ ازوجاً، متعناً کا مفعول ہے۔ زہرۃ حال کی بنا پر منصوب ہے۔ زجاج نے کہا: زہرۃ، متعناً کے معنی کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ اس کا معنی ہے، جعلنا لهم الحياة الدنيا زہرۃ یا فعل مضمركي وجہ سے منصوب ہے اور وہ جعلنا فعل ہے یعنی جعلنا لهم زہرۃ الحياة الدنيا۔ زجاج سے بھی یہ مروی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ ہم کی ضمیر کے مقام سے بدل ہے جیسے کہ تو کہتا ہے: صورت بہ اخاک۔ فراء نے حال کی بنا پر منصوب ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس میں عامل متعنا ہے۔ فرمایا: تو کہتا ہے: صورت بہ المسکون اور اس کی تقدیر یہ ہے، متعنا ہم بہ زہرۃ فی الحياة الدنيا وزینۃ فیہا اور صنع اللہ کی طرح مصدر کی بنا پر منصوب ہونا بھی جائز ہے۔ اسی طرح وعد اللہ ہے۔ اس ترکیب میں نظر ہے۔ بہتر یہ ہے کہ حال کی بنا پر نصب ہو۔ اور تنوین کے سکون اور الحياة کے لام کی سکون کی وجہ سے حذف ہو جیسے: وَلَا الْيَلُ سَابِقُ النَّهَارِ (یسین: 40) پڑھا ہے۔ نہار پر نصب سابق کی وجہ سے اس تقدیر پر کہ اس کے سکون اور لام کے سکون کی وجہ سے تنوین حذف ہے۔ اور الحياة ما سے بدل ہونے کی وجہ سے مجرور ہوگی۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا زَهْرَةً يَعْنِي فِي حَالِ زَهْرَتِهَا اور زہرۃ کو ما سے بدل بنانا اچھا نہیں کیونکہ لِنَفْتِنِهِمْ، متعنا کے متعلق ہے اور زہرۃ الحياة الدنيا سے مراد نباتات کے ساتھ اس کی زینت ہے۔ الزہرۃ ہاء اور زاء کے فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنی کلیاں ہیں۔ اور الزہرۃ زاء کے ضمہ اور ہاء کے فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ستارہ ہے اور بنوز ہرہ ہاء کے سکون کے ساتھ ہے؛ یہ ابن عزیز کا قول ہے۔ عیسیٰ بن عمر نے زہرۃ ہا کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، جیسے نہار اور نہار اور کہا جاتا ہے: سراج زاهر یعنی اس کے لیے چمک ہے۔ زہرۃ الاشجار۔ درختوں کے رنگ جو چمکتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ ازہر اللون تھے، یعنی چمکدار رنگ والے تھے۔ ہر روشن چیز ہے یعنی زہرا ہے اور یہ خوبصورت ترین رنگ ہے۔ لِنَفْتِنِهِمْ فِيهِ یعنی ہم انہیں آزمائیں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم اس کو ان کے لیے فتنہ بنا دیں گے۔ آیت کا معنی ہے اے محمد! ﷺ دنیا کی چمک کو آپ کافی اہمیت نہ دیں کیونکہ اس کے لیے کوئی بقاء نہیں ہے۔ وَلَا تَمُدَّنَّ یہ لاتنظرن سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ جو نظر کو لمبا کرتا ہے اسے اس پر حرص ابھارتی ہے جو اس کے ساتھ متصل ہے اور جو صرف دیکھتا ہے کبھی اس کے ساتھ حرص متصل نہیں ہوتی۔

مسئلہ: بعض لوگوں نے کہا: اس آیت کے نزول کا سبب وہ روایت ہے جو حضرت ابورافع نے روایت کی ہے جو نبی پاک ﷺ کے غلام تھے انہوں نے فرمایا: نبی پاک ﷺ کے پاس ایک مہمان آیا تو آپ ﷺ نے مجھے ایک یہودی کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ اسے کہنا: ”محمد ﷺ تجھے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک مہمان آیا ہے اور ہمارے پاس اس کی خوراک کے لیے کچھ نہیں ہے تو مجھے اتنا آنا بیچ دے“ یا فرمایا: ”رجب کے چاند تک ادھار دے دے“۔ یہودی نے کہا: نہیں مگر رھن کے ساتھ دوں گا۔ حضرت ابورافع نے کہا: میں نبی پاک ﷺ کی طرف لوٹ کر آیا تو میں نے آپ کو اس کی بات بتائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! میں آسمان میں امین ہوں، زمین میں امین ہوں اگر وہ مجھے ادھار دے یا بیچ دے تو میں

اسے ادا کروں گا تو میری اس کے پاس یہ زرہ لے جا“ (اور رہن رکھ دے) تو اللہ نے اپنے محبوب کو دنیا کے نہ ہونے پر تسلی دینے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ سبب ہونے پر اعتراض ہے کیونکہ یہ سورہ مکی ہے اور یہ واقعہ مدنی ہے جو نبی پاک ﷺ کی زندگی کے آخر میں پیش آیا کیونکہ آپ کا وصال ہوا تو اس واقعہ کی وجہ سے آپ کی زرہ ابھی اس یہودی کے پاس رہن تھی (1)۔ ظاہر یہ ہے کہ آیت کا ماقبل کے ساتھ اتصال ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں سے عبرت حاصل نہ کرنے پر کفار کو زجر و توبیخ فرمائی پھر انہیں مؤجل عذاب کی دھمکی دی پھر اپنے نبی کو ان کی حیثیت کو حقارت سے دیکھنے کا حکم دیا اور ان کی اذیت ناک باتوں پر صبر کرنے کا حکم دیا اور ان کے اموال سے اعراض کرنے اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس سے منہ پھیرنے کا حکم دیا کیونکہ یہ تمام چیزیں ان سے ختم ہونے والی ہیں، رسوائی کی طرف لے جانے والی ہیں۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح جو روایت ہے کہ آپ ﷺ بنی المصطلق کے اونٹوں کے پاس سے گزرے تو موٹاپے کی وجہ سے ان کے دودھ اور میٹنیاں ان کی رانوں پر خشک ہو چکی تھیں۔ آپ ﷺ نے اپنے کپڑے سے پردہ کر لیا اور آگے گزر گئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَسُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی، وَ رِزْقِي رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْلَىٰ یعنی صبر پر اور دنیا کی طرف کم توجہ پر اللہ تعالیٰ کا ثواب اولیٰ ہے کیونکہ وہ ثواب باقی رہنے والا ہے اور دنیا فنا ہونے والی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس رزق سے مراد وہ شہر اور اموال غنیمت ہیں جو اللہ تعالیٰ مومنین کو فتح کی صورت میں عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ اللَّهُ تَعَالَىٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں کہ وہ نماز پر دوام اور ملازمت اختیار کریں۔ یہ خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے اور اس کے عموم میں تمام امت داخل ہے اور آپ کے اہل بیت بالخصوص داخل ہیں۔ نبی کریم ﷺ اس آیت کے نزول کے بعد ہر صبح حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے گھر جاتے تھے اور کہتے تھے: الصلوة (2) (یعنی نماز کے لیے نہیں جگاتے تھے اور نماز کا حکم دیتے تھے) روایت ہے کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب سلاطین کی اخبار میں کوئی چیز دیکھتے تھے تو فوراً اپنے گھر میں داخل ہو جاتے تھے اور یہ پڑھتے تھے: وَلَا تَسُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۗ وَ رِزْقِي رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْلَىٰ ۗ پھر نماز کے لیے اس طرح ندا دیتے تھے: الصلوة يرحمكم الله اور نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما اپنے گھر والوں کو نماز تہجد کے لیے جگاتے تھے اور خود نماز پڑھتے تھے اور اس آیت پر عمل کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَسْأَلُكَ نَهْرًا قَائِمًا یعنی ہم تجھ سے سوال نہیں کرتے کہ تو اپنے آپ کو اور انہیں رزق دو اور رزق کے سبب نماز سے غافل ہو جاؤ بلکہ تمہارے اور ان کے رزق کے ہم کفیل ہیں۔ نبی کریم ﷺ جب گھر میں ہوتے تو نماز کا حکم دینے میں سختی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۗ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقِي

1۔ ترمذی، ہاب ماجاء فی الرخصة فی الشراء، حدیث نمبر 1136، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ جامع ترمذی، ہاب و من سورۃ احزاب، حدیث نمبر 3130، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُونَ ﴿٢٥﴾ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ (الذاریات)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى ﴿٢٥﴾ یعنی اہل تقویٰ کے لیے جنت ہے، یعنی اچھا انجام۔ کبھی تقویٰ اختیار نہ کرنے والوں کے لیے انجام ہوتا ہے لیکن وہ مذموم ہوتا ہے، یہ معدوم کی طرح ہوتا ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِنْ رَبِّهِ ۗ أَوَلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةٌ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ﴿٢٦﴾ وَكَوْنًا أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أُرْسِلَتْ إِلَيْنَا رَسُولًا فَتُنَبِّئَهُ الْبَيِّنَاتِ مِنْ قَبْلِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ نُنزِّلَ وَنَحْرُمِي ﴿٢٧﴾ قُلْ كُلُّ مُتَرَبِّصٍ فَتَرَبَّصُوا ۚ فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ أَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿٢٨﴾

”اور کفار کہتے ہیں کہ (یہ نبی) کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس کوئی نشانی اپنے رب کے پاس سے (ان سے پوچھو) کیا نہیں آگیا ان کے پاس واضح بیان جو پہلی نازل شدہ کتابوں میں ہے۔ اور اگر ہم انہیں ہلاک کر دیتے کسی عذاب سے اس سے پہلے تو کہتے: اے ہمارے رب! کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول تاکہ ہم پیروی کرتے تیری آیتوں کی اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوئے (اے حبیب!) آپ انہیں فرمائیے ہر شخص (انجام کا) منتظر ہے موم بھی انتظار کرو تم عنقریب جان لو گے کون ہیں سیدھی راہ (پر چلنے) والے اور کون ہدایت یافتہ ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِنْ رَبِّهِ ۗ یہ کفار مکہ نے کہا: یعنی ہمارے پاس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کوئی ایسی نشانی نہیں لے آیا جو علم ضروری کو ثابت کرتی یا کوئی ایسی آیت جو ظاہر ہوتی جیسے ثمود کی اونٹنی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا یا کیوں نہ ایسی نشانیاں لے آیا جو ہم تجویز کرتے ہیں جس طرح ان سے پہلے انبیاء لے کر آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: أَوَلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةٌ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ﴿٢٦﴾، صحف اولیٰ سے مراد تورات، انجیل اور پہلی کتب ہیں۔ یہ بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ جو کچھ ان میں ہے ان کی آپ نے خبر دی۔ الصحف کو تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے کیا ان کے پاس وہ نشانی نہیں آئی جو آپ کی نبوت پر دلالت کرتی ہے جس کو انہوں نے سابقہ کتب میں بشارت کے طور پر پایا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے کیا ان کے پاس سابقہ امتوں کے کفار کو ہمارا ہلاک کرنا پہنچ نہیں چکا جو آیات تجویز کرتے تھے کوئی چیز انہیں امن دینے والی ہے کہ ان کے پاس اگر آیات آئیں تو ان کا حال ان کفار کی حالت جیسا نہ ہوگا۔ ابو جعفر، شیبہ، نافع، ابو عمرو، یعقوب، ابن اسحاق اور حفص نے اولم تاتہم تاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ بینۃ مومنث ہے باقی قراء نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے فعل کے مقدم ہونے کی وجہ سے۔ نیز بینۃ سے مراد بیان اور برہان ہے پس انہوں نے اس کو معنی کی طرف لوٹایا۔ ابو عبید اور حاتم نے اس کو اختیار کیا ہے۔ کسائی نے حکایت کیا ہے: أَوَلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةٌ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ اور کہا: بَيِّنَةٌ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ اس بنا پر جائز ہے۔ نحاس نے کہا: جب تو بینۃ کو توین دے اور رفع دے گا تو ما

کو اس سے بدل بنائے گا اور جب تو اسے نصب دے گا تو حال کی بنا پر ہوگا مطلب یہ ہوگا: اولم یاتہم مافی الصحف الاولیٰ مبیناً کیا نہیں آچکا جو پہلے صحیفوں میں ہے جبکہ وہ بیان کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِہِ لَعِنٰنِہِ** یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور قرآن کے نزول سے پہلے۔ **لَقَالُوْا قِیَامَتُ كے روز کہیں گے۔ رَبَّنَا لَوْلَا اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا** یعنی کیوں نہ ہماری طرف رسول بھیجا۔ **فَنُنَبِّئُکَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَنْذَلَ وَنَخْزِیْ**، اس کو نذال و نخزی مجہول کے صیغے بھی پڑھے گئے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری نے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”زمانہ فترہ میں ہلاک ہونے والے، پاگل کہے گا میرے پاس نہ کتاب آئی اور نہ رسول آیا پھر یہ تلاوت کی۔ **وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِہِ لَقَالُوْا...** الخ، اور پاگل کہے گا: اے میرے پروردگار! تو نے میرے لیے عقل ہی نہیں بنائی جس کے ساتھ میں خیر و شر کو سمجھتا اور مولود (بچہ) کہے گا: اے میرے رب! میں نے عمل کا زمانہ پایا ہی نہیں۔ پس ان کے لیے آگ بلند کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا: اس میں اترو اور داخل ہو جاؤ۔“ فرمایا: ”جو علم الہی میں سعید ہوگا اگر وہ عمل کو پاتا وہ اس میں داخل ہو جائے گا اور جو علم الہی میں شقی ہوگا اگر وہ عمل کو پاتا وہ رک جائے گا۔“ فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے میری نافرمانی کی پھر اگر میرے رسول تیرے پاس آتے تو تم کیسے اتباع کرتے“ (1)۔ حضرت ابوسعید سے موقوف بھی مروی ہے۔ اس میں نظر ہے۔ ہم نے اس کو کتاب التذکرہ میں بیان کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ ان علماء نے حجت پکڑی ہے جو کہتے ہیں کہ بچے اور دوسرے لوگ آخرت میں آزمائے جائیں گے۔ **فَنُنَبِّئُکَ** کو نصب تخصیض کے جواب کے ساتھ ہے۔ **اٰیٰتِکَ** سے مراد وہ آیات ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے۔ **مِنْ قَبْلِ اَنْ تَنْذَلَ عَذَابٍ** میں ذلیل ہونے سے پہلے۔ **وَ نَخْزِیْ** اور جہنم میں رسوا ہونے سے پہلے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: **مِنْ قَبْلِ اَنْ تَنْذَلَ دُنْیَا** میں عذاب میں ذلیل ہونے سے پہلے۔ **وَ نَخْزِیْ** آخرت میں اس کے عذاب میں رسوا ہونے سے پہلے۔ **قُلْ کُلُّ مُتَرَدِّصٍ** اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائے ہر ایک منتظر ہے یعنی مومنین اور کفار گردش زمانہ کے منتظر ہیں۔ اور ہر شخص اس کا منتظر ہے کہ کامیابی کس کے لیے ہوتی ہے؟

فَتَرَبَّصُوْاۗ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوْمِیِّ وَ مَنِ اهْتَدٰی ۝۱۰۱، اس سے مراد دین مستقیم اور ہدایت ہے مطلب یہ ہے کہ تم نصرت کے ساتھ جان لو گے کہ کون دین حق کی طرف جانے والا ہے؟ بعض علماء نے فرمایا: تم قیامت کے روز جان لو گے کون جنت کے راستہ کا ہدایت یافتہ تھا؟ اس میں وعید، تخویف اور تہدید کی ایک صورت ہے اس کے ساتھ سورت کا اختتام کیا۔ فسوف تعلمون بھی پڑھا گیا ہے۔ حضرت ابورافع نے کہا: میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو یاد کیا تھا؛ یہ زمخشری نے ذکر کیا ہے۔ من زجاج کے نزدیک محل رفع میں ہے اور فراء نے کہا: محل نصب میں ہونا بھی جائز ہے، جیسے **وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُنٰفِیْنَ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ** (البقرہ: 220) ابواسحاق نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ استفہام میں اس کا ماقبل عمل نہیں کرتا اور من یہاں استفہامیہ ہے اور مبتدا کی حیثیت سے محل رفع میں ہے معنی یہ ہے تم سیدھے راستہ والوں کو جان لو گے ہم یا تم؟ نحاس

نے کہا: فراء اس مفہوم کی طرف گئے ہیں من اصحاب الصراط السوی من لم یضل یعنی کون سیدھے راستے والے ہیں جو گمراہ نہیں ہوئے اور **مَنْ اهْتَدَى** جو گمراہ ہوا پھر ہدایت پائی۔ یحییٰ بن یعر، عاصم جحدری نے **فسیعلون** من اصحاب الصراط السوی پڑھا ہے، یعنی واو کی تشدید کے ساتھ اور اس کے بعد الف تانیث فعلی کے وزن پر بغیر ہمزہ کے۔ الصراط کی تانیث شاذ اور قلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ** ○ (الفاتحہ) اس آیت میں اور دوسری کئی آیات میں صراط مذکور آیا ہے۔ ابو حاتم نے اس کا رد کیا ہے فرمایا: اگر یہ السوء سے ہے تو التسوءی کہنا واجب ہے اگر یہ السواء سے ہو تو السیاسین کے کسرہ کے ساتھ، اس کی اصل السویا ہے۔ زنجشیری نے کہا: السواء بمعنی وسط اور عدل یا المستوی پڑھا گیا ہے۔ نحاس نے کہا: یحییٰ بن یعر اور جحدری کی قرأت کا جواز یہ ہے کہ اصل السوءی ہو اور ساکن مانع نہیں گویا ہمزہ کو ضمہ سے بدلا گیا پھر ضمہ کو واو سے بدلا گیا جس طرح واو کو الف سے بدلا جاتا ہے جب اس کا ما قبل فتح ہو۔ والحمد لله وحده۔

سورۃ الانبیاء

﴿ اسلما ۱۱۲ ﴾ ﴿ سورۃ الانبیاء ۲۱ ﴾ ﴿ رکوعا ۷ ﴾

تمام علماء کے نزدیک یہی سورت ہے اس کی ایک سو بارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ﴿۱﴾ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرِ قَوْمٍ

رَأَوْهُمْ مُحَدَّثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿۲﴾ لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ ﴿۳﴾ وَأَسْرُ وَالنَّجْوَى

الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَذَا إِلَّا بَشْرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السَّحَرَةَ أَنْتُمْ تَبْصِرُونَ ﴿۴﴾

”قرب آگیا ہے لوگوں کے لیے ان کے (اعمال کے) حساب کا وقت اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے

ہیں۔ نہیں آتی ان کے پاس کوئی (تازہ) نصیحت ان کے رب کی طرف سے مگر یہ کہ وہ سنتے ہیں اس حال میں کہ

وہ (لہو) لعب میں مگن ہوتے ہیں، غافل ہوتے ہیں ان کے دل اور (آپ کے خلاف) سرگوشیاں کرتے ہیں

ظالم (وہ کہتے ہیں) کیا ہے یہ مگر ایک بشر تمہاری مانند تو کیا تم پیروی کرنے لگے ہو جادو کی حالانکہ تم دیکھ رہے ہو

(کہ یہ تمہاری طرح بشر ہے)۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: سورۃ الکہف، مریم، طہ اور انبیاء

پہلی سورتوں میں سے ہیں اور یہ میری پہلی یاد کی ہوئی سورتیں ہیں یعنی پہلے پہل یہ سورتیں حاصل کیں اور قرآن کو یاد کیا جیسے

پرانا مال ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے تھا وہ دیوار بنا تا تھا اس سورت کے نزول

کے دن اس کے پاس سے ایک اور شخص گزرا جو دیوار بنا رہا تھا اس نے پوچھا آج قرآن میں سے کیا نازل ہوا ہے؟ دوسرے

نے کہا: یہ نازل ہوا ہے اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ﴿۱﴾، تو اس شخص نے اپنے ہاتھ سے اپنی عمارت

کو توڑ دیا اور کہا: اللہ کی قسم! میں کبھی تعمیر نہیں کروں گا جبکہ حساب کا وقت قریب آگیا ہے (1)۔ اِقْتَرَبَ یعنی وہ وقت قریب آ

گیا ہے جس میں لوگوں کے اعمال کا حساب ہوگا۔ لِلنَّاسِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد مشرکین ہیں اس

کی دلیل یہ ارشاد ہے: إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿۲﴾ لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ ﴿۳﴾ وَأَسْرُ وَالنَّجْوَى ﴿۴﴾ الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَذَا إِلَّا

بَشْرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السَّحَرَةَ أَنْتُمْ تَبْصِرُونَ ﴿۴﴾ بعض علماء نے فرمایا: الناس عام ہے اگرچہ اس وقت اس کا مشار الیہ کفار

قریش تھے۔ اس پر بعد والی آیات دلالت کرتی ہیں جس کو قیامت کے قرب کا علم ہو گیا اس کی امیدیں مختصر ہو گئیں اور توبہ کے ساتھ اس کا نفس پاک رہا۔ اور وہ دنیا کی طرف مائل نہ ہو گیا جو موجود تھا جب وہ چلا گیا تو وہ تھا ہی نہیں۔ ہر آنے والا امر قریب ہے۔ موت لامحالہ آنے والی ہے۔ اور ہر انسان کی موت اس کے لیے قیامت کا قیام ہے اور قیامت قریب ہے۔ گزشتہ زمانہ کی نسبت سے جو زمانہ باقی ہے وہ گزرے ہوئے زمانہ سے کم ہے۔ سخاک نے کہا: اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ کا معنی ہے عذابہم یعنی کفار مکہ کے عذاب کا وقت قریب آ گیا ہے کیونکہ انہوں نے عذاب کے وعدہ کی تکذیب کرتے ہوئے اسے دیر سے آنے والا سمجھا۔ ان کا قتل بدر کے دن تھا۔ نحاس نے کہا: کلام میں اقترب حسابہم للناس جائز نہیں تاکہ مظہر پر مضر مقدم نہ ہو اور اس کے ساتھ تاخیر کی نیت کرنا بھی جائز نہیں۔

وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مَّعْرُضُونَ ○ یہ مبتدا اور خبر ہیں۔ غیر قرآن میں حال کی بنا پر نصب بھی جائز ہے۔ اس میں دو وجہیں ہیں: (۱) وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مَّعْرُضُونَ یعنی دنیا کی طرف متوجہ ہیں آخرت سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ (۲) حساب کے لیے تیار ہونے سے غافل ہیں اور اس سے غافل ہیں جو حضرت محمد ﷺ لے آئے ہیں۔ یہ واو سیبویہ کے نزدیک اذ کے معنی میں ہے اس کو نحوی واو حالہ کہتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَغْشَىٰ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ أَهْتَتْهُمُ أَنْفُسُهُمْ (آل عمران: 154)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرِ مِنْ تَرْتِيهِمْ مُّحَدَّثٌ، محدث ذکر کی صفت ہے۔ کسائی اور فراء نے محدثاً بھی جائز قرار دیا ہے، بمعنی مایاتہم محدثاً نصب حال کی بنا پر ہے کیونکہ اگر تو مین کو حذف کرے گا تو ذکر کو رفع دے گا یعنی مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرِ مِنْ تَرْتِيهِمْ مُّحَدَّثٌ مراد نزول ہے اور جبرائیل کا حضرت محمد ﷺ پر تلاوت کرنا ہے، کیونکہ قرآن کی سورت کے بعد سورت اور آیت کے بعد آیت نازل ہوتی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ ایک وقت کے بعد دوسرے وقت میں اسے نازل کرتا تھا نہ کہ قرآن مخلوق ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: الذکر سے مراد وہ ہے جس کے ساتھ نبی پاک ﷺ نہیں نصیحت کرتے تھے اور وعظ کرتے تھے۔ اور فرمایا: مَنْ تَرْتِيهِمْ کیونکہ نبی کریم ﷺ صرف وحی کے ساتھ بولتے تھے پس نبی پاک ﷺ نے وعظ فرمایا اور آپ کا ڈرانا ذکر تھا اور وہ محدث تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَذَكَرْنَا إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ○ (الغاشیہ) کہا جاتا ہے: فلان فی مجلس الذکر۔ یعنی وعظ کی مجلس میں ہے۔ بعض نے کہا: ذکر سے مراد نبی پاک ﷺ کی ذات گرامی ہے یہ حسین بن فضل کا قول ہے اور دلیل کلام کا سیاق ہے۔ هَلْ هَذَا إِلَّا بَشْرٌ مِّثْلُكُمْ اگر ذکر سے مراد قرآن ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا: هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ○ (الانعام) اس تاویل کی دلیل یہ بھی ہے: يَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ○ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ○ (القلم) ان دونوں آیتوں میں مراد محمد ﷺ کی ذات ہے۔ فرمایا: قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْنَكُمْ ذِكْرًا ○ نَسُؤًا (الطلاق) إِلَّا اسْتَعْمَرُوا یعنی محمد ﷺ کو سنتے ہیں یا محمد ﷺ سے قرآن سنتے ہیں یا آپ کی امت سے قرآن سنتے ہیں۔ وَهُمْ يَلْعَبُونَ واو حالہ ہے اس پر دلیل لَا هِيَ قُلُوبُهُمْ ہے يلعبون کا معنی يلعبون ہے بعض نے فرمایا: يشتغلون ہے اگر تاویل کو لبو پر محمول کیا جائے تو جس کے ساتھ وہ لبو کرتے تھے اس کے دو احتمال ہیں۔ (۱) اپنی لذات کے

ساتھ۔ (۲) جوان پر تلاوت کیا جاتا تھا اس کے سماع کے ساتھ۔ اگر اس کی تاویل کو الشغل پر محمول کیا جائے تو جس کے ساتھ وہ مشغول ہوتے تھے اس کے دو احتمال ہیں۔ (۱) دنیا کے ساتھ مشغول ہوتے تھے کیونکہ وہ لہو و لعب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَ لَهْوٌ** (محمد: 36) دنیوی زندگی لعب و لہو ہے۔ (۲) وہ اس پر اعتراض کرنے کے ساتھ مشغول ہوتے تھے۔ حسن نے کہا: جب ان کے لیے نیاز کر آتا تو وہ اس میں غور فکر نہ کرتے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ قرآن کو استہزاء کرتے ہوئے سنتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لَا هِيَةٌ قُلُوبُهُمْ** یعنی ان کے دل غافل ہوتے ہیں ذکر الہی سے اعراض کیے ہوئے ہوتے ہیں غور و تامل نہیں کرتے یہ عربوں کے قول لہیت عن ذکر الشئ سے مشتق ہے۔ جب تو کسی چیز کو ترک کر دے اور اس سے اعراض کرے۔ **أَلْهَىٰ لَهْيًا وَلِهْيَانًا، لَا هِيَةٌ**۔ نعت ہے اسم سے مقدم ہے اور نعت کا حق یہ ہوتا ہے کہ تمام اعراب میں موصوف کے تابع ہو جب نعت اسم سے پہلے آجاتی ہے تو منصوب ہوتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **خَاشِعَةً أَبْصَارَهُمْ**۔ **وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا (الدھر: 14) لَا هِيَةٌ قُلُوبُهُمْ**۔ شاعر نے کہا:

لِعِزَّةٍ مَوْحِشًا طَلُّ يَدُومُ كَأَنَّهُ حَلَلٌ

مراد طلل موحش ہے۔ کسائی اور فراء نے **لَا هِيَةٌ قُلُوبُهُمْ** رفع کے ساتھ بھی جائز قرار دیا ہے، بمعنی قلوبہم لاهية۔ ان کے علاوہ علماء نے خبر کے بعد ہونے کی بنا پر رفع جائز قرار دیا ہے۔ اور مبتدا مضمر کی بنا پر رفع کو جائز قرار دیا ہے۔ کسائی نے کہا: یہ معنی بھی جائز ہے الا استمعوا لاهية قلوبہم مگر وہ اسے سنتے ہیں جبکہ ان کے دل غافل ہوتے ہیں۔ **وَأَسْرُوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا** وہ آپس میں اس کی تکذیب کے ساتھ سرگوشیاں کرتے ہیں پھر بیان فرمایا کہ وہ کون ہیں فرمایا: **الَّذِينَ ظَلَمُوا** جنہوں نے شرک کیا۔ **الَّذِينَ ظَلَمُوا، أَسْرُوا** کی واو سے بدل ہے جو الناس کی طرف راجع ہے، جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اس قول کی بنا پر النجوى پر وقف جائز نہیں۔ مبرد نے کہا: یہ تیرے اس قول کی طرح ہے: ان الذين في الدار انطلقوا بنوع عبد الله۔ بنو بدل ہے انطلقوا کی واو سے۔ بعض نے فرمایا: مذمت کی بنا پر مرفوع ہے یعنی هم الذين ظلموا بعض نے فرمایا: قول کے حذف کی بنا پر مرفوع ہے۔ تقدیر یوں ہے: يقول الذين ظلموا قول کو حذف کیا گیا جیسے: **الْمَلِكَةُ يَدُ خُلُونٍ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۖ سَلَّمَ عَلَيْكُمْ (الرعد)** اس قول کو نحاس نے اختیار کیا ہے۔ فرمایا: اس جواب کی صحت پر دلیل اس کے بعد والی کلام **هَلْ هَذَا إِلَّا بَشْرٌ مِّثْلُكُمْ** ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ اعنی مضمر کی بنا پر منصوب ہے اعنی الذين ظلموا۔ فراء نے اس کا مجرور ہونا بھی جائز قرار دیا ہے۔ اس معنی کی بناء پر اقترب للناس الذين ظلموا حسابہم اس ترکیب کی بنا پر النجوى پر وقف جائز نہ ہوگا اور اس سے پہلے تین صورتوں میں وقف جائز ہوگا۔ یہ پانچ اقوال ہیں۔ انھیں نے، اکلون البراغیث کہنے والوں کی لغت پر رفع کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ حسن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ثُمَّ عَمُوا وَصَمُوا كَثِيرٌ مِّنْهُمْ (المائدہ: 71)** اسی طرح شاعر نے کہا:

بِكَ نَالِ الْبِضَالِ دُونَ الْمَسَاعِي فَاهْتَدَيْنَ النَّبَالَ لِلْأَعْرَاضِ

ایک اور نے کہا:

وَلٰكِن دِيَابِقُ اَبُوهُ وَاُمُّهُ بِخَوْرَانَ يَغْصِرْنَ السَّيِّطَ اَقَارِبُهُ

کسانی نے کہا: اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اس کا مجاز یہ ہے: والذین ظلموا اسرودا النجوی۔ ابو عبیدہ نے کہا: اسرودا یہاں اضداد میں سے ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے اپنی کلام کو مخفی کیا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے کلام کو ظاہر کیا ہو اور اعلان یہ کہا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اِنہوں نے آپس میں سرگوشی کی۔ کہنے لگے: یہ ذکر جو رسول ہے یا یہ جو تم کو بلاتا ہے نہیں ہے مگر تمہاری مثل بشر، وہ تم سے کسی چیز میں ممتاز نہیں ہے وہ کھانا کھاتا ہے، بازاروں میں چلتا ہے جیسا تم کرتے ہو اور انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ان کی طرف بشر کے علاوہ بھیجنا جائز ہی نہیں ہے تاکہ وہ اس کی بات کو سمجھ سکیں اور وہ انہیں تعلیم دے۔ اَفَتَاتُّونَ السِّحْرَ یعنی جو حضرت محمد ﷺ لے کر آئے ہیں وہ جادو ہے پھر تم کیوں اس کے پاس آتے ہو اور اس کی پیروی کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سرگوشیوں پر اپنے محبوب نبی کریم ﷺ کو آگاہ کر دیا۔ السحرافت میں ہر بناوٹی چیز کو سحر کہتے ہیں جس کی تسبیح و تہلیل نہ ہو۔ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ○ بعض علماء نے اس کا معنی کیا ہے کہ تم دیکھ رہے ہو کہ وہ تمہاری مثل انسان ہے۔ و انتم تعقلون اس کی مثال ہے کیونکہ عقل اشیاء کو دیکھنا ہے۔ بعض نے کہا: اس کا معنی ہے کیا تم جادو کو قبول کرتے ہو جبکہ تم جانتے ہو کہ یہ جادو ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے کیا تم باطل کی طرف لوٹتے ہو جبکہ تم حق کو پہچانتے ہو۔ کلام کے معنی میں توضح ہے۔

قُلْ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ بَلْ قَالُوا
اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلْ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَاْتِنَا بآيَةٍ كَمَا اُرْسِلَ
الْاَوْلٰؤُنَّ ○ مَا اَمْنَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنَاهَا اَفْهُمْ يُؤْمِنُونَ ○

”نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرا رب جانتا ہے جو بات کہی جاتی ہے آسمان اور زمین میں اور وہی ہر بات سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ کہتے ہیں: بلکہ یہ پریشان خواب ہیں (نہیں) بلکہ اس نے خود گھڑا ہے اسے (نہیں) بلکہ وہ شاعر ہے (اگر وہ سچا نبی ہے) تو لے آئے ہمارے پاس کوئی نشانی جس طرح بھیجے گئے تھے پہلے انبیاء۔ نہیں ایمان لائی ان سے پہلے کوئی بستی جسے ہم نے تباہ کیا تھا تو کیا اب یہ لوگ ایمان نہیں لے آئیں گے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمان اور زمین میں جو بات کہی جاتی ہے اس پر مخفی نہیں ہوتی۔ اہل کوفہ کے مصاحف میں قال رب یعنی محمد ﷺ نے کہا: میرا رب قول کو جانتا ہے یعنی وہ جانتا ہے جو تم سرگوشیاں کرتے ہو۔ بعض علماء نے کہا: پہلی قرأت قُلْ رَبِّي اُولٰٓئِہِ ہے کیونکہ انہوں نے اپنی بات کو چھپایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نبی پر ظاہر کر دیا اور اسے کہنے کو کہا۔ نحاس نے کہا: دونوں قرأتیں صحیح ہیں اور یہ دوا آیتوں کے قائم مقام ہیں ان میں فائدہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا گیا اور آپ ﷺ نے اسی طرح فرمایا جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **بَلْ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ**، زجاج نے کہا: انہوں نے کہا جو آپ لائے ہیں وہ پریشان خواب ہیں۔ اور دوسرے علماء نے کہا: انہوں نے کہا وہ ملی جلی باتیں ہیں جیسے پریشان خواب ہوتے ہیں، یعنی ڈراؤنی چیزیں جو آپ خواب میں دیکھتے ہیں؛ یہ معانی مجاہد اور قتادہ نے بیان کیے ہیں، اسی طرح شاعر کا قول ہے:

كِضْفُ حُلْمٍ غَرَّ مِنْهُ حَالِمُهُ

قتبی نے کہا: اس سے مراد جھوٹے خواب ہیں؛ شاعر کا قول ہے:

أَحَادِيثُ طَسْمٍ أَوْ سَرَابٍ بَعْدَ نَفْدٍ تَرْتَفِقُ لِلْسَّارِي وَأَضْغَاثُ حَالِمٍ

یزیدی نے کہا: الاضغاث اس خواب کو کہتے ہیں جس کی کوئی تعبیر نہ ہو؛ یہ مفہوم سورہ یوسف میں گزر چکا ہے۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ معاملہ اس طرح کا نہیں ہے جس طرح انہوں نے کہا ہے تو وہ اس بات کو چھوڑ کر کہنے لگے: **بَلْ افْتَرَاهُ بَلْ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَوَافِقِهَا**، پھر اس کو چھوڑ کر کہنے لگے: **بَلْ هُوَ شَاعِرٌ بَلْ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَوَافِقِهَا**، یعنی وہ متحیر ہیں کسی ایک بات پر ٹھہرتے نہیں، کبھی کہا: جادو ہے، کبھی کہا: یہ پریشان خواب ہیں، کبھی کہا: یہ خود گھڑا ہے۔ ایک فریق نے کہا: یہ شاعر ہے۔ الافتراء کا معنی گھڑنا ہے۔ اس کا مفہوم پہلے گزر چکا ہے۔ **فَلْيَأْتِنَا بآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوْلُونَ** ⑤، یعنی تم بھی اسی طرح کوئی نشانی لاؤ جیسی پہلے رسول لائے تھے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا وغیرہ معجزات لائے تھے اور جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی۔ اور وہ جانتے تھے کہ قرآن جادو نہیں ہے اور نہ خواب ہے لیکن انہوں نے کہا: مناسب ہے کہ وہ ایسی نشانی لے آئیں جو تم تجویز کرو جبکہ ایک آیت دیکھنے کے بعد ان کے لیے تجویز نہ تھی نیز وہ آیت پر ایمان نہیں لائے تھے یہ اس کی جنس سے تھی جس کو وہ لوگوں سے زیادہ جانتے تھے اور اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہ تھی تو پھر وہ کسی دوسری نشانی پر کیسے ایمان لے آئیں گے؟ اگر وہ ماورزاد اندھے کو پینا کر دے اور کوڑھی کے مریض کو درست کر دے تو کہیں گے: یہ باب الطب سے ہے یہ ہماری شان نہیں کہ ان کی ہر بات کو پورا کرتے رہیں۔ ان کا سوال ہٹ دھرمی اور تعصب کی بنا پر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی نشانیاں دکھائی تھیں جن میں کفایت ہے اور اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اگر وہ ایمان لے آتے تو جو وہ سوال کرتے ہم انہیں عطا فرماتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ ۗ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ** ⑥ (الانفال)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مَا آمَنْتَ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے اور فرعون کی قوم ہے۔ **أَهْلَكْنَاهَا** یعنی ہمارے علم میں ان کی ہلاکت تھی۔ **أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ** ① وہ تصدیق کرتے ہیں یعنی وہ آیات پر ایمان نہ لائے تو انہیں جڑ سے اکھیڑ دیا گیا اگر یہ بھی آیات دیکھ لیں گے جو یہ تجویز کرتے ہیں پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ ان کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کے عقاب کو موخر کیا کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ ان کی صلبوں میں ایمان والے ہیں اور **قَرِيَّةٍ** میں من زائدہ ہے جیسے اس ارشاد میں زائدہ ہے، **فَمَا مِنْكُمْ**

مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حِجْرَتِينَ ② (الحاقہ)

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ فَسَلُّوا أَهْلَ الدِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا

تَعْلُونَ ۝ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَلِيئِينَ ۝ ثُمَّ
صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ فَأَنْجَيْنَاهُمْ وَمَنْ نَشَاءُ وَأَهْلَكْنَا السُّرْفِينَ ۝ لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ
كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

”اور نہیں رسول بنا کر بھیجا ہم نے (اے حبیب!) آپ سے پہلے مگر مردوں کو ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف پس
(اے مکرو!) پوچھو اہل علم سے اگر تم (خود حقیقت حال کو) نہیں جانتے۔ اور نہیں بنائے ہم نے انبیاء کے
(ایسے) جسم کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنے والے تھے۔ پھر ہم نے سچا کر دکھایا
انہیں (جو) وعدہ (ہم نے ان سے کیا تھا) پس ہم نے نجات دی انہیں اور ان لوگوں کو جن کو ہم نے (بچانا) چاہا
اور ہم نے ہلاک کر دیا حد سے بڑھنے والوں کو۔ بیشک ہم نے اتاری تمہاری طرف کتاب جس میں تمہارے
لیے نصیحت ہے، کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ إِلَّا مَا جَاءَ لِنُوحٍ إِيَّاهُمْ يَوْمَ نَادَىٰ هَلْ هَذَا آيَاتُ الْبَشَرِ مِثْلُكُمْ ۝ اس سے مراد اہل تورات اور انجیل ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے؛ یہ سفیان کا قول ہے۔ اس کو اہل
ذکر کہا ہے کیونکہ وہ انبیاء کی خبروں کا ذکر کرتے تھے جن کو عرب نہیں جانتے تھے کفار قریش حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ کو اہل
کتاب کی طرف لوٹاتے تھے۔ ابن زید نے کہا: الذکر سے مراد قرآن ہے، یعنی اہل قرآن میں سے جاننے والے مومنین
سے پوچھ۔ جابر جہنی نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اہل ذکر ہیں۔ تواتر کے ساتھ ثابت ہے
کہ رسل، بشری تھے معنی یہ ہے انکار کے ساتھ اور اپنے قول کے مناسب ہے کہ رسول ملائکہ سے ہو سے آغاز نہ کرو بلکہ تم مومنین
سے مناظرہ کرو تا کہ وہ تمہیں بیان کریں کہ انسانوں سے رسول ہونا جائز ہے۔ فرشتے کو رجلا نہیں کہا جاتا کیونکہ رجل کا لفظ
اس پر واقع ہوتا ہے جس کی لفظ سے ضد ہو جیسے تو کہتا ہے: رجل وامرأة۔ رجل وصبی، إِلَّا مَا جَاءَ لِنُوحٍ إِيَّاهُمْ يَوْمَ نَادَىٰ
مرد تھے۔ حفص اور کسائی نے نُوحٍ إِيَّاهُمْ پڑھا ہے۔

مسئلہ: علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عام لوگوں پر لازم ہے کہ وہ علماء کی تقلید کریں اور فَسْئَلُوا أَهْلَ الدِّينِ كَمَا سَأَلُوا
مراد ہیں۔ اور علماء کا اجماع ہے کہ تاہم شخص اس کی تقلید کرے جس پر وثوق ہو قبلہ کی تمیز کرنے میں جب اس پر قبلہ تلاش کرنا
مشکل ہو جائے۔ اسی طرح وہ شخص جس کو علم نہیں تو وہ علماء کی تقلید کرے۔ اسی طرح علماء کا اختلاف نہیں ہے کہ عام لوگوں کو
فتویٰ دینا جائز نہیں کیونکہ وہ ان معانی سے ناواقف ہوتے ہیں جن سے حرمت و حلت جائز ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ هُمْ ضَمِيرٌ كَامِرَجٍ انبیاء ہیں یعنی ہم نے آپ سے پہلے
ایسے رسل نہیں بنائے جو بشری طبائع سے خارج ہوں اور وہ کھانے، پینے کے محتاج نہ ہوں۔ وَمَا كَانُوا خَلِيئِينَ ۝ وہ فوت نہ
ہوں گے۔ یہ ان کے قول کا جواب ہے: هَلْ هَذَا آيَاتُ الْبَشَرِ مِثْلُكُمْ اور ان کے اس قول کا جواب ہے جو انہوں نے کہا: مَا لِي

اب مت بھاگو اور واپس لوٹو ان آسائشوں کی طرف جو تمہیں دی گئی تھیں اور (لوٹو) اپنے مکانوں کی طرف تاکہ تم سے باز پرس کی جائے۔ کہنے لگے: وائے شوئے قسمت! ہم ہی ظالم تھے۔ پس یونہی شور و پکار کرتے رہے یہاں تک کہ ہم نے انہیں کئے ہوئے کھیت (اور) بچھے ہوئے (انگروں) کی طرح کر دیا۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ كَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً قَرِيَةً** سے مراد وہ شہر ہیں جو یمن میں تھے۔ اہل تفسیر اور مؤخرین نے کہا: اس سے مراد اہل حضور ہیں۔ یہ قوم وہ تھی جن کی طرف ایک نبی مبعوث کیا گیا تھا جس کا نام شعیب بن ذی مہدم تھا اور اس شعیب نبی کی قبر یمن میں ایک پہاڑ کے پاس ہے جس کو ضنن کہا جاتا ہے اس میں کثیر نمک ہے۔ یہ شعیب صاحب مدین نہیں ہیں کیونکہ حضور کا قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مدت سے پہلے کا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی مدت سے دو سو سال بعد ہوا ہے۔ ان لوگوں نے اپنے نبی کو قتل کیا تھا اور اصحاب الرس نے اسی تاریخ میں اپنے نبی کو قتل کیا تھا ان کا نام حنظلہ بن صفوان تھا۔ حضور شہر حجاز کی زمین شام کی طرف میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارمیا کی طرف وحی کی کہ بخت نصر کے پاس جاؤ اور اسے بتاؤ کہ میں نے اسے عرب کی زمین پر تسلط بخشا ہے اور میں تیرے ذریعے ان سے انتقام لینے والا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارمیا کی طرف وحی کی کہ معد بن عدنان کو براق پر سوار کر کے عراق کی زمین کی طرف بھیج تاکہ اسے ان کے ساتھ عذاب اور مصیبت نہ پہنچے کیونکہ میں اس کی صلب سے نبی آخر الزماں کو نکالنے والا ہوں جس کا نام محمد ہے۔ معد کو ارمیا نے سوار کیا جبکہ وہ بارہ سال کا تھا۔ معد، بنی اسرائیل کے ساتھ رہا یہاں تک کہ وہ بڑا ہوا اور ایک عورت سے نکاح کیا جس کا نام عانہ تھا۔ پھر بخت نصر لشکروں کو لے کر گیا اور عربوں کے لیے کمین گاہیں بنا کیں یہ پہلا شخص تھا جس نے کمین گاہیں بنائی تھیں۔ پھر اس نے اہل حضور پر کئی حملے کیے انہیں قتل کیا اور بعض کو قیدی بنایا اور آبادیوں کو خراب کیا اس نے حضور شہر کا نام و نشان مٹا دیا پھر وہ السواد کی طرف لوٹا۔ **كَمْ، قَصَمْنَا** کی وجہ سے منصوب ہے۔ **القسم** کا معنی توڑ پھوڑ کرنا ہے، کہا جاتا ہے: **قصت ظهر فلان**۔ فلاں کی پیٹھ میں نے توڑ دی۔ **انقصت** سنہ اس کا دانت ٹوٹ گیا۔ یہاں **القسم** کا معنی ہلاک کرنا ہے۔ **القسم** (فاء) کسی چیز میں ایسی پھن جو واضح نہ ہو۔ شاعر نے کہا:

كَانَهُ دُمْلَجٌ مِنْ فِصَّةٍ نَبَهُ فِي مَلْعَبٍ مِنْ عَذَارَى الْحَيِّ مَفْصُومٌ

اسی سے حدیث ہے: **فیفصم عنه وإن جبينه ليتفصد عرقاً** (1) جب آپ سے وحی ختم ہوئی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہ نکلتا تھا۔

كَانَتْ ظَالِمَةً یعنی اس شہر والے کافر تھے۔ **الظلم** کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے مقام پر نہ رکھنا۔ انہوں نے کفر کو ایمان کی جگہ رکھا۔ **وَ أَنْشَأْنَا** یعنی ہم نے ان کو ہلاک کرنے کے بعد **قَوْمًا آخَرِينَ** دوسری قوم کو پیدا کیا۔ **قَلَمَّا أَحْصُوا** جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا۔ کہا جاتا ہے: **أحست منه ضعفاً** میں نے اس سے کمزوری محسوس کی۔ **انفش** نے کہا: **أَحْصُوا** کا معنی ہے خافوا و توقعوا خوف کھایا اور توقع کی۔ **إِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ** یعنی وہ بھاگ رہے تھے۔ **الركض** کا

معنی ہے تیزی سے دوڑنا۔ الرکض کا معنی ہے پاؤں کو حرکت دینا، اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **أَمْ كُنْزٌ بَرٌّ جَلِيكٌ (ص):** (42) رکضت الفرس برجلی یعنی میں نے گھوڑے کو دوڑنے پر ابھارا۔ پھر یہ کثرت سے استعمال ہونے لگا حتیٰ کہ بعض نے کہا: رکض الفرس جب گھوڑا دوڑتا۔ یہ اصل نہیں ہے درست یہ ہے کہ **رُكض** الفرس ہو گھوڑا دوڑایا گیا۔ **فہو مرکوض۔ لا تَزُكُضُوا** یعنی نہ بھاگو۔

وَأَمْ جَعُوا إِلَيَّ مَا أُنزِلُ فِيهِ یعنی تم ان نعمتوں کی طرف لوٹو جو تمہارے تکبر و غرور کا سبب تھیں۔ المتترف جس پر انعام کیا گیا ہو۔ کہا جاتا ہے: اترف علی فلان یعنی معیشت میں اسے خوشحالی دی گئی ہے۔ انما اترفہم اللہ عزوجل۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں خوشحالی دی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَأَتَرَفُنَّهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (المومنون: 33)** ہم نے دنیوی زندگی میں انہیں خوشحالی دی۔ **لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ ⑩** تاکہ تم سے دنیا کی کسی چیز کا سوال کیا جائے: یہ ان سے استہزاء کیا گیا: یہ قتادہ کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی یہ ہے کہ کس وجہ سے تمہیں یہ سزا دی گئی پھر تم اس کے متعلق خبر دو؟ بعض نے فرمایا: **لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ ⑩** تاکہ تم سے ایمان لانے کا سوال کیا جائے جیسا کہ تم پر عذاب کے نزول سے پہلے یہ سوال کیا گیا تھا ان کو یہ استہزاء، تقریح اور تویخ کے لیے کہا جائے گا۔ **قَالُوا يُونَيْثًا** جب ملائکہ نے انہیں کہا: بھاگو مت اور کہا: انبیاء کا بدلہ ہے۔ انہوں نے کلام کرتے ہوئے کوئی شخص نہ دیکھا (جبکہ یہ آواز آرہی تھی) تو وہ جان گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے دشمن کو مسلط کر دیا ہے کیونکہ انہوں نے انبیاء کو قتل کیا ہے جو ان کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔ اس وقت ان لوگوں نے کہا: **يُونَيْثًا** **إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ⑪** انہوں نے ظالم ہونے کا اعتراف اس وقت کیا جب ان کا اعتراف نفع بخش نہ تھا۔ **فَمَا زِلْتَ تِلْكَ دَعْوَانَهُمْ** وہ ہمیشہ یہ کہتے رہے: **يُونَيْثًا** **إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ⑪** شومی قسمت! ہم ہی ظالم تھے۔ **حَتَّى جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا** تلواروں کے ساتھ انہیں اس طرح کاٹ دیا جس طرح کھیتی درانتی کے ساتھ کاٹی جاتی ہے، یہ مجاہد کا قول ہے۔ حسن نے کہا: عذاب کے ساتھ ہم نے انہیں کاٹ دیا۔ **خُيْلَيْنِ ⑫** مردہ تھے۔ **الخمود** کا معنی ہے آگ کی طرح بجھ جانا۔ زندگی کے بجھ جانے کو آگ کے بجھ جانے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جیسے کہا جاتا ہے جو مر جاتا ہے: **قد طفن آگ کے بجھ جانے کیساتھ تشبیہ دیا گیا ہے۔**

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعِيزِينَ ⑬ **لَوْ أَرَادْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهُمْ آلًا**

تَّخَذْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا إِنَّ كُنَّا فَعِلِينَ ⑭ **بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ**

فَإِذَا هُوَ رَهِقٌ ⑮ **وَلَكُمْ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ⑯**

”اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے دل لگی کرتے ہوئے۔ اگر ہمیں یہی

منظور ہوتا کہ ہم (اس کائنات کو) کھیل تماشا بنا سکیں تو ہم بنا لیتے اسے خود بخود (ہمیں کون روک سکتا تھا) مگر ہم ایسا

کرنے والے نہیں ہیں۔ بلکہ ہم تو چوٹ لگاتے ہیں حق سے باطل پر پس وہ اسے کچل دیتا ہے اور وہ یکا یک ناپید ہو

جاتا ہے اور (اے باطل پرستو!) تمہارے لیے ہلاکت ہے ان (نازیبا) باتوں کے باعث جو تم بیان کرتے ہو۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعِيزِينَ ⑬** یعنی ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو

کچھ ان کے اندر ہے اسے عبث اور باطل نہیں بنایا بلکہ اس بات پر تشبیہ کرنے کے لیے کہ ان کا خالق اور قادر ہے جس کے امر کی پیروی لازم ہے وہ مجرم اور نیک کام کرنے والے کو بدلہ دے گا یعنی ہم نے آسمان اور زمین کو پیدا اس لیے نہیں کیا کہ لوگ ایک دوسرے پر ظلم کریں اور انکار کریں اور جو انہیں حکم دیا گیا ہے اس کی مخالفت کریں پھر مرجائیں اور انہیں جزا نہ دی جائے اور وہ دنیا میں نیکی کا حکم نہ دیں اور بری چیز سے منع نہ کریں۔ یہ لعب ہے جس سے حکیم کی نفی کی گئی ہے اور اس کی ضد حکمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لَوْ أَرَادْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهَوًا** جب ایک قوم نے یہ عقیدہ رکھا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **أَرَادْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهَوًا**، اللہو سے مراد یعنی لغت میں عورت ہے، یہ قتادہ کا قول ہے۔ عقبہ بن ابی جسرہ نے کہا: طاؤس، عطا اور مجاہدان سے **لَوْ أَرَادْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهَوًا** کے متعلق پوچھنے کے لیے آئے تو انہوں نے فرمایا: اللہو سے مراد زوجہ ہے؛ یہ حسن کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہو سے مراد بچے ہیں؛ حسن کا یہ بھی قول ہے۔ جوہری نے کہا: اللہو جماع سے کنایہ ہے۔

میں کہتا ہوں امرء القیس کا قول ہے:

أَلَا زَعْتٌ بَسْبَاسَةٌ الْيَوْمَ أَنْتِي كَبْرُتٌ وَالْأَيْحِينَ اللَّهْوُ أَمْشَالِي

جماع کو لہو کہا جاتا ہے کیونکہ یہ دل کو غافل کرنے کا عمل ہے، جیسے شاعر نے کہا:

فِيهِنَّ مَلَهْمٌ لِلصِّدِّيقِ وَمَنْظَرٌ

جوہری نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لَوْ أَرَادْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهَوًا** سے مراد عورت ہے۔ کہا جاتا ہے: ولداً یعنی بچہ۔ **لَا تَتَّخِذْنَهُ مِنْ لَدُنَّا** یعنی ہم اپنی طرف سے نہ کہ تمہاری طرف سے۔ ابن جرتج نے کہا: اہل سماء کی طرف سے نہ اہل زمین کی طرف سے۔ بعض نے فرمایا: یہ ان کا رد ہے جنہوں نے کہا کہ بت اللہ کی بیٹیاں ہیں یعنی تمہارا گھڑا ہوا بت ہماری اولاد کیسے ہو سکتا ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا: یہ آیت نصاریٰ کا رد ہے۔ **إِنْ كُنَّا فَعَلِينِ** قتادہ، مقاتل، ابن جرتج اور حسن نے کہا: اس کا معنی ہے ہم ایسا کرنے والے نہیں جیسے: **إِنْ أَنْتَ إِلَّا تَذِيرٌ** (فاطر) یعنی تو نہیں ہے مگر ڈرانے والا۔ **إِنْ لَنْفِي** کے معنی میں ہے۔ **لَا تَتَّخِذْنَهُ مِنْ لَدُنَّا** پر کلام مکمل ہوئی۔ بعض نے فرمایا: یہ شرط کے معنی پر ہے یعنی اگر ہم ایسا کرنے والے ہوتے لیکن ہم ایسا کرنے والے نہیں کیونکہ ہمارے لیے اولاد ہونا محال ہے کیونکہ اگر یہ ہوتا تو ہم جنت، دوزخ، موت، بعث، حساب پیدا نہ کرتے۔ بعض علماء نے فرمایا: اگر ہم کسی کو متبہنی بناتے تو ہم ملائکہ میں سے بناتے۔ اس کی طرف ایک قوم کا رجحان ہے کیونکہ ارادہ متبہنی کے ساتھ متعلق ہے رہا اولاد بنانا تو یہ محال ہے۔ ارادہ مستحیل کے متعلق نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ**، القذف کا معنی ہے پھینکنا، یعنی ہم حق کو باطل پر مارتے ہیں۔ **فَيَذَرُهَا** تو وہ اسے ہلاک کر دیتا ہے۔ **الدمغمر** کے زخم کو کہتے ہیں۔ یہاں الحق سے مراد قرآن ہے اور باطل سے مراد شیطان ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: باطل وہ جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے علاوہ صفات کرتے تھے۔ (مثلاً یہ کہ) اس کا بیٹا تو ان کی اللہ تعالیٰ نے تکذیب کی۔ بعض نے فرمایا: الحق سے مراد حجت ہے۔ باطل سے مراد ان کے شبہات ہیں۔ بعض نے فرمایا:

الحق سے مراد مواعظ ہیں۔ باطل سے مراد معاصی ہیں۔ یہ معانی قریب قریب ہیں۔ قرآن حجت اور مواعظ کو متضمن ہے۔
فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ یعنی باطل ہلاک ہونے والا ہے اور تلف ہونے والا ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ وَ لَكُمْ الْوَيْلُ یعنی تمہارے لیے
آخرت میں عذاب ہے کیونکہ تم نے رب کے لیے ایسی صفات بیان کیں جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ حضرت ابن عباس
رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الْوَيْلُ جہنم میں ایک وادی ہے، یہ پہلے گزر چکا ہے۔ وَمَا تَصِفُونَ ⑩ جو وہ جھوٹ بولتے ہیں؛ یہ قتادہ اور
مجاہد سے مروی ہے۔ اس کی مثال: سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُم (الانعام: 139) یعنی اس کے جھوٹ کی انہیں جزا دے گا۔ بعض
نے فرمایا: وہ اللہ کی ایسی صفات بیان کرتے ہیں جو محال ہیں، مثلاً ان کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنایا ہے۔

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ ۚ وَلَا
يَسْتَحْسِرُونَ ⑪ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ⑫ أَمْ اتَّخَذُوا إِلَهًا مِّن
الْأَرْضِ هُمْ يُنشِرُونَ ⑬

”اور اس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو (فرشتے) اس کے نزدیک ہیں وہ ذرا سرکشی نہیں کرتے
اس کی عبادت سے اور نہ ہی وہ تھکتے ہیں۔ وہ (اس کی) پاکی بیان کرتے رہتے ہیں رات، دن اور وہ اکتاتے
نہیں۔ کیا بنا لیے ہیں انہوں نے خدا (اہل) زمین سے جو مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ہر چیز اس کی ملک اور تخلیق ہے پھر جو اس کا عبد اور خلق ہے اس
کا خیر ہونا کیسے جائز ہے۔ وَمَنْ عِنْدَهُ یعنی وہ ملائکہ جن کا تم ذکر کرتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ لَا يَسْتَكْبِرُونَ وہ سرکشی
نہیں کرتے اس کی اطاعت سے۔ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ⑪ نہ وہ تھکتے ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ یہ الحسیر سے ماخوذ ہے وہ
اونٹ جو تھکنے کی وجہ سے جدا ہو جائے۔ کہا جاتا ہے: حسرا البعير يحس حسورا اونٹ تھک گیا۔ استحسا اور تحسا ہم مثل
ہیں حسرتہ أنا حسرتہ انا کبھی متعدی ہوتا ہے اور کبھی متعدی نہیں ہوتا۔ أحسرتہ ایضا فهو حسير ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے
وہ اکتاتے نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ عار نہیں سمجھتے۔ ابو زید نے کہا: وہ تھکتے نہیں۔ بعض نے فرمایا: وہ
کمزور نہیں ہوتے؛ یہ ابن اعرابی نے ذکر کیا ہے۔ تمام کا مفہوم ایک ہی ہے۔ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ یعنی وہ ہمیشہ نماز
پڑھتے ہیں اور اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ لَا يَفْتُرُونَ یعنی وہ کمزور نہیں پڑتے اور اکتاتے نہیں
انہیں تسبیح و تقدیس الہام کی جاتی ہے جس طرح نفس الہام کیے جاتے ہیں۔ عبد اللہ بن حرث نے کہا: میں نے کعب سے پوچھا
میں نے کہا: کیا کبھی تسبیح سے انکا اعراض بھی ہوتا ہے؟ کسی اور چیز میں بھی مشغول ہوتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: یہ کون ہے؟
میں نے کہا: بنی عبدالمطلب سے ہوں۔ تو انہوں نے مجھے گلے لگا لیا اور کہا: اے میرے بھتیجے! کیا سانس سے کبھی تجھے کوئی چیز
نافل کرتی ہے؟ تسبیح ان کے لیے سانس کی طرح ہے۔ اس آیت سے ان علماء نے استدلال کیا ہے جنہوں نے کہا ہے کہ ملائکہ،
بنی آدم سے افضل ہیں۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ الحمد للہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَمْ اتَّخَذُوا إِلَهًا مِّنْ الْأَرْضِ هُمْ يُنشِرُونَ ⑬ مفضل نے کہا: اس استفہام سے مقصود انکار

ہے یعنی انہوں نے اہل زمین سے ایسے خدا نہیں بنائے جو زندہ کرنے پر قادر ہوں۔ بعض علماء نے فرمایا: اُمّ بمعنی ہل ہے یعنی کیا ان مشرکوں نے اہل زمین سے ایسے خدا بنالیے ہیں جو مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ اُمّ یہاں بل کے معنی میں نہ ہوگا کیونکہ یہ ان کے لیے مردوں کو پیدا کرنے کا موجب ہے مگر یہ کہ اُمّ کو استقبہام کے ساتھ مقدر کیا جائے۔ پس اُمّ منقطعہ ہوگا، پس یہ معنی صحیح ہوگا؛ یہ مبرد کا قول ہے۔ بعض نے کہا: اُمّ معنی پر معطوف ہے یعنی کیا ہم نے زمین اور آسمان کو کھیل بنایا یا یہ جو انہوں نے ہماری طرف منسوب کیا ہے ان کے لیے کوئی شبہ کا مقام ہے یا کیا جو اہل زمین سے خدا بنائے ہیں مردوں کو زندہ کرتے ہیں کیا انہیں کوئی شبہ ہے؟ بعض علماء نے فرمایا: لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۰﴾ پھر معاتبہ کے ساتھ اس پر عطف کیا ہے۔ ان دونوں تاویلوں پر اُمّ متعلقہ ہوگا۔ جمہور نے یُنشِرُونَ یا کے ضمہ اور شین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ انشراح اللہ المیت، فنشر سے مشتق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کیا تو وہ زندہ ہو گیا۔ حسن نے یا کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی وہ زندہ ہوتے ہیں اور مرتے نہیں۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۖ فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۱۰﴾
لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ﴿۱۱﴾ أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً ۚ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۚ هَذَا ذِكْرٌ مِمَّنْ مَعِيَ وَذِكْرٌ مِّنْ قَبْلِي ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۱۲﴾

”اگر ہوتے زمین و آسمان میں کوئی اور خدا سوائے اللہ تعالیٰ کے تو یہ دونوں برباد ہو جاتے پس پاک ہے اللہ تعالیٰ جو عرش کا رب ہے ان تمام نازیبا باتوں سے جو وہ کرتے ہیں۔ نہیں پرش کی جاسکتی اس کام کے متعلق جو وہ کرتا ہے اور ان (تمام سے) باز پرس ہوگی۔ کیا انہوں نے بنالیے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود، (اے حبیب!) آپ (انہیں) فرمائیے: پیش کرو اپنی دلیل یہ قرآن جو نصیحت ہے میرے ساتھ والوں کے لیے اور دوسری کتب جو نصیحت ہیں میرے پیشروؤں کے لیے (سب موجود ہیں ان کا کوئی حوالہ دو) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر حق کو نہیں جانتے اس لیے وہ (اس سے) منہ پھیرے ہوئے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا اللہ تعالیٰ کے سوا آسمانوں اور زمین میں اور معبود ہوتے تو یہ دونوں برباد ہو جاتے۔ کسائی اور سیبویہ نے کہا: الا بمعنی غیبر ہے جب الا بمعنی غیبر ہوتا ہے تو اس کے بعد والے اسم کو غیبر کے اعراب کے ساتھ اعراب دیا جاتا ہے، جیسا شاعر کا قول ہے:

وكلُّ أخٍ مفارقة أخوة لعنُّ أبيك إلا الفراقدان

سیبویہ نے حکایت کیا ہے: لوکان معنار جلّ اِلا زید لهلکنا۔ فراء نے کہا: یہاں الا بمعنی سوئی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کے سوا خدا ہوتے تو ان کے رہنے والے تباہ ہو جاتے۔ دوسرے علماء نے کہا: اگر ان میں دو خدا ہوتے تو تدبیر خراب ہو جاتی کیونکہ اگر ایک ایک چیز کا ارادہ کرتا اور دوسرا دوسری چیز کا ارادہ کرتا تو ایک ضرور عاجز آتا۔ بعض علماء نے فرمایا: لَفَسَدَتَا

کا معنی ہے دونوں خراب ہو جاتے اور شرکاء کے درمیان واقع کے اختلاف کے ساتھ تنازع کے وقوع کی وجہ سے ان میں جو کچھ ہے ہلاک ہو جاتے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ اپنی پاکیزگی بیان فرمائی اور بندوں کو حکم دیا کہ اس کی شریک یا بیٹے سے پاکیزگی بیان کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ۝ یہ قدر یہ وغیرہ کا رد ہے۔ ابن جریج نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ مخلوق اس سے اس کے فیصلہ کے متعلق نہیں پوچھ سکتی جو وہ اپنی مخلوق کے بارے میں فرماتا ہے لیکن وہ مخلوق سے ان کے اعمال کے بارے پوچھے گا کیونکہ وہ اس کے بندے ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ کل جن سے ان کے اعمال کے متعلق مواخذہ ہوگا جیسے مسیح اور ملائکہ تو وہ خدا ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کے افعال کا مواخذہ نہ ہوگا جبکہ لوگوں کا مواخذہ ہوگا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کہا: اے امیر المؤمنین! کیا ہمارا رب پسند کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے؟ حضرت علی نے فرمایا: کیا ہمارے رب کی جبراً نافرمانی کی جائے گی؟ اس شخص نے کہا: آپ بتائیں اگر اس نے مجھے ہدایت سے روکا اور مجھے ہلاکت دی تو کیا اس نے مجھ سے احسان کیا بابر کیا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو وہ تجھے تیرے حق سے منع کرے گا تو تیرے ساتھ اچھا نہیں کرے گا اور اگر اپنا فضل تجھ سے روک لے گا تو وہ اس کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، پھر یہ آیت تلات فرمائی: لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ۝ (1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور ان سے کلام فرمائی اور ان پر تورات نازل کی تو انہوں نے عرض کی: اے اللہ! تو عظیم رب ہے اگر تو چاہے کہ تیری اطاعت کی جائے تو تیری اطاعت کی جائے گی، اگر تو چاہے کہ تیری نافرمانی کی جائے تو تیری نافرمانی کی جائے گی تو پسند کرتا ہے کہ تیری اطاعت کی جائے جبکہ اس میں تیری نافرمانی نہیں کی جاتی ہے۔ یارب! یہ کیسے ہے؟ اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی: جو میں کرتا ہوں اس پر مجھ سے باز پرس نہیں کی جاسکتی اور لوگوں سے باز پرس کی جائے گی (2)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمْرًا تَخَذُوا مِنْ دُونِهَا لِيَهَيَّا لَكُمْ لِقَاءَ رَبِّكُمْ فِي يَوْمٍ تَحْتَسِبُونَ ۝ اس پر دلیل لاؤ۔ بعض علماء نے فرمایا: پہلا احتجاج معقول کی حیثیت سے ہے کیونکہ فرمایا: هُمْ يُنْشِئُونَ وہ مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ یہ تو بہت دور ہے۔ اور دوسرا احتجاج منقول کے ساتھ ہے یعنی اس جہت سے دلیل لاؤ کونسی کتاب میں یہ نازل ہوا ہے؟ قرآن میں یا دوسری کتب میں جو دوسرے انبیاء پر اتریں؟۔ هَذَا ذِكْرٌ مِّنْ مَّعْنَىٰ قُرْآنٍ مِّنْ تَوْحِيدِ كِتَابِ الْاِخْلَاصِ کا ذکر ہے۔ وَذِكْرٌ مِّنْ قَبْلِي تورات اور انجیل میں اور جو کتابیں نازل ہوئیں سب میں توحید کے اخلاص کا ذکر ہے۔ دیکھو کیا منزل شدہ کتب میں سے کسی کتاب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کسی کو خدا بنانے کا حکم دیا ہے؟ شرائع جو توحید کے متعلق ہیں مختلف نہیں ہیں۔ صرف اوامر و نواہی میں اختلاف ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ قرآن کی طرف اشارہ ہے۔ هَذَا ذِكْرٌ مِّنْ مَّعْنَىٰ جَوْ

حلال اور حرام میں سے ان کو لازم ہو یا یہ میرے ساتھیوں کے لیے ہے۔ وَذِكْرًا مِّن قَبْلِي مجھ سے پہلی امتوں کے لیے نصیحت ہے جو ایمان کے ساتھ نجات پا گئے اور شرک کر کے ہلاک ہو گئے۔ بعض علماء نے فرمایا: ذِكْرًا مِّن مَّعِي یعنی ایمان پر ثواب اور کفر پر عقاب جو ان کے لیے ہے۔ وَذِكْرًا مِّن قَبْلِي پہلی امتوں کے ساتھ جو دنیا میں کیا گیا اور جو آخرت میں ان کے ساتھ کیا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کلام کا معنی وعید اور تہدید ہے یعنی جو چاہو تم کرو، عنقریب پردہ اٹھ جائے گا۔ ابو حاتم نے حکایت کیا ہے کہ یحییٰ بن یمر اور طلحہ بن مصرف نے هَذَا ذِكْرًا مِّن مَّعِي وَذِكْرًا مِّن قَبْلِي پڑھا ہے تو یحییٰ کے ساتھ اور میم کے کسرہ کے ساتھ۔ ابو حاتم نے کہا: اس کی کوئی وجہ نہیں۔ ابو اسحاق زجاج نے اس قرأت کے بارے میں کہا: اس کا معنی ہے یہ نصیحت ہے اس میں سے جو میری طرف نازل کیا گیا اور اس میں سے جو میرے پاس ہے اور جو مجھ سے پہلے تھا۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے جو میں لے کر آیا ہوں یہ وہی ہے جو مجھ سے پہلے انبیاء لے کر آئے تھے۔

بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ ابْنِ مَيْمُونٍ اور حسن نے الحق پڑھا ہے بمعنی هو الحق۔ اور هذا هو الحق۔ اس بنا پر لَا يَعْلَمُونَ پر وقف ہوگا اور نصب کی قرأت کی صورت میں اس پر وقف نہ ہوگا۔ فَهُمْ مُّعْرِضُونَ ۝ یعنی وہ حق سے منہ پھیرے ہوئے ہیں اور وہ حق قرآن ہے پس وہ توحید کی حجت میں غور و فکر ہی نہیں کرتے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۝

”اور ہمیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ حُفْصٌ حمزہ اور کسائی نے نُوحِي إِلَيْهِ نون کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ پہلے اَرْسَلْنَا آیا ہے۔ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ۝ ہم نے سب کو کہا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عتلی دلائل شاہد ہیں کہ اس کا کوئی شریک نہیں اور تمام انبیاء سے نقل بھی موجود ہے۔ دلیل کی دو ہی صورتیں ہوتیں ہیں عتلی یا نقلی۔ قتادہ نے کہا: ہر نبی توحید کے پیغام کے ساتھ بھیجا گیا جبکہ تورات، انجیل اور قرآن میں شرائع مختلف تھے یہ تمام اخلاص اور توحید پر مشتمل ہیں۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ ۗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ ۝ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ

وَهُمْ بِأَمْرٍ ۖ يَعْلَمُونَ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ

ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ۝ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِّنْ دُونِهِ

فَذَلِك نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ۗ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝

”وہ کہتے ہیں: بنا لیا ہے رحمن نے (اپنے لیے) بیٹا سبحان اللہ (یہ کیونکر ہو سکتا ہے) وہ تو (اس کے) معزز بندے ہیں۔ ہمیں سبقت کرتے اس سے بات کرنے میں اور وہ اسی کے حکم پر کار بند ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو

کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے گزر چکا ہے۔ اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لیے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ (اس کی بے نیازی کے باعث) اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں۔ اور جو ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا تو اسے ہم سزا دیں گے جہنم کی، یونہی ہم سزا دیا کرتے ہیں ظالموں کو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ ۗ يَخِزٰنَةُ قَبِيْلَهٗ ۚ كَے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے کہا: فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور وہ اس امید سے ان کی عبادت کرتے ہیں کہ وہ ان کی سفارش کریں گے۔ معمر نے قتادہ سے روایت کیا ہے فرمایا: یہودیوں نے کہا معمر نے اپنی روایت میں کہا لوگوں میں سے ایک طائفہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے جنوں سے رشتہ جوڑا اور ملائکہ جنوں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سُبْحٰنَهُ ۗ وہ اس سے پاک ہے۔ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۙ ﴿۱۰﴾ بلکہ ملائکہ تو اس کے معزز بندے ہیں ایسا نہیں جیسا کہ کفار نے کہا ہے۔ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ کو زجاج کے نزدیک منصوب پڑھنا بھی جائز ہے۔ اس معنی پر بل اتخذ عباداً مکرمین، الولد کا لفظ یہاں جمع کے لیے ہے کبھی واحد اور جمع کے لیے ولدا استعمال ہوتا ہے یہ بھی جائز ہے کہ الولد کا لفظ جنس کے لیے ہو جیسا کہ کہا جاتا ہے: لفلان مال، لَا يَسْبِقُوْنَهُ بِالْقَوْلِ یعنی وہ نہیں کہتے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اور وہ نہیں بولتے مگر جس کے ساتھ بولنے کا اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے۔ وَهُمْ بِأَمْرٍ يُعْمَلُوْنَ ﴿۱۱﴾ وہ اس کی طاعت و اوامر کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ یعنی وہ اسے بھی جانتا ہے جو انہوں نے عمل پہلے کیا اور اسے بھی جانتا ہے جو یہ کر رہے ہیں، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ کا معنی ہے جو آخرت میں ہوگا۔ وَمَا خَلْفَهُمْ جو دنیا میں تھا؛ پہلا قول ثعلبی نے ذکر کیا ہے، دوسرا قشیری نے ذکر کیا ہے۔ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی شہادت دینے والے ہیں۔ مجاہد نے کہا: ہر وہ شخص مراد ہے جس سے اللہ راضی ہوگا۔ ملائکہ قیامت کے روز شفاعت کریں گے جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں ہے اور دنیا میں بھی فرشتے مومنین کے لیے اور اہل زمین کے لیے استغفار کرتے ہیں جیسا کہ قرآن کی نص موجود ہے: وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ﴿۱۲﴾ فرشتے اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ڈرتے رہتے ہیں وہ اس کے عذاب سے امن میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ ۗ إِيَّاهُ وَرَبَّهُ ۚ وَقَدْ أَخَذَ مَنَّا الْمِيثَاقَ غَدًّا ۖ لَا نَسُوا ۖ إِنَّمَا أَنتَ مُنْقَذَةٌ ۚ فَأَعْرَضُوا ۚ فَأَنْسُوا ۚ فَكُنْتُمْ أَصْحَابَ السُّورَةِ ۚ وَمَنْ يَّعْمَلْ خَيْرًا يَّرَهُ ۗ إِيَّاهُ وَرَبَّهُ ۚ وَسَخَّرْنَا بَحْرَ الْمَدْيَنَةِ لَهُمْ فَيَأْكُلُونَ مِنْ ثَمَرِهِمْ وَمِنْ عَمَلِهِمْ ۚ إِنَّهُمْ لَأَطَّاعُونَ ﴿۱۳﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت سے مراد ابلیس ہے جس نے شرکت کا دعویٰ کیا تھا اس نے اپنی عبادت کی طرف بلا یا جبکہ وہ ملائکہ میں سے تھا۔ اس کے علاوہ ملائکہ میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ میں خدا ہوں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ تمام ملائکہ کی طرف اشارہ ہے۔ جو ایسا کہے گا نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ہم اسے جہنم کی سزا دیں گے۔ یہ دلیل ہے کہ اگرچہ وہ عصمت کے ساتھ عزت دیے گئے ہیں پھر بھی وہ عبادت کرتے ہیں وہ عبادت پر مجبور نہیں ہیں جیسا کہ بعض جہلاء کا خیال ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل آسمان سے افضل ہیں۔ یہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ یعنی جس طرح اس کو ہم نے آگ کے ساتھ جزا دی اسی طرح ہم ان ظالموں کو جزا دیں گے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کے لیے الوہیت اور عبادت کا قول وضع کرتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ إِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ۖ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا

مِنَ الْمَاءِ كُلِّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٠﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رِجْسًا وَمَا فِيهَا
 تَمِيذًا لَهُمْ ۖ وَجَعَلْنَا فِيهَا مِجَابًا مَّرْجًا سُبُلًا لِّعَلَّاهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٥١﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا
 مَحْفُوظًا ۚ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرَضُونَ ﴿٥٢﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ
 وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۗ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٥٣﴾

”کیا کبھی غور نہیں کیا کفر و انکار کرنے والوں نے کہ آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے پھر ہم نے الگ الگ کر دیا انہیں اور ہم نے پیدا فرمائی پانی سے ہر زندہ چیز، کیا وہ اب بھی ایمان نہیں لاتے۔ اور ہم نے بنا دیئے زمین میں بڑے بڑے پہاڑ تاکہ زمین لرزتی نہ رہے ان کے ساتھ اور بنا دیں ہم نے ان پہاڑوں میں کشادہ راہیں تاکہ وہ (اپنی منزل مقصود کا) راستہ پاسکیں۔ اور ہم نے بنایا آسمان کو ایک چھت جو (شکست و ریخت سے) محفوظ ہے اور وہ لوگ (اب بھی) اس کی نشانیوں سے روگردانی کیے ہوئے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا لیل و نہار کو اور مہر و ماہ کو سب (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا** اکثر کی قرأت اولم یرو، واؤ کے ساتھ ہے۔ ابن کثیر، ابن محیسن، حمید، شبل بن عباد نے الم یرو، بغیر واؤ کے پڑھا ہے اسی طرح مکہ کے مصحف میں ہے، **أُولَٰئِكَ** بمعنی یعلم ہے۔ **الَّذِينَ كَفَرُوا** **أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا**، کانتا یہ دو قسمیں ہیں جیسے عرب کہتے ہیں: ہما لقاحان اسودان جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُكَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْ تَرَوْهَا (فاطر: 41)** ابو اسحاق نے کہا: السماوات کو لفظ سماء سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ السماوات ایک سماء تھے۔ اسی طرح الأرضون ہے۔ رتقا فرمایا رتقین نہیں فرمایا کیونکہ یہ مصدر ہے، معنی یہ ہے کانتا ذائق رتق۔ حسن نے رتقا سماء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ عیسیٰ بن عمر نے کہا: یہ درست ہے یہ ایک لغت ہے۔ الرتق کا معنی سد (بند) ہے اور یہ الفتق (پھٹنا) کی ضد ہے۔ **رَتَقْتُ الْفَتْقَ** اَرْتَقُ فَارْتَقُ میں نے پھٹن کو ملایا تو وہ جڑ گئی۔ اسی سے الرتقاء ہے وہ عورت جس کی فرج ملی ہوئی ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، عطاء، خضاک اور قتادہ نے فرمایا: یہ ایک چیز تھی، ملے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے ہوا کے ذریعے ان کے درمیان فاصلہ کیا، اسی طرح کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا یہ ایک دوسرے کے اوپر تھے پھر اس کے وسط میں ہوا پیدا کی تو ہوا کے ذریعے ان کو جدا جدا کر دیا اور آسمان سات بنائے زمینیں بھی سات بنائیں؛ یہ قتیبی نے عیون الاخبار میں اسماعیل بن ابی خالد سے **أُولَٰئِكَ** **الَّذِينَ كَفَرُوا** الخ کے تحت حکایت کیا ہے فرمایا: آسمان ایک مخلوق تھی اور زمین ایک مخلوق تھی پھر ایک آسمان سے سات آسمان بنائے اور اس ایک زمین سے سات زمینیں بنائیں۔ اوپر والی زمین بنائی تو اس کے رہائشی جن وانس بنائے اس میں نہریں نکالیں اور اس میں پھل اگائے اس میں دریا بنائے اور اس کو رعاء، نام دیا اس کا عرض پانچ سو سال ہے پھر دوسری زمین کو تخلیق کیا تو اس کا عرض اور موٹائی بھی پہلی زمین کی طرح تھا اس میں کئی قومیں بنائیں، ان کے منہ کتوں کے مونہوں کی طرح

ہیں، ہاتھ انسانوں کی طرح ہیں، کان گائیوں کے کانوں کی طرح ہیں، ان کے بال بکریوں کے بالوں کی طرح ہیں۔ جب قیامت قریب آئے گی تو زمین انہیں یا جوج و ماجوج پر پھینک دے گی اس زمین کا نام الد کساء ہے۔ پھر تیسری زمین کو پیدا کیا اس کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اس سے ہوا زمین کی طرف آتی ہے۔ چوتھی زمین میں تاریکی اور ان پچھوؤں کو پیدا کیا جو دوزخیوں کے لیے ہیں وہ کالے خچروں کی طرح ہیں ان کے دم گھوڑوں کے دم کی مثل لے ہیں وہ ایک دوسرے کو کھاتے ہیں پس وہ بنی آدم پر مسلط کیے جاتے ہیں۔ پھر اللہ نے پانچویں زمین کو پیدا فرمایا جو موٹائی اور طول و عرض میں پہلی کی مثل ہے اس میں زنجیریں، بیڑیاں اور قیود ہیں جو دوزخیوں کے لیے ہیں۔ پھر چھٹی زمین کو پیدا فرمایا اس کا نام ماد ہے اس میں کالے پتھر ہیں اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی تیار کی گئی۔ قیامت کے روز ان پتھروں کو نکالا جائے گا ان میں سے ہر پتھر بڑے پہاڑ کی مانند ہوگا یہ کبریت سے کفار کے گلے میں لٹکائے جائیں گے پھر وہ بھڑکائے جائیں گے حتیٰ کہ وہ ان کے چہروں اور ہاتھوں کو جلادیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَاتُ (البقرہ: 24)** پھر اللہ تعالیٰ نے ساتویں زمین کو پیدا کیا اس کا نام عریبہ ہے اس میں جہنم ہے۔ اس میں دو دروازے ہیں ایک کا نام بحین ہے اور دوسرے کا نام الفلق ہے، بحین کھلا ہوا ہے کفار کا نامہ اعمال اس تک پہنچتا ہے، اس پر اصحاب ماندہ اور قوم فرعون پیش کیے جاتے ہیں۔ رہا الفلق دروازہ تو وہ بند ہے قیامت تک نہیں کھولا جائے گا۔ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ سات زمینیں ہیں ہر دوزمینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اس کا مزید بیان سورہ الطلاق کے آخر میں آئے گا۔ تیسرا قول عکرمہ، عطیہ، ابن زید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی ہے جو مہدوی نے ذکر کیا ہے کہ آسمان طے ہوئے تھے بارش نہیں برساتے تھے اور زمین طے ہوئی تھی اس پر کچھ نہیں اگتا تھا۔ پس آسمان کو بارش کے ساتھ پھاڑا اور زمین کو نبات کے ساتھ کھولا اس کی مثال یہ آیت ہے: **وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۗ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۗ (الطارق)** اس قول کو طبری نے اختیار کیا ہے کیونکہ اس کے بعد ہے **وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۗ فَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۗ**

میں کہتا ہوں: اس کے ساتھ از روئے مشاہدہ اور معاینہ کے اعتبار سے واقع ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کے متعلق دوسری آیات میں خبر دی تاکہ اس کے کمال قدرت اور جزا پر دلالت کرے۔ شاعر نے کہا:

يَهُونُ عَلَيْهِمْ إِذَا يَغْضَبُوْنَ سَخَطَ الْعِدَاةِ وَارْغَامُهَا
وَرَتَقَ الْفُتُوْقَ وَفُتِقَ الرِّتُوْقَ وَنَقَضَ الْأُمُوْرَ وَابْرَامُهَا

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۗ** اس میں تین تاویلات ہیں: (۱) ہر چیز کو پانی سے پیدا کیا، یہ قتادہ کا قول ہے۔ (۲) ہر چیز کی زندگی کی حفاظت پانی کے ذریعے کی۔ (۳) صلب کے پانی سے ہر زندہ چیز کو بنایا، یہ قطرب کا قول ہے (۱)۔ **وَجَعَلْنَا** بمعنی خلقنا ہے۔ ابو حاتم بستی نے اپنی مسند الصحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے فرمایا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب میں آپ کو دیکھتا ہوں تو میرا دل خوش ہوتا ہے، میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی

ہیں مجھے ہر چیز کے متعلق بتائیے۔ فرمایا: ”ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے“۔ ابو حاتم نے کہا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کا قول: انبثنی عن کل شیء (مجھے ہر چیز کے متعلق بتائیے) اس سے بروہ چیز مراد ہے جو پانی سے پیدا کی گئی ہے۔ اس کی صحت پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب ہے کہ آپ نے فرمایا: ”ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے“۔ اگرچہ مخلوق نہ تھی۔ یہ آسمانوں اور زمین کے رتقا ہونے کے علاوہ یہ دوسری حجت ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: الکل یذکر بمعنی البعض ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ اُوْتِیْتُمْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ** (النمل: 23) اور ارشاد ہے: **تُدَوِّرُ كُلَّ شَیْءٍ بِحِزْبٍ** (الاحقاف: 25) الصیح عموم ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کل شیء خلق من الساء ہر چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے۔ **اَفَلَا یُبْیِّنُوْنَ** یعنی کیا وہ جو مشاہدہ کرتے ہیں اس کی وجہ سے تصدیق نہیں کرتے یہ سب کچھ خود بخود تو نہیں ہوا بلکہ کسی بنانے والے کے بنانے سے ہوا اور کسی مدبر کی تدبیر سے سب کچھ ہوا اور اس مکون کا حادث ہونا جائز نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ جَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَیْضًا لِّیَعْنٰی ثَابِتًا وَقَائِمًا** پہاڑ۔ **اَنْ تَمِیْدًا** یعنی تاکہ ان کے ساتھ لرزتی نہ رہے اور حرکت نہ کرتی رہے تاکہ اس پر قرار مکمل ہو؛ یہ کوفیوں کا قول ہے۔ بصریوں نے کہا: معنی ہے کراہیہ۔ **اَنْ تَمِیْدًا** یعنی حرکت کرنے کی کراہیت کی وجہ سے۔ المید کا معنی حرکت کرنا اور گردش کرنا ہے۔ کہا جاتا ہے: **مَادَرَا سُه** یعنی اس کا سرچکرایا اس پر تفصیلی گفتگو سورہ النحل میں گزر چکی ہے۔ **وَ جَعَلْنَا فِیْہَا فِجَاجًا** یعنی ان پہاڑوں میں راستے بنائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے الفجا جراتے۔ الفج دو پہاڑوں کے درمیان کھلا راستہ۔ بعض علماء نے فرمایا: ہم نے زمین میں راستے بنائے، یہ طبری کا اختیار ہے کیونکہ فرمایا: **لَعَلَّہُمْ یَهْتَدُوْنَ** زمین میں چلنے کی طرف ہدایت پائیں۔ **سُبُلًا**۔ الفجا کی تفسیر ہے کیونکہ افج کبھی نافذ راستہ کو کہتے ہیں اور کبھی ایسا نہیں ہوتا۔ بعض نے فرمایا: تاکہ ان کے ذریعے اپنے دین کی طرف راہنمائی حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ جَعَلْنَا السَّمَاةَ سَفَافًا مَّحْفُوْطًا** یعنی گرنے اور زمین پر سقوط سے محفوظ کیا، اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: **وَ یُنْسِکُ السَّمَاةَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِہِ** (الحج: 65) بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ستاروں کے ذریعے، شیطانوں سے اس کو محفوظ کیا؛ یہ فرما کا قول ہے اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: **وَ حَفِظْنٰہَا مِنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ** (العنکبوت: 17) بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ٹوٹنے پھوٹنے سے محفوظ بنایا اور اس سے محفوظ کیا کہ کوئی حیلہ کے ساتھ اس تک پہنچ سکے۔ بعض نے فرمایا: ایسا محفوظ بنایا کہ ستون کا محتاج نہیں۔ مجاہد نے محفوظ کا معنی مرفوعاً (بلند کیا گیا) بیان کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: شرک اور معاصی سے محفوظ کیا۔ **وَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِہَا مُعْرِضُوْنَ** یعنی کفار اس کی نشانیوں سے اعراض کرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: نشانیوں سے مراد سورج اور چاند ہیں۔ آیات کی اضافت آسمان کی طرف کی کیونکہ وہ نشانیاں آسمان میں بتائی گئی ہیں۔ جبکہ نئی مقامات پر آیات کی نسبت اپنی طرف بھی کی کیونکہ وہی ان کا فاعل حقیقی ہے۔ فرمایا: مشرکین آسمانوں میں اور ان کی نشانیوں میں، رات اور دن میں، شمس و قمر میں، آسمانوں کے افلاک میں، ان کی ہواؤں میں اور ان کے بادلوں میں اور ان میں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں ان میں غور و فکر کرنے سے غافل ہیں اگر وہ غور و فکر کرتے تو جان لیتے کہ ان کا

کوئی صانع ہے، قادر ہے اور وہ واحد ہے۔ اس کا شریک ہونا محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ** انہیں ایک اور نعمت یاد دلائی ان کے لیے رات بنائی تاکہ اس میں آرام کریں، دن بنایا تاکہ اس میں اپنی معاش کے لیے تصرف کریں۔ **وَالْقَمَرَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ** سورج کو دن کی نشانی بنایا اور چاند کو رات کی نشانی بنایا تاکہ مہینے، سال اور حساب معلوم ہو جیسا کہ سورہ سبحان میں گزر چکا ہے۔ **كُلٌّ** یعنی سورج، چاند، ستارے، کواکب، لیل و نہار میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔ **فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ** ⑤ تیزی کے ساتھ چلتے ہیں جیسے پانی میں تیرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور وہ اصدق القائلین ہے: **وَالشَّيْخِطِ سَبْحًا** ⑥ (النازعات) وہ گھوڑا جو لمبا پاؤں رکھتا ہے دوڑنے میں اسے سانح کہتے ہیں۔ یسبحن اور لاتسبح نہیں فرمایا۔ سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ جب ان کے متعلق ذوی العقول کے فعل کے ساتھ خبر دی تو طاعت میں بھی انہیں ذوی العقول کے قائم مقام رکھا۔ ان کے متعلق واو اور نون کے ساتھ خبر دی۔ اسی طرح فراء نے کہا۔ یہ مفہوم سورہ یوسف میں گزر چکا ہے۔ کسائی نے کہا: **يَسْبَحُونَ** فرمایا کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **نَحْنُ جَبَّيْعُ مُنْتَهَى** ⑦ (القمر) منتصرون نہیں فرمایا۔ بعض نے کہا: چلنا فلک کے لیے ہے۔ پس اس کی طرف نسبت کر دی گئی۔ صحیح یہ ہے کہ سیارہ فلک میں چلتا ہے۔ آسمانوں کے علاوہ سات افلاک ہیں۔ اور وہ آسمان فرشتوں کی جولانگاہ ہیں؛ زر ملکوت کے اسباب ہیں اور چاند نچلے فلک میں ہے اور پھر عطارد، پھر زہرہ، پھر سورج، پھر مریخ پھر مشتری پھر زحل ہے اور آٹھواں بروج کا فلک اور نواں الفلک الاعظم ہے۔ فلک، نجوم کے افلاک کا واحد ہے۔ ابو عمرو نے کہا: اس کی جمع فعل پر جائز ہے جیسے **أَسَدٌ وَأَسْدٌ، خَشَبٌ وَخُشْبٌ، فَلَکٌ** کا اصل معنی گردش کرنا ہے۔ اسی سے **فَلَکَةُ** المغزل چرنے کا پرتہ جو گھومتا ہے؛ اسی سے کہا جاتا ہے: **فَلَکَتِ** الیوم تغلیباً کاعورت کے پستان کا گول ہونا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: **ترکت فرسی کانتہ یدور فی فلک، (1) میں نے گھوڑے کو چھوڑا گویا وہ فلک میں گردش کر رہا ہے۔ اس کی گردش کی وجہ سے آسمان کے فلک کے ساتھ تشبیہ دی جس پر ستارے گھومتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: الافلاک ستاروں، سورج اور چاند کی گزرگاہیں ہیں۔ فرمایا: آسمان اور زمین کے درمیان ہیں۔ قتادہ نے کہا: الفلک آسمان میں گردش ہے۔ آسمان کے ثبوت کے ساتھ ستاروں کے ساتھ گھومتا ہے۔ مجاہد نے کہا: فلک، چکی کے قطب کی طرح ہے۔ ضحاک نے کہا: فلک سے مراد ان کا گزرنا اور تیزی سے چلنا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: فلک ایک موج ہے جو روکی گئی ہے، اس میں چاند اور سورج کی گزرگاہ ہے۔ واللہ اعلم۔**

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِن مِّن مَّتَّ فَهُمْ الْخَالِدُونَ ⑧ **كُلُّ نَفْسٍ**

ذَآبِقَةُ الْمَوْتِ ⑨ **وَنَبَلُّوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً** ⑩ **وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ** ⑪

”اور نہیں مقدر کیا ہم نے کسی انسان کے لیے جو آپ سے پہلے گزرا (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنا تو اگر آپ انتقال فرما

جائیں تو کیا یہ لوگ (یہاں) ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ہر نفس موت (کامزہ) چکھنے والا ہے، اور ہم خوب آزماتے

ہیں تمہیں برے اور اچھے حالات سے دوچار کر کے اور (آخر کار) تم سب کو ہماری طرف ہی لوٹ آنا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ دُنْيَا فِي مِيشِه بَاتِي رَبَّنَا۔** کفار نے کہا: ہم محمدؐ سے پہلے ہر پر گردش زمانہ کا انتظار کرتے ہیں۔ مشرکین آپؐ سے پہلے ہیہم کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے: یہ شاعر ہے ہم ان پر گردش زمانہ (موت) کا انتظار کرتے ہیں شاید یہ فوت ہو جائے گا جیسا کہ بنی فلاں کا شاعر فوت ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ سے پہلے انبیاء کا وصال ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خود حفاظت کرتا ہے اسی طرح ہم آپ کے دین اور شریعت کی حفاظت کریں گے۔ **أَقَابِنُ مَتَّ فَهَمُّ الْخُلْدُونَ** ۝ اہم یعنی کیا وہ ہمیشہ رہیں گے؛ شاعر نے کہا:

رَفُونُ وَقَالُوا يَا خَوِيدُ لَأَسْرَمُ فَقُلْتُ وَأَنْكَرْتُ الْوَجُوهَ حُمُ حُمُ

یعنی اہم۔ یہ استنبہام انکاری ہے۔ فراء نے کہا: یہ فاء کے ساتھ آیا ہے تاکہ شرط پر دلالت کرے یہ ان کے قول: **سَيَبُوتُ** (وہ فوت ہو جائے گا) کا جواب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ فاء کے ساتھ لایا گیا کیونکہ اس کی تقدیر یوں ہے: **أَفْهَمُ الْخَالِدُونَ** ان مت۔ فراء نے کہا: فاء کا حذف اور اس کا اضمار دونوں جائز ہیں، کیونکہ ہم میں اعراب ظاہر نہیں ہوتا، یعنی **إِنْ مَتَّ فَهَمُّ يَسُوتُونَ** ایضاً اگر آپ کا انتقال ہوگا تو یہ بھی مرے گے۔ پس آپ کے وصال پر خوشی نہیں کرنی چاہیے۔ **مَتَّ** اور **مَتَّ**، میم کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارتداد ہے: **كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ** یہ سورہ آل عمران میں گزر چکا ہے۔ **وَنَبَلُّوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً، فِتْنَةً** غیر لفظ پر مصدر ہے یعنی ہم شدت، رخوت، حلال اور حرام کے ساتھ تمہیں آزمائیں گے پھر دیکھیں گے تم کیسے شکر و صبر کرتے ہو؟ **وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ** اعمال کی جزا کے لیے ہماری طرف لوٹنا ہے۔

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ

وَهُمْ يَذْكُرُونَ الرَّحْمَنَ هُمْ كَفَرُونَ ۝

”اور جب دیکھتے ہیں آپ کو وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے تو آپ سے بس تمسخر کرنے لگتے ہیں (کہتے ہیں) کیا یہی وہ صاحب ہیں جو (برائی سے) ذکر کیا کرتے ہیں تمہارے خداؤں کا حالانکہ وہ (کفار) رحمن کے ذکر سے خود (یکسر) انکاری ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا** اس آیت میں ان نافیہ ہے۔ **الْهُزُوءُ** کا معنی مزاق کرنا ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ استہزاء کرنے والے وہی ہیں جن کا ذکر سورہ الحجر میں **إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ** ۝ (الحجر) کے تحت گزر چکا ہے۔ وہ اس کو مبعوث سمجھتے تھے جو ان کے بتوں کے الہ ہونے کا انکار کرتا تھا اور خود رحمن کی الوہیت کا انکار کرتے تھے۔ یہ انتہائی جہالت ہے۔ **أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ** یعنی وہ کہتے ہیں: کیا یہ ہے وہ؟ قول کو مضمحل کیا گیا ہے اور وہ اذا کا جواب ہے۔ **إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا**، اذا اور اس کے جواب کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ یعنی برائی اور عیب کے ساتھ تمہارے خداؤں کا ذکر کرتا ہے؛ عنترہ کا قول ہے:

لَا تَذْكُرِي مُهْرِي وَمَا أَطْعَمْتَهُ فَيَكُونُ جِلْدُكَ مِثْلَ جِلْدِ الْأَجْرِبِ

یعنی میرے مہر کو عیب نہ لگا۔

وَهُمْ بِذَلِكَ الرَّحْمٰنِ یعنی وہ قرآن کا انکار کرتے ہیں۔ هُمْ كَفَرُوْنَ ۝ دوسرا هُمْ ان کے کفر کی تاکید ہے، یعنی وہ ہی انکار کرنے والے ہیں۔ ان کے وصف کفر میں مبالغہ کیا۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۚ سَاوِرٰیكُمۡ اٰیٰتِیۡ فَلَا تَسْتَعْجِلُوۡنَ ۝۵۰ وَیَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی
هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیۡنَ ۝۵۱ لَوِیَعْلَمُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا حِیۡنَ لَا یَكْفُوۡنَ عَنۡ
وُجُوۡهِہُمُ النَّارَ وَلَا عَنۡ ظُہُوۡرِہِمۡ وَلَا هُمْ یُنۡصَرُوۡنَ ۝۵۲ بَلۡ تَاۡتِیۡہِمۡ بَغۡتَۃٌ فَنَبۡہَتُہُمۡ
فَلَا یَسۡتَیۡعُوۡنَ رَاۡدَہَاۡ وَلَا هُمْ یُنۡظَرُوۡنَ ۝۵۳

”انسان کی سرشت میں ہی جلد بازی ہے میں عنقریب تمہیں (خود ہی) اپنی نشانیاں دکھاؤں گا سو تم مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کرو۔ اور وہ کہتے ہیں: کب پورا ہوگا یہ (قیامت کا) وعدہ؟ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ کاش! جانتے کفار (اس وقت کو) جب وہ نہ روک سکیں گے اپنے چہروں سے آگ (کے شعلوں) کو اور نہ اپنی پشتوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی، بلکہ وہ آئے گی ان کے پاس ناگہانی سوائیں بدحواس کر دے گی پھر وہ نہ اسے روک سکیں گے اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ یعنی عجلت پر مرکب کیا گیا ہے۔ اس کی فطرت میں تیزی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِنْ ضَعِیۡفٍ (الروم: 54) یعنی انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے کہا جاتا ہے: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنَ الشَّرِّ یعنی شریر پیدا کیا گیا ہے۔ جب کسی کے وصف شر میں مبالغہ کرنا ہو تو اس طرح کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: انت ذہاب و معجی یعنی تو آنے، جانے والا ہے، یعنی انسان کی طبع میں عجلت رکھی گئی ہے۔ بہت سی اشیاء کے لیے جلدی کرتا ہے اگرچہ وہ اس کے لیے مضر بھی ہوں پھر بعض علماء نے فرمایا: انسان سے حضرت مراد آدم علیہ السلام ہیں۔ سعید بن جبیر اور سدی نے کہا: جب روح حضرت آدم علیہ السلام کی آنکھوں میں داخل ہوئی تو انہوں نے جنت کے پھلوں کو دیکھا جب روح پیٹ میں داخل ہوئی تو کھانے کا شوق کیا، نالگوں میں روح کے پہنچنے سے پہلے جنت کے پھلوں کی طرف جلدی کی اللہ تعالیٰ کے ارشاد: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سے یہی مراد ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن آخری وقت میں پیدا کیا گیا جب اللہ تعالیٰ نے ان کے سر کو زندہ کیا تو انہوں نے جلدی کی اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے اس میں روح کے پھونکنے کی تکمیل طلب کی؛ یہ کلبی اور مجاہد وغیرہ کا قول ہے۔ ابو عبیدہ اور بہت سے اہل معانی نے کہا: حمیر قبیلہ کی لغت میں العجل مٹی کو کہتے ہیں اور بطور استشہاد یہ شعر پڑھا:

وَالنَّخْلُ یَنْبِتُ بَیۡنَ الْمَاءِ وَالْعَجَلِ

بعض علماء نے فرمایا: انسان سے مراد تمام انسان ہیں۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد نضر بن حرث بن علقمہ بن کلدہ بن عبدالدار ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر میں ہے جو حقیر مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی آیات اور

رسول کریم ﷺ کے معجزات سے استہزاء مناسب نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ مقلوب ہے یعنی خلق العجل من الإنسان؛ یہ ابو عبیدہ کا مذہب ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قول ایسا ہے کہ کتاب اللہ میں اس کے ساتھ جواب دینا مناسب نہیں کیونکہ قلب اشعار میں اضطراری طور پر واقع ہوتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

كَانَ الزَّيْنَةُ فَرِيضَةً الرَّجْمِ

زنا (رجم کا فریضہ ہے) اس کی مثال یہ آیت ہے: خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ یہ سورہ سبحان میں گزر چکا ہے۔ سَأَوْرِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ① یہ پہلے کی تائید کرتا ہے۔ طبع انسان میں عجلت ہے اس کی ایسی تخلیق کی گئی ہے کہ یہ برداشت نہیں کرتا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ یہ سورہ سبحان میں گزر چکا ہے۔ اور آیات سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت محمد ﷺ کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ محمود انجام ہے جو اپنے محبوب کے لیے بنایا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: آیات سے مراد وہ عذاب ہے جو انہوں نے طلب کیا تھا اور انہوں نے استعجال کا ارادہ کیا تھا انہوں نے کہا: مَتَى هَذَا الْوَعْدُ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ہر چیز کے لیے ایک مقرر وقت ہوتا ہے یہ نصر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور انہوں نے جب کہا: إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ (الانفال: 32) (اگر یہ حق ہے) انخس سعید نے کہا: خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ اس کا معنی ہے اس کو کہا گیا: کن (ہو جا) فکان (تو وہ ہو گیا) فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ اس قول کی بناء پر کہ جو کسی چیز کو کن کہتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے۔ وہ بات جس کے لیے وہ جلدی کر رہے ہیں اس کا اظہار کرنا اس کو عاجز نہیں کرتا۔ وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ یعنی اس کا وعدہ کیا گیا ہے جیسے کہا جاتا ہے: اللہ رجاءنا بمعنی مرجوننا۔ بعض نے فرمایا: الوعد یہاں بمعنی وعید ہے یعنی جس عذاب کا وہ ہم سے وعدہ کرتا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد قیامت ہے۔ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ② اے مومنین کے گروہ! اگر تم سچے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا فِي عِلْمِ اللَّهِ لَوَعَدْنَهُمْ جَذَابًا يَلْتَمِسُونَ ③ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا فِي عِلْمِ اللَّهِ لَوَعَدْنَهُمْ جَذَابًا يَلْتَمِسُونَ (الانفال: 60) اور لو کہ جواب محذوف ہے، یعنی اگر وہ اس وقت کو جان لیتے جس میں وہ اپنے چہروں سے اور اپنی چیمٹھوں سے آگ کے شعلوں کو نہ روک سکیں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی اگر وہ اسکو جان لیتے تو وعید کے لیے جلدی نہ کرتے۔ زجاج نے کہا: اگر وہ جان لیتے تو وعدہ کی سچائی کو جان لیتے۔ بعض نے فرمایا: اگر وہ اسے جان لیتے تو وہ کفر پر قائم نہ رہتے اور ایمان لے آتے۔ کسائی نے کہا: یہ قیامت کے وقوع کے تحقق پر تشبیہ ہے، یعنی اگر وہ علم یقین سے جان لیتے تو جان لیتے کہ قیامت آنے والی ہے اور اس پر دلیل بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً ④ ہے یعنی قیامت ان کے پاس آئے گی۔ بَغْتَةً سے مراد قیامت ہے۔ بعض نے کہا: عقوبت ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ آگ ہے جس سے بچاؤ کے کسی حیلہ پر قادر نہ ہوں گے۔ فَتَبْهَتُهُمْ جوہری نے کہا: بہتہ بہتا اس کا معنی اچانک پکڑ لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ۔ فراء نے کہا: اس کا معنی ہے وہ انہیں حیران و ششدر کر دے گی۔ کہا جاتا ہے: بہتہ بہتہ جب کوئی کسی چیز کے سامنے آئے اور وہ اسے حیران کر دے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ ان کے پاس اچانک آئے گی۔ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَدًّا هَادٍ ابْنِ حِبْرَةَ سے اسے دور نہیں کر سکیں گے۔ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ⑤ انہیں تو بہ کرنے اور عذر پیش کرنے کی مہلت نہیں دی جائے گی۔

وَلَقَدْ اسْتَهْزِئُ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالذِّينِ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ

يَسْتَهْزِئُونَ ۝

”پس نازل ہوا ان لوگوں پر جو تمسخر کیا کرتے تھے ان میں سے وہ عذاب جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ اسْتَهْزِئُ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور تعزیت کے لیے ہے۔ فرمایا: اراہوں نے آپ کا مذاق اڑایا ہے تو آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا پس آپ صبر کا مظاہرہ کریں جس طرح انہوں نے صبر کیا تھا۔ پھر نصرت کا وعدہ فرمایا۔ فَحَاقَ گھیر لیا۔ بِالذِّينِ جنہوں نے کفر کیا اور مذاق اڑایا۔ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ یعنی ان کے استہزاء کی جزا نے۔

قُلْ مَن يَكْلُوْكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۗ بَلْ هُمْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِمْ

مُعْرِضُونَ ۝۲۱ اَمْ لَهُمْ اِلٰهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۗ لَا يَسْتَطِيعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ

مِنَّا يَصْحَبُوْنَ ۝۲۲ بَلْ مَتَّعْنَاهُمْ اَوْلَادًا وَاَبَاءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۗ اَفَلَا يَرَوْنَ

اَنَّا اَتَيْنَا الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۗ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝۲۳

”آپ پوچھیے: (اے منکرو!) کون ہے جو تمہاری رات بھر اور دن بھر خدائے رحمن سے

(اگر وہ تمہیں عذاب دینا چاہے) مگر (ان سے کیا پوچھنا) یہ تو اپنے رب کے ذکر سے ہی روگرداں ہیں۔ کیا ان

کے اور خدا ہیں جو بچا سکتے ہیں انہیں (عذاب سے) ہمارے سوا وہ جھوٹے معبود تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور

نہ انہیں ہماری تائید میسر ہوگی۔ بلکہ ہم نے (عیش و آرام کا) سامان دیا انہیں اور ان کے آباء و اجداد کو حتیٰ کہ (اسی

عیش و آرام میں) ان پر لمبا عرصہ گزر گیا (اور وہ سرکش ہو گئے) کیا وہ ملاحظہ نہیں کر رہے کہ ہم زمین (کی

وسعتوں) کو گھٹائے چلے جا رہے ہیں اس کی (چاروں) سمتوں سے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ مَن يَكْلُوْكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۗ اَمْ لَهُمْ اِلٰهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۗ لَا يَسْتَطِيعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ

مِنَّا يَصْحَبُوْنَ ۝۲۱ اَمْ لَهُمْ اِلٰهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۗ لَا يَسْتَطِيعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ

شاعر نے کہا::

اِنَّ سَلِيْسِي وَ اَللّٰهُ يَكْلُوْهَا ضَمَّتْ بَشُوْنَ مَا كَانَ يَزُوْهَا

دوسرے شاعر نے کہا:

اَنْخْتُ بَعِيْرِي وَ اَكْتَلْتُ بَعِيْنِيْهِ

کسائی نے اور فرما نے حکایت کیا ہے: قُلْ مَن يَكْلُوْكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۗ اَمْ لَهُمْ اِلٰهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۗ لَا يَسْتَطِيعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ

يَكْلَاكُمْ كُوْدُوْنُوْنَ صُوْرَتُوْنَ فِيْ هِمَزِهِ كِي تَخْفِيْفُ كَيْ سَا تَهْ حَا يْتِ كِيَا هِيْ۔ اور معروف ہمزہ کی تحقیق ہے یہ اکثر کی قرأت ہے اور

رہا بیکلاکم دو اعتبار سے خطا ہے؛ یہ نوح اس نے ذکر کیا ہے۔ (۱) ہمزہ کا بدل شعر میں ہوتا ہے۔ (۲) دونوں ماضی میں کھیتہ کہتے ہیں۔ معنی بدل جاتا ہے کیونکہ کھیتہ کا معنی ہے اوجعت کھیتہ میں نے اسے گردے میں تکلیف پہنچائی اور جو کسی کو کہتا ہے: کلان اللہ تو وہ اسے بدو عادیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے گردے کی تکلیف پہنچائے۔ پھر کہا گیا ہے کہ لفظ کا مخرج، استفہام کا مخرج ہے اس سے مراد نوحی ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہوگی: قتل لاحافظ لکم تمہارا کوئی محافظ نہیں۔ بالتیل جب تم سوت ہو۔ وَالتَّهَامِا جب تم اٹھتے ہو اور اپنے امور میں تصرف کرتے ہو۔ مِنَ الرَّحْمٰن یعنی رحمن کے عذاب سے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَسَنُيَسِّرُنَا مِنَ اللّٰهِ (ہود: 63) یعنی اللہ کے عذاب سے۔ یہ خطاب ان میں سے اسے ہے جو صانع کا اعتراف کرتا ہے، یعنی جب تم اقرار کرتے ہو کہ وہ خالق ہے تو پھر وہ اس عذاب کے اتارنے پر بھی قادر ہے جس کے لیے تم جلدی مچار ہے ہو۔ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ ذَكَرُوا قرآن ہے۔ بعض نے کہا: مواظظ ہیں۔ بعض نے کہا: معرفت ہے۔ مُعْرِضُونَ غافل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَمْ لَهُمُ الْبَهَّةُ، اَمْ لَهُمُ الْاَلْمُومَةُ؟ (سورۃ الزمر: 23) یعنی ان کے لیے تم جلدی مچار ہے جو اپنی مدد نہیں کر سکتے۔ لا يَسْتَطِيعُونَ یعنی یہ کفار جو کہتے ہیں کہ وہ ان کی مدد کریں گے جو اپنی مدد نہیں کر سکتے وہ ان کی مدد کیسے کریں گے؟ وَ لَا هُمْ مَنَّا يَصْحَبُونَ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: يصحبون کا معنی يسنعون یعنی وہ ہم سے بچائے نہیں جائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی يجارون بھی مروی ہے یعنی وہ پناہ نہیں دیے جائیں گے؛ یہ طبری کا مختار ہے۔ عرب کہتے ہیں: انالك جارو صاحب من فلان؛ شاعر نے کہا:

يُنَادِي بِأَعْلَى صَوْتِهِ مَتَعَوِّذًا لِيُصْحَبَ مِنْهَا وَالرِّمَاحُ دَوَانِي

معر نے ابن ابی شیح سے انہوں نے مجاہد سے روایت کیا ہے فرمایا: ينصرون یعنی وہ حفاظت نہیں کیے جائیں گے۔ قتادہ نے کہا: اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کو ان کا ساتھی نہیں بنائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ مَشَعْنَاهُمْ لَوْلَا هُوَا اَبَاءَهُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد اہل مکہ ہیں یعنی ہم نے ان کے لیے اور ان کے آباء کے لیے اپنی نعمتوں کو پھیلایا۔ طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ اور ان نعمتوں میں عرصہ دراز گزر گیا انہوں نے سمجھا کہ یہ نعمتیں ان سے زائل نہیں ہوں گی پس وہ فریب میں مبتلا ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حجج کی تدبیر سے اعراض کیا۔ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّ اَنْتَا تَا تِي الْاَرْضَ تَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا یعنی اے محمد! سنئے یہ کہ ایک علاقہ کے بعد دوسرے علاقہ پر غلبہ اور ایک شہر کے بعد دوسرے شہر کی فتح تمہیں عطا کر کے زمین کو سمیٹ رہے ہیں؛ یہ اس کا معنی حسن وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: قتل اور قیدی بنا کر؛ یہ معنی کلبی نے بیان کیا ہے۔ دونوں کا مفہوم ایک ہے اس پر تفصیلی کلام سورۃ الرعد میں گزر چکی ہے۔ اَلَهُمُّ الْغُلُوبُونَ ۝ یعنی ان کی اطراف کو سمیٹنے کے بعد کفار مکہ ہی کیا غالب ہیں بلکہ آپ ان پر غالب ہیں اور آپ کو ان پر فتح نصیب ہوگی۔

قُلْ اِنَّمَا اُنذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصَّمُّ الدُّعَاءَ اِذَا مَا يُنذَرُونَ ۝ وَ نَبِّئْ

مَسْتَهُمْ نَفْحَةً مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لِيَقُولُنَّ يَوْمَئِذٍ اِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝

”آپ فرمائیے: میں تمہیں ڈراتا ہوں صرف وحی سے اور نہیں سنا کرتے بہرے پکارنے کو جب انہیں (عذاب الہی سے) ڈرایا جاتا ہے۔ اور اگر (صرف) چھو جائے انہیں ایک جھونکا تیرے رب کے عذاب کا تو (سارا نثر دور ہو جائے) یوں کہنے لگیں: صدحیف! بیشک ہم ہی ظالم تھے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ یعنی میں تمہیں قرآن کے ذریعے ڈراتا ہوں۔ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ یعنی اللہ تعالیٰ جن کے دل کو بہرہ کر دیتا ہے اور جن کے کانوں پر مہر لگا دیتا ہے اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیتا ہے وہ آیات کو سمجھنے اور حق کو سننے سے اندھے اور بہرے ہو جاتے ہیں۔ ابو عبد الرحمن سلمیٰ اور محمد بن سمیع نے یَسْمَعُ ياء مضمومہ اور میم کے فتح کے ساتھ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ الصم کو مرفوع پڑھا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ انہیں نہیں سنا تا۔ ابن عامر اور سلمیٰ، ابو حیوہ اور یحییٰ بن حرث نے لا تسمع تاء مضمومہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ اور الصم کو منصوب پڑھا ہے۔ یعنی اے محمد! سنی اللہ تعالیٰ آپ بہروں کو آواز نہیں سناتے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ اس قرأت کو بعض اہل لغت نے رد کیا ہے اور کہا: پھر یہ کہنا واجب تھا اذا ماتنذرهم۔ نحاس نے کہا: یہ جائز ہے کیونکہ معنی معروف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَٰكِنْ مَسَّتْهُمُ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نفحہ سے مراد طرف ہے۔ قتادہ نے کہا: عقوبت ہے۔ ابن کیسان نے کہا: تھوڑی اور ادنیٰ شی مراد ہے یہ نفع السک سے ماخوذ ہے۔ شاعر نے کہا:

وَعَنْرَةً مِّنْ سَرَوَاتِ النِّسَاءِ تَنْفَعُ بِالسِّكِ أَرْدَانُهَا

ابن جریج نے کہا: اس سے مراد حصہ ہے جیسے کہا جاتا ہے: نفع فلان لفلان من عطائه جب کوئی کسی کو مال کا ایک حصہ

عطا کرے۔ شاعر نے کہا:

لَنَا أَتَيْتَكَ أَرْجُو فَضْلَ نَائِلِكُمْ نَفَحَتِي نَفْحَةً طَابَتْ لَهَا الْعَرَبُ

یعنی اس کا نفس خوش ہوا۔ لغت میں النفعہ کا معنی دفعة یسیرہ ہے یعنی اگر انہیں عذاب کا ایک جھونکا بھی چھو لے۔

لَيَقُولَنَّ يَوْمَئِذٍ إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ یعنی ہم ہی حد سے تجاوز کرنے والے تھے۔ وہ اس وقت اعتراف کریں گے جب ان کا

اعتراف نفع بخش نہ ہوگا۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۚ وَ كَفَىٰ بِنَاصِيئِينَ ۝

”اور ہم رکھ دیں گے صحیح تولنے والے ترازو قیامت کے دن پس ظلم نہ کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر اور اگر (کسی کا کوئی

عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا، الْمَوَازِينُ جمع ہے میزان کی۔

بعض علماء نے فرمایا: یہ بظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہر مکلف کے لیے ایک میزان ہوگا جس کے ذریعے اس کے اعمال

کا وزن کیا جائے گا پس نیکیوں کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور برائیوں کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا۔ بعض نے فرمایا: یہ

کا وزن کیا جائے گا پس نیکیوں کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور برائیوں کو ایک پلڑے میں رکھا جائے گا۔ بعض نے فرمایا: یہ

بھی جائز ہے کہ وہاں ایک عامل کے لیے بہت سے میزان ہوں ان میں سے ہر میزان کے ساتھ اس کے اعمال کی ایک قسم کا وزن کیا جائے گا جیسا کہ شاعر نے کہا:

مَلِكٌ تَقْوَمُ الْحَادِثَاتُ لِعَدْلِهِ فَذَكَرَ حَادِثَةً لَهَا مِيزَانٌ

اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک میزان ہو اسے جمع کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہو۔ الکافی حافظ ابوالقاسم نے اپنی سنن میں حضرت انس سے روایت کیا ہے اور حضرت انس نے اسے مرفوع ذکر کیا ہے کہ ”ایک فرشتہ میزان پر مقرر ہوگا۔ ابن آدم کو لایا جائے گا تو اسے میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان روکا جائے گا اگر اس کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوگا تو وہ فرشتہ بلند آواز سے ندا دے گا جسے ساری مخلوق سن لے گی: سعد فلاح سعادة لا یشتقی بعدها ابدا فلان ایسی سعادت سے مشرف ہوا کہ اس کے بعد کبھی بد بخت نہ ہوگا اور اگر اس کا نیکیوں والا پلڑا ہلکا ہو تو فرشتہ ندا دے گا فلان ایسی شقاوت کے ساتھ شقی ہوا کہ اس کے بعد کبھی سعادت مند نہ ہوگا“ (1)۔ حضرت حذیفہ بن یمان سے مروی ہے فرمایا: ”قیامت کے روز صاحب میزان جبریل ہوگا۔“ بعض علماء نے فرمایا: میزان کے دو پلڑے ہوں گے دھاگے ہوں گے ایک اس کی زبان ہوگی اور ترازو کا عمود ہوگا۔ ان کی وجہ سے میزان کو جمع ذکر کیا گیا ہے۔ مجاہد، قتادہ اور ضحاک نے کہا: میزان کا ذکر ایک مثال ہے وہاں کوئی میزان نہ ہوگا مراد عدل ہے اور جس پر اخبار وارد ہیں اور جو سوادِ عظیم کا نظریہ ہے وہ پہلا قول ہے۔ اس کا بیان سورہ اعراف اور سورہ کہف میں گزر چکا ہے۔ ہم نے کتاب الحدیث میں تفصیلاً اس پر گفتگو کی ہے۔ القسط کا معنی عدل ہے یعنی وہ کمی اور ظلم نہ ہوگا جس طرح دنیا کے وزن میں ہوتا ہے۔ القسط موازین کی صفت ہے مفرد اس لیے ہے کیونکہ یہ مصدر ہے کہا جاتا ہے: میزان قسط، میزانان قسط، موازین قسط، جیسے رجال عدل و رضاً۔ ایک جماعت نے القسط پڑھا ہے۔ لَيَوْمِ الْقِيَامَةِ یعنی اہل قیامت کے لیے۔ بعض نے فرمایا: بی یوم القیامة قیامت کے دن میں۔ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا حَسَنٌ کے احسان میں سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور کسی مجرم کے جرم میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ نَافِعٌ، شیبہ اور ابو جعفر نے مِثْقَالَ حَبَّةٍ یہاں رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور سورہ لقمان میں اس معنی پر کہ اگر واقع ہو یا حاضر ہو۔ پس اس صورت میں کان تامہ ہوگا اور خبر کا محتاج نہیں ہے۔ باقی قراء نے مِثْقَالَ كَوْنُصَبِ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس معنی پر کہ ان كان العمل او ذالك الشئ مِثْقَالَ۔ مِثْقَالَ الشئ اس کی مثل کا میزان۔ اَتَيْنَاهَا الْف مقصورہ جمہور کی قرأت ہے یعنی ہم انہیں حاضر کریں گے اور ہم انہیں جزا دینے کے لیے یا سزا دینے کے لیے لے آئیں گے۔ ہضمیر سے مراد حبة ہے۔ اگر یہ ہوتا تو بھی جائز ہوتا۔ بعض علماء نے فرمایا: مِثْقَالَ الْحَبَّةِ، حبة کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا: اَتَيْنَاهَا مَجَاهِدًا اور عکرمہ نے اَتَيْنَاهَا کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہے جازینا ہا ہم اس کے ساتھ انہیں جزا دیں گے۔ کہا جاتا ہے: آتی یواتی مؤاتات۔ وَ كُنْفِي بِهَا حَسْبِيْنَ خیر و شر میں سے جو انہوں نے آگے بھیجا اس پر جزا دینے والے۔ بعض علماء نے فرمایا: حَسْبِيْنَ یعنی کوئی ہم سے زیادہ جلدی حساب لینے والا نہیں۔ الحساب کا معنی شمار کرنا ہے۔ ترمذی نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ ایک

شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا اور عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میرے غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں اور مجھ سے خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں، میں انہیں گالیاں دیتا ہوں اور انہیں سزا دیتا ہوں میں ان میں سے کیسا ہوں؟ فرمایا: ”جو وہ خیانت کرتے ہیں، نافرمانی کرتے ہیں اور تجھ سے جھوٹ بولتے ہیں اب سب کا ان سے محاسبہ ہوگا اور تیرا انہیں سزا دینا اگر تو ان کے جرم کے مطابق ہے تو یہ برابر ہوگا نہ تیرے حق میں ہوگا نہ تیرے خلاف ہوگا اور اگر تیری سزا ان کے جرم سے کم ہوگی تو تیرے لیے فضل ہوگا اگر تیری سزا ان کے جرم سے زیادہ ہوگی تو زیادتی کا تجھ سے بدلہ لیا جائے گا۔“

فرمایا: وہ شخص پیچھے ہٹا اور زور زور سے رونے لگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا تو کتاب اللہ پڑھتا ہے۔ وَ نَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا۔ اس شخص نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے لیے اور ان کے لیے ان کو جدا کرنے سے بہتر کوئی چیز نہیں دیکھتا میں آپ کو گواہ بنا تا ہوں کہ یہ تمام آزاد ہیں (1)۔ یہ حدیث غریب ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَ هَارُونَ الْفُرْقَانَ وَ ضِيَاءً وَ ذِكْرًا لِلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَ هُمْ مِنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ۝ وَ هَذَا ذِكْرٌ مُّبْرَكٌ أَنْزَلْنَاهُ ۗ أَفَأَنْتُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ۝

”اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو فرقان اور روشنی اور ذکر پر ہیزگاروں کے لیے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے نیز وہ قیامت سے بھی ترساں رہتے ہیں۔ اور یہ قرآن نصیحت ہے بڑی بابرکت ہم نے (ہی) اسے اتارا ہے تو کیا تم اس کو ماننے سے انکار کرتے ہو۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَ هَارُونَ الْفُرْقَانَ وَ ضِيَاءً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ نے الْفُرْقَانَ وَ ضِيَاءً کی بناء بغیر واو کے پڑھا ہے۔ فراء کا خیال ہے کہ واو حذف کرنا اور نہ کرنا ایک جیسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ السَّمَاءَ الدُّنْيَا بَرِيْنَةً اَنْزَلْنَاهُ السَّمَاءَ الدُّنْيَا بَرِيْنَةً ۝ وَ حَفِظْنَا (الصافات: 6) یعنی حفظاً اس قول کا زجاج نے روکیا ہے انہوں نے فرمایا: واو ایک معنی کے لیے ہوتی ہے پس اسے زیادہ نہیں کیا جائے گا۔ فرمایا: الْفُرْقَانَ سے مراد تورات ہے کیونکہ ان میں حرام اور حلال کے درمیان فرق ہے۔ فرمایا: وَ ضِيَاءً، فیہ ہدی و نور کی مثل ہے۔ ابن زید نے کہا: فرقان سے مراد دشمنوں پر مدد ہے، اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: مَا اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانَ (الانفال: 41) یعنی بدر کے دن۔ ثعلبی نے کہا: یہ قول ظاہر آیت کے زیادہ مشابہ ہے، الضیاء میں واو کے دخول کی وجہ سے۔ پس آیت کا معنی یہ ہوگا ہم نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو نصرت اور تورات عطا کی جو روشنی اور نصیحت ہے۔ لِلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ یعنی غائبین کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا بلکہ انہوں نے نظر و استدلال کے ذریعے پہچانا کہ ان کے لیے رب ہے جو قادر ہے اعمال پر جزا دے گا وہ اپنے دل میں اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور خلوتوں میں بھی خشیت ظاہر رہتی

ہے جہاں وہ لوگوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ وَهُمْ مِنَ السَّاعَةِ تَوْبَةً سَبْعَةً مِّنْ قَبْلِ يَوْمٍ لَّهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷﴾ سے پہلے قیام قیامت سے۔ مُشْفِقُونَ ﴿۱۸﴾ ڈرتے رہتے ہیں۔ وَهَذَا ذِكْرٌ مُّبْرَكٌ أَنْزَلْنَاهُ اس سے مراد قرآن ہے۔ أَفَأَنْتُمْ لَهُ اَعْتَابٌ مِّنْ عَرَبٍ مُنْكَرُونَ ﴿۱۹﴾ تم انکار کرتے ہو کہ قرآن معجزہ ہے اس کی مثل لانے پر تم قادر نہیں ہو۔ فراء نے کہا: وَهَذَا ذِكْرٌ مُّبْرَكٌ أَنْزَلْنَاهُ بمعنی انزلنا مبارکاً ہے، ہم نے اسے برکت والا نازل کیا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَلِيمِينَ ﴿۲۰﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ الشَّيْءُ الَّذِي أَنْتُمْ لَهَا عَاقِفُونَ ﴿۲۱﴾ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عِبَادِينَ ﴿۲۲﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۲۳﴾ قَالُوا أَجِئْنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنْتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ ﴿۲۴﴾ قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ وَأَنَا عَلَىٰ ذَلِكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۲۵﴾

”اور یقیناً ہم نے مرمت فرمائی تھی ابراہیم کو ان کی دانائی اس سے پہلے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے۔ یاد کرو جب آپ نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہ یہ کیا صورتیاں ہیں جن کی پوجا پاٹ پر تم جیسے بیٹھے ہو۔ وہ بولے: پایا ہم نے اپنے باپ (دادوں) کو کہ وہ ان کے پجاری تھے۔ آپ نے فرمایا: بلاشبہ بتلا رہے ہو تم بھی اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی ہوئی گمراہی میں۔ انہوں نے پوچھا: کیا تم ہمارے پاس کوئی سچی بات لے کر آئے ہو یا (صرف) دل لگی کر رہے ہو؟ آپ نے فرمایا: (دل لگی نہیں کر رہا) بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان سب کو پیدا فرمایا ہے اور میں اس (صداقت) پر گواہی دینے والوں سے ہوں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ فَرَاءَ نَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُ ﴿۲۰﴾ سے پہلے یعنی ہم نے اسے غور و فکر کرنے کی توفیق بخشی جب اس پر رات تاریک ہوئی تو انہوں نے چاند، سورج اور ستارے کو دیکھا۔ بعض نے فرمایا: مِنْ قَبْلُ سے مراد حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون سے پہلے۔ نبوت پر دانشمندی۔ پہلا قول اکثر مفسرین کا ہے جس طرح یحییٰ کو فرمایا: وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿۲۱﴾ (مریم) قرطبی نے کہا: رُشْدَهُ سے مراد اس کی اصلاح ہے۔ وَ كُنَّا بِهِ عَلِيمِينَ ﴿۲۰﴾ یعنی ہم جانتے تھے کہ وہ رشد کے عطا کرنے کے اہل تھے اور نبوت کی صلاحیت رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ الشَّيْءُ الَّذِي أَنْتُمْ لَهَا عَاقِفُونَ ﴿۲۱﴾ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم جانتے تھے جب انہوں نے کہا۔ اس مفہوم پر کلام متصل ہوگی اور عالمین پر وقف نہ ہوگا لِأَبِيهِ سے مراد آزر ہے۔ قَوْمِهِ نمرود اور اس کے پیروکار۔ مَا هَذِهِ الشَّيْءُ الَّذِي أَنْتُمْ لَهَا عَاقِفُونَ اس سے مراد صورتیاں ہیں۔ الشَّيْءُ الَّذِي أَنْتُمْ لَهَا عَاقِفُونَ اس سے مراد صورتیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے مشابہ بنائی گئی ہو۔ کہا جاتا ہے: مثلت الشئ بالشئ میں نے ایک چیز کو دوسری چیز سے مشابہت دی۔ اس مثل کا اسم تسائل ہے۔ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاقِفُونَ ﴿۲۱﴾ یعنی تم ان کی عبادت پر قائم

ہو۔ قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عِبَادِينَ ۝۱۰ ہم اپنے اسلام کی تقلید میں ان کی عبادت کرتے ہیں۔ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَ آبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝۱۱ ان کی عبادت کی وجہ سے گمراہی میں ہیں، کیونکہ یہ جمادات ہیں جو نہ نفع دیتے ہیں نہ نقصان اور نہ کچھ جانتے ہیں۔ قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ یعنی کیا توحق کو لانے والا ہے اپنی بات میں؟ أَمْ أَنْتَ مِنَ اللَّٰعِبِينَ ۝۱۲ یا تو مزاح کرنے والا ہے۔ قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِضِ میں مزاح کرنے والا نہیں ہوں بلکہ تمہارا پروردگار اور تمہاری تدبیر کو قائم کرنے والا آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔ الَّذِي فَطَرَهُنَّ جس نے انہیں پیدا کیا۔ وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۱۳ میں گواہ ہوں کہ وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ شاہد حکم کو بیان کرتا ہے؛ اسی سے ہے شَهِدَ اللّٰهُ (آل عمران: 18) اللہ نے بیان کیا معنی یہ ہے کہ میں جو کہتا ہوں دلیل ہے، بیان کرتا ہوں۔

وَ تَاللّٰهِ لَا يَكِيْدَنَّ اَصْنَٰمَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝۱۴ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذَا اِلٰلًا

كَبِيْرًا لّٰهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝۱۵

”اور بخدا! میں بندوبست کروں گا تمہارے بتوں کا جب تم چلے جاؤ گے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔ پس آپ نے انہیں ریزہ ریزہ کر ڈالا مگر ان کے بڑے کو کچھ نہ کہا تا کہ وہ لوگ (اس افتاد کے بارے میں) اس کی طرف رجوع کریں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ تَاللّٰهِ لَا يَكِيْدَنَّ اَصْنَٰمَكُمْ بتایا کہ حضرت ابراہیم نے زبانی حجت پر اکتفا نہ کیا بلکہ ان کے بتوں کو توڑا آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر وثوق تھا اور دین کے دفاع میں تکلیف برداشت کرنے پر نفس مطمئن تھا۔ تَاللّٰهُ میں تاء اللہ تعالیٰ کے اسم کے ساتھ قسم اٹھانے میں مختص ہے واؤ ہر ظاہر اسم کے ساتھ مختص ہے اور باء ظاہر و ضمیر کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔ شاعر نے کہا:

تَاللّٰهِ يَنْتَقِيْ عَلَى الْاَيَامِ ذُو جِيْدٍ بِشَسِيْحَةٍ بِهِ الظَّيَّانُ وِ الْاَسْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ کی حرمت کی قسم! میں تمہارے بتوں کا بندوبست کروں گا۔ میں ان کے ساتھ ضرور مکر کروں گا۔ الکید کا معنی مکر ہے۔ کادہ یکیدہ کیداً و مکیدة اسی طرح المكيدة ہے جنگ کو کید کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: غزا فلان فلاں نے جنگ کی لیکن لڑائی کونہ پایا۔ ہر وہ چیز جس کا تو بڑا ارادہ کرے تو اس کے لیے کہا جاتا ہے: أنت تکيده۔ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝۱۵ یعنی تمہارے چلے جانے کے بعد۔ ان کی ہر سال عید ہوتی تھی جس میں وہ جمع ہوتے تھے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: اگر تو ہمارے ساتھ ہماری عید کی طرف نکلے تو تو ہمارے دین کو پسند کرے گا؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جیسا کہ اس کا بیان سورۃ الصافات میں آئے گا۔ حضرت ابراہیم نے دل میں کہا: تَاللّٰهِ لَا يَكِيْدَنَّ اَصْنَٰمَكُمْ میں تمہارے بتوں کا بندوبست کروں گا۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا: یہ حضرت ابراہیم نے اپنی قوم سے چھپا کر کہا تھا اس کو صرف ایک آدمی نے سنا تھا اور اسی نے آپ کا یہ راز افشا کیا تھا۔ ایک کی خبر کو جمع کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جب دوسرے لوگ اس کی خبر پر راضی ہوں، جیسے اس آیت میں ہے: يَقُوْلُوْنَ لَيْنَ رَبِّجَنَّا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لِيُقِيْلُوْا جَنًّا

الْأَعْدُ مِنْهَا إِلَّا ذَلَّ (النافقون: 8) بعض علماء نے فرمایا: یہ آپ نے قوم کے نکلنے کے بعد کہا تھا۔ اور ان میں سے صرف وہ کمزور لوگ باقی تھے جنہوں نے آپ کی بات کو سنا تھا۔ حضرت ابراہیم نے ان سے پیچھے رہنے کا حیلہ کیا فرمایا: **إِنِّي سَقِيمٌ** (الصافات) یعنی میں حرکت کرنے میں کمزور ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَجَعَلَهُمْ جُذًا مَّكْرُؤًا** کڑے کڑے کر دیا۔ الجذوذ الجذاذ جو توڑا گیا ہو۔ ضمہ، کسرہ سے اصح ہے؛ یہ جوہری کا قول ہے۔ کسائی نے کہا: سونے کے پتھروں کو جذاذ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ٹوٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ کسائی، اعمش اور ابن محیصن نے جذاذ جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ جذین کی جمع ہے۔ ریزہ ریزہ جیسے خفیف کی جمع خفاف اور ظریف کی جمع ظراف آتی ہے۔ شاعر نے کہا:

جَذَذَ الْأَصْنَامَ فِي مِخْرَابِهَا ذَاكَ فِي اللَّهِ الْعَلِيِّ الْمَقْتَدِرِ

باقی قراء نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اس کو اختیار کیا ہے جیسے الحطام اور الزفات وغیرہ یہ جذاذہ کی جمع ہے یہ وہ کید ہے جس کی آپ نے قسم اٹھائی تھی کہ آپ ضرور ایسا کریں گے۔ فرمایا: **فَجَعَلَهُمْ** کیونکہ قوم کا اپنے بتوں کے بارے الہ (خدا) ہونے کا عقیدہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابوہبیک اور ابوالسالم نے جذاذ جیم کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے فتح اور کسرہ دونوں لغتیں ہیں، جیسے الحصاد اور الحصاد۔ ابو حاتم نے کہا: فتح، کسرہ اور ضمہ ہم معنی ہیں؛ یہ قطرب نے حکایت کیا ہے۔ **إِلَّا كَبِيرًا لَّهُمْ** حجم میں بڑا خدا۔ حضرت ابراہیم نے بڑے بت کو نہیں توڑا تھا۔ سدی اور مجاہد نے کہا: آپ نے بڑے بت کو چھوڑ دیا اور اس ہتھوڑے کو اس کی گردن میں لٹکا دیا جس کے ساتھ دوسرے بتوں کو توڑا تھا تاکہ اس کے ذریعے ان پر حجت قائم کریں۔ **لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ** شاید حضرت ابراہیم اور اس کے دین کی طرف **يَرْجِعُونَ** لوٹیں جب ان پر حجت قائم ہو جائے۔ بعض نے کہا: **إِلَيْهِ** کی ضمیر کا مرجع بڑا بت ہے۔ **يَرْجِعُونَ** ان کے توڑنے میں۔

قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَذَا بِالْهَيْتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٩﴾ قَالُوا سَمِعْنَا قَتِي يَذُكُرُهُمْ

يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ ﴿٦٠﴾ قَالُوا فَأَتَوْا بِهِ عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ ﴿٦١﴾

”وہ بولے: کس نے یہ حال کیا ہے ہمارے بتوں کا بیشک وہ ظالموں میں سے ہے۔ (چند آدمیوں نے کہا) ہم نے ایک نوجوان کو سنا ہے کہ وہ ان کا ذکر (برائی سے) کیا کرتا ہے اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔ کہنے لگے: تو پھر (پکڑ کر) لاؤ اسے سب لوگوں کے رو برو شاید وہ اس کے متعلق کوئی شہادت دیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **قَالُوا مَنْ فَعَلَ هَذَا بِالْهَيْتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ** ﴿٥٩﴾ جب وہ اپنے میلے سے لوٹ کر آئے اور ان کے بتوں کا جو حشر ہو چکا تھا اسے دیکھا تو بحث و انکار کی حجت سے یہ کہا: **مَنْ فَعَلَ**۔ الخ، بعض نے فرمایا: **مَنْ** استفہامیہ نہیں بلکہ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر **لَمِنَ الظَّالِمِينَ** ہے یعنی ایسا کرنے والا ظالم ہے۔ پہلا قول اصح ہے کیونکہ ارشاد ہے: **سَمِعْنَا قَتِي يَذُكُرُهُمْ** یہ **مَنْ فَعَلَ هَذَا** کا جواب ہے۔ **قَالُوا** میں ضمیر ان کمزور لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے حضرت ابراہیم کی بات سنی تھی یا وہ ایک شخص ہے جس نے آپ کا جملہ سنا تھا۔ **يَذُكُرُهُمْ** کا معنی ہے وہ انہیں عیب لگاتا ہے اور انہیں برا بھلا کہتا ہے۔ شاید اس نے یہ کیا ہو۔ ابراہیم پر رفع کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ زجاج نے کہا: **يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ** ﴿٦٠﴾

کے معنی پر مرفوع ہے اس صورت میں مبتدا محذوف کی خبر ہوگا اور جملہ محکیہ ہوگا اور یہ بھی جائز ہے کہ ندا کی بنا پر مرفوع ہو اور ضمہ منی ہونے کی بنا پر ہو اور نائب الفاعل کے قائم مقام ہو۔ اور بعض نے کہا: اس کو رفع نائب الفاعل کی بنا پر ہے اس بنا پر ابراہیم مخصوص شخص پر دلالت کرنے والا نہ بتایا جائے بلکہ اس کے ساتھ بولنا اس لفظ کی بنا پر دلالت کرنے کے لیے ہو یعنی اس کے لیے یہ قول اور یہ لفظ بولا جاتا ہے جیسا کہ تو کہتا ہے: زید فعل کے وزن پر ہے یا زید تین حرف ہیں۔ اور یہ کسی وجہ سے شخص پر دلالت نہیں کرتا بلکہ تو نے اس کے بولنے کے ساتھ لفظ کے نفس پر دلالت کی ہے۔ اس طریقہ پر تو کہتا ہے: میں نے ابراہیم بولا۔ اور یہ مفعول صحیح ہوگا تو نے اسے قول اور کلام کے قائم مقام رکھا اس کے بعد فعل کو مجہول بنانے میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ یہ رفع میں ابن عطیہ کا اختیار ہے۔ استاذ ابو الحجاج اشبیلی اعلم نے کہا: یہ اہمال کی بنا پر رفع ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: جب اس نے رفع کی وجہ دیکھیں تو گویا وہ معنی واضح نہیں کرتیں جن کا انہوں نے قصد کیا ہے تو انہوں نے بغیر کسی چیز کے اس کو رفع دیا جیسا کہ عوامل سے خالی ہونے کی وجہ سے مبتدا کو رفع دیا جاتا ہے۔ الفتی کا معنی نو جوان ہے اور الفتاة کا معنی جوان لڑکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر نو جوان (1) پھر یہ آیت پڑھی: سَمِعْنَا قَتِي تَذَكُرُهُمْ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالُوا قَاتُوا بِهِ عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ۔

اس میں ایک مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ جب نمرود اور اس کے حواریوں کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے بغیر دلیل کے حضرت ابراہیم کو پکڑنا ناپسند کیا انہوں نے کہا: اسے لوگوں کے سامنے لے آؤ تاکہ اسے دیکھیں۔ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ ① تاکہ وہ اس کے خلاف گواہی دیں جو اس نے کہا ہے، تاکہ اس پر حجت قائم ہو جائے۔ بعض علماء نے فرمایا: لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ تاکہ اس کی سزا کا مشاہدہ کریں تاکہ اس کے بعد اس جیسا کوئی اقدام نہ کرے یا یہ مطلب ہے کہ تاکہ لوگ گواہی دیں کہ انہوں نے یہ ان کے بتوں کو برا بھلا کہا ہے تاکہ وہ جان لیں کہ یہ سزا کا مستحق ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں دلیل ہے کہ کسی سے صرف کسی کے دعویٰ کی بنا پر مواخذہ نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَاتُوا بِهِ عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ ② ہماری شریعت میں بھی یہی عمل ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

قَالُوا أَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِالْهَيْتَانِ يَا بَرَاهِيمُ ③ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا

فَسَلُّوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ ④

” (ابراہیم پکڑ کر لائے گئے تو) لوگوں نے پوچھا: اے ابراہیم! کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔ فرمایا: بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ حرکت کی ہوگی ان سے پوچھو اگر یہ گفتگو کی سکت رکھتے ہوں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَالُوا أَنْتَ فَعَلْتَ هَذَا بِالْهَيْتَانِ يَا بَرَاهِيمُ ⑤

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ جب سماع عام نہ تھا اور شہادت ثابت نہ تھی تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا:

کیا انہوں نے یہ کیا ہے یا نہیں؟ اس کلام میں حذف ہے یعنی ابراہیم آئے جب انہیں لایا گیا تو انہوں نے پوچھا: کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کیا ہے؟ حضرت ابراہیم نے ان پر حجت قائم کرنے کے لیے یہ کہا: **بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا** یہ دھوکا اور غضب ہے کہ اس کی اور اس کے ساتھ چھوٹے بتوں کی عبادت کی جائے پھر اس نے ان کے ساتھ یہ کیا ہوا اگر یہ بولتے ہیں تو ان سے پوچھو۔ بڑے بت کے فعل کو دوسروں کے بولنے کے ساتھ معلق کیا ہے انہیں ان کے بد عقیدہ پر تشبیہ کرتے ہوئے یہ کہا ہے گویا فرمایا: بلکہ یہ اس بڑے نے کیا ہے اگر یہ بولتے ہیں۔ اس تاویل پر کلام میں تقدیم ہے۔ **فَسئَلُوهُمْ اِنْ كَانُوا يَنْظُرُونَ** بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ بلکہ بڑے نے کیا ہوگا اگر یہ بولتے ہیں یہ بیان کیا کہ جو بولتے نہیں ہیں اور کچھ جانتے بھی نہیں ہیں وہ عبادت کے مستحق نہیں ہیں۔ اس کا یہ قول تعریف تھا اور معاریض سے جھوٹ سے بچنے کے لیے ہوتی ہیں یعنی ان سے پوچھیے۔ اگر یہ بولتے ہیں تو وہ سچے ہیں اگر یہ نہیں بولتے تو وہ ایسا کرنے والا نہیں۔ اس کلام کے ضمن میں اعتراف ہے کہ وہ ایسا کرنے والا ہے۔ یہ صحیح ہے کیونکہ انہوں نے اپنے نفس پر اس کو شمار کیا۔ پس یہ دلیل ہے کہ آپ نے یہ کلام تعریف کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔ یہ اس لیے کہ وہ لوگ ان کی عبادت کرتے تھے اللہ کو چھوڑ کر انہیں معبود بناتے تھے جیسا کہ حضرت ابراہیم نے اپنے اب سے کہا تھا: **يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ (مریم: 42)** حضرت ابراہیم نے فرمایا: **بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا** تاکہ وہ اپنی زبان سے اعتراف کریں کہ یہ بولتے نہیں یہ نہ نفع دیتے ہیں اور نہ نقصان دیتے ہیں۔ پس پھر انہیں آپ کہیں کہ تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو اور ان پر حجت قائم ہو جائے۔ اسی وجہ سے امت کے نزدیک خصم کے ساتھ باطل کا فرض کرنا جائز ہے تاکہ خصم خود ہی حق کی طرف لوٹ آئے کیونکہ یہ چیز حجت کے زیادہ قریب ہوتی ہے اور شبہ کو ختم کرنے والی ہوتی ہے جیسا کہ آپ نے اپنی قوم سے کہا: **هَذَا سَمِيْعٌ (الانعام: 77)** ہذا سَمِيْعٌ، **اِنِّي سَاقِيْمٌ (الصافات)** **بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا**، ابن سمیع نے **بَلْ فَعَلَهُ لَامِ** کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ شاید ایسا کرنے والا ان کا بڑا ہو۔ کسائی نے کہا: **بَلْ فَعَلَهُ** پر وقف ہوگا یعنی اس نے کیا جس نے کیا پھر **كَبِيرُهُمْ هَذَا** سے نئی کلام ہوگی۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ان کے بڑے نے ایسا کیا ہے اس کا کیوں انکار کرتے ہیں۔ یہ خبر کے لفظ کے ساتھ الزام ہے یعنی جو ان کی عبادت کا اعتقاد رکھتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ان کے لیے فعل کا بھی اثبات کرے۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیز تمہیں لازم ہے اس کے اعتبار سے تو ان کے بڑے نے یہ عمل کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ بخاری، مسلم اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”حضرت ابراہیم نے کبھی (بظاہر) بھی جھوٹ نہیں بولا مگر (بظاہر) تین مواقع پر۔ آپ نے کہا: **اِنِّي سَاقِيْمٌ (الصافات)** اور حضرت سارہ کے متعلق کہا یہ میری بہن ہے اور فرمایا: **بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا** (1) یہ ترمذی کے الفاظ ہیں۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں واقعہ معراج میں ہے فرمایا: ”ستارے کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: **هَذَا سَمِيْعٌ (الانعام: 77)** اس بنا پر کذبات کی تعداد چار ہوگی لیکن نبی

کریم ﷺ نے اس کی نفی کی فرمایا: ”ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہیں بولا مگر بظاہر تین مواقع پر دو مواقع پر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تھا۔ فرمایا: اِنِّی سَقِیْمٌ ⑩ (الصافات) اور بَلْ فَعَلَهُ کَیْدُهُمْ اور ایک سارہ کے بارے میں تھا“۔ یہ الفاظ مسلم کی حدیث کے ہیں۔ ستارے کے بارے میں جو کہا تھا: هَذَا سَمِیٌّ (الانعام: 77) یہ بھی کذب میں داخل ہے لیکن اس کو کذب شمار نہیں کیا کیونکہ آپ نے یہ بچپن میں کیا تھا جب کہ آپ مکلف نہ تھے یا آپ نے توبیخ و انکار کی بنا پر ان سے سوالیہ انداز میں یہ کہا اور ہمزہ استفہام حذف کیا گیا یا اپنی قوم پر حجت قائم کرنے کے لیے کہا۔ اس بات پر تشبیہ کرتے ہوئے کہ جو متغیر ہوتا ہے وہ رب ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہ تمام وجوہ سورۃ الانعام میں واضح طور پر گزر چکی ہیں۔ الحمد للہ۔

مسئلہ نمبر 3۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: اس حدیث میں ایک عظیم نکتہ ہے جو پیٹھ کو توڑ دیتا ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”حضرت ابراہیم نے جھوٹ نہیں بولا مگر بظاہر تین صورتوں میں دو ایسی صورتیں تھیں جن سے انہوں نے اپنے دین کا دفاع کیا وہ یہ تھیں آپ نے فرمایا: اِنِّی سَقِیْمٌ ⑩ (الصافات) اور فرمایا: بَلْ فَعَلَهُ کَیْدُهُمْ“ اور ہذا اختی (سارہ میری بہن ہے) کو ذات الہی میں شمار نہیں کیا اگرچہ انہیں آپ نے مجبور ہونے کی صورت میں جابر بادشاہ کے پاس بھیجا تھا لیکن اس میں چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی فراش کی حفاظت اور اپنے گھر والوں کی حمایت کا کچھ حصہ تھا تو اسے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے نہیں بنایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے صرف وہ عمل ہوتا ہے جو خالصۃً اللہ کی رضا کے لیے ہو اور دنیا کے ثواب سے پاک ہو اور وہ معاریض (ایسی کلام جس کو سننے والا اور مفہوم میں سمجھے اور متکلم کا ارادہ کچھ اور ہو) جو نفس کی طرف لوٹی ہیں جب وہ خالص دین کے لیے ہوں تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ (الزمر: 3) یہ اگر ہماری طرف سے صادر ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں لیکن حضرت ابراہیم کا مقام بلند اسی بات کا مقتضی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ ہمارے علماء نے فرمایا: کذب (جھوٹ) کا مطلب ہے کسی چیز کے بارے میں ایسی خبر دینا جو اس کی حقیقت کے خلاف ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول تعریض اور توڑ یہ تھا۔ معاریض، حسنات اور حجج اور دلائل جائز ہوتی ہیں لیکن مرتبہ کی کمی میں موثر ہوتی ہیں اور محمود مرتبہ سے کم کر دیتی ہیں اور ان کا قائل ان سے حیا کرتا ہے جیسا کہ حدیث شفاعت میں وارد ہے انبیاء کرام ایسی باتوں سے ڈرتے ہیں جن سے دوسرے لوگ نہیں ڈرتے (1)۔ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے کیونکہ وہ ذات جو نبوت اور خلعت کے مرتبہ پر فائز ہے وہ حق کو واضح کرے اور امر کا صراحت بیان کرے جیسا بھی ہو لیکن انہیں رخصت دی گئی تھی تو انہوں نے رخصت کو قبول کر لیا تھا پس ان کے قصہ میں یہی ہوا تھا اسی وجہ سے حدیث شفاعت میں ہے: اِنَّمَا اتَّخَذَتْ خَلِیْلًا مِنْ دَرَاۓٍ وَرَاۓٍ، وَاَرَعُ بِنِیْ ہُوْنِیْ کی وجہ سے منصوب ہے جیسے خستہ عشا ہے اور جس طرح عرب کہتے ہیں: جاری بیت بیت اور مسلم کے بعض نسخوں میں من ورائی من ورائی، من کے اعادہ کے ساتھ ہے اس صورت میں منی برفتحہ جائز نہیں ان میں سے ایک منی پر ضمہ ہوگا کیونکہ مقطوع الاضافہ ہے اور مضاف کی نیت کی گئی ہے جیسے: قبل و بعد میں ہوتا ہے اور اگر مضاف کی نیت نہ ہو تو معرب ہوتا ہے اور منون ہوتا ہے لیکن وراۓ غیر منصرف

ہے کیونکہ اس کی الف تانیث کے لیے ہے کیونکہ عرب اس کی تصغیر میں دَرِيْتَةٌ کہتے ہیں۔ جوہری نے کہا: یہ شاذ ہے اس بنا پر من کے موجود ہونے کے ساتھ ہی دونوں میں فتح صحیح ہوگا۔ معنی یہ ہے کہ میں خلیل تھا جو دوسروں سے پیچھے تھا۔ اس سے یہ استفاد ہوتا ہے کہ غلت اپنے کمال کے ساتھ صحیح نہیں ہے مگر اس کے لیے جس کے لیے اس دن مقام محمود پر فائز ہونا صحیح ہوگا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، وہ ہمارے نبی کریم ﷺ ہیں۔

فَرَجَعُوا إِلَىٰ أَنفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ ﴿١٧﴾ ثُمَّ نَكِسُوا عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَاهُوَ لَاءِ يَنْطِقُونَ ﴿١٨﴾ قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿١٩﴾ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٢٠﴾

” (لا جواب ہو کر) اپنے دلوں میں غور کرنے لگے پھر بولے بلاشبہ تم ہی زیاں کارستگار ہو۔ پھر وہ اوندھے ہو کر (اپنی سابقہ گمراہی کی طرف) پلٹ گئے اور کہنے لگے: تم خوب جانتے ہو کہ یہ بولتے نہیں۔ آپ نے فرمایا: (نادانو!) کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان (بے بس بتوں) کی جو نہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ تف ہے تم پر نیز ان بتوں پر جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَرَجَعُوا إِلَىٰ أَنفُسِهِمْ یعنی وہ ایک دوسرے کی طرف اس طرح لوٹے جس طرح وہ شخص رجوع کرتا ہے جس کے پاس دلیل باقی نہیں رہتی اور اپنے مقابل کی حجت کی صحت کو سمجھ لیتا ہے۔ پس انہوں نے کہا: تم ہی ظالم ہو یعنی ایسی صورتوں کی عبادت کر کے تم ظلم کرتے ہو جو ایک لفظ بول نہیں سکتی ہیں۔ اور ایک لمحہ کے لیے اپنے آپ کی مالک نہیں ہیں۔ وہ اپنے عبادت گزاروں کو کیسے نفع دیں گے اور ان سے تکلیف کو کیسے دور کریں گی جو اپنے سر سے ہتھوڑے کے دار کو دور نہ سکیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ نَكِسُوا عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ یعنی وہ اپنی جہالت اور عناد کی طرف لوٹ گئے انہوں نے کہا: لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَاهُوَ لَاءِ يَنْطِقُونَ ﴿١٨﴾ تو حضرت ابراہیم نے ان کے بکواسات کو توڑتے ہوئے اور ان کی غلط باتوں کا قلع قمع کرتے ہوئے کہا: أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿١٩﴾ اُف لَكُمْ، تف ہے تمہارے لیے۔ وَلِيْنَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٢٠﴾ بعض علماء نے فرمایا: ثُمَّ نَكِسُوا عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ کا معنی ہے حضرت ابراہیم کے سامنے شرمندگی اور خجالت کی وجہ سے انہوں نے سر جھکا دیئے۔ اس میں نظر ہے کیونکہ اگر یہ معنی ہوتا تو عبارت یوں ہوتی نکسوا رؤوسهم کاف کے فتح کے ساتھ بلکہ یہاں کاف کے کسرہ کے ساتھ ہے تو اس کا مطلب ہے وہ اپنے پہلے امر کی طرف لوٹ گئے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کو شقاوت نے گھیر لیا اور وہ اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے۔

قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَعِلِينَ ﴿٢١﴾ قُلْنَا يَا كُوفِرُ بَرِّدَا وَسَلَامًا

عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿٢٢﴾

سے زیادہ تکلیف دہ ہوتی اور اگر علیؑ ابراہیمؑ نہ فرماتے تو ہمیشہ اس کی ٹھنڈک باقی رہتی۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جنت سے ایک قالین اتارا اور اسے حجیم میں بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے جبریل، میکائیل، ٹھنڈک کا فرشتہ اور سلامتی کا فرشتہ اتارا۔ حضرت علیؑ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اگر ہڈا کے بعد سَلْمَانُ نہ ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کی ٹھنڈک کی وجہ سے فوت ہو جاتے اور اس دن ہر آگ بجھ گئی تھی۔ ہر آگ نے سمجھا کہ اسے ارشاد ہوا ہے۔ سدی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے درخت کی ہر ٹہنی کو حکم دیا کہ وہ اپنے درخت کی طرف لوٹ جائے اور پھل پھینکے۔ حضرت کعب اور قتادہ نے کہا: حضرت ابراہیم کو آگ نے نہیں جلایا تھا مگر آپ کی رسی کو جلادیا تھا جس سے آپ باندھے ہوئے تھے۔ آپ سات دن آگ میں رہے اور کوئی آدمی آگ کے قریب نہیں جاسکتا تھا پھر وہ آئے تو حضرت ابراہیم کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ منہال بن عمرو نے کہا: جب حضرت ابراہیم نے کہا میں اتنا کبھی انعام یافتہ نہ ہوا جتنا کہ میں ان ایام میں تھا جن میں میں آگ میں تھا۔ کعب، قتادہ اور زہری نے کہا: ہر جانور آگ کو بھجانے والا تھا سوائے چھپکلی کے یہ آگ کو پھونکے مارتی تھی اسی وجہ سے آپ سَلْمَانُ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کو فوسقہ کہا (1)۔ شعیب حمانی نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آپ کی عمر سولہ برس تھی۔ ابن جریج نے کہا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آپ کی عمر چھبیس برس تھی۔ یہاں قول ثعلبی نے اور دوسرا قول ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ کلبی نے کہا: زمین کی ہر آگ بجھ گئی تھی اور کوئی گوشت بھونا نہیں گیا تھا۔ نمرود نے اپنے محل سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ ایک پتنگ پر بیٹھے ہیں۔ ایک فرشتہ آپ سے الفت کا اظہار کر رہا تھا۔ کہنے لگا: تیرا بکتنا اچھا رہے میں اس کے لیے چار ہزار گائے قربان کروں گا اور وہ اس سے رک گیا۔

وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ﴿١﴾ وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ﴿٢﴾ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۗ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ﴿٣﴾ وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يُهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عِبَادِينَ ﴿٤﴾

”انہوں نے تو ابراہیم کو گزند پہنچانے کا ارادہ کیا لیکن ہم نے ان کو ناکام بنا دیا۔ اور ہم نے نجات دی آپ کو اور لوط کو اس سرزمین کی طرف (ہجرت کا حکم دیا) جسے ہم نے بابرکت بنایا تھا تمام جہان والوں کے لیے۔ اور ہم نے عطا فرمایا انہیں اسحاق (جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا) پوتا اور سب کو ہم نے صالح بنا دیا۔ اور ہم نے بنا دیا انہیں پیشوا (لوگوں کے لیے) وہ راہ دکھاتے تھے ہمارے حکم سے اور ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف کہ وہ نیک کام کریں اور نماز ادا کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور وہ سب ہمارے عبادت گزار تھے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ اور اس کے ساتھیوں نے حضرت ابراہیم کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کیا۔

فَجَعَلْنَاهُمْ إِلَّا خَيْرِينَ ۝ پس ہم نے انہیں اعمال میں گھانا پانے والے بنا دیا اور ہم نے ان کے مکر کو ان پر لوٹا دیا یہ ہم نے ان پر اپنی مخلوق میں سے کمزور ترین مخلوق کو ان پر مسلط کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان پر مچھر کو مسلط کیا۔ نمود باقی رہا حتیٰ کہ اس نے اپنے ساتھیوں اور گھوڑوں کی ہڈیاں دیکھیں۔ وہ ان کے گوشت کھاتے اور ان کے خون پیتے اور ایک مچھر اس کے ناک میں داخل ہو گیا وہ اسے کھاتے کھاتے اس کے دماغ تک پہنچ گیا اور جو نمود کے نزدیک معزز شخص تھا وہ اس کے سر پر لوہے کا گرز مارتا تھا وہ اسی کیفیت میں چار سو سال رہا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ۝ الارض سے مراد شام کی زمین ہے پہلے حضرت ابراہیم اور حضرت لوط عراق میں تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت لوط کے چچا تھے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور شام کی زمین کو برکت والی زمین کہا گیا کیونکہ اس کی شادابی اس کے پھل اور اس کی نہریں کثیر ہیں، نیز وہ انبیاء کی آرام گاہ ہے برکت کا مطلب خیر کا ثبوت ہے۔ اسی سے ہے: برکت البعیر جب اونٹ اپنی جگہ پر بیٹھا رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول ہے کہ اس سے مراد مکہ ہے۔ بعض نے کہا: بیت المقدس ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ نے اکثر انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ یہ بھی کثیر شادابی والی ہے اور بڑھوتری والی ہے اس کا پانی میٹھا ہے اور اور پانی اسی سے بکھرتا ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: ہر میٹھا پانی آسمان سے اس چٹان پر اترتا ہے جو بیت المقدس میں ہے پھر زمین میں وہ پانی بھکر جاتا ہے۔ اسی طرح کعب اخبار سے مروی ہے۔ بعض نے فرمایا: الارض المبارکہ سے مراد مصر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَوَهَبْنَا لَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً، نافلہ کا معنی زیادہ ہے۔ اسحاق کے لیے آپ نے دعا مانگی تھی اور یعقوب بغیر دعا کے عطا فرمایا تھا، پس یہ نافلہ ہو گا یعنی جو مانگا تھا اس سے زائد تھا کیونکہ آپ نے دعا مانگی: رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ (الصافات) پوتے کو نافلہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ والد پر زیادتی ہوتا ہے۔ وَكَلَّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ۝ یعنی ابراہیم، اسحاق اور یعقوب میں سے ہر ایک کو صالح اللہ کی طاعت کے مطابق عمل کرنے والا بنایا اور انہیں صالح بنایا ان کے لیے طاعت اور صلاح کو تخلیق کر کے اور طاعت پر قدرت تخلیق کر کے صالحیت کو متحقق فرمایا۔ پھر بندہ جو کوشش کرتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَجَعَلْنَاهُمْ آيَةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَعْنَةُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِيهِمْ ۝ انہیں سردار بنایا ہے خیر اور اعمال صالحہ میں ان کی اقتدا کی جاتی ہے۔ امرنا کا معنی ہے جو ہم نے ان پر وحی کی، امر، نہی نازل کیا اس کے مطابق راہنمائی کرتے ہیں گویا فرمایا: وہ ہماری کتاب کے ساتھ ہدایت دیتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم نے انہیں مخلوق کی راہنمائی کرنے کا حکم دیا ہے اس کے ساتھ ہمارے دین کی طرف لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں اور لوگوں کو توحید کی طرف بلانے کا حکم دیا ہے وہ اس کی وجہ سے توحید کی طرف بلاتے ہیں۔

وَإِذْ حِينًا إِلَيْهِمْ فَقُلُوبُ الْخَيْرَاتِ ۝ ہم نے انہیں وحی کی کہ وہ طاعت کو بجالائیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور وہ سب ہمارے عبادت گزار تھے۔

وَلَوْ كُنَّا اتَّبِعُهُ حُكَمَا وَعُلَمَاءَ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبِيثَ ۗ إِنَّهُمْ

كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فُسِقِينَ ۝۱۰ وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا ۗ إِنَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝۱۱

”اور لو ط کو ہم نے حکومت اور علم عطا فرمایا اور نجات دی اسے اس گاؤں سے جس کے باشندے بہت رزیل کام کیا کرتے تھے بیشک وہ لوگ بڑے ناہنجار (اور) نافرمان تھے۔ اور ہم نے اسے داخل کر لیا ہے (حریم) رحمت میں بیشک وہ نیکو کاروں میں سے تھا۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَوْ كُنَّا اتَّبِعُهُ حُكَمَا وَعُلَمَاءَ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے جس پر بعد والافعل دلالت کر رہا ہے۔ یعنی و آتینا لو ط آتینا ہ۔ بعض علماء نے فرمایا: اصل میں اذ کر لو طاً ہے۔ الحکم سے مراد نبوت ہے۔ العلم سے مراد امر دین کی معرفت ہے اور وہ علم ہے جس کے ذریعے جھگڑنے والوں کے درمیان فیصلہ کیا جاتا ہے۔ بعض نے فرمایا: سلسلہ سے مراد فہم ہے۔ مفہوم تمام اقوال کا ایک ہی ہے۔ وَ نَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبِيثَ قریۃ سے مراد سدوم کا شہر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ سات شہر ہیں۔ چھ شہروں کو حضرت جبریل نے الٹ دیا تھا اور ایک شہر کو حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے عیال کی وجہ سے باقی چھوڑا تھا۔ یہ بہت سے شہر تھے جن میں پھل تھے یہ فلسطین کے ضلع سے شراۃ پہاڑ کی حد تک تھے۔ اس میں بحر حجاز کی حد تک بہت سے شہر تھے۔ وہ خباث جو وہ کرتے تھے ان کے متعلق دو قول ہیں: (۱) لواطت کا عمل جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ (۲) باواز بلند ہو خارج کرنا وہ اپنی مجالس میں ہو خارج کرتے تھے۔ بعض نے کہا: باواز بلند ہو خارج کرنا اور کنکریاں پھینکنا۔

إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فُسِقِينَ ۝۱۰ یعنی اللہ تعالیٰ کی طاعت سے نکلنے والے تھے۔ الفسوق کا معنی نکلنا ہے۔ وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا رحمت سے مراد نبوت ہے۔ بعض نے کہا: اسلام ہے۔ بعض نے کہا: جنت ہے۔ بعض نے کہا: اپنی قوم سے نجات ہے۔

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝۱۲ وَ

نَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۗ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۝۱۳

”اور یاد کرو نوح (علیہ السلام) کو جب انہوں نے (ہمیں) پکارا پیش ازیں تو ہم نے قبول فرمایا ان کی دعا کو اور بچایا انہیں اور ان کے گھر والوں کو سخت مصیبت سے۔ اور ہم نے حمایت کی اس قوم کے مقابلہ میں جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا بیشک وہ بڑے ناہنجار لوگ تھے، پس ہم نے غرق کر دیا ان سب کو۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِنْ قَبْلُ نوح سے پہلے اذ کر فعل محذوف ہے نادی کا معنی ہے پکارا۔ مِنْ قَبْلُ ابراہیم اور لفظ سے پہلے ان کی دعا یہ تھی: رَبِّ لَا تَذَرْنَا عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝۱۲ (نوح) اور جب انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو آپ نے کہا: أَنِّي مَغْلُوبٌ فَأَنْتَصِرُ ۝۱۳ (القمر) فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝۱۲،

الْكَذِبِ الْعَظِيمِ سے مراد غرق ہونا اور انکذب کا معنی شدید غم بھی ہے۔ اَهْلَهُ سے مراد ان میں سے جو ایمان لانے والے ہیں۔ وَنَصْرَانُهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا ابو عبیدہ نے کہا: من بمعنی علی ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم نے انتقام لیا اس قوم سے جو ہماری آیتوں کو جھٹلانے والی تھی۔ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ ان میں سے چھوٹے، بڑے کو غرق کر دیا۔

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ
شَاهِدِينَ ۝ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۝ وَكَلَّمْنَا هَارُونَ وَصَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ

يُسَيِّخْنَ وَالطَّيْرَ ۝ وَكُنَّا فَاعِلِينَ ۝

”اور یاد کرو داؤد و سلیمان (علیہما السلام) کو جب وہ فیصلہ کر رہے تھے ایک کھیتی کے جھگڑے کا جب رات کے وقت چھوٹ گئیں اس میں ایک قوم کی بکریاں اور ہم ان کے فیصلہ کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ سو ہم نے سمجھا دیا وہ معاملہ سلیمان کو اور ان سب کو ہم نے بخشا تھا حکم اور علم اور ہم نے فرمانبردار بنا دیا داؤد کا پہاڑوں اور پرندوں کو وہ سب ان کے ساتھ مل کر تسبیح کیا کرتے اور (یہ شان) ہم دینے والے تھے۔“

ان آیات میں چھبیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ یعنی ان دونوں کو یاد کرو جب وہ فیصلہ کر رہے تھے۔ إِذْ يَحْكُمَانِ سے مراد اکٹھا فیصلہ کرنا مراد نہیں ہے اگرچہ دونوں کو ایک صیغہ کے ساتھ جمع کیا ہے کیونکہ ایک حکم پر دو حکم جائز نہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا فیصلہ علیحدہ تھا۔ حضرت سلیمان اللہ تعالیٰ کے سمجھانے کی وجہ سے فیصلہ کو سمجھنے والے تھے۔ فِي الْحَرْثِ اس میں دو قول ہیں: بعض نے کہا: وہ کھیتی تھی؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ بعض نے کہا: وہ انگوروں کی بیلیں تھیں جن پر انگور لگ چکے تھے؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور شریح کا قول ہے۔ الْحَرْثُ کا لفظ دونوں کے لیے بولا جاتا ہے اور کھیتی میں استعارہ سے بعید ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ یعنی اس کھیتی میں رات کے وقت بکریاں چر گئیں۔ النَّفْسُ کا معنی ہے رات کے وقت چرنا کہا جاتا ہے: نَفَسَتْ بِاللَّيْلِ وَهَمَلَتْ بِالنَّهَارِ رَاتٍ کے وقت چر گئیں اور دن کے وقت چر گئیں۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بغیر چرواہے کے چر جائیں اور أَنْفَسَهَا صَاحِبُهَا اور اِبْلٌ نَفَاشٌ بولا جاتا ہے، مالک نے انہیں چرایا اور چرنے والے اونٹ۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث میں ہے: الْحَبَّةُ فِي الْجَنَّةِ مِثْلُ كَرَشِ الْبَعِيرِ بَيْتِ نَافِشًا، یعنی بعیر راعی کے رات گزارتا ہے؛ یہ ہروی نے حکایت کیا ہے۔ ابن سیدہ نے کہا: الْهَمَلُ بَكْرِيٌّ کے لیے نہیں بولا جاتا بلکہ یہ اونٹوں کے لیے بولا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ۝ یہ دلیل ہے کہ جمع کا کم از کم فرد دو ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد فیصلہ کر نیوالے اور تیسرا محکوم علیہ ہے۔ اسی وجہ سے لِحُكْمِهِمْ فرمایا۔

مسئلہ نمبر 4 - فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ہم نے سلیمان کو قضیہ سمجھا دیا۔ صرف ضمیر ذکر فرمایا کیونکہ پہلی کلام فیصلہ پر دلیل ہے۔ حضرت سلیمان کے فیصلہ کو ان کے باپ کے فیصلہ پر فضیلت اس لیے ہے کیونکہ آپ نے ہر شخص کی اپنے مال پر ملکیت محفوظ رکھی ہے اور ہر ایک کا نفس اس پر خوش تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ فرمایا تھا کہ بکریاں کھیتی والے کو دے دی جائیں۔ ایک فرقہ نے کہا: آپ نے کہا تھا بکریاں کھیتی والے کو اور کھیتی بکریوں والے کو دی جائیں۔ ابن عطیہ نے کہا: ایک قول کے مطابق آپ نے خیال کیا کہ بکریاں کھیتی کا بدل ہیں جو خراب ہوئی ہے دوسرے قول کے مطابق آپ نے خیال کیا کہ بکریاں کھیت اور غلہ کے مقابل ہیں۔ جب دونوں جھگڑنے والے حضرت سلیمان کے پاس سے گزرے تو وہ اس دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے جہاں سے جھگڑنے والے نکلتے تھے۔ وہ حضرت داؤد علیہ السلام پر دوسرے دروازے سے داخل ہوئے تھے۔ حضرت سلیمان نے پوچھا: اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام نے کیسے فیصلہ کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ آپ نے بکریوں کا فیصلہ کھیت والے کے لیے کر دیا ہے۔ حضرت سلیمان نے فرمایا: شاید فیصلہ اس کے علاوہ ہے تم دونوں میرے ساتھ واپس چلو۔ حضرت سلیمان اپنے باپ کے پاس آئے اور عرض کی: اے اللہ کے نبی! آپ نے ایسا فیصلہ فرمایا ہے اور میں ایک فیصلہ کی صورت دیکھتا ہوں جو تمام کے لیے بہتر ہے۔ آپ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ حضرت سلیمان نے کہا: بکریاں کھیت والے کو دینی چاہیں وہ ان کے دودھ، گھی اور اون سے نفع حاصل کرے اور کھیت بکریوں والے کے حوالے کیا جائے تاکہ اس کی دیکھ بھال کرے جب کھیتی آئندہ سال اسی حالت پر آجائے جس حالت پر آجائے بکریوں نے چرا تھا تو ہر ایک واپس کر دیا جائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے بیٹے! تجھے توفیق بخشی گئی ہے اللہ تعالیٰ تیرے فہم کو ہمیشہ رکھے تو آپ نے حضرت سلیمان کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما، مجاہد وغیرہما نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے (1)۔ کبھی نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے بکریوں اور ان گوروں کی قیمت جن کو بکریوں نے خراب کیا تھا دونوں کی قیمت برابر تھی پس آپ نے بکریاں کھیت والے کو دے دیں۔ نحاس نے اسی طرح کہا ہے۔ فرمایا: بکریوں کا فیصلہ کھیت والے کے لیے کرو یا کیونکہ بکریوں کی قیمت اس کھیت کی قیمت کے قریب تھی۔ رہا حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ تو کہا گیا ہے کہ جو بکریوں سے کھیت والے نے نفع اٹھایا اس کی قیمت اور بکریوں نے جو کھیت خراب کیا تھا اس کی قیمت بھی برابر تھی۔

مسئلہ نمبر 5 - اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ كَلَّمَا اتَيْنَا حُكْمًا وَعَلَّمَا** ایک قوم نے یہ تاویل کی ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس واقعہ میں خطا نہیں کی تھی بلکہ انہیں بھی حکم اور علم عطا کیا گیا تھا انہوں نے **فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ** کو حضرت سلیمان کی فضیلت پر محمول کیا ہے اور ان کی فضیلت حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف لوٹی ہے۔ والد کو بیٹے کی فضیلت زیادہ خوش کرتی ہے۔ ایک جماعت نے کہا: بلکہ حضرت داؤد علیہ السلام اس واقعہ میں مطلوب فیصلہ نہ پاسکے اور اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی مدح فرمائی ہے کہ ان کے لیے حکم اور علم تھا تو یہ دوسرے واقعات کی طرف راجع ہے۔ رہا یہ کہ اس فیصلہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام صحیح فیصلہ پر پہنچے اور حضرت داؤد علیہ السلام صحیح فیصلہ پر نہ پہنچے اور انبیاء سے غلطی اور خطا کا وجود مانع نہیں جس طرح

دوسروں سے اس کا وجود مانع نہیں لیکن انبیاء کرام غلطی اور خطا پر قائم نہیں رہتے اور دوسرے برقرار رہتے ہیں (1)۔ جب ولید نے دمشق کا کنیہ (عیسائیوں کا عبادت خانہ) گرایا تو روم کے بادشاہ نے اس کی طرف خط لکھا کہ تو نے وہ کنیہ گرا دیا ہے جس کو تیرے باپ نے دیکھا تھا تو چھوڑ دیا تھا اگر تو نے صحیح کیا ہے تو تیرے باپ نے غلطی کی تھی اگر تیرے باپ نے درست کیا تھا تو تو نے غلطی کی ہے۔ ولید نے اسے جواب دیا: وَدَاوُدَ وَ سُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ﴿۱۰۰﴾ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ﴿۱۰۱﴾ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ﴿۱۰۲﴾ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ﴿۱۰۳﴾ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ﴿۱۰۴﴾ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ﴿۱۰۵﴾

اسلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام دونوں نبی تھے اس وحی کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے جو ان کی طرف بھیجی جاتی تھی پس حضرت داؤد علیہ السلام نے وحی کے مطابق فیصلہ کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ بھی وحی کے مطابق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلہ کو منسوخ کر دیا۔ اس بنا پر فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ اس وحی کے ساتھ ہوگا جس نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف کی گئی وحی کو منسوخ کر دیا اور حضرت سلیمان کو یہ حضرت داؤد علیہ السلام تک پہنچانے کا حکم دیا اسی لیے فرمایا: وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ﴿۱۰۰﴾ جماعت کا قول ہے ان میں سے ابن فورک بھی ہے۔ جمہور علماء فرماتے ہیں: ان دونوں کا فیصلہ اجتہاد کی بنا پر تھا۔

مسئلہ نمبر 6۔ علماء کا انبیاء کے اجتہاد کے جواز پر اختلاف ہے ایک قوم نے اس سے منع کیا ہے اور محققین نے انبیاء کے اجتہاد کے جواز کا قول کیا ہے۔ اس میں کوئی استحالہ عقلیہ نہیں کیونکہ یہ دلیل شرعی ہے پس انبیاء کا اس سے استدلال کرنا کوئی محال نہیں جیسا کہ رب تعالیٰ نے آپ کو فرمایا: جب تیرے گمان پر اس طرح غالب آجائے تو اپنے غالب گمان پر فیصلہ کر دے وہ میرا فیصلہ ہے اور وہ امت کو پہنچا دے یہ عقلاً غیر محال ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اجتہاد اس وقت دلیل ہوتا ہے جب نص موجود نہ ہو اور ان سے نص معدوم نہیں ہوتی، ہم کہیں گے: جب فرشتہ وحی لے کر نازل نہ ہو تو نص نہ پائی گئی تو وہ بھی بحث میں نصوص کے معانی میں دوسرے مجتہدین کی طرح ہو گئے۔ انبیاء کرام اور دوسرے مجتہدین کے درمیان فرق یہ ہے کہ انبیاء کرام خطا اور غلطی سے اور اجتہاد میں کوتاہی سے معصوم ہوتے ہیں جبکہ دوسرے مجتہدین غلطی اور خطا سے معصوم نہیں ہوتے جیسا کہ جمہور علماء کا خیال ہے کہ تمام انبیاء اپنے اجتہاد میں غلطی اور خطا سے معصوم ہوتے ہیں اور ابو علی بن ابی ہریرہ ☆ جو اصحاب شافعی میں سے تھے ان کا خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ، انبیاء سے خطا میں جواز میں سے خارج تھے ہمارے نبی کریم ﷺ اور دوسرے انبیاء کرام کے درمیان فرق یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نہیں جو آپ کی غلطی کا تدارک کرے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو غلطی سے محفوظ فرمایا اور دوسرے انبیاء کے بعد چونکہ انبیاء مبعوث ہوتے رہے جو ان کی غلطی کا تدارک کرتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ تمام انبیاء میں عام ہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ اور دوسرے انبیاء خطا کے جواز میں بڑا بر ہیں مگر انبیاء کرام خطا پر باقی نہیں رہتے پس بعد والے انبیاء کرام کا استدراک کا اعتبار نہیں۔ نبی کریم ﷺ سے ایک عورت نے عدت کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا: ”تو جہاں چاہے عدت گزار“ پھر اسے فرمایا: ”تو اپنے گھر میں ٹھہری

رہتی کہ تیری عدت پوری ہو جائے“ (1)۔ ایک شخص نے آپ سے کہا: بتائیے اگر مجھے باندھ کر قتل کیا جائے جبکہ میں ثواب کی امید رکھتا ہوں تو کیا مجھے جنت سے کوئی چیز روکے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں“۔ پھر اسے بلایا اور کہا: ”سوائے قرض کے مجھے اسی طرح جبریل نے خبر دی ہے“ (2)۔

مسئلہ نمبر 7۔ حسن نے کہا: اگر یہ آیت نہ ہوتی تو تو دیکھتا کہ فیصلہ کرنے والے ہلاک ہو گئے ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی صواب کی وجہ سے تعریف فرمائی اور حضرت داؤد علیہ السلام کا اجتہاد کی وجہ سے عذر قبول کیا۔ مجتہدین جو فروع میں اختلاف کرتے ہیں اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق ایک طرف میں ہوتا ہے اس نے ادلہ قائم کی ہیں اور مجتہدین کو ان کے متعلق بحث کرنے اور ان میں غور و فکر کرنے پر ابھارا ہے۔ پس جس نے مسئلہ میں صحیح سمت کو پایا وہ غلطی الاطلاق مصیب ہے اور اس کے لیے دوا جبر ہیں ایک اجتہاد میں اجر اور ایک درست سمت پانے میں اجر اور جس نے درست سمت کو نہیں پایا وہ اپنے اجتہاد میں مصیب ہے اور اس اعتبار سے غلطی ہے کہ اس نے حقیقت کو نہیں پایا اس کے لیے اجر ہے اور وہ معذور نہیں ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مطلوب جہت کو پایا وہ وہی تھی جو انہیں سمجھائی گئی تھی۔ ایک فرقہ نے کہا: عالم جو اجتہاد میں غلطی کرتا ہے اس پر خطا میں گناہ نہیں ہوتا اگرچہ غیر معذور ہوتا ہے۔ ایک فرقہ نے کہا: حق ایک طرف میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس پر دلائل قائم نہیں کیے ہوتے بلکہ معاملہ مجتہدین کی نظر کے سپرد کیا گیا ہے جو صحیح سمت کو پہنچے گا وہ مصیب ہوگا اور جو غلطی کھا جائے گا وہ بھی معذور و ماجور ہوگا۔ صحیح سمت کو پانے کا اس نے ہمیں مکلف نہیں بنایا بلکہ ہمیں صرف اجتہاد کرنے کا مکلف کیا گیا ہے۔ جمہور اہل سنت نے کہا اور یہی امام مالک اور ان کے اصحاب سے محفوظ ہے کہ فروعی مسائل میں حق دونوں طرفوں میں ہوتا ہے ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے اور مطلوب وہ ہوتا ہے جو اس کے گمان میں افضل ہوتا ہے۔ ہر مجتہد کی نظر اس کے گمان میں افضل کی طرف پہنچی ہوتی ہے اس مقالہ پر دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام اور ان کے بعد تابعین بہت سے مسائل میں ایک دوسرے کے خلاف ثابت کرتے رہے اور ان میں سے کسی نے بھی اپنے قول پر عمل کرنے کو لازم نہیں کیا۔ اسی سے امام مالک کا قول ہے کہ آپ نے منصور ابی جعفر کو موطا پر مجبوراً عمل کرانے سے روکا۔ جب کوئی عالم کسی معاملہ میں حلت کا قول کرے تو وہ اس میں حق ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عالم کے ساتھ مختص ہے اور جو اس عالم کے قول پر عمل کرنے والے ہیں اسی طرح اس کا برعکس بھی ہے۔ علماء نے فرمایا: حضرت سلیمان نے اگرچہ فیصلہ کو سمجھا اور وہ ارجح تھا لیکن پہلا بھی خطا نہیں تھا۔ اس بنا پر لوگ حضور ﷺ کے قول: اذا اجتهد العالم فاطناً کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ اس نے افضل میں خطا کی (3)۔

مسئلہ نمبر 8۔ مسلم وغیرہ نے حضرت عمرو بن عاص سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب حاکم فیصلہ کرے اور اجتہاد کرے پھر صحیح جہت کو پالے تو اس کے لیے دوا جبر ہیں اور فیصلہ کرے اور اجتہاد

1۔ ابو داؤد، کتاب الطلاق فی الشیخ عنہا تنقیحاً، حدیث 1957، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 91، 92

2۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 22542

کرے پھر غلطی کر جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔ امام مسلم کی کتاب میں حدیث کے لفظ اس طرح ہیں: اذا حکم فاجتهد، (1) اجتہاد سے پہلے حکم کا ذکر کیا جبکہ معاملہ برعکس ہے فیصلہ پر اجتہاد مقدم ہوتا ہے پس بالاجماع اجتہاد سے پہلے فیصلہ جائز نہیں۔ حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب فیصلہ کرنے کا ارادہ کرے جیسا کہ فرمایا: فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ (النحل: 98) تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا جب واقعہ میں اجتہاد کرنے کا ارادہ کرے۔ یہ اصولیوں کے قول کی صحت کو مفید ہے۔ مجتہد پر واقعہ کے وقوع کے وقت نئے سرے سے غور و فکر کرنا واجب ہے وہ اپنے پہلے اجتہاد پر اعتماد نہ کرے کیونکہ ممکن ہے کہ دوبارہ غور و فکر کرنے کے وقت پہلے اجتہاد کے خلاف ظاہر ہو جائے مگر یہ کہ وہ اپنے اجتہاد کے ارکان کو یاد کر نیوالا ہو اس کی طرف مائل ہو اور دوسری نشانی میں نئے غور و فکر کا محتاج نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 9۔ اس حاکم کے لیے اجر ہوتا ہے جو خطا کر جائے جبکہ وہ اجتہاد، سنن اور قیاس کو جاننے والا ہو اور گزشتہ لوگوں کے فیصلوں کو جاننے والا ہو کیونکہ اس کا اجتہاد کرنا عبادت ہے خطا پر اجر نہیں دیا جائیگا بلکہ اس سے صرف گناہ ساقط ہو گا۔ اور وہ شخص جو اجتہاد کی صلاحیت نہ رکھتا ہو وہ معکف ہوگا حکم میں خطا کی صورت میں معذور نہ ہوگا بلکہ اس پر بڑے گناہ کا خوف ہے۔ اس پر دلیل دوسری حدیث ہے، ابو داؤد نے اس کو روایت کیا ہے: القضاة ثلاثۃ (2) (الحدیث) ابن منذر نے کہا: صواب کی طلب میں اس کے اجتہاد پر اسے اجر دیا جائے گا نہ کہ خطا پر اجر دیا جائے گا اس کی تائید اس ارشاد سے ہوتی ہے: فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ، حسن نے کہا: حضرت سلیمان کی تعریف کی اور حضرت داؤد علیہ السلام کی مذمت نہیں کی۔

مسئلہ نمبر 10۔ ابو التمام مالکی نے ذکر کیا ہے کہ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مجتہدین کے اقوال میں سے ایک میں حق ہوگا، تمام مختلف اقوال میں حق نہیں ہوگا، اکثر فقہاء نے یہی کہا ہے۔ ابن قاسم نے حکایت کیا ہے کہ انہوں نے امام مالک سے صحابہ کے اختلاف کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: منخطی و مصیب (یعنی خطا کرنے والا یا درست جہت کو پہنچنے والا) ہوگا۔ تمام اقوال میں حق نہیں یہ قول امام مالک سے مشہور ہے، محمد بن حسین کا بھی یہی نظریہ ہے جنہوں نے یہ کہا ہے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث سے حجت پکڑی ہے انہوں نے کہا: یہ نص ہے کہ مجتہدین اور فیصلہ کرنے والوں میں خطا کرنے والے اور صحیح سمت پہنچنے والے ہیں انہوں نے کہا: یہ قول کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے یہ قول اس مسئلہ تک پہنچاتا ہے کہ کوئی چیز حلال، حرام ہو جائے واجب، مستحب ہو جائے۔ پہلے قول والوں نے حضرت ابن عمر کی حدیث سے حجت پکڑی ہے، فرمایا: جنگ احزاب سے واپسی کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ندا دی: ”خبردار! کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں (اس سفر میں) لوگوں کو نماز کے وقت کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو بعض نے بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز پڑھ لی۔ دوسرے صحابہ نے کہا: ہم نماز نہیں پڑھیں گے مگر جہاں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اگرچہ وقت

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 17774

2۔ ابو داؤد، کتاب الاضیاء، باب القاضی یخطن، حدیث 3102۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب العاکم یجتهد، حدیث 2305، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فوت بھی ہو جائے۔ فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے کسی فریق پر سختی نہ فرمائی انہوں نے کہا: اگر ایک فریق خطا کرنے والا ہوتا تو نبی مکرم ﷺ اسے معین فرماتے۔ یہ کہنا بھی ممکن ہے شاید خطا کرنے والوں کی تعیین اس لیے نہ فرمائی ہو کیونکہ وہ گنہگار نہیں تھے بلکہ ماجور تھے۔ پس کسی کی تعیین نہیں فرمائی۔ واللہ اعلم۔ اجتہاد کا مسئلہ طویل اور بہت سی جہتوں کو رکھتا ہے یہ چیدہ چیدہ گفتگو کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق دینے والا ہے۔

مسئلہ نمبر 11۔ اس آیت سے ایک اور فصل بھی متعلق ہے وہ یہ ہے کہ حاکم اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرنے کے بعد دوسرے اجتہاد کی طرف رجوع کرے جو پہلے اجتہاد سے ارجح ہو۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایسا کیا تھا اس کے متعلق ہمارے علماء کا اختلاف ہے۔ عبد الملک اور مطرف نے (الواضح) میں کہا ہے یہ اس کے لیے جائز ہے جب تک وہ اپنی ولایت میں ہو۔ جب دوسری ولایت ہو تو اس کے لیے جائز نہیں وہ دوسرے قضاة کی طرح ہوگا؛ یہ المدونہ میں امام مالک کے قول کا ظاہر ہے۔ سخون نے کہا: قاضی کا اپنے اجتہاد والے قول سے دوسرے قول کی طرف رجوع کرنا جس کو وہ صائب دیکھتا ہے جائز نہیں؛ یہ ابن عبد الحکم کا قول ہے۔ ان دونوں نے فرمایا: جو اس کے نزدیک قوی ہے اس کے ساتھ نیا فیصلہ صادر کرے۔ سخون نے کہا: مگر یہ کہ اس وقت اس کو قوی قول بھول جائے یا اسے وہم ہو تو پھر اس نے اس کے علاوہ کے ساتھ فیصلہ کر دیا ہو تو اس کے لیے اس فیصلہ کو توڑنا جائز ہے۔ اگر اس نے اس حکم کے ساتھ فیصلہ کیا جو اس وقت اس کے نزدیک قوی تھا پھر اس کے بعد اس کے نزدیک کوئی دوسرا فیصلہ قوی ہو گیا تو پہلے فیصلہ کو توڑنا جائز نہیں؛ یہ سخون نے اپنے بیٹے کی کتاب میں کہا ہے۔ اشہب نے ابن المواز کی کتاب میں کہا: اگر اس کا رجوع مال میں اصوب کی طرف ہے تو اسے پہلے فیصلہ کو توڑنا جائز ہے اگر فیصلہ طلاق یا نکاح یا آزادی کا تھا تو اسے پہلے فیصلہ کو توڑنا جائز نہیں۔

میں کہتا ہوں: قاضی کا اپنے فیصلہ سے رجوع کرنا ادلی ہے جب اس کے لیے واضح ہو جائے کہ حق دوسرے قول میں ہے جبکہ وہ اپنی ولایت میں ہو۔ حضرت عمر نے حضرت ابو موسیٰ کو جو خط لکھا تھا اس میں اسی طرح ہے اس کو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور ہم نے سورۃ الاعراف میں اس کا ذکر کیا ہے اور تفصیلی نہیں ہے۔ یہ امام مالک کے قول کے ظاہر کے لیے حجت ہے اور علماء کا اختلاف نہیں ہے کہ قاضی نے جب تجوز اور اہل علم کے خلاف فیصلہ کیا تو وہ مردود ہوگا اگرچہ وہ اجتہاد کے ساتھ کیا ہو اور قاضی کا دوسرے قاضی کے حکم کو توڑنا جائز نہیں کیونکہ احکام کو توڑنے کی جہت سے اور حلال کو حرام سے تبدیل کرنے، قوانین اسلام ضبط نہ کرنے کی صورت پیش آجائے گی۔ علماء میں سے کسی نے دوسرے کے فیصلہ کو توڑنے کا قول نہیں کیا وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے جو اس کے لیے ظاہر ہو۔

مسئلہ نمبر 12۔ بعض علماء نے کہا: حضرت داؤد علیہ السلام نے ابھی حکم نافذ نہیں کیا تھا اور ان کے لیے وہ ظاہر ہوا جو دوسرے نے کہا تھا۔ دوسرے علماء نے فرمایا: وہ فیصلہ نہیں تھا بلکہ فتویٰ تھا۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو روایت کیا ہے اس کی بھی اسی طرح تاویل کی جاتی ہے انہوں نے فرمایا: دو عورتیں تھیں اور ان کے ساتھ اپنا اپنا بیٹا تھا ایک بھیڑیا آیا اور ایک کا بیٹا لے گیا جس کا بیٹا بھیڑیا لے گیا تھا اس نے اپنی ساتھی

عورت سے کہا: بھیڑ یا تمہارا بچہ لے گیا ہے۔ دوسری نے کہا: تیرا بیٹا لے گیا ہے۔ فیصلہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس لے گئیں حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ بڑی عورت کے حق میں کر دیا وہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہا السلام کے پاس آئیں اور انہیں اپنا مسئلہ بتایا حضرت سلیمان نے فرمایا: میرے پاس چھری لے آؤ میں اس بچہ کو تمہارے درمیان دو ٹکڑے کر دیتا ہوں چھوٹی عورت نے کہا: ایسا نہ کرو اللہ تجھ پر رحم فرمائے یہ اس کا بیٹا ہے (1)۔ تو حضرت سلیمان نے فیصلہ چھوٹی عورت کے حق میں کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اس سے پہلے السکین (چھری) کا لفظ کبھی نہیں سنا تھا ہم چھری کو المدیۃ کہتے تھے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے نقل کیا ہے اور رہا یہ قول کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف سے فتویٰ تھا ضعیف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذْ يَحْكُمْنَ فِي الْحَرْثِ يَهْ وَاضِحٌ كَرْتَا هُ كِيَا هُرَا يِكْ نُهْ فِصْلَهْ دِيَا تَهَا اِسِي طَرْحٌ حَدِيْثٌ مِثْلُ فِقْضِ بَهْ اَلْكُبْرَى اَآءِ نُهْ بَرْىِ كُهْ لِيَهْ اِسْ كَا فِصْلَهْ كِيَا۔ یہ قضاء کے انفاذ اور انجام پر دلیل ہے اور جنہوں نے یہ کہا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی شریعت میں بڑی کے لیے فیصلہ ہوتا تھا اس حیثیت سے کہ وہ بڑی ہے۔ یہ قول بہت بعید ہے کیونکہ بڑا ہونا چھوٹا ہونا دعاوی میں مطرود ہوتا ہے جیسے لمبا ہونا، چھوٹا ہونا، کالا ہونا اور سفید ہونا کسی چیز کا اختیار نہیں ہوتا یہ دونوں جھگڑنے والوں میں سے ایک کو ترجیح دینے کا موجب نہیں حتیٰ کہ اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے یا اس وجہ سے اس کے خلاف فیصلہ کیا جائے۔ شرائع سے جو بات سمجھی جاتی ہے یہ قطعی ہے یہ کہنا چاہیے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس سبب سے بڑی کے لیے فیصلہ کیا جس کی وجہ سے ان کے نزدیک بڑی کا قول راجح تھا۔ حدیث میں اس کی تعیین کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اس کی حاجت نہیں تھی ممکن ہے بچہ اس کے قبضہ میں ہو اور دوسری کا دلیل قائم کرنے سے عاجز ہونا آپ کے نزدیک ثابت ہو گیا ہو پس آپ نے موجود صورت کو برقرار رکھتے ہوئے فیصلہ کر دیا ہو۔ اس حدیث کی تاویل میں جو کہا گیا ہے سب سے بہتر یہی قول ہے یہ وہ فیصلہ ہے جس کے لیے ان دعاوی شرعیہ کا قاعدہ تائید کرتا ہے جو شرائع کے اختلاف کو دور کرتا ہے۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ اگر حضرت داؤد علیہ السلام نے سبب شرعی کے ساتھ فیصلہ کیا تھا تو پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ان کے فیصلہ کو توڑنا کیسے جائز تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے باپ کے فیصلہ کو توڑنے سے تعرض نہیں کیا انہوں نے تو ایک لطیف حیلہ کیا جس کی وجہ سے ان کے لیے چھوٹی کی سچائی ظاہر ہوئی۔ وہ حیلہ یہ تھا کہ جب آپ نے فرمایا: چھری لے آؤ میں اسے تمہارے درمیان دو ٹکڑے کر دوں تو چھوٹی نے کہا: ایسا نہ کرو، تو آپ کے لیے چھوٹی میں شفقت کا قرینہ ظاہر ہوا اور بڑی میں یہ نہیں تھا اس کے ساتھ ساتھ دوسرے قرآن بھی آپ کو مل گئے جن کی بنا پر آپ نے اس کے لیے فیصلہ کر دیا شاید آپ ان لوگوں میں سے ہوں جن کے لیے اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا جائز قرار دیا گیا ہو۔ نسائی نے اس حدیث کا یہ عنوان باندھا ہے حکم الحاکم بعلمہ (حاکم کا اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرنا اور یہ بھی عنوان باندھا ہے) السعة للحاکم أن يقول للشئ الذی لا یفعل افعلاً یستبین الحق اور یہ عنوان بھی باندھا ہے نقض الحاکم لایحکم به غیره فمن هو مثله أو اجل منه شاید بڑی عورت نے اعتراف کر لیا ہو بچہ چھوٹی کا ہے جب حضرت سلیمان کا اس نے دو ٹکڑے کرنے میں عزم اور یقین دیکھا

ہو پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ چھوٹی کے لیے کر دیا یہ اس طرح ہوگا جس طرح حاکم قسم کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔ جب وہ قسم اٹھانے کے لیے تیار ہوتا ہے تو وہ شخص آجاتا ہے جو منکر سے ایسی بات نکالتا ہے جو اس کے اقرار کو واجب کرتی ہے پس وہ اس کے خلاف ان کے اقرار کے ساتھ قسم سے پہلے اور قسم کے بعد فیصلہ کر دیتا ہے یہ پہلے حکم کے توڑنے کے باب سے نہیں ہوگا بلکہ یہ اسباب کے تبدیل ہونے کے مطابق احکام کے تبدیل ہونے کے باب سے ہوگا۔ واللہ اعلم۔ اس حدیث سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ انبیاء کے لیے اجتہاد کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز ہے۔ یہ ہم پہلے ذکر کیا۔ چکے ہیں اس سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ حکام کے لیے ان حیلوں کا استعمال جائز ہے جن کے ذریعے حقوق ظاہر کیے جاتے ہیں اور یہ ذکاوت و فطانت اور قوت سے ہوتا ہے اور مخلوق کے احوال کی مہارت سے ہوتا ہے۔ اور کبھی اہل تقدی کے لیے فراست دینیہ ہوتی ہے اور زوری علامات ہوتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اس میں یہ کہنے والے کے لیے حجت ہے کہ مان کی طرف اس کو لاحق کیا جائے۔ یہ امام مالک کا مشہور مذہب نہیں ہے اور نہ یہ اس مسئلہ کو ذکر کرنے کا مقام ہے۔ بہر حال حضرت سلیمان کا اس واقعہ میں ایسا فیصلہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح بیان فرمائی: **فَفَقَّهْمُنَّا سُلَيْمِينَ**۔

مسئلہ نمبر 13۔ کھیتی کے بارے میں قول اور ہماری شریعت میں اس واقعہ کا حکم گزر چکا ہے کہ باغوں والے اور کھیتوں والے دن کے وقت اپنے باغات کی حفاظت کریں گے پھر مثل چیزوں میں ضمانت مثلی چیزوں کے ساتھ ہوگی اور ذوالقیم میں قیمت کے ساتھ ہوگی۔ اس مسئلہ میں اصل ہماری شریعت میں وہ فیصلہ ہے جو ہمارے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا، جو حضرت براء بن عازب کی اونٹنی کے بارے میں تھا جس کو امام مالک نے ابن شہاب سے انہوں نے حرام بن سعد بن محیصہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت براء کی اونٹنی ایک شخص کے باغ میں داخل ہوگئی اور اس نے اس کو خراب کر دیا نبی کریم ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ ”باغ والوں پر دن کے وقت ان کی حفاظت کرنا ہے مویشی جو رات کے وقت کھیت خراب کر دیں تو ان کے مالکوں پر اس کی ضمانت ہوگی“ (1)۔ اسی طرح تمام روایات نے مرسل روایت کی ہے اسی طرح ابن شہاب کے شاگردوں نے ابن شہاب سے روایت کی ہے مگر ابن عیینہ نے زہری سے انہوں نے سعید اور حرام بن سعد بن محیصہ سے روایت کیا ہے کہ اونٹنی الخ انہوں نے اس کی مثل حدیث بیان کی۔ اس حدیث کو ابن ابی ذئب نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ انہیں خبر پہنچی ہے کہ حضرت براء کی اونٹنی ایک قوم کے باغ میں داخل ہوگئی۔ امام مالک کی حدیث کی مثل بیان کی مگر انہوں نے حرام بن سعید بن محیصہ وغیرہ کا ذکر نہیں کیا۔ ابو عمر نے کہا ابن ابی ذئب نے کچھ بھی نہیں کہا مگر انہوں نے اس کی سند کو خراب کر دیا۔ عبدالرزاق نے معمر سے انہوں نے زہری سے انہوں نے حرام بن سعید سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ عبدالرزاق کا کوئی متابع نہیں ہے اور عن ابیہ کے قول پر بعض علماء نے انکار کیا ہے۔ ابن جریر نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے فرمایا مجھے ابو امامہ بن سہل بن حنیف نے بتایا کہ اونٹنی ایک قوم کے باغ میں داخل ہوگئی اور اس نے اسے خراب کر دیا۔ پس ابن شہاب کی حدیث کو حضرت ابو امامہ سے روایت کیا ہے اور حضرت

1۔ ابوداؤد، باب المواشع الخ، حدیث 3099۔ ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب الحکم فی ما افسدت المواشع، حدیث 2322، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

براء کے لیے اونٹنی کا ذکر نہیں کیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ حدیث ابن شہاب عن ابن محیصہ سے روایت ہو اور سعید بن مسیب نے روایت کی ہو اور حضرت ابو امامہ سے مروی ہے اور جس سے چاہا روایت کیا اور جو لوگ موجود تھے انہوں نے انہیں بیان کیا اور تمام ثقہ ہیں۔ ابو عمر نے کہا: یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے یہ حدیث مشہور ہے ائمہ حدیث نے اسے مرسل بنایا ہے اور ثقات نے اس کو بیان کیا ہے۔ فقہاء حجاز نے اس کو استعمال کیا ہے اور قبولیت کے ساتھ لیا ہے۔ اور مدینہ طیبہ میں اس پر عمل جاری ہوا ہے۔ تیرے لیے اہل مدینہ اور اہل حجاز کا اس حدیث کو استعمال کرنا کافی ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ مالک اور جمہور ائمہ نے حدیث براء کو لیا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور کوفیوں کی ایک جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے۔ جانور جب کھیتی کو خراب کر دیں خواہ دن ہو یا رات ہو تو جانور والے پر کچھ لازم نہ ہوگا اور ان ائمہ نے اس کے فساد کو نبی کریم ﷺ کے قول ”جانور کا زخمی کرنا رائیگاں ہے“ (یعنی اس کی ضمانت نہ ہوگی جانور جس کو زخمی کر دے گا) کے عموم میں داخل کیا ہے۔ اور جانوروں کے تمام اعمال کو ان کے زخمی کرنے پر قیاس کیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہ سے پہلے کسی نے یہ قول نہیں کیا ہے۔ العجاء والی حدیث میں نہ ان کی حجت ہے اور نہ ان کے تبعین کے لیے حجت ہے اور حدیث براء کے لیے نہ ناخ ہے اور نہ اس کی معارض ہے کیونکہ نسخ کی شرط نہیں پائی جاتی اور تعارض وہاں ہوتا ہے جب ایک کے استعمال سے دوسری کی نفی لازم آتی ہو اور العجاء جرحھا جبار (جانور کا زخمی کرنا رائیگاں ہے) میں عموم متفق علیہ ہے پھر اس سے کھیتی اور باغ کو حدیث البراء کے ذریعے خاص کیا گیا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ایک حدیث میں یہ آیا العجاء جرحھا جبار نهاراً لایلاً وفي الزرع والحوائط والحرث پھر بھی یہ قول محال نہ تھا پھر یہ کہنا کیسے جائز ہے کہ یہ متعارض ہے؟ یہ عموم اور خصوص کے باب سے ہے جیسا کہ یہ اصول میں مذکور ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ اگر کہا جائے کہ رات اور دن کے درمیان تفریق کرنے میں کیا حکمت ہے؟ لیث بن سعد نے کہا: رات اور دن کے وقت مویشی اگر نقصان کر جائیں تو مویشیوں والے ضامن ہوں گے ہر اس مال کے جس کو وہ خراب کر دیں گے لیکن مویشی کی قیمت سے زیادہ ضمانت نہ ہوگی؟ ہم نے کہا: ان کے درمیان فرق واضح ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ مویشیوں والوں کو دن کے وقت مویشیوں کو چرانے کے لیے چھوڑنا ہوتا ہے ان کے نزدیک اغلب یہ ہے کہ جس کے پاس کھیتی ہو وہ دن کے وقت اس کا خیال کرتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے پس دن کے وقت کھیتی کی حفاظت کھیت والوں پر رکھی کیونکہ یہ معاش میں تصرف کا وقت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا** (النبا) اور جب رات ہوتی ہے تو ہر چیز اپنی جگہ اور مسکن کی طرف لوٹ جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِكَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ** (القصص: 72) اور فرمایا: **وَجَعَلَ الْبَيْتَ سَكَنًا** (الانعام: 86)

رات کے وقت مویشیوں والے اپنے مویشی اپنی جگہ پر لوٹاتے ہیں تاکہ ان کی حفاظت کریں جب مویشی والا اس کو گھر لوٹانے میں کوتاہی کرے گا یا رات کے وقت اس کو اچھی طرح باندھنے میں کوتاہی کرے گا حتیٰ کہ وہ کسی چیز کو تلف کر دے گا تو مالک پر ضمانت ہوگی پس حکم آسان طریقہ پر جاری ہوگا اس میں دونوں فریقوں کے لیے آسانی ہے اور دونوں فریقوں کے

لیے سہولت ہے اور دونوں کے اموال کے لیے زیادہ حفاظت ہے۔ صاحب نظر کے لیے مسئلہ واضح ہے لیکن جو آنکھوں سے محروم ہے اس کے لیے نہیں رہے۔ لیٹ کا قول کہ جانور کی قیمت سے زیادہ ضمانت نہ ہوگی۔ ابو عمر نے کہا: میں نہیں جانتا کہ لیٹ بن سعد نے یہ قول کہاں سے لیا ہے مگر یہ کہ جرم کرنے والے غلام پر اسے قیاس کیا ہو تو اس کی قیمت سے زیادہ نہیں دیا جاتا اور جنایت کی صورت میں اس کے مالک پر اس کی قیمت سے زیادہ لازم نہیں ہوتا۔ یہ وجہ ضعیف ہے اسی طرح التہمید میں کہا اور الاستاذ کار میں فرمایا انہوں نے العجاء جرحھا جبار کی مخالفت کی اور ناقۃ البراء والی حدیث کی مخالفت کی ان سے پہلے بھی چند علماء کا یہ قول ہے جن میں سے عطا بھی ہے۔ ابن جریج نے کہا: میں نے عطا سے کہا کھیتی میں جانور اگر رات یا دن کے وقت پڑ جائے تو کیا حکم ہے تو انہوں نے کہا: مالک اس کی چٹی دے گا۔ میں نے کہا: خواہ اس پر اسے روکنا ہو یا نہ ہو۔ عطا نے کہا: ہاں وہ ہر صورت میں چٹی دے گا۔ میں نے کہا: کیا چٹی دے گا؟ عطا نے کہا: جو گدھے، جانور اور ماشیہ نے کھایا اس کی چٹی دے گا۔ معمر نے ابن شبرمہ سے روایت کیا ہے: کھیتی جس حالت میں تھی اس کی دراہم کے اعتبار سے قیمت لگائی جائے گی۔ حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما سے غیر صحیح طرق سے مروی ہے کہ رب الساشیہ (جانور کا مالک) ہر صورت میں ضامن ہوگا خواہ رات ہو یا دن ہو۔

مسئلہ نمبر 16۔ امام مالک نے فرمایا: کھیتی جس کو رات کے وقت مویشیوں نے خراب کیا اس کی رجا اور خوف پر قیمت لگائی جائے گی۔ فرمایا: وہ باغات جن کی حفاظت کی جاتی ہے اور جن کی حفاظت نہیں کی جاتی ہے اور جن سے روکا جاتا ہے اور جن سے روکا نہیں جاتا برابر ہے۔ ہر صورت میں مویشیوں کے مالکوں کو ضمانت دینی ہوگی جب رات کے وقت ان کے مویشی نقصان کریں گے خواہ وہ نقصان کہاں تک پہنچ جائے اگرچہ وہ مویشیوں کی قیمت سے زائد بھی ہو۔ فرمایا: جب ایک جانور رات کے وقت کھل جائے اور وہ کسی سوئے ہوئے آدمی کو لتاڑ دے تو اس کا مالک کسی چیز کا ضامن نہ ہوگا یہ حکم باغ، زرع اور حرث میں ہے ابن عبدالحکم نے امام مالک سے یہ روایت کیا ہے۔ ابن القاسم نے کہا: رات کے وقت جانور جو نقصان کرے گا وہ اس جانور کے مالک کے مال میں ہوگا اگرچہ وہ نقصان اس جانور کی قیمت سے کئی گنا زیادہ بھی ہو کیونکہ جنایت اس کی طرف سے ہے جب اس نے جانور کو صحیح نہیں باندھا۔ جانور، غلام کی طرح نہیں ہے؛ یہ سخن اور اصبخ نے ابن القاسم سے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ کھیتی کے اگنے یا نہ اگنے کا انتظار نہیں کیا جائے گا جیسا کہ چھوٹے بچے کی عمر میں کیا جاتا ہے: عیسیٰ نے ابن قاسم سے روایت کیا ہے کہ اس کی قیمت لگائی جائے گی جبکہ وہ اتنی ہو چکی ہو کہ اس کی بیج حلال ہو۔ اشہب اور ابن نافع نے الجموعہ میں کہا: اگرچہ اس کی منفعت ظاہر نہ بھی ہوئی ہو۔ ابن عربی نے کہا: پہلا قول قوی ہے کیونکہ یہ اس کی صفت ہے پس اس کی قیمت لگائی جائے گی جس طرح ہر تلف شدہ مال کی اس کی صفت پر قیمت لگائی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر 18۔ اگر اس کے لیے کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا جس کی کھیتی خراب ہوئی ہے حتیٰ کہ اس کی کھیتی پھر اُگ آئی اور اس کی کمی پوری ہوگئی اگر تو اس میں اس سے پہلے جرنے کی یا کوئی اور منفعت تھی تو اس منفعت کا ضامن ہوگا اگر اس میں کوئی منفعت نہ تھی تو کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اصبخ نے کہا: وہ ضامن ہوگا کیونکہ تلف ہونا متحقق ہو چکا ہے اور پھر کھیتی کا تیار ہونا اس کی

طرف سے نہیں ہے۔ پس اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

مسئلہ نمبر 19۔ ابن سخون کی کتاب میں واقع ہے کہ یہ حدیث ان شہروں کے بارے میں ہے جو چار دیواری کے ساتھ گھیرے گئے ہوتے ہیں۔ رہے وہ شہر جن کی کھیتیاں متصل ہوتی ہیں اور ان کے ارد گرد باڑ وغیرہ نہیں ہوتی اور باغات بھی اسی طرح کھلے ہوتے ہیں تو بکریوں والے اس کے ضامن ہوں گے جو وہ خراب کریں گے خواہ وہ رات ہو یا دن ہو گویا ان کا خیال ہے کہ ایسے شہروں میں حیوانوں کو کھلا چھوڑنا ضرور خرابی کا باعث ہوگا؛ یہ لیٹ کے قول کی طرف میلان ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اصبح نے مدینہ میں کہا: مویشیوں والوں کے لیے دیہاتوں کی طرف بغیر چرواہوں کے نکالنا جائز نہیں۔ علماء نے اس بنا پر کہا کہ کوئی جگہ کھیت کے ٹکڑے یا چراگاہ کے ٹکڑے سے خالی نہیں ہوتی۔ اگر کھیت کا ٹکڑا ہو تو جانور اس میں داخل نہ ہوگا مگر وہ جس کی حاجت ہوگی اس کے مالکوں پر اس کی حفاظت لازم ہے اور جو وہ خراب کرے گا اس کا مالک ضامن ہوگا خواہ دن ہو یا رات ہو اور اگر چراگاہ کا ٹکڑا ہو تو کھیت والے کو اپنی حفاظت خود کرنی ہے، مویشیوں والوں پر کچھ نہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر 21۔ مویشیوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو کھلے پھرتے ہیں ایک وہ جو باڑوں میں بند کیے جاتے ہیں۔ امام مالک نے ان کی یہی تقسیم کی ہے۔ وہ جو کھیتوں اور پھلوں کے عادی ہوتے ہیں تو امام مالک نے فرمایا: انہیں ایسے شہروں میں نکالا اور بیچا جائے گا جہاں کھیت نہیں ہوتی اور ابن القاسم نے الکتاب وغیرہ میں اس کو روایت کیا ہے۔ ابن حبیب نے کہا: اگرچہ اس کا مالک اسے ناپسند بھی کرے۔ اسی طرح امام مالک نے اس جانور کے بارے میں کہا ہے جو کھیتی کو خراب کرنے کا عادی ہو اسے نکالا جائے گا اور بیچا جائے گا۔ رہے وہ جانور جس سے حفاظت کی جاسکتی ہے تو اس کے مالک کو اسے نکالنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 22۔ اصبح نے کہا: شہد کی مکھی، کبوتر، مرغی، جانور کی طرح ہے ان کے رکھنے سے اس کے مالک کو منع نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ نقصان کرتی بھی ہوں۔ دیہات والوں پر کھیتوں کی حفاظت کرنا ہوگا۔ ابن عربی نے کہا: یہ روایت ضعیف ہے اس کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی جو ایسی چیز رکھنے کا ارادہ کرے گا جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور وہ دوسروں کو نقصان نہیں پہنچاتی تو اسے رکھنے کی اجازت دی جائے گی لیکن جس چیز سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی وہ دوسروں کے نقصان کا باعث ہے تو پھر اسے اجازت نہیں ہوگی۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: لا ضرر ولا ضرار نہ نقصان اٹھایا جائے گا اور نہ نقصان پہنچایا جائے گا۔ یہ نقصان پہنچانے والے جانور ہیں۔ ابن القاسم کی روایت ہے کہ ان کے مالکوں پر تاوان نہیں ہے مگر یہ کہ وہ انہیں خود نقصان کرنے کے لیے بڑھائیں۔ ابن عربی نے کہا: ان پر تاوان ہوگا تقدم سے پہلے بھی جب وہ نقصان کرنے والے ہوں۔

مسئلہ نمبر 23۔ عبدالرزاق نے معمر سے انہوں نے قتادہ سے انہوں نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ ان کی بکری جو لاپے کی تانی میں داخل ہوگئی (اس نے اس کے دھاگے توڑ دیے) تو وہ جھگڑا قاضی شریح کے پاس لے آئے۔ شعبی نے کہا: اس کو دیکھو وہ ان سے سوال کریں گے کہ وہ دن کے وقت واقع ہوئی یا رات کے وقت داخل ہوئی پس قاضی شریح نے ایسا ہی

کیا پھر کہا: اگر رات کو ایسا ہوا ہے تو بکری کا مالک ضامن ہوگا اور اگر دن کے وقت ایسا ہوا ہے تو ضامن نہ ہوگا پھر شروع نے یہ آیت پڑھی: **إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ** فرمایا: النفس کا معنی رات کو چرنا ہے اور الھمل کا معنی دن کو چرنا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس باب سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: العجباء جرحھا جبار جانور کا زخمی کرنا رائیگان ہے یعنی اس کا تاوان نہیں ہوگا۔ ابن شہاب نے کہا: الجبار کا معنی رائیگان ہونا ہے۔ العجباء سے مراد جانور ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اس قول کا ظاہر یہ ہے کہ اکیلا جانور نقصان کر دے تو اس میں کچھ نہیں ہے یہ مجمع علیہ ہے اور اگر اس کے ساتھ مہار پکڑنے والا ہو یا پیچھے سے ہانکنے والا ہو یا اس پر سوار ہو پھر مالک نے اسے کسی چیز کو روندنے کے لیے ابھارا اور اس نے کسی چیز کو تلف کر دیا تو تلف کرنے والے کا حکم اس پر لاگو ہوگا اگر اس نے ایسی جنایت کر دی جس میں قصاس ہے اور اس کا اس پر چڑھانا عمد تھا تو اس میں قصاص ہوگا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ جانور آلہ (قتل) کی طرح ہے اگر بلا ارادہ ایسا ہوا ہے تو اس میں عاقلہ پر دیت ہوگی اور مال کے تلف کرنے کی صورت میں مجرم کے مال میں چٹی ہوگی۔

مسئلہ نمبر 24۔ علماء کا اس کے بارے اختلاف ہے جس کو جانور نے پاؤں یا دم کے ساتھ نقصان پہنچایا۔ امام مالک، لیث اور اوزاعی اس کے مالک پر ضمانت نہیں لگاتے جبکہ امام شافعی، ابن ابی لیلیٰ اور ابن شبرمہ اس پر ضمانت لگاتے ہیں۔ نقصان کرنے والے جانور جمہور کے نزدیک دوسرے جانوروں کی طرح ہیں۔ امام مالک اور بعض ان کے اصحاب اس کو ضمانت لگاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 25۔ سفیان بن حسین نے زہری سے انہوں نے سعید بن مسیب سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”پاؤں سے جانور جنایت کرے تو رائیگان ہے“ (1)۔ دارقطنی نے کہا: سفیان بن حسین کے علاوہ کسی نے اس کو روایت نہیں کیا اور اس کا کوئی متابع بھی نہیں۔ زہری سے روایت کرنے میں حفاظ حدیث نے اس کی مخالفت کی ہے۔ ان میں سے امام مالک، ابن عیینہ، یونس، معمر، ابن جریج، زبیدی، عقیل، لیث بن سعد وغیرہم ہیں، تمام زہری سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: العجباء جبار والبیثر جبار والعدن جبار، جانور کی کو نقصان پہنچادے تو وہ رائیگان ہے، کنویں میں کوئی گر کر مر جائے تو رائیگان ہے، کان میں کوئی مر جائے تو رائیگان ہے۔ ان تمام نے (پاؤں سے جانور نقصان پہنچائے تو رائیگان ہے) کو ذکر نہیں کیا اور یہی درست ہے اسی طرح اس کو ابو صالح، سلمان، عبدالرحمن اعرج، محمد بن سیرین، محمد بن زیاد وغیرہم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے بھی الرجل جبار کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی محفوظ ہے۔

مسئلہ نمبر 26۔ البیثر جبار اس کی جگہ النار جبار بھی مروی ہے۔ دارقطنی نے کہا ہمیں حمزہ بن قاسم ہاشمی نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں ضبل بن اسحاق نے بتایا انہوں نے کہا میں نے ابو عبد اللہ احمد بن حنبل کو عبد الرزاق کی حدیث میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث والنار جبار کچھ نہیں ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔ ہمیں مخلص نے بتایا انہوں

نے کہا ہمیں ابواسحاق ابراہیم بن معانی نے بتایا فرمایا میں نے احمد بن حنبل کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اہل یمن النار کو النیر لکھتے ہیں اور اس کی مثل البید لکھتے ہیں۔ عبدالرزاق نے النار جبار کی تلقین کی (1)۔ رمادی نے کہا: عبدالرزاق نے کہا معمر نے کہا: میرا خیال ہے یہ وہم ہے۔ ابو عمر نے کہا نبی کریم ﷺ سے مروی ہے معمر کی حدیث جو انہوں نے ہمام بن منبہ سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: النار جبار، یحییٰ بن معین نے کہا: اس کی اصل البئر جبار تھا معمر نے اس میں تصحیف کی ہے۔ ابو عمر نے کہا: ابن معین نے اپنے اس قول پر دلیل پیش نہیں کی۔ ثقات کی حدیث کو اس طرح رد نہیں کیا جاتا۔ وکیع نے عبدالعزیز بن حصین سے انہوں نے یحییٰ بن یحییٰ غسانی سے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے کھیت کے تنکے جلائے تو آگ کی ایک چنگاری اڑی اور اس نے پڑوسی کے کھیت کا کچھ حصہ جلا دیا۔ فرمایا: انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اس کے متعلق لکھا تو انہوں نے مجھے لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: العجاء جبار، اور میرا خیال ہے ان النار جبار اور العجاء کی جگہ السائمة جبار بھی مروی ہے۔ اس حدیث کے الفاظ میں یہ وارد ہے اور ہر معنی کے لیے لفظ صحیح مذکور ہے۔ شرح حدیث میں اور کتب فقہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ**، وہب نے کہا داؤد علیہ السلام پہاڑوں کے پاس تسبیح کرتے ہوئے گزرتے تو پہاڑ انہیں تسبیح کے ساتھ جواب دیتے۔ اسی طرح پرندے بھی آپ کے ساتھ تسبیح کرتے۔ بعض علماء نے فرمایا: جب حضرت داؤد علیہ السلام کمزوری محسوس کرتے تو پہاڑوں کو حکم دیتے تو وہ تسبیح کرتے حتیٰ کہ آپ کا اشتیاق بڑھ جاتا اسی وجہ سے فرمایا: **وَسَخَّرْنَا لِعَنِي هِمَّ** انہیں ایسا بنا دیا کہ وہ ان کی اطاعت کرتے جب وہ انہیں تسبیح کرنے کا حکم کرتے۔ بعض علماء نے فرمایا: پہاڑوں کا آپ کے ساتھ چلنا ان کا تسبیح کرنا ہے۔ التسبیح، السباحة سے ماخوذ ہے۔ اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: **لِيَجِبَالَ أَوْ بِمَعَةٍ (سبا: 10)** قنادہ نے کہا: یسبحن کا مطلب ہے وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھتے جب آپ نماز پڑھتے۔ التسبیح سے مراد نماز ہے۔ یہ تمام احتمال ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا کیونکہ پہاڑ عقل نہیں رکھتے۔ پس ان کا تسبیح کرنا، اللہ تعالیٰ کی عاجز اور محدث کی صفات سے پاکیزگی بیان کرنے پر دلالت ہے۔

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُؤٍ مِّمَّنْ لَكُمْ لِيُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ ۝

”اور ہم نے سکھا دیا انہیں زرہ بنانے کا ہنر تمہارے فائدے کے لیے تاکہ وہ زرہ بچائے تمہیں تمہاری زد سے تو

کیا تم (اس احسان کا) شکر یہ ادا کرنے والے ہو۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُؤٍ مِّمَّنْ لَكُمْ لِيُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَأْسِكُمْ** یعنی لوہے کو داؤد کے لیے نرم کر کے زرہ بنانے کا

ہنر سکھایا۔ عربوں کے نزدیک لبوس ہر ہتھیار کو کہتے ہیں خواہ وہ زرہ ہو یا جوشن (زرہ) ہو یا تلوار ہو یا نیزہ ہو۔ ہزلی نیزے کی

تعریف کرتا ہے:

وَمَعَى لِبُؤْسٍ لِّبَيْسٍ كَانَتْ رِزْقٌ بِجَبْهَةِ ذِي نَعَاظٍ مُّخْفَلٍ

اللبوس ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو پہنی جاتی ہے، ابن سکیت نے کہا:

الْبُسُّ يَكُونُ حَالَةً لِّبُؤْسِهَا إِمَّا نَعِيَّتَهَا إِمَّا بُؤْسَهَا

اللہ تعالیٰ نے یہاں لبوس سے زرہ کا ارادہ کیا ہے۔ یہ لبوس بمعنی ملبوس ہے جیسے رکوب اور حلوب بمعنی مفعول استعمال ہوتا ہے۔ قتادہ نے کہا: سب سے پہلے زرہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بنائی۔ پہلے سیدھی ہوتی تھیں سب سے پہلے آپ نے اس کے حلقے بنائے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِيُحَصِّنْكُمْ تَاكُمُ تَمَاهِي بِنَايَ۔ قَرْنُ بَأْسِكُمْ تَمَاهِي جَنبِ سَ۔ بعض علماء نے فرمایا: بَأْسِكُمْ سے مراد کوار، تیر اور نیزہ ہے یعنی تمہاری جنگ کے آلات سے۔ مضاف حذف کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قَرْنُ بَأْسِكُمْ سے مراد من سلاحکم (تمہارے ہتھیاروں سے) ہے۔ ضحاک نے کہا: من حرب اعداءکم تمہارے دشمن کی جنگ سے۔ مفہوم ایک ہی ہے۔ حسن، ابو جعفر، ابن عامر، حفص اور روح نے لتحصنکم کو تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ضمیر کو الصنعة کی طرف لوٹاتے ہوئے۔ بعض نے کہا: اللبوس اور الصنعة کی طرف ضمیر راجع ہے جس کا مطلب زرہیں ہیں۔ شیبہ، ابوبکر مفضل، رویسی، ابن ابی اسحاق نے، لتحصنکم نون کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ پیچھے بے وَ عَلَمُهُ بَاتِي قَرَاءِ نِيَاءِ كَيْ سَا تَهْ پُڑھا ہے انہوں نے فعل کو لبوس کے لیے بنایا ہے یا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ تمہیں بچائے گا۔ فَهَلْ أَنْتُمْ شُكْرًا وَنَ ۝ کیا تم زرہ کی نعمت کو آسان کرنے پر شکر کرتے ہو۔ بعض نے فرمایا: هل اتتم شاكرون کیا تم میرے رسول کی اطاعت کر کے شکر کرتے ہو۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ آیت اسباب اور صنائع کے استعمال میں اصل ہے، یہ صاحب العقول لوگوں کا قول ہے۔ یہ ان جبلاء اور اغنیاء کا قول نہیں جو کہتے ہیں: یہ ضعفاء کے لیے شروع کی گئی۔ سب کا بنانا اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں سنت ہے۔ پس جس نے سب میں طعن کیا اس نے کتاب و سنت میں طعن کیا اور اس کو ضعف اور عدم احسان کی طرف منسوب کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق خبر دی ہے کہ وہ زرہیں بناتے تھے اور اسی طرح وہ کھجور کے پتوں سے چیزیں بناتے تھے، وہ اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام لکڑی کا کام کرتے تھے۔ حضرت لقمان درزی تھے۔ حضرت طالوت کھالوں کی دباغت کرتے تھے۔ بعض نے فرمایا: پانی بھرتے تھے۔ ہنر انسان کے نفس کو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے روکتا ہے اور ان کے نفس سے ضرر اور تکلیف کو دور کرتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے ”اللہ تعالیٰ اس مومن سے محبت کرتا ہے جو کوئی پیشہ اختیار کیے ہوئے ہو، عاجزی کرنے والا ہو، لوگوں سے سوال نہ کرنے والا ہو، اصرار سے سوال کرنے والے سے بغض رکھتا ہو“ (1)۔ اس کا مزید بیان سورہ الفرقان میں آئے گا۔ کچھ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ اس میں کفایت ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمِينَ ﴿١٧﴾ وَمِنَ الشَّيْطَانِ مَنْ يُغْوِصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ ﴿١٨﴾

”اور ہم نے سلیمان کے لیے تند و تیز ہوا کو فرما کر بنا دیا یا چلتی تھی وہ ہوا ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف جتہ ہم نے بابرکت بنا دیا تھا اور ہم ہر چیز کو جاننے والے تھے۔ اور ہم نے مسخر کردیے شیطانوں میں سے جو (سمندروں میں) غوطہ زنی کرتے ان کے لیے اور کیا کرتے طرح طرح کے اور کام اور ہم ہی ان کے نگہبان تھے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً** یعنی ہم نے سلیمان کے لیے تند و تیز ہوا کو فرما کر بنا دیا۔ کہا جاتا ہے: **عصفت الريح** ہوا تیز ہوگئی، **ريح عاصف** و **عصوف** تند و تیز ہوا۔ بنی اسد کی لغت میں **أعصفت الريح** فہی **معصف** و **معصفه** استعمال ہوتا ہے۔ **العصف** بھوسے کو کہتے ہیں اور اس کے ساتھ تیز ہوا کے لیے بولا جاتا ہے کیونکہ وہ بھوسے کو تیزی سے اڑاتی ہے۔ **عبد الرحمن اعرج**، سلمی اور ابو بکر نے **ولسليمان الريح** یعنی حا کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے اور ما قبل سے قطع کرنے کی بنا پر معنی یہ ہے کہ سلیمان کے لیے ہوا کو فرما کر بنا دیا۔ یہ مبتدا خبر ہیں۔

تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا، **الْأَرْضِ** سے مراد شام کا علاقہ ہے۔ روایت ہے کہ ہوا حضرت سلیمان اور آپ کے ساتھیوں کو وہاں لے جاتی جہاں آپ کا ارادہ ہوتا تھا پھر آپ کو شام کی طرف لوٹا دیتی۔ وہب نے کہا: حضرت سلیمان بن داؤد جب اپنی مجلس کی طرف نکلتے تو پرندے آپ پر رک جاتے اور جن و انس آپ کے لیے کھڑے رہتے حتیٰ کہ آپ اپنے تخت پر بیٹھ جاتے۔ آپ جنگجو تھے۔ جنگ سے کبھی نہیں ہینٹتے تھے۔ جب آپ جہاد کا ارادہ کرتے تو آپ تخت کو بچھانے کا حکم دیتے، تخت بچھایا جاتا اور اس پر لوگوں کو سوار کیا جاتا جانور اور آلات حرب بھی سوار کیے جاتے پھر آپ تیز ہوا کو حکم دیتے تو وہ اس تخت کو اٹھا لیتی پھر آپ نرم ہوا کو حکم دیتے تو وہ صبح اور شام کے وقت ایک ایک مہینہ کی مسافت سے چلتی۔ **تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُحًا حَيْثُ أَصَابَ** ﴿١٧﴾ (ص) کا یہی معنی ہے۔ **الرخاء** کا معنی نرم ہے۔ **وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمِينَ** ﴿١٧﴾ یعنی یہ سب کچھ ہم نے کیا جبکہ ہم اس کی تدبیر کو جاننے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمِنَ الشَّيْطَانِ مَنْ يُغْوِصُونَ لَهُ** یعنی ہم نے ان کے لیے مسخر کر دیا انہیں جو غوطہ لگاتے تھے یعنی پانی کے نیچے جاتے تھے اور سمندر سے حضرت سلیمان کی خاطر جو اہرنکالتے تھے۔ **الغوص** کا معنی ہے پانی کا نیچے اترنا۔ **غاص في الماء** پانی کے نیچے گیا اور **الهاجم على الشئ** کسی چیز پر حملہ کرنے والے کو غائص کہتے ہیں۔ **الغواص** جو موتیوں پر سمندر میں غوطہ لگاتا ہے اس کے فعل کو غياصة کہتے ہیں۔

وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَلِكَ یعنی غواص کے عمل کے علاوہ عمل کرتے تھے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا اس سے مراد محاریب، تماثيل وغیرہ کے کام ہیں جن میں آپ جنوں کو لگائے رکھتے تھے۔ **وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ** ﴿١٨﴾ ان کے اعمال کی نگرانی کرنے والے تھے۔ فراء نے کہا: اس کا مطلب ہے اعمال کو خراب کرنے سے پہلے ان کی حفاظت کرنے والے تھے۔ بعض نے کہا: اس میں بنی آدم میں سے کسی پر حملہ کرنے سے ہم ان کی حفاظت کرنے والے تھے۔ بعض نے کہا: اس کا معنی

ہے کہ ہم ان کے بھاگنے اور انکار کرنے سے حفاظت کرنے والے تھے یا یہ کہ ہم نے ان کی حفاظت کی کہ کہیں اس کے امر سے نکل نہ جائیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حمام، چونا، بال گرانے والی چیزیں، شیشے اور صابون جنوں کے استخراج سے ہے۔

وَ اَيُّوبَ اِذْ نَادَى رَبَّهُ اِنِّى مَسْنِى الضُّرِّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّحِيْمِ ۝ فَاسْتَجَبْنَا
لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ وَاَتَيْنَاهُ اَهْلَهُ وَ مِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَاحَةً مِّنْ عِنْدِنَا
وَ ذِكْرًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

”اور یاد کرو ایوب کو جب پکارا انہوں نے اپنے رب کو کہ مجھے پہنچی ہے سخت تکلیف اور تو رحم الراحمین ہے (میرے حال زار پر بھی رحم فرما) تو ہم نے قبول فرمائی اس کی فریاد اور ہم نے دور فرمادی جو تکلیف انہیں پہنچ رہی تھی اور ہم نے عطا کیے اسے اس کے گھروالے نیز اتنے اور ان کے ساتھ اپنی رحمت خاص سے اور یہ نصیحت ہے عبادت گزاروں کے لیے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اَيُّوبَ اِذْ نَادَى رَبَّهُ یعنی یاد کرو ایوب کو جب پکارا انہوں نے اپنے رب کو اِنِّى مَسْنِى الضُّرِّ میرے بدن میں اور میرے مال اور اہل میں مجھے تکلیف پہنچی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایوب کو ایوب اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے تھے۔ روایت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام روم کے ایک مالدار آدمی تھے۔ انتہائی نیکوکار اور متقی تھے۔ مسکینوں پر بہت رحم فرماتے تھے۔ یتیموں اور بیواؤں کی کفالت کرتے تھے۔ مہمان کی عزت کرتے تھے۔ مسافر کو مال پہنچاتے تھے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرنے والے تھے۔ وہ اپنی قوم کے ساتھ ایک جابر شخص کے پاس گئے پس انہوں نے اسے ایک کام کے لیے مخاطب کیا حضرت ایوب اس کے لیے نرمی سے بات کر رہے تھے اپنی کھیتی کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ نے مال اور اہل لے کر اور جسم میں تکلیف دے کر انہیں آزمائش میں ڈال دیا آپ کے جسم سے گوشت گر گیا تھا اور جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے حتیٰ کہ شہر والوں نے آپ کو شہر سے باہر نکال دیا آپ کی بیوی آپ کی خدمت کرتی تھی۔ حسن نے کہا: آپ نو سال چھ ماہ اسی کیفیت میں رہے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی تکلیف دور کرنے کا ارادہ کیا تو فرمایا: اُنْرَاكُضْ بِرُجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌ بَآرْمَدٍ وَّ شَرَابٌ ۝ (ص) اس پانی میں تمہاری شنا ہے میں نے تجھے تیرے اہل، مال اور اولاد بھی واپس کر دیے اور ان کی مثل ان کے ساتھ اور بھی عطا کیے۔ مزید تفصیل سورہ (ص) میں آئے گی۔ اور جو کچھ مفسرین نے لکھا ہے کہ شیطان کو آپ پر تسلط دیا گیا تھا اور مفسرین کا رو بھی انشاء اللہ آئے گا۔ حضرت ایوب کے قول: مَسْنِى الضُّرِّ میں پندرہ اقوال ہیں۔ (۱) آپ نماز پڑھنے کے لیے اٹھے تو آپ نہ اٹھ سکے تو آپ نے عرض کی: مَسْنِى الضُّرِّ یہ آپ نے اپنی حالت کو بیان کرنے کے لیے کہا۔ مصیبت کی وجہ سے شکوئی نہیں۔ حضرت انس نے اس کو مرفوع ذکر کیا ہے۔ (۲) یہ عجز کا اقرار ہے یہ صبر کے منافی نہیں۔ (۳) اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان پر یہ جاری فرمایا تاکہ آپ کے بعد آنے والے اہل بلا کے لیے حجت ہو جائے، وہ مصیبت میں یہ اظہار کر سکیں۔ (۴) یہ آپ کی زبان پر جاری فرمایا یہ لازم

کرنے کے لیے کہ انسان تکلیف برداشت کرنے میں ضعیف اور کمزور ہے۔ (۵) چالیس دن آپ سے وحی کا سلسلہ منقطع رہا آپ اپنے رب کے چھوڑنے سے خوفزدہ ہوئے اور عرض کی: مَسْنَى الطُّمَّاءُ؛ یہ جعفر بن محمد کا قول ہے۔ (۶) آپ کے تلامذہ آپ سے وحی اور دین کی باتیں لکھتے تھے جب آپ کی تکلیف اس انتہا کو پہنچی تو انہوں نے اس کو مٹانا شروع کر دیا اور انہوں نے کہا: اللہ کی بارگاہ میں ان کی کوئی قدر نہیں ہے۔ پس آپ نے وحی کے ضائع ہونے اور لوگوں کے ہاتھوں سے دین کے چلے جانے کی تکلیف محسوس کی۔ اس کی سند صحیح نہیں۔ واللہ اعلم؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔ (۷) کیڑا آپ کے جسم سے گرا تو آپ نے اپنے پکڑ اور اسے اپنے جسم پر اپنی جگہ پر رکھ دیا اس نے آپ کو کاٹا تو آپ نے چیختے ہوئے کہا: مَسْنَى الطُّمَّاءُ تو کہا گیا: کیا نوام پر صبر کرتا ہے؟ ابن عربی نے کہا: یہ بہت بعید قول ہے نیز اس کے لیے نقل صحیح کی بھی ضرورت ہے اور اس کے وجود کا کوئی راستہ نہیں۔ (۸) کیڑے آپ کو کھاتے رہے تو آپ صبر کرتے رہے حتیٰ کہ ایک کیڑے نے دل پر حملہ کیا اور دوسرے نے زبان پر حملہ کیا تو آپ نے کہا: مَسْنَى الطُّمَّاءُ تاکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے محروم نہ ہو جاؤں۔ ابن عربی نے کہا: یہ عمدہ قول ہے اگر اس کی سند ہو جبکہ دعویٰ لمبا چوڑا نہیں ہے۔ (۹) اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو مصیبت میں گرفتار کرنے کی جہت کو مخفی رکھا کیا یہ تادیب تھی یا تعذیب، یا تخصیص تھی یا تمحیص یا زخر تھا یا طہر تھا۔ آپ نے عرض کی: مَسْنَى الطُّمَّاءُ یعنی تکلیف میں مبتلا کرنے کی جہت میں اشکال کی تکلیف مراد ہے۔ ابن عربی نے کہا یہ غلو ہے اس کی ضرورت نہیں۔ (۱۰) حضرت ایوب علیہ السلام سے کہا گیا کہ تم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرو۔ آپ نے کہا: میں ستر سال نعمتوں میں رہا اور سات سال مصیبت میں گرفتار رہا ہوں اس وقت میں اس سے سوال کروں آپ نے اتنا عرض کیا: مَسْنَى الطُّمَّاءُ ابن عربی نے کہا: یہ ممکن ہے لیکن آپ کی مدت اقامت کے بارے میں کوئی خبر صحیح نہیں ہے۔ اور نہ آپ کے واقعہ میں کوئی حدیث صحیح ہے۔ (۱۱) آپ کی بیوی کو شیطان نے کہا: تو میرے لیے سجدہ کر تو اس قول نے آپ کو تکلیف پہنچائی۔ آپ کو اندیشہ ہوا کہ میری بیوی کا ایمان ضائع ہو جائے گا اور وہ ہلاک ہو جائے گی۔ اور آپ بغیر کسی کفیل کے رہ جائیں گے۔ (۱۲) جب آپ پر آزمائش ظاہر ہوئی تو آپ کی قوم نے کہا: اس کا ہمارے ساتھ ہونا ہمیں تکلیف دیتا ہے پس اسے ہم سے دور کرنا چاہیے۔ آپ کی بیوی آپ کو شہر سے باہر نکال کر لے گئی لوگ جب آپ کو دیکھتے تو دیکھ کر بری فال پکڑتے پھر انہوں نے کہا: اسے اتنا دور ہونا چاہیے کہ ہم اسے دیکھ نہ سکیں۔ پھر آپ شہر سے بہت دور چلے گئے۔ آپ کی بیوی آپ کی دیکھ بھال کرتی اور آپ کی طرف کھانا لے جاتی۔ لوگوں نے کہا: یہ عورت اس کے پاس جاتی ہے پھر ہمارے پاس آتی ہے کہیں ایسا نہ ہو اس کے سبب اس کی تکلیف ہماری طرف لوٹ آئے۔ لوگوں نے بیوی کو حضرت ایوب علیہ السلام سے روکنے کا ارادہ کیا تو آپ نے کہا: مَسْنَى الطُّمَّاءُ۔ (۱۳) عبد اللہ بن عمیر نے کہا: حضرت ایوب کے دو بھائی تھے وہ آپ کے پاس آئے اور دور کھڑے ہو گئے آپ کی بدبو کی وجہ سے وہ آپ کے قریب نہیں آسکتے تھے ایک نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ ایوب میں کوئی خیر دیکھتا تو اس تکلیف میں مبتلا نہ کرتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اس سے زیادہ تکلیف دہ کلمہ نہ سنا اس وقت آپ نے عرض کی: مَسْنَى الطُّمَّاءُ پھر آپ نے یہ دعا کی: اے اللہ اگر مجھے جانتا ہے کہ میں نے کبھی سیر ہو کر رات نہیں گذاری میں بھوکے کے مکان کو جانتا ہوں پس تو میری تصدیق فرما۔ آسمان سے

ایک ندادینے والے نے ندادی میرے بندے نے سچ کہا۔ وہ دونوں بھائی سجدہ میں گر گئے۔ (۱۴) مَسْنَى الطُّرِّ كَمَا مَعْنَى بے دشمن خوش ہو رہے ہیں، اسی وجہ سے آپ سے پوچھا گیا: تمہاری تکلیف میں کونسی چیز آپ پر شدید تھی؟ فرمایا: دشمنوں کا خوش ہونا۔ ابن عربی نے کہا: یہ ممکن ہے کیونکہ کلیم سے ان کے بھائی نے اس وجہ سے عافیت کا سوال کیا تو آپ نے کہا: إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضَعُّونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي ۗ فَلَا تُشْبِثُ بِي الْأَعْدَاءُ (الاعراف: 150) (۱۵) آپ کی بیوی کی مینڈھیاں تھیں جب وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت کی وجہ سے کوئی کام نہیں کر سکتی تھی تو اس نے اپنی مینڈھیاں کاٹیں اور انہیں خوراک کے بدلے بیچ ڈالا اور خوراک حضرت ایوب کے پاس لے آئی۔ حضرت ایوب تصرف اور حرکت کرنے کے لیے اپنی بیوی کی مینڈھیوں سے سہارا لیتے تھے۔ جب انہیں نہ پایا اور حرکت کرنے کا ارادہ کیا تو حرکت نہ کر سکے اس وقت عرض کی: مَسْنَى الطُّرِّ بَعْضُ عُلَمَاءَ نَزَّهَاتٍ كَمَا مَعْنَى بے دشمنوں کا خوش ہونا۔ جب آپ کی بیوی نے اپنی مینڈھیوں کے بدلے خوراک خریدی تو ابلیس لعنۃ اللہ علیہ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس انسانی شکل میں آیا اور کہا تیری بیوی نے بدکاری کی ہے اور وہ پکڑی گئی ہے اور اس کے بال مونڈ دیئے گئے ہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم اٹھائی کہ وہ اسے کوڑے ماریں گے تو عورت کے دل پر محبت، حضرت ایوب کے دل پر محبت سے زیادہ سخت تھی۔

میں کہتا ہوں: (۱۶) سولہواں قول وہ ہے جو ابن المبارک نے ذکر کیا ہے، ہمیں یونس بن یزید نے بتایا انہوں نے عقیل سے اور انہوں نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دن حضرت ایوب علیہ السلام اور ان کی آزمائش کا ذکر کیا اس میں ہے کہ ”آپ کا ایک بھائی آپ کے ساتھ لازم رہا اس نے کہا: اے اللہ کے نبی! مجھے تیرے معاملہ نے تعجب میں ڈالا میں اس کا ذکر تیرے بھائی اور تیری ساتھی سے کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے اہل اور مال کے تلف کرنے اور جسم میں بیماری پیدا کرنے کے ساتھ اٹھارہ سال سے آزمایا ہے حتیٰ کہ تو اس کیفیت میں پہنچ گیا جو تو دیکھ رہا ہے کیا وہ تجھ پر رحم نہیں کرتا کہ وہ تجھ سے تکلیف دور کر دے۔ تو نے کوئی ایسا گناہ کیا ہے جو میرے خیال کے مطابق کسی نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے کہا: میں نہیں جانتا جو وہ کہتے ہیں مگر میرا رب جانتا ہے کہ میں دو آدمیوں کے پاس سے گزرتا ہوں وہ گمان کرتے ہیں اور ہر ایک اللہ کی قسم اٹھاتا ہے یا ایک جماعت سے گزرتا ہوں جو گمان کرتے ہیں پھر میں اپنے گھروالوں کی طرف لوٹتا ہوں پھر میں ان کی قسموں کا کفارہ دیتا ہوں اس ارادہ سے کہ کوئی گنہگار نہ ہو جو اس نے ذکر کیا ہے۔ اور کوئی اسے ذکر نہ کرے مگر حق کے ساتھ پس حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا: مَسْنَى الطُّرِّ وَأَنْتَ أَمْرًا حَمُّ التُّرْحِينِ ۝ آپ کی دعا بڑی طویل تھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا پیش کی اس تکلیف کی وجہ سے جو آپ کو پہنچی ہوئی تھی آپ اس تکلیف پر صبر کرنے والے تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی تھی۔ (۱۷) ستر واں قول یہ ہے جو میں نے سنا ہے اور میں اس پر واقف نہیں ہوں: ایک کیزا آپ کے جسم سے گرا تو آپ نے اسے تلاش کیا تا کہ اسے اپنی جگہ لوٹا دیں تو وہ آپ کو نہ ملا آپ نے عرض کی: مَسْنَى الطُّرِّ جب آپ کو اس کیزے کی تکلیف کا اجر نہ ملا آپ چاہتے تھے کہ عافیت کے وقت پورا اجر ملتا رہے۔ یہ عمدہ قول ہے مگر سند کا محتاج ہے۔ علماء نے فرمایا: مَسْنَى الطُّرِّ یہ بطور گھبراہٹ نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں

فرمایا: **إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا** (ص: 44) ہم نے ایوب کو صبر کرنے والا پایا بلکہ یہ آپ کی طرف سے یہ دعا تھی۔ **الجزع وہ شکوئی** ہے جو مخلوق کی طرف ہو۔ اللہ کی بارگاہ میں عرض شکوئی نہیں ہوتا۔ دعا، رضا کے منافی نہیں ہے۔ ثعلبی نے کہا: میں نے اپنے استاذ ابوالقاسم بن حبیب کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں سلطان کے دربار میں فقہاء اور ادباء کی مجلس میں حاضر تھا مجھ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا اس پر اجماع کے بعد کہ حضرت ایوب علیہ السلام کا قول شکایت تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **إِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا** (ص: 44) ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا۔ میں نے کہا: یہ شکایت نہیں تھی یہ دعا تھی۔ اس کا بیان **فَأَسْتَجِبْنَا لَهُ** ہے دعا کے بعد قبولیت ہوتی ہے نہ کہ شکایت کے بعد قبولیت ہوتی ہے۔ علماء نے اس جواب کو اچھا سمجھا اور اس سے خوش ہوئے۔ جنید سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: سوال کے فاقہ کا اظہار کیا تھا تا کہ اس پر نوال کے کرم کے ساتھ احسان کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضِرٍّ وَأَتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمَثَلَهُمْ مَعَهُمْ** مجاہد اور عکرمہ نے کہا: حضرت ایوب علیہ السلام سے کہا گیا ہم نے تجھے جنت میں تیرے اہل عطا کیے اگر تو چاہے تو ہم تیرے لیے انہیں جنت میں رہنے دیں اور اگر تو چاہے تو ہم انہیں دنیا میں تجھے عطا کر دیں۔ مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت ایوب کے لیے جنت میں چھوڑ دیا اور دنیا میں ان کی مثل انہیں عطا فرمائے۔ نحاس نے کہا: ان دونوں سے اس کی سند صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ مہدوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حکایت کیا ہے۔ ضحاک نے کہا: حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا حضرت ایوب علیہ السلام کے اہل، بیوی کے سوا سب فوت ہو گئے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آنکھ جھپکنے سے کم وقت میں انہیں زندہ کر دیا اور ان کی مثل ان کے ساتھ عطا فرمائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ کے بیٹے فوت ہو گئے تھے پس آپ کی خاطر انہیں زندہ کیا گیا اور ان کی مثل ان کے ساتھ اور پیدا ہوئے؛ یہ قتادہ، کعب احبار اور کلبی وغیرہم کا قول ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کی اولاد فوت ہو گئی اور وہ سات مرد تھے اور سات عورتیں تھیں۔ جب آپ کو صحت دی گئی تو وہ آپ کے لیے اٹھائے گئے اور آپ کی بیوی نے سات بیٹے اور سات بیٹیاں جنم دیں۔ ثعلبی نے کہا: یہ قول ظاہر آیت کے زیادہ مناسب ہے۔

میں کہتا ہوں: وہ بطور آزمائش اپنی مدت عمر سے پہلے فوت ہو گئے تھے جیسا کہ سورہ بقرہ میں **الذین خَوَّجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ لِحَاجٍ** (البقرہ: 243) کے واقعہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ اور وہ ستر افراد جن کو کڑک نے آلیا تھا اور وہ مر گئے تھے پھر وہ زندہ کیے گئے یہ اس لیے ہوا کہ وہ اپنی مدت عمر سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔ یہاں بھی اسی طرح ہوا۔ مجاہد اور عکرمہ کے قول پر معنی یہ ہوگا ہم نے اسے اجرت میں اس کے اہل عطا فرمائے اور دنیا میں ان کی مثل ان کے ساتھ۔ اور خبر میں ہے اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو آپ کی طرف بھیجا جب آپ نے زمین پر پاؤں مارا تھا اور گرم پانی کا چشمہ ظاہر ہوا تھا حضرت جبریل نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور اسے جھاڑا تو آپ کے کیزے سارے گر گئے۔ اور آپ پانی میں داخل ہوئے تو گوشت پیدا ہو گیا اور آپ اپنی جگہ پر لوٹ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے اہل اور ان کی مثل ان کے ساتھ اور عطا فرمادئے۔ اور ایک

بادل آپ کے گھر کی بنیادوں کی مقدار ظاہر ہو اور وہ تین دن اور تین راتیں سونے کی کنزیاں برساتا رہا۔ حضرت جبریل نے آپ کو کہا: کیا آپ سیر ہو گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے فضل سے کون سیر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ میں نے آزمائش سے پہلے اور آزمائش کے بعد تیری صبر کے ساتھ تعریف کی ہے اگر میں نے خود تیرے ہر بال کے نیچے صبر نہ رکھا ہوتا تو تو صبر نہ کرتا۔ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا یہ سب کچھ ہم نے اپنی رحمت کی بنا پر کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: ہم نے اسے آزمایا تاکہ کل اس کا ثواب زیادہ ہو۔ وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ ﴿۱۵﴾ عبادت گزاروں کے لیے نصیحت ہے کیونکہ جب وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی آزمائش اس پر ان کا صبر اور محنت کو یاد کریں گے جبکہ وہ اپنے زمانہ کے سب لوگوں سے افضل تھے تو وہ بھی دنیا کی تکالیف پر اپنے نفسوں کو صبر کا عادی بنائیں گے جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے کیا تھا۔ پس یہ ان کے لیے ہمیشہ عبادت کرنے اور تکلیف برداشت کرنے پر تشبیہ ہے اور حضرت ایوب علیہ السلام کتنی مدت آزمائش میں رہے اس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آزمائش کی مدت سات سال اور سات مہینے اور سات دن اور سات راتیں تھیں۔ وہب نے کہا: تیس سال تھی۔ حسن نے کہا: سات سال اور چھ مہینے تھی۔

میں کہتا ہوں: ان میں سے اصح اٹھارہ سال ہے۔ ابن شہاب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا ہے اور ابن المبارک نے اس کو ذکر کیا ہے۔

وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ ۗ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۶﴾ وَادْخُلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا ۗ
إِنَّهُمْ مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۷﴾

”اور یاد کرو اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل (علیہم السلام) کو یہ سب صابروں کے گروہ سے تھے۔ اور ہم نے داخل فرمایا انہیں اپنی خاص رحمت میں یقیناً وہ نیک بندوں میں سے تھے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِسْمَاعِيلَ وَادْرِيسَ اور ذوالکفل یعنی اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل کو یاد کرو۔ ترمذی الحکیم نے نوادر الاصول میں حضرت ابن عمر کی حدیث نقل کی ہے جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے فرمایا: بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس کو ذوالکفل کہا جاتا تھا وہ کسی گناہ سے بچتا نہیں تھا اس نے ایک عورت کا پیچھا کیا اس سے بدکاری کرنے کے لیے اسے سات دینار دیے جب وہ اس کے قریب بیٹھا تو وہ کانپنے لگی اور رونے لگی ذوالکفل نے کہا: تو کیوں رورہی ہے؟ اس نے کہا: اس عمل کی وجہ سے۔ اللہ کی قسم! میں نے کبھی ایسا گناہ نہیں کیا۔ ذوالکفل نے کہا: کیا میں نے تجھے مجبور کیا ہے؟ اس عورت نے کہا: نہیں لیکن مجھے حاجت نے مجبور کیا ہے۔ ذوالکفل نے کہا: تو چلی جا وہ تم بھی تیری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں اس کے بعد کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا پھر وہ رات کو فوت ہو گیا لوگوں نے اس کے دروازے پر یہ لکھا ہوا پایا: ان الله قد غفر لذي الكفل الله تعالیٰ نے ذوالکفل کی بخشش کر دی ہے۔ اس کو ابو یسعی ترمذی نے بھی تخریج کیا ہے۔ اس کے لفظ حضرت ابن عمر سے مروی ہیں فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیث بیان کرتے ہوئے سنا: ”اگر میں نے اس کو نہ سنا مگر ایک یاد و مرتبہ حتیٰ کہ سات مرتبہ کو شمار کیا۔ تو میں اسے بیان نہ کرتا لیکن میں نے

اس سے زیادہ مرتبہ سنا ہے۔ میں نے نبی پاک ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”ذوالکفل بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا جو کسی گناہ سے نہیں بچتا تھا جس کو وہ کرنا چاہتا تھا۔ ایک عورت اس کے پیچھے آئی اس نے اسے ساٹھ دینار دیے اس شرط پر کہ وہ اس کے ساتھ وطی کرے گا جب وہ اس کے قریب بیٹھا تو وہ کانپنے لگی اور رونے لگی۔ ذوالکفل نے پوچھا: تو کیوں رورہی ہے؟ کیا میں نے تجھے مجبور کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں لیکن یہ ایسا گناہ ہے جو میں نے کبھی نہیں کیا ہے اور مجھے اس پر حاجت نے ابھارا ہے۔ ذوالکفل نے کہا: تو ایسا کرتی ہے اور میں نے ایسا نہیں کیا تو چلی جا اور پیسے بھی تیرے ہیں۔ ذوالکفل نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس کے بعد کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا وہ اسی رات فوت ہو گیا۔ صبح اس کے دروازے پر لکھا ہوا تھا: اللہ تعالیٰ نے ذوالکفل کو بخش دیا ہے۔“ فرمایا: یہ حدیث حسن ہے (1)۔ بعض نے کہا: الیسع جب وہ بوڑھا ہو گیا تو کہا: اگر میں لوگوں پر کسی کو خلیفہ بناؤں حتیٰ کہ میں دیکھوں کہ وہ کیسے عمل کرتا ہے آپ نے فرمایا: تین دن کی کون مجھے ضمانت دے گا دن کو روزہ رکھے، رات کو قیام کرے اور فیصلہ کرتے وقت غصہ میں نہ آئے۔ عیص کی اولاد میں سے ایک شخص نے کہا: میں۔ آپ نے اسے رد کر دیا۔ پھر دوسرے دن بھی اسی طرح فرمایا تو اسی شخص نے کہا: میں۔ آپ نے اسے خلیفہ بنایا۔ پس اس نے وعدہ وفا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف فرمائی اور اس کا نام ذوالکفل رکھا کیونکہ اس نے ایک امر کی ضمانت دی تھی، یہ حضرت ابو موسیٰ، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ عمر بن عبدالرحمن بن حرث نے کہا: حضرت ابو موسیٰ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ ”ذوالکفل نبی نہیں تھا لیکن وہ عبد صالح تھا اپنی موت کے وقت ایک نیک شخص کے عمل کی ضمانت لی تھی۔ وہ ہر روز اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سو رکعت نماز پڑھتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کی تعریف فرمائی“ (2)۔ کعب نے کہا: بنی اسرائیل میں ایک کافر بادشاہ تھا اس کے شہر سے ایک نیک شخص گزرا تو اس نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میں اس شہر سے نکلوں گا تو اس بادشاہ پر اسلام پیش کروں گا۔ اس نے اس بادشاہ پر اسلام پیش کیا اس بادشاہ نے پوچھا: میری کیا جزا ہوگی؟ اس نے کہا: جنت۔ اور اس کے لیے جنت کی صفت بیان کی۔ بادشاہ نے کہا: مجھے اس کی کون ضمانت دے گا؟ اس شخص نے کہا: میں۔ پس وہ بادشاہ اسلام لایا اور اپنی مملکت سے علیحدہ ہو گیا اور اپنے رب کی طاعت کی طرف متوجہ ہوا حتیٰ کہ وہ فوت ہو گیا۔ وہ دفن کیا گیا صبح ہوئی تو لوگوں نے اس کا ہاتھ قبر سے باہر دیکھا اس کے ہاتھ میں سبز رقعہ تھا جس میں سفید نور کے ساتھ یہ لکھا ہوا تھا: ان الله قد غفر لي وأدخلني الجنة وولي عن كفالة فلان۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے معاف کر دیا ہے اور مجھے جنت میں داخل کیا ہے اور فلاں کی کفالت کو پورا کیا ہے۔ لوگ اس شخص کی طرف دوڑ کر گئے تاکہ وہ ان پر ایمان کا عہد لے اور ان کے لیے کفیل بن جائے، جس طرح بادشاہ کے لیے کفیل بنا تھا۔ اس نے ایسا ہی کیا وہ تمام لوگ ایمان لے آئے اور اس کا نام ذوالکفل رکھا گیا۔ بعض نے کہا: وہ پاکدامن شخص تھا ہر انسان کا کفیل بن جاتا تھا جو کسی مصیبت یا تہمت یا مطالبہ میں گرفتار ہوتا تھا پس اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں گرفتار شخص کو نجات دیتا تھا۔ بعض علماء نے فرمایا: ذوالکفل نام اس لیے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل وسعی کی کفالت دی تھی باوجود اس کے کہ اس کے زمانہ کے دوسرے انبیاء کی نسبت اس کا عمل کمزور تھا۔ جمہور علماء کا قول ہے کہ وہ نبی نہیں تھا۔ حسن نے کہا:

حضرت الیاس سے پہلے وہ نبی تھا۔ بعض نے کہا کہ یہ حضرت زکریا علیہ السلام تھے انہوں نے حضرت مریم کی کفالت کی تھی۔
كُلٌّ مِنَ الضَّالِّينَ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم، طاعت کے قیام اور گناہوں سے اجتناب پر صبر کرنے والے تھے۔ وَاَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا ۝ ہم نے انہیں جنت میں داخل کیا۔

وَذَا النُّونِ اِذْ ذُهِبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ اَنْ لَّا اِلهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۙ اِنِّى كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ ۙ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ۙ وَكَذٰلِكَ نُنشِئُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

”اور یاد کرو ذوالنون کو جب وہ چل دیا غضبناک ہو کر اور یہ خیال کیا کہ ہم اس پر گرفت نہیں کریں گے پھر اس نے پکارا (تہہ ورتہ) اندھیروں میں کہ کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاک ہے تو بیشک میں ہی قصور واروں سے ہوں۔ پس ہم نے ان کی پکار کو قبول فرمایا اور نجات بخش دی انہیں غم (واندوہ) سے اور یونہی ہم نجات دیا کرتے ہیں مومنوں کو۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَذَا النُّونِ اس سے پہلے اذ کر فعل محذوف ہے یعنی ذوالنون کو یاد کرو۔ یہ یونس بن متی کا لقب ہے کیونکہ مچھلی نے آپ کو نگل لیا تھا۔ النون سے مراد مچھلی ہے۔ حضرت عثمان کی حدیث میں ہے کہ انہوں ایک ملیح بچہ دیکھا تو فرمایا: اس کی ٹھوڑی پر سیاہ نشان لگا دوتا کہ اسے نظر نہ لگے۔ ثعلب نے ابن اعرابی سے روایت کیا ہے۔ کہ النوفقوہ گڑھا ہوتا ہے جو چھوٹے بچے کی ٹھوڑھی میں ہوتا ہے۔ اِذْ ذُهِبَ مُغَاضِبًا حسن، شعبی اور سعید بن جبیر نے کہا: اپنے رب کے لیے ناراض ہو کر گیا۔ اس مفہوم کو طبری اور قتبی نے اختیار کیا ہے۔ مہدوی نے اس کو مستحسن سمجھا ہے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نہ اس نے کہا: جو لوگ لغت کو نہیں جانتے انہوں نے اس کا انکار کیا ہے حالانکہ یہ صحیح قول ہے۔ معنی یہ ہے کہ اپنے رب کی خاطر ناراض ہوا جیسے تو کہتا ہے: غضبت لك یعنی تمہاری وجہ سے ناراض ہوا۔ مومن اللہ تعالیٰ کے لیے ناراض ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جاتی ہے۔ اکثر اہل لغت کا خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ کو اسی وجہ سے فرمایا تھا: اشترط لهم الولاء (ان کے لیے ولاء کی شرط منظور کر لو) قتبی نے اس قول کی تائید میں مبالغہ کیا ہے۔ حدیث میں حضرت یونس کے وصف میں ہے ”آپ کا سینہ تنگ تھا جب آپ نے نبوت کا بوجھ اٹھایا تو اس کے نیچے آپ کا سینہ اس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا جس طرح موسم ربیع میں پیدا ہونے والا اونٹ کا بچہ بھاری بوجھ کے نیچے ٹوٹ جاتا ہے۔“ پس حضرت یونس علیہ السلام بھاگے ہوئے غلام کی طرح چل پڑے (1)۔ یہ آپ کا غصہ کرنا صغیرہ تھا آپ اللہ تعالیٰ پر ناراض نہیں ہوئے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ناراض ہوئے تھے جب ان کی قوم سے عذاب اٹھایا گیا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ اپنے رب سے بھاگا یعنی اپنے رب کے حکم سے بھاگا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم سے عذاب اٹھانے کے بعد ان کی طرف لوٹ

آنے کا حکم دیا، کیونکہ حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کو ایک معلوم وقت میں عذاب کے نزول کی دھمکی دے چکے تھے پس اس وقت آپ ان سے نکل گئے۔ ان کی قوم پر عذاب آیا تو وہ گڑگڑانے لگے۔ پس ان سے عذاب اٹھایا گیا اور حضرت یونس علیہ السلام کو ان کی توبہ کا علم نہ تھا، اسی وجہ سے وہ غضبناک ہو کر نکلے تھے۔ اس کے حق میں تھا کہ وہ نہ جاتے مگر اجازت کے ساتھ۔ حسن نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قوم کی طرف جانے کا حکم دیا تو آپ نے مہلت کا سوال کیا تا کہ تیاری کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جلدی کرنے کو کہا حتیٰ کہ انہوں نے جو تالیف کو کہا تا کہ اسے پتہ لیں لیکن مہلت نہ دی گئی۔ آپ وہاں گیا: حکم اس سے جلدی کا ہے۔ آپ کے خلق میں تنگی تھی آپ اپنے رب پر نادم ہو کر نکلے۔ یہ ایک قول ہے لیکن نحاس کا قول عمدہ ہے یعنی اپنے رب کی خاطر غضبناک ہو کر نکلے یعنی اپنی قوم پر ناراض ہوئے کیونکہ ان کی قوم نے کفر کیا تھا۔ بعض نے فرمایا: وہ اپنی قوم سے ناراض ہوئے جب ان پر ان کا امر طویل ہو گیا اور ان کی سرکشی طویل ہو گئی تو آپ اپنے نفس پر ناراض ہو کر نکلے ان کی اذیت پر صبر نہ کیا جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے ساتھ رہنے کا حکم دیا تھا اور دعا کرنے کا حکم دیا تھا۔ ان کا ذنب یہی تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر نکلے تھے۔ یہ مفہوم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک سے مروی ہے حضرت یونس علیہ السلام جو ان تھے اور انہوں نے نبوت کا بوجھ نہیں اٹھایا تھا اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا: وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ (القلم: 48) (تم مچھلی والے کی طرح نہ ہو جاؤ) ضحاک سے مروی ہے (1) کہ وہ اپنی قوم پر غضبناک تھے انہوں نے کفر کیا تو ان پر ناراض ہونا واجب تھا ہر ایک پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اس پر ناراض ہو جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔ ایک جماعت نے کہا جن میں انخس بھی ہے: وہ اس بادشاہ پر ناراض ہو کر نکلے تھے جو ان کی قوم پر مقرر تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: شعیا نبی اور وہ بادشاہ جو اس وقت موجود تھا جس کا نام حزقیال تھا انہوں نے ارادہ کیا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو نینوی کے بادشاہ کی طرف بھیجیں اس نے بنی اسرائیل سے جنگ کی تھی اور ان میں سے اکثر کو قیدی بنا لیا تھا تا کہ نینوی کے بادشاہ سے حضرت یونس علیہ السلام بات کریں تا کہ وہ بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ بھیج دے۔ اس وقت انبیاء کی طرف وحی کی جاتی تھی اور سیاسی امور بادشاہ کے پاس ہوتے تھے جس کو وہ انبیاء منتخب کرتے تھے پس وہ بادشاہ اپنے نبی کی وحی کے مطابق عمل کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے شعیا نبی کو وحی فرمائی کہ حزقیال بادشاہ کو کہو کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ایک قوت والا امین خبر دینے والا چنے اور اسے اہل نینوی کی طرف بھیجیں اور وہ انہیں حکم دے کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں۔ میں ان کے بادشاہوں اور جابروں کے دل میں ان کو علیحدہ کرنے کا حکم ڈال دوں گا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے شعیا کو کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے مجھے نکالنے کا حکم دیا ہے؟ شعیا نے کہا: نہیں۔ پوچھا: کیا اس نے تجھ سے تیرا نام لیا ہے؟ شعیا نے کہا: نہیں۔ فرمایا: وہ انبیاء امین اور قوت والے تھے۔ پس انہوں نے حضرت یونس علیہ السلام پر نکلنے کے لیے اصرار کیا تو حضرت یونس علیہ السلام اس نبی اور بادشاہ پر اور اپنی قوم پر ناراض ہو کر نکلے۔ آپ بحر روم پر آئے پھر آپ کو مچھلی کے منہ میں چلے جانے کا واقعہ پیش آیا۔ آپ کو مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی آزمائش میں ڈالا گیا کیونکہ آپ نے شعیا نبی کے حکم کو ترک کیا تھا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ

مُؤْمِنِينَ (الصافات) مسلم اسے کہتے ہیں جو ایسا فعل کرے جس پر ملامت کی جاتی ہو۔ آپ نے جو فعل کیا وہ یا غیرہ تھا یا ترک اولیٰ تھا۔ بعض علماء نے فرمایا: آپ جب نکلے تھے تو آپ اس وقت نبی نہ تھے لیکن آپ کو بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ نے مینویٰ کی طرف جانے کو کہا تا کہ آپ انہیں شعیا کی طرف بلائیں تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے ملاوہ کسی امر سے جانے کو ناپسند کیا پس آپ بادشاہ پر ناراض ہو کر نکلے۔ جب آپ نے مچھلی کے پیٹ میں نجات پائی تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قوم کی طرف بھیجا آپ نے انہیں بلایا اور وہ آپ پر ایمان لے آئے۔ قشیری نے کہا: اظہر یہ ہے کہ یہ غضبناک ہونا اللہ تعالیٰ کے ارسال کے بعد تھا اور قوم پر عذاب کے اٹھائے جانے کے بعد آپ نے ان سے عذاب کے اٹھائے جانے کو پسند نہ کیا۔

میں کہتا ہوں: یہ سب سے بہتر ہے جو اس کے متعلق کہا گیا ہے جیسا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ سورۃ الصافات میں اس کا بیان آئے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: آپ کی قوم کے اخلاق میں سے تھا کہ جس کے متعلق انہیں جھوٹ بولنے کا پتہ چل جاتا اسے قتل کر دیتے تھے۔ پس آپ کو قتل ہو جانے کا اندیشہ ہوا تو آپ ناراض ہوئے۔ آپ نکل پڑے حتیٰ کہ آپ ایک کشتی میں سوار ہوئے وہ کشتی بھمبرنی اور چلتی نہیں تھی کشتی والوں نے کہا: کیا تم میں سے کوئی بھاگے والا ہے؟ حضرت یونس علیہ السلام نے کہا: وہ میں ہوں، پھر واقعہ ہوا جو ہوا۔ آپ کو گناہ صغیرہ سے پاک کرنے کے لیے مچھلی کے پیٹ میں مبتلا کیا گیا جیسا کہ اہل احد کے بارے میں فرمایا: حَتَّىٰ إِذَا قَسَيْتُمْ... وَلِيَحْصِيَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا۔ انبیاء کے گناہ بخشے ہوئے ہوتے ہیں لیکن ان پر تہیجس جاری ہوتی ہے اور اس کے ضمن میں دوبارہ ایسا کرنے سے زجر ہوتی ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ آپ اپنے رب پر اور اپنی قوم پر ناراض نہیں ہوئے تھے۔ یہ عربوں کے قول غضب سے مشتق ہے جب کوئی ناپسندیدگی کا اظہار کرے۔ فاعل کبھی ایک فاعل کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب آپ نے قوم کو عذاب کا وعدہ دیا اور آپ ان سے نکل گئے تو انہوں نے توبہ کر لی اور ان سے عذاب اٹھایا گیا۔ جب آپ واپس آئے تو آپ کو معلوم ہوا کہ وہ توبہ لاک نہیں ہوئے آپ نے اس کو ناپسند کیا اور آپ بھاگ نکلے۔ یہ شعر اس مفہوم میں بطور دلیل پڑھا جاتا ہے۔

وَأَغْضَبَ أَنْ تَهْجَىٰ تَمِيمٌ بَدَارِمْ

یہاں اغضب بمعنی آنف ناپسند کرنا ہے۔ اس قول میں نظر ہے کیونکہ اس قول والے کو کہا جاتا ہے کہ یہ مفاضت اگرچہ انعت کی وجہ سے تھی۔ الانفة (افرت، ناپسندیدگی) کو غضب بھی الحق ہوتا ہے وہ غضب تو ہے اگرچہ جس پر ہو قلیل بھی ہو آپ تو کہتے ہیں کہ وہ اپنے رب پر اور اپنی قوم پر ناراض نہیں ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ مَا عَلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے اہلس نے آپ کو پھسلا یا اور آپ کے گمان میں اس کا امکان واقع ہوا کہ اللہ تعالیٰ انہیں سزا دینے پر قادر نہ ہوگا۔ یہ قول مردود اور قابل توجہ نہیں ہے کیونکہ یہ خبر ہے۔ سعید بن جبیر سے مروی ہے مبدوی نے ان سے حکایت کیا ہے اور ثعلبی نے سنن سے روایت کیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: سعید بن جبیر اور کثیر نے کہا: اس کا معنی ہے کہ اس نے گمان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر تہیجس نہیں کرے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ سے ہے: أَلَلَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ (الرعد: 26) یعنی اللہ تعالیٰ جس سے

لیے چاہتا ہے رزق کو کشادہ فرماتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ فرماتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ قول سعید اور حسن کے قول کے مشابہ ہے۔ قَدَرٌ، قُدْرٌ، قُدْرٌ اور قُدْرٌ ہم معنی ہیں یعنی تنگ کیا گیا ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جس کو ماوردی اور مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ القدر سے مشتق ہے جس کا معنی قضا اور فیصلہ ہے، یعنی آپ نے گمان کیا کہ ہم آپ پر عقوبت کا فیصلہ نہیں کریں گے؛ یہ قتادہ، مجاہد اور فراء کا قول ہے۔ یہ القدر سے ماخوذ ہے جس کا معنی فیصلہ ہے نہ کہ قدرت و استطاعت سے ماخوذ ہے۔ ابوالعباس احمد بن یحییٰ ثعلب سے مروی ہے انہوں نے قَطَّنَ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ مَا عَلَيْنَا کے متعلق فرمایا: یہ تقدیر سے ہے نہ کہ القدر سے۔ کہا جاتا ہے: قدر الله لك الخير يقدره قدراً اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے خیر کو مقدر کیا۔ ثعلب نے بطور استشہاد یہ اشعار پڑھے:

فليست عشيات اللوى برواجع لنا أبداً ما أوردق السلم النضم
ولا عائد ذلك الزمان الذى مضى تبارك ما تقدر يقم ذلك الشكر

ما تقدر بمعنی ما تقدره و تقضى ہے ان دو تاویلوں پر علماء کا نظریہ ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور زہری نے قَطَّنَ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ مَا عَلَيْنَا کے ضمہ اور دال کی شد کے ساتھ تقدیر سے پڑھا ہے۔ یہ قرأت ماوردی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ عبید بن عمیر، قتادہ اور اعرج نے أَنْ لَنْ نَقْدِرَ مَا عَلَيْنَا کے ضمہ اور دال کی شد کے ساتھ فعل مجہول پڑھا ہے۔ یعقوب عبداللہ بن ابی اسحاق، حسن، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی یقدر علیہ یاء کے ضمہ اور دال کے فتح کے ساتھ تخفیفاً مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ حسن سے بھی قَطَّنَ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ مَا عَلَيْنَا، مروی ہے باقی قراء نے نقدر نون کے فتح اور دال کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور تمام کے نزدیک بمعنی تقدیر ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ دونوں تاویلیں ایسی ہیں جن کو علماء نے اس شخص کے قول میں بھی استعمال کیا ہے جس نے کبھی کوئی خیر کا عمل نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنے گھر والوں سے کہا تھا: جب وہ مر جائے تو اسے جلادینا فواللہ لئن قدر الله علي (اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر سزا کا فیصلہ کیا) پہلی تاویل کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اگر مجھ پر تنگی فرمائی اور میرے محاسبہ میں مبالغہ کیا اور مجھے میرے گناہوں پر جزا دی تو ایسا ہوگا پھر اس نے افراط خوف کی وجہ سے گھر والوں کو جلانے کا حکم دیا۔ دوسری تاویل پر معنی یہ ہوگا اگر اللہ تعالیٰ تقدیر اور فیصلہ میں ہر مجرم کو اس کے جرم کی سزا دینے کا معاملہ طے کر چکا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے اپنے گناہوں اور جرموں کی ایسی سزا دے گا جو میرے سوا تمام جہانوں میں سے کسی کو بھی نہیں دے گا۔ اس حدیث کو ائمہ حدیث نے موطا وغیرہ میں نقل کیا ہے۔ وہ شخص مومن، موحد تھا۔ بعض احادیث میں ہے ”اس نے سوائے توحید کے کوئی خیر کا عمل نہیں کیا تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے کہا: من خشيتك يا رب! اے میرے رب! تیری خشیت کی وجہ سے ایسا کیا تھا اور خشیت مومن مصدق میں ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (ناظر: 28) بعض علماء نے فرمایا: قَطَّنَ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ مَا عَلَيْنَا کا معنی استفہام ہے اس کی تقدیر افظن ہے۔ الف استفہام اختصاراً حذف کیا گیا ہے۔ یہ سلیمان ابوالعتمر کا قول ہے۔ قاضی منذر بن سعید نے حکایت کیا ہے

کہ بعض نے افطن الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ** ⑤ اس میں دو سکتے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ** علماء کا **الظُّلُمَاتِ** کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ ایک جماعت نے کہا: جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ بھی ہیں کہ اس سے مراد رات کی تاریکی، سمندر کی تاریکی اور مچھلی کی تاریکی ہے۔ ابن ابی الدنیا نے کہا: ہمیں یوسف بن موسیٰ نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں عبد اللہ بن موسیٰ نے بتایا انہوں نے اسرائیل سے انہوں نے ابو اسحاق سے انہوں نے عمرو بن میمون سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا ہمیں حضرت عبد اللہ بن مسعود نے بیت المال میں بتایا کہ جب حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا اور وہ انہیں زمین کی تہہ کی طرف لے گئی تو حضرت یونس علیہ السلام نے کنکریوں کی تسبیح سنی۔ تو آپ نے ان تاریکیوں میں پکارا۔ وہ تین تاریکیاں تھیں مچھلی کے پیٹ کی تاریکی، رات کی تاریکی اور سمندر کی تاریکی: **أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ** ⑤۔ **فَتَبَدَّلْنَاهُ بِالنَّعْرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ** ⑥ (الصافات: 145)

جیسے اس چوزے کی ہیئت ہوتی ہے جس پر بال نہ ہوں۔ ایک جماعت نے کہا جن میں سالم بن ابی الجعد بھی ہیں کہ تاریکیوں سے مراد سمندر کی تاریکی۔ اس مچھلی کی تاریکی جس نے پہلی مچھلی کو نگلا تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ پہلی مچھلی کے پیٹ کی تاریکی کو الظلمات سے تعبیر کیا گیا ہو جیسا کہ فرمایا: **فِي غَيْبَتِ الْجُبِّ** (یوسف: 10) چونکہ ہر جہت میں تاریکی تھی تو اس کا جمع ذکر کرنا جائز ہے۔ ماوردی نے ذکر کیا ہے: یہ بھی احتمال ہے کہ خطا کی ظلمت، شدت کی ظلمت اور تنہائی کی ظلمت کو **الظُّلُمَاتِ** سے تعبیر کیا گیا ہو۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کی طرف وحی فرمائی یونس کے ایک بال کو بھی اذیت نہ دینا۔ میں نے تیرے پیٹ کو اس کی قید بنایا ہے میں نے اسے تیری خوراک نہیں بنایا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں سجدہ کیا جب سمندر کی گہرائی میں مچھلیوں کی تسبیح سنی۔ ابن ابی الدنیا نے ذکر کیا ہے انہوں نے کہا ہمیں عباس بن یزید عبدی نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں اسحاق بن ادریس نے بتایا کہ انہوں نے کہا ہمیں جعفر بن سلیمان نے بتایا انہوں نے عوف سے انہوں نے سعید بن ابی حسن سے روایت کیا ہے فرمایا: جب مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لیا تو انہوں نے گمان کیا کہ وہ فوت ہو گئے ہیں پس انہوں نے اپنی ٹانگوں کو لمبا کیا جبکہ وہ فوت نہیں ہوئے تھے۔ آپ اپنی عادت کے مطابق نماز کے لیے کھڑے ہوئے آپ نے اپنی دعا میں کہا: میں نے تیرے لیے ایسی جگہ کو مسجد بنایا جس کو کسی نے مسجد نہیں بنایا۔ ابو المعالی نے کہا: نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **لَا تَفْضَلُونِ عَلٰی يُونُسَ بْنِ مَتَّى (1)** اس کا معنی ہے میں جب سدرۃ المنتہیٰ میں تھا میں اللہ تعالیٰ کے قریب ان سے زیادہ نہ تھا جبکہ وہ مچھلی کے پیٹ میں سمندر کی گہرائی میں تھے۔ یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت میں نہیں۔ یہ مفہوم سورہ بقرہ اور سورہ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ **أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ** ⑤ آپ نے قوم کے ساتھ رہنے کو ترک کیا تھا اور ان پر صبر نہیں کیا تھا وہ ظلم مراد ہے۔ بعض نے فرمایا: بغیر اجازت

کے نکلنا مراد ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عقوبت نہیں تھی کیونکہ انبیاء کرام کو عقاب نہیں کیا جاتا یہ تمحیص (پاک و صاف کرنا) تھا کبھی کبھی اسے ادب سکھایا جاتا ہے جو عقاب کا مستحق نہیں ہوتا جیسے بچے ہوتے ہیں؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے میں نے اپنی قوم پر عذاب کی دعا کر کے قصور کیا حالانکہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے بددعا کی تو ان کا مواخذہ نہ ہوا۔ واسطی نے کہا: اس کا معنی ہے اپنے رب کی ظلم سے پاکیزگی بیان کی اور استحقاق و اعتراف کی بناء پر ظلم کی نسبت اپنی طرف کی، اسی کی مثل حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کا قول ہے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا (الاعراف: 23) جب انہوں نے اپنے آپ کو اپنے منصب پر نہ رکھا تو وہ زمین میں اتارے گئے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابو داؤد نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ”حضرت یونس علیہ السلام کی مچھلی کے پیٹ میں یہ دعا تھی۔ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ جس مسلمان نے اس دعا کے ساتھ کسی مسئلہ میں دعا مانگی تو وہ قبول کی گئی“ (1)۔ بعض علماء نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے اس کو حضرت سعد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ خبر میں ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی شرط ہے اس شخص کے لیے جو اس سے دعا مانگے تو وہ اس کی دعا قبول فرمائے گا جس طرح حضرت یونس علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی تھی اور اسے نجات دے گا جس طرح انہیں نجات دی تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ** ⊙ آپ نے ظلم کا اعتراف کیا پس یہ اشارہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَكَذَلِكَ نُجِي الْمُؤْمِنِينَ** ⊙ یعنی جو عمل ان سے ہو اس کی وجہ سے جس پریشانی میں ہوتے ہیں اس سے انہیں ہم خلاصی دیتے ہیں وہ یہ ارشاد ہے: **فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ** ⊙ **لَلَيْتَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ** ⊙ (الصافات) اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے حضرت یونس علیہ السلام کی حفاظت ہے۔ اس کے حق تعبد کی رعایت کی اور جو انہوں نے طاعت میں سے پہلے کیا تھا اس کے حق کی حفاظت فرمائی۔ استاذ ابو اسحاق نے فرمایا: حضرت یونس علیہ السلام تھوڑے دن مچھلی کے ساتھ رہے تو قیامت تک انہیں ذوالنون کہا جائے گا تو تیرا اس بندے کے متعلق کیا گمان ہے جس نے ستر سال عبادت کی، اس کے نزدیک یہ رائیگاں جائے گی یہ تو گمان ہی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ **مِنَ النِّعَمِ** یعنی مچھلی کے پیٹ سے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَكَذَلِكَ نُجِي الْمُؤْمِنِينَ** ⊙ اکثر کی قرأت دونوں کے ساتھ ہے۔ یہ انہی یمنی سے مشتق ہے۔ ابن عامر نے نبی ایک نون اور جیم مشددا اور یاء کے سکون کے ساتھ ماضی کا صیغہ پڑھا ہے اور مصدر کا اضمار کیا ہے یعنی

كذالك نجي النجاء المومنين - جیسے تو کہتا ہے: ضرب زيدا بمعنى ضرب الضرب زيدا اور بطور استشہاد یہ شعر پڑھا ہے:

ولو ولدت قفيرة جردكعب لسب بذاك الجرد الكلابا

تو شاعر نے لسب السب بذاك الجرد کا ارادہ کیا ہے یا کو ان کی لغت کے مطابق ساکن کیا گیا ہے جو یا کو حرکت دیئے

بغیر کہتے ہیں بتی و رضی۔

حسن نے: **وَذُرُّوا مَاتِبِقِي مِنَ التَّوْبَا (البقرہ: 278)** پڑھا یونکہ یہ قبل مسور کو حرکت دینے سے ثقل پیدا ہوتا ہے اور

یہ اشعار پڑھے ہیں:

خَفَرَ الشَّيْبُ لَيْتِي تَغْيِيرًا وَحَدَا بِي إِلَى الْقُبُورِ الْبَعِيرَا
لَيْتَ شِعْرِي إِذَا الْقِيَامَةُ قَامَتْ وَدُعِيَ بِالْحَسَابِ أَيْنَ الْبَصِيرَا

یاء کو دعویٰ میں ساکن کیا گیا کیونکہ اس کو حرکت دینے اور اس کے ماقبل کسرہ سے نقل پیدا ہوتا ہے۔ حد کا فاعل الشیب ہے۔ یعنی وحد الشیب البعیر لیت شعری البصیر ابن ہو؛ یہ تاویل فرما، ابو عبید اور ثعلب نے کی ہے۔ اسی قرأت کو درست کرنے کے لیے ابو حاتم اور زجاج نے غلطی کی ہے کہ انہوں نے کہا: یہ غلطی ہے کیونکہ نائب الغافل کو نصب دی گئی ہے۔ ہا جاتا ہے: نُبغی المؤمنون جیسے کہا جاتا ہے: کُتِبَ الصالحون اور ضُربَ زيداً بمعنی ضُربَ الضربُ زيداً ہنأ جائز نہیں، کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ضُربَ الضربُ پر دلالت کرتا ہے اور اس قسم کے اشعار سے کتاب اللہ پر حجت قائم کرنا جائز نہیں۔ ابو عبید کا ایک اور قول بھی ہے۔ قتی نے کہا ہے: وہ یہ ہے کہ نون کو جیم میں مدغم کیا گیا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قول نحو یوں میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ نون کا مخرج جیم کے مخرج سے دور ہے اس لیے ادغام نہیں ہوگا۔ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ (الانعام: 160) میں مجاء بالحسنة جائز نہیں۔ نحاس نے کہا: میں نے جو بات علی بن سلیمان سے سنی ہے اس سے بہتر کوئی بات نہیں سنی۔ انہوں نے کہا: اصل میں ننحی تھا ایک نون کو حذف کیا گیا کیونکہ دونوں جمع ہوئے ہیں جیسا کہ ایک تا دو حذف کیا جاتا ہے جب دونوں جمع ہو جاتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا تَفَرَّقُوا (الشوری: 14) اصل میں لا تتفرقوا تھا محمد بن اسماعیل اور ابو العالیہ نے وَكَذَلِكَ نُحْيِي الْمُؤْمِنِينَ پڑھا ہے یعنی نغی اللہ المؤمنین۔ یہ مدہ ہے۔

وَزَكْرِيَّا إِذْ نَادَى رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَاهُ زَوْجَهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسْرِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ
وَيَدْعُونَ نَارًا غَيًّا وَرَهَبًا ۚ وَكَانُوا الْنَاسِحِينَ ۝

”اور یاد کرو زکریا کو جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو کہ اے میرے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور توبہ وارثوں سے بہتر ہے۔ تو ہم نے اس کی دعا کو قبول فرمایا اور اسے یحییٰ (جیسا فرزند) عطا فرمایا اور ہم نے تندرست کر دیا ان کی خاطر ان کی اہلیہ کو، بیشک وہ بہت تیز رو تھے نیکیاں کرنے میں اور پکارا کرتے تھے ہمیں بڑی امید اور خوف سے اور ہمارے سامنے بڑا عجز و نیاز کیا کرتے تھے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَزَكْرِيَّا إِذْ نَادَى رَبَّهُ یعنی زکریا کو یاد کرو۔ ان کا ذکر سورہ آل عمران میں کزر چکا ہے۔ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا یعنی اکیلا اور بغیر بیٹے کے نہ چھوڑ۔ وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ۝ یعنی تو ہمارے مرنے والے کے بعد جو باقی رہنے والے ہیں ان سے بہتر ہے۔ فرمایا: وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ۝ کیونکہ پہلے یرشبی کزر چکا ہے، یعنی میں جانتا ہوں تو اپنے دین کو ضائع نہیں کرے گا، لیکن یہ امر دین کی حفاظت کی فضیلت میری نسل سے منقطع نہ کر، جیسا کہ پہلے سورہ مریم میں اس کا بیان کزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاسْتَجَبْنَا لَهُ لِعَنِي هِم نِي اس كى دعا قبول كى۔ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيٰى ان كا ذكر تفصيلاً كزر چكا هے۔
وَاصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ قناده، سعید بن جبیر اور اكثر مفسرين نے کہا: ان كى بیوى بانجھ تھى تو اسے بچے جنم دینے والى بنا دیا۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء نے کہا: وہ تند خو تھى اور زبان دراز تھى۔ اللہ تعالیٰ نے اس كى اصلاح فرمائی اور اسے اچھے
اخلاق والا بنا دیا۔

میں کہتا ہوں: دونوں مفہوم جمع بھی ہو سکتے ہیں اسے حسن اخلاق بھی دے دیا ہو اور بچے جننے والی بھی بنا دیا ہو۔ انہم، ہم
ضمیر سے مراد وہ انبیاء کرام ہیں جن کا اس سورت میں نام لیا گیا ہے۔ كَانُوا يُسِرُّونَ فِي الْخَيْبَاتِ بعض علماء نے فرمایا: ضمیر
کا مرجع حضرت زکریا، ان كى زوجہ اور حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَيَدْعُونَ نَارًا عَبَاؤًا وَرَهَبًا اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ وَيَدْعُونَ نَارًا عَبَاؤًا وَرَهَبًا وہ ہمارى بارگاہ میں پناہ لیتے ہیں اور سختی اور خوشحالی میں ہمیں پکارتے
ہیں۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے وہ عبادت کے وقت ہمیں پکارتے ہیں جبکہ وہ امید اور خوف كى حالت میں ہوتے ہیں
کیونکہ رغبت اور رعبت ایک دوسرے کو متلازم ہیں۔ بعض نے فرمایا: الرغب کا مطلب ہے آسمان كى طرف ہتھیلیوں كے
باطن کو بلند کرنا اور الرهب کا مطلب ہے ان كى ہتھیلوں کو آسمان كى طرف بلند کرنا؛ یہ خصیف کا قول ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس
كى تلخیص یہ ہے کہ ہر دعا مانگنے والا انسان اپنے ہاتھوں سے مدد طلب کرتا ہے۔ پس رغبت اس حیثیت سے کہ وہ طلب ہے۔ تو
ہتھیلی كے باطن کو مطلوب منہ كى طرف متوجہ کرنا بہتر ہے کیونکہ وہ عطا کرنے كى جگہ ہے یا اس كے ذریعے انسان مالک ہوتا
ہے۔ اور الرهب اس حیثیت سے کہ تکلیف کو دور کرنا ہے تو اس كے ساتھ اس کو پھینکنا اچھا ہوتا ہے اور جانے كى طرف اشارہ
کرنا ہے اور ہاتھ جھاڑ کر اسے بچانا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ترمذی نے حضرت عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا میں ہاتھ اٹھاتے
تھے تو انہیں نیچے نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ انہیں اپنے چہرے پر پھیر لیتے تھے (1)۔ ہاتھوں کو بلند کرنے كے متعلق اختلاف سورۃ
الاعراف میں كزر چكا ہے۔ یہ حدیث اور دوسرى احادیث وہاں ہم نے ذكر كى ہیں ہاتھوں کو بلند کرنے كے قول پر پھر اس كى
صفت اور کہاں تک اٹھانے ہیں اس میں اختلاف ہے۔ بعض پسند کرتے ہیں کہ وہ اپنی ہتھیلیوں کو اپنے سینے كے برابر اٹھاتے
ہوئے پھیلائیں اور ان كا باطن اس كے چہرے كى طرف ہو۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروى ہے: حضرت
خلی بنی نینۃ اپنی ہتھیلیوں كے باطن كے ساتھ دعا مانگتے تھے اور حضرت انس سے اس كى مثل مروى ہے۔ یہ جامع ترمذی كى حدیث
کا ظاہر ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم كا ارشاد ہے: ”جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو اپنی ہتھیلیوں كے باطن كے ساتھ اس سے سوال
کرو اور ہتھیلیوں كى ہتھیلوں كے ساتھ سوال نہ کرو اور انہیں اپنے چہروں پر پھیرو“۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن زبیر سے
چہرے تک بلند کرنا مروى ہے انہوں نے حضرت ابوسعید خدرى كى حدیث سے حجت پکڑی ہے۔ فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ

میں ٹھہرے تو آپ نے دعا مانگی شروع کی آپ نے اپنی ہتھیلیوں کی پشت کو اس سمت کیا جو چہرے کی طرف تھی اور انہیں اپنے سینہ سے بلند کیا اور کندھوں سے نیچے کیا (1)۔ بعض نے فرمایا: حتیٰ کہ چہرے کے برابر کیا اور ان کی پشتیں چہرہ کی سمت تھیں۔ ابو جعفر طبری نے کہا: یہ کہنا صحیح ہے کہ تمام آثار جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہیں متفق اور متحد ہیں اور یہ تمام صورتیں نبی کریم ﷺ سے مروی ہوں دعا کے احوال اختلاف کی وجہ سے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی ایک انگلی کے ساتھ اشارہ کرے تو وہ اخلاص ہے اور جب اپنے ہاتھوں کو سینہ کے برابر کرے تو وہ دعا ہے۔ جب انہیں اتنا بلند کرے کہ سر سے اوپر لے جائے اور ان کا ظاہر چہرے کی طرف ہو تو یہ ابہتال (گڑگڑانا) ہے۔ طبری نے کہا: قتادہ نے حضرت انس سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو اپنی ہتھیلیوں کے ظاہر و باطن کے ساتھ دعا مانگتے ہوئے دیکھا (2)۔

رَغْبًا وَرَهَبًا مصدر کی بنا پر منصوب ہیں یعنی یرغبون رغباً و یرهبون رهباً یا مشغول لاجلہ کی بنا پر منصوب ہیں یعنی للرغب والرهب یا حال کی بنا پر منصوب ہیں۔ طلحہ بن مصرف نے یدعوننا ایک نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اعمش نے راء کے ضمہ اور نعین کے سکون اور ہا کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے جیسے: السقم اور البخل اور العدم اور الضریہ دونوں لغتیں ہیں۔ ابن وثاب اور اعمش نے رغباً و رهباً را پر فتح اور نعین اور ہا میں تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے نہڑ اور نہڑ۔ صخر اور صخریہ قرأت ابو عمرو سے مروی ہے۔ وَكَانُوا النَّاٰخِیْعِیْنَ تواضع کرنے والے اور عاجزی کرنے والے۔

وَالَّتِیْ اٰحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ ثُرٰوٰنَا وَجَعَلْنٰهَا وَاٰبَنٰهَا اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝۱

”اور یاد کرو اس خاتون کو جس نے محفوظ رکھا اپنی عصمت کو پس ہم نے پھونک دیا اس میں اپنی روح سے اور ہم نے بنا دیا اسے اور اس کے بیٹے کو (اپنی قدرت کی) نشانی سارے جہان والوں کے لیے“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّتِیْ اٰحْصَنَتْ فَرْجَهَا یعنی مریم کو یاد کرو جس نے محفوظ رکھا اپنی عصمت کو۔ حضرت مریم کا ذکر کیا حالانکہ وہ انبیاء میں سے نہیں تھی اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر مکمل ہو اسی وجہ سے فرمایا: وَجَعَلْنٰهَا وَاٰبَنٰهَا اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝۱ آیتیں نہیں فرمایا کیونکہ کلام کا معنی یہ ہے کہ ہم نے ان دونوں کے امر، واقعہ اور شان کو تمام جہانوں کے لیے نشانی بنایا۔ زجاج نے کہا: دونوں میں نشانی ایک تھی کیونکہ حضرت مریم نے انہیں بغیر باپ کے جنم دیا تھا۔ سیبویہ کے مذہب پر تقدیر یہ ہے: وجعلناھا آیة للعالمین وجعلنا ابنھا آیة للعالمین پھر حذف کیا گیا۔ اور فراء کے مذہب پر تقدیر یہ ہوگی: وجعلناھا آیة للعالمین و ابنھا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اٰحْسَنُ اَنْ یُّرْسُوْا (التوبہ: 62) بعض علما نے فرمایا: ان کی آیات میں سے یہ تھا کہ حضرت مریم پہلی عورت تھیں جو عبادت خانہ میں نذر کے طور پر قبول کی گئی تھیں۔ یہ بھی نشانی سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو اپنی جناب سے رزق دیا تھا اور بندوں میں سے کسی بندے کے ہاتھ پر ان کا رزق جاری نہیں فرمایا تھا۔ بعض نے فرمایا: حضرت مریم نے پستان نہیں چوسا تھا۔ احصنت برائی سے محفوظ رہیں۔ بعض نے فرمایا فرج سے مراد قمیص کی فرج ہے یعنی ان کے کپڑے کے ساتھ کبھی کوئی مشکوک چیز معلق نہ ہوئی آپ پاکیزہ لباس تھیں۔

قیص کی فروج چار ہوتی ہیں۔ دو آستینیں۔ اٹلی اور اسفل۔ سہلی نے کہا: تیرا خیال کسی دوسری چیز کی طرف نہ جائے کیونکہ یہ لطیف کنایہ ہے کیونکہ قرآن معنی کے اعتبار سے پاکیزہ ہے اور لفظ کے اعتبار سے موزوں ہے اس میں لطیف اشارہ اور خوبصورت عبارت ہے چہ جائے کہ کسی جاہل کا وہم اس کی طرف جائے، خصوصاً روح قدس کا پھونکنا، قدوس کے حکم سے تھا۔ قدس کی نسبت قدوس کی طرف کی اور جس نے گمان سے مقدمہ و مطہرہ کو پاک فرمایا۔

فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُوحِنَا یعنی ہم نے جبریل کو حکم دیا اور انہوں نے مریم کی قیص کے گریبان میں پھونک ماری پھر اس پھونک سے ہم نے مریم کے بیٹے مسیح کو پیدا کیا۔ سورہ مریم اور سورہ النساء میں یہ گزر چکا ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ آیت اس سے مراد علامت اور مخلوق کے لیے عجیب بات ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا علم اور جس میں ہم چاہتے ہیں اپنی قدرت کے انغوز پر دلالت ہے۔

إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ۝

”(اے ان انبیاء، کو ماننے والو!) یہی (توحید) تمہارا دین ہے جو ایک دین ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس میری بندگی کیا کرو۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً جب انبیاء کرام کا ذکر فرمایا تو فرمایا: یہ تمام توحید پر جمع تھے۔ یہاں امت سے مراد دین ہے اور وہ اسلام ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد وغیرہما کا قول ہے۔ رہے مشرک تو انہوں نے تمام انبیاء کی مخالفت کی۔ وَأَنَا رَبُّكُمْ یعنی صرف میں ہی تمہارا پروردگار ہوں۔ فَاعْبُدُونِ صرف میری عبادت کرو۔ عیسیٰ بن مر اور ابن ابی اسحاق نے ان ہذا امتکم واحدہ پڑھا ہے۔ اور یہ حسن نے ابو عمرو سے روایت کیا ہے۔ باقی قراء نے امتہ واحدہ پڑھا ہے۔ اس پر نصب قطع کی بنا پر ہے کہ کلام مکمل کرنے کے بعد نکرہ آیا ہے۔ فراء کا قول ہے نحاس نے کہا: امتہ پر نصب حال کی بنا پر ہے یعنی حق پر جمع ہونے کی حالت پر یعنی یہ امت ایک امت رہی اور تم توحید پر جمع رہے اور جب تم جدا جدا ہو گئے اور اختلاف کیا تو جو حق کی مخالفت کرنے والا تھا وہ دین حق کے اہل میں سے نہ رہا جیسے تو کہتا ہے: فلان صدیقی حنیفاً یعنی جب تک وہ پاک تھا میرا دوست تھا جب عفت میں مخالف ہو تو میرا دوست نہ تھا۔ رہا رفع تو یہ امتکم سے بدل ہونے کی بنا پر یا مبتدا کے اخمار کی بنا پر ہوگا یعنی ان ہذا امتکم ہذا امتہ واحدہ یا یہ دوسری خبر ہوگی اور اگر تو ہذا سے بدل کی بنا پر امتکم کو نصب دے تو بھی جائز ہے اور امتہ واحدہ ان کی خبر ہوگی۔

وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ - كُلُّ الْيَبَانِ رَجُوعُونَ ۝ فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ

مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ ۝

”مگر لوگوں نے پارہ پارہ کر ڈالا اپنے دین کو آپس میں (آخر کار) سب ہماری طرف ہی لوٹنے والے ہیں۔ پس جو شخص کرتا رہا کوئی نیک کام بشرطیکہ وہ مومن ہو تو رائیگاں نہیں جانے دیا جائے گا اس کی کوشش کو اور ہم اس کے

لیے (اس کے عملوں کو) لکھنے والے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ** یعنی دین میں تقسیم ہو گئے؛ یہ مفہوم کبھی نے بیان کیا ہے۔ انفس نے کہا: دین میں انہوں نے اختلاف کیا مراد مشرک ہیں۔ انہوں نے چونکہ حق کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت فرمائی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو خدا بنایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی۔ ازہری نے فرمایا: اس کا مطلب ہے وہ اپنے معاملہ میں پارہ پارہ ہو گئے۔ امرہم پر نصب فی کے حذف کے ساتھ ہے۔ اس مفہوم پر تقطع فعل لازم ہوگا اور پہلے مفہوم پر متعدی ہوگا۔ اور مراد تمام مخلوق ہے یعنی انہوں نے اپنے اپنے دین کو پارہ پارہ کر دیا اور اسے آپس میں تقسیم کر لیا توئی موجد تھا کوئی یہودی تھا کوئی نصرانی تھا۔ کچھ نے بادشاہ کی عبادت کی، بعض نے بتوں کی عبادت۔ **كُلُّ الْيَتِيمَآءِ جُوعُونَ** یعنی سب نے ہمارے حکم کی طرف لوٹ کر آنا ہے پس ہم انہیں جزا دیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، مَنْ، بَعْضِيَهٗ** ہے جنس کے لیے نہیں ہے کیونکہ کسی مکلف کو یہ طاقت نہیں کہ وہ تمام طاعات فرض، نفل کو ادا کرے۔ معنی یہ ہے جو بھی کوئی طاعت کرے گا خواہ وہ فرض ہو یا نفل جبکہ وہ موجد مسلم ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جبکہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والا ہو۔ **فَلَا كُفْرَانَ لِسَعِيدٍ** اس کے عمل کا انکار نہیں یعنی اس کی جزا کو ضائع نہیں کیا جائے گا اور اس کی جزا کو چھپایا نہیں جائے گا۔ کفر کی ضد ایمان ہے اور کفر کا معنی نعمت کی ناشکری کرنا بھی ہے یہ شکر کی ضد ہوگا۔ وقد کفرا کفوراً و کفرا اناً۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں: **فَلَا كُفْرَانَ لِسَعِيدٍ** ہے **وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ** ⑤ اس کے عمل کو ہم لکھنے والے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے **أَتَى لَا أُضِيعُ عَمَلٌ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ نَشِيٍّ** (آل عمران: 195) یعنی سب محفوظ ہوگا تاکہ اس کی جزا دی جائے۔

وَ حَرَمٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ⑥ **حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ** وَ

مَأْجُوجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ⑦ **وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ**

أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا يَوِيلَنَّا قَدْ كُنَّا فِي عَفْوَكَ مِّنْ هَذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ⑧

”اور ناممکن ہے اس بستی کے لیے جس کو ہم نے برباد کر دیا کہ اس کے باشندے لوٹ کر آئیں۔ یہاں تک کہ جب کھول دیئے جائیں گے یا جوج اور ماجوج اور وہ ہر بلندی سے بڑی تیزی کے ساتھ نیچے اترنے لگیں گے (تب معلوم ہوگا کہ) قریب آ گیا ہے سچا وعدہ تو اس وقت تاڑنے لگ جائیں گی نظریں ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا تھا (کہیں گے) صد حیف! ہم تو غافل رہے اس امر سے بلکہ ہم تو ظالم تھے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ حَرَمٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ** ⑥ حضرت زید بن ثابت اور اہل مدینہ کی قرأت و حرام ہے، یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا اختیار ہے۔ اہل کوفہ کی قرأت و حرام ہے یہ حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے جل و حلال اور حضرت ابن عباس اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما سے و حرام حا اور میم کے فتح اور را کے کسرہ کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ اور ابو العالیہ سے و حرام مرا کے ضمہ

اور حارم کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دَحْرَمٌ، دَحْرَمٌ و دَحْرَمٌ بھی مروی ہے۔ عکرمہ سے بھی دَحْرَمٌ مروی ہے۔ قتادہ اور مطر و راق سے دَحْرَمٌ مروی ہے یہ نو قراتیں ہیں۔ سلمیٰ نے علی قریۃ اہلکتھا پڑھا ہے۔ لَا یَزِجُجُونَ میں جو (لا) ہے اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا: یہ صلہ (زائدہ) ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے؛ یہی ابو عبید کا اختیار ہے یعنی اس بستی پر ہلاکت کے بعد لوٹنا ناممکن ہے جس کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ بعض نے فرمایا: یہ صلہ نہیں ہے یہ ثابتہ ہے۔ اس صورت میں حرام بمعنی واجب ہوگا یعنی اس دیہات پر واجب ہے جیسے خساء نے کہا تھا:

وَإِنْ حَرَامًا لَا أَرَى الدَّهْرَ بَاكِيًا عَلَى شَجْوِهِ إِلَّا بَكَيْتُ عَلَى صَحْرٍ

وہ اپنے بھائی کے بارے میں یہ کہہ رہی ہے اس قول پر لا ثابتہ ہے۔ نحاس نے کہا: یہ آیت مشکل ہے اور سب سے بہتر جو کہا گیا ہے وہ وہ ہے جو ابن عیینہ، ابن علیہ، ہشیم، ابن ادریس، محمد بن فضیل، سلیمان بن حیان اور معلیٰ نے داؤد بن ابی ہند سے اور انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے تحت روایت کیا ہے۔ وَحَرَامٌ عَلَى قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا فرمایا واجب ہے کہ وہ نہیں لوٹیں گے فرمایا: وہ توبہ نہیں کریں گے۔ ابو جعفر نے کہا: اس کا اشتقاق لغت میں بڑا واضح ہے اس کی شرح یہ ہے کہ حرام الشیء کا معنی ہے اس چیز سے منع کیا گیا ہے اور روکا گیا ہے جیسا کہ أحل کا معنی ہے مباح کیا گیا اور اس سے روکا نہیں گیا جب حرام اور حرام بمعنی واجب ہوگا تو اس کا معنی ہوگا اس سے نکلنا تنگ کیا گیا ہے اور منع کیا گیا ہے یہ ممنوع کے باب سے ہوگا۔ رہا ابو عبید کا قول کہ لازائدہ ہے اس کو ایک جماعت نے رد کیا ہے کیونکہ ایسے مقامات پر لا زائدہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسی صورت میں جہاں اشکال ہو اگر یہ زائدہ ہوتا تو یہ تاویل بعید بھی ہوتی کیونکہ اگر یہ مراد ہے دَحْرَمٌ عَلَى قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا ان یرجعوا الی الدین تو یہ ایسی چیز ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں اگر توبہ کا ارادہ کیا ہے تو توبہ تو حرام نہیں کی گئی۔ بعض علماء نے فرمایا: کلام میں اضمار ہے یعنی حرام علی قریۃ حکمنابا استئصالها او بالختم علی قلوبها ان یتقبل منهم عمل لآئتهم لایرجعون ای لایتوبون یعنی اس بستی پر حرام ہے جس کے تباہ کرنے کا ہم نے فیصلہ کر لیا ہے یا ان کے دلوں پر مہر لگانے کا فیصلہ کر لیا ہے ان سے کوئی عمل قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ توبہ نہیں کریں گے۔ زجاج اور بوعلی کا قول ہے اور لا غیر زائدہ ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا معنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَا جُوجُومَ وَمَا جُوجُومَ اس میں قول گزر چکا ہے۔ کلام میں حذف ہے یعنی جب یا جوج و ما جوج کا بند کھل جائے گا جیسے: وَسُئِلَ الْقَرْيَةَ (یوسف: 82) میں مضاف محذوف ہے۔ وَهُمْ قَوْمٌ كَلَّتْ حَدَابُ يَنْسِلُونَ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ ہر بلندی سے اتریں گے یعنی کثرت کی وجہ سے ہر طرف سے بھاگتے ہوئے اتریں گے۔ الحدب زمین کی بلند جگہ کو کہتے ہیں اس کی جمع الحداب ہے یہ حدبة الظهر (کبڑی پیٹھ) سے ماخوذ ہے۔

عشرہ نے کہا: لَهَا رِعِشَتٌ يَدَايَ وَلَا أَزْدَهَانَ تَوَاتُرَهُمْ إِلَىٰ مِنَ الْحَدَابِ

بعض نے فرمایا: ینسلون کا معنی ہے وہ لکھیں گے؛ اسی سے شاعر کا قول ہے:

فَسُلِّيْ ثِيَابِيْ مِنْ ثِيَابِكَ تَنْسُلِ

بعض نے کہا: اس کا معنی ہے تیز چلتے ہیں؛ اسی سے نابغہ کا قول ہے:

عَسَلَانَ الذَّنْبِ أَمْسَى قَارِبًا بَرَدَ اللَّيْلِ عَلَيْهِ فَسَلَّ

کہا جاتا ہے: عَسَل الذَّنْبُ يَعْسِلُ عَسَلًا وَعَسَلَانًا بھڑیے کا تیز چلنا۔ حدیث میں ہے: كَذَبَ عَلَيْكَ الْعَسَلُ (1) یعنی تجھ پر تیز چلنا ہے۔ زجاج نے کہا: النَّسْلَانُ کا معنی ہے بھڑکا تیز چلنا۔ کہا جاتا ہے: نَسْلُ فُلَانٍ فِي الْعَدُوِّ وَيَنْسِلُ (کسرہ اور ضمہ کے ساتھ) نَسْلًا وَنُسُلًا وَنَسْلَانًا اس کا معنی ہے تیز چلنا۔ پھر کہا گیا ہے کہ جو ہر بلندی سے اتریں گے وہ یا جوج و ما جوج ہیں یہی اظہر قول ہے۔ یہ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ بعض نے کہا تمام لوگ مراد ہیں۔ وہ موقف کی زمین کی طرف چلیں گے اور ہر اونچی جگہ سے جلدی جلدی آ رہے ہوں گے۔ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ، شواذ قرأتوں میں پڑھا گیا ہے۔ یہ اس قول سے لیا گیا ہے۔ فَاذَاهُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَى رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ﴿٥٠﴾ (یسین) اسی قرأت کو مہدوی نے ابن مسعود سے اور ثعلبی نے مجاہد اور ابوالصہباء سے روایت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ، الْوَعْدُ الْحَقُّ سے مراد قیامت ہے۔ فراء، کسائی وغیرہ نے کہا ہے کہ واؤ زائدہ مقمہ ہے۔ معنی یہ ہے کہ جب یا جوج و ما جوج کا بند کھل جائے گا قیامت قریب آجائے گی۔ اقْتَرَبَ، اذا کا جواب ہے۔ فراء نے یہ شعر اس پر کہا ہے:

فَلَمَّا أَجْزَنَّا سَاحَةَ الْحَيِّ وَالتَّحَى

یعنی اس میں بھی واؤ زائدہ ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ﴿٥٠﴾ وَنَادَيْتُهُ (الصفات) نَادَيْتُهُ سے پہلے واؤ زائدہ ہے۔ کسائی نے اذا کا جواب فَاذَاهُمْ شَاخِصَةً ہونا بھی جائز قرار دیا ہے اس صورت میں اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ اس فعل پر معطوف ہوگا جو شرط ہے۔ بصریوں نے کہا: جواب محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے: قالوا یا دیننا؛ یہ زجاج کا قول ہے اور یہ عمدہ قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى (الزمر: 3) اس کا معنی ہے قالوا ما نعبدهم قول کا حذف کثیر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاذَاهُمْ شَاخِصَةً، ہی ضمیر ابصار کے لیے ہے اور ابصار بعد میں اس کی تفسیر کے طور پر مذکور ہے گویا یوں فرمایا: فاذا ابصار الذین کفروا شخصت عند معنی الوعد؛ شاعر نے کہا:

لَعَمْرُ أَبِيهَا لَا تَقُولُ فَلَعِينَتِي أَلَا فَرَعَيْنِي مَالِكُ بْنُ أَبِي كَعْبٍ

شاعر نے پہلے حاضر ذکر کی ہے پھر ظعینتی کو ظاہر ذکر کیا۔ فراء نے کہا: ہی عماد ہے جیسے فَاثَهَا لَا تَعْنِي إِلَّا بَصَارًا (الحج: 46) ہے۔ بعض نے فرمایا: ہی پر کلام مکمل ہوگی۔ تقدیر اس طرح ہے فاذا ہی یعنی قیامت ظاہر واقعہ ہوگی یعنی ان کے قریب سے گویا وہ آنے والی ہے حاضر ہے پھر نئی کلام کا آغاز کیا۔ شَاخِصَةً أَبْصَارًا الذِّنِّ كَفَرُوا یہ مبتدا پر خبر کو مقدم کیا گیا ہے یعنی کفار کی آنکھیں قیامت کے دن پھٹی پھٹی ہوں گی۔ قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے آنکھیں نہیں جھکیں گی وہ کہیں گے:

بائے افسوس! ہم اپنی معصیت کی وجہ سے ظالم تھے، ہم نے عبادت کو اپنے مقام پر نہ رکھا۔

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَمَادُونَ ﴿٥١﴾

”(اے مشرکوں!) تم اور جن بتوں کی تم عبادت کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سب جہنم کا ایندھن ہوں گے اور اس

میں داخل ہونے والے ہو۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک ایسی آیت ہے کہ لوگ اس کے متعلق مجھ سے نہیں پوچھتے، معلوم نہیں وہ اس کا عرفان رکھتے ہیں اس لیے اس کے متعلق نہیں پوچھتے یا اس سے غافل ہیں اس لیے نہیں پوچھتے؟ پوچھا گیا: وہ کونسی آیت ہے؟ آپ نے فرمایا: إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ۔۔۔ الخ، جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفار قریش پر بڑی شاق گزری کہنے لگے: اس نے ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہا ہے۔ لوگ ابن الزبیری کے پاس آئے اور اس کے متعلق بتایا تو وہ کہنے لگا: اگر میں وہاں ہوتا تو میں اس کو جواب دیتا۔ لوگوں نے کہا: تو اسے کیا کہتا؟ کہنے لگا: میں اسے کہتا حضرت مسیح علیہ السلام کی نصاریٰ عبادت کرتے ہیں، یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں کیا وہ دونوں بھی جہنم کا ایندھن ہوں گے؟ قریش اس کی بات سے بہت خوش ہوئے اور انہوں نے خیال کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نزاع کیا گیا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿٥٢﴾ (بلاشبہ وہ لوگ جن کے لیے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی تو وہی اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے) اور لَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا (الزخرف: 57) ابن العزیر کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ آیت آگے آرہی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یہ اصل قول میں عموم کی اصل ہے اور عموم کے لیے مخصوص صیغے ہیں جبکہ بعض اس کی مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں: عموم پر دلالت کرنے کے لیے کوئی صیغہ وضع نہیں کیا گیا۔ یہ قول باطل ہے کیونکہ یہ آیت اور دوسری آیات اس کی دلیل ہیں۔ عبد اللہ بن الزبیری نے ما سے زمانہ جاہلیت کے تمام معبود سمجھے اور قریش جو فصحاء عرب اور بلغاء لسان تھے انہوں نے بھی اس کی موافقت کی اگر یہ ماعوم کے لیے نہ ہوتا تو اس سے استثناء کرنا صحیح نہ ہوتا حالانکہ یہ پایا گیا ہے۔ پس یہ عموم کے لیے ہے اور یہ واضح ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ عام قرأت حسب یعنی صاد کے ساتھ ہے مفہوم یہ ہے کہ اے کفار کے گروہ! تم اور جن بتوں کی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ جہنم کا ایندھن ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ مجاہد، عکرمہ اور قتادہ نے کہا: خطبہا حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے خطب جہنم یعنی طاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حسب ضاد کے ساتھ پڑھا ہے۔ فراء نے کہا: اس سے مراد الحصب ہے۔ فرمایا: ہمیں بتایا گیا ہے کہ الحصب اہل یمن کی لغت میں الحطب کے معنی میں ہے۔ ہر وہ چیز جس کے ساتھ آگ بھڑکائی جائے اور جس کے ساتھ تو آگ جلائے وہ

حطب کہلاتی ہے؛ یہ جوہری نے ذکر کیا ہے۔ الموقد کا معنی محضب (چولھا) ابو عبیدہ نے حسب جہنم کے بارے میں فرمایا: ہر وہ چیز جو آگ میں ڈالے اس کے لیے حسب تھا بہ بولا جاتا ہے۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کافر لوگ اور وہ بت جن کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ اس آیت کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (البقرہ: 24) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: الحجارة سے مراد کبریت کا پتھر ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ آگ، بتوں پر عذاب اور عقاب نہ ہوگی کیونکہ انہوں نے تو کوئی جرم نہیں کیا بلکہ یہ ان کے عبادت گزاروں کے لیے عذاب ہوگی۔ یہ پہلا مقام حسرت ہوگا پھر انہیں آگ پر جمع کیا جائے گا اور ان کی آگ ہر آگ سے سخت ہوگی۔ پھر اس آگ کے ساتھ مشرکوں کو عذاب دیا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: ان پتھروں (بتوں) کو جلایا جائے گا اور پھر مشرکوں کے عذاب میں زیادتی کے لیے انہیں ان بتوں کے ساتھ ملایا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: انہیں آگ میں ڈالا جائے گا تاکہ ان کی عبادت پر سرزنش ہو جائے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَنْتُمْ لَهَا وَاٰهَادُونَ تم اس میں داخل ہونے والے ہو۔ یہ خطاب مشرکوں کو ہے جو بتوں کے پجاری ہیں یعنی تم اپنے بتوں کے ساتھ آگ میں داخل ہو گے۔ یہ کہنا بھی جائز ہے کہ خطاب بتوں کے لیے اور ان کے عبادت گزاروں کے لیے ہو کیونکہ اگرچہ جمادات تھے لیکن کبھی آدمیوں کی ضمیروں کے ساتھ ان کے متعلق خبر دی جاتی ہے۔ علماء نے فرمایا: حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور ملائکہ علیہم السلام اس میں داخل نہیں ہیں کیونکہ ما غیر آدمیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اگر آدمیوں کا ارادہ ہوتا تو من کہا جاتا۔ زجاج نے کہا چونکہ اس آیت کا مخاطب مشرکین مکہ ہیں دوسرے نہیں۔

لَوْ كَانَ هُوَ لِآلِهِةٍ مَّا وَرَدُّهَا ۗ وَكُلٌّ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿١٠﴾ لَهُمْ فِيهَا زَٰوِيَةٌ وَهُمْ فِيهَا

لَا يَسْمَعُونَ ﴿١١﴾

”(سو چو!) اگر یہ خدا ہوتے تو نہ داخل ہوتے جہنم میں اور جھوٹے خدا اور ان کے پجاری سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ جہنم میں (شدت عذاب سے) چنچیں گے اور اس میں اور کچھ نہ سن سکیں گے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوْ كَانَ هُوَ لِآلِهِةٍ مَّا وَرَدُّهَا یعنی اگر یہ بت خدا ہوتے تو ان کے عبادت گزار آگ میں نہ جاتے۔ بعض علماء نے کہا: عبادت گزار اور معبود جہنم میں داخل نہ ہوتے اسی لیے فرمایا: كُلٌّ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿١٠﴾ کفار و شیاطین میں سے جو آگ میں داخل ہوں گے ان کے لیے چیخ و پکار ہوگی۔ رہے بت تو ان میں اختلاف ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ انہیں زندہ کرے گا اور انہیں عذاب دے گا تاکہ ان کے لیے چیخ و پکار ہو یا انہیں زندہ نہیں کرے گا؟ اس کے متعلق دو قول ہیں۔ الزفیر مغنوم نفس کی وہ آواز جو دل سے نکلتی ہے۔ یہ سورۃ ہود میں گزر چکا ہے۔ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿١١﴾ بعض علماء نے فرمایا: کلام میں حذف ہے اس کا معنی ہے اس میں وہ کچھ نہیں سنیں گے کیونکہ وہ بہرے ہوں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلَىٰ وُجُوْهِهِمْ عَنِيًّا ۗ وَبُغْمًا ۗ وَصَنَابًا (الاسراء: 97)

اشیاء کے سننے میں راحت و انس ہوتا ہے پس اللہ تعالیٰ کفار کو آگ میں اس سے محروم کرے گا۔ بعض نے فرمایا: اس کا

مطلب ہے وہ ایسی بات نہیں سنیں گے جو انہیں خوش کرے گی بلکہ وہ ان فرشتوں کی آوازیں سنیں گے جو انہیں عذاب دینے پر مسلط ہوں گے۔ بعض نے فرمایا: جب انہیں کہا جائے گا: اَحْسُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنَ ۝۱۱ (المومنون) تو وہ بہرے اور گنگے ہو جائیں گے جیسا کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: جب وہ لوگ جنہوں نے ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے وہ باقی رہ جائیں گے تو وہ آگ کے تابوتوں میں ڈالے جائیں گے پھر ان تابوتوں کو دوسرے تابوتوں میں رکھا جائے گا جس میں آگ کے کیل لگے ہوں گے اور وہ کچھ نہیں سن سکیں گے اور ان میں سے کوئی نہیں دیکھ سکے گا کہ آگ میں ان کے علاوہ بھی کسی کو عذاب دیا جا رہا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝۱۱ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْبَهَا ۙ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۱۲ لَا يَحْزَنُهُمْ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقٰهُمْ الْمَلٰٓئِكَةُ ۙ هٰذَا يَوْمُكُمْ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ ۝۱۳

”بلاشبہ وہ لوگ جن کے لیے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی تو وہی اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے، وہ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ ان (نعمتوں) میں جن کی خواہش انہوں نے کی تھی ہمیشہ رہیں گے۔ نہ غم ناک کرے گی انہیں وہ بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے (انہیں بتائیں گے) یہی وہ تمہارا دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى الْحُسْنٰى سے مراد جنت ہے۔ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا، ہاں میرے مراد آگ ہے۔ مُبْعَدُوْنَ ۝۱۱ کلام کا معنی استثناء ہے اسی وجہ سے بعض اہل علم نے کہا: ان یہاں بمعنی الّا ہے اور قرآن میں اس کے علاوہ ایسا کہیں نہیں۔ محمد بن حاطب نے کہا میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ آیت منبر پر پڑھتے سنا: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى انہوں نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) ان میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْبَهَا یعنی وہ آگ کی آہٹ اور اس کے شعلوں کی حرکت نہ سنیں گے۔ الحسب اور الحس کا معنی حرکت ہے۔ ابن جریج نے عطا سے روایت کیا ہے فرمایا ابو راشد حروری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْبَهَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا تو مجنون ہے پھر یہ ارشاد کہاں ہے: وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَاِرَادُهَا (مریم: 71) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلٰى جَهَنَّمَ وَاِنَّمَا (مریم) اور یہ گزشتہ لوگوں کی دعا تھی: اے اللہ! مجھے آگ سے سلامتی کے ساتھ نکال اور مجھے جنت میں کامیاب فرما۔ ابو عثمان نہدی نے کہا: بل صراط پر سانپ ہوں گے جو دوزخیوں کو کاٹیں گے اور وہ کہیں گے: حَسْ حَسْ۔ بعض علماء نے فرمایا: جب جنتی لوگ جنت میں داخل ہونگے تو وہ دوزخیوں کی آہٹ نہیں سنیں گے اور اس سے پہلے سنیں گے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ وہ ہمیشہ رہیں گے جبکہ وہ ان نعمتوں میں ہوں گے جو ان کے نفس چاہیں گے اور آنکھوں کو لذت دیں گے۔ فرمایا: وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهٰى اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَدْعُوْنَ ۝۱۳ (حم السجدہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَحْزَنُهُمْ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ ابو جعفر اور ابن محیسن نے یحزنہم یاء کے ضمہ اور زاء کے کسرہ کے

ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے یاء کے فتح اور زاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یزیدی نے کہا: حزنۃ لغت قریش ہے اور حزنۃ لغت تمیم ہے دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ الفزع الاکبر سے مراد قیامت کے دن کی ہولناکیاں ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ حسن نے کہا: یہ وہ وقت ہے جس میں بندوں کو آگ کی طرف جانے کا حکم دیا جائے گا۔ ابن جریج اور سعید بن جبیر اور سخاک نے کہا: یہ وہ وقت ہے جب آگ کو ان کے اوپر بند کر دیا جائے گا اور موت کو جنت اور روزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا۔ ذوالنون مصری نے کہا: یہ قطعیت اور فراق ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ”تین افراد قیامت کے دن معنبر کستوری کے ٹیلوں پر ہوں گے انہیں بڑی گھبراہٹ پریشان نہیں کرے گی۔ ایک وہ شخص جس نے ثواب کی نیت سے قوم کی امامت کرائی جبکہ وہ اس سے راضی ہوں۔ دوسرا وہ شخص جس نے ثواب کی نیت سے قوم کے لیے اذان دی۔ تیسرا وہ شخص جو دنیا میں غلامی میں مبتلا کیا گیا اور اپنے رب کی طاعت سے بھی غافل نہ ہوا“ (1)۔ ابو سلمہ بن عبدالرحمن نے کہا: میں ایک شخص کے پاس سے گزرا جو اپنے غلام کو مار رہا تھا۔ غلام نے میری طرف چھڑانے کا اشارہ کیا میں نے اس کے مالک سے بات کی تو اس نے اسے معاف کر دیا۔ میں حضرت ابوسعید خدری سے ملا، میں نے اسے یہ واقعہ سنایا تو انہوں نے کہا: اے میرے بھتیجے! جس نے کسی پریشان حال کی مدد کی اللہ تعالیٰ بڑی پریشانی والے دن اسے آگ سے آزاد کرے گا۔ یہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

۷۱

وَتَتَلَّفَهُمُ الْمَلَائِكَةُ یعنی فرشتے جنت کے دروازوں پر ان کا استقبال کریں گے اور انہیں مبارک باد پیش کریں گے اور انہیں کہیں گے: هَذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝ بعض علماء نے فرمایا: قبور سے نکلنے کے وقت رحمت کے فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے هَذَا يَوْمُكُمْ یعنی ویقولون لهم یہ وہ انہیں کہیں گے اس کو حذف کیا گیا ہے۔ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝ جس میں عزت و کرامت ہے۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجْلِ لِلْكَتِّبِ ۝ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ ۝ وَعَدْنَا عَلَيْنَا ۝ إِنَّا كُنَّا فَعِيلِينَ ۝

” (یاد کرو) جس دن ہم لپیٹ دیں گے آسمان کو جیسے لپیٹ دیئے جاتے ہیں طومار میں کاغذات، جیسے ہم نے آغاز کیا تھا ابتدائے آفرینش کا اسی طرح ہم اسے لوٹائیں گے یہ وعدہ (پورا کرنا) ہم پر لازم ہے یقیناً ہم (ایسا) کرنے والے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ ابو جعفر بن قعقاع، شیبہ بن نصاح، اعرن اور زہری نے تطوی تا مضمومہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ السماء کو تائب الفاعل کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے۔ مجاہد نے بطوی پڑھا ہے۔ اس معنی پر کہ بطوی اللہ السماء۔ اللہ آسمان کو لپیٹ دے گا باقی قراء نے تطوی نون کے ساتھ پڑھا ہے پر یہ عظمت کی دلیل ہے اور یوم پر نصب ہ ضمیر محذوف سے بدل ہونے کے اعتبار سے ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝ يَوْمَ نَطْوِي

السَّمَاءِ يَأْنَعِيدُ كِي وَجِه سَے مَنْصُوب هُوْكَ تُوْ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ يَأْلِيحْزَنُهُمْ كِي وَجِه سَے مَنْصُوب هُوْكَ لَعْنِي
لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ الْيَوْمَ الَّذِي نَطْوِي فِيهِ السَّمَاءَ يَأْذُ كُرْ كَے اَضْمَار كَے سَاتِهْ مَنْصُوب هُوْ۔ السَّمَاءُ سَے مَرَادُ جَنْسُ هُوْ
اس كِي دَلِيلُ يِه هُوْ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَةٌ بِبَيِّنَاتٍ (الزمر: 67)

كَطَبِ السَّجْلِ لِلْكَتَبِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: صحیفہ کو اس پر لپیٹ دینا جو کچھ اس میں ہو۔ لام بمعنی علی ہو
گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب کا نام ہے (1)۔ یہ بھی قوی نہیں کیونکہ نبی پاک
صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب معروف تھے ان میں سے یہ کسی کا نام نہیں اور نہ آپ کے اصحاب میں سے کسی کا نام السجل ہے۔ حضرت
ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن عمر اور سدی نے کہا: السجل اس فرشتے کا نام ہے جو بنی آدم کے رجسٹر لیٹتا ہے، جب وہ اس کی طرف
بلند کیے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: وہ تیسرے آسمان میں ہے۔ اس کی طرف بندوں کے اعمال بلند کیے جاتے ہیں۔ کندھوں
پر موجود الحفظہ فرشتے ہر جمعرات اور سوموار کو اس کو پیش کرتے ہیں اس کے مددگاروں میں سے ہاروت و ماروت ہیں۔
السجل، اشام کو بھی کہتے ہیں یہ السجالة سے مشتق ہے جس کا معنی کتابت ہے اس کی اصل السجل سے ہے یعنی ڈول۔ تو
کہتا ہے: ساجلت الرجل جب تونے ڈول نکال دیا پھر مکاتبت اور مراجعت کو مساجلة کہا گیا۔ سجل الحاکم تسجيلاً۔
فصل بن عباس بن عتبة بن ابی لہب نے کہا:

مَنْ يُسَاجِلْنِي يُسَاجِلْ رَبِّي يَبْلَغُ الدُّكُو إِلَى عَقْدِ الْكَرْبِ

پھر اس اسم کی بنا فِعْلُ بِنَائِي گئی ہے جیسے حَمَزٌ وَطَبْرٌ وَبَلِيٌّ ابوزرعہ بن عمر بن جریر نے کطبي السجل سین اور جیم کے ضمہ
کے ساتھ اور لام کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اعمش اور طلحہ نے کطبي السجل سین کے فتح اور جیم کے سکون اور لام کی تخفیف
کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: معنی ایک ہی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور للکتاب کے قول پر کلام مکمل ہے۔ اس آیت
میں الطی دو معانی کا احتمال رکھتا ہے۔ الدرر جو النشأ کی ضد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: السَّمَوَاتُ مَطْوِيَةٌ بِبَيِّنَاتٍ (الزمر:
67) دوسرا معنی چھپانا اور مٹانا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے نشان مٹائے گا اور اس کے ستاروں کی روشنی کو ختم کرے گا۔ اللہ تعالیٰ
کا ارشاد ہے: إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ۝ (التکویر) وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ۝ (التکویر)
للکتاب پر کلام مکمل ہوئی۔ اعمش، حفص، حمزہ، کسائی، یحییٰ اور خلف نے للکتاب جمع پڑھا ہے۔ پھر کلام کا آغاز ہوا فرمایا: كَمَا
بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ یعنی ہم انہیں جمع کریں گے جبکہ وہ ننگے پاؤں، برہنہ بدن اور غیر مختون ہوں گے جس طرح وہ ماؤں
کے پیٹوں سے پیدا کیے گئے تھے۔ نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے
فرمایا: ”قیامت کے دن لوگ جمع ہو جائیں گے جبکہ وہ برہنہ بدن، غیر مختون ہوں گے قیامت کے روز سب سے پہلے حضرت
ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا پھر یہ آیت پڑھی: كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ“۔ اس کو امام مسلم نے حضرت ابن
عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: ہمارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موعظت کے لیے کھڑے ہوئے فرمایا: ”اے لوگو!

تم اللہ کی بارگاہ میں جمع کیے جاؤ گے جبکہ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور غیر مختون ہو گے پھر یہ آیت پڑھی: **كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُمْ خَيْرَ دَارٍ سَبَّحَةَ نُعِيدُهُمْ**! سب سے پہلے قیامت کے روز ابراہیم کو لباس پہنایا جائے گا“ (1)۔ ہم نے اس باب کے تحت التذکرہ کتاب میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ سفیان ثوری نے سلمہ بن کبیل سے انہوں نے ابو الزعراء سے انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے فرمایا: اللہ تعالیٰ عرش کے نیچے سے پانی بھیجتا ہے جیسے مردوں کی منی ہوتی ہے پس اس سے لوگوں کے گوشت اور جسم پیدا ہوتے ہیں اسی طرح گیلی مٹی سے اور چیزیں پیدا ہوتی ہیں پھر یہ آیت پڑھی: **كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُمْ**، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم ہر چیز کو ہلاک کر دیں گے اور ہم ہر چیز کو فنا کر دیں گے جس طرح ابتدا میں تھا۔ اس بناء پر کلام **يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ** کے قول سے متصل ہوگی، یعنی ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے پھر اسے ہلاکت و فنا کی طرف لوٹا دیں گے پس کوئی چیز باقی نہ رہے گی۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے ہم آسمان کو فنا کریں گے پھر انہیں دوبارہ لپٹنے اور زوال کے بعد لوٹائیں گے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَوْمَ نُبَدِّلُ الْأَرْضَ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتِ** (ابراہیم: 48)

پہلا قوم اصح ہے اور اس کی مثال یہ قول ہے: **وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِرْعَانَ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ** (الانعام: 94)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَعُرْضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جَعَلْنَا فِرْعَانَ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ** (الکہف: 48) وعداً مصدر کی بنا پر منصوب ہے یعنی وعدنا وعداً۔ علینا ہم پر اس کا پورا کرنا اور وفا کرنا ہے یعنی دوبارہ اٹھانا اور اعادہ کرنا ہے۔ کلام میں حذف ہے پھر: **إِنَّا كُنَّا فَعَلِينَ** کے ساتھ مؤکد کیا۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے جو ہم چاہتے ہیں اس پر قادر ہیں۔ بعض علماء نے کہا: اس کا معنی ہے جو ہم نے تم سے وعدہ کیا اسے پورا کرنے والے ہیں، جس طرح فرمایا: **كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا** (المزمل) بعض نے کہا: کان جو فیصلہ ہو چکا ہے اس کی خبر دینے کے لیے ہے۔ بعض نے کہا: صلہ ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿٥١﴾

إِنَّ فِي هَذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ غٰبٍ ﴿٥٢﴾

”اور بیشک ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں پسند و مواعظت کے (بیان کے) بعد کہ بلاشبہ زمین کے وارث تو میرے نیک

بندے ہوں گے۔ یقیناً اس قرآن میں کفایت ہے اس قوم کی (فلاح دارین) کے لیے جو عبادت گزار ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ** اور الكتاب ایک چیز ہے اسی وجہ سے تورات اور انجیل کو زبور کہنا

جائز ہے۔ زبیرت کا معنی ہے کتبت اس کی جمع زبور ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: الزبور سے مراد تورات، انجیل اور قرآن ہے۔

مِن بَعْدِ الذِّكْرِ جو آسمان میں ہے۔ **أَنَّ الْأَرْضَ** سے مراد جنت کی زمین ہے۔ **يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ** یہ سفیان نے اعمش

سے انہوں نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: الزبور سے مراد حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور ہے۔ **الذِّكْرِ**

سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات ہے۔ مجاہد اور ابن زید نے کہا: الزبور سے مراد انبیاء کرام کی کتب ہیں۔ **الذِّكْرِ**

سے مراد ام الکتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس آسمان میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الزبور سے مراد وہ کتب ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیاء کرام پر اتارا۔ الذکر سے مراد وہ تورات ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتاری گئی۔ حمزہ نے فی الزبور یرداء کے ضمہ کے ساتھ زبور کی جمع کے طور پر پڑھا ہے۔ اَنَّ الْأَرْضَ يَرْثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ بہتر قول جو اس کی تفسیر میں مروی ہے، وہ یہ ہے کہ اس سے مراد جنت کی زمین ہے جیسا کہ سعید بن جبیر نے کہا کہ دنیا میں زمین کے وارث نیک لوگ بھی ہوتے ہیں اور دوسرے ظالم و جابر بھی ہوتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد وغیرہما کا قول ہے۔ مجاہد اور ابو العالیہ نے کہا: اس تاویل کی دلیل یہ ارشاد ہے: وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقْنَا وَعَدُّهُ وَأَوْثَقَنَا الْأَرْضَ (الزمر: 74)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد ارض مقدسہ ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ کافر امتوں کی زمین ہے جس کی امت محمدیہ فتوحات کے ساتھ وارث بنی۔ بعض نے کہا: اس سے مراد بنو اسرائیل ہیں اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: وَأَوْثَقْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضَعُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا (الاعراف: 137)

اکثر مفسرین کا قول ہے کہ عباد الصالحین سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔ حمزہ نے عبادی الصالحون یاہ کی تسکین کے ساتھ پڑھا ہے۔ اِنَّ فِي هَذَا اس سورت میں جو وعظ و تنبیہ گزری ہے۔ بعض علماء نے کہا: یعنی جو قرآن میں ہے: لَبَلَّغْنَا الْقَوْمَ عِبَادِينَ وَكَفَايَتُ كَرْنِ وَالَا هِ عِبَادَتُ كَرْنِ الْقَوْمِ كَرْنِ لِي۔ حضرت ابو ہریرہ اور سفیان ثوری نے کہا: اس سے مراد پانچ نمازیں ادا کرنے والے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عابدین سے مراد اطاعت کرنے والے ہیں۔ العابد جو اطاعت و انکساری کرنے والا ہو۔ قشیری نے کہا: کوئی بعید نہیں کہ اس میں ہر عاقل داخل ہو کیونکہ فطرت کی حیثیت سے وہ خالق کا اطاعت گزار ہوتا ہے۔ وہ اگر قرآن میں غور و فکر کرے اور اس پر عمل کرے تو وہ اسے جنت تک پہنچائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ امتی ہیں جو پانچوں نمازیں پڑھتے ہیں اور رمضان کے مہینہ کے روزے رکھتے ہیں؛ یہ بعینہ پہلا قول ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٠﴾ قُلْ إِنَّمَا يُوحَىٰ إِلَىٰ أَنبِيَآءِ إِلَهٍ وَوَاحِدٌ
فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ﴿١٠١﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اذْنَبْتُكُمْ عَلَىٰ سَوَآءٍ ۗ وَإِنِ ادْرَأَيْتُمْ أَقْرَبُ
أَمْ بَعِيدٌ مَّا تُوْعَدُونَ ﴿١٠٢﴾

”اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر اسراپا رحمت بنا کر سارے جہانوں کے لیے۔ فرمادیجئے کہ میرے پاس تو صرف یہ وحی آئی ہے کہ تمہارا خدا (وہی ہے جو) ایک خدا ہے پس کیا تم اسلام لانے کے لیے تیار ہو، اگر وہ پھر بھی روگردانی کریں تو آپ فرمادیجئے کہ میں نے آگاہ کر دیا ہے تمہیں پوری طرح اور میں نہیں سمجھتا کہ قریب ہے یا بعید جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿٥٨﴾ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ تمام انسانوں کے لیے رحمت ہیں پس جو آپ ﷺ پر ایمان لایا اور آپ ﷺ کی تصدیق کی وہ سعادت مند ہو اور جو آپ ﷺ پر ایمان نہیں لایا اسے وہ عذاب لاحق نہیں ہوا جو پہلی امتوں کو (نا فرمانی کی وجہ سے) نسف اور غرق لاحق ہوا۔ ابن زید نے کہا: العالمین سے خاص مومنین مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ إِنَّمَا يُحْيِي إِلَىٰ آتِمًا إِلَهُكُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ اللَّهُ تَعَالَىٰ كَاشْرِكٍ بِنَانَا جَائِزٌ نَّبِيْسٌ۔ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٥٩﴾ کیا تم اللہ تعالیٰ کی توحید کی اطاعت کرنے والے ہو یعنی اسلام قبول کر لو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْتَهْمُونَ ﴿٦٠﴾ (المائدہ) یعنی تم باز آ جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِن تَوَلَّوْا لَعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٦١﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٦٢﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٦٣﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٦٤﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٦٥﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٦٦﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٦٧﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٦٨﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٦٩﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٧٠﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٧١﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٧٢﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٧٣﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٧٤﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٧٥﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٧٦﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٧٧﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٧٨﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٧٩﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٨٠﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٨١﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٨٢﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٨٣﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٨٤﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٨٥﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٨٦﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٨٧﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٨٨﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٨٩﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٩٠﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٩١﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٩٢﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٩٣﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٩٤﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٩٥﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٩٦﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٩٧﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٩٨﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿٩٩﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔ فَقُلْ أَدْنَتْكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ لِّعْنَةُ اللَّهِ لَآتِيكُم مِّنْ جِهَتَيْكَ مِنَ الْجَاهِ الَّذِي فِيهِ تَخْرُجُونَ ﴿١٠٠﴾ اگر وہ اسلام سے اعراض کریں۔

إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ﴿٦٢﴾ وَإِن أَدْرَأَيْكَ لَعَلَّهٗ فَتِنَةٌ لَّكُمْ
وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٦٣﴾ قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا الرَّحْمَنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا
تُصِفُونَ ﴿٦٤﴾

”بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو بات تم بلند آواز سے کہتے ہو اور جانتا ہے جو تم (اپنے دل میں) چھپاتے ہو۔ اور میں کیا جانوں (اس ڈھیل سے) شاید تمہارا امتحان لینا اور ایک وقت تک تمہیں لطف اندوز کرنا مطلوب ہو۔ آپ نے عرض کی: میرے رب! فیصلہ فرما دے (ہمارے درمیان) حق کے ساتھ اور (اے کفار!) ہمارا رب وہ ہے جو رحمن ہے اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں پر جو تم کرتے ہو۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ﴿٦٢﴾ یعنی شرک میں سے جو تم بلند آواز سے کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو وہ سب جانتا ہے وہ اس پر جزا دے گا۔ وَإِن أَدْرَأَيْكَ لَعَلَّهٗ شَآئِدٌ مَّهْلَتٌ دِينَا، فَتِنَةٌ لَّكُمْ تَمْبَارَةٌ لِّعَلَّہُ امتحان ہوتا کہ وہ دیکھے تمہارا عمل کیسا ہے جبکہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ بعض علماء نے فرمایا: مدت کے ختم

ہونے تک۔ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بنی امیہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ لوگوں پر غالب ہیں۔ حکم آپ کے پاس نکلا تو بنی امیہ کو اس کی خبر دی۔ بنو امیہ نے حکم کو کہا کہ تو آپ سے پوچھ یہ کب ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: **وَإِنْ أَدْبَاهُ قَرِيبٌ أَمْرٌ بَعِيدٌ مَّا تَوْعَدُونَ ۝** - **وَإِنْ أَدْبَاهُ لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝**، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو فرمایا: آپ انہیں یہ کہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ** سورت کا اختتام اس طرح فرمایا کہ اپنے نبی کریم ﷺ کو حکم فرمادیا کہ اپنا امر اللہ تعالیٰ کو تفویض کرو اور اس کی بارگاہ سے کشادگی کی توقع رکھو، یعنی میرے درمیان اور ان جھٹلانے والوں کے درمیان فیصلہ کرو اور ان کے خلاف میری مدد فرما۔ سعید نے قنادہ سے روایت کیا ہے فرمایا: انبیاء کرام کہتے تھے: **رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ** (الاعراف: 89) نبی کریم ﷺ کو یہ کہنے کا حکم دیا: **رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ** یعنی اس وقت آپ یہ کہتے تھے جب دشمن سے آمنا سامنا ہوتا تھا حالانکہ آپ کو یقین کامل تھا کہ آپ حق پر ہیں اور دشمن باطل پر ہے: **رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ** اے میرے پروردگار حق کے ساتھ فیصلہ فرما۔ ابو عبیدہ نے کہا: یہاں صفت کو موصوف کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے: رب احکم بحکمک الحق اور رب محل نصب میں ہے، کیونکہ یہ ندا مضاف ہے۔ ابو جعفر بن قعقاع اور ابن محیصن نے **قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ** با کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ نحو یوں کے نزدیک غلط ہے۔ ان کے نزدیک رجل اقبل کہنا جائز نہیں حتیٰ کہ تم کہو: یا رجل اقبل یا اس کے مشابہ کہو۔ ضحاک، طلحہ اور یعقوب نے قال رب احکم بالحق ہمزہ قطعی کے ساتھ اور کاف مفتوحہ اور میم مضمومہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی حضرت محمد ﷺ نے عرض کی اے میرے رب! تو ہر حاکم سے زیادہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ محمد ری نے قال رب احکم پڑھا ہے، یعنی تمام امور کو حق کے ساتھ پختہ کرنے والا ہے۔

وَرَبَّنَا الرَّحْمَنُ السُّتْعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝ جو تم کفر اور تکذیب میں سے بیان کرتے ہو۔ مفضل اور سلمیٰ نے علی مایصفون یا کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور باقیوں نے تا کے ساتھ پڑھا ہے۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورہ حج

﴿سورة الحج، آیت ۱﴾ ﴿سورة الحج، آیت ۱﴾ ﴿سورة الحج، آیت ۱﴾

یہ سورت مکی ہے، سوائے تین آیات کے، ہٰذٰنِ حَصْنِ سے لیکر تین مکمل آیات تک؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ چار آیات ہیں۔ عَذَابُ الْحَرِيقِ ﴿۱۰﴾ تک، نَحَاک اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ بھی قول ہے کہ یہ مدنی سورت ہے، یہ قنادہ کا قول ہے سوائے چار آیات کے۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ سِوَايَ عَذَابٍ يُؤْتِيهِمْ عَقِيْبُهُ ﴿۱۱﴾ تک یہ آیات مکی ہیں۔ نقاش نے مدینہ طیبہ میں نازل ہونے والی آیات کو دس شمار کیا ہے۔ جمہور نے کہا: یہ سورت ملی جلی ہے کیونکہ اس کی بعض آیات مکی ہیں اور اس کی بعض آیات مدنی ہیں؛ یہ قول اصح ہے کیونکہ آیات اسی کا تقاضا کرتی ہیں کیونکہ يَا أَيُّهَا النَّاسُ مکی ہے۔ اور يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مدنی ہے۔ غزنوی نے کہا یہ عجیب سورتوں میں سے ہے یہ رات اور دن میں، سفر اور حضر میں، مکہ اور مدینہ میں، صلح و جنگ میں نازل ہوئی اس میں نسخ بھی ہے اور منسوخ بھی ہے۔ محکم آیات بھی ہیں اور متشابہ بھی ہیں تعداد مختلف ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی فضیلت میں وہ روایت آئی ہے جو ترمذی، ابوداؤد اور دارقطنی نے حضرت عقبہ بن عامر سے روایت کی ہے فرمایا میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سورہ حج کو فضیلت دی گئی ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہاں۔ اور جس نے ان کا سجدہ نہیں کیا اس نے اسے نہیں پڑھا“ (1)۔ یہ ترمذی کے الفاظ کا ترجمہ ہے اور امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے اس کی سند قوی نہیں ہے۔

اہل علم کا اس میں اختلاف ہے حضرت عمر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: سورہ حج کو فضیلت دی گئی ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں۔ ابن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اس میں ایک سجدہ ہے؛ یہ سفیان ثوری کا قول ہے اور دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن ثعلبہ سے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کو میں نے سورہ حج میں دو سجدے کرتے دیکھا۔ میں نے پوچھا: صبح کی نماز میں؟ فرمایا: صبح کی نماز میں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمۡ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ﴿۱۲﴾

”اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار (کی ناراضگی) سے بیشک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔“

امام ترمذی نے حضرت عمران بن حصین سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر يَا أَيُّهَا النَّاسُ سے لے کر وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيدٌ ﴿۱۳﴾ تک آیات نازل ہوئیں تو آپ سفر میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو یہ کون سا دن ہے؟“

صحابہ نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ”یہ وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا آگ کا حصہ نکالو۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے: آگ کا حصہ کتنا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: نو سو ننانوے (999) آگ کی طرف جائیں گے اور ایک جنت کی طرف جائے گا۔“ مسلمان رونے لگ گئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”عمدہ اعمال کے قریب قریب اعمال کرو اور سیدھے اعمال کرو نبوت کبھی نہیں تھی مگر اس سے پہلے زمانہ جاہلیت تھا۔“ فرمایا: ”پہلے تعداد زمانہ جاہلیت سے پوری کی جائے گی اگر مکمل ہو جائے گی تو فبہا ورنہ منافقین سے مکمل کی جائے گی۔ تمہاری اور دوسری امتوں کی مثال اس طرح ہوگی جیسے جانور کے بازو پر اٹھی ہوئی جگہ ہوتی ہے یا اونٹ کے پہلو میں کوئی علامت ہوتی ہے“ پھر فرمایا: ”میں امید کرتا ہوں تم اہل جنت کا نصف ہو گے۔“ صحابہ کرام نے تکبیر بلند کی۔ راوی فرماتے ہیں: میں نہیں جانتا آپ نے 21 3 کا ذکر کیا یا نہیں۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ یہ حسن عن عمران بن حصین سے دوسرے طریق سے روایت کی گئی ہے۔ اس میں ہے: لوگ مایوس ہو گئے حتیٰ کہ انہوں نے اظہار مسرت نہ کیا۔ جب نبی کریم ﷺ نے یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا: ”اچھے اعمال کرو اور خوش ہو جاؤ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم دو ایسی خلقتوں کے ساتھ ہو جو کسی کے ساتھ نہیں ہوتیں مگر اس کو زیادہ کر دیتی ہیں۔ یا جوج و ماجوج اور بنی آدم میں سے ابلیس کی اولاد میں سے جو مر چکے ہیں۔“ پس قوم سے پریشانی دور ہو گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اچھے اعمال کرو اور خوش ہو جاؤ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم ان لوگوں میں نہیں ہو گے مگر اونٹ کے پہلو پر ایک نشان کی طرح یا جانور کے بازو میں ابھری ہوئی جگہ کی طرح“ فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (1)۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے فرمایا نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم! وہ عرض کریں گے: لبیک و سعیدک والخیر فی یدیک اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آگ کا حصہ نکال۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے: آگ کا حصہ کتنا ہے؟ فرمایا: ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے (999)۔ فرمایا: یہ وہ وقت ہے چھوٹا بوڑھا ہو جائے گا اور ہر حمل والی اپنا حمل گرا دے گی اور تو لوگوں کو نشہ میں مدہوش دیکھے گا وہ نشہ میں مدہوش نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔ فرمایا: لوگوں پر یہ بات بڑی سخت ہوئی۔ انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ ہم میں وہ ایک شخص کون ہوگا؟ فرمایا: ”تم خوش ہو جاؤ یا جوج و ماجوج میں سے ہزار ہوں گے اور تم میں سے ایک شخص ہوگا“ آگے حضرت عمران بن حصین کی حدیث کی طرح حدیث بیان کی۔ ابو جعفر نحاس نے ذکر کیا ہے فرمایا: ہمیں احمد بن محمد بن نافع نے بتایا فرمایا ہمیں سلمہ نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں عبدالرزاق نے بتایا فرمایا ہمیں معمر نے بتایا انہوں نے قتادہ سے انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ سَلِكُوا لَكُمْ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدًا ۝ تک آیت نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی تو آپ سفر میں تھے۔ آپ ﷺ نے بلند آواز سے اس آیت کو پڑھا حتیٰ کہ صحابہ کرام آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو یہ کونسا دن ہے۔ یہ وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا: اے آدم! اٹھو اور دوزخ کا حصہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے (999)

آگ کی طرف نکالو اور ایک جنت میں ہوگا۔ مسلمانوں نے اس پر نعرہ تکبیر بلند کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”سیدھے راستے پر چلو اور صحت کے قریب قریب والے اعمال کرو اور خوش ہو جاؤ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم ان لوگوں میں نہیں ہو گے مگر اس علامت (نشانی) کی طرح جو اونٹ کے پہلو میں ہوتی ہے یا گدھے کے بازو میں انھی ہوئی جگہ ہوتی ہے اور تم بارے ساتھ دو خلقتیں ایسی ہیں جو کسی چیز کے ساتھ نہیں ہوتیں مگر وہ اس میں اضافہ کرتی ہیں۔ یا جوج و ما جوج اور جن و انس میں سے کافر لوگ جو ہلاک ہو چکے ہیں“ (1)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ اس نداء سے مراد مکلف لوگ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر کو چھوڑنے اور اس کے نواہی سے آگے بڑھنے سے ڈرو۔ الالتقاء سے مراد مکروہ چیز سے بچنا ہے، اس پر گفتگو سورہ بقرہ میں تفصیلاً گزر چکی ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی سزا سے بچنے کے لیے اس کی طاعت کا احترام کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝، الزلزلة کا معنی ہے شدید حرکت کرنا اسی سے ہے وَ زُلْزُلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ (البقرہ: 214) اس کلمہ کا اصل معنی ہے کسی کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا اور حرکت کرنا۔ زلزل اللہ قدمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے پاؤں کو حرکت دی۔ یہ لفظ کسی چیز سے ڈرانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد معروف زلزلہ ہے جو قیامت کی ان شرائط میں سے ہے جو قیامت سے پہلے دنیا میں ہوں گی؛ یہ جمہور کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ زلزلہ پندرہ رمضان کو آئے گا اس کے بعد سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔

يَوْمَ تَرُؤْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ

تَرَى النَّاسَ سُكَرَى وَ مَا هُمْ بِسُكَرَى وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ۝

”جس روز تم اس (کی ہولناکیوں) کو دیکھو گے تو غافل ہو جائے گی ہر دودھ پلانے والی (ماں) اس (لخت جگر) سے جس کو اس نے دودھ پلایا اور گرا دے گی ہر حاملہ اپنے حمل کو اور تجھے نظر آئیں گے لوگ جیسے وہ نشہ میں مست ہوں حالانکہ وہ نشہ میں مست نہیں ہوں گے بلکہ عذاب الہی سخت ہوگا (وہ اس کی ہیبت سے حواس باختہ ہوں گے)۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَوْمَ تَرُؤْنَهَا، ہا ضمیر کا مرجع جمہور کے نزدیک الزلزلة ہے۔ اس کی تائید یہ ارشاد الہی بھی کرتا ہے: تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا، رضاع اور حمل دنیا میں ہے۔ ایک فرقہ نے کہا: للزلزلة قیامت کے دن آئے گا اور ان علماء نے حضرت عمران بن حصین کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو ہم نے ابھی ذکر کی ہے۔ اس حدیث میں ہے: ”کیا تم جانتے ہو وہ دن کون سا ہے“۔ اور حضرت ابو سعید کی حدیث جو امام مسلم نے روایت کی ہے اس کا سیاق بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَذْهَلُ کا معنی ہے مشغول ہو جانا؛ یہ قطرب کا قول ہے:

ضَرْبًا يُزِيلُ الْهَامَ عَنِ مَقِيلِهِ وَيُذْهِلُ الْخَلِيلَ عَنِ خَلِيلِهِ

بعض نے فرمایا: اس کا معنی بولنا ہے۔ بعض نے کہا: غافل ہو جانا ہے۔ بعض نے کہا: بھول جانا ہے۔ یہ تمام معانی قریب قریب ہیں۔ عَمَّا أَرْضَعَتْ مَبْرَدٌ نے کہا: اس میں ما مصدر یہ ہے یعنی وہ دودھ پلانے سے بھول جائے گی۔ فرمایا: یہ دلیل ہے کہ یہ زلزلہ دنیا میں ہوگا کیونکہ دوبارہ اٹھنے کے بعد تونہ حمل ہوگا اور نہ دودھ پلانا ہوگا۔ مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو حاملہ مرجائے گی وہ حاملہ ہی اٹھائی جائے گی پس وہ ہولنا کی کی وجہ سے اپنا حمل گرا دے گی اور جو دودھ پلاتے ہوئے مرجائے گی وہ اسی طرح اٹھائی جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **يَوْمَ مَا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا** (المزمل) جس دن بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ بعض نے کہا: یہ پہلے صور کو پھونکنے کے وقت ہوگا۔ بعض نے کہا: قیامت کے قیام کے ساتھ ہوگا حتیٰ کہ دوسرے صور کے پھونکنے کے ساتھ لوگ اپنی قبور سے حرکت کریں گے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آیت میں زلزلہ سے مراد قیامت کے دن کی ہولنا کیوں کو بیان کرنا ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **مَسَّتْهُمْ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَرَدُّوا** (البقرہ: 214) اور اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایا: **اللَّهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلِّزْهُمْ** (1) اے اللہ! ان کفار کو شکست دے اور ان کے پاؤں اکھیڑ دے۔ قیامت کے دن کی ہولنا کیوں کو بیان کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ نیک اعمال کے ساتھ لوگ اس کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں۔ زلزلہ کو شیئ عظیم کہنا یا تو اس لیے ہے کہ اس کا وقوع یقینی ہے اسی وجہ سے معدوم چیز کو شیئ کہنا بھی آسان ہے، کیونکہ یقین، موجودات کے مشابہ ہوتا ہے یا مآل اور انجام کے اعتبار سے ہے یعنی یہ جب واقع ہوگا تو عظیم شیئ ہوگا۔ گویا اب اسم کا اطلاق نہیں کیا بلکہ اس کا معنی ہے جب یہ ہوگا تو عظیم شیئ ہوگا اسی کی وجہ سے دودھ پلانے والیاں اپنے بچوں سے غافل ہو جائیں گے اور لوگ نشہ میں مست نظر آئیں گے جیسا کہ فرمایا: **وَتَرَى النَّاسَ سُكَوٰى** یعنی اس کی ہولنا کی کی وجہ سے اور جو انہیں خوف اور گھبراہٹ لاحق ہوگی اس کی وجہ سے نشہ میں مست نظر آئیں گے۔ **وَمَا هُمْ بِسُكَوٰى** حالانکہ وہ شراب کے نشہ میں نہیں۔ اہل معانی نے کہا: تو لوگوں کو دیکھے گا گویا کہ وہ نشہ میں مست ہیں۔ اس پر دلیل ابی زرعہ ہرم بن عمرو بن جریر بن عبد اللہ کی قرأت **وَتَرَى النَّاسَ تَاكُفُرًا** کے ساتھ ہے یعنی تجھے خیال گزرے گا۔ حمزہ اور کسائی نے سکری بغیر الف کے پڑھا ہے۔ باقیوں نے سکاری الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغات ہیں یہ سکراں کی جمع ہے جیسے کسلی و کسالی، الزلزلة کا معنی سختی سے حرکت دینا ہے۔ الذہول کا معنی غم، ہم اور تکلیف وغیرہ کے لاحق ہونے کی وجہ سے کسی چیز سے غافل ہو جانا ہے۔ ابن زید نے کہا: عورت اس تکلیف کی وجہ سے اپنے بچے کو چھوڑ دے گی جو اس پر نازل ہوگی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ ۝ كَتَبَ عَلَيْهِ
أَنَّهُ مِّنْ تَوَلَّاهُ فَإِنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝

”اور بعض ایسے لوگ ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کے بغیر اور پیروی کرتے ہیں ہر سرکش شیطان کی۔ جس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے کہ جو اس کو دوست بنائے گا تو وہ اسے گمراہ کر کے رہے گا اور راہ

دکھائے گا اسے بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ** اس سے مراد نضر بن حارث جو کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے زندہ کرنے پر قادر نہیں جو بوسیدہ ہو چکا ہے اور مٹی بن چکا ہے۔ **وَيَتَّبِعُهُمُ اس** کے قول میں **كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ** یعنی ہر سرکش شیطان۔ **كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ قَادَهُ** اور مجاہد نے کہا: جو شیطان کو دوست بناتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِّنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِّنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِّنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ آجَلٍ مُّسْتَمْسِقٍ ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِيَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِمَّنْ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا وَتَرَىٰ الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِّنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ⑤

”اے لوگو! اگر تمہیں کچھ شک ہو (روز محشر) جی اٹھنے میں تو (ذرا اس امر میں غور کرو کہ) ہم نے ہی پیدا کیا تھا تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر گوشت کے ٹکڑے سے بعض کی تخلیق مکمل ہوتی ہے اور بعض کی نامکمل تاکہ ہم ظاہر فرمادیں تمہارے لیے (اپنی قدرت کا کمال) اور ہم قرار بخشتے ہیں رحموں میں جسے ہم چاہتے ہیں ایک مقررہ میعاد تک پھر ہم نکالتے ہیں تمہیں بچہ بنا کر پھر (پرورش کرتے ہیں تمہاری) تاکہ تم پہنچ جاؤ اپنے شباب کو اور تم میں سے کچھ (پہلے) فوت ہو جاتے ہیں اور تم میں سے بعض کو پہنچا دیا جاتا ہے نگی عمر تک تاکہ وہ کچھ نہ جانے ہر چیز کو جاننے کے بعد، اور تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک پڑی ہے پھر جب ہم اتارتے ہیں اس پر (بارش کا) پانی تو وہ تروتازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی ہے اور اگاتی ہے ہر خوشنما جوڑے کو۔“

مسئلہ نمبر 1: **إِنَّ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ** یہ پہلی دفعہ آغاز کرنے کے ساتھ حجت پکڑی جا رہی ہے۔ **إِنَّ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ**، یہ توقیف کو متضمن ہے۔ حسن بن ابی حسن نے البعث عین کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ بصریوں کے نزدیک بعث میں یہ لغت بھی ہے اور یہ کوفیوں کے نزدیک تخفیف کے ساتھ **بَعَثَ** ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! اگر تمہیں دوبارہ اٹھائے جانے میں شک ہے۔ **فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ** یعنی ہم نے تمہارے باپ کو، جو بشر کی اصل ہے، آدم کو پیدا کیا۔ **مِّنْ تُرَابٍ** مٹی سے نہ ہم نے ان کی اولاد کو پیدا کیا **مِّنْ نُطْفَةٍ** مٹی سے۔ اس کو نطفہ کہا جاتا ہے اس کی قلت کی وجہ سے، وہ تھوڑا سا پانی ہے کبھی کبھی پانی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، اسی سے حدیث میں ہے۔ حتیٰ یسیر الراكب بین النطفتین لایخشی جوراً (1) یعنی سوار بحر مشرق اور بحر مغرب کے درمیان چلے گا اور اسے ظلم کا خوف نہ ہوگا۔ النطف کا معنی ٹپکنا ہے۔ **نَطْفٌ يَنْطَفُ وَيَنْطَفُ بِكِنَا**۔

لیلة نطوفة اس رات کو کہتے ہیں جس میں متواتر بارش برستی رہے۔ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ جَامِدٍ خَوَانِ الْعَلَقِ تَرْتَجِي هُوَ خُونٌ كَوَكْتِهٖ
ہیں۔ بعض نے کہا: شدید سرخ رنگ کے خون کو کہتے ہیں۔ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مَضْغَةٍ اس تھوڑی مقدار کے گوشت کو کہتے ہیں جو
چبایا جاتا ہے، اسی سے حدیث ہے: الاوان فی الجسد مضغۃ، (1) خبردار! جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ یہ چار مہینے کی
مختلف کیفیات ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: چار ماہ دس دن بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے؛ اسی وجہ سے وہ
عورت جس کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن رکھی گئی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ یحییٰ بن زکریاء بن ابی زائدہ نے روایت کیا ہے انہوں نے کہا ہمیں داؤد نے بتایا انہوں نے عامر
سے انہوں نے علقمہ سے انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نطفہ جب رحم
مادر میں قرار پاتا ہے تو ایک فرشتہ اسے اپنی ہتھیلی میں لیتا ہے اور عرض کرتا ہے: یارب! مذکر یا مؤنث، شقی یا سعادت مند، اس
کی مدت اور اثر کیا ہے کس زمین میں مرے گا؟ اسے کہا جاتا ہے: تو ام الکتاب کی طرف جا اس میں تجھے اس نطفہ کا قصہ مل
جائے گا۔ وہ فرشتہ ام الکتاب (لوح محفوظ) کی طرف جاتا ہے تو وہاں اس کا قصہ پالیتا ہے پھر وہ نطفہ انسان بنایا جاتا ہے وہ
اپنا تقدیر میں لکھا ہوا رزق کھاتا ہے اپنے اثر کو روندتا ہے جب مدت عمر پوری ہوتی ہے تو اس کی روح قبض کی جاتی ہے اور
اسے اس مکان میں دفن کیا جاتا ہے جو اس کے لیے مقرر کیا گیا تھا پھر عامر نے یہ آیت پڑھی: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ
مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ تُرَابٍ۔

صحیح میں حضرت انس بن مالک سے روایت مروی ہے انہوں نے حدیث مرفوع ذکر کی ہے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ رحم پر ایک
فرشتہ مقرر فرماتا ہے وہ کہتا ہے: اے میرے رب! یہ نطفہ ہے، اے میرے رب! اب یہ علقہ ہے، اے میرے رب! اب
یہ مضغہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اسے مکمل تخلیق کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔ فرمایا: فرشتہ کہتا ہے: یارب! مذکر یا مؤنث، شقی یا سعید،
اس کا رزق کیا ہے اس کی عمر کیا ہے؟ پس یہ سب کچھ ماں کے پیٹ میں ہوتے ہوئے لکھا جاتا ہے“ (2)۔ صحیح میں حضرت
حذیفہ بن اسید غفاری سے مروی ہے فرمایا: میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جب نطفہ پر بیالیس راتیں
گزرتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے وہ اس کی تصویر بناتا ہے اس کے کان، اس کی آنکھیں اس کی جلد، اس
کا گوشت اور اس کی ہڈیاں بناتا ہے پھر فرشتہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! مذکر یا مؤنث“ الحدیث۔ صحیح میں حضرت
عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے فرمایا ہمیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا آپ سچے بھی ہیں اور آپ سے سچ کہا گیا ہے کہ ”تم میں
سے ہر ایک کی پیدائش اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن کے مرحلہ سے ہوتی ہے، پھر چالیس دن وہ جامد خون کی حیثیت
سے رہتا ہے پھر چالیس دن گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں رہتا ہے پھر ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے وہ اس میں روح پھونکتا ہے
اسے چار چیزیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے، رزق، عمر، شقی یا سعادت مند ہونا“ (الحدیث) یہ حدیث پہلی احادیث کی تفسیر کرتی

1۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوم باب الکسب و طلب الحلال، صفحہ 241، مطبوعہ وزارت تعلیم

2۔ مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر 12157

ہے کیونکہ اس میں ہے کہ ”تم میں ہر ایک کی تخلیق کو ماں کے پیٹ میں چالیس دن نطفہ کی شکل میں جمع کیا جاتا ہے پھر چالیس دن جامد خون کی حیثیت سے رہتا ہے پھر چالیس دن گوشت کی حیثیت سے رہتا ہے پھر فرشتہ بھیجا جاتا ہے وہ اس میں روح پھونکتا ہے یہ چار ماہ بنتے ہیں اور دس دنوں میں فرشتہ روح پھونکتا ہے اور یہی اس عورت کی عدت ہے جس کا خاوند فوت ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔ حدیث کے الفاظ: **إِنَّ أَحَدَكُمْ يَجْعَعُ خَلْقَهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ**، یعنی تم میں سے کسی کی تخلیق کو اس کی ماں کے پیٹ میں جمع کیے جانے کا کیا مطلب ہے انہوں نے کہا ہمیں خیثمہ نے بتایا فرمایا: **عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ** نے پوچھا گیا: ماں کے پیٹ میں جمع کیے جانے کا کیا مطلب ہے انہوں نے کہا ہمیں خیثمہ نے بتایا فرمایا: **عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ** نے فرمایا جب رحم میں نطفہ گرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس سے انسان تخلیق کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ عورت کے جسم میں ہر ناخن اور ہر بال کے نیچے اڑ جاتا ہے پھر چالیس دن اسی طرح ٹھہرا رہتا ہے پھر وہ رحم میں خون بن جاتا ہے، یہ اس کا جمع کرنا ہے یہ اس کا جامد خون ہونے کا وقت ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ تخلیق کرنے اور تصویر بنانے کی نسبت فرشتے کی طرف مجازی ہے حقیقی نہیں کیونکہ جو کچھ مضغہ میں تصویر و تشکیل کا فعل صادر ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تخلیق و اختراع کے ساتھ تھا۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حقیقی خلقت کی نسبت اپنی طرف کی اور تمام مخلوق سے نسبت ختم کر دی فرمایا: **وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ** (الاعراف: 11) پھر فرمایا: **وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلْطَانٍ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً ۝ فِى قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝ (المومنون)** پھر فرمایا: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ۝ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ۝ (الحج: 5)** پھر فرمایا: **هُوَ الَّذِى خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۝ (التغابن: 2)** پھر فرمایا: **وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوْرَكُمْ ۝ (المومن: 62)** پھر فرمایا: **لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ (التین)** پھر فرمایا: **خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ (العلق)**

اس کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں جو قطعی دلائل ہیں کہ مخلوق میں سے کسی چیز کا خالق رب العالمین کے علاوہ کوئی نہیں ہے اسی طرح کہا جائے گا اس قول میں بھی: **ثُمَّ يَرْسِلُ السَّلْكَ فَيَنْفَخُ فِيهِ الرُّوحَ** پھر فرشتہ بھیجا جاتا ہے اور وہ اس میں روح پھونکتا ہے، یعنی اس میں اللہ تعالیٰ کے روح اور حیات پیدا کرنے کا سبب پھونکتا ہے۔ اسی طرح تمام اسباب عادیہ میں کہا جائے گا کیونکہ سب کچھ اللہ کے پیدا کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس اصل پر غور کرو اور اس کو مضبوطی سے پکڑو۔ اس میں گمراہ ٹولہ طبعیین وغیرہم کے مذاہب سے نجات ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ روح ایک سو بیس دن کے بعد پھونکی جاتی ہے یہ چار مہینے مکمل ہو جاتے ہیں اور پانچویں کا آغاز ہوتا ہے، جیسا کہ ہم نے احادیث کے ذریعے بیان کیا جھگڑے کے وقت بچے کو لاحق کرنے کے احکام میں جس وقت کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس پر اعتماد ہے اور طلاق والی عورتوں کے نفقات کے وجوب میں بھی اسی مدت پر اعتماد ہے۔ یہ مدت اس لیے رکھی گئی ہے کیونکہ اس مدت میں بچے کی پیٹ میں حرکت یقینی ہو جاتی ہے۔ بعض علماء نے کہا: عورت کی عدت جس کا خاوند فوت ہو چکا ہو چار ماہ دس دن رکھنے میں یہی حکمت ہے پانچویں مہینے میں دخول کے وقت رحم

کی برأت ثابت ہو جاتی ہے جب حمل ظاہر نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مُخَلَّقَةٌ وَغَيْرُ مُخَلَّقَةٍ** فراء نے کہا: **مُخَلَّقَةٌ** سے مراد جس کی تخلیق مکمل ہو اور **غَيْرُ مُخَلَّقَةٍ** سے مراد وہ بچہ جس کی تخلیق مکمل نہ ہو۔ ابن اعرابی نے کہا: **مُخَلَّقَةٌ** جس کی خلقت ظاہر ہو گئی اور **غَيْرُ مُخَلَّقَةٍ** جس کی ابھی تصویر نہ بنائی گئی ہو۔ ابن زید نے کہا: **مُخَلَّقَةٌ** وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے سر، ہاتھ اور ٹانگیں بنا دیں ہوں اور **غَيْرُ مُخَلَّقَةٍ** سے مراد وہ ہے جس کی ابھی کوئی چیز نہ بنی ہو۔ ابن عربی نے کہا: جب ہم اشتقاق کی اصل کی طرف لوٹتے ہیں تو نطفہ، علقہ اور مضغہ سب مخلوق ہیں کیونکہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اگر ہم اس تصویر کی طرف رجوع کرتے ہیں جو خلق کی انتہا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ** (المومنون: 14) تو پھر اس طرح ہوتا ہے جس طرح ابن زید نے کہا ہے۔

میں کہتا ہوں: التخلیق، الخلق سے ہے۔ اس میں کثرت کا معنی پایا جاتا ہے۔ پس جس پر بہت اطوار متواتر گزرتے ہیں تو وہ ایک خلق کے بعد دوسری خلق ہوئی جب وہ نطفہ تھا تو بھی مخلوق تھا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ** (المومنون: 14) بعض علماء نے فرمایا: **مُخَلَّقَةٌ وَغَيْرُ مُخَلَّقَةٍ** یہ مکمل بچہ کی طرف لوٹتا ہے نہ کہ بچہ کی طرف یعنی کچھ بچے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ جن کو گوشت کے لوٹھڑے سے مکمل کرتا ہے اور اس کے لیے تمام اعضاء بناتا ہے، بعض وہ ہوتے ہیں جو ناقص اور غیر تام ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا: **مُخَلَّقَةٌ** وہ ہوتا ہے جس کو عورت وقت مکمل کر کے جنم دیتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **مُخَلَّقَةٌ** وہ ہوتا ہے جو زندہ ہوتا ہے اور **غَيْرُ مُخَلَّقَةٍ** وہ ہوتا ہے جو وقت سے پہلے گر جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

أني غير المخلقة البكاء فأين الحزم ويحك والحياء

مسئلہ نمبر 6۔ علماء کا اجماع ہے کہ لونڈی جو بچہ جنم دیتی ہے جس کی تخلیق مکمل ہوئی ہے تو وہ ام الولد ہوتی ہے۔ امام مالک اور امام اوزاعی کے نزدیک مضغہ کو گرانے سے بھی ام الولد بن جاتی ہے، خواہ اس کی تخلیق مکمل ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ امام مالک نے فرمایا: جب یہ معلوم ہو جائے کہ وہ مضغہ تھا۔ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ نے کہا: اگر اس کے لیے کچھ ظاہر ہو چکا ہو جو بنی آدم کی تخلیق سے ہوتا ہے، مثلاً انگلی یا آنکھ یا اس کے علاوہ کوئی اعضاء تو وہ اس کی ام الولد ہوگی۔ اور اس پر بھی اجماع ہے کہ بچہ جب آواز نکالے گا تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس نے آواز نہ نکالی تو امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ یہ ابن مسیب، سیرین وغیرہما کا قول ہے۔ مغیرہ بن شعبہ سے مروی ہے کہ وہ ادھورے بچے پر بھی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیتے تھے وہ فرماتے تھے: اس کا نام بھی رکھو، غسل بھی دو، اسے کفن بھی دو اور خوشبو بھی لگاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی وجہ سے تمہارے بڑے اور چھوٹے کو عزت دی ہے اور وہ یہ آیت پڑھتے تھے: **فَوَإِنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّرَابٍ ثُمَّ مِن لُّطْفَةٍ ثُمَّ مِن عِلْقَةٍ ثُمَّ مِن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ**۔ ابن عربی نے کہا: شاید مغیرہ بن شعبہ نے السقط سے مراد وہ لیا ہو جس کی خلقت ظاہر ہو چکی ہو۔ پس اس کا نام رکھا جائے گا اور جس کی خلقت ظاہر نہ ہو اس کے لیے کوئی وجود نہیں۔ بعض سلف نے کہا:

جب اس میں روح پھونکی گئی ہو اور اس کے لیے چار مہینے مکمل ہو چکے ہوں تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب بچہ چہنچے (آواز نکالے) تو وہ وارث ہوگا، الاستہلال کا معنی آواز کو بلند کرنا ہے۔ ہر بچہ جو چہنچ نکالے یا حرکت کرے یا چھینک مارے یا سانس لے تو اس کو وارث بنایا جائے گا کیونکہ اس میں زندگی کی دلالت ہے۔ سفیان ثوری، امام اوزاعی اور امام شافعی کا یہی نظریہ ہے۔ خطابی نے کہا: اصحاب الرائے کا قول بہتر ہے۔ امام مالک نے کہا: اس کے لیے میراث نہ ہوگی اگرچہ حرکت کرے یا چھینک مارے جب تک کہ وہ آواز نہ نکالے؛ محمد بن سیرین، شعبی، زہری اور قتادہ سے یہی مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ امام مالک نے فرمایا: عورت، مضغۃ یا علقہ یا جس کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہ بچہ تھا وہ گراوے جب اسے پیٹ پر ضرب لگائی جائے تو اس میں غرہ ہے، یعنی غلام یا لونڈی ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اس میں کوئی چیز نہیں ہے حتیٰ کہ اس کی تخلیق میں سے کوئی چیز واضح نہ ہو جائے۔ امام مالک نے فرمایا: جنین (پیٹ کا بچہ) جب گراوے اور وہ چیخا نہ ہو تو اس میں غلام یا لونڈی ہے خواہ اس نے حرکت کی ہو یا چھینک ماری ہو ہمیشہ اس میں غلام یا لونڈی ہوگی حتیٰ کہ وہ بلند آواز سے چہنچے گا تو اس میں مکمل دیت ہوگی۔ امام شافعی اور تمام فقہاء نے کہا: جب حرکت یا چھینک یا آواز یا اس کے علاوہ کوئی علامت ہو جس سے اس کی زندگی کا یقین ہو تو اس میں دیت ہوگی۔

مسئلہ نمبر 8۔ قاضی اسماعیل نے ذکر کیا ہے کہ عورت کی عدت، گرنے والے بچے سے مکمل ہو جائے گی، اس پر حجت پکڑی گئی ہے کہ وہ حمل ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق: 4)** قاضی اسماعیل نے کہا: اس پر دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کا وارث ہوتا ہے اور اس کے وجود کے خالق ہونے اور اس کے ولد اور حمل ہونے پر دلیل ہے۔ ابن عربی نے کہا: ان احکام میں سے کوئی بھی اس پر مرتب نہ ہوگا حتیٰ کہ وہ تام الخلق ہو۔

میں کہتا ہوں: اشتقاق میں سے جو ہم نے ذکر کیا ہے اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ذکر کیا ہے کہ تم میں سے ہر ایک کی تخلیق کو ماں کے پیٹ میں جمع کیا جاتا ہے یہ ہمارے قول کی صحت پر دلالت کرتا ہے نیز علقہ اور مضغۃ کو گرانے والی پر تصدیق کی جاتی ہے کہ وہ حاملہ تھی، اس نے اسے گرا دیا جو کچھ اس کے رحم میں قرار پذیر تھا۔ پس یہ ارشاد اس عورت کو بھی شامل ہے۔ **وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق: 4)** حمل والیوں کی مدت (عدت) انکا حمل کو گرانے ہے۔ اس نے نطفہ سے جو بچے کا آغاز ہوا تھا اسے گرا دیا جبکہ وہ مجسّد تھا، مخطوط کی طرح اور یہ واضح ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ ابن ماجہ نے روایت کیا ہے ہمیں ابو بکر بن ابی شیبہ نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں خالد بن مخلد نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں یزید نے بیان کیا انہوں نے عبد الملک نوفلی سے انہوں نے یزید بن رومان سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سقط (کچا گرنے والا بچہ) میں اسے اپنے آگے بھیجوں یہ مجھے اس شہسوار سے زیادہ پسند ہے جسے میں پیچھے چھوڑ دوں“ (1)۔ اس ارشاد کو حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث میں سہل بن ابی

صالح سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا: ”ہزار شہسواروں سے زیادہ محبوب ہے جن کو میں پیچھے چھوڑوں“ (1)۔

مسئلہ نمبر 10۔ لَنْبَيْنَ لَكُمْ تاکہ ہم تمہاری تخلیق کے اطوار میں تصرف کرنے کے ساتھ اپنے کمال قدرت کو واضح کریں۔ وَنُقْرُ فِي الْأَنْحَامِ، نُقْرًا اور نُخْرًا جو نصب کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ ابو حاتم نے ابو یزید سے انہوں نے منفضل سے انہوں نے عاصم سے یہ روایت کیا ہے فرمایا ابو حاتم نے فرمایا: نصب عطف کی بنا پر ہے۔ زجاج نے کہا: نقرا پر صرف رفع ہے کیونکہ اس کا یہ معنی نہیں ہم نے یہ کہا تاکہ ٹھہرائیں رحموں میں جو ہم چاہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا تاکہ وہ ان کی رشد و صلاح پر راہنمائی کریں۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے تاکہ ہم ان کے لیے دوبارہ اٹھانے کا امر واضح کریں پس یہ دو کلاموں کے درمیان جملہ معترضہ ہوگا۔ ایک جماعت نے رفع کے ساتھ نقرا پڑھا ہے اس کا معنی ہے نحن نُقْرًا؛ یہ جمہور کی قرأت ہے۔ يُقْرًا اور يُخْرًا حکم یاء کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اور اس پر رفع جائز ہے۔ ابن وثاب نے مَا نَشَاءُ نُون کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ أَجَلٍ مُّسَيٍّ (مقررہ میعاد) ہر جنین کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، بعض پہلے گر جاتے ہیں بعض کی تخلیق مکمل ہوتی ہے اور وہ زندہ پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا: مَا نَشَاءُ، مَنْ نَشَاءُ نہیں فرمایا، کیونکہ اس کا مرجع حمل ہے یعنی ہم ارحام میں ٹھہراتے ہیں حمل میں سے اور مضعتہ میں سے۔ چونکہ یہ جماد ہیں اس لیے انہیں لفظ ما سے تعبیر فرمایا۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ نُخْرُكُمْ طِفْلًا، یعنی اطفالًا، طفلاً اسم جنس ہے نیز عرب کبھی جمع کو واحد کے اسم سے بیان کرتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

يَلْحَيْنِنِي فِي حَبْهَا وَيَلْمِنِي إِذَا الْعَوَازِلِ لَيْسَ لِي بِأَمِيرٍ

شاعر نے امراء نہیں کہا۔ مبرد نے کہا: یہ وہ اسم ہے جو مصدر کے طور پر استعمال ہوتا ہے، اس کا اطلاق واحد اور جمع پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: أَوِ الطُّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ (النور: 31) طبری نے کہا: اس کو نصب تیسز

کی بنا پر ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ عَوْنَهُ نَفْسًا (النساء: 4)

بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے ہم تم میں سے ہر ایک کو طفل نکالیں گے اور طفل کا اطلاق ماں سے جدا ہونے کے وقت سے بلوغت تک ہوتا ہے۔ ہر وحشی جانور کے بچے کو بھی طفل کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: جاریۃ طفل و جاریتان طفل و جوار طفل۔ غلام طفل و غلمان طفل اور طفل و طفلة و طفلان و طفلتان و اطفال بھی بولا جاتا ہے۔ طفلات نہیں بولا جاتا۔ أطفلت المرأة کہا جاتا ہے۔ جب اولاد والی ہو جائے۔ الم طفل اس ہرنی کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ بچے ہوں۔ یہ وہ ہوتی ہے جس کے ابھی ابھی بچے پیدا ہوئے ہوں۔ اسی طرح اونٹنی کو کہا جاتا ہے اور اس کی جمع مطافل اور مطافیل ہے۔ الطفل طاء کے فتح کے ساتھ ہو تو نرم و ملائم کو کہتے ہیں۔ جاریۃ طفلة ملائم بچی۔ بنان طفل نرم و ملائم پورے۔ وقد طفل اللیل بولا جاتا ہے: جب رات کی تاریکی آجائے۔ الطفل عصر کے بعد کے وقت کو کہتے ہیں جب سورج غروب ہونے کے

قریب پہنچ جائے۔ الضفیل بارش کو بھی کہتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

لِيُوَفِّدَ جَادَهُ طِفْلُ الثُّرَيَّا

ثُمَّ لِيَتَّبِعُوا أَشَدَّكُمْ بَعْضٌ نَزَّاعَةً فِي سُرْعَى إِذَا جَاءَ عُرْوَةٌ فَاقْتَبَحَتْ أَبْوَابُهَا (الزمر: 71) میں
واؤ نازاندہ ہے۔ ثم حروف نسق میں سے ہے جس طرح واؤ حروف نسق میں سے ہے۔ أَشَدَّكُمْ تمہاری عقول کا کمال اور
تمہاری قوت کی انتہا۔ اس کا بیان سورہ انعام میں گزر چکا ہے۔ وَمِنْكُمْ مَن يُرَدُّ إِلَى أَرْدَالِ الْعُمُرِ۔ أَرْدَالِ الْعُمُرِ سے مراد
گھٹنیا اور بیکار عمر ہے۔ اور وہ بڑھاپے کا زمانہ ہے حتیٰ کہ انسان کچھ سمجھتا نہیں؛ اسی وجہ سے فرمایا: لِيَكَيْلًا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ
شَيْئًا، جیسا کہ سورہ یسین میں فرمایا: وَمَنْ نُعَمِّرْهُ لُنَسِّكُهُ فِي الْخَلْقِ (یسین: 68)

نبی کریم ﷺ دعا مانگتے تھے: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجَبِينِ وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْدَالِ
العمر وأعوذ بك من فتنة الدنيا وعذاب القبر (1)

میں تیری پناہ چاہتا ہوں بخل سے اور تیری ہی پناہ چاہتا ہوں بزردلی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں اردل
العمر (نکمی عمر) سے اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں دنیا کے فتنے سے اور عذاب قبر سے۔

اس حدیث کو نسائی نے حضرت سعد سے روایت کیا ہے فرمایا حضرت سعد اپنے بیٹوں کو یہ کلمات اس طرح سکھاتے تھے
جس طرح معلم بچوں کو سکھاتا ہے۔ یہ مفہوم سورہ النحل میں گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً۔ دوبارہ زندہ کرنے پر قوی دلیل ذکر کی۔ پہلے فرمایا: فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ
تُرَابٍ تَمْبِهِسٍ مِّمِّيٍّ سَائِلَةٍ مِّنْ جَانِبِهَا وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً۔ دوسری دلیل میں فرمایا: وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً، ایک فرد کو خطاب فرمایا۔ لفظ،
لفظ سے جدا ہو گیا۔ لیکن قیامت کے وقوع کے منکر پر حجت قائم کرنے کے اعتبار سے معنی متصل ہے۔ ہامدۃ خشک زمین جو
کچھ نہ اگائے؛ یہ ابن جریج کا قول ہے۔ بعض نے کہا: اس کا معنی دارسۃ ہے اور الہمود، الدرودس کو کہتے ہیں یعنی پرانی
زمین یا پرانا راستہ۔ شاعر نے کہا:

قَالَتْ قَتِيلَةٌ مَا لَجِسِكَ شَاجِبًا دَارِي شِيَابِكَ بَالِيَاتٍ هُمْدًا

ہروی نے ہامدۃ کا معنی خشک مٹی والی زمین کیا ہے۔ شمر نے کہا کہا جاتا ہے: ہمد شجر الأرض جب زمین سے
درخت ختم ہو جائے اور بوسیدہ ہو جائے۔ ہمدت أصواتهم جب آوازیں خاموش ہو جائیں۔ ہمود الأرض اس جگہ کو کہتے
ہیں جہاں نہ حیات ہو نہ کوئی نبات ہو نہ کوئی لکڑی ہو اور نہ اس پر بارش ہو۔ حدیث شریف میں ہے: حتیٰ كاد يهمد من
الجوع (2) قریب تھا کہ وہ بھوک سے ہلاک ہو جاتا۔ کہا جاتا ہے: ہمد الثوب يهمد جب کپڑا پرانا ہو جائے۔ و ہمدت
النار تهمد آگ کا بجھ جانا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ، اهتزاز کا معنی ہے حرکت کرنا۔ الاهتزاز حرکت کی شدت کو کہتے

ہیں۔ ہزرت الشی فہتزمیں نے چیز کو حرکت دی تو وہ حرکت کرنے لگی۔ ہذا الحادی الإبل ہزیناً فہتزت، حدی خوان نے اونٹوں کو اپنی حدی خوانی کے ساتھ حرکت دی۔ اہتزاز کو اکب فی انقضا ضہ۔ ستارے نے ٹوٹنے میں حرکت کی۔ کوکب ہاز، حرکت کرنے والا ستارہ۔ الأرض تہتز بالنبات زمین نباتات کے ساتھ حرکت کرنے لگی کیونکہ نباتات زمین سے نہیں نکلتیں حتی کہ بعض، بعض کو خفی سے ازالہ کے ساتھ زائل کر دیتی ہیں۔ اس کو مجازاً اہتزاز کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا: اہتزاز نباتات اس کی فصل حرکت کرنے لگی۔ مضاف کو حذف کیا گیا ہے؛ یہ مبرد کا قول ہے۔ اہتزازہ اس کی حرکت کا شدید ہونا؛ شاعر نے کہا:

تَشَىٰ إِذَا قَامَتْ وَتَهْتَزُّ إِنْ مَشَتْ كَمَا اهْتَزَّ غَصْنُ الْبَانِ فِي وَرْقِ خُضْرٍ

الاحتزاز فی النبات زمین میں فصل کا لہلہانا۔ وَرَبَّتْ بلند ہوئی اور بڑھی۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے پھول گئی۔ مفہوم ایک ہی ہے اصل مفہوم زیادہ ہونا ہے۔ ربا الشی یربو رباً جب کوئی چیز زائد ہو جائے۔ اس سے الربا اور الریوۃ ہے۔ یزید بن قعقاع اور خالد بن الیاس نے وَرَبَّتْ پڑھا ہے یعنی وہ بلند ہوئی حتی کہ معزز چیز کے قائم مقام ہو گئی۔ جس چیز کی قوم شرف کی وجہ سے حفاظت کرتی ہے۔ فہو رباں دربیئۃ یہ مبالغہ کی بناء پر ہے۔ امرء القیس نے کہا:

بَعَثْنَا رَبِيْنَا قَبْلَ ذَاكَ مُخْتَلًا كَذَبِ الْغَضَائِشِ الضَّرَاءِ وَيَشْقَى

وَ أُثْبِتُّ لِعِنِّي نَكَالِي۔ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ هَرْنَكٍ سے۔ بَہینچ خوبصورت، یہ قتادہ سے مروی ہے۔ یعنی جو اسے دیکھتا ہے خوش ہوتا ہے۔ البہجۃ کا معنی حسن۔ کہا جاتا ہے: رجل ذو بہجۃ قد بہج، بہاجۃ و بہجۃ فہو بہج۔ ابہجنی کا معنی اس کے حسن نے مجھے تعجب میں ڈالا۔ جب زمین کا انبت کے ساتھ وصف بیان کیا گیا تو یہ دلیل ہے کہ اِخْتَزَّتْ وَرَبَّتْ کا تعلق بھی زمین کے ساتھ ہے، نبات کے ساتھ نہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتٰى وَ اَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۰ وَ اَنَّ

السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَا رٰىبَ فِيْهَا وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝۱۱

”یہ (رنگارنگیاں اس کی دلیل ہیں) کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے اور وہی زندہ کرتا ہے مردوں کو اور بلاشبہ وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یقیناً قیامت آنے والی ہے اس میں ذرا شک نہیں اور اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھائے گا ان (مردوں) کو جو قبروں میں ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ جب اللہ تعالیٰ نے يَا أَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ مِنْكُمْ سے لیکر بَہینچ ۝ تک یہ ذکر فرمایا کہ موجودات اللہ کی محتاج ہیں اور ان کی تسخیر اس کے اقتدار و اختیار سے ہے تو بعد میں فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتٰى وَ اَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۰ وَ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَا رٰىبَ فِيْهَا وَ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝۱۱ تو اس سے اللہ تعالیٰ نے تشبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام چیزیں اگرچہ یقیناً موجود ہیں لیکن ان کی حقیقت نہیں ہے کیونکہ وہ مسخر کی گئی ہے اور ان میں تصرف کیا گیا ہے۔ الحق الحقیقی موجود مطلق ہے اور غنی مطلق ہے، ہر ذی وجود کا وجود اس کے وجود کے وجوب سے ہے، اسی وجہ سے سورہ کے آخر میں فرمایا: وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ هُوَ الْبٰطِلُ (الحج: 62) اور الحق وہ

موجود ثابت ہے جس میں تغیر اور زوال نہیں ہوتا اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے وہ اپنے بندوں پر حق والا ہے۔ بعض نے فرمایا: وہ اپنے افعال میں حق ہے۔ زجاج نے کہا: ذٰلِكَ محل رفع میں ہے یعنی وہ معاملہ جو تم سے بیان کیا گیا ہے۔ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے فرمایا: یہ بھی جائز ہے کہ ذالک منصوب ہو یعنی فعل اللہ ذالک بانه هو الحق۔ اللہ نے یہ کیا کیونکہ وہ حق ہے وَ أَنَّهُ يُخَيِّمُ الْمَوْتَى اس سے پہلے باء حرف جر محذوف ہے یعنی بانہ ہے۔ وَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ یعنی وہ جو ارادہ کرتا ہے اس پر قادر ہے۔ وَ أَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ اس کا عطف ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ پر لفظ کے اعتبار ہے، معنی کے اعتبار سے نہیں کیونکہ یہ نہیں کہا جاتا: فعل اللہ ما ذکربان الساعة آتية بلکہ فعل اخبار ضروری ہے جیسے وليعلموا ان الساعة آتية کہ وہ جان لیں کہ قیامت آنے والی ہے۔ لَا رَيْبَ فِيهَا اس میں کوئی شک نہیں۔ وَ أَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝ ثواب و عقاب کے لیے اللہ تعالیٰ قبور میں موجود لوگوں کو اٹھائے گا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنبِئٍ ۝ ثَانِي عَطْفِهِ
لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَنَذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ
الْحَرِيقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتَ يَدَكَ وَ أَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝

”اور انسانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر کسی دلیل کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے (تکبر سے) گردن مروڑتے ہوئے تاکہ بہکا دے (دوسروں کو بھی) اللہ تعالیٰ کی راہ سے اس کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور ہم چکھائیں گے اسے قیامت کے دن جلانے والی آگ کا عذاب، (اس روز اسے بتایا جائے گا کہ) یہ سزا ہے اس کی جو تیرے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنبِئٍ ۝ یعنی روشن کتاب، حجت کو بیان کرنے والی۔ یہ نصر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض نے کہا: ابو جہل بن شام کے بارے میں نازل ہوئی: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ زیادہ یہ ہے کہ نصر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ پہلی آیت تھی۔ یہ دونوں آیات ایک فریق کے بارے میں اور تکرار مذمت میں مبالغہ کے لیے ہیں جیسے تو کسی کو مذمت اور توبیح کرتے ہوئے کہتا ہے: أنت فعلت هذا، أنت فعلت هذا تو نے یہ کیا ہے؟ تکرار اس لیے جائز ہے کیونکہ ہر آیت میں زیادتی کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا گویا فرمایا: نصر بن حارث اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے جھگڑتا ہے اور سرکش شیطان کا پیروی کرتا ہے۔ اور نصر بن حارث اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے جھگڑتا ہے اور بغیر ہدایت اور کتاب منیر کے جھگڑتا ہے تاکہ دوسروں کو بھی راہ راست سے بھٹکائے۔ یہ تیرے اس قول کی طرح ہے: زید شتمنی وزید یضربنی یہ تکرار مفید ہے؛ یہ قشیری کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: نصر بن حارث کے بارے میں دس سے زائد آیات نازل ہوئیں پہلی آیت سے

مراد اس کا قیامت کا انکار کرنا ہے۔ دوسری سے اس کا نبوت کا انکار کرنا ہے اور قرآن کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے کا انکار کرنا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نضر بن حارث کا یہ بھی کہنا تھا کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا ہے۔ اور من محل رفع میں مبتدا ہے اور اس کی خبر **وَمِنَ النَّاسِ** ہے۔ **ثَانِي عَظِيمٍ** حال کی بنا پر منصوب ہے۔ اس کی دو معانی پر تاویل کی جاتی ہے۔ (۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اس سے مراد نضر بن حارث ہے اس نے اپنی گردن کو غرور اور تکبر سے مروڑا۔ اور دوسرا معنی۔ یہ فرما کا قول ہے۔ اس کی تقدیر یہ ہے کہ لوگوں میں سے جو بغیر علم کے اللہ کے بارے میں جھگڑتا ہے ذکر سے اعراض کرتے ہوئے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا: کفر کی بنا پر اپنی گردن کو مروڑتے ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کفر کی بنا پر جس کی طرف بلایا جاتا ہے اس سے اعراض کرتے ہوئے۔ مفہوم تمام اقوال کا ایک ہی ہے۔ اوزاعی نے مخلص بن حسین سے انہوں نے ہشام بن حسان سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس قول **ثَانِي عَظِيمٍ**۔ الخ کے بارے میں فرمایا: وہ صاحب بدعت ہے۔ مبرد نے کہا: العطف کا معنی گردن مروڑنا ہے۔ مفضل نے کہا: العطف کا معنی پہلو ہے، اسی سے عربوں کا قول ہے: فلان ينظرني أعطافه یعنی فلاں اپنے پہلوؤں کی طرف دیکھتا ہے۔ عطف الرجل سے مراد سر سے لیکر سرین تک کا حصہ ہے۔ اسی طرح عطف کل شیء ہر چیز کی دونوں اطراف۔ کہا جاتا ہے: ثنى فلان عنى عطفه جب کوئی تجھ سے اعراض کر لے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ جھگڑے میں حق سے اعراض کرنے والا ہے، کلام میں غور و فکر سے منہ موڑنے والا ہے۔ یہ اس قول کی طرح ہے: **وَالَّذِي مُسْتَكْبِرًا كَانَتْ لَمْ يَسْعَهَا** (لقمان: 7) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لَوْ وَرَأَوْا سُوءُ مَا كَانُوا لَكَاظِمِينَ** (المنافقون: 5) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **أَعْرَضَ وَتَأَبَّعَهُم** (الاسراء: 83) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَمْتَسِقًا** (القيامة) **لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ** یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے گمراہ کرتا ہے۔ اس کو لیضل یاء کے فتح کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اور لام عاقبت کے لیے ہے، یعنی وہ جھگڑتا ہے تاکہ (بالآخر) گمراہ ہو جائے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا** (القصص: 8) پس وہ ان کے لیے اسی طرح ہو اس کی مثال یہ ہے: **إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَشْرِكُونَ** (الروم) **لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ** یعنی قیامت تک مومنین کی زبانوں پر اس کا ذکر قبیح جاری رہے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَلَا تَطْعَمُ كُلُّهَا مَهِينٌ** (القلم) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ** (لہب) بعض علماء نے فرمایا: یہاں الغزوی سے مراد قتل کرنا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن نضر بن حارث کو روک کر قتل کر دیا تھا، جیسا کہ سورۃ الانفال میں گزر چکا ہے۔ **وَأَنْذَرْتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ** یعنی ہم اسے جہنم کی آگ کا مزہ چکھائیں گے۔ **ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْت يَدَكَ** یہ اسے کہا جائے گا جب وہ آگ میں داخل ہوگا: یہ عذاب ہے اس کا جو تیرے ہاتھوں نے کفر اور معاصی سے آگے بھیجا۔ تمام اعضاء کی جگہ ید (ہاتھ) کا ذکر کیا کیونکہ ہاتھ کے ساتھ عمل کرتا ہے اور پکڑتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ۚ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۚ وَإِنْ أَصَابَتْهُ
فِتْنَةٌ أُنْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ ۗ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ۗ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ۝

”اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی کنارہ پر (کھڑے کھڑے) پھر اگر پہنچے اسے بھلائی (اس عبادت سے) تو مطمئن ہو جاتا ہے اس سے اور اگر پہنچے اسے کوئی آزمائش تو فوراً (دین سے) منہ موڑ لیتا ہے، اس شخص نے برباد کر دی اپنی دنیا اور آخرت، یہی تو کھلا ہوا خسارہ ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ**، مَنْ مبتدا کی حیثیت سے محل رفع میں ہے اور تمام انْتَقَبَ عَلَىٰ وَجْهِہِ پر ہے۔ جمہور کی قرأت پر یہ آیت منافقین کے بارے میں خبر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد شیبہ بن ربیعہ ہے جو نبی پاک ﷺ کے غلبہ سے پہلے اسلام لایا تھا جب آپ اس کے پاس آئے تو وہ مرتد ہو گیا۔ حضرت ابوسعید خدری نے کہا: یہود میں سے ایک شخص نے اسلام قبول کیا تو اس کی نظر اور اس کا مال چلا گیا اس نے اسلام سے بری فال پکڑی وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: مجھے میری بیعت واپس کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسلام کے بارے ایسا نہیں کہا جاتا“۔ اس نے کہا مجھے اپنے دین میں خیر نہیں پہنچی میری آنکھیں، میرا مال اور میری اولاد بھی چلی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے یہودی! اسلام مردوں کو پگھلا دیتا ہے جس طرح آگ لوہے، چاندی اور سونے کے ٹوکے کو پگھلا دیتی ہے“ (1)۔ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: **وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ**۔ اسرائیل نے ابو حصین سے اس نے سعید بن جبیر سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: **وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ** اگر کوئی شخص مدینہ طیبہ آتا تھا اگر اس کی بیوی بچہ جنم دیتی اور اس کی گھوڑیاں بھی بچے جنم دیتیں تو کہتا: یہ صالح دین ہے۔ اگر اس کی بیوی بچہ جنم نہ دیتی اور گھوڑیاں بچے جنم نہ دیتیں تو وہ کہتا: یہ اچھا دین نہیں ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں: یہ ان بدوؤں کے بارے میں نازل ہوئی جو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے اور اسلام قبول کر لیتے اگر وہ خوشحالی پاتے تو اسلام پر قائم رہتے اگر انہیں شدت لاحق ہوتی تو مرتد ہو جاتے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ نصر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابن زید وغیرہ نے کہا: یہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ **عَلَىٰ حَرْفٍ** کا معنی ہے علیٰ شکر؛ یہ مجاہد وغیرہ کا قول ہے۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی عبادت میں کمزوری پر ہے جیسے وہ شخص کمزور ہوتا ہے جو ایک کنارے پر ہوتا ہے جس میں اسے اضطراب ہوتا ہے ہر چیز کی طرف کنارے اور حد کو حرف کہتے ہیں۔ اسی سے حرف الجبل پہاڑ کا اوپر کا حصہ۔ بعض نے کہا: **عَلَىٰ حَرْفٍ** کا مطلب ہے وہ ایک وجہ پر ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ خوشحالی میں عبادت کرتا ہے اور پریشانی میں عبادت نہیں کرتا۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت خوشحالی پر شکر اور تکلیف پر صبر کی بناء پر کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ایک وجہ پر عبادت کرنے والے ہوتے۔ بعض نے کہا: **عَلَىٰ حَرْفٍ** کا مطلب ہے وہ کسی شرط پر عبادت نہیں کرتے۔ حضور ﷺ کے امر کے غلبہ سے پہلے شیبہ بن ربیعہ نے نبی پاک ﷺ سے کہا: میرے لیے آپ اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ وہ مجھے مال، اونٹ، گھوڑے اور اولاد عطا فرمائے حتیٰ کہ میں تجھ پر ایمان لاؤں اور آپ کے دین کی طرف مائل ہوں۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے اسے اتنا ہی رزق عطا کیا جتنی اس کی خواہش تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اسے آزمانے کا ارادہ کیا

حالات بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کا رزق واپس لے لیا تو وہ اسلام سے مرتد ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: **وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ مَّرَادٍ** یعنی وہ خوشی کی شرط پر عبادت کرتا ہے۔ حسن نے کہا: اس سے مراد وہ منافق ہے جو زبان سے عبادت کرتا ہے اور دل سے عبادت نہیں کرتا۔ پس جو ایسی حالت میں عبادت کرتا ہے وہ کلیتہً اسلام میں داخل نہیں ہوتا۔ اسی بات کو آگے قرآن نے خود بیان فرمایا: **فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ آغْرَأَ جَسْمَهُ كَيْفَ يَشَاءُ** یعنی اگر اسے جسم کی صحت، معیشت میں خوشحالی ملتی ہے تو خوش ہوتا ہے اور دین پر قائم رہتا ہے۔ اگر اسے آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے تو وہ مرتد ہو جاتا ہے اور پھر کفر کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ **خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ** ○ مجاہد، حمید بن قیس، اعرج، زہری، ابن ابی اسحاق اور یعقوب سے بھی مروی ہے: **خَسِرَ الدُّنْيَا الْف** کے ساتھ۔ اس کو نصب حال کی بنا پر ہے۔ اس صورت میں **عَلَى وَجْهِهِ** پر وقف نہ ہوگا۔ دنیا میں اس کے خسارہ کا مطلب یہ ہے کہ غنیمت اور ثنائی اس کا کوئی حصہ نہیں اور آخرت میں اس کے لیے کوئی ثواب نہیں ہوگا۔

يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُ ۗ ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ○

”وہ عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی جو نہ ضرر پہنچا سکتا ہے اسے اور نہ نفع پہنچا سکتا ہے اسے، یہی تو انتہائی

گمراہی ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ** یعنی وہ جو کفر کی طرف لوٹتا ہے اس بت کی عبادت کرتا ہے جو نہ نفع دیتا ہے اور نہ نقصان دیتا ہے۔ **ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ** ○ فراء نے کہا: بعید سے مراد طول ہے۔

يَدْعُو مَنْ صَرُّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ ۗ لَيْسَ الْمَوْلَىٰ وَ لَيْسَ الْعَشِيرُ ○

”وہ پوجتا ہے اسے جس کی ضرر رسائی زیادہ قریب ہے اس کی نفع رسائی سے، یہ بہت برا دوست ہے اور بہت برا ساتھی۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَدْعُو مَنْ صَرُّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ** یہ ہے وہ جو دین سے منہ موڑ دیتا ہے اس کی عبادت کرتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ ہے یعنی آخرت میں کیونکہ وہ اس کی عبادت کی وجہ سے آگ میں داخل ہوگا جبکہ اس نے اس بت سے کبھی نفع دیکھا ہی نہیں لیکن فرمایا: **صَرُّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ** تو یہ کلام کی ترفع کے لیے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَّ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ** ○ (سبا) بعض علماء نے فرمایا: وہ ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں اس خیال سے کہ وہ ان کے لیے کل سفارش کریں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ** **يَقُولُونَ هُوَ لَآءِ شَفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ** (یونس: 18)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مَا تَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرَّبُوا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ** (الزمر: 3) فراء، کسائی اور زجاج نے کہا: کلام کا معنی قسم اور تاخیر ہے یعنی وہ عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم! اس کی جس کا نقصان اس کے نفع سے کم ہے۔ لام غیر مقام میں مقدم ہے اور من، یدعو کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ اور لام جواب قسم ہے اور ضرر مبتدا ہے اور اقرب بغير ہے۔ لام کی تاخیر کو نحاس نے

ضعیف قرار دیا ہے اور فرمایا: لام کے لیے ایسا تصرف نہیں ہے جو اس کا موجب ہو کہ اس میں تقدیم ہے اور تاخیر نہیں۔

میں کہتا ہوں: کلام کا حق تقدیم ہے کبھی مؤخر کیا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

خَالِي لَأَنْتَ وَمَنْ جَرِيذٌ خَالَهُ يَنْلِي الْعَلَاءَ وَيُكْرِمُ الْأَخْوَالَ

یعنی لخال انت یہ پہلے گزر چکا ہے۔ نحاس نے کہا: ہمیں غلی بن سلیمان نے محمد بن یزید سے حکایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: کلام میں حذف ہے۔ اس کا معنی ہے وہ عبادت کرتا ہے ایسے معبود کی جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے۔ نحاس نے کہا: میرا خیال ہے یہ قول محمد بن یزید کی طرف غلط منسوب ہے کیونکہ اس کا کوئی معنی نہیں کیونکہ جو لام کے بعد ہے وہ مبتدا ہے پس ال کو نصب دینا جائز نہیں اور محمد بن یزید کا مذہب میں خیال نہیں کرتا مگر خفش کا قول ہے۔ اور میرے نزدیک سب سے بہتر قول جو اس آیت کے بارے میں کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ یدعو بمعنی یقول ہے اور من مبتدا ہے اور اس کی خبر مخذوف ہے اس کا معنی ہے یقول لمن صرّ ذاقرب من نفعه الہم یعنی وہ اسے اپنا معبود کہتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے۔

میں کہتا ہوں یہ قول قشیری نے زجاج اور مبدوی نے خفش سے روایت کیا ہے اور اس کے اعراب کو مکمل کیا ہے۔ فرمایا: یدعو بمعنی یقول ہے اور من مبتدا ہے اور صرّ دوسرا مبتدا ہے اور اقرب اس کی خبر ہے اور جملہ من کا صلہ ہے اور من کی خبر مخذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے: یقول لمن صرّ ذاقرب من نفعه الہم اس کی مثال عشرہ کا قول ہے:

يَدْعُونَ عَشْرَةَ وَالزَّمَامُ كَانَهَا أَشْطَانٌ بَثْرًا فِي لَبَانِ الْأَذْفَةِ

قشیری نے کہا: وہ کافر جو بت کے بارے میں کہتا ہے کہ میرا معبود ہے وہ نہیں کہتا کہ اس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ کافر اس کو اپنا معبود اور الہ کہتا ہے۔ مسلمانوں کے قول میں اس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے: يَا أَيُّهَا الشُّجْرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ (الزخرف: 49) یعنی اے ساحر! ان لوگوں کے نزدیک جو تجھے ساحر پکارتے ہیں۔ زجاج نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یدعو حال ہو اور اس میں ضمیر مخذوف ہو یعنی ذلک هو الضلال البعید یدعو یعنی اس کے اسے پکارنے کی حالت میں۔ یدعو میں ضمیر منضم ہے اور اس بنا پر یدعو پر وقف ہوگا اور لمن صرّ ذاقرب من نفعه نئی کلام مرفوع مبتدا ہوگی اور اس کی خبر لیس الموثی ہوگی یہ اس لیے کیونکہ لام قسم اور تاکید کے لیے ہے۔ اسے کلام کا آغاز بنایا۔ زجاج نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ ذالبت بمعنی الذی ہو اور اس پر یدعو واقع ہے اس لیے محل نصب میں ہو، یعنی الذی هو الضلال البعید یدعو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَصَاتِكَ بِبَيْبُنِكَ يُؤَلِّسِي

(ط) یعنی ما الذی پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد لمن صرّ ذاقرب من نفعه ہے اور لیس الموثی مبتدا کی خبر ہے اس بنا پر آیت کی تقدیر اس طرح ہوگی یدعو الذی هو الضلال البعید مفعول کو مقدم کیا گیا اور وہ الذی ہے جیسے تو کہتا ہے: زید اضر ب۔ ابولہ نے اس کو عمدہ خیال کیا ہے۔ زجاج کا خیال ہے کہ نحو یوں نے اس قول سے غفلت کی ہے اور یہ شعر پڑھا ہے:

عَدَسٌ مَالِ عِبَادٍ عَلَيْكَ إِمَارَةٌ نَجْوَتِ وَهَذَا تَحْلِيلِينَ طَلَبِي

ہذا بمعنی الذی ہے۔ زجاج اور فراء نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یدعو اپنے ما قبل پر اس فعل کی تکثیر کی جہت پر مکرر ہو جو دعاً ہے اور اس کو متعدی نہیں کیا گیا کیونکہ پہلے متعدی تھا یعنی یدعو من دون اللہ ما لا ینفعہ ولا یضرہ یدعو جیسے ضربت زیداً ضربت پھر پہلی یدعو پر اکتفا کرتے ہوئے دوسرے یدعو کو حذف کر دیا گیا۔ فراء نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ لمن ضر کلام کے کسرہ کے ساتھ ہو یعنی یدعو الی من ضرہ أقرب من نفعہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَءُوا الْقُرْآنَ أَكْثَرَ مِنْ مَرَّةٍ فِي يَوْمٍ إِلَّا خَشَعُوا لِذِكْرِهِ أَصْوَاتًا ۚ وَذَرَوْا كِتَابَ اللَّهِ إِلَى الْأَرْضِ ۚ فَذَرْهَا يُشْرَقَ مِن تَحْتِهَا وَلِيَسْتَمِيعَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَلَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۗ** (الزلزال) یہاں بھی لہا بمعنی الیہا، فراء اور قتال نے کہا: لام صلہ ہے یعنی یدعو من ضرہ أقرب من نفعہ، یدعو بمعنی یعبدا ہے اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود کی قرأت میں ہے **لَيْسَ الْهَوَىٰ بِرَأْمٍ دَّارٍ، وَلَيْسَ الْعَشِيرُ الْعَشِيرُ، الْعَشِيرُ بِمَعْنَى مَعَاشِرٍ صَاحِبٍ، دَوَسْتٍ۔** مجاہد نے کہا: اس سے مراد بت ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ۝

”بیشک اللہ تعالیٰ داخل کرے گا انہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں، بیشک اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ** جب مشرکین، منافقین اور شیاطین کا ذکر کیا تو مومنوں کی آخرت کا حال بیان کیا۔

إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ۝ جسے چاہتا ہے ثواب دیتا ہے جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سچے وعدہ اور اس کے فضل سے مومنین کے لیے جنت ہے اور اس کے عدل کی بنا پر کافروں کے لیے دوزخ ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فضل بندے کے فعل کے ساتھ معلل ہے۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ

لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدَهُ مَا يَغِيظُ ۝

”اور جو شخص یہ خیال کیے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی مدد نہیں کرے گا نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں تو اسے چاہیے کہ لٹک جائے ایک رسی کے ذریعے چھت سے پھر (گلے میں پھندا ڈال کر) اسے کاٹ دے پھر دیکھے آیا دور کر دیا اس کی (خودکشی کی) تدبیر نے اس کے غم و غصہ کو۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ** ابو جعفر نوحا نے کہا: اس میں بہتر قول یہ ہے کہ اس کا معنی ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کرے گا تو وہ اس نصرت کو کاٹ دے جو اسے دی گئی ہے۔ **فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ** یعنی اسے حیلہ تلاش کرنا چاہے جو اسے آسمان کی طرف لے جائے۔ **ثُمَّ لْيَقْطَعْ** پھر اسے اس نصرت کو کاٹ دینا چاہیے اگر اس کے لیے ممکن ہو۔ **فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدَهُ** پھر وہ دیکھے کہ اس کی تدبیر اس کے اس غم و غصہ کو دور کرتی ہے جو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی وجہ سے ہے۔ اس کلام کا فائدہ یہ

ہے کہ تدبیر اور حیلہ اس کے لیے ممکن نہیں بناتا کہ وہ ایسا کر سکے تو وہ نصرت کو ختم کرنے تک بھی نہیں پہنچے گا۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: **يَنْصُرُكَ اللَّهُ** میں ضمیر کا مرجع حضرت محمد **صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** ہیں۔ اگرچہ پہلے ذکر نہیں ہے لیکن پوری کلام اس پر دلالت کر رہی ہے کیونکہ ایمان، اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد **صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** پر ایمان لانا ہے اور دین سے پھرنا اس دین سے پھرنا ہے جو حضرت محمد **صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** لیکر آئے ہیں یعنی جو حضرت محمد **صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** سے دشمنی کرنے والوں اور کنارے پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں سے یہ گمان کرتا ہے کہ ہم محمد **صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** کی مدد نہیں کریں گے تو اسے ایسا ایسا کرنا چاہیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے منہوم یہ ہوگا کہ جو گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے رزق نہیں دے گا اسے چاہیے کہ پھانسی پر لٹک جائے اور اپنے آپ کو قتل کر دے کیونکہ اس زندگی میں کوئی بھلائی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے خالی ہو۔ اس قول کی بنا پر نصرت سے مراد رزق ہوگا۔ عرب کہتے ہیں: **مَنْ يَنْصُرُنِي نَصْرَةَ اللَّهِ** یعنی جو مجھے عطا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے عطا کرے گا: اسی سے عربوں کا قول ہے **أَرْضٌ مَنْصُورَةٌ** ایسی زمین جس پر بارش ہو؛ فقہی نے کہا:

وَأَنْتَ لَا تَعْطَى أَمْرًا فَوْقَ حَقِّهِ وَلَا تَسْلُكُ الشَّقَّ الَّذِي الْغَيْثُ نَاصِرُهُ

اسی طرح ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے فرمایا: **مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ** یعنی وہ اسے ہرگز رزق نہیں دے گا؛ ابو عبیدہ کا یہی قول ہے۔ بعض نے کہا: ضمیر کا مرجع دین ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد نہیں کرے گا۔ **فَلْيَسْتَدِذْ بِسَبَبٍ**، السبب سے مراد رسی ہے۔ السبب وہ جس کے ذریعے کسی چیز تک پہنچا جائے۔ **إِلَى السَّمَاءِ** گھر کی چھت کی طرف۔ ابن زید نے کہا: **السَّمَاءُ** سے مراد آسمان معروف ہے۔ کوفیوں نے **ثُمَّ لِيَقْطَعَنَّ لَامَ** کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ عربی میں بعید ہے کیونکہ **ثُمَّ** واو اور فاء کی طرح نہیں کیونکہ اس پر وقف کیا جاتا ہے۔ اور یہ علیحدہ ہوتا ہے۔ حضرت عبد اللہ کی قرأت میں **فَلْيَقْطَعَنَّ** **ثُمَّ** لینظر هل يذہبن کید ما یغیظ۔ بعض علماء نے کہا: ما بمعنی الذی ہے یعنی هل یذہبن کیدہ الذی یغیظہ ضمیر کو تخفیف کی خاطر حذف کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا: ما مصدر یہ ہے یعنی هل یذہبن کیدہ غیظہ کیا اس کی تدبیر غصہ کو ختم کر دے گی۔

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يُرِيدُ ۝

”اور اسی طرح ہم نے اتارا ہے اس کتاب کو روشن دلیلوں کے ساتھ اور بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ** ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ **وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يُرِيدُ** معلق کیا گیا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دینے والا ہے، اس کے سوا حقیقہ کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّالِحِينَ وَالنَّاصِرِينَ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ

أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

”بیشک اہل ایمان یہودی، ستارہ پرست، عیسائی، آتش پرست اور مشرک ضرور فیصلہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ان سب (گروہوں) کے درمیان قیامت کے دن بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا** یعنی جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے۔ **وَالَّذِينَ هَادُوا** اس سے مراد یہود ہیں، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملت کی طرف منسوب ہیں۔ **الصَّابِغِينَ** وہ لوگ جو ستاروں کی پوجا کرتے ہیں۔ **النَّصْرَی** جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ملت کی طرف منسوب ہیں۔ **الْمَجُوسَ** آگ کی پوجا کرنے والے، جو کہتے ہیں عالم کی دو اصل ہیں نور اور ظلمت۔ قتادہ نے کہا: ادیان پانچ ہیں۔ چار شیطان کے لیے ہیں اور ایک رحمن کے لیے ہے۔ بعض علماء نے کہا: مجوس اصل میں نجوس ہیں کیونکہ نجاستوں کے استعمال کرنے کو دین کہتے ہیں۔ نون اور میم ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں جیسے الغیم، الغین، الایم، الاین اس پر تفصیلی گفتگو سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ **وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا** اس سے مراد عرب کے بت پرست ہیں۔ **إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ** یعنی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا کافروں کے لیے آگ ہوگی اور مومنین کے لیے جنت ہوگی۔ بعض نے فرمایا: فیصلہ یہ ہوگا کہ حق والے اور باطل والے کو ضروری معرفت عطا فرمائے گا۔ آج غور و فکر سے حق والا، باطل والے سے جدا ہو جائے گا۔ **إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ** وہ اپنی مخلوق کے اعمال، حرکات اور اقوال کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ پاک ہے وہ ذات اور **إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ**، **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا** میں جو ان ہے اس کی خبر ہے جیسے تو کہتا ہے: **إِنَّ زَيْدًا أَلْخَيْرِ عِنْدَهُ**۔ فراء نے کہا: کلام میں ان زیداً ان اخاه منطلق جائز نہیں اور اس کا خیال ہے کہ آیت میں یہ جائز ہے کیونکہ کلام میں مجازات کا معنی ہے یعنی جو ایمان لایا اور یہود بنایا نصرانی بنایا صابی بنا ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ ابواسحاق نے فراء کے اس قول کو رد کیا ہے اور قبیح کہا ہے۔ اس قول کو کہ **إِنَّ زَيْدًا أَلْخَيْرِ عِنْدَهُ** منطلق جائز نہیں فرمایا۔ زید اور الذین کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ ان مبتدا پر داخل ہوتا ہے۔ پس تو کہتا ہے: **إِنَّ زَيْدًا أَلْخَيْرِ عِنْدَهُ** اور کہتا ہے: **إِنَّ زَيْدًا أَلْخَيْرِ عِنْدَهُ**۔

إِنَّ الْخَلِيفَةَ إِنْ أَلَّهِ سَرِبَالَهُ عَزَبَهُ تُرْجِنُ الْخَوَاتِيمَ

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ

وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالنَّاسُ كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ۗ وَكَثِيرٌ حَتَّىٰ عَلَيْهِ

الْعَذَابُ ۗ وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُّكْرِمٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝

”کیا تم ملاحظہ نہیں کر رہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمان میں ہے اور جو زمین میں ہے نیز

آفتاب، مہتاب، ستارے، پہاڑ، درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان بھی (اسی کو سجدہ کرتے ہیں) اور

بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا ہے، اور (دیکھو) جس کو ذلیل کر دے اللہ تعالیٰ تو کوئی اسے

عزت دینے والا نہیں ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ** اس روایت سے مراد دل کی روایت ہے یعنی آپ نے اپنے دل اور عقل سے ملاحظہ نہیں کیا۔ السجود کا معنی سورہ بقرہ میں اور جماد کے سجدہ کرنے کا ذکر سورہ النحل میں گزر چکا ہے۔ **وَالشَّمْسُ،** من پر معطوف ہے اسی طرح **وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ** بھی معطوف ہے پھر فرمایا: **وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ** یہ اعراب میں مشکل ہے۔ نصب نہیں دیا تاکہ جس میں فعل عامل ہو وہ اس پر معطوف ہو جائے جس میں فعل عامل ہو جیسے: **وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا** (الذہر)

کسائی اور فراء کا خیال ہے کہ اگر نصب دی جاتی تو بہتر ہوتا لیکن رفع اختیار کیا گیا ہے کیونکہ اس کا معنی ہے بہت سے لوگوں نے سجدہ کرنے کا انکار کیا۔ پس یہ مبتدا، خبر ہوں گے۔ **كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ** کے قول پر کلام مکمل ہوگی۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ معطوف ہو، اس بنا پر کہ السجود سے مراد ضعف، قوت، صحت، سقم، حسن اور قبیح میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے سامنے تذلل اور انقیاد ہے۔ اس میں ہر چیز داخل ہے اور اس تشدید پر نصب دینا جائز ہے۔ اہان کثیراً حق علیہ العذاب۔ بعض نے فرمایا: والدواب کے قول پر کلام مکمل ہوئی۔ نئی کلام شروع ہوئی اور فرمایا: **وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ** بہت سے لوگ جنت میں ہوں گے اور بہت سے لوگوں پر عذاب ثابت ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے کثیر لوگ جنت میں ہوں گے اور بہت سے لوگوں پر عذاب ثابت ہوگا۔ یہ ابن انباری نے ذکر کیا ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: آسمانوں میں ستارہ، چاند، سورج نہیں ہے مگر وہ غائب ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کرتا ہے پھر وہ واپس نہیں لوٹتا حتیٰ کہ اسے اذن دیا جاتا ہے پس وہ اپنے مطلع سے پھر لوٹتا ہے۔ قشیری نے کہا: سورج کے حق میں سجدہ کرنا مسند کی خبر میں وارد ہے اور یہ حقیقی سجدہ ہے اور اس کی ضرورت سے ہے کہ سجدہ کرنے والے میں عقل اور حیات ہو۔

میں کہتا ہوں: مسند حدیث وہ ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ امام مسلم نے نقل کی ہے۔ وہ سورہ یسین میں **وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِيَسْتَقْرَرَّ نَهَا** (یسین: 38) کے تحت آئے گی۔ اور سجود کا معنی سورہ بقرہ میں لغت اور معنی بیان ہو چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُّكْرٍ** یعنی جس کو اللہ تعالیٰ شقاوت اور کفر کے ساتھ ذلیل کرتا ہے اس سے کوئی ذلت کو دور کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تو ہیں کی وہ آگ کی طرف گیا۔ **إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُشَاءُ** ان کو آگ پہنچنے میں کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں۔ انفس، کسائی اور فراء نے حکایات کیا ہے۔ **وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُّكْرٍ** یعنی اس کے لیے کوئی اکرام نہیں۔

**هَذِهِ حَصْنٌ اخْتَصَمُوا فِي رَأْيِهِمْ قَالُوا لَئِن كَفَرُوا قُطِعَتْ لَهُمْ شِيَابٌ مِّنْ ثَمَرِهِ
يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَبِيمُ ۖ يُصْهِرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ۗ وَ لَهُمْ
مَقَامِعٌ مِّنْ حَدِيدٍ ۗ**

”یہ دو فریق ہیں جو جھگڑ رہے ہیں اپنے رب کے بارے میں تو وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا تیار کر دیئے گئے ہیں ان کے لیے کپڑے آتش (جہنم) سے اندھا لایا جائے گا، ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی گل جائے گا اس

کھولتے ہوئے پانی سے جو کچھ ان کے شکموں میں ہے اور ان کی چیزیاں بھی گل جائیں گی اور ان (کو مارنے) کے لیے گرز ہوں گے لوہے کے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **هُذُنِ خَصْنِ اِخْتَصَمُوا فِي سَابِغِمْ** امام مسلم نے حضرت قیس بن عباد سے روایت کیا ہے فرمایا میں نے حضرت ابو ذر کو قسم اٹھا کر یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ آیت **هُذُنِ خَصْنِ اِخْتَصَمُوا فِي سَابِغِمْ** ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے بدر میں ایک دوسرے کو لاکرا تھا (مسلمانوں میں سے) حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم اور (کفار میں سے) عتبہ، شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے اور ولید بن عتبہ۔ اس حدیث سے امام مسلم نے اپنی کتاب کو ختم کیا ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ تینوں آیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں اور (چھ افراد کے بارے میں نازل ہوئیں) تین کا تعلق مسلمانوں سے تھا اور تین کا تعلق کافروں سے تھا اور ان کے نام بھی ذکر کیے جس طرح حضرت ابو ذر نے ذکر کیے ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں پہلا شخص ہوں گا جو قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں جھگڑنے کے لیے گھنٹوں کے بل کھڑا ہوں گا ان کی مراد ان کا اور ان کے ساتھیوں کی مبارزت کا واقعہ ہے۔ اس کو امام بخاری نے ذکر کیا ہے۔ اس قول کی طرف ہلال بن سیاف اور عطاء بن یسار وغیرہما گئے ہیں۔ عکرمہ نے کہا: الخصان سے مراد جنت اور دوزخ ہیں انہوں نے آپس میں جھگڑا کیا۔ آگ نے کہا: اس نے مجھے سزا کے لیے پیدا کیا اور جنت نے کہا: اس نے مجھے اپنی رحمت کے لیے پیدا کیا۔

میں کہتا ہوں: جنت اور دوزخ کا جھگڑا حضرت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے، فرماتے ہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت اور دوزخ کا جھگڑا ہوا تو آگ نے کہا: میرے اندر جابر اور متکبر لوگ داخل ہوں گے اور جنت نے کہا: میرے اندر ضعیف اور کمزور لوگ داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کو فرمایا: تو میرا عذاب ہے میں جس کو چاہوں گا تیرے ساتھ عذاب دوں گا اور جنت کو فرمایا: تو میری رحمت ہے میں جس کو چاہوں گا تیرے ساتھ رحم کروں گا تم میں سے ہر ایک نے بھرنا ہے (2)۔ اس حدیث کو امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ فرمایا: کہ وہ اہل کتاب ہیں جنہوں نے مومنین کو کہا: ہم تم سے زیادہ اللہ کے قریبی ہیں اور تم سے پہلے ہمیں کتاب ملی تھی اور ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے ہیں۔ مومنوں نے کہا: ہم تم سے زیادہ اللہ کے قریبی ہیں ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور ہم تمہارے نبی پر بھی ایمان لائے اور اس پر ایمان لائے جو ان پر کتاب نازل ہوئی۔ اور تم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے ہو اور تم نے اسے چھوڑ دیا اور حسد کی وجہ سے تم نے اس کا انکار کیا۔ یہ ان کی خصومت ہے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: یہ قنادہ کا قول ہے۔ پہلا قول اصح ہے جس کو امام بخاری نے حجاج بن منہال سے انہوں نے ہشیم سے انہوں نے ہاشم سے انہوں نے ابو مجلز سے انہوں نے قیس بن عباد سے انہوں نے حضرت

1- صحیح مسلم، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ ہذان خصان، حدیث نمبر 5412، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2- جامع ترمذی، کتاب منة الجنة، باب ماجاء فی احتجاب الجنة والنار، حدیث 2484

ابو ذر سے روایت کی ہے اور امام مسلم نے عمرو بن زرارہ سے انہوں نے بشیم بن عباد سے انہوں نے حضرت علی سے روایت کی ہے فرمایا: یہ آیت ہمارے متعلق اور ہماری بدر کے دن کی مبارزت کے بارے میں نازل ہوئی۔ هٰذِنِ خَصْمِنِ۔ الخ، ابن کثیر نے هٰذِنِ خَصْمِنِ میں ہذان کو نون کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ فراء نے خصمان کی تفسیر میں کہا کہ یہ دو مختلف دینوں والے تھے۔ ایک گروہ مسلمانوں میں سے تھا اور دوسرا یہود و نصاریٰ میں سے تھا۔ وہ اپنے رب کے دین کے بارے میں جھگڑے، فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِخْتَصَمُوا کیونکہ وہ بہت سے تھے۔ فرمایا اگر اللہ تعالیٰ اختصا فرماتے تو بھی جائز تھا۔ نحاس نے کہا: یہ ایسے شخص کی تاویل ہے جس کے لیے نہ حدیث سے روایت ہے نہ اہل تفسیر سے کوئی نقل ہے، کیونکہ اس آیت کے بارے میں حدیث مشہور ہے اس کو سفیان ثوری وغیرہ نے ابو ہاشم سے انہوں نے ابو مجلز سے انہوں نے قیس بن عباد سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے حضرت ابو ذر کو قسم اٹھا کر یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ آیت حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث بن عبدالمطلب اور عتبہ، شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے اور ولید بن عتبہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابو عمرو بن علاء نے مجاہد سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس میں چوتھا قول یہ ہے کہ وہ تمام مومنین تھے اور تمام کافر تھے خواہ ان کا تعلق کسی بھی ملت سے ہو؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ حسن، عطاء بن ابی رباح اور عاصم بن ابی النجود اور کلبی کا قول ہے یہ قول اپنے عموم کی وجہ سے تمام کو شامل ہے؛ جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور جو ان کے علاوہ تھے۔ بعض نے کہا: یہ دوبارہ اٹھنے اور جزا کے متعلق جھگڑنے کے بارے میں نازل ہوئی جب ایک قوم نے اس کا اقرار کیا اور دوسروں نے اس کا انکار کیا۔ قَالَ زَيْنٌ كَفَرُوا یعنی وہ فرتے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ قُطِعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ ثَأْمٍ سِيءٍ گئے ہیں اور تیار کیے گئے ہیں۔ یہاں آگ کو کپڑوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ یہ ان کا لباس ہوگی جیسے کپڑے ہوتے ہیں اور قُطِعَتْ کا ارشاد اس کا مطلب ہے ان کے آخرت میں آگ سے کپڑے بنائے جائیں گے۔ لفظ ماضی کے ساتھ ذکر فرمایا کیونکہ جو آخرت کی اخبار سے ہے اس کا وعدہ کیا گیا ہے تو واقع محقق کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اذ قال الله يا عيسى بن مريم انت قلت للناس۔ یہاں بھی قال بمعنی يقول ہے۔ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اب سے ان کے لیے یہ لباس تیار کیے گئے ہوں کہ وہ انہیں پہنیں جب وہ آگ کی طرف جانے لگیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: من نار سے مراد قیامت ہے۔ وہ لباس تانبے سے ہوں گے جس کو پگھلایا گیا ہوگا، یہی مراد ہے جن کا ذکر قطریٰ آن میں کیا گیا ہے اور گرم چیزوں میں کوئی چیز اس سے زیادہ گرم نہیں ہوتی جب اسے گرم کیا جاتا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے آگ ان کا اس طرح احاطہ کرے گی جس طرح کپڑے انسان کا احاطہ کرتے ہیں جب انہیں وہ پہنائی جائے گی۔ پس وہ اس وجہ سے کپڑے کی مانند ہوں گی کیونکہ احاطہ کی وجہ سے کپڑوں کی مانند ہوگی جیسے فرمایا: وَجَعَلْنَا النِّيلَ لِبَاسًا ۝ (النبا) يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوسِهِمْ اَنْحَامٌ۔ اَنْحَامٌ سے مراد گرم پانی ہے جو جہنم کی آگ پر گرم کیا گیا ہوگا۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا فرمایا: ”گرم پانی ان کے سروں پر انڈیلا جائے گا تو وہ اندر داخل ہوگا حتیٰ کہ وہ ان کے پیٹ تک پہنچ جائے گا اور جو کچھ ان کے پیٹ میں ہوگا اسے نکال دے گا حتیٰ کہ وہ ان کے قدموں سے نکل جائے گا۔ یہ الصہر ہے پھر اسے اسی طرح لونا دیا جائے گا

جس طرح پہلے تھا“ (1)۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ یُصَهَّرُ کا معنی ہے پگھلانا۔ بہ مانی بطونہم، الصہر کا معنی ہے چربی کا پگھلانا۔ الصہار سے کہتے ہیں جو اس میں پگھل جائے۔ کہا جاتا ہے: صہرت الشئ فانصهر۔ میں نے اس کو پگھلایا تو وہ پگھل گئی۔ فہو صہیر۔ ابن احمر نے کونج کے بچے کی تعریف میں کہا:

تَرَوِي لَقَى أَلَقَى نِي صَفْصِفِ تَصْهَرَةُ الشَّسُ فَمَا يَنْصَهَرُ

یعنی سورج اسے پگھلاتا ہے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے۔

وَالْجُلُودُ ① وہ ان کی کھالوں کو پگھلا دے گی یا انہیں بھون ڈالے گی کیونکہ کھالیں پگھلتی نہیں ہیں لیکن ہر چیز کیساتھ وہ ملایا جاتا ہے جو اس کے مناسب ہوتا ہے۔ یہ اس طرح ہے جیسے تو کہتا ہے: آتیتہ فاطعنی ثریدا ای والله ولبننا قارصا یعنی اس نے ثرید کھلائی اور کھٹا دودھ پلایا۔ شاعر نے کہا:

عَلَفْتَهَا تَبْنًا وَمَائًا بَارِدًا

وَلَهُمْ مَقَامٌ مِّنْ حَدِيدٍ ② لوہے کے گرزوں سے انہیں مارا جائے گا اور دھکیلے جائیں گے۔ مقامع کا مفرد مقبعة ہے اور مقبوع بھی ہے جیسے السجن جو ہاتھی کے سر پر چڑھائی جاتی ہے۔ وقد قبعتہ جب تو نے اسے اس کے ساتھ مارا۔ قبعتہ اور اقبعثتہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے یعنی میں نے اس پر جبر کیا اور اسے ذلیل کیا تو وہ ذلیل ہو گیا۔ ابن سکیت نے کہا: اقبعت الرجل عنی اقما جو وہ تجھ پر طلوع ہو اور تو اسے اپنے آپ سے دور کر دے۔ بعض علماء نے فرمایا: المقامع سے مراد گرز ہیں۔ حدیث میں ہے: جہنم کے فرشتوں میں سے ہر ایک کے پاس ایک گرز ہوگا جس کی دو شاخیں ہوں گی پس وہ ایک ضرب لگائے گا تو وہ ستر ہزار (سال) نیچے چلا جائے گا“ (2)۔ بعض نے کہا: مقامع سے مراد آگ کے کوڑے ہیں۔ اس کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ مضروب کو ذلیل کرتے ہیں۔

كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ③

”جب بھی ارادہ کریں گے اس سے نکلنے کا فرط رنج و الم کے باعث تو انہیں لوٹا دیا جائے گا اس میں اور

(کہا جائے گا) کہ چکھو جلتی ہوئی آگ۔ ہذا اب۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا، منها میں ہا نمیر کا مرجع آگ ہے۔ أُعِيدُوا فِيهَا گرز مار مار کر لوٹا دیئے جائیں گے۔ ابو ظبیان نے کہا: ہمارے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے جب وہ ان کے ساتھ جوش مارے گی اور بھڑکے گی تو انہیں آگ کے دروازوں کے اوپر ڈالا جائے گا تو وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے فرشتے گرزوں کے ساتھ انہیں آگ کی طرف لوٹادیں گے (3)۔ بعض علماء نے فرمایا: جب ان کا غم زیادہ ہوگا تو وہ بھاگیں گے جو ان میں سے اس کے کنارے تک پہنچے گا تو فرشتے اسے گرزوں کے ساتھ اس میں لوٹادیں گے۔ اور وہ انہیں

1۔ جامع ترمذی، باب صفة الجہنم، جلد 2، صفحہ 82۔ ایضاً حدیث 2505، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ تفسیر طبری، ج 17-18، صفحہ 159

2۔ الزہد، ابن مبارک، صفحہ 340

کہیں گے: **وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ** جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ فعل بمعنی فاعل ہے جیسے الیم اور وجیع بمعنی فاعل ہوتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا: الحریق، الاحتراق ہے اسم ہے۔ تحرق الشئ بالنار کا مطلب کسی چیز کا جل جانا۔ اسم الحرقۃ اور الحریق ہے۔ الذوق سے مراد وہ حاسہ ہے جس کے ساتھ ذائقہ کا ادراک ہوتا ہے۔ یہاں وسعت ہے اس سے مراد ان کا تکلیف پانا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

يُحَلَّلُونَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿۲۱﴾

”یقیناً اللہ تعالیٰ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان بھی لے آئے اور عمل بھی نیک کرتے رہے جنتوں میں بہتی ہیں جن کے نیچے ندیاں انہیں پہنائے جائیں گے جنت میں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہوگی۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ** پہلے ایک خصم کافر کا ذکر کیا تو اب دوسرے خصم مومن کا ذکر ہو رہا ہے۔ **يُحَلَّلُونَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ**، من صلہ ہے۔ الأساور جمع ہے أسورة کی اور أسورة کا واحد سوار ہے۔ اس میں تین لغات ہیں۔ سین کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ اور اسوار۔ مفسرین نے فرمایا: جب بادشاہ دنیا میں کنگن اور تاج پہنتے ہیں تو اللہ تعالیٰ جنت میں یہ اہل جنت کے لیے بنائے گا۔ ہر جنتی کے ہاتھ میں تین کنگن ہوں گے ایک سونے کا، ایک چاندی کا اور ایک موتیوں کا۔ یہاں اور سورہ فاطر میں فرمایا: **مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَ لُؤْلُؤًا** اور سورہ الانسان میں فرمایا: **وَأَحْلَوْا أَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ (الانسان: 21)** اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرمایا: میں نے اپنے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”مومن کا زیور وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے“ (1)۔ بعض نے کہا: عورتوں کو سونے کے زیور پہنائے جائیں گے اور مردوں کو چاندی کے زیور پہنائے جائیں گے اس میں نظر ہے قرآن اس کا رو کرتا ہے۔

وَلُؤْلُؤًا، نافع، ابن کثیر، شیبہ، عاصم نے یہاں اور سورہ الملائکہ میں **لؤلؤا** نصب کے ساتھ پڑھا ہے اس معنی پر **يحللون لؤلؤا**۔ اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ تمام مصاحف میں الف کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اسی طرح یعقوب اور جحدری، عیسیٰ بن عمر نے یہاں نصب کے ساتھ اور سورہ فاطر میں جر کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ انہوں نے مصحف کی اتباع کرتے ہوئے پڑھا ہے کیونکہ یہاں الف کے ساتھ لکھا گیا ہے اور فاطر میں بغیر الف کے لکھا گیا ہے۔ باقی قراء نے دونوں جگہ مجرور پڑھا ہے۔ ابو بکر سارے قرآن میں **اللؤلؤ** کو ہمزہ کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔

اللؤلؤ سے مراد وہ ہے جو سمندر میں سیپ کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ قشیری نے کہا: اس سے مراد موتیوں کے ساتھ کنگنوں کو مزین کرنا ہے۔ یہ کوئی بعید نہیں کہ جنت میں خالص موتیوں سے کنگن بنے ہوئے ہوں۔

میں کہتا ہوں: یہ قرآن ظاہر ہے بلکہ قرآن کی نص ہے۔ ابن الانباری نے کہا: جنہوں نے لؤلؤجر کے ساتھ پڑھا انہوں نے اس پر وقف کیا اور ذہب پر وقف نہیں کیا۔ سجستانی نے کہا: لؤلؤ کی نصب کی وجہ سے من ذہب پر وقف کافی ہے کیونکہ اس کا معنی ہے یحلون لؤلؤا۔ ابن الانباری نے کہا: اس طرح نہیں جس طرح انہوں نے کہا ہے کیونکہ جب ہم اللؤلؤ کو جردیتے ہیں تو ہم اساور کے لفظ پر اس کا عطف کرتے ہیں گویا ہم یوں کہتے ہیں: یحلون فیہا اساور لؤلؤا اور یہ نصب میں بھی اپنے مقام کی وجہ سے جر میں ہے پس اسے پہلے سے قطع کرنے کا کوئی معنی نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلِبَاسُہُمْ فِیہَا حَرِیْرٌ** ① جو وہ پہنیں گے بستر، لباس اور پردے وغیرہ سب ریشم کے ہوں گے اور یہ دنیا کے ریشم سے کہیں بلند و بالا مرتبہ ہوگا۔ نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں ریشم نہیں پہنے گا اور جس نے دنیا میں شراب پی وہ آخرت میں شراب (طہور) نہیں پیے گا اور جس نے سونے اور چاندے کے برتنوں میں پیواہ آخرت میں سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہیں پیے گا۔“ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اہل جنت کا لباس اور اہل جنت کی شراب اور اہل جنت کے برتن“ (1)۔

اگر یہ کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں چیزوں میں برابری کی ہے اور آخرت میں یہ چیزیں حرام کی گئی ہیں۔ کیا: جنت میں جب داخل ہو جائیں گے اس وقت یہ چیزیں حرام کی جائیں گی؟ ہم کہیں گے: ہاں جب تک ان سے توبہ نہیں کرے گا آخرت میں ان چیزوں کو حرام کیا جائے گا اگرچہ جنت میں داخل بھی ہو جائے گا کیونکہ اس نے ان چیزوں کے استعمال میں جلدی کی جن کو اللہ تعالیٰ نے اس پر دنیا میں حرام کیا تھا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس وقت حرام ہوں گی جب اسے آگ میں عذاب دیا جائے گا یا موقف میں طویل عرصہ ٹھہرتے وقت۔ رہا وہ وقت جب جنت میں داخل ہوں گے تو اس وقت حرام نہیں ہوں گی کیونکہ جنت کی لذات سے محروم ہونا اس شخص کے لیے جو جنت میں ہے ایک قسم کی سزا اور مؤاخذہ ہے اور جنت سزا کی جگہ نہیں ہے اور اس میں کسی قسم کا مؤاخذہ نہیں ہے، پس ہم کہتے ہیں: جو تم نے ذکر کیا ہے اس کا احتمال ہے اگر ایسی دلیل نہ ہوتی جو اس احتمال کو دور کرتی ہے اور ظاہر حدیث سے اس کا رد ہوتا ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ ائمہ حدیث نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے دنیا میں شراب پی پھر اس سے توبہ کی تو آخرت میں اس سے محروم کیا جائے گا“ (2)۔ اصل ظاہر سے تمسک ہے حتیٰ کہ کوئی ایسی نص وارد ہو جو اس کو رد کرے بلکہ جو ہم نے ذکر کیا ہے اس کی صحت پر نص وارد ہے اور وہ ابوداؤد طیالسی کی حدیث ہے جو انہوں نے اپنی مسند میں روایت کی ہے، ہشام نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے قتادہ سے روایت کیا انہوں نے داؤد السراج سے روایت کیا انہوں نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا فرمایا: نبی ”پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں ریشم نہ پہنے گا اگرچہ جنت میں داخل بھی ہو جائے گا اہل جنت ریشم کو پہنیں گے اور وہ نہیں پہنے گا“ (3) یہ صریح نص ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”اگرچہ وہ جنت میں داخل بھی ہوگا اہل

جنت اسے پہنیں گے اور وہ نہیں پہنے گا“ یہ بالکل واضح بیان ہے اور اگر یہ راوی کے کلام سے ہو جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے تو بھی وہ بات کو زیادہ جاننے والا اور حال کا زیادہ واقف تھا اس کی مثل اپنی رائے سے نہیں کہا جاتا۔ واللہ اعلم۔

اسی طرح حضور منہیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جس نے شراب پی اور توبہ نہ کی“ اور آپ کا ارشاد ”جس نے سونے اور چاندی کے برتن استعمال کیے“ (یہ سب صریح اقوال ہیں) جس طرح وہ اپنے سے بلند درجہ والے کے مقام کی خواہش نہیں کرے گا اور یہ اس کے لیے سزا نہ ہوگی اسی طرح وہ جنت کی شراب، ریشم کی خواہش نہیں کرے گا اور یہ اس کے لیے سزا نہ ہوگی۔ میں نے اس پر تفصیلی بحث کتاب اللہ کرہ میں ذکر کی ہے۔ اور ہم نے اس میں ذکر کیا ہے کہ جنت کے درخت اور ان کے پھل جنت کے کپڑوں سے نکلیں گے۔ یہ سورۃ الکہف میں ہم نے ذکر کیا ہے۔

وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۖ وَهُدُوا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ ۝۳۴

”اور ان کی رہنمائی کی گئی تھی پاکیزہ قول کی طرف اور دکھایا گیا تھا انہیں راستہ اللہ تعالیٰ کا جو تعریف کیا گیا ہے۔“
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ اس کی رہنمائی کی گئی تھی پاکیزہ قول کی طرف۔ اس قول سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لا اله الا الله والحمد لله کے کلمات ہیں۔ بعض نے کہا: اس سے مراد قرآن ہے۔ پھر بعض نے کہا: یہ دنیا میں ہے اور اس کی رہنمائی شہادت کی طرف اور قرآن کی طرف کی گئی ہے۔ وَهُدُوا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے مراد اس کا دین ہے اور وہ اسلام ہے۔ بعض نے کہا: آخرت میں پاکیزہ قول کی طرف ان کی رہنمائی کی گئی ہے اور الحمد لله کا قول ہے کیونکہ کل کہیں گے الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا (الاعراف: 43) الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ (فاطر: 34) جنت کے اندر لغو اور جھوٹ نہ ہوگا جو وہ کہیں گے وہ پاکیزہ قول ہے وہ جنت میں اللہ کے راستہ کی طرف رہنمائی کیے گئے ہیں کیونکہ جنت میں اللہ تعالیٰ کے امر کی مخالفت والی کوئی چیز نہیں ہے۔ بعض نے فرمایا: پاکیزہ قول سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی بشارت ہے۔ وَهُدُوا إِلَى صِرَاطِ الْحَمِيدِ ۝ جنت کے راستہ کی طرف ان کی رہنمائی کی گئی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ يُصَدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ
 لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ۗ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِالْحَاجِّ يُظْلَمَ تُنْقَهُ مِنْ
 عَذَابِ أَلِيمٍ ۝

”بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور (دوسروں کو) روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور مسجد حرام سے جسے ہم نے (بلا امتیاز) سب لوگوں کے لیے (مرکز ہدایت) بنایا ہے یکساں ہیں اس میں وہاں کے رہنے والے اور پردہ لسی، اور جو ارادہ کرے اس میں زیادتی کا ناحق تو ہم اسے چکھائیں گے دردناک عذاب۔“

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ يُصَدُّونَ كَلَامِ مُشْرِكِينَ مَكَهٌ كِي طَرْفٌ كِيَا جِبْ أَنهوں نے

صلح حدیبیہ کے سال مسجد حرام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا تھا۔ اس اجتماع سے پہلے آپ کو انکار و کنا معلوم نہ تھا مگر یہ کہ وہ روکنا مراد لیا جائے جو انہوں نے چند لوگوں کو روکا تھا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے آغاز میں تھا۔ الصد کا معنی روکنا یعنی وہم یصدون اس سے مستقبل کا ماضی پر عطف اچھا ہو جائے گا۔ بعض علماء نے کہا واؤ زائدہ ہے اور ویصدون ان کی خبر ہے۔ یہ مقصود معنی کو خراب کرتا ہے۔ والباد کے قول کے پاس خبر مخذوف مقدر ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی: خسرا و اذھلکوا اور ویصدون۔ مستقبل کا صیغہ آیا ہے کیونکہ یہ وہ فعل ہے جو وہ ہمیشہ کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **الَّذِينَ آمَنُوا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ (الرعد: 28)** گویا کہ فرمایا: وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان کی شان یہ ہے کہ وہ روکتے ہیں۔ اگر یوں ارشاد ہوتا: ان الذین کفروا و صدوا تو بھی جائز ہوتا ہے۔ نحاس نے کہا ابو اسحاق سے مروی میری کتاب میں ہے۔ فرمایا: یہ بھی جائز ہے کہ خبر **تُنْقِضُهُ مِنْ عَذَابِ الْيَمِيمِ** ہو۔ ابو جعفر نے کہا: یہ غلط ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس میں کیا وجہ ہے کیونکہ ان کی خبر مخذوف آئی نیز یہ جواب شرط ہے اگر یہ ان کی خبر ہو تو شرط بغیر جواب کے باقی ہوگی خصوصاً وہ فعل جو شرط میں سے مستقبل ہے پس اس کے لیے جواب کا ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ وَالسُّجْدِ الْحَرَامِ، بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد مسجد بھی ہے اور یہی قرآن کا ظاہر ہے کیونکہ اس کے علاوہ ذکر نہیں کیا۔ بعض نے کہا: اس سے مراد پورا حرم ہے کیونکہ مشرکین نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو حدیبیہ کے سال حرم سے روکا تھا تو آپ حرم سے باہر اترے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَصَدَّوْكُمْ عَنِ السُّجْدِ الْحَرَامِ (الفتح: 25)** اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ السُّجْدِ الْحَرَامِ (الاسراء: 1)** یہ صحیح ہے لیکن یہاں اس کے ذکر سے مراد وہ ہے جو مقصود ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِنَّاسٍ** یعنی نماز، طواف اور عبادت کے لیے بنایا ہے یہ اس ارشاد کی مانند ہے: **اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ (آل عمران: 96)**

سَوَاءٌ الْعَاكِفُ فِیْہِ وَالْبَادِ، العاکف سے مراد مقیم اور ملازم ہے اور البادی سے مراد دیہاتوں اور صحراؤں والے ہیں اور جو ان کے پاس آتے تھے، یعنی اس کی حرمت کی تعظیم میں اور احکام کی ادائیگی میں مقیم اور باہر سے آنے والا برابر نہیں۔ اہل مکہ، دور سے آنے والے سے زیادہ حقدار نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس مساوات سے مراد وہاں کے مکانات اور منازل میں برابری ہے۔ باہر سے آنے والے کی نسبت مقیم زیادہ مستحق نہیں یہ اس بنا پر ہے کہ مسجد حرام سے مراد سارا حرم ہو، یہ مجاہد اور امام مالک کا قول ہے ان سے ابن القاسم نے روایت کیا ہے۔ حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت سے مروی ہے (1) کہ مسجد حرام کی طرف آنے والا جہاں جگہ پائے وہاں رہ سکتا ہے اور مکان کے مالک کی مرضی ہے اسے ٹھہرائے یا انکار کرے؛ یہ سفیان وغیرہ کا قول ہے (2)۔ اسی طرح معاملہ صدر اول میں تھا مکانات بغیر دروازوں کے ہوتے تھے حتیٰ کہ کثرت سے چوریاں ہونے لگیں ایک شخص نے مکان کا دروازہ بنایا تو حضرت عمر نے اس پر انکار کیا اور فرمایا: کیا تو بیت اللہ کی

زیارت کرنے والے پر دروازہ بند کرے گا۔ اس نے کہا: میں نے حاجیوں کے مال کی حفاظت کا ارادہ کیا ہے۔ پس حضرت عمر نے اسے چھوڑ دیا پھر لوگوں نے بھی مکانات کے دروازے بنائے۔ حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ وہ حج کے موسم میں مکہ کے گھروں کے دروازے اکھیڑنے کا حکم دیتے تھے حتیٰ کہ جو آٹا ان میں داخل ہوتا اور جہاں چاہتا پڑاؤ کرتا اور گھروں میں خیمے لگائے جاتے تھے۔ امام مالک سے مروی ہے کہ مکہ کے گھر مسجد کی طرح نہیں گھر کے مالکوں کے لیے جائز ہے کہ وہ لوگوں کو ان سے روکیں اور اسی پر عمل ہے اور یہی جمہور علماء کا قول ہے (1)۔ یہ اختلاف دو اصل پر مبنی ہے ایک یہ کہ مکہ کے گھر کیا ان کے مالکوں کی ملک ہیں یا تمام لوگوں کے لیے ہیں۔ اس اختلاف کے دو سبب ہیں ایک یہ کہ کیا مکہ مکرمہ سختی کے ساتھ فتح کیا گیا تھا پھر تو یہ مال غنیمت ہوں گے لیکن نبی کریم ﷺ نے تقسیم نہیں کیے تھے اور ان کے مالکوں کو وہاں ٹھہرائے رکھا اور ان کے بعد والوں کے لیے انہیں چھوڑ دیا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق کی زمین کے ساتھ کیا تھا آپ نے ان کا خراج معاف کر دیا تھا اسی طرح ان کو غلام بھی نہیں بنایا اور ان پر یہ احسان کیا اور دوسرے کفار پر یہ احسان نہیں کیا۔ پس وہ اسی طرح باقی رہیں گے ان کو نہ بیچا جائے گا اور نہ ان کو کرائے پر دیا جائے گا جو کسی جگہ پر پہلے پہنچ گیا وہ اس کا زیادہ مستحق ہوگا۔ اسی طرح کا قول امام مالک اور امام ابو حنیفہ اور امام اوزاعی کا ہے۔ یا مکہ مکرمہ صلح کے ساتھ فتح ہوا؛ یہ امام شافعی کا نظریہ ہے پس ان کے دیار ان کے قبضہ میں رہیں گے اور جیسے چاہیں گے وہ اپنی املاک میں تصرف کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے صفوان بن امیہ کا گھر چار ہزار میں خریدا تھا اور اسے قید خانہ بنایا تھا (2)۔ حضرت عمر پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں قید خانہ میں لوگوں کو قید کیا جیسا کہ اس کا بیان سورۃ المائدہ میں آیتہ المعاربین کے تحت گزر چکا ہے۔ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تہمت لگانے کی وجہ سے جیل میں ڈالا۔ طاؤس مکہ میں قید کرنا ناپسند کرتے تھے اور وہ کہتے تھے: یہ مناسب نہیں کہ بیت رحمت میں بیت عذاب ہو۔

میں کہتا ہوں: صحیح وہ ہے جو امام مالک نے کہا، اس پر اخبار ثابتہ کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ مکہ سختی کے ساتھ فتح کیا گیا تھا۔ ابو عبید نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ مکہ مکرمہ کے مشابہ کوئی شہر ہے۔ دارقطنی نے حضرت علقمہ بن نضلة سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم ﷺ اور شیخین کا وصال ہو گیا اور مکہ کے مکانوں کو سوائب کہا جاتا تھا جس کو ضرورت ہوتی وہ ان میں رہتا اور جسے ضرورت نہ ہوتی وہ دوسروں کو اس میں ٹھہراتا (3)۔

ایک روایت میں حضرت عثمان کا بھی ذکر ہے۔ حضرت علقمہ بن نضلة کنانی سے مروی ہے فرمایا: عبد رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما میں مکہ کے گھروں کو سوائب کہا جاتا تھا انہیں بیچا نہیں جاتا تھا جو محتاج ہوتا وہ ان میں رہتا جسے ضرورت نہ ہوتی وہ دوسروں کو ٹھہراتا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرم بنایا ہے اس کے مکانات کو بیچنا حرام ہے اور ان کی ثمن (قیمت) کھانا حرام ہے“ (4)۔ فرمایا: ”جس نے مکہ کے

1- المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 116

2- سنن دارقطنی، کتاب البیوم، جلد 3، صفحہ 57، حدیث 224

3- ابن ماجہ، کتاب المناکح، باب اجر بیوت مکہ، 3097

4- سنن دارقطنی، کتاب البیوم، جلد 3، صفحہ 57

مکانات کی اجرت سے کچھ کھایا تو اس نے آگ کو کھایا۔“ دارقطنی نے کہا: امام ابوحنیفہ نے اس کو مرفوع روایت کیا ہے اور اس میں انہیں وہم ہوا ہے اور اس قول میں بھی وہم ہوا ہے کہ انہوں نے راوی عبید اللہ بن ابی یزید ذکر کیا ہے جبکہ وہ ابن ابی زیاد القداح ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف حدیث ہے۔ دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے مسند ذکر کی ہے فرمایا نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مکہ اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے نہ اس کے مکانات بیچے جائیں گے اور نہ اس کے مکانات اجرت پر دیئے جائیں گے“ (1)۔ ابو داؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! میں منیٰ میں آپ کے لیے کوئی کمرہ یا عمارت نہ بنا دوں جو آپ کو سورج کی دھوپ سے بچائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں یہ مناخ ہے جو اس کی طرف سبقت لے جائے گا وہی مستحق ہے“ (2)۔ امام شافعی نے اس قول سے استدلال کیا ہے: **الذین أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ** اس میں دیار کی نسبت ان کی طرف کی گئی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا: ”جس نے دروازہ بند کر لیا وہ امن میں ہے، جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہے۔“

مسئلہ نمبر 4۔ جمہور قراء نے سواع رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ مبتدا ہے اور العاکف خبر ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: سواع خبر مقدم ہے اور یعنی العاکف فیہ والباد سواع؛ یہ ابوعلی کا قول ہے معنی یہ ہے کہ جس کو ہم نے لوگوں کے لیے قبلہ بنایا اور عبادت گاہ بنایا اس میں مقیم اور صحراء سے آنے والا برابر ہیں۔ حفص نے عاصم سے سواع نصب کے ساتھ روایت کیا ہے؛ یہ اعمش کی قرأت ہے۔ یہ بھی دو وجہوں کا احتمال رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ یہ جعل کا مفعول ثانی ہے اور اس کی وجہ سے العاکف پر رفع ہو کیونکہ یہ مصدر ہے اس نے اسم فاعل کی طرح عمل کیا کیونکہ یہ مستوکے معنی میں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ جعلناہ کی ضمیر سے حال ہے۔ ایک فرقہ نے سواع نصب کے ساتھ اور العاکف اور البادی کو الناس پر عطف کی وجہ سے مجرور پڑھا ہے، تقدیر یوں ہوگی: **الذی جعلناہ للناس العاکف والبادی۔** ابن کثیر کی قرأت وقف اور وصل میں یا کے ساتھ ہے۔ ابو عمرو نے بغیر یا کے وقف کیا ہے اور یا کے ساتھ وصل کیا ہے۔ نافع نے وصل اور وقف میں بغیر یا کے پڑھا ہے۔ علماء کا نفس مسجد حرام میں برابری پر اجماع ہے۔ اختلاف مکہ میں ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ **وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِالْحَاجِّ يُظْلَمَ** یہ شرط ہے اور اس کا جواب **تُنْفِقُهُ مِنْ عَذَابِ الْيَمِينِ** ہے لغت میں الحاد کا معنی مائل ہونا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ ظلم کے ساتھ مائل ہونا ہی مراد ہے۔ الظلم کے بارے میں اختلاف ہے علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ عطانے کہا: شرک اور قتل ہے۔ بعض نے کہا: اس کا معنی کبوتروں کا شکار کرنا ہے اور درخت کا ثنا ہے اور بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم کہا کرتے تھے کہ حرم میں الحاد یہ ہے کہ انسان کہے: لا واللہ، وبلن واللہ، وکلا واللہ اسی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے دو خیمے تھے ایک حل میں لگا ہوا تھا اور دوسرا حرم میں تھا جب آپ نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو

1۔ المستدرک للحاکم، کتاب البیوم، جلد 2، صفحہ 53

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحج، تحمید مکہ، جلد 1، صفحہ 276، ایضاً 1726۔ ابن ماجہ، باب النزول، معنی، حدیث 2996، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

حرم والے خیمہ میں داخل ہو جاتے اور جب کوئی دوسرا کام کرنا ہوتا تو صل والے خیمہ میں داخل ہو جاتے تاکہ حرم کلا والله، بنی
والله کے قول سے محفوظ رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں گناہ کو بہت بڑا کہا ہے، اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص
کے بھی دو خیمے تھے ایک حل میں اور دوسرا حرم میں جب آپ اپنے گھر والوں کو عتاب کرنے کا ارادہ کرتے تو انہیں حل میں
عتاب کرتے تھے اور جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے تو حرم میں نماز پڑھتے اس کے بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں
نے فرمایا: ہم یہ کہتے تھے کہ حرم میں الحاد یہ ہے کہ ہم کہیں: کلا والله، بنی والله اور گناہ مکہ میں زیادہ ہوتے ہیں جس طرح
نیکیاں زیادہ ملتی ہیں، پس ایک معصیت دو معصیتیں بن جاتی ہے۔ ایک تو حکم شرعی کی مخالفت کرنا ہے دوسرا بیت اللہ کی حرمت
کو ساقط کرنا ہے۔ اسی طرح حرمت والے مہینے برابر ہیں یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ابو داؤد نے حضرت یعلیٰ بن امیہ سے روایت کیا
ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”حرم میں کھانے کو ذخیرہ کرنا اس میں الحاد ہے“ (1)۔ یہ حضرت عمر بن خطاب کا قول ہے۔
عموم ان تمام چیزوں کو شامل ہے۔ (2)

مسئلہ نمبر 6۔ علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے جن میں ضحاک اور ابن زید ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت
کرتی ہے کہ انسان کو مکہ میں نیت پر بھی عتاب کیا جائے گا اگرچہ عمل نہ بھی کیا ہو، یہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عمر
رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: اگر کوئی بیت اللہ میں کسی کو قتل کرنے کا ارادہ کرے جبکہ وہ عدن اثنین میں ہو تو اللہ تعالیٰ
اسے عذاب دے گا۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح ہے یہی مفہوم سورہ بن والقلم میں واضح طور پر آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 7۔ بالحاد میں باء زائدہ ہے جس طرح تَثْبُثُ بِالذُّهْنِ (المؤمنون: 9) میں زائدہ ہے۔ اسی
پر شاعر کا قول محمول ہے:

نحن بنو جَعْدَةَ أصحاب القَدَجِ نضرب بالسيف ونرجو بالفَرَجِ

مراد نرجو الفرج ہے۔ اٹھی نے کہا: ضمنت برزق عیالنا ارمنا ما خنا مراد رزق ہے باء زائدہ ہے۔ ایک اور شاعر نے کہا:

ألم یأتیک والانباء تثنی بسا لاقت لبون بنی زیاد

مراد ما لاقت ہے باء زائدہ ہے۔ باء کے زائدہ ہونے کی بہت سی مثالیں ہیں۔ فراء نے کہا: میں نے ایک عرب کو سنا

میں نے اس سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: ارجو بذاک یعنی ارجو ذاک۔

شاعر نے کہا:

بواہ بیان یثبت الشث صدره وأسفله بالمزخ والشبهان

مراد المزخ ہے بازائدہ ہے؛ یہ انخفش کا قول ہے اس کے نزدیک اس کا معنی ہے: ومن یرد فیہ الحاد أبظلم۔ کو فیوں نے

کہا: با داخل ہوتی ہے کیونکہ معنی ہے بان یلحد باء ان کے ساتھ داخل ہوتی ہے اور حذف کی جاتی ہے یہ تقدیر ہونا بھی جائز ہے

ومن یرد الناس فیہ بالحداد یہ الحاد اور ظلم کفر سے لیکر صغائر تک تمام گناہوں کو شامل ہیں۔ اس مکان کی حرمت کی تعظیم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس میں گناہ کی نیت پر بھی سخت وعید سنائی ہے جس نے گناہ کی نیت کی اور گناہ نہ کیا تو اس کا محاسبہ نہ ہوگا مگر مکہ میں؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور اصحاب کی ایک جماعت اور دوسرے لوگوں کا قول ہے ابھی ہم نے ذکر کیا ہے۔

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَ

الْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ①

”اور یاد کرو جب ہم نے مقرر کر دی ابراہیم کے لیے اس گھر کے (تعمیر کرنے) کی جگہ اور حکم دیا کہ شریک نہ ٹھہرانا میرے ساتھ کسی چیز کو اور صاف ستھرا رکھنا میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے“۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ، یعنی اذ کما اذ بوانا، اذ سے پہلے اذ کما محذوف ہے۔ کہا جاتا ہے: بوأتہ منزلاً، بوأت لہ، جیسے کہا جاتا ہے: مکنتک و مکنت لک، لِإِبْرَاهِيمَ میں لام تاکید کے لیے صلہ ہے جیسے ارشاد ہے: رَآدِفَ لَكُمْ (النمل: 72) یہ فراء کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ۔ یعنی ہم نے اسے اس کی بنیاد دکھائی تاکہ وہ اسے تعمیر کریں جبکہ طوفان نے اسے روند دیا تھا۔ جب حضرت ابراہیم کا زمانہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو تعمیر کرنے کا حکم فرمایا۔ حضرت ابراہیم اس کی جگہ پر آئے اور اس کے نشانات تلاش کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا چلائی جس نے حضرت آدم علیہ السلام کی بنیاد سے پردہ ہٹا دیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر اس کی بنیاد رکھی جیسا کہ پہلے سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ بعض علماء نے کہا: بوانا یہ اس فعل کے قائم مقام ہے جو لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے جیسے جعلنا یعنی جعلنا لإبراہیم مکان البیت مبواً۔ شاعر نے کہا:

کم من اخ لی ماجد بوأتہ بیدی لخدأ

مسئلہ نمبر 2۔ أَنْ لَا تُشْرِكْ جمہور علماء کا قول ہے کہ یہ خطاب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہے۔ عکرمہ نے ان لا یشراک یاء کے ساتھ پڑھا ہے اس قول کے معنی کی نقل پر جو انہیں کہا گیا۔ ابو حاتم نے کہا: اس قرأت کی بنا پر کاف کو نصب ضروری ہے بمعنی لئلا یشراک۔ بعض نے کہا: ان مخففہ من الثقیلہ ہے۔ بعض نے کہا: ان مفسرہ ہے۔ بعض نے کہا: ان زائدہ ہے جیسے فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ (یوسف: 96) آیت میں بیت اللہ کے رہنے والوں میں سے شرک کرنے والوں پر طعن ہے یعنی یہ تمہارے باپ پر اور ان کے بعد والوں پر اور تم پر شرط تھی تم نے اسے وفا نہیں کیا بلکہ تم نے شرک کیا۔ ایک فرقہ نے کہا: أَنْ لَا تُشْرِكْ میں خطاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے آپ کو بیت اللہ کی تطہیر اور حج کے اعلان کرنے کا حکم دیا گیا۔ جمہور علماء فرماتے ہیں: یہ خطاب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہے۔ یہ اصح ہے۔ بیت اللہ کی طہارت سے مراد کفر، بدعت، خون اور تمام نجاستوں سے طہارت ہے۔ بعض نے فرمایا: بتوں سے طہارت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاجْتَنِبُوا التَّوَجُّسَ

مِنَ الْأَوْثَانِ۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ جرہم اور عمالقہ قبائل کے بیت اللہ کی جگہ اور اس کے ارد گرد بیت موجود تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر سے پہلے موجود تھے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے میرے گھر کو پاک رکھو اس سے کہ اس میں کسی بت کی عبادت کی جائے۔ یہ اس میں توحید کے اظہار کا امر ہے۔ مسجد حرام اور دوسری مساجد کی طہارت و صفائی میں علماء کے جو اقوال ہیں وہ سورہ برأت میں گزر چکے ہیں۔ القائمون سے مراد نمازی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نماز کے ارکان میں سے عظیم ترین ارکان کا ذکر کیا ہے وہ قیام، رکوع اور سجدہ ہیں۔

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَبِيبٍ ﴿٢٥﴾

”اور اعلان عام کر دو لوگوں میں حج کا وہ آئیں گے آپ کے پاس پاپیادہ اور ہردلی اونٹنی پر سوار ہو کر جو آتی ہیں ہر دور دراز راستہ سے“۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ جمہور لوگوں نے اذن ذال کے شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ حسن بن ابی حسن اور ابن محیصن نے اذن ذال کی تخفیف اور الف کی مد کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: علی بن جنی نے اس میں تخفیف کی ہے کیونکہ انہوں نے حسن اور ابن محیصن سے حکایت کیا ہے واذن اس بناء پر کہ یہ فعل ماضی ہے اور اس کو اس بنا پر بوانا پر معطوف کیا ہے۔ الاذن کا معنی آگاہ کرنا ہے۔ یہ پہلے سورہ برات میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے (1) تو انہیں کہا گیا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کرو آپ نے عرض کی: یارب! میری آواز کہاں تک پہنچے گی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم اعلان کرو پیغام پہنچانا میرا کام ہے۔ حضرت ابراہیم جبل ابی قیس پر چڑھے اور بلند آواز سے کہا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں اس گھر کے حج کا حکم فرماتا ہے تاکہ تمہیں اس کے بدلے جنت دے اور تمہیں آگ کے عذاب سے بچائے، پس تم حج کرو۔ جو لوگ مردوں کی صلیبوں اور عورتوں کے رحموں میں تھے انہوں نے جواب دیا: لبیک اللہم لبیک۔ جس نے جواب دیا وہ اپنے جواب کی مقدار میں حج کرے گا اگر ایک مرتبہ لبیک کہا ہوگا تو اسے ایک مرتبہ حج کی سعادت ملے گی اور جس نے دو مرتبہ لبیک کہا ہوگا اسے دو مرتبہ حج کی سعادت ملے گی۔ اس پر تلبیہ جاری ہوا: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر کا قول ہے (2)۔ ابو طفیل سے مروی ہے فرمایا مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو تلبیہ کی اصل کیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں میں حج کا اعلان کرنے کا حکم دیا گیا تو سارے پہاڑ پست ہو گئے اور تمام شہر بلند ہوئے آپ نے ان لوگوں میں حج کا اعلان کیا ہر چیز نے آپ کو جواب دیا: لبیک اللہم لبیک، بعض علماء نے فرمایا: خطاب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہے اور السجود کے قول پر کلام مکمل ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا اور فرمایا: وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ لوگوں میں حج کا اعلان کرو۔ تیسرا قول یہ ہے کہ أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا کہ میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے؛ یہ

اہل نظر کا قول ہے کیونکہ قرآن نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا ہے پس قرآن میں جو بھی خطاب ہے وہ آپ ﷺ کو ہی ہے مگر یہ کہ اس کے علاوہ پر کوئی قطعی دلیل موجود ہو یہاں ایک اور دلیل بھی ہے جو دلالت کرتی ہے کہ خطاب نبی اکرم ﷺ کو ہے اور وہ ان لا تشمک بی تا کے ساتھ ہے۔ اس صیغہ سے خطاب اسے کیا جاتا ہے جو سامنے موجود ہو جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام غائب تھے اس بنا پر مفہوم یہ ہو گا جب ہم نے ابراہیم کے لیے بیت اللہ کی جگہ متعین کی اور ہم نے اللہ تعالیٰ کی توحید پر تمہارے لیے دلائل بنا دیئے اور اس پر بھی دلائل قائم کر دیئے کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ جمہور علماء نے بالحج حاکم کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور ابن ابی اسحاق نے ہر جگہ حاکم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نداء اس پوری شریعت کے لیے تھی جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَأْتُونَكَ بِجَالَآ وَ عَلٰى كَلِّ صَاۡمِرٍ وَعَدُوًّا فَرٰمٰی** کہ لوگ پیدل اور سوار ہو کر حج کرنے کے لیے آئیں گے فرمایا: **يَأْتُونَكَ** تیرے پاس آئیں گے اگرچہ لوگ کعبہ کی طرف آئیں گے۔ یہ اس لیے فرمایا کیونکہ نداء کرنے والے آپ ہی تھے جو کعبہ کی طرف حج کرنے کے لیے آیا تو گویا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا کیونکہ اس نے آپ کی نداء کا جواب دیا۔ اس میں حضرت ابراہیم کو شرف بخشا گیا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: رجلا جمع ہے راجل کی جیسے تاجر کی جمع تجار ہے۔ صاحب کی جمع صحاب ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: رجال، رجل کی جمع ہے اور الرجل، راجل کی جمع ہے جیسے تاجر کی جمع تجار اور تاجر کی جمع تجار ہے جیسے صاحب کی جمع صحاب اور اس کی جمع صحاب ہے۔ کبھی جمع میں رجال جیم کی شد کے ساتھ بھی کہا جاتا ہے جیسے کافر کی کفار ہے۔ ابن ابی اسحاق (1) اور عکرمہ نے رجال راء کے ضمہ اور جیم کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ جمع کی بناؤں میں بہت کم ہے یہ مجاہد سے روایت کیا گیا ہے اور مجاہد نے فعالی کے وزن پر رجال پڑھا ہے جیسے کسالی۔ نحاس نے کہا: راجل کی جمع میں پانچ صورتیں ہیں۔ رجال جیسے رُکاب۔ یہ عکرمہ سے مروی ہے۔ رجال جیسے قیام۔ رَجُلَةٌ، رَجُلٌ، رجالة اور مجاہد سے رجال مروی ہے وہ غیر معروف ہے۔ مناسب غیر منون ہوتا ہے جیسے کسالی اور سکاری ہیں۔ اگر اس کو تنوین دی جاتی تو یہ فعال کے وزن پر ہوتا اور فعال جمع میں بہت قلیل ہے۔ الرجال کو الרכبان سے مقدم کیا گیا ہے کیونکہ چلنے میں انہیں تھکاؤ زیادہ ہوتی ہے۔

وَ عَلٰى كَلِّ صَاۡمِرٍ يَأْتِيْنِ، صامر کا معنی ضوامر ہے۔ فراء نے کہا: لفظ کی بناء پر یاتی صیغہ بھی جائز ہے۔ الضامر اس کمزور اونٹ کو کہتے ہیں جس کو سفر نے تھکا دیا ہو۔ کہا جاتا ہے: **ضَمْرِيْضٌ ضَمُوْرًا**۔ اللہ تعالیٰ نے مال کے اعتبار سے وصف بیان کیا جو مکہ پہنچ کر انہیں لاحق ہوتا ہے۔ کمزور ہونے کا سبب ذکر کیا ہے اور فرمایا: **يَأْتِيْنِ مِنْ كَلِّ فَجِبِّ عَمِيْقٍ** یعنی اس میں سفر کی طوالت نے اثر کیا۔ ضمیر کو اونٹ کی صرف لوثا یا انہیں اعزاز دینے کے لیے کیونکہ مالکوں کے ساتھ حج کا قصد کرتے ہیں جیسے فرمایا: **وَالْعَدِيْتِ صَبْحَانَ** (العادیات) یہ جہاد والے گھوڑوں کے بارے میں فرمایا انہیں شرف دینے کے لیے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں دوڑے۔

مسئلہ نمبر 4۔ بعض علماء نے فرمایا کہ رجلاً فرمایا ہے کیونکہ اکثر حج کے لیے مرد جاتے ہیں عورتیں کم جاتی ہیں پس رجلاً کا ارشاد یہ اس قول سے ہے: ہذا رجل اور اس میں بعد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَأَعْلَىٰ كَلْبٍ ضَاہِرٍ** اس سے مراد سوار ہیں۔ اس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رجلاً اور ان کے ساتھ آغاز کیا۔ یہ دلیل ہے کہ پیدل حج کرنا، سوار ہو کر حج کرنے سے افضل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں کسی چیز سے پریشان نہیں جو مجھ سے فوت ہوئی مگر یہ کہ میں نے پیدل حج نہیں کیا (1) میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: **يَأْتُوكَ بِرَجَالًا** ابن ابی نجیح نے کہا: حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے پیدل حج کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ (2) کے اصحاب نے یاتون: یہ ابن ابی عبیلہ اور ضحاک کی قرأت ہے اور ضمیر لوگوں کے لیے ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ سوار ہونے اور چلنے کے جواز میں اختلاف ہے، ان میں سے افضل میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی کا خیال ہے کہ سوار ہونا افضل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں اقتدا ہے اور اس میں اخراجات بھی زیادہ ہوتے ہیں اور سواری کی تیاری کے ساتھ حج کے شعائر کی تعظیم بھی ہوتی ہے۔ دوسرے علماء کا خیال ہے کہ پیدل حج کرنا افضل ہے کیونکہ اس میں نفس کی مشقت ہے۔ حضرت ابوسعید کی حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف پیدل حج کیا اور فرمایا: **”اپنی کمروں کو اپنے ازاروں کے ساتھ مضبوطی سے باندھ لو“** (3)۔ اور آپ تھوڑے تیز چلے۔ ابن ماجہ نے اس کو اپنی سنن میں تخریج کیا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ تمام مناسک میں امام مالک کے نزدیک سوار ہونا افضل ہے کیونکہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ بعض علماء نے اس آیت سے بحر کے ذکر کے سقوط سے یہ استدلال کیا ہے کہ بحر کی وجہ سے حج کا فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ امام مالک نے **”الموازیہ“** میں فرمایا: میں بحر (دریا) کا ذکر نہیں سنتا یہ تانس ہے (4)۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دریا کے ذکر کے سقوط سے فرض کا سقوط ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ سمندر کے ساحل پر نہیں ہے کہ لوگ اس کی طرف کشتیاں لیکر آئیں۔ پس جو دریا پر سوار ہو کر آئے اس کے لیے بھی مکہ کی طرف پیدل یا سوار ہو کر آنا ضروری ہے پس پہنچنے کی دونوں حالتیں ذکر کی گئی ہیں صرف دریا کی وجہ سے حج کے فرض کا استقاط ہے اس میں کثرت و قلت نہیں ہے مگر جب کسی شخص کو دشمن کا خوف ہو یا کوئی اور خوفناک صورت ہو یا کوئی مرض لاحق ہو تو امام مالک، امام شافعی اور جمہور علماء ان اعذار کی وجہ سے وجوب کے سقوط کے قائل ہیں اسے استطاعت حج نہیں ہے (5)۔ ابن عطیہ نے کہا: صاحب الاستطہار نے اس مفہوم میں کلام کی ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ ان اعذار کی وجہ سے وجوب ساقط نہیں ہوتا۔ یہ ضعیف قول ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ انتہائی ضعیف ہے اس کا بیان سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ الفجر، کھلا راستہ۔ اس کی جمع فجاج ہے یہ سورۃ الانبیاء میں گزر چکا ہے۔ العمیق کا معنی بعید ہے۔ جماعت کی قرأت (یاتین) ہے اور حضرت عبد اللہ کے اصحاب نے یاتون

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 118

2۔ ایضاً

5۔ ایضاً

4۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 118

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الناسک، باب الحج ماشیاً، صفحہ 232

پڑھا ہے یہ سواروں کے اعتبار سے ہے اور یاتین اونٹوں کے اعتبار سے ہے گویا فرمایا: علی ابل ضامرة یاتین۔ من کل فہ عیبق۔ عیبق کا معنی دور ہے اسی سے ہے بئر عیبقہ جو کنواں بہت گہرا ہوا سی سے ہے:

وقاتم الأعماق خاوی المخترق

مسئلہ نمبر 7۔ علماء کا اختلاف ہے جو بیت اللہ تک پہنچے تو کیا بیت اللہ کو دیکھتے وقت ہاتھ بلند کرے یا نہیں۔ ابو داؤد نے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت جابر بن عبد اللہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو بیت اللہ کو دیکھتا ہے اور اپنے ہاتھوں کو بلند کرتا ہے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ نے فرمایا: میں نے تو کسی کو ایسا کرتے نہیں دیکھا سوائے یہود کے۔ ہم نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا ہم نے ایسا نہیں کیا تھا (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سات مقامات پر ہاتھ بلند کیے جائیں گے۔ نماز کے آغاز میں، بیت اللہ کے استقبال میں۔ صفا پر، مروہ پر، دونوں مواقع میں اور دونوں جمروں کے پاس“۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو امام ثوری، ابن المبارک، امام احمد اور اسحاق نے لیا ہے اور حضرت جابر کی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ مہاجر کی مجہول راوی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیت اللہ کو دیکھتے وقت ہاتھ بلند کرتے تھے اسی طرح کامل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَةٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَايْسَ الْفَقِيْرَ ۗ ثُمَّ لِيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ
وَلِيُوْفُوْا نُدُوْرَهُمْ وَيَطُوْفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝۱۰

”(اعلان کیجئے) تاکہ وہ حاضر ہوں اپنے (دینی دنیوی) فائدوں کے لیے اور ذکر کریں اللہ تعالیٰ کے نام کا مقررہ دنوں میں ان بے زبان چوپایوں پر (ذبح کے وقت) جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہیں۔ پس خود بھی کھاؤ ان سے اور کھلاؤ مصیبت زدہ محتاج کو۔ پھر چاہیے کہ دور کریں اپنی میل کچیل اور پوری کریں اپنی نذریں اور طواف کریں ایسے گھر کا جو بہت قدیم ہے۔“

اس میں تینس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ: لِيَشْهَدُوا حج کا اعلان کرو وہ تمہارے پاس پیدل اور سوار ہو کر آئیں گے تاکہ وہ حاضر ہوں۔ الشہود کا معنی حاضر ہونا ہے۔ مَنَافِعَ لَهُمْ منافع سے مراد مناسک ہیں جیسے عرفات اور مزدلفہ میں قیام۔ اور بعض نے فرمایا: اس سے مراد مغفرت ہے۔ بعض نے کہا: تجارت ہے۔ بعض نے کہا: یہ عام ہے یعنی وہ حاضر ہوں دنیا و آخرت کے ان امور کے لیے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے؛ یہ مجاہد، عطا کا قول ہے اور ابن عربی نے اس کو پسند کیا ہے یہ: قال، عبادت، تجارت، مغفرت اور دنیوی و آخری تمام منفعتوں کو جامع ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا الْفَضْلَ مِنْ شَيْْءِكُمْ (البقرہ: 198) سے مراد تجارت ہے۔

مسئلہ نمبر 2- وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ، الايام المعلومات اور السعدودات پر سورہ بقرہ میں گفتگو گزر چکی ہے۔ اللہ کے اسم کے ذکر سے مراد ذبح اور نحر کے وقت بسم اللہ کا ذکر کرنا ہے جیسے تیرا قول ہے: بِاسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ، اور ذبح کے وقت تیرے قول: إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي (الانعام: 162) کی مثل۔

مسئلہ نمبر 3- دسویں ذی الحج کو ذبح کرنے کے وقت میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے فرمایا: امام کی نماز اور اس کی ذبح کے بعد اس کا وقت ہے مگر یہ کہ وہ اتنی زیادہ تاخیر کرے کہ اقتدا ساقط ہو جائے سو اس سے پہلے ذبح کرنا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ نے امام کے نماز سے فارغ ہونے کی رعایت کی ہے ذبح کا خیال نہیں کیا۔ امام شافعی نے نماز کے وقت کے دخول اور دو خطبوں کے ساتھ نماز کے وقوع کی مقدار وقت کا خیال کیا ہے۔ امام شافعی نے وقت کا اعتبار کیا ہے نماز کا نہیں، یہ امام شافعی سے مزنی کی روایت ہے۔ یہی طبری کا قول ہے۔ ربیع نے بوہیٹی سے روایت کیا ہے فرمایا امام شافعی نے فرمایا: کوئی ذبح نہ کرے حتیٰ کہ امام ذبح کرے مگر یہ کہ وہ ایسا ہو کہ ذبح نہ کرتا ہو۔

جب نماز پڑھ لے اور خطبہ سے فارغ ہو جائے تو ذبح کا وقت ہو جاتا ہے۔ یہ مالک کے قول کی طرح ہے۔ امام احمد نے کہا: جب امام واپس آئے تو تو ذبح کر؛ یہ ابراہیم کا قول ہے۔ ان اقوال میں سے اصح امام مالک کا قول ہے کیونکہ حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث ہے فرمایا: ہمیں دسویں ذی الحجہ کو نبی پاک ﷺ نے مدینہ طیبہ میں نماز پڑھائی لوگ آگے بڑھے اور جانوروں کو نحر کیا انہوں نے خیال کیا کہ نبی کریم ﷺ نحر کر چکے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ جو نحر کر چکا ہے وہ دوبارہ نحر کرے اور نحر نہ کر وہ یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نحر کر لیں (1)۔ اس کو امام مسلم اور امام ترمذی نے تخریج کیا ہے فرمایا: یہ حضرت جابر، حضرت جناب، حضرت انس، حضرت عویمیر بن اشقر، حضرت ابن عمرو اور حضرت ابوزید انصاری سے بھی مروی ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے کہ شہر میں قربانی نہ کی جائے یہاں تک کہ امام قربانی کر لے۔ امام ابوحنیفہ نے حضرت براء کی حدیث سے حجت پکڑی ہے اس میں ہے۔ ”جس نے نماز کے بعد ذبح کیا اس کی قربانی مکمل ہوئی اور اس نے مسلمانوں کی سنت کو پالیا“ (2)۔ اس حدیث کو امام مسلم نے بھی تخریج کیا ہے۔ ذبح کو نماز پر معلق کیا ہے اور ذبح کو ذکر نہیں کیا اور حضرت جابر کی حدیث اس کو مقید کرتی ہے۔ اسی طرح حضرت براء کی حدیث ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”آج ہم سب سے پہلے نماز پڑھیں گے پھر واپس آئیں گے اور نحر کریں گے جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت کو پالیا“ (3)۔ ابو عمر بن عبد البر نے کہا: میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں جانتا کہ نماز سے پہلے ذبح کرے اور وہ شہری آدمی ہو تو وہ قربانی کرنے والا نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا وہ گوشت ہے“ (4)۔

مسئلہ نمبر 4- رہے دیہاتوں میں رہنے والے اور جن کا امام نہیں ہوتا تو امام مالک کا ان کے متعلق قول یہ ہے کہ وہ امام کے ذبح کے وقت یا قریبی آئمہ کے ذبح کے وقت کی تحری کریں۔ ربیعہ اور عطاء نے کہا: جس کا امام نہیں ہے اگر وہ سورج

کے طلوع ہونے سے پہلے ذبح کرے گا تو جائز نہ ہوگا اگر سورج کے طلوع ہونے کے بعد ذبح کرے گا تو جائز ہوگا۔ اہل
الرأے نے کہا: فجر کے بعد جائز ہے؛ یہی ابن المبارک کا قول ہے۔ اس کو امام ترمذی نے ابن المبارک سے روایت کیا ہے
اور انہوں نے اس قول سے استدلال کیا ہے۔ **وَيَذَّكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيّٰمٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلٰى مَا سَرَّزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةٍ اِلَّا نَعَامٌ۔**
نحر کی اضافت یوم کی طرف ہے کیا الیوم کے لفظ کا اطلاق طلوع فجر سے ہوتا ہے یا سورج کے طلوع ہونے سے ہوتا ہے۔
اس میں دو قول ہیں: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی کا ذبح کرنا دسویں کے دن فجر کے طلوع ہونے سے پہلے جائز نہیں۔

مسئلہ نمبر 5۔ علماء کا اختلاف ہے کہ ایام النحر کتنے ہیں؟ امام مالک نے فرمایا: تین دن ہیں۔ دسویں کا دن اور اس
کے بعد دو دن۔ یہی قول امام ابوحنیفہ، امام ثوری اور امام احمد بن حنبل کا ہے یہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما
سے مروی ہے ان سے کوئی اختلاف مروی نہیں ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: چار دن ہیں۔ دسویں کا دن اور اس کے بعد تین
دن۔ یہی اوزاعی کا قول ہے اور یہی حضرت علی، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا قول ہے ان کی مثل امام مالک اور
امام احمد کا قول ہے۔ بعض نے فرمایا: خاص دسویں کا دن ہے یعنی دس ذی الحجہ کا دن ہے۔ ابن سیرین سے یہ مروی ہے۔
حضرت سعید بن جبیر اور حضرت جابر بن زید سے مروی ہے کہ ان دونوں نے کہا: شہروں میں ایک دن ہے اور منیٰ میں تین دن
ہیں۔ حسن بصری سے اس کے متعلق تین روایات ہیں۔ ایک وہ جو امام مالک کا قول ہے۔ دوسرا وہ جو امام شافعی کا قول ہے
تیسرا یہ کہ ذی الحجہ کے آخری دن تک جب محرم کا چاند دیکھے تو اس پر قربانی نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ سلیمان بن یسار اور ابو سلمہ بن عبدالرحمن کا قول ہے انہوں نے مرسل حدیث روایت کی ہے جو دارقطنی نے
نقل کی ہے۔ الضحایا الی ہلال ذی الحجۃ (1)، قربانیاں ذی الحجہ کے چاند تک ہو سکتی ہیں۔ یہ حدیث صحیح نہیں۔ اور ہماری
دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: **فِيْ اَيّٰمٍ مَّعْلُوْمَاتٍ** یہ جمع قلت ہے لیکن اس میں یقینی تین دن ہیں اور جو تین دنوں کے بعد ہیں
وہ غیر یقینی ہیں اس لیے ان پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ ابو عمر بن عبدالبر نے کہا: علماء کا اجماع ہے کہ دسویں کا دن قربانی کا دن ہے
اور اس پر بھی اجماع ہے کہ ذی الحجہ کے گزرنے کے بعد قربانی نہیں ہے۔ میرے نزدیک اس میں صرف دو قول صحیح ہیں۔ ایک
امام مالک اور کوفیوں کا قول اور دوسرا امام شافعی اور شامیوں کا قول۔ یہ دونوں قول صحابہ کرام سے مروی ہیں ان کے مخالف قول
کے ساتھ مشغول ہونے کا کوئی معنی نہیں۔ جو اقوال ان دو قولوں کے مخالف ہیں اس کی سنت میں اور صحابہ کے اقوال میں کوئی
اصل نہیں ہے۔ اور جو ان دو اقوال سے خارج ہیں انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ قتادہ سے ایک چھٹا قول بھی مروی ہے وہ یہ ہے کہ
قربانی کا دن دسویں کا دن ہے اور اس کے بعد چھ دن ہیں۔ یہ صحابہ کے قول سے خارج ہے اس کا کوئی معنی نہیں۔

مسئلہ نمبر 6۔ علماء کا اختلاف ہے کہ راتیں بھی دنوں کے ساتھ داخل ہیں ان میں ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں۔ امام
مالک سے مشہور یہ ہے کہ راتیں داخل نہیں اور رات کو ذبح کرنا جائز نہیں یہی جمہور اصحاب اور اصحاب رائے کا موقف ہے
کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَيَذَّكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيّٰمٍ** یہاں ایام کو ذکر کیا اور ایام کا ذکر دلیل ہے کہ ذبح رات کو جائز

نہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد، ابو ثور نے کہا: راتیں دنوں میں داخل ہیں اور اس میں ذبح جائز ہے۔ امام مالک اور اشہب سے اسی طرح مروی ہے اور اشہب کے نزدیک ہدی اور قربانی کے درمیان فرق ہے۔ ہدی رات کو ذبح کرنے کی اجازت دی اور قربانی رات کو ذبح کرنے کی اجازت نہیں دی۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **عَلَىٰ مَا تَرَكْتُمْ** جو اس نے انہیں دیا اس کو ذبح کرنے پر۔ **مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ**، الانعام سے مراد یہاں اونٹ، گائے اور بکری ہیں اور **بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ** سے مراد جانور ہیں یہ اس طرح ہے جیسے: **صَلَاةَ الْأَوَّلَىٰ** اور **سَجْدَ الْجَامِعِ** ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ **فَكُلُوا مِنْهَا** یہ امر کا صیغہ ہے اور جمہور علماء کے نزدیک استحباب کے معنی میں ہے۔ مستحب ہے کہ آدمی اپنی ہدی اور قربانی سے کھائے اور اکثر صدقہ کر دے مگر سارا گوشت صدقہ کرنا اور سارا گوشت خود کھانا بھی جائز ہے۔ ایک طائفہ نے شاذ قول کہا ہے کہ خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا واجب ہے ان کا استدلال اس آیت کے ظاہر سے ہے اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد سے ہے کہ ”کھاؤ اور ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو“ (1)۔ الکیا نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِيعُوا** دلیل ہے کہ سارا گوشت بیچنا جائز نہیں اور سارا گوشت صدقہ کرنا بھی نہیں جائز ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ کفار کے جانوروں سے ان کے مالکوں کے لیے کھانا جائز نہیں۔ امام مالک کا مشہور مذہب ہے کہ تین جانوروں سے نہ کھائے۔ شکار کی جزا سے، اذیت کے فدیہ سے اور مساکین کی نذر سے۔ اس کے علاوہ سے کھائے جب وہ اپنے مقام پر پہنچ جائے خواہ وہ واجب ہو یا نفل ہو اس پر سلف صالحین کی جماعت اور فقہاء الامصار نے ان کی موافقت کی ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اگر ایسے جانور سے کھالیا جس سے کھانا ممنوع تھا تو کیا جتنا اس نے کھایا ہے اس کی چینی دے گا یا مکمل ہدی چینی دے گا؛ ہمارے مذہب میں دو قول ہیں۔ ایک وہ ہے جو ابن الماجشون نے ذکر کیا ہے انہوں نے کہا: ابن عربی نے کہا اور وہی حق ہے کہ اس پر کوئی چیز نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر اس نے مساکین کے لیے ہدی کی نذر مانی تھی پھر ہدی کے مقام پر پہنچنے کے بعد اس نے اس میں سے کچھ کھالیا تو وہ چینی نہیں دے گا مگر جو انہوں نے کھایا۔ اور مدونہ میں اس کے خلاف مسئلہ ہے کیونکہ محررات ہو چکا ہے اور حد سے تجاوز گوشت میں ہوا ہے۔ پس جو اس نے تجاوز کیا اتنی مقدار اس سے چینی لی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلْيُؤْتُوا ذُرِّيَّتَهُمْ** یہ نذر کے اخراج پر دلیل ہے خواہ وہ دم ہو یا ہدی ہو یا اس کے علاوہ ہو اور یہ دلیل ہے کہ نذر کی وفا کی وجہ سے خود اس کا اس سے کھانا جائز نہیں۔ اسی طرح شکار کی جزا اور اذیت کے فدیہ کا حکم ہے کیونکہ متنسود یہ ہے کہ گوشت وغیرہ میں کمی کے بغیر مکمل طور پر ادا کرے۔ اگر اس نے اس میں سے خود کھالیا تو اس پر دوسری ہدی ہوگی۔

مسئلہ نمبر 11۔ کیا گوشت کی قیمت یا کھانے کی قیمت چینی دے گا۔ امام محمد کی کتاب میں عبد الملک سے مروی ہے کہ وہ کھانے کی چینی دے گا۔ پہلا قول اصح ہے کھانا ہدی کے مقابلہ میں ہدی کے نہ پائے جانے کے وقت عبادت ہوتا ہے اور تعدی کا حکم، عبادت کا حکم نہیں ہوتا۔

مسئلہ نمبر 12۔ اگر شکاری کی جزاء، اذیت کے فدیہ اور مساکین کی نذر کی ہدی میں سے کوئی ہلاک ہو جائے جبکہ ابھی وہ اپنے مقام پر نہ پہنچی ہو تو اس کا مالک اس سے کھا سکتا ہے اور اس سے غنی اور فقراء اور جن کو مالک پسند کرے سب کو کھلا سکتا ہے اور اس کا گوشت کھا سکتا ہے اور اس کے ہار میں سے کوئی چیز فروخت نہیں کرے گا۔ اسماعیل بن اسحاق نے کہا: ہدی جو مضمون ہے جب وہ اپنے محل میں پہنچنے سے پہلے ہلاک ہو جائے تو مالک پر اس کا بدل ہوگا اسی وجہ سے مالک کے لیے اس میں سے خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا جائز ہے۔ جب نقلی ہدی اپنے محل میں پہنچنے سے پہلے ہلاک ہو جائے تو اس سے خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا جائز نہیں کیونکہ اس پر جب اس کا بدل نہیں ہے تو اندیشہ ہے کہ وہ ہدی کے ساتھ ایسا خود کرے اور اس کی ہلاکت کے بغیر اسے ذبح کر ڈالے۔ پس لوگوں پر احتیاط رکھی گئی ہے اسی پر عمل ہے۔ ابو داؤد نے ناجیہ اسلمی سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے ساتھ ایک ہدی بھیجی اور فرمایا: ”اگر اس میں سے کوئی چیز ہلاک ہو جائے تو اسے ذبح کر دینا اور اس کے خون میں اس کی نعل کورنگ دینا پھر اس کے اور لوگوں کے درمیان راستہ خالی چھوڑ دینا“ (1)۔ اس حدیث کی وجہ سے امام مالک اور امام شافعی نے ایک قول میں اور امام احمد، اسحاق، ابو ثور اور اصحاب الرائے اور ان کے پیروکاروں نے کہا: نقلی ہدی سے اس کا لے جانے والا کچھ نہ کھائے اور اسے لوگوں کے کھانے کے لیے چھوڑ دے۔ صحیح مسلم میں ہے: ”اس سے تو اور تیرے رفقاء میں سے کوئی نہ کھائے“ (2)۔ نبی کی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام شافعی نے دوسرے قول میں فرمایا اور ابن المنذر نے بھی اس کو پسند کیا ہے فرمایا: اس کا لے جانے والا نہ کھائے اور اس کے رفقاء میں سے بھی کوئی نہ کھائے۔ ابو عمر نے کہا نبی کریم ﷺ کا یہ قول کہ ”اس میں سے تو بھی نہ کھائے اور تیرے رفقاء میں سے بھی کوئی نہ کھائے“۔ یہ صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے یہ ہشام بن عروہ عن ابیہ عن ناجیہ کی سند سے مروی حدیث میں نہیں ہے اور ہمارے نزدیک یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی نسبت زیادہ صحیح ہے اور فقہاء کے نزدیک اسی پر عمل ہے اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد: خل بینہا و بین الناس (3) میں اس کے رفقاء اور دوسرے لوگ شامل ہیں۔ امام شافعی اور ابو ثور نے کہا: جس ہدی کی اصل واجب ہو اس سے نہ کھائے اور جو ہدی نقلی ہو یا قربانی ہو اسے خود کھائے اور ہدیہ بھی دے، ذخیرہ بھی کرے اور صدقہ بھی کرے۔ تمتع اور قربان کی ہدی ان کے نزدیک قربانی ہے۔ امام اوزاعی کا مذہب بھی اسی طرح ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: وہ تمتع کی ہدی اور نقلی ہدی سے کھا سکتا ہے اور جو ان کے علاوہ ہیں جو احرام کے حکم کی وجہ سے واجب ہوتی ہیں اس میں سے نہ کھائے۔ امام مالک سے حکایت کیا گیا ہے کہ دم الفساد سے نہ کھائے۔ اس قیاس پر دم الجبر سے بھی نہ کھائے جیسے امام شافعی اور اوزاعی کا قول ہے۔ امام مالک نے اس سے دلیل پکڑی ہے کہ شکاری جزاء کو اللہ تعالیٰ نے مساکین کے لیے بنایا ہے۔ ارشاد فرمایا: **أَوْ كَفَّارَةً لِّطَعَامِ مَسْكِينٍ (المائدہ: 95)** اور اذیت کے فدیہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب مناسک الحج، باب الہدی إذا عطب، جلد 1، صفحہ 245۔ سنن ابی داؤد، 1499۔ ابن ماجہ، 3096، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، ما یفعل بلاء ہدی إذا عطب ل الطریق، جلد 1، صفحہ 427

3۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، مواز الحلق للمحرم، جلد 1، صفحہ 382

میں فرمایا: **فَفِذِيَّةٌ مِّنْ صِيَّامٍ أَوْ صَدَقَةٌ أَوْ نُسُكٌ** (البقرہ: 196) اور نبی کریم ﷺ نے حضرت کعب بن عجرہ کو فرمایا: ”چھ مساکین کو کھلاؤ ہر مسکین کے لیے دو مد ہوں یا تین دنوں کے روزے رکھو یا ایک بکری ذبح کرو“ اور مساکین کی نذر کی تصریح کی گئی ہے ان کے علاوہ ہدایا تو وہ اپنی اصل پر باقی ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا حَبِيرٌ فَادْكُرُوا اللَّهَ عَلَيْهَا صَوَافٍ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا** نبی کریم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے ان ہدایا سے کھایا جو وہ لے کر آئے تھے اور ان کے شوربے سے پیانی کریم ﷺ اصح روایات کے مطابق قارن تھے۔ اور آپ پر یہ ہدی واجب تھی۔ امام ابوحنیفہ کا قول صحیح نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہدایا سے کھانے کی اجازت دی کیونکہ عرب قربانی سے کھانا جائز نہیں سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو ان کی مخالفت کا حکم دیا پس ضروری ہے جیسے مشروع ہے اور جیسے آپ نے پہنچایا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے کہا جب آپ نے ہدی دی اور احرام باندھا۔

مسئلہ نمبر 13۔ **فَكُلُوا مِنْهَا** بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد لوگوں کے فعل کا نسخ ہے کیونکہ وہ قربانیوں کے گوشت اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے اور اس سے کھاتے نہیں تھے جیسا کہ ہم نے ہدایا میں کہا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے **فَكُلُوا مِنْهَا** کے ارشاد سے اور نبی کریم ﷺ کے قول: **مَنْ ضَعِيَ فليأكل من أضحيتہ** جس نے قربانی دی وہ اپنی قربانی سے کھائے۔ سے ان کے عمل اور نظریہ کو منسوخ کر دیا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی قربانی اور ہدی سے کھایا تھا۔ زہری نے کہا: کلجی میں سے پہلے کھانا سنت سے ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ تہائی گوشت صدقہ کرنا، تہائی گوشت لوگوں کو کھلانا اور تہائی اپنے لیے اور اپنے گھروالوں کے لیے رکھنا مستحب ہے۔ ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے: ہمارے نزدیک ضحیا میں معلوم اور موصوف قسم نہیں ہے۔ امام مالک نے اپنی حدیث میں فرمایا: مجھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے خبر پہنچی ہے اور اس پر عمل نہیں ہے اور الصحیح اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے فرمایا: نبی پاک ﷺ نے ایک بکری قربانی دی، پھر فرمایا: ”اے ثوبان! اس بکری کے گوشت کو صاف کر“ (1)۔ فرمایا: میں اس سے آپ ﷺ کو کھلا تا رہا حتیٰ کہ آپ ﷺ مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ یہ اس مقصود میں نص ہے۔ امام شافعی کے اقوال مختلف ہیں کبھی فرمایا: نصف کھائے اور نصف صدقہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعُوا النَّبَأِيسَ الْفَقِيرَ** ① دو شخصوں کا ذکر کیا ہے کبھی فرمایا: ایک تہائی کھائے ایک تہائی ہدیہ دے اور ایک تہائی دوسروں کو کھلائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعُوا الْقَائِمَةَ وَالْمُعْتَرَّ** یہاں تین آدمیوں کا ذکر ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ مسافر بھی اسی طرح قربانی کرنے کا مخاطب ہے جس طرح مقیم ہے کیونکہ اصل خطاب میں عموم ہے؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے اس میں امام ابوحنیفہ اور نخعی نے اس کی مخالفت کی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حدیث ان کے خلاف حجت ہے مسافرین میں سے امام مالک نے منیٰ کے حاجیوں کی استثنا کی ہے۔ وہ ان پر قربانی کا نظریہ نہیں رکھتے یہی

نخعی کا قول ہے اور یہی حضرت ابو بکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور سلف کی ایک جماعت سے مروی ہے کیونکہ حاجی اصل میں ہدی کے ساتھ مخاطب ہے جب وہ قربانی دینے کا ارادہ کرے گا تو اسے ہدی بنائے گا اور لوگوں کا حکم حاجی سے مختلف ہے انہیں قربانی دینے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ اہل منی کے مشابہ ہو جائیں اور انہیں ان کے اجر سے حظ وافر ملے۔

مسئلہ نمبر 16۔ گوشت ذخیرہ کرنے کے متعلق چار اقوال ہیں۔ حضرت علی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح سند سے مروی ہے ”تین دنوں کے بعد ضحایا کے گوشت سے ذخیرہ نہ کر“۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے یہ روایت کیا ہے یہ آئندہ آئے گا۔ ایک جماعت نے کہا: ذخیرہ کرنے کی نہیں جو مروی ہے وہ منسوخ ہے پس جس وقت تک چاہے ذخیرہ کر سکتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری اور حضرت بریدہ اسلمی کا یہی قول ہے۔ ایک فرقہ نے کہا: اس سے مطلقاً کھانا جائز ہے۔ ایک جماعت نے کہا: اگر لوگوں کو حاجت ہو تو ذخیرہ نہ کرے کیونکہ یہی ایک علت کی وجہ سے تھی فرمایا: ”میں نے تمہیں قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے سے آنے والے لوگوں کی وجہ سے منع کیا تھا“ (1)۔ جب وہ علت اٹھ گئی تو موجب کے اٹھ جانے کی وجہ سے پہلا حکم بھی اٹھ گیا نہ کہ یہ منسوخ ہے۔ یہاں ایک اصولی مسئلہ پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ نسخ کے ساتھ حکم کا اٹھانا اور علت کے ختم ہونے کے ساتھ حکم کو اٹھانے میں فرق ہے۔ نسخ کے ساتھ اٹھائے گئے حکم کے ساتھ کبھی بھی حکم نہیں لگایا جاتا لیکن علت کے ارتفاع کے ساتھ اٹھایا گیا حکم، علت کے لوٹنے کے ساتھ حکم بھی لوٹ آتا ہے۔ پس اب بھی اگر کسی شہر میں قربانی کے دنوں میں محتاج لوگ آجائیں اور اس شہر والوں کے پاس ان کی بھوک مٹانے کی وسعت نہ ہو مگر قربانیوں کا گوشت تو ان پر متعین ہو جائے گا کہ وہ تین دنوں سے زیادہ گوشت کو ذخیرہ نہ کریں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

مسئلہ نمبر 18۔ وہ احادیث جو اس باب میں وارد ہیں منع اور اباحت کے متعلق وہ صحیح اور ثابت ہیں کبھی منع اور اباحت اکٹھے آئے ہیں جیسا کہ حضرت عائشہ، حضرت سلمہ بن اکوع اور حضرت ابو سعید کی حدیث میں منصوص ہے جن کو صحیح میں روایت کیا گیا ہے۔ صحیح میں ابو عبید مولیٰ بن ازہر سے مروی ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عید کی نماز میں حاضر ہوئے فرمایا میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ عید کی نماز پڑھی فرمایا: آپ نے ہمیں خطبہ سے پہلے عید کی نماز پڑھائی پھر لوگوں کو خطاب کیا فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں تین دنوں سے زیادہ اپنی قربانیوں کا گوشت کھانے سے منع کیا ہے پس تم انہیں تین دنوں سے زیادہ نہ کھاؤ (2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دنوں سے زیادہ قربانیوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ سالم نے کہا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، تین دنوں سے زیادہ قربانی کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ ابو دؤد نے حضرت نبیثہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم نے تمہیں تین دنوں سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع کیا تھا تاکہ تمہارے لیے کشادگی کا باعث ہو۔ اب اللہ تعالیٰ نے (رزق) میں وسعت دے دی ہے اب تم کھاؤ اور ذخیرہ کرو اور کھانا کھلانے کے ذریعے اجر طلب کرو خبردار! یہ ایام کھانے، پینے اور اللہ تعالیٰ کے

ذکر کے ایام ہیں“ (1)۔ ابو جعفر نوح اس نے کہا: اس مسئلہ میں جو کچھ کہا گیا ہے سب سے بہتر یہ قول ہے تاکہ احادیث متفق ہوں اور ایک دوسرے کے مخالف نہ ہوں۔ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب اور حضرت عثمان کا قول محصور ہے کیونکہ لوگ انتہائی شدت میں تھے۔ پس انہوں نے ویسا ہی کیا جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے کیا تھا جب مسافر لوگ آئے ہوئے تھے۔ اس پر دلیل یہ حدیث ہے جو ابراہیم بن شریک نے ہمیں بتائی انہوں نے کہا ہمیں احمد نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں لیث نے بتایا انہوں نے کہا مجھے حارث بن یعقوب نے بتایا انہوں نے یزید بن ابی یزید سے روایت کیا انہوں نے اپنی بیوی سے روایت کیا کہ اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قربانیوں کے گوشت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ہمارے پاس حضرت علی بن ابی طالب آئے تو ہم نے ان کے سامنے قربانی کا گوشت رکھا انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ نبی پاک ﷺ سے پوچھ لیں انہوں نے نبی پاک ﷺ سے پوچھا تو فرمایا: ”ذی الحجۃ سے ذی الحجۃ تک کھاؤ“۔ امام شافعی نے فرمایا: جن لوگوں نے تین دن کے بعد ذخیرہ کرنے سے منع کا ذکر کیا ہے انہوں نے رخصت نہیں سنی اور جس نے مطلقاً رخصت کا ذکر کیا ہے انہوں نے ذخیرہ کرنے کی بھی نہیں سنی اور جنہوں نے نبی اور رخصت کا ذکر کیا ہے انہوں نے دونوں کو سنا اور دونوں کے مقتضا کے مطابق عمل کیا۔ مزید تفصیلی اختلاف جو قربانی کے وجوب اور مستحب ہونے کے متعلق ہے اس کا ذکر سورۃ الکوتر میں آئے گا۔ اور یہ بھی وضاحت ہوگی کہ یہ ہر ذبح کے لیے ناسخ ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 19۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَاطْعُمُوا الْهَائِيسَ الْفَقِيرَ، الْفَقِيرُ صِفَتٌ هِيَ الْبَائِسُ كِي**۔ البائس وہ ہوتا ہے جسے بھوک اور شدت فقر نے آلیا ہے۔ کہا جاتا ہے: بیاس باساً جب کوئی فقیر ہو جائے۔ فقہو بائس کبھی اس شخص کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے جس پر زمانہ کا کوئی حادثہ آیا ہو اگرچہ وہ فقیر نہ ہو۔ اسی سے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: لکن البائس سعد بن خولہ (2)، لیکن سعد بن خولہ (جسے مکہ میں موت آئی تھی اس) فقیر پر افسوس ہے۔ کہا جاتا ہے: رجلٌ بئیس سخت آدمی کبھی بئیس باساً استعمال ہوتا ہے جب سخت ہو جائے اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَآخِذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَدَابِ بَنِي إِسْرَائِيلَ** (الاعراف: 165) یعنی سخت عذاب سے ہم نے ظالموں کو پکڑ لیا۔ جب قربانی کا گوشت زیادہ صدقہ کیا جائے تو اجر بھی زیادہ ہوگا اور وہ مقدار جس کا کھانا جائز ہے اس میں اختلاف ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ بعض نے فرمایا: نصف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَكُلُوا وَاطْعَمُوا**۔ بعض نے کہا 2/3 حصہ صدقہ کرے کیونکہ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے: **الْأَفْكَوَادُ إِذَا خَرَدُوا وَاتَّجَرُوا** (خبردار! کھاؤ اور ذخیرہ کرو اور کھلانے کے ساتھ اجر طلب کرو) کھانے اور کھلانے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: دونوں واجب نہیں۔ بعض نے کہا: دونوں مستحب ہیں۔ بعض نے کہا: کھانے اور کھلانے کے حکم میں فرق ہے۔ کھانا مستحب ہے اور کھلانا واجب ہے، یہی امام شافعی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لَكُمْ لِمَقْصُورَاتِكُمْ لَعْنَةُ الْقُرْبَانِيَّاتِ** اور ہدایا کو نحر کرنے کے بعد باقی حج کے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاضعی، ج 2، صفحہ 33

2۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، رثاء النبی ﷺ، سعد بن خولہ، ج 1، صفحہ 173

امور ادا کریں جیسے حلق کرانا، رمی جمار کرنا اور میل کچیل دور کرنا۔ ابن عرفہ نے کہا: یعنی وہ اپنے آپ سے اپنی میل دور کریں۔ ازہری نے کہا التفت کا معنی موٹھیں کاٹنا، ناخن کاٹنا، بغلوں کے بال نوچنا، اور زیر ناف بال صاف کرنا، یہ احرام سے خروج کے وقت ہے۔ نضر بن شمیل نے کہا: عرب کلام میں التفت کا معنی میل اور پراگندگی دور کرنا ہے۔ میں نے زہری کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عرب کلام میں التفت کا معنی صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اہل تفسیر کے قول سے معروف ہے۔ حسن نے کہا: اس کا معنی احرام کی میل کو دور کرنا ہے۔ بعض علماء نے کہا: التفت سے مراد تمام مناسک حج ہیں اس کو حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: اگر ان دونوں سے روایت صحیح ہے تو یہ حجت ہے کیونکہ انہیں شرف صحبت حاصل ہے اور لغت کا احاطہ بھی رکھتے ہیں فرمایا: یہ لفظ غریب ہے اہل عرب اس میں کوئی شعر نہیں پاتے اور اس کے بارے کوئی خبر نہیں رکھتے ہیں لیکن میں نے التفت کا لغوی معنی تلاش کرنے کی کوشش کی تو میں نے ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ کو دیکھا انہوں نے فرمایا: یہ ناخن کاٹنا اور موٹھیں کاٹنا ہے اور نکاح کے علاوہ محرم پر جو حرام ہے اس کو ختم کرنا ہے۔ فرمایا: اس میں کوئی شعر نہیں آیا جس سے حجت پکڑی جائے۔ صاحب العین نے کہا: التفت کا معنی رمی جمار کرنا، حلق کرنا یا بال چھوٹے کرنا، ذبح کرنا، ناخن کاٹنا، موٹھیں کاٹنا اور زیر ناف بال صاف کرنا ہے۔ زجاج اور فراء نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ میرا خیال ہے انہوں نے یہ علماء کے اقوال سے لیا ہے۔ قطرب نے کہا: تفت الرجل کا معنی ہے جب اس کی میل زیادہ ہو جائے۔ امیہ بن ابی الصلت نے کہا:

حَقُّوا رُؤْسَهُمْ لَمْ يَحْلِقُوا تَفْتًا وَلَمْ يَسْلُوا لَهُمْ قَمَلًا وَصِيبَانَا

قطرب نے جس چیز کی طرف اشارہ کیا ہے وہ ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے۔ التفت میں وہی صحیح ہے یہ لغوی اعتبار سے میل کچیل کو دور کرنا ہے۔ رہی شریعت کی حقیقت تو جب حاجی یا عمرہ کرنے والا اپنی ہدیٰ کو نحر کرتا ہے اور اپنا سر حلق کراتا ہے اور اپنی میل دور کرتا ہے اور پاک صاف ہو جاتا ہے اور عام کپڑے پہن لیتا ہے تو وہ اپنی میل دور کر دیتا ہے اور اپنی نذر پوری کر دیتا ہے اور نذر سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جو خود اپنے اوپر لازم کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں: جو قطرب سے حکایت کیا گیا ہے وہ شعر سے ذکر کیا گیا ہے اس کو ماوردی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور اس نے ایک اور شعر بھی لکھا ہے:

قَصَّوْا تَفْتًا وَنَحَبًا ثُمَّ سَارُوا إِلَى نَجْدٍ وَمَا انتظروا عَلِيًّا

ثعلبی نے کہا: التفت کا لغوی معنی میل ہے۔ عرب جس شخص کو ناپسند اور گندہ سمجھتے ہیں اس کے لیے استعمال کرتے ہیں ما اتفتك یعنی تو کتنا گندہ ہے۔ امیہ بن ابی الصلت نے کہا:

سَاخِينِ آبَا طَهُمِ لَمْ يَقْدِفُوا تَفْتًا وَيَنْزِعُوا عَنْهُمْ قَمَلًا وَصِيبَانَا

ماوردی نے کہا بعض صلحاء سے پوچھا گیا کہ شعث المحرم سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ خود گواہی دے کہ تو اپنے نفس کی دیکھ بھال نہیں کرتا اور وہ اطاعت کے لیے اپنی جان قربان کرنے میں تیری سچائی کو جان لے۔

مسئلہ نمبر 21۔ وَلْيُوْفُوْا نُدُوْرَهُمْ مَّطْلَقًا اَنْہیں نذر پوری کرنے کا حکم دیا گیا ہے مگر یہ کہ وہ معصیت نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کا ارشاد ہے: ”اللہ تعالیٰ کی معصیت میں نذر کو پورا کرنا نہیں ہے“ (1) اور ارشاد فرمایا: ”جو اللہ کی اطاعت کرنے کی نذر مانے وہ اس کی اطاعت کرے اور جو اس کی نافرمانی کی نذر مانے وہ ادا نہ کرے“ (2)۔

وَ لِيَطَّوُّوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝ اس آیت میں طواف افاضہ کا ذکر ہے جو حج کے واجبات سے ہے۔ طبری نے کہا: مفسرین کا اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

مسئلہ نمبر 22۔ حج کے تین طواف ہیں۔ طواف قدوم، طواف افاضہ، طواف وداع۔ اسماعیل بن اسحق نے کہا: طواف قدوم سنت ہے۔ یہ مبراہق، مکی اور ہر اس شخص سے ساقط ہوتا ہے جو مکہ سے حج کا احرام باندھتا ہے فرمایا: واجب طواف کسی چیز سے ساقط نہیں ہوتا اور وہ طواف افاضہ ہے نویں ذوالحجہ کے بعد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثُمَّ لِيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُدُوْرَهُمْ وَ لِيَطَّوُّوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ فرمایا: یہ طواف کتاب اللہ میں فرض کیا گیا ہے۔ اس طواف کے ساتھ حاجی اپنے احرام سے فارغ ہو جاتا ہے۔ حافظ ابو عمر نے کہا: طواف افاضہ کے بارے میں اسماعیل نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ اہل مدینہ کے نزدیک امام مالک کا قول ہے۔ یہ ابن وہب، ابن نافع اور شہب کی ان سے روایت ہے۔ اور یہی فقہاء اہل حجاز و عراق کا نظریہ ہے۔ ابن القاسم اور ابن عبدالحکم نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ طواف قدوم واجب ہے۔ ابن القاسم نے المدونہ سے ذکر کیا ہے۔ اور اسے امام مالک سے بھی روایت کیا ہے کہ طواف واجب مکہ کی طرف آنے والے کا طواف ہے۔ فرمایا: جو مکہ میں دخول کے وقت طواف بھول گیا یا اس سے کوئی چکر بھول گیا یا سعی بھول گیا یا اس کا کوئی چکر بھول گیا حتیٰ کہ وہ اپنے شہر لوٹ آیا پھر یہ ذکر کیا: اگر اس نے بیوی سے جماعت نہیں کی تو مکہ کی طرف لوٹ آئے اور بیت اللہ کا طواف کرے اور دو رکعت نماز ادا کرے۔ پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے پھر ہدی دے اگر عورت سے جماعت کر چکا ہو تو لوٹ آئے، طواف کرے اور سعی کرے پھر عمرہ کرے اور ہدی دے۔ یہ بالکل اس شخص کی مانند حکم رکھتا ہے جو طواف افاضہ بھول گیا ہو۔ اس روایت پر دونوں طواف واجب ہیں اور سعی بھی واجب ہے اور رہا طواف صدر جس کو طواف وداع بھی کہا جاتا ہے تو ابن القاسم وغیرہ نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ جو بغیر وضو کے طواف افاضہ کرے وہ اپنے شہر سے لوٹ آئے اور طواف افاضہ کرے مگر اس کے بعد تطوع (نفل) ہوگا اس مسئلہ پر امام مالک اور ان کے اصحاب کا اجماع ہے۔ ان کے نزدیک واجب فرض طواف کی جگہ نفل طواف جائز ہے، اسی طرح ان کا اجماع ہے کہ جس نے حج میں کوئی نفل کام کیا اور وہ کام حج میں واجب تھا جبکہ اب اس کا وقت گزر گیا ہے تو اس کا وہ نفل کام واجب کے طور پر ہو جائے گا نفل کے لیے نہ ہوگا۔ بخلاف نماز کے۔ جب نفل حج میں فرض کے قائم مقام ہو جائے گا تو مکہ میں دخول کا طواف بھی طواف افاضہ کے قائم مقام بدرجہ اولیٰ ہو جائے گا مگر جو طواف وسویں کے دن جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارنے کے بعد ہو یا اس کے بعد ہو تو وہ وداع کے لیے ہوگا۔ ابن عبدالحکم کی روایت امام مالک سے اس

1۔ مسند عبدالرزاق، کتاب الایمان والنذر، لاندزنی معصیۃ اللہ، جلد 8، صفحہ 376

2۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذر، النذر فی الطاعة، جلد 2، صفحہ 991

کے برعکس ہے کیونکہ اس میں ہے کہ دخول مکہ کا طواف جو سعی کے ساتھ ہو وہ طواف افاضہ کے قائم مقام ہو جائے گا اس شخص کے لیے جو اپنے شہر کی طرف ہدی کے ساتھ لوٹ آیا ہو جیسا کہ طواف افاضہ سعی کے ساتھ قائم مقام ہو جاتا ہے اس شخص کے لیے جس نے ہدی کے ساتھ مکہ میں داخل ہوتے وقت طواف قدوم اور سعی نہ کی ہو اور جنہوں نے یہ کہا انہوں نے یہ بھی کہا: طواف دخول کو واجب کیا جائے اور طواف افاضہ کو بھی واجب کیا جائے کیونکہ یہ ایک دوسرے کے قائم مقام ہوتے ہیں نیز امام مالک سے مروی ہے کہ جو ان میں سے ایک طواف بھول جائے وہ اپنے شہر سے لوٹ آئے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حاجی پر صرف ایک طواف فرض کیا ہے۔ فرمایا: **وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ** اور آیت کے سیاق میں فرمایا: **وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ** اس آیت اور دوسری آیات میں ان کے نزدیک واؤ ترتیب کے لیے نہیں مگر توقیفی ہے۔ طبری نے عمرو بن ابی سلمہ سے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے فرمایا: میں نے زہیر سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: **وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ** کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ طواف وداع ہے۔ یہ دلیل ہے کہ یہ واجب ہے؛ یہ امام شافعی کا پہلا قول ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حیض والی عورت کو بغیر طواف کے جانے کی رخصت دی اور رخصت نہیں دی جاتی مگر واجب میں۔

مسئلہ نمبر 23۔ علماء کا البیت کی صفت العتیق کی وجہ میں اختلاف ہے مجاہد اور الحسن نے کہا: العتیق کا معنی قدیم ہے۔ کہا جاتا ہے: سیف عتیق پرانی تلوار۔ قد عتیق کا معنی ہے قدماں قول کی تائید نظر بھی کرتی ہے۔ صحیح میں ہے: انہ اول مسجد وضع فی الارض، (1) یہ پہلی مسجد ہے جو زمین میں بنائی گئی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کو عتیق اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو آزاد فرمایا ہے کہ کوئی جابر شخص ذلت کے ساتھ اس پر قیامت تک مسلط ہو؛ یہ معنی ابن زبیر اور مجاہد نے بیان فرمایا۔ امام ترمذی میں حضرت عبداللہ بن زبیر سے مروی ہے فرمایا نبی کریم ﷺ نے فرمایا: البیت العتیق (2) اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس پر کوئی جابر غالب نہیں آئے گا۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور نبی کریم ﷺ سے مرسل مروی ہے اگر کوئی حجاج بن یوسف کا حوالہ دے کہ اس نے کعبہ پر منجیق نصب کی تھی اور کعبہ کو توڑا بھی تھا تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کفار جابروں سے آزاد کیا کیونکہ اگر وہ سرکشی کرتے ہوئے اور بیت کی حرمت کا اعتقاد نہ رکھتے ہوئے آئیں گے اور کعبہ کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرتے ہوئے آئیں گے پس کفار سے اسے محفوظ کیا گیا یہ دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے جبراً پھیر دیا ہے رہے مسلمان جو اس کی حرمت کا اعتقاد رکھتے ہیں وہ بھی اگرچہ اس سے رک جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی منزلت پر وہ دلالت نہ ہوگی جس کی اس کے دشمنوں کو روکنے میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو نبی اور وعید کے ساتھ روکا ہے اور انہیں مجبوری اور اضطرار کی حالت میں نہیں پھیرا اور قیامت کو ان کے وعدہ کی جگہ بنایا اور قیامت بھی خوفناک اور کڑوی ہے۔ بعض نے کہا: اس کو عتیق اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ جگہ کبھی کسی کی ملکیت نہیں رہی۔ ایک طائفہ نے کہا: اس کو عتیق اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس میں مجرموں کو عذاب سے آزاد فرماتا ہے۔ بعض نے کہا: اس کو عتیق اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے طوفان میں غرق ہونے سے بچایا گیا؛ یہ ابن جبیر کا قول ہے۔ بعض

پر اطلاع ہو جائے تو اسے تعزیر لگائے اور اس کے متعلق لوگوں کو بتائے تاکہ وہ پہنچانا جائے اور کسی کو اپنی شہادت سے دھوکا نہ دے۔ اس کی شہادت میں حکم مختلف ہو جاتا ہے جب وہ توبہ کرے۔ اگر وہ پہلے اہل عدالت میں سے تھا عدالت کے ساتھ مشہور تھا اور اسے اچھا سمجھا جاتا تھا تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گا کیونکہ توبہ میں اس حالت تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں کیونکہ وہ پہلے سے زیادہ نیکیاں کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا۔ اور اگر پہلے وہ اتنا نیکی میں مشہور نہ تھا پھر توبہ کے بعد اس نے عبادت شروع کر دی اور تقویٰ کا پیکر بن گیا تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ صحیح میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے فرمایا:

ان اکبر الکبائر الا شرک باللہ و عقوق الوالدین و شهادة الزور و قول الزور (1)، یعنی بڑے سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹی بات کرنا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ:

ہوئے تھے آپ آخری جملہ کا تکرار کرتے رہے حتیٰ کہ ہم نے کہا: کاش! آپ خاموش ہو جاتے (2)۔

مسئلہ نمبر 7۔ حَقَّاءٌ بِاللّٰهِ اس کا معنی ہے مستقیم، مسلمان اور حق کی طرف مائل ہونا ہے۔ حنفاء کا لفظ اضداد میں سے ہے۔ استقامت پر واقع ہوتا ہے اور میل پر بھی واقع ہوتا ہے۔ اور حنفاء پر نصب حال کی بنا پر ہے۔ بعض نے کہا: حنفاء کا معنی حجاجا ہے یہ تخصیص ایسی ہے جس کے ساتھ کوئی حجت نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا حَرَّمَ مِنَ السَّمَاءِ يَه قِيَامَتِ كِى دِنِ اس كِى مَانِدِ هُو كَا** جو اپنے لیے نفع کا مالک ہوگا اور نہ اپنے سے ضرر و عذاب کو دور کر سکے گا وہ اس کی مانند ہوگا جو آسمان سے گرا ہو۔ پس وہ اپنے نفس کے دفاع پر قادر نہ ہوگا۔ **فَتَخَطَّفَهُ الطَّيْرُ** یعنی پرندوں نے اسے اپنے پنجوں سے کاٹ دیا ہو۔ بعض علماء نے کہا: یہ اس کی حالت اس کی روح کے نکلنے اور فرشتوں کے اس کی روح کو آسمان کی طرف لے جانے کے وقت ہوگی۔ آسمان کا دروازہ کھولا جائے گا پھر اس کی روح کو زمین کی طرف پھینک دیا جائے گا جیسا کہ حضرت براء کی حدیث میں ہے ہم نے اپنی کتاب **الحدیث** میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔ **السحیق** کا معنی بعید ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَسُحْقًا لِأَصْحَابِ السَّعْدِیْرِ** (الملك) اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **فسحقا فسحقا** (3) دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ۔

ذٰلِكَ ۙ وَ مَنۢ يُعَظِّمۡ شَعَاۤءَ بِرَآءِ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۢ تَقْوٰی الْقُلُوْبِ ۝۳۰ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ ۤاِلٰی
اَجَلٍ مُّسَدَّدٍ ۙ لَكُمْ مَجَلَّتْ اِلٰی الْبَيْتِ الْعَتِیْقِ ۝۳۱

”حقیقت یہ ہے اور جو ادب و احترام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا تو یہ (احترام) اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں تقویٰ ہے۔ تمہارے لیے موشیوں میں طرح طرح کے فائدے ہیں ایک معین مدت تک پھر ان کے ذبح کرنے کا مقام بیت حقیق کے قریب ہے۔“

اس میں سات مسائل ہیں:

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الکیاثر اکبرها، جلد 1، صفحہ 64

2۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب من سورۃ النساء، 2945

3۔ صحیح بخاری، کتاب الشہادۃ، باب قبیل شہادۃ الزور، جلد 1، صفحہ 362

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ، اس میں تین وجوہ ہیں۔ بعض نے کہا: مبتدا کی حیثیت سے محل رفع میں ہے تقدیر یوں ہوگی۔ ذٰلِكَ اَمْرًا لِلّٰہ۔ یہ بھی جائز ہے کہ مبتدا محذوف کی خبر کی حیثیت سے مرفوع ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ محل نصب میں ہو یعنی اتبعوا ذٰلِكَ۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ مَن يُعِظْمُ شَعًا بِرَ اللّٰہِ، الشعائر جمع ہے شعیرہ کی۔ ہر وہ چیز جس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی امر ہو جس سے وہ جانا پہنچانا جائے اسی سے جنگ میں قوم کا شمار ہوتا ہے، یعنی ان کی ایک علامت ہوتی ہے جس سے وہ پہچانے جاتے ہیں اسی سے اشعار البدن ہے اونٹ کی دائیں طرف میں نیزہ مارا جاتا ہے تاکہ خون بہہ جائے تو وہ اس کی علامت ہوتی ہے۔ یہ شعیرہ کا معنی مشعورہ ہے۔ شعائر اللہ سے مراد اس کے دین کی علامتیں ہیں خصوصاً جو حج کے مناسک کے متعلق ہیں۔ ایک قوم نے کہا: یہاں اس سے مراد اونٹوں کو موٹا کرنا اور اس کے معاملات کا اہتمام کرنا اور ان کو موٹا کرنے میں مبالغہ کرنا ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور ایک جماعت کا قول ہے (1)۔ اس میں ایک لطیف اشارہ ہے وہ یہ ہے بعض اوقات آدی اونٹ اس لیے خریدتا ہے کہ اس کی مجبوری ہوتی ہے وہ اخلاص پر دلالت نہیں کرتا اور جب جزا کے حصول کے لیے انہیں موٹا کرتا ہے تو اس سے شرع کی تعظیم کا عمل ظاہر ہوتا ہے یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 3۔ انہا کی ضمیر اس فعل کی طرف لوٹ رہی ہے جسے کلام اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے اگر وہ انہ فرمایا تو بھی جائز تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے ہا ضمیر شعائر کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی شعائر کی تعظیم۔ مضاف کو حذف کیا گیا کیونکہ کلام اس پر دلالت کر رہی ہے پس ضمیر کنایہ شعائر کی طرف راجع ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَاتِلَاهُم مِّن تَقْوٰی الْقُلُوْبِ ۝ الْقُلُوْبُ كورفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس بنا پر کہ تقویٰ مصدر کا فاعل ہے۔ تقویٰ کی نسبت قلوب کی طرف کی گئی ہے کیونکہ تقویٰ کی حقیقت دل میں ہوتی ہے، اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا: التَّقْوٰی هَا هُنَا (2) اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: تقویٰ یہاں ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ یعنی تمہارے لیے اونٹوں میں منافع ہیں سوار ہونا، دودھ حاصل کرنا، نسل بڑھانا، اون حاصل کرنا وغیرہ جب ان کا مالک ان کو بطور ہدی نہ بھیجے۔ جب وہ انہیں بطور ہدی بھیجے تو اس کے لیے مدت متعین ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: جب اونٹ بطور ہدی بھیجے تو ضرورت کے وقت ان پر سوار ہونا اور اس کے بچے سے جو دودھ بچے اس کے لیے منافع ہیں۔ صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اونٹ لے جاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ”اس پر سوار ہو جا“ اس نے عرض کی: حضور! یہ بدنہ ہے۔ فرمایا: ”سوار ہو جا“۔ اس نے پھر کہا: حضور! یہ بدنہ ہے۔ فرمایا: ”سوار ہو جا تیرے لیے ہلاکت ہو“ یہ دوسری یا تیسری مرتبہ فرمایا (3)۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے اور ہدی پر سوار ہونے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا میں نے نبی کریم

منہنہ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”جب تمہیں ضرورت ہو تو معروف طریقہ پر اس پر سوار ہوتی کہ تم دوسری سواری پالو“ (1)۔
الاجل السنی سے مراد اس قول کی بنا پر ان کو نخر کرنا ہے۔ یہ عطاء بن ابی رباح کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ بعض علماء نبی کریم صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ارشاد: ”تو اس پر سوار ہو جا“ کی وجہ سے بدنہ کی سواری کے وجوب کی طرف گئے ہیں اور جنہوں نے اس ارشاد کے ظاہر کو لیا ہے ان میں امام احمد، اسحاق اور اہل ظاہر ہیں۔ ابن نافع نے امام مالک سے روایت کیا ہے۔ بدنہ پر سوار ہونے میں کوئی حرج نہیں اور مشہور یہ ہے کہ امام مالک بغیر مجبوری کے اس پر سواری نہیں کرتے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی وجہ سے کیونکہ وہ مقید ہے اور مقید، مطلق پر غالب ہوتا ہے۔ اسی طرح امام شافعی اور امام ابو حنیفہ نے بھی کہا ہے، اور پھر جب ضرورت کی وجہ سے سوار ہوگا تو ضرورت پوری ہونے پر اتر جائے گا؛ یہ اسماعیل قاضی کا قول ہے۔ یہی وہ بات ہے جس پر امام مالک کا مذہب دلالت کرتا ہے۔ یہ اس کے برعکس ہے جو ابن قاسم نے ذکر کیا ہے کہ اس پر اترنا لازم نہیں اور ان کی دلیل نبی کریم صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا اس کی سواری کو مباح قرار دینا ہے۔ اور سرکارِ دو عالم صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا ارشاد: اذا الجئت الیہا حتی تجد ظہرا۔ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے قول کی حجت پر دلالت کرتا ہے؛ اور اسی طرح جو اسماعیل قاضی نے امام مالک کا مذہب بیان کیا ہے اس کی صحت پر دال ہے اور صراحت مروی ہے کہ نبی کریم صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے آدمی کو فرمایا: ”تو سوار ہو“۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے فرمایا: مباح سوار ہونا بھی اس کی کمی و نقصان کا باعث ہو تو اس پر اس کی قیمت ہے اور اسے صدقہ کرے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَمَّ مَجْلُهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ یعنی وہ بیت اللہ تک پہنچ جائے اور وہ طواف ہے پس محلہا بہ محرم کے احرام اتارنے سے ماخوذ ہے معنی یہ ہے کہ حج کے تمام شعائر و قوف عرفہ، ری جمار، سعی، بیت اللہ کے طواف افاضہ پر ختم ہوتے ہیں۔ اس تاویل پر بیت سے مراد بیت اللہ ہی ہے؛ یہ امام مالک نے مؤطا میں کہا ہے۔ عطا نے کہا: مکہ تک پہنچ جائے۔ امام شافعی نے کہا: حرم تک پہنچ جائے۔ اس بناء پر شعائر سے مراد بدن (اونٹ) ہیں۔ شعائر کے متعلق عموم کے قول ہوتے ہوئے تخصیص کی کوئی وجہ نہیں اور بیت اللہ کا ذکر خصوصیت کو لغو کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَدُكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةٍ إِلَّا نَعَامٌ ۝

قَالَهُمْ إِلَهًا وَاجِدْ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۝ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ۝

”اور ہر امت کے لیے ہم نے مقرر فرمائی ہے ایک قربانی تاکہ وہ ذکر کریں اللہ تعالیٰ کا اسم (پاک) ان بے زبان جانوروں پر ذبح کے وقت جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائے ہیں پس تمہارا خدا خدا واحد ہے تو اسی کے آگے سر جھکاؤ اور (اے محبوب) مژدہ سنائیے تو وضع کر نیوالوں کو“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَدُكُرُوا اسْمَ اللَّهِ تَعَالَىٰ فِي ذَبْحِهَا كَمَا ذَكَرْنَا لَكَ فِي آيَاتِنَا ۝ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی امت بھی اس حکم سے خالی نہ تھی۔ امت اس قوم کو کہتے ہیں جو ایک مذہب پر جمع ہو یعنی ہر مومن جماعت کے لیے ہم نے قربانی مقرر

فرمائی۔ المنسک کا معنی ذبح کرنا اور خون بہانا ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ کہا جاتا ہے: نسک جب ذبح کرے ینسک نسکاً، ذبیحہ کو نسیبکہ کہا جاتا ہے اس کی جمع نُسُک ہے اسی سے ہے اَوْصَدَقَةٌ اَوْ نُسُكٍ (البقرہ: 196) النسک کا معنی طاعت بھی ہے۔ ازہری نے اس قول وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا کے تحت فرمایا کہ یہاں یہ نحر کی جگہ پر دلالت کرتا ہے۔ مراد قربانی کی جگہ ہے۔ کہا جاتا: مَنْسِكٌ وَمَنْسِكٌ یہ دونوں لغتیں ہیں اور دونوں طرح پڑھا بھی گیا ہے۔ عاصم کے سوا کوفیوں نے سین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ فراء نے کہا: کلام عرب میں المنسک خیر و شر کی معاد جگہ کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا: اس سے مراد مناسک حج ہیں کیونکہ لوگ ان کی طرف بار بار لوٹتے ہیں وقوف عرفہ، رمی، جمار اور سعی۔ ابن عرفہ نے وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا کے متعلق کہا جب کوئی قوم پہلے مسلک پر چلے۔ پہلا قول اظہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِيَذُكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةٍ اِلَّا لِنَعْمٍ لِّىْ جِئْتُمْ مِنْ اِنۡفِثۡمِ اللّٰهِ تَعَالٰی كَا نَامِ لُو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کے ساتھ ذبح کرنے کا حکم دیا تاکہ ذبح اس کے لیے ہو کیونکہ اس کا عطا کرنے والا ہے پھر سابقہ امتوں کے متعلق خبر دینے کے لفظ سے حاضرین کی خبر دینے کی طرف رجوع کیا اس کا معنی ہے فرمایا: تم تمام کے لیے ایک خدا ہے اسی طرح ذبیحہ کے امر میں ہے اس کی خاطر ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَاۤ اَسۡلٰمَ اِلَّا لِمَنۡ اَسۡلَمَ اِلَیۡہِ سِرًّا وَّ اَعۡلٰنًا وَّ کَانَ مِنَ اللّٰہِ اٰمِنًا۔ اس کی وجہ سے اس کے انعام کی بنا پر ایمان لے آؤ اور اسلام قبول کرو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد اطاعت کرنا اور سرنگوں کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ بَشِّرِ الْمُخۡبِتِیۡنَ ﴿۱۰﴾، المخبت تو اضع کرنے والا شخص مراد ہے۔ الخبت کا معنی ہے جو زمین کے نیچے ہے اور یعنی انہیں ثواب اور جزا کی بشارت دو۔ عمرو بن اوس نے کہا: المخبتون وہ لوگ ہوتے ہیں جو ظلم نہیں کرتے جب ان پر ظلم کیا جاتا ہے تو انتقام نہیں لیتے۔ مجاہد نے کہا: سفیان نے ابن جریج سے روایت کیا ہے المخبتون جو اللہ کے حکم پر مطمئن ہوتے ہیں۔

الَّذِينَ إِذَا ذُكِرُوا اللّٰهُ وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمۡ وَالصّٰبِرِیۡنَ عَلٰۤی مَاۤ اَصَابَهُمۡ وَالصّٰبِرِیۡنَ الصّٰلِحِیۡنَ الصّٰلِحِیۡنَ

وَمِمَّا رَزَقْنٰہُمْ یَتَفَقَّحُوۡنَ ﴿۱۱﴾

”وہ لوگ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور جو صبر کرنے والے ہیں ان (مصائب و آلام) پر جو پہنچتے ہیں انہیں اور جو صحیح ادا کرنے والے ہیں نماز کو اور ان چیزوں سے جو ہم نے انہیں عطا فرمائی ہیں وہ خرچ کرتے ہیں۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمْ یعنی ان کے دل اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے ڈرتے ہیں اس کے ذکر کے وقت خوف اور ڈر سے متصف ہوتے ہیں یہ ان کی قوت یقین اور اپنے رب کی طرف توجہ کے سبب ہوتا ہے گویا وہ اس کے سامنے ہیں اور ان کا وصف بیان فرمایا کہ وہ صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اس پر دوام اختیار کرتے ہیں۔

روایت ہے کہ یہ آیت **وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ** حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی۔ جمہور نے الصلاة کو اضافت کی وجہ سے مجرور پڑھا ہے (1) اور ابو عمرو نے الصلاة کو نون کے توہم کی بنا پر منصوب پڑھا ہے (2)۔ اسم کی طوالت کی وجہ سے نون کا حذف تخفیف کے لیے ہے۔ سیبویہ نے یہ دلیل دی ہے: **العافظوا عورة العشييرة۔**

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت اس قول کی طرح ہے: **إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ** (الانفال)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِي تَشَعَّرُ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ (الزمر: 23)**

یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والوں اور اس کی سطوت و عقوبت سے ڈرنے والوں کی حالت ہے نہ کہ جہال عوام اور بدعتیوں کی جو شور مچاتے ہیں اور گدھوں کے بینگنے کی طرح بینگتے ہیں۔ پس جو ایسا او ویلا کرتا ہے اور اسے وجد اور خشوع کہا جاتا ہے تو کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کے خوف اور اس کے جلال میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کی حالت کو نہیں پہنچ سکتا اس کے باوجود وعظ کے وقت وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اہل معرفت کی اس کے ذکر اور قرآن کی تلاوت کے وقت کے احوال کی تعریف کی ہے جو اس کیفیت میں نہیں ہوتا وہ ہدایت اور ان کے راستہ پر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ** (المائدہ)

یہ ان کے حال کی صفت ہے اور مقال کی حکایت ہے پس جو سنت پر عمل کرنے والا ہے وہ سنت پر عمل کرے اور جو مجاہدین اور جنوں کے احوال کرے تو وہ ان کی بنسبت بری ترین حالت پر ہے جنوں فنون ہے۔ صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیے اور سوالوں کی کثرت کی۔ ایک دن آپ نکلے اور منبر پڑ چڑھے فرمایا: **سلوني لاتسالوني عن شئ اذلا بينته لكم مادمت في مقامى هذا (3)**۔ مجھ سے پوچھو تم کسی چیز کے بارے سوال نہیں کرو گے مگر میں تمہیں اس کے متعلق بتاؤں گا جب تک میں اس جگہ پر کھڑا ہوں۔ جب لوگوں نے یہ سنا تو وہ خاموش ہو گئے اور ڈر گئے کہ کوئی امر آچکا ہے۔ حضرت انس نے فرمایا: میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا تو ہر انسان اپنا سراپے کپڑوں میں چھپائے ہوئے رو رہا تھا (الحديث)۔ اس مسئلہ میں گفتگو سورہ انفال میں تفصیلاً گزر چکی ہے۔ والحمد لله۔

وَالْمَدَنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ ۗ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَآفَ ۗ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَاكُلُوا مِنْهَا وَاَطِعُوا الْقَانِئَةَ وَالْمُعْتَرَّ ۗ كَذٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٠﴾

”اور قربانی کے فریہ جانوروں کو ہم نے بنایا ہے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے تمہارے لیے ان

میں بھلائی ہے پس لو اللہ تعالیٰ کا نام ان پر اس حال میں کہ ان ایک پاؤں بندھا ہو اور تین پر کھڑے ہوں پس جب وہ گر پڑیں کسی پہلو پر تو خود بھی کھاؤ اس سے نیز کھلاؤ قناعت کرنے والے فقیر کو اور بھیک مانگنے والے کو، اس طرح ہم نے فرمانبردار بنا دیا ان جانوروں کو تمہارے لیے تاکہ تم (اس احسان کا) شکر یہ ادا کرو۔

اس میں دس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالْبُذُنَ ابْنِ اسْحَاقَ نَزَّ وَالْبُذُنَ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں اس کا واحد بدنۃ ہے جیسے کہا جاتا ہے: ثَمْرَةٌ وَشُرُوثُنُّ، خشبۃ کی جمع خُشْبٌ وَخُشْبٌ۔ قرآن حکیم میں ہے: وَكَانَ لَهُ شَرٌّ (الکہف: 34) ثَمْرٌ بھی پڑھا گیا ہے یہ دو لغات ہیں۔ اس کو بدنۃ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ موٹا ہوتا ہے۔ البدانۃ کا معنی موٹا پا ہے۔ بعض علماء نے کہا یہ اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔ بعض نے کہا: البدن، بدن کی جمع ہے باء اور دال کے فتح کے ساتھ، کہا جاتا ہے: بدن الرجل دال کے ضم کے ساتھ جب آدمی موٹا ہو جائے۔ بدن جب آدمی بڑی عمر کا ہو جائے۔ حدیث میں ہے: انی بدننت (1) یعنی میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ بدننت مروی ہے اس کا کوئی معنی نہیں کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کی صفت کے خلاف ہے اس کا معنی ہے گوشت کا زیادہ ہونا۔ کہا جاتا ہے: بدن الرجل بدنًا و بدانۃ فهو بادن یعنی موٹا ہونا۔

مسئلہ نمبر 2۔ علماء کا اختلاف ہے کہ وَالْبُذُنَ کا اطلاق اونٹ کے علاوہ گائے پر ہوتا ہے یا نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، عطا اور شافعی نے کہا: گائے پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے کہا: اس کا اطلاق گائے پر ہوتا ہے۔ اختلاف کا فائدہ اس وقت مرتب ہوتا ہے جب کوئی شخص بدنہ کی نذر مانے اور پھر وہ اونٹ نہ پائے اور اونٹ پر قادر نہ ہو اور گائے پر قادر ہو تو کیا گائے اس نذر میں جائز ہوگی یا نہیں؟ امام شافعی اور عطا کے مذہب پر جائز نہ ہوگی اور امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے مذہب پر جائز ہوگی۔ صحیح مذہب امام شافعی اور عطا کا ہے کیونکہ صحیح حدیث ”جمعہ کے دن کے بارے میں جو پہلی گھڑی میں مسجد کی طرف گیا گویا اس نے بدنہ (اونٹ) کی قربانی کی جو دوسری گھڑی میں پہنچا اس نے گویا گائے کی قربانی کی“ (2)۔ نبی کریم ﷺ نے گائے اور اونٹ میں تفریق فرمائی۔ یہ دلیل ہے کہ گائے کو بدنہ نہیں کہا جاتا اور اسی طرح فاذا وجبت جنوبھا بھی اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ وصف اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔ گائے، بکری کی طرح پہلو کے بل لٹائی جاتی ہے اور ذبح کی جاتی ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ ہماری دلیل کہ بدنہ، بدانتہ سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے موٹا پا۔ تو موٹا پا دونوں میں پایا جاتا ہے، نیز گائے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خون بہانے کے اعتبار سے اونٹ کی طرح ہی ہے قربانی گائے کی ہو تو اس میں سات حصص جائز ہیں جیسے اونٹ میں سات حصص جائز ہیں۔ یہ امام ابوحنیفہ کی حجت ہے۔ امام شافعی نے اس پر ان کی موافقت کی ہے یہ ہمارے مذہب میں نہیں ہے۔ ابن شجرہ نے حکایت کیا ہے۔ بکری کو بھی بدنہ کہا جاتا ہے۔ یہ شاذ قول ہے۔ البدن

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، ما یومر بہ الساموہ، جلد 1، صفحہ 91

ایضاً، سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ والسنة فیہا، باب النہی عن ان یسبق الامام بالرکوع والسجود، حدیث نمبر 952

2۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، فضل الجمعہ، جلد 1، صفحہ 121

سے مراد اونٹ ہیں جو کعبہ کی طرف بھیجے جاتے ہیں اور الہدی کا لفظ عام ہے اس کا اطلاق اونٹ، گائے اور بکری پر ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **قِنْ شَعًا** پر اللہ یہ نص ہے کہ یہ شعائر کا بعض ہیں۔ **لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ** اس سے مراد وہ منافع ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ درست عموم ہے یعنی دنیا و آخرت کی خیر۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوًّا** آف یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لے کر نحر کرو۔ **صَوًّا** آف جن کے پاؤں باندھے گئے ہوں اونٹ کھڑا ہوا نحر کیا جاتا ہے جبکہ اس کا ایک پاؤں باندھا گیا ہوتا ہے۔ اس وصف کی اصل گھوڑے میں ہے۔ کہا جاتا ہے: **صَفْنُ الْفَرَسِ** فهو صافن جب گھوڑا تین پاؤں پر کھڑا ہو چوتھے پاؤں کا سُم صرف لگائے ہوئے ہو۔ اونٹ کو جب وہ نحر کرنے کا ارادہ کرتے تو اس کا ایک پاؤں باندھ دیتے اور تین پاؤں پر کھڑا ہوتا۔ حسن، اعرج، مجاہد، زید بن اسلم اور حضرت ابو موسیٰ اشعری نے صوائی پڑھا ہے۔ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے وہ اس کے ساتھ ان کو نحر کرتے وقت کسی کو شریک نہیں کرتے۔ حسن سے صواف فاء کے کسرہ اور تینوں کے ساتھ مخففہ مروی ہے (1)۔ یہ پہلے لفظ کے معنی میں ہے لیکن بغیر قیاس کے تخفیفاً یا حذف کی گئی ہے اور صواف جمہور کی قرأت ہے۔ فاء کے فتح اور شد کے ساتھ یہ صفت یصفت سے مشتق ہے اس کا واحد صافۃ ہے اور صوائی کا واحد صافیۃ ہے۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، ابن عباس اور ابو جعفر، محمد بن علی نے صوافن نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ صافن تک جمع ہے اس کا واحد صافن نہیں ہے کیونکہ فاعل کی جمع فواعل کے وزن پر نہیں آتی سوائے مخصوص الفاظ کے جن پر قیاس نہیں کیا جاتا۔ وہ یہ الفاظ ہیں۔ فارس جمع فوارس، هالك جمع هوالك، خالف جمع خوالف۔ الصافنة وہ اونٹ جس کا ایک پاؤں باندھ کر اوپر کیا گیا ہوتا ہے تاکہ حرکت نہ کرے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **الصَّفْنَةُ الْجَيَادُ** (ص)

عمر و بن کلثوم نے کہا:

ترکنا الخیل عاکفة علیہ مقلدۃ أعتتھا صُفونا

اور مروی ہے:

تظل جیادۃ نوحا علیہ مقلدۃ أعتتھا صفونا

اور ایک شاعر نے کہا:

ألف الصّفون ما یزال کأنه مما یقوم علی الثلاث کسیراً

ابو عمرو جری نے کہا: الصافن اگلے پاؤں میں ایک رگ ہے جب گھوڑے کو مارا جاتا ہے تو وہ پاؤں اٹھا لیتا ہے۔
اعش نے کہا:

وکل کیت کجذم السحوق یزمن الفناء اذا ما صفن

مسئلہ نمبر 5۔ ابن وہب نے کہا: ابن ابی ذؤب نے مجھے بتایا کہ ابن شہاب سے انہوں نے الصواف کے متعلق

پوچھا تو انہوں نے کہا: تو اس کو باندھے پھر اس کا وصف بیان کرے۔ حضرت مالک بن انس نے مجھے اسی کی مثل بتایا۔ علماء اس کے استحباب کے قائل ہیں مگر امام ابوحنیفہ اور ثوری ان کو کھڑا کر کے اور بٹھا کر نحر کرنا بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ عطا نے شاذ قول کہا ہے، اس نے مخالفت کی ہے اور بٹھا کر نحر کرنے کو مستحب کہا ہے۔ صحیح قول جمہور کا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهُمْ** اس کا معنی ہے نحر ہونے کے بعد جب وہ گر جائیں۔ اسی سے ہے: **وَجِبَتِ الشَّمْسُ** سورج غروب ہوا۔ صحیح مسلم میں زیاد بن جبیر سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک شخص کے پاس آئے وہ اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا (1)۔ آپ نے فرمایا: اس کو کھڑا کرو ایک پاؤں باندھو یہ تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ ابو داؤد نے ابو زبیر سے انہوں نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے اور مجھے عبدالرحمن بن سابط نے خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اونٹوں کو اس طرح نحر کرتے تھے کہ ان کا بائیں پاؤں باندھا ہوتا تھا اور تین پاؤں پر کھڑے ہوتے تھے (2)۔

مسئلہ نمبر 6۔ امام مالک نے کہا: انسان کمزور ہو یا اسے اونٹ کے بھاگ جانے کا خوف ہو تو میں کوئی حرج نہیں دیکھتا کہ وہ باندھ کر نحر کرے۔ بہتر یہ ہے کہ اونٹ کھڑا ہو باندھا ہو انہ تو نحر کیا جائے مگر ایسا مشکل ہو تو باندھا جائے اور کوئی نہیں نہ اٹھائے مگر یہ کہ اسے کمزوری کا خوف ہو یا اس پر طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے بٹھا کر نحر کرنا افضل ہے نسبت کوئی نہیں کاٹنے کے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جوانی میں اپنے ہاتھوں میں نیزہ لیتے تھے اور اونٹ کے سینے میں مارتے تھے اور اس کی کہان سے نکالتے تھے جب بوڑھے ہو گئے تھے تو کمزوری کی وجہ سے بٹھا کر نحر کرتے تھے۔ ان کے ساتھ ایک اور شخص نیزہ پکڑتا تھا اور ایک شخص اس کی مہار پکڑتا تھا۔ گائے اور بکری کو لٹا کر ذبح کیا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 7۔ بالا جماع دسویں کے دن فجر سے پہلے نحر کرنا جائز نہیں اور اسی طرح قربانی بھی فجر سے پہلے جائز نہیں جب فجر طلوع ہو تو منیٰ میں نحر کرنا حلال ہو جاتا ہے ان لوگوں پر امام کے نحر کرنے کا انتظار ضروری نہیں بخلاف دوسرے شہروں کے۔ ہر حاجی کے لیے منیٰ نحر کرنے کی جگہ ہے اور ہر عمرہ کرنے والے کیلئے مکہ منحر ہے اگر حاجی مکہ میں نحر کرے اور عمرہ کرنے والا منیٰ میں نحر کرے تو کوئی حرج نہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهُمْ** سورج غروب ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے: **وَجِبَتِ الشَّمْسُ** اور جب دیوار گر جاتی ہے تو کہتے ہیں: **وَجِبَتِ السَّائِبَةُ**۔ قیس بن خطیم نے کہا:

أطاعت بنوعوف أميرا نها هم عن السلم حتى كان أول واجب

اوس بن حجر نے کہا:

ألم تكسف الشمس والبدر وال كواكب للجيل الواجب

پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهُمْ** یعنی جب مردہ ہو کر پہلو کے بل گر پڑیں۔ پہلو کے بل گرنے کو موت

1۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، استحباب النحر الاہل، جلد 1، صفحہ 424

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحج، کیف تنحر البدن، جلد 1، صفحہ 246

سے کنایہ کیا جیسا کہ: **فَاذْكُرُوا اللَّهَ عَلَيْهَا** کے ارشاد سے ذبح اور نحر سے کنایہ ہے۔ کنایات اکثر مواقع میں تصریح سے زیادہ بلغ ہوتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

فتركتہ جزر السباع ينشئه ما بين قله رأسه والبعضم

عشرہ نے کہا: وضربت قرنی کبشہا فتجدلا یعنی مقتول ہو کر زمین کی طرف گر پڑا۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں اور الوجوب للجنب بعد النحر خون کے نکلنے اور روح کے نکلنے کی علامت ہے اور وہ کھانے کا وقت ہے یعنی کھانے کے وقت کے قریب، کیونکہ پہلے اس کی کھال اتاری جاتی ہے اور ذبیحہ میں سے کچھ کاٹا جاتا ہے پھر پکا یا جاتا ہے اور کھال نہیں اتاری جاتی حتیٰ کہ ٹھنڈا ہو جائے کیونکہ اس سے پہلے کھال اتارنا اسے عذاب دینے کے باب سے ہے اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: روح کے نکلنے سے پہلے کھال اتارنے میں جلدی نہ کرو۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَكُلُوا مِنْهَا** امر بمعنی ندب ہے تمام علماء کے نزدیک ہدی کے گوشت سے کچھ کھانا مستحب ہے اس میں اجر اور حکم کی پیروی ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی ہدی سے نہیں کھاتے تھے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ابوالعباس بن شریح نے کہا: خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا مستحب ہے۔ ان میں سے جس پر چاہے اکتفا کر لے۔ امام شافعی نے فرمایا: کھانا مستحب ہے اور دوسروں کو کھلانا واجب ہے اگر تمام گوشت دوسروں کو کھلا دے تو بھی جائز ہے۔ اگر تمام خود کھالے تو جائز نہیں یہ اس صورت میں ہے جب ہدی نقلی ہو اور واجب ہدی اس سے کھانا جائز نہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَاطْعُوا الْقَائِنَةَ وَالْمُعْتَرَّ** مجاہد، ابراہیم اور طبری نے کہا: اطعموا کا امر اباحت کے لیے ہے۔ **الْقَائِنَةَ** سے مراد سائل ہے۔ کہا جاتا ہے: **قنم الرجل يقنم قنوعاً** جب کوئی سوال کرے ماضی میں نون کے فتح کے ساتھ ہے اور مضارع میں کسرہ کے ساتھ ہے۔ **يقنم قناعة** فهو قنم جب کوئی سوال کرنے سے بچے اور تھوڑی سی چیز کے ساتھ مستغنی ہو جائے اور سوال نہ کرے جیسے: **حمد يحد۔ قناعة وقنعا وقنعا**؛ یہ خلیل کا قول ہے۔ پہلے سے شاخ کا قول ہے:

لَمَّا السراء يَصْلِحُهُ فَيَغْنَى مَفَاقِرَهُ أَعْفُ مِنْ الْقُنُوعِ (1)

ابن السلت نے کہا: بعض عربوں نے قنوع بمعنی قناعت ذکر کیا ہے جس کا معنی ہے راضی ہونا، سوال کرنے سے بچنا اور سوال نہ کرنا۔ ابورجاء سے مروی ہے کہ انہوں نے: **اطعموا القنم** پڑھا ہے یہ پہلے مفہوم کے مخالف ہے۔ کہا جاتا ہے: **قنم الرجل فهو قنم** جب کوئی راضی ہو۔ رہا المعتز تو یہ وہ شخص ہوتا ہے جو تیرے ارد گرد چکر لگاتا ہے وہ طلب کرتا ہے وہ تیرے پاس ہے خواہ وہ سوال کرے یا خاموش رہے۔ محمد بن کعب قرظی، مجاہد، ابراہیم، کلبی، حسن بن ابی الحسن نے کہا: المعتز جو بغیر سوال کے سامنے آتا ہے۔ زہیر نے کہا:

على مكثريهم رنق من يعترهم وعند البقنين الساحة والبذل

امام مالک نے کہا: جو میں نے بہتر سنا ہے وہ یہ ہے کہ القان غمقیر ہے اور المعتذر اتر ہے۔ حسن سے مروی ہے کہ انہوں نے المعتری پڑھا ہے۔ اس کا معنی بھی المعترو والا ہے۔ کہا جاتا ہے: اعتزہ واعتراه وعترہ وعراہ جو کسی کے پاس اس کے لیے تعرض کرے یا طلب کرے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔

لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومَهَا وَلَا دِمَاؤها وَلَكِنْ يَنَالُهُ الثَّقَوَىٰ مِنْكُمْ ۗ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ

لِتَكْتَبُواَ اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۴۱

”نہیں پہنچتے اللہ تعالیٰ کو ان کے گوشت اور نہ ان کے خون البتہ پہنچتا ہے اس کے حضور تقویٰ تمہاری طرف سے، یوں اس نے فرمانبردار بنا دیا ہے انہیں تمہارے لیے تاکہ تم بڑائی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی اس (نعمت) پر کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے اور (اے حبیب!) خوشخبری دیجیے احسان کرنے والوں کو۔“

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومَهَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: زمانہ جاہلیت میں لوگ اونٹوں کا خون بیت اللہ پر مل دیتے تھے پھر مسلمانوں نے بھی ایسا کرنے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی، النیل باری تعالیٰ کے متعلق نہیں ہوتا لیکن قبولیت کی مجازی تعبیر ہے مطلب یہ ہے کہ اس کی بارگاہ میں نہیں پہنچے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کی طرف بلند نہیں ہوگا۔ ابن عیسیٰ نے کہا: ان کے گوشت اور خون قبول نہیں کرے گا لیکن اس کی بارگاہ میں تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے یعنی جو اس کی ذات کا ارادہ کیا گیا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور وہ اس کی طرف بلند ہوتا ہے، وہ اسے سنتا ہے اور اس پر ثواب دیتا ہے؛ اسی سے حدیث ہے: ”اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے“ (1) اور لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ وَيَنَالُهُ دُونَ جِلْدِ بَإٍ کے ساتھ ہے اور یعقوب سے دونوں جگہ اللحوم کا اعتبار کرتے ہوئے تاء کے ساتھ مردی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ اللّٰهَ تَعَالٰی نے اتنے بڑے بڑے جانوروں کو ہمارے لیے مطیع بنا کر اور ہمیں ان پر تصرف کی قدرت دے کر ہم پر احسان فرمایا، حالانکہ بدن اور اعضاء کے اعتبار سے ہم سے قوی ہیں اور بڑے ہیں۔ یہ اس لیے ہے تاکہ بندے کو معلوم ہو جائے یہ امور ایسے نہیں جیسے بندے کے لیے ظاہر ہوتے ہیں بلکہ یہ ایسے ہوتے ہیں جیسے وہ غالب وقادر ارادہ فرماتا ہے۔ پس چھوٹا، بڑے پر غالب ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِتَكْتَبُواَ اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ اللّٰهَ تَعَالٰی نے اس سے قبل آیت میں ان جانوروں پر اپنا نام ذکر کرنے کو بیان کیا تھا فرمایا: فَادْكُرُوا اللّٰهَ عَلَيْهَا اور اب یہاں تکبیر کا ذکر فرمایا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں کو جمع فرماتے تھے جب ہدیٰ کو نحر کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے بسم اللہ واللہ اکبر یہ ان کی فقہ سے ہے۔ صحیح میں حضرت انس سے مروی ہے فرمایا: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سینگوں والے چکبرے میں ذبح کیے (2)، اور فرمایا: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

1۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، کیف کان ہدیہ الوصال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 1، صفحہ 2

2۔ صحیح بخاری، کتاب الحج، نحر البدن بیدہ، جلد 1، صفحہ 231

کو انہیں ہاتھ سے ذبح کرتے دیکھا اور میں نے دیکھا کہ آپ اپنا قدم ان کے کندھے پر رکھے ہوئے تھے آپ نے بسم اللہ اور تکبیر پڑھی۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ ابو ثور نے کہا: ذبح میں بسم اللہ متعین ہے جس طرح نماز میں تکبیر متعین ہے اور تمام علماء اس کے استحباب پر متفق ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کوئی اور اسم ذکر کر دے اور اس سے بسم اللہ کا ارادہ کرے تو بھی جائز ہے اسی طرح اگر صرف اللہ اکبر کہا یا لا الہ الا اللہ کہا تو بھی جائز ہے؛ یہ ابن حبیب کا قول ہے۔ اگر اس سے بسم اللہ کا ارادہ نہ کیا تو بسم اللہ کی طرف سے جائز نہ ہوگا اور جانور نہیں کھایا جائے؛ یہ امام شافعی اور امام محمد بن حسن کا قول ہے۔ ہمارے اصحاب اور دوسرے علماء کے نزدیک ذبح کے وقت نبی کریم ﷺ پر درود یا آپ کا ذکر مکروہ ہے اور فرماتے ہیں: ذبح کے وقت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔ امام شافعی نے ذبح کے وقت نبی کریم ﷺ پر درود کو جائز کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جمہور علماء کا خیال ہے کہ قربانی کرنے والے کا اللهم تقبل منی اے اللہ! میزبانی طرف سے قبول فرما۔ کہنا جائز ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ نے مکروہ کہا ہے۔ اور امام صاحب پر حجت حضرت عائشہ کی روایت ہے جس میں ہے پھر کہا: باسم اللہ تقبل من محمد وآل محمد ومن امة محمد (1) پھر اس کو قربان کیا۔ بعض علماء نے نص قرآنی رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۗ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۰۰﴾ (البقرہ) کی وجہ سے یہ کہنا مستحب ہے۔ امام مالک نے یہ قول مکروہ کہا ہے: اللهم منك واليك۔ امام مالک نے فرمایا: یہ بدعت ہے۔ ابن حبیب جو ہمارے علماء میں سے ہیں اور حسن نے اس کو جائز قرار دیا ہے ان دونوں کے قول کی صحت کی دلیل ابو داؤد کی روایت ہے جو انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کی ہے (2) فرمایا: نبی کریم ﷺ نے ذبح کے دن دو سینگوں والے خصی چنگبرے مینڈھے ذبح کیے جب انہیں لٹایا تو یہ پڑھا: اِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيفًا اِلٰی قَوْلِهِ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۗ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَدَلَّكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَامَّةٍ بِاسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهِ اَكْبَرُ ۗ ذَبَحَ ۗ فَرَزِحَ ۗ فَرَمَا ۗ شَايِدَ ۗ اِمَامُ مَالِكٍ كُوَيْدَ ۗ خَيْرٌ ۗ نَبِيْحِي ۗ هُوَ اِيَّا اِن كَرَزِدِكُ ۗ صَحِيْحٌ ۗ نَهْ ۗ يٰعَمَلُ ۗ اِس كَرْمَخَالِفُ ۗ دِيكْحَا ۗ هُوَ اِس بِنَا ۗ فَرَمَا ۗ يٰبِدْعَتُ ۗ هِي ۗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ۗ

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱۰﴾ روایت ہے کہ یہ خلفاء اربعہ کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ اس سے پہلے آیت میں گزرا ہے۔ لفظ کا ظاہر عموم کا تقاضا کرتا ہے کہ ہر محسن کے بارے میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّٰنٍ كَفُوْرٍ ﴿۱۱۰﴾

”یقیناً اللہ تعالیٰ حفاظت کرتا ہے اہل ایمان کی (کفار کے مکروہ فریب سے) بیشک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کسی دھوکا باز احسان فراموش کو“۔

روایت ہے کہ یہ مومنین کے سبب نازل ہوئی جب مکہ میں ان کی کثرت ہوئی تو کفار نے انہیں اذیتیں دیں اور بعض حبشہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 2، صفحہ 155

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، ما یستحب من الضحایا، جلد 2، صفحہ 30۔ ایضاً سنن ابن ماجہ، باب اضاحی رسول اللہ ﷺ، 3111

کی طرف ہجرت کر گئے اور بعض مومنین نے ارادہ کیا کہ جس کافر پر غالب آئیں اسے قتل کر دیں اور دھوکہ اور حیلہ سازی کی کوشش کریں تو یہ آیت نازل ہوئی اس میں اللہ تعالیٰ نے مدافعت کا وعدہ فرمایا اور خیانت و عذر سے بڑے بلیغ انداز میں منع فرمایا۔ دھوکہ دینے میں شدت سورۃ الانفال میں بھی گزر چکی ہے۔ ”قیامت کے روز دھوکہ دینے والے کے لیے اس کی سرین کے پاس ایک جھنڈا گاڑھا جائے گا جو اس کے دھوکا کی مقدار کا ہوگا“ (1)۔ کہا جائے گا: یہ فلاں کا دھوکہ ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ مومنین کو ہمیشہ توفیق عطا فرماتا رہے گا حتیٰ کہ ایمان ان کے دلوں میں راسخ ہو جائے گا اور کفار ان کو اپنے دین سے پھیرنے پر قادر نہ ہوں گے اگرچہ اکراہ جاری رہے گا پس اللہ تعالیٰ انہیں محفوظ رکھے گا حتیٰ کہ وہ دلوں سے مرتد نہ ہوں گے۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ حجت کے ذریعے مومنین کو بلندی عطا فرمائے گا پھر کسی کافر کا مومن کو قتل کرنا نادر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس مومن کا دفاع اس طرح کرے گا کہ اسے اپنی رحمت میں لے لے گا۔ نافع نے یدافِع اور لولا دفاع پڑھا ہے۔ ابو عمرو، ابن کثیر نے یدفاع اور لولا دفع پڑھا ہے۔ عاصم، حمزہ اور کسائی نے یدافِع اور لولا دفع اللہ پڑھا ہے۔ یدافِع بمعنی یدفع ہے جیسے عاقبت اللص ہے اور عافاہ اللہ ہے مصدر دفعاً ہے۔ زہری نے حکایت کیا ہے کہ دفاعاً، دفع کا مصدر ہے جیسے حساب کا مصدر حساباً ہے۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا ۗ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٢٦﴾

”اذن دیا گیا ہے (جہاد کا) ان (مظلوموں) کو جن سے جنگ کی جاتی ہے اس بنا پر کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بیشک اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر پوری طرح قادر ہے۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلَمُوا ۗ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٢٦﴾۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّ اللَّهَ يُدْفِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کفار کے گروہوں کو مومنین سے اس طرح دور کرے گا کہ انہیں کفار سے جہاد کرنے کی اجازت دے گا اور ان کی مدد کرے گا۔ اس میں اضمار ہے یعنی اجازت دے دی گئی ہے جنگ کی انہیں جو جنگ کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ پس کلام کو حذف کیا گیا کیونکہ موجودہ کلام محذوف کلام پر دلالت کر رہی ہے۔ ضحاک نے کہا نبی پاک ﷺ کے صحابہ کرام نے کفار سے جنگ کرنے کی اجازت طلب کی کیونکہ کفار نے مکہ میں انہیں اذیتیں دی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ جب ہجرت کی تو یہ آیت نازل ہوئی: أُذِنَ لِلَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَإِنَّ اللَّهَ يُدْفِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ۔ یہ ناسخ ہے ہر اس حکم کے لیے جو قرآن میں اعراض اور ترک اور درگزر کرنے بارے میں آیا ہے یہ پہلی آیت ہے جو جہاد کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن جبیر نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کے وقت نازل ہوئی (2)۔ نسائی اور ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: جب نبی کریم ﷺ مکہ سے نکلے تو

1۔ جامع ترمذی، ابواب الفتن، جلد 2، صفحہ 42

2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 124۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب من سورۃ الحج، 3095

حضرت ابوبکر نے کہا: انہوں نے اپنے نبی کو نکالا ہے یہ ضرور ہلاک ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اُذِنَ لِلَّذِينَ... الخ، حضرت ابوبکر نے کہا: مجھے معلوم تھا قتال ضرور ہوگا۔ فرمایا: یہ حدیث حسن ہے بہت سے راویوں نے سفیان سے انہوں نے اعمش سے انہوں نے مسلم الہطین سے انہوں نے سعید بن جبیر سے مرسل روایت کی ہے اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ اباحت شرع سے ہے جبکہ معتزلہ کا نظریہ اس کے خلاف ہے کیونکہ اُذِنَ کا معنی اُبیح ہے یہ لفظ ہر ممنوع چیز کی اباحت کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ یہ مفہوم سورہ بقرہ اور دوسرے مقام پر گزر چکا ہے۔ یہ اذن ہمزہ کے فتح کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی اللہ نے اجازت دی۔ یقاتلون تا کے کسرہ کے ساتھ ہے، یعنی مشرک ان سے لڑتے ہیں اور وہ مومنین ہیں اسی لیے فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ظَلَمُوا انہیں اپنے شہروں سے نکال کر ان پر ظلم کیا گیا۔

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ
النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفُتَّ مَتَّ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ
اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢٠﴾

”وہ (مظلوم) جن کو نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے ناحق صرف اتنی بات پر کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ بچاؤ نہ کرتا لوگوں کا انہیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر تو (طاقتور کی غارتگری سے) منہدم ہو جاتیں خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو ان (کے دین) کی مدد کرے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا اور سب پر غالب ہے۔“

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ یہ ان کے مظالم میں سے ایک ظلم ہے کہ انہیں اس بات پر اپنے گھروں سے نکالا گیا کہ انہوں نے کہا: ہمارا پروردگار اللہ وحدہ ہے۔ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ استثناء منقطع ہے یعنی لیکن ان کے ربنا اللہ کہنے کی وجہ سے؛ یہ سبب یہ کہ قول ہے۔ فرما، نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ یہ محل جرم میں ہو اس سے پہلے با مقدر ہو؛ یہ ابواسحاق زجاج کا قول ہے۔ اس کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ انہیں بغیر حق کے ان کے گھروں سے نکالا گیا مگر یہ کہ انہوں نے کہا: ہمارا پروردگار اللہ ہے یعنی وہ توحید کی وجہ سے نکالے گئے بت پرستوں نے انہیں نکالا۔ الَّذِينَ أُخْرِجُوا، الذین یقاتلون سے بدل ہونے کی وجہ سے محل جرم ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا: ہمارے علماء نے کہا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بیعت عقبہ سے پہلے جنگ کی اجازت نہیں دی گئی تھی اور نہ ان کے لیے خون حلال کیے گئے تھے انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے اور اذیت پر صبر کرنے، جاہل

لوگوں سے درگزر کرنے کا دس سال تک حکم دیا گیا تھا تاکہ کافروں پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جائے اور وہ وعدہ بھی وفا ہو جائے جو اس نے اپنے فضل سے احسان کرنے کا کیا ہے فرمایا: وَمَا كُنَّا مُعْتَدِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا ﴿٥﴾ (الاسراء) لیکن لوگ سرکشی میں قائم رہے اور واضح برہان سے انہوں نے استدلال نہیں کیا قریش نے ان لوگوں پر ظلم کیا جنہوں نے آپ کی قوم سے آپ کی اتباع کی حتیٰ کہ انہیں دین کے سلسلہ میں فتنہ میں مبتلا کیا اور انہیں اپنے شہروں سے نکال دیا۔ پس بعض لوگ جھٹھ چلے گئے، بعض مدینہ چلے گئے، بعض اذیتوں پر صبر کرتے رہے۔ جب قریش نے اللہ تعالیٰ کے سامنے سرکشی کی اور اس کے حکم کو رد کیا اور اس کے نبی کریم ﷺ کو جھٹلایا اور جو ایمان لائے اور اس کی وحدانیت کا اقرار کیا اور اس کی عبادت کی اور اس کے نبی کی تصدیق کی اور اپنے دین کی حفاظت کی انہیں انہوں نے تکالیف پہنچائیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم ﷺ کو جنگ کرنے، دفاع کرنے اور مظلوموں کا انتقام لینے کی اجازت دی اور یہ حکم نازل فرمایا: اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَلِمُوا۔۔۔ الأُمُورِ ۝۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ مجبور کے فعل کی نسبت مجبور کرنے والے کی طرف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اخراج کی نسبت کفار کی طرف کی ہے کیونکہ کلام ذنب (جرم) اور الزام جرم کے تقدیر کے معنی میں ہے یہ آیت اس آیت کی مثل ہے: إِذَا أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا (التوبہ: 40) ان دونوں آیات میں کلام ایک ہے۔ یہ سورہ برأت میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمُ بَعْضًا لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَالْجِبَالُ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ (البقرہ: 21) اگر اللہ تعالیٰ انبیاء کرام اور مومنین کے لیے دشمنوں اور اہل شرک سے قتال کو مشروع نہ فرماتا تو دیندار جو عبادت کی جگہیں بناتے یہ مشرک انہیں تباہ و برباد کر دیتے لیکن اس نے قتال کو واجب کر کے دفاع کیا تاکہ اہل دین عبادت کے لیے فارغ ہوں۔ پس جہاد پہلی امتوں میں بھی تھا اس کے ساتھ شرائع کی اصلاح ہوئی اور معابدات جمع ہوئیں گویا فرمایا: قتال کی اجازت دی گئی ہے پس مومنوں کو قتال کرنا چاہیے پھر قتال میں یہ امر قوی ہوا۔ ارشاد فرمایا: وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ۔۔۔ الخ، یعنی اگر قتال اور جہاد نہ ہوتا تو ہر امت میں حق پر غالب کیا جاتا جو نصاریٰ اور صائبین جہاد کو پسند نہیں کرتے وہ اپنے مذہب کے مخالف ہیں کیونکہ اگر جہاد نہ ہوتا تو دین جس کا دفاع کیا جاتا ہے وہ باقی نہ ہوتا اور یہ جگہیں بھی نہ رہتیں جو ان کی تحریف اور تبدیلی سے پہلے اور اسلام کے ذریعے ان کی ملل کے نسخ سے پہلے بتائی گئی ہیں یہ اسی معنی کے لیے ذکر کیا گیا ہے اگر یہ دفاع نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہودیوں کے عبادت خانے گرائے جاتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں عیسائیوں کے گرجے گرائے جاتے اور حضرت محمد ﷺ کے زمانہ میں مساجد گرائی جاتیں۔ تَهْتَمَتْ يَهْدِ الْبِنَاءِ سَهْتِ مَشْتَقٌ هِيَ يَعْنِي فِي عِمَارَتِ كَوْتُورِ وَتَوُوهُ نُوتِ گئی۔ ابن عطیہ نے کہا: جو کچھ اس آیت کی تاویل میں کہا گیا ہے اس میں سے یہ درست ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ اصحاب محمد ﷺ کے ذریعے کفار کو تابعین اور ان کے بعد والوں سے نہ روکتا۔ اس میں بھی اگرچہ ایک قوم کا دوسری قوم سے دفاع ہے مگر قتال کا معنی زیادہ مناسب ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ مجاہد نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ عادل لوگوں کی شہادت کے ساتھ قوم کے ظلم کو نہ روکتا۔ ایک جماعت نے کہا: والیوں کے عدل کے ساتھ اللہ تعالیٰ

ظالموں کے ظلم کو نہ روکتا۔ حضرت ابوالدرداء نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ مساجد میں رہنے والوں کی وجہ سے ان کا دفاع نہ کرتا تو مسجدوں میں نہ آتے اور جو جہاد کرتے ہیں ان کی وجہ سے دفاع نہ کرتا ان کا جو جہاد نہیں کرتے تو ان پر عذاب آجاتا۔ ایک جماعت نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ فضلاء اور نیکوکاروں کی دُعا سے عذاب کو نہ ٹالتا۔ اس کے علاوہ بھی اس آیت کے معنی کی تفسیر کی گئی ہے۔ یہ آیت تقاضا کرتی ہے کہ لوگوں کا دفاع کیا گیا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ ابن خويز منداد نے کہا: یہ آیت اپنے ضمن میں یہ مفہوم بھی کھتی ہے کہ ذمیوں کی عبادت گاہوں، کلیسیوں، گرجوں اور آتشکدوں کو گرانا منع ہے، لیکن انہیں یہ اجازت نہ ہوگی کہ وہ ان میں اضافہ کریں اور ان میں وسعت پیدا کریں اور ان کی عمارتوں کو بلند کریں اور مسلمانوں کے لیے ان کے گرجوں میں داخل ہونا اور ان میں نماز پڑھنا مناسب نہیں جب وہ کوئی تعمیر کریں تو اس کا توڑنا واجب ہے۔ اور بلا حرب میں ان کے عبادت خانے اور کلیسے گرائے جائیں گے اور اسلام کے شہروں میں ذمیوں کے جو عبادت خانے ہوں گے انہیں نہیں گرایا جائے گا کیونکہ یہ ان کے گھروں اور اموال کے قائم مقام ہوں گے جس کی حفاظت کا معاہدہ کیا گیا ہے اور انہیں زیادتی کی قدرت نہیں دی جائے گی کیونکہ اس میں کفار کے اسباب کا ظہور ہے اور نئی تعمیر کے لیے مسجد کو گرانا جائز ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی تعمیر دوبارہ کی تھی۔

مسئلہ نمبر 6۔ لَهْتَمَتْ دَال کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ پڑھایا گیا ہے۔ صوامع جمع ہے صومعة کی اس کا وزن فوعلة ہے ایسی عمارت جو بلند ہو اور پر والا حصہ مضبوط ہو۔ کہا جاتا ہے: صتمع الثريدة یعنی اس نے اس کا سر اٹھایا اور مضبوط اور تیز کیا۔ رجل اصم القلب جس کی فطانت تیز ہو۔ الاصمع من الرجال جس کی بات مضبوط ہو۔ بعض نے کہا: وہ شخص جس کے کان چھوٹے ہوں۔ پہلے صومعه کا لفظ نصاریٰ کے راہبوں اور صائبین کے عبادت گزاروں کے لیے استعمال ہوتا تھا پھر یہ مسلمانوں کے آذان دینے کی جگہ کے لیے استعمال ہونے لگا۔ البیع جمع ہے بیعة کی۔ نصاریٰ کا کنیہ۔ طبری نے کہا: یہود کے کنائس ہیں پھر انہوں نے مجاہد سے ایسی چیز روایت کر کے داخل کی جو اس کا تقاضا نہیں کرتی۔ صلوات، زجاج اور حسن نے کہا: یہ یہود کے کنائس ہیں۔ عبرانی زبان میں انہیں صلوتا کہا جاتا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: الصلوات سے مراد وہ گھر ہیں جو نصاریٰ صحرائی جگہوں میں بناتے تھے جن میں وہ اپنے سفروں میں عبادت کرتے تھے۔ انہیں صلوتا کہا جاتا تھا۔ پھر یہ عربی بنایا گیا اور صلوات کہا گیا۔ صلوات میں نوقرأتیں ہیں جن کو ابن عطیہ نے ذکر کیا ہے۔ صَلَوَات، صَلَوَات، صَلَوَات بروزن فعولی، صَلُوب باء کے ساتھ جمع صلیب، صلوث ثاء کے ساتھ بروزن فعول۔ صلوات صاد اور لام کے ضمہ کے ساتھ واو کے بعد الف ہے۔ صلوثا صاد اور لام کے ضمہ کے ساتھ اور ثاء کے بعد الف مقصورہ۔ صَلَوَاتا صاد کے کسرہ اور لام کے سکون کے ساتھ اور واو مکسورہ جس کے بعد یاء ہے پھر ثاء ہے پھر الف ہے اور نحاس نے ذکر کیا ہے اور عاصم جحدری سے مروی ہے کہ انہوں نے وصلوت پڑھا ہے (1)۔ ضحاک سے مروی ہے کہ انہوں نے دَصَلُوت (ثاء کے ساتھ) پڑھا ہے۔ اور مجھے معلوم نہیں صاد پر فتح پڑھا ہے یا ضمہ پڑھا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس طرح کل یہاں بارہ قراءتیں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الصلوات سے مراد کنائس ہیں۔ ابو العالیہ نے کہا: الصائبون کی مساجد ہیں۔ ابن زید نے کہا: یہ مسلمانوں کی نمازیں ہیں، جب ان کی مساجد میں دشمن داخل ہوتا ہے اور وہ مساجد کو گرا دیتا ہے تو ان میں عبادت کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے؛ اسی وجہ سے صلوات کے لیے ہدم کا لفظ استعارۃ استعمال کیا گیا ہے، ان کے تعطل کی وجہ سے یا صلوات کی جگہ مراد ہے پس مضاف کو حذف کیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور زجاج کے قول کے مطابق ہدم حقیقۃً ہوگا۔ حسن نے کہا: ہدم الصلوات سے مراد نمازوں کا ترک کرنا ہے۔ قطرب نے کہا: یہ چھوٹے ٹکڑے ہیں۔ اس کا واحد نہیں ہے۔ خصیف نے کہا: ان اسماء سے مقصود امم کی متعبدات کی تقسیم ہے۔ پس صوامع یہود کے راہبوں کے لیے ہیں اور البیہ نصاریٰ کے لیے ہیں۔ الصلوات یہود کے لیے ہیں۔ مساجد مسلمانوں کے لیے ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: اظہر یہ ہے کہ ان سے متعبدات کے ذکر میں مبالغہ کا قصد کیا گیا ہے۔ یہ اسماء اپنے مسامات میں امتوں میں مشترک ہیں جن کے پاس کتابیں تھیں۔ اس آیت میں مجوس کا ذکر نہیں کیا اور نہ مشرکوں کا ذکر کیا کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے لیے کوئی ایسی چیز نہیں جس کی حمایت ثابت ہو اور اللہ کا ذکر صرف اہل شراعیہ کے پاس ہوتا ہے۔ نحاس نے کہا: يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ حقیقت میں نظر کرنے سے کلام عرب سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ فیہا کی ضمیر کا مرجع مساجد ہیں کیونکہ ضمیر ان کے ساتھ متصل ہے اور اس کو صوامع اور اس کے مابعد کی طرف لوٹانا بھی جائز ہے معنی ہو ان کی شراعیہ کے وقت اور ان کے حق کو قائم کرنے کے وقت۔

مسئلہ نمبر 7۔ اگر یہ کہا جائے کہ ذمیوں کی مساجد کو مسلمانوں کی مساجد سے پہلے کیوں ذکر کیا گیا ہے تو کہا جائے گا کہ وہ بنا میں مقدم ہیں۔ بعض نے کہا: ان کی مساجد ہدم کے قریب ہیں اور مسلمانوں کی مساجد ذکر کے قریب ہیں جیسا کہ سابق کو مؤخر کیا گیا ہے اس قول میں **فِيهِمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ** (فاطر: 32)

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلِيَبْصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ** یعنی جو اللہ کے دین اور اللہ کے نبی کی مدد کرے گا۔ **إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ** یعنی اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ خطابی نے کہا: القوی بمعنی القادر ہے یہ قوی علی شئ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے وہ اس چیز پر قادر ہے۔ عزیز چلیل، شریف؛ یہ زجاج کا قول ہے۔ بعض نے کہا: اتنا محفوظ اور مضبوط جس کا قصد نہ کیا جا سکے۔ ہم نے اپنی کتاب ”الکتاب الاسنی فی شرح الاسماء الحسنی“ میں ان دونوں اسماء کو بیان کیا ہے۔

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ

وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَاللَّهُ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝

”وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں اقتدار بخشیں زمین میں تو وہ صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم کرتے

ہیں (لوگوں کو) نیکی کا اور روکتے ہیں (انہیں) برائی سے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہے سارے کاموں کا انجام“۔

زجاج نے کہا: الَّذِينَ محل نصب میں ہے اس کا تعلق من کے ساتھ ہے جو من ینصرہ میں ہے۔ دوسرے علماء نے کہا:

محل جر میں ہے انہوں نے اس کا تعلق اذین للذین یفتلون سے ہے اور الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ سے مراد نبی

پاک مہینہ چہرہ کے چار یار ہیں زمین میں ان کے علاوہ کوئی نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد مہاجرین، انصار اور تابعون باحسان ہیں۔ قتادہ نے کہا: حضرت محمد ﷺ کے اصحاب مراد ہیں۔ عکرمہ نے کہا: وہ پانچ وقت کی نمازیں ادا کرنے والے ہیں۔ حسن اور ابوالعالیہ نے کہا: اس سے مراد یہ امت ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرمائی تو انہوں نے نماز کو قائم کیا۔ ابن ابی نوح نے کہا: اس سے مراد والی ہیں۔ ضحاک نے کہا: یہ شرط ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر لگائی جن کو ملک عطا فرماتا ہے؛ یہ عمدہ قول ہے۔ حضرت سہل بن عبد اللہ نے کہا: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سلطان پر اور علماء پر واجب ہے اور لوگوں پر واجب نہیں کہ وہ سلطان کو حکم دیں کیونکہ یہ اس کے لیے لازم ہے اس پر واجب ہے اور لوگ علماء کو حکم نہ دیں کیونکہ حجت ان پر ثابت ہو چکی ہے۔

وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَشُعُوبٌ ۝۱۰ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ
 وَقَوْمِ لُوطٍ ۝۱۱ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ ۝۱۲ وَكَذَّبَ مُوسَىٰ فَأَمَلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ
 فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝۱۳

”اور اگر یہ کفار آپ کو جھٹلاتے ہیں (تو کیا تعجب ہے) پس جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح نے اور عاد و شمود نے اور قوم ابراہیم نے اور قوم لوط نے اور مدین کے رہنے والوں نے (اپنے اپنے نبیوں کو) اور جھٹلائے گئے موسیٰ بھی تو (کچھ عرصہ) میں نے مہلت دی ان کفار کو (جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انہیں پکڑا (خود ہی بتاؤ) کتنا خوفناک تھا میرا عذاب“۔

یہ نبی کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے یعنی آپ سے پہلے انبیاء بھی جھٹلائے گئے پس انہوں نے صبر کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والوں کو ہلاک کر دیا آپ ان کی اقتدا کریں اور صبر کریں۔ وَكَذَّبَ مُوسَىٰ فَرَعُونَ اور اس کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا رہے بنو اسرائیل تو انہوں نے آپ کو نہ جھٹلایا اسی وجہ سے اس کا ما قبل پر عطف نہیں کیا ورنہ ہوتا وَقَوْمِ مُوسَىٰ، فَأَمَلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ یعنی سزا کو ان سے مؤخر کیا گیا۔ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ پھر میں نے انہیں سزا دی۔ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝۱۳ استفہام بمعنی تغیر ہے یعنی دیکھو کیسے میں نے ان نعمتوں کو عذاب اور ہلاک کے ساتھ بدلاتھا جن نعمتوں میں وہ تھے، اسی طرح میں قریش کے مکذبین کے ساتھ کروں گا۔ جوہری نے کہا: النکید والانکار کا مطلب ہے برائی کو تبدیل کرنا۔ مکرواحد ہے مناکیر کا۔

فَكَأَيُّ مَن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فِيهَا خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَ

قَضْرٍ فَسِيحٍ ۝۱۴

”پس کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تہہ و بالا کر ڈالا کیونکہ وہ ظالم تھیں تو اب وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر اور کتنے کنویں ہیں جو بیکار ہو چکے ہیں اور کتنے چوڑے سے بنے ہوئے مضبوط محل ہیں (جو ویران پڑے ہیں)“۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا يَٰعَنِيٰنِ بَسْتِيۦنَ وَالْوَالِدِیۦنَ كُوۦهَلَاكٍ كَرۦدِيۦا۔ فَكَأَيِّنْ كَ بَارِئِیۦنَ مِیۦنَ كَلَامِ سُوۦرَةِ آلِ عِمۦرَانَ مِیۦنَ كُرۦرِیۦنَ چَكَا هِیۦ۔ وَهِيَ ظَالِمَةٌ كَفَرۦكَرۦ كَ ظَلَمۦ كَرۦنِیۦ وَآلِیۦ تَحۦ۔ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰی عُرۦوشِهَا یَٰ سُوۦرَةِ الْكٰهِفِ مِیۦنَ كُرۦرِیۦنَ چَكَا هِیۦ۔ وَبِئُرۦ مُعۦظَلَّةٍ وَقَصۦرٍ مَّشۦیۦدٍ ۝ زجاج نے کہا: وَبِئُرۦ مُعۦظَلَّةٍ، مِّنَ قَرْیَةِ پَرِیۦ مَعۦطُوفِ هِیۦ۔ یعنی مَن اهل قریة و مَن اهل بئر۔ فراء کا خیال ہے کہ بئر، عروشا پر معطوف ہے۔ اصمعی نے کہا: میں نے نافع بن ابی نعیم سے پوچھا: کیا البئر اور الذئب کو ہمزہ دیا جائے گا؟ تو انہوں نے کہا: اگر عرب ہمزہ دیتے تھے تو تو بھی انہیں ہمزہ دے۔ نافع سے اکثر راویوں نے ہمزہ کے ساتھ روایت کیا ہے مگر ورش کی ان سے بغیر ہمزہ کے روایت ہے۔ اصل ہمزہ ہے۔ معطلہ کا معنی متروکہ ہے۔ ضحاک نے یہ کہا ہے۔ بعض نے کہا: جو ہلاکت کی وجہ سے اہل سے خالی ہو۔ بعض نے فرمایا: جس کا پانی نیچے چلا گیا ہو۔ بعض نے کہا: جو ڈول اور رسیوں سے خالی ہو۔ مفہوم متقارب ہیں۔ وَقَصۦرٍ مَّشۦیۦدٍ قَادِرِیۦ، ضحاک اور مقاتل نے کہا: بلند طویل محل۔

عدی بن زید نے کہا:

شَادَہ مَزْمَرًا وَجَلَّلَہ کِلِّ سَا فَلَطِیۦرِیۦ فِی ذُرَاۡةٍ وَكُوۡرِ (1)

یعنی اس کو بلند کیا۔ سعید بن جبیر، عطاء، عکرمہ اور مجاہد نے کہا: مشید کا معنی ہے جس پر چونے سے پلستر کیا گیا ہو۔ الشید سے مشتق ہے جس کا مطلب چونا ہے۔ راجز نے کہا:

لَا تَحۦسَبِیۦنِیۦ اِنۡ کُنۡتِ اَمْرًا غَمِرًا کَحِیۡةِ الْبَاۡءِ بَیۡنَ الطَّیۡنِ وَالشَّیۡدِ

اور امرء القیس نے کہا:

وَلَا اَطۡمَآ اِلاَّ مَشۦیۡدًا جُنۡدُل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مشید سے مراد مضبوط ہے۔ کلبی نے یہ کہا ہے یہ مَفَعِلٌ بمعنی مفعول ہے جیسے مبیع بمعنی مبیوع ہے۔ جوہری نے کہا: المشید جو چونے سے بنایا گیا ہو۔ الشید شین کے کسرہ کے ساتھ چونا، سینٹ وغیرہ میں سے جس کے ساتھ دیوار کی لپائی کی گئی ہو۔ شین کے فتح کے ساتھ ہو تو مصدر ہے۔ تو کہتا ہے: شَادَیۡشِیۡدُ شِیۡدًا، چونا وغیرہ سے پختہ کرنا۔ المشید تشدید کے ساتھ۔ اس کا معنی ہے طویل۔ کسائی نے کہا: المشید واحد کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَصۦرٍ مَّشۦیۡدٍ اور المشید جمع کے لیے ہے جو اس قول سے ہے: فِیۡ بُرۦوۡجٍ مَّشۦیۡدَاتٍ (النساء: 78) کلام میں اضمار ہے۔ تقدیر یوں ہے: قصر مشید مثلها معطل۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کنواں اور محل حضرت موت میں معروف تھے۔ محل پہاڑ کی چوٹی پر تھا اس تک کسی حال میں پہنچا نہیں جاسکتا تھا اور اس کنویں میں جو کوئی چیز گرتی تھی ہوا اسے ٹھہرنے نہیں دیتی تھی بلکہ اسے نکال دیتی تھی۔ محلوں والے شہروں کے بادشاہ اور کنوؤں والے دیہاتوں کے بادشاہ ہم نے سب کو ہلاک کر دیا۔ ضحاک وغیرہ نے وہ سب کچھ ذکر کیا ہے جو ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ اور جو ابو بکر محمد بن حسن مقرئ وغیرہا نے ذکر کیا ہے کہ البئر، الرس یہ

یمن کے علاقہ حضرموت میں عدن کے مقام پر تھا یہ اس شہر میں تھا جسے حضورؐ کہا جاتا تھا۔ اس پر چار ہزار ایماندار ایک صالح آدمی کے ساتھ اترے تھے اور انہوں نے عذاب سے نجات پائی تھی اور ان کے ساتھ صالح آدمی تھا پھر وہ صالح شخص فوت ہو گیا تو اس جگہ کا نام رکھا گیا کیونکہ صالح آدمی وہ حاضر ہوا اور فوت ہو گیا پس انہوں نے حضورؐ بنایا اور اس کنویں پر بیٹھ گئے انہوں نے اپنے اوپر ایک امیر بنایا جن کو علس بن جلاس بن سوید کہا جاتا تھا جیسا کہ غزنوی نے ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: علس بن جلاس تھا وہ ان میں بڑی اچھی سیرت کا مالک تھا اور عادل تھا انہوں نے اس کا وزیر سخاریب بن سوادہ کو بنایا وہ کچھ زمانہ ٹھہرے رہے ان کی نسل بڑھتی رہی حتیٰ کہ وہ کثیر ہو گئے۔ اور وہ کنواں شہر والوں اور دیہات والوں کو سیراب کرتا تھا۔ جانور، بکریاں، گائیں سب اس سے پانی پیتے تھے اور کنویں کی بہت سی زمینیں تھیں جو اس کنویں سے منسوب تھیں اور بہت سے لوگ اس پر مقرر تھے اور وہاں مختلف حوض بنے ہوئے تھے۔ ایک سے لوگ پیتے تھے، دوسرے سے جانور پیتے تھے، تیسرے سے گائیں پیتی تھیں، چوتھے سے بکریاں پیتی تھیں۔ صبح و شام نگران پانی پلاتے رہتے تھے اور لوگ آتے جاتے تھے کیونکہ وہاں اور کوئی پانی نہیں تھا۔ جس کو انہوں نے بادشاہ بنایا تھا اس کی عمر لمبی ہوئی جب اس پر موت آئی تو اسے تیل لگایا گیا تاکہ اس کی صورت باقی رہے اور تبدیل نہ ہو۔ وہ اسی طرح کرتے تھے جب بھی ان کا کوئی شخص فوت ہوتا اور ان کے ہاں وہ معزز ہوتا۔ جب وہ فوت ہوا تو لوگوں پر بہت شاق گزرا انہوں نے دیکھا کہ ان کا معاملہ خراب ہو گیا ہے وہ زور زور سے رونے لگے۔ شیطان نے موقع غنیمت جانا تو بادشاہ کے جشہ میں کئی دن داخل رہا اور لوگوں سے کلام کرتا رہا اور کہا: میں مرا نہیں ہوں لیکن میں تم سے غیب ہوا ہوں تاکہ میں تمہارا عمل دیکھوں، تو لوگ بہت خوش ہوئے۔ اس نے خاص لوگوں کو حکم دیا کہ اس کے لیے ایک حجاب بناؤ جو اس کے اور لوگوں کے درمیان ہو اور وہ لوگوں سے اس حجاب کے پیچھے سے کلام کرے گا تاکہ موت اس کی صورت میں نہ پہچانی جائے۔ پس انہوں نے ایک پردے کے پیچھے بت نصب کر دیا جو نہ کھاتا تھا، نہ پیتا تھا اس نے انہیں بتایا کہ وہ کبھی فوت نہیں ہوگا اور وہ ان کا خدا ہے۔ یہ سب کچھ شیطان بولتا تھا انہیں سے اکثر لوگوں نے اس کی تصدیق کی اور بعض نے شک کیا۔ ان میں سے اسے جھٹلانے والے مومن کم تھے، تصدیق کرنے والے زیادہ تھے۔ جب وہ کلام کرتا تو ان کا نا صح زجر و توخ کرتا تھا پس وہ اس کی عبادت پر جمع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک نبی بھیجا اس پر خواب میں وحی اترتی تھی، بیداری میں نہیں آتی تھی۔ اس کا نام حضرت حنظلہ بن صفوان تھا۔ اس نے انہیں بتایا کہ صورت صنم کی ہے اس میں روح نہیں اور بادشاہ کے لیے اللہ کا شریک ہونا جائز نہیں اس نے انہیں وعظ و نصیحت کی اور انہیں اپنے رب کی سطوت اور عذاب سے ڈرایا، لیکن انہوں نے اسے تکلیف پہنچائی اور اس کے دشمن بن گئے۔ وہ انہیں وعظ و نصیحت کا اہتمام کرتے تھے اور ہمیشہ انہیں نصیحت کرتے تھے حتیٰ کہ ان بد بختوں نے اسے بازار میں قتل کر ڈالا اور اسے کنویں میں پھینک دیا۔ اس وقت ان پر عذاب آیا۔ انہوں نے رات کو سیر ہو کر کھانا کھایا اور خوب پانی پیا۔ صبح ہوئی تو کنویں کا پانی نیچے جا چکا تھا اور اس کی رسی بیکار ہو چکی تھی وہ سب چیخے اور عورتیں اور بچے چلائے، جانور پیاس کی وجہ سے آدازیں نکالنے لگے حتیٰ کہ موت اور ہلاکت عام ہو گئی اور ان کی زمینوں میں درندے ان کے خلیفے بن گئے ان کی منازل میں لومڑا اور بچو تھے ان کے باغات اور اموال بیکار درخت

بن گئے اور کانٹے دار درخت بن گئے وہاں جنوں کی آواز اور شیروں کی گرج سنائی دیتی تھی۔ نعوذ باللہ من سطواتہ اور ایسے اصرار سے ہم پناہ مانگتے ہیں جو عذاب کا موجب ہو۔ سہیلی نے کہا ہا پختہ محل یہ وہ محل تھا جسے شداد بن عاد بن ارم نے بنایا تھا۔ زمین پر اس کی مثل پہلے نہیں بنایا تھا جیسا کہ ذکر کیا جاتا ہے اور خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی حالت بھی اس کے بعد وحشت میں، آبادی کے بعد چٹیل میدان ہونے میں مذکورہ کنویں کی طرح تھی کوئی شخص اس کے قریب نہیں آسکتا تھا کیونکہ اس میں نعمتوں اور خوشحال زندگی، بادشاہ کی رونق اور لوگوں کے انتظام کے بعد جنوں کی آوازیں اور ناپسندیدہ آوازیں سنی گئیں۔ پس وہ ہلاک ہو گئے اور مٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔ بطور موعظہ اور عبرت اور نصیحت اور اس نے معصیت کے نقصان اور مخالفت کے برے انجام سے ڈرایا ہے۔ ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں اور برے انجام سے پناہ مانگتے ہیں۔ بعض نے کہا: جس نے انہیں ہلاک کیا تھا وہ بخت نصر تھا جیسا کہ سورہ انبیاء میں: **كَمْ قَصَبْنَا مِنْ قَرْيَةٍ (الانبیاء: 11)** کے تحت گزرا ہے۔ کنواں بیکار اور محل خراب ہو گیا۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُون لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا
فَإِنَّهَا لَا تَعْيَى إِلَّا بَصَائِرُ وَلَكِنْ تَعْيَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ①

”کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ (ان کھنڈرات کو دیکھ کر) ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ (حق کو) سمجھ سکتے اور کان ایسے ہو جاتے جن سے نصیحت سن سکتے حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہوتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ** یعنی کفار مکہ ان اجڑی بستیوں کو نہیں دیکھتے ہیں تاکہ نصیحت حاصل کریں اور ڈریں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کہ کہیں ان پر بھی وہ نازل نہ ہو جائے جو ان سے پہلے لوگوں پر نازل ہوا تھا۔ **فَتَكُون لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا** سمجھنے کی نسبت قلب کی طرف کی کیونکہ سمجھ کا محل وہی ہے جس طرح سننے کا محل کان ہے۔ بعض علماء نے کہا: سمجھنے کا محل دماغ ہے اور امام ابوحنیفہ سے مروی ہے اور جو ان سے مروی ہے صحیح ہے **فَإِنَّهَا لَا تَعْيَى إِلَّا بَصَائِرُ** فراء نے کہا: ہاء عماد ہے یہ بھی جائز ہے کہ فانکھا جائے؛ یہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی قرأت ہے۔ معنی ایک ہی ہے مذکر خبر کی بنا پر ہے اور تانیث البصار یا قصہ کی بنا پر ہے یعنی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں یا فبان القصة، لا تعي الأبصار آنکھوں کی بصارت تو ان کے لیے ثابت ہے۔ **وَلَكِنْ تَعْيَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ①** بلکہ دل حق کے ادراک اور عبرت حاصل کرنے سے اندھے ہیں۔ قتادہ نے کہا: دیکھنے والی نظر تو کفایت کرنے والی اور منفعت ہے اور نفع بخش نظر دل میں ہے۔ مجاہد نے کہا: ہر آنکھ کے لیے چار آنکھیں ہیں یعنی ہر انسان کے لیے چار آنکھیں ہیں دو آنکھیں دنیا میں اس کے سر میں ہیں اور دو آنکھیں آخرت میں اس کے دل میں ہوں گی جب سر کی آنکھیں اندھی ہوتی ہیں اور دل کی آنکھیں بینا ہوتی ہیں تو اس کا ظاہری آنکھوں سے اندھا ہونا کچھ نقصان نہیں دیتا اور اگر سر کی آنکھیں دیکھیں اور دل کی آنکھیں اندھی ہوں (1) تو اس کا دیکھنا نفع

نہیں دیتا۔ قتادہ اور ابن جبیر نے کہا: یہ آیت حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم نابینا صحابی کے متعلق نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل نے کہا: جب وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ اَعْمٰی (الاسراء: 72) نازل ہوئی تو ابن ام مکتوم نے کہا: یا رسول اللہ! میں دنیا میں نابینا ہوں کیا میں آخرت میں بھی نابینا ہوں گا تو یہ آیت فَاِنَّهَا لَا تَعْمٰی اِلَّا بَصٰرًا۔۔۔ الخ، نازل ہوئی یعنی جو اس دنیا میں اپنے دل سے اسلام سے نابینا رہا وہ آخرت میں دوزخ میں ہوگا۔

وَيَسْتَعْجِلُوْكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهُۥٓ ۗ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَالْفِ
سَنَةِ مِمَّا تَعُدُّوْنَ ۝

”یہ لوگ جلدی مانگ رہے ہیں آپ سے عذاب (یہ تسلی رکھیں) اللہ تعالیٰ خلاف ورزی نہیں کرے گا اپنے وعدہ کی اور بیشک ایک دن تیرے رب کے ہاں ایک ہزار سال کی طرح ہوتا ہے جس حساب سے تم گنتی کرتے ہو۔“
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَسْتَعْجِلُوْكَ بِالْعَذَابِ یہ نصر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی اور اس نے کہا تھا: فَاْتَيْنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (الاعراف)

بعض علماء نے کہا: یہ ابو جہل بن بشام کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس نے کہا: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ (الانفال: 32) وَلَنْ يُخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهُۥ یعنی عذاب کے نازل کرنے کا وعدہ جو کیا ہے اس میں خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ زجاج نے کہا: انہوں نے عذاب کو جلدی طلب کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ کوئی چیز اس سے فوت نہ ہوگی۔ دنیا میں بدر کے دن ان پر عذاب نازل ہو بھی چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَالْفِ سَنَةِ مِمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: یعنی ان ایام میں سے جن میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔ عکرمہ نے کہا: یعنی آخرت کے دنوں میں سے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ جب انہوں نے چھوٹے ایام میں عذاب کا مطالبہ کیا ہے تو وہ انہیں بڑے ایام میں عذاب دے گا۔ فرما نے کہا: یہ انہیں آخرت میں طویل عذاب کی وعید سنائی جا رہی ہے یعنی آخرت میں ان کے عذاب کے دنوں میں سے ہر دن ہزار سال کا ہوگا۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے آخرت میں شدت اور خوف میں ہر دن دنیا کے سال میں سے ہزار سال کی طرح ہوگا۔ اس میں خوف اور شدت ہوگی۔ اسی طرح نعمتوں کے دن کو قیاس کر لو۔ ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے مِمَّا تَعُدُّوْنَ پڑھا ہے، یعنی یا کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید نے وَيَسْتَعْجِلُوْكَ کے قول کی وجہ سے یعدون کو پسند کیا ہے۔ باقی قراء نے تا کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے اس کو اختیار کیا ہے۔

وَكَانَ مِنْ قَرْيَةٍ اَمْلِيَتْ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ لِّمَنۢ اَخَذَتْهَا وَاِلَى الْمَصِيْرِ ۝

”اور کتنی بستیاں تھیں جنہیں میں نے (کافی عرصہ) ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھیں پھر (بھی جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری طرف ہی (سب کو) لوٹنا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَكَاتِبِينَ مِنْ قَرْيَةٍ أَمَلَيْتُمْ لَهَا باوجود سرکشی کے انہیں میں نے مہلت دی۔ ثُمَّ أَخَذْتُهَا پھر میں نے انہیں عذاب کے ساتھ پکڑ لیا۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿٥٦﴾ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَئِكَ
أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿٥٨﴾

”(اے حبیب!) آپ فرمائیے: اے لوگو! پس میں تو تمہیں (عذاب الہی سے) کھلا ڈرانے والا ہوں۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے تو ان کے لیے مغفرت بھی ہے اور باعزت روزی بھی۔ اور جو لوگ کوشش کرتے رہے ہماری آیتوں (کی تردید) میں اس خیال سے کہ وہ ہمیں ہر ادیس گے یہی لوگ دوزخی ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ، النَّاسُ سے مراد اہل مکہ ہیں۔ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ، نَذِيرٌ مُبِينٌ بمعنی منذر اور مخوف (ڈرانے والا) ہے۔ انذار کا معنی سورہ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔ مُبِينٌ بمعنی دینی معاملات میں سے جس کی تمہیں ضرورت ہوتی ہے میں تمہارے لیے اسے بیان کرنے والا ہوں۔ رِزْقٌ كَرِيمٌ سے مراد جنت ہے۔ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا جو ہماری آیات کو باطل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معاجزین غلبہ پانے کے لیے جنگ کرنے کے لیے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ فراء نے کہا: اس کا معنی ہے دشمنی کرتے ہوئے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر نے کہا: اسلام سے باز رکھنے والے تھے۔ انفس نے کہا: معاندین سابقین۔ زجاج نے کہا: یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ ہمیں عاجز کر دیں گے کیونکہ ان کا گمان تھا کہ دوبارہ اٹھنا نہیں ہوگا اور انہوں نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر قادر نہ ہوگا؛ یہ قتادہ کا قول ہے اسی طرح ابن کثیر اور ابو عمرو کی قرأت معجزین کا معنی ہے انہوں نے الف کے بغیر جیم کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ معنی بھی جائز ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آیات پر ایمان لانے میں مومنین کو عاجز کرتے تھے؛ یہ سدی کا قول ہے۔ بعض نے کہا: جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا تھا اسے وہ عجز کی طرف منسوب کرتے تھے جیسے ان کا قول ہے جہلتہ و فسقتہ میں نے اسے جہالت اور فسق کی طرف منسوب کیا۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِيَّ

أُمْنِيَّتِهِ ۚ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكُمُ اللَّهُ أَيْتَهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٩﴾

”اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہ کوئی نبی مگر اس کے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو ڈال دیئے شیطان نے اس کے پڑھنے میں (شکوہ) پس مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ جو وہ دخل اندازی کرتا ہے پھر پختہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے۔“

اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَمَّتْ اِسْ كَامَعْنٰى هٖ پڑھا، تلاوت کیا۔ اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِى اٰمْنِيَّتِهٖ اِس كِى قِرٰتٍ اور تلاوت میں شیطان ڈالتا ہے۔ یہ مفہوم سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ اس طرح پڑھتے تھے: وَمَا اٰتٰرَسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ وَلَا مَحْدُوْثٍ؛ یہ مسلمہ بن قاسم بن عبد اللہ نے ذکر کیا ہے اور اس کو سفیان نے عمرو بن دینار سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ مسلمہ نے کہا: ہم نے محدثین کو پایا کہ نبوت کو وہ مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہوتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت پر کیونکہ وہ بڑے بڑے امور کے متعلق خطرات کی باتیں کرتے تھے اور باطنی حکمت کے ساتھ بولتے تھے پس جو انہوں نے بات کی صحیح کی اور جو انہوں نے کہا: اس میں غلطی سے محفوظ رہے جیسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ساریہ کے واقعہ کو اور دوسرے دلائل عالیہ کو بیان کیا۔

میں کہتا ہوں: اس واقعہ کو ابو بکر انباری نے اپنی کتاب ”الرد“ میں ذکر کیا ہے۔ فرمایا: مجھے میرے باپ نے بتایا انہوں نے کہا مجھے علی بن حرب نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں سفیان بن عیینہ نے بتایا انہوں نے عمرو سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اس طرح پڑھا۔ وَمَا اٰتٰرَسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ وَلَا مَحْدُوْثٍ۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا الحدیث وہ ہوتا ہے جسے خواب میں وحی کی جاتی ہے اور انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ علماء نے فرمایا: یہ آیت دو اعتبار سے مشکل ہے۔

۱۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ انبیاء کرام کچھ تو مرسل ہوتے ہیں اور کچھ ان میں غیر مرسل ہوتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کسی کو نبی کہنا جائز نہیں حتیٰ کہ وہ مرسل ہو۔ اس کی صحت پر دلیل یہ ارشاد ہے: وَمَا اٰتٰرَسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رسالت کو ثابت کیا اور نبی کا معنی ہے انبأ عن اللہ عزوجل اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی اور انبأ عن اللہ عزوجل کا معنی ہے الارسالہ فراء نے کہا: رسول وہ ہوتا ہے جو مخلوق کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ اس کے پاس جبریل کو بھیجا جاتا ہے جسے وہ سامنے دیکھتا ہے۔ اور نبی وہ ہوتا ہے جس کی نبوت الہامی ہوتی ہے۔ پس ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ اسی طرح قاضی عیاض نے الشفاء میں ذکر کیا ہے۔ صحیح اور جس پر علماء کا جم غفیر ہے وہ یہ ہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے اور ہر نبی رسول نہیں ہوتا انہوں نے حضرت ابو ذر کی حدیث سے حجت پکڑی ہے۔ اور رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ ہے۔ پہلے ان میں سے حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور دوسری جہت جس میں اشکال ہے وہ یہ ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت کے نزول میں احادیث مروی ہیں جن میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے ایسی چیز جس کے ساتھ

کفار نے عوام کو پریشان کیا ان کا یہ قول ہے کہ انبیاء کا حق یہ ہے کہ وہ کسی چیز سے عاجز نہ ہوں تو پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر عذاب کیوں نہیں لاتے، حالانکہ ہم نے ان کی دشمنی میں مبالغہ کیا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ مناسب ہے کہ ان پر سہو اور غلطی جاری نہ ہو۔ پس رب تعالیٰ نے بیان کیا کہ وہ بشر ہیں اور عذاب لانے والا اللہ تعالیٰ ہے جیسا وہ چاہتا ہے اور بشر پر سہو، نسیان اور غلطی کا امکان جائز ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو پختہ کرتا ہے اور شیطان کی مکاریوں کو مٹاتا ہے۔ لیث نے یونس

سے انہوں نے زہری سے انہوں نے حضرت ابوبکر بن عبدالرحمن بن محارث بن ہشام سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی پاک ﷺ نے یہ آیات پڑھیں: وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ (النجم) جب آپ ﷺ آفَرَاءَ يُتْمَلُّمُ اللّٰتِ وَالْعُرْمٰی ۝ وَمَنُوءَ الْعَالَمِیَّةِ الْأُخْرٰی ۝ (النجم) پر پہنچے تو بھول گئے اور آپ نے پڑھا: اِن شَفَاعَتِهِمْ تَرْتَحٰی اَبَی كُوشَرِکِیْنِ اَوْرُوهُ لُوكِ جِنِّ كَالِدُوں مِیْن مَرَضٍ تَهَاطَلِے، اَبَی كُوشَلَامِ كِیَا اَوْرُخُوشِ هُوَے اَوْرُكَبَا: یِه شِیْطَانِ كِی طَرَفِ سَے هَے تُو اللّٰه تَعَالٰی نَے یِه آیت نَاَزَلِ فَرَمَآی: وَمَا اُرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِیٍّ، نَحَاسِ نَے كَبَا: یِه حَدِیْثِ مَنْقَطَعِ هَے اِس مِیْن اِیْكَ بَرَا اَمْرِ هَے۔ اِسی طَرَحِ قَدَاوَه كِی حَدِیْثِ هَے اِس مِیْن یِه زَاكِدِ هَے وَانْهَنْ لَهَنْ الْغَرَانِیْقِ الْعِلَآسِ سَے خُوفَاكِ وَهَے جُو وَاقْدِی نَے كَشِیْر بِن زَیْدِ سَے اَنَّهُوَنْ نَے مَطْلَبِ بِن عَبْدِ اللّٰهِ سَے رُوَایْتِ كِیَا هَے اَنَّهُوَنْ نَے كَبَا: تَمَامِ مَشْرُكُوں نَے سَجْدَه كِیَا سُوَاے وَلِیْدِ بِن مَغِیْرَه كَے اِس نَے زَمِیْنِ سَے مِثِی اِثْمَانِی اَوْر اَبِنِی پِیْشَانِی تَمَكِ اِسَے بَلَنْدِ كِیَا اَوْر اِسِ پَر سَجْدَه كِیَا وَهَے اِیْكَ بُوْزْ هَا شَخْصِ تَهَا اَوْر اِسَے اَبُو حِجَه سَعِیْدِ بِن عَآصِ كَبَا جَا تَهَا حَتّٰی كَه جَبْرَیْلِ اَمِیْن نَاَزَلِ هُوَے اَوْر نَبِی كَرِیْمِ ﷺ نَے اِسِ پَر پُڑْ هَا تُو اِسِ نَے كَبَا: مِیْن تُو یِه نَبِیْسِ لَا یَا اَوْر اللّٰه تَعَالٰی نَے یِه آیت نَاَزَلِ فَرَمَآی: لَقَدْ كَذَّبْتَ تَزْكُنُ اِلَیْهِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا ۝ (الاسراء) نَحَاسِ نَے كَبَا: یِه حَدِیْثِ مَنْكِرِ مَنْقَطَعِ هَے خُصُوصًا حَدِیْثِ وَاقْدِی اَوْر بَخَارِی مِیْنِ هَے كَه وَهَے جِس نَے مِثِی كِی مِثْطِی بَهْرِی تَهْیِ اَوْر پِیْشَانِی كِی طَرَفِ بَلَنْدِ كِی تَهْیِ وَهَے اَمِیْه بِن خَلْفِ تَهَا۔ حَدِیْثِ پَر نَحَاسِ كِی كَمَلِ كَلَامِ آئے بَابِ كَے آخِرِ مِیْنِ آئے كِی۔ اِن شَاءَ اللّٰه تَعَالٰی۔ اِبْنِ عَطِیْه نَے كَبَا: یِه وَهَے حَدِیْثِ هَے جِس مِیْنِ هِی الْغَرَانِیْقِ هَے۔ كُتُبِ تَفْسِیْرِ مِیْنِ وَاقِعِ هَے اَوْر اَمَامِ بَخَارِی اَوْر اَمَامِ مُسْلِمِ نَے اَبِنِی كُتُبِ مِیْنِ دَاخِلِ نَبِیْسِ كِیَا اَوْر نَهْ كَسِی مَشْهُورِ عِلْمِی مَصْنُفِ نَے اِسِ كُذْرِ كِیَا۔ اَهْلِ حَدِیْثِ كَا مَذْهَبِ یِه تَقَاضَا كَرْتَا هَے كَه شِیْطَانِ نَے كُچْھِ ڈَا لَا۔ وَهَے اِس سَبْ كُو اَوْر اِسِ كَے عِلَاوَه سَبْ كُو مُتَعَمِنِ نَبِیْسِ كَرْتِے۔ اِس مِیْنِ كُوئی اِخْتِلَافِ نَبِیْسِ كَه شِیْطَانِ كَا الْقَا الْفَاظِ مَسْمُوعِ كَے سَا تَهْ تَهَا جِنِّ كِی وَجْهِ سَے فَتْنَه هُوَا۔ پَهْرِ لُوكُوں كَا اِس الْقَا كِی صُورَتِ مِیْنِ اِخْتِلَافِ هَے جُو كُچْھِ تَفَاصِیْرِ مِیْنِ هَے اَوْر جُو مَشْهُورِ قَوْلِ هَے وَهَے یِه هَے كَه نَبِی كَرِیْمِ ﷺ نَے اِن الْقَاظِ كَے سَا تَهْ اَبِنِی زَبَانِ پَر كَلَامِ كِی۔ اَوْر مَجْھَے مِیْرَے بَابِ نَے بَتَا یَا كَه وَهَے مَشْرُقِ مِیْنِ عِلْمَاءِ وَ مُتَكَلِّمِیْنِ كَے شِیْوَخِ سَے مَلَا۔ جِنَّهُوَنْ نَے كَبَا كَه نَبِی كَرِیْمِ ﷺ پَر یِه جَا زِ نَبِیْسِ وَهَے تَبْلِیْغِ مِیْنِ مَعْصُومِ تَهْے۔ مَعَا مَلَهَ یِه هَے كَه شِیْطَانِ نَے یِه لَفْظِ بُو لَے اَوْر كَفَارِ كُو اِسِ وَتِمْ سَنَائِے جَبِ نَبِی كَرِیْمِ ﷺ اَفَرَاءَ يُتْمَلُّمُ اللّٰتِ وَالْعُرْمٰی ۝ وَمَنُوءَ الْعَالَمِیَّةِ الْأُخْرٰی ۝ (النجم) اَوْر نَبِی كَرِیْمِ ﷺ كِی آوَا زِ سَے قَرِیْبِ كِیَا حَتّٰی كَه مَشْرُكِیْنِ پَر مَعَا مَلَهَ مَلْتَبِیْسِ هُو كِیَا اَنَّهُوَنْ نَے كَبَا: مَحْمُودِ ﷺ نَے یِه پُڑْ هَا هَے۔ اِسی تَاوِیْلِ كِی طَرَحِ اَمَامِ الْعَالِی سَے بَهْیِ مَرُوی هَے۔ بَعْضِ نَے كَبَا: جِس نَے ڈَا لَا وَهَے اِنْسَانُوں كَا شِیْطَانِ تَهَا جِیْسَے اللّٰه تَعَالٰی كَا اِرْشَادِ هَے: وَالْعَوَا فِیْهِ (فَصَلَتْ: 26) قَدَاوَه نَے كَبَا: یِه وَهَے جُو اَو تَكْتَهْتِے هُوَے پُڑْ هَا تَهَا۔ قَاضِی عِیَاضِ نَے كُتَابِ الشِّفَاءِ مِیْنِ نَبِی كَرِیْمِ ﷺ كِی صَدَا قَتِ پَر دِلِیْلِ ذَكْرِ كَرْنِ كَے بَعْدِ یِه كَبَا هَے كَه اَمْتِ كَا اِجْمَاعِ هَے كَه اَبَی كُوشَلَامِ طَرِیْقَه تَبْلِیْغِ مِیْنِ مَعْصُومِ تَهْے یَعْنِی جِس شَرِیْ مَسْئَلَه كِی خَبْرِ دِیْتِے تَهْے اِس مِیْنِ قَصْدًا، عَمْدًا، سَهْوًا، غَلْطًا كُوئی كِی مِیْشِی وَاقِعِ نَبِیْسِ هُو تِی تَهْیِ بَخْلَافِ اِسِ كَے جِس پَر اَبَی تَهْے (یَعْنِی بَتَقَاضَا شَرِیْعَتِ عَوَارِضِ بَشَرِیَه لَاحِقِ هُو تِے تَهْے) اللّٰه تَعَالٰی اَبَی كُوشَلَامِ نَے دَے۔ هَا رَے لَیْے اِس كَلَامِ مِیْنِ اِس حَدِیْثِ كَے مَشْكَلِ پَر دُو مَآخِذِ هِیْنِ۔ اِیْكَ اِس كِی اَصْلِ كِی تُو هِیْنِ مِیْنِ اَوْر دُوسَرَا اِسِ كَے تَسْلِیْمِ پَر۔ مَآخِذِ اَوَّلِ یِه هَے كَه تِیْرَے لَیْے كَافِی هَے كَه یِه حَدِیْثِ اِیْسی هَے جِیسَے اَهْلِ الصَّحْتِ مِیْنِ

سے کسی نے تخریج نہیں کیا ہے اور نہ ہی کسی ثقہ نے کسی صحیح سلیم متصل اس کو روایت کیا ہے۔

اس روایت اور اس جیسی دوسری روایت کو مفسرین، مؤرخین اور ہر غریب روایت سے اشتیاق رکھنے والے علماء اور ہر صحیح و ستیم روایت کو لینے والے علماء نے شوق سے روایت کیا ہے (جبکہ محققین نے اس کا رد کیا ہے)۔

ابوبکر بزار نے کہا: یہ حدیث ایسی ہے جسے ہم نہیں جانتے کہ یہ نبی پاک ﷺ سے ایسی سند سے مروی ہو جس کا ذکر جائز ہو مگر وہ جس کو شعبہ نے ابوبشر سے انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ میرے خیال کے مطابق حدیث میں شک ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں تھے۔ آگے پورا واقعہ ذکر کیا اور شعبہ سے کسی نے مسند روایت نہیں کیا سوائے امیہ بن خالد کے۔ باقی تمام نے سعید بن جبیر سے مرسل روایت کی ہے اور یہ عن کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس کی سند سے معروف ہے اور ابوبکر نے بیان کیا ہے کہ کسی ایسے طریق سے معروف نہیں جس کا ذکر اس کے سوا جائز ہو اور اس میں ضعف ہے اس میں شک کے وقوع کے ساتھ اس پر تشبیہ کی گئی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے یہ وہ چیز ہے جس پر کوئی وثوق نہیں اور جس کے ساتھ کوئی حقیقت نہیں۔ رہی کلبی کی حدیث اس سے روایت کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ انتہائی ضعیف اور انتہائی کاذب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے سورہ والنجم پڑھی (1) اس وقت مکہ میں تھے آپ نے اس میں سجدہ تلاوت کیا اور مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا۔ مشرکوں، جنوں اور انسانوں نے سجدہ کیا۔ یہ نقل کے طریق سے اس کی توہین ہے۔ دوسرا ماخذ حدیث کے تسلیم کرنے پر ہے۔ اگر وہ صحیح ہو ہم اس کی صحت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔ لیکن بہر حال ائمہ مسلمین نے کئی جوابات دیئے ہیں۔ ان میں سے کچھ کمزور اور کچھ طاقتور ہیں۔ وہ چیز جو اس کی تاویل میں راجح ہوتی ہے اور غالب ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اسی طرح تلاوت کر رہے تھے جس طرح آپ کو حکم تھا۔ آپ اپنی تلاوت میں آیات کا فاصلہ رکھتے تھے جیسا کہ ثقہ راویوں نے آپ سے روایت کیا ہے۔ پس ممکن ہے ان سکتوں میں شیطان نے موقع پایا ہو اور ان کلمات میں سے گھڑ کر اس میں داخل کر دیا ہو اور اس نے نبی پاک ﷺ کی آواز میں اس طرح بیان کیا ہو کہ اس کے قریب والے کفار نے اس کو سن لیا ہو اور انہوں نے اسے رسول اللہ ﷺ کا قول گمان کیا ہو اور پھر انہوں نے اس کو عام کر دیا ہو۔ اس سے قبل مسلمانوں کے نزدیک یہ اس سورت کو یاد کرنے کی وجہ سے کوئی حرج نہ تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نازل کیا تھا اور انہیں یقین تھا کہ نبی کریم ﷺ بتوں کی مذمت کرتے ہیں اور انہیں معیوب سمجھتے ہیں جیسا کہ آپ سے معروف تھا پس جو نبی کریم ﷺ پریشان ہوئے تھے وہ اس شہرت، شبہ اور اس فتنہ کے سبب سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ۔

میں کہتا ہوں: یہ تاویل سب سے بہتر ہے۔ سلیمان بن حرب نے کہا: یہاں آیت میں فی بمعنى عند ہے یعنی شیطان نے کفار کے دلوں میں نبی کریم ﷺ کی تلاوت کے دوران یہ ڈالا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَبِثْتَ فِيْنَا (الشعراء: 18) اس میں فی بمعنى عند ہے۔ یہ وہ مفہوم ہے جو ابن عطیہ نے اپنے باپ سے اور انہوں نے علماء مشرق سے روایت کیا ہے۔ اسی کی

طرف مائل نہ ہوئے۔ پھر زیادہ کیسے مائل ہو سکتے ہیں جبکہ وہ تو اپنی کمزور باتوں میں یہ روایت کرتے تھے کہ وہ میان میں زیادہ ہو گئے ہیں اور ان کے بتوں کی مدح میں افترا کی طرف مائل ہوئے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: ”میں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اور میں نے وہ کہا جو اس نے نہیں کہا“۔ یہ آیت کے مفہوم کی ضد ہے۔ یہ حدیث کو ضعیف کر دیتا ہے اگر وہ صحیح بھی ہوتی پھر جب وہ صحیح بھی نہیں ہے تو کیسی حالت ہوگی یہ اس قول کی مثل ہے: **وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَسَرَ حَسْبُكَ لَهْتُمْ ظَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَصُدُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ (النساء: 113)**

قشیری نے کہا: قریش اور ثقیف نے آپ سے مطالبہ کیا جب آپ ان کے بتوں سے گزر رہے تھے کہ آپ ایک دفعہ ان کی طرف اپنا چہرہ پھیر کر دیکھ لیں اور انہوں نے کہا: اگر آپ ایسا کریں گے تو وہ آپ پر ایمان لے آئیں گے تو آپ نے ایسا نہ کیا اور نہ آپ کی یہ شان تھی۔ ابن انباری نے کہا: نبی پاک ﷺ نہ قریب ہوئے نہ مائل ہوئے۔ زجاج نے کہا: یعنی وہ قریب تھے کہ ایسا کرتے ان اور لامتناہی کے لیے داخل ہوئے ہیں۔ بعض نے کہا: تمنیٰ کا معنی حدیث ہے نہ کہ تلاوت کرنا ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے **إِلَّا إِذَا تَمَنَّى** کے بارے میں روایت کیا ہے فرمایا: **إِلَّا إِذَا حَدَّثَ اس** کا مفہوم ہے۔ **أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُذُنَيْتِهِ** کا مطلب ہے اس کی بات میں شیطان نے ڈالا۔

فَيَسْمَعُ اللَّهُ مَا يُنْقَلُ الشَّيْطَانُ یعنی اللہ تعالیٰ اسے منادیتا ہے جو شیطان ڈالتا ہے۔ نحاس نے کہا: جو کچھ اس آیت کے بارے میں کہا گیا ہے اس میں سے یہ بہتر، عمدہ اور بلند و بالا ہے۔ احمد بن محمد بن حنبل نے مصر میں ایک تفسیری نسخہ کے متعلق کہا جس کو علی بن ابی طلحہ نے روایت کیا تھا: کاش کوئی شخص اس کے لیے مصر تک سفر کرے اس میں کثیر معانی کا قصد کرتے ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کچھ بیان کرتے تو شیطان آپ کی بات میں کسی حیلہ سے کوئی بات ڈال دیتا وہ کہتا: اگر آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے کہ وہ آپ کو اپنے حصہ سے زائد دیتا تو مسلمانوں میں وسعت ہو جاتی اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ فلاح اس کے علاوہ میں ہے تو اسے منادیتا جو شیطان ڈالتا تھا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے۔ کسائی اور فرعاء تمام نے تمنیٰ کا معنی حدیث نفسہ بیان کیا ہے یہ لغت میں معروف ہے اور ان دونوں نے اس کا معنی تلاوت کرنا بھی کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے اور یہ مجاہد، ضحاک وغیرہما نے کہا ہے۔ ابوالحسن بن مہدی نے کہا: یہ التمنیٰ قرآن اور وحی میں سے کسی چیز میں نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ہاتھ مبارک جب مال سے خالی ہو جاتے تھے اور آپ اپنے اصحاب کی معاشی بد حالی کو دیکھتے تو دل کی وجہ سے اور شیطان کے وسوسہ سے دنیا کی خواہش ہوتی؛ یہ مہدوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب آپ بات کرتے تو شیطان آپ کی بات میں ڈالتا؛ یہ طبری کا مختار ہے۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِّلنَّفْسِ** کی حدیث کو رد کرتا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ شیطان کا پھینکنا الفاظ کی وجہ سے تھا جو سنے جاتے تھے جن کے ساتھ فتنہ واقع ہوا۔ نحاس نے کہا اگر حدیث صحیح ہوتی اور اس کی سند متصل ہوتی تو اس میں بات صحیح ہوتی اور سہا کا معنی اسقط ہوتا اور تقدیر کلام اس طرح ہوتی۔

دشمنی، نافرمانی اور مخالفت میں ہیں۔ یہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ ۗ

وَإِنَّ اللَّهَ لَهُدَالِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

” (نیز اس میں یہ حکمت بھی ہے) کہ جان لیں وہ لوگ جنہیں علم بخشا گیا کہ کتاب حق ہے آپ کے رب کی طرف سے تاکہ ایمان لائیں اس کے ساتھ اور جھک جائیں اس (کی سچائی) کے آئے ان کے دل اور بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے ایمان والوں کو راہ راست کی طرف۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ اس سے مراد مومنین ہیں۔ بعض نے کہا: اہل کتاب ہیں۔ انہ یعنی وہ جو اللہ تعالیٰ نے آیات قرآنی سے محکم فرمائیں وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ ان کے دل ایمان لائیں اس کے ساتھ اور جھک جائیں اور سکون پائیں۔ بعض نے فتخبت کا معنی تخلص (خالص ہونا) کیا ہے۔ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُدَالِ الَّذِينَ آمَنُوا ابوحیوہ نے واللہ لہاد الذین آمنوا یعنی توین کے ساتھ پڑھا ہے۔ اِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ یعنی وہ انہیں ہدایت پر ثابت قدم رکھتا ہے۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ

عَذَابٌ يَوْمٍ عَقِيمٍ ۝

” اور ہمیشہ شک میں مبتلا رہیں گے کفار اس کے بارے میں یہاں تک کہ آجائے ان پر قیامت اچانک یا آجائے ان پر عذاب منحوس دن کا۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ یعنی قرآن کے بارے میں کافر ہمیشہ شک میں رہیں گے، یہ ابن جریج کا قول ہے۔ بعض نے کہا: دین کے بارے میں شک میں رہیں گے اور وہ صراط مستقیم ہے۔ بعض نے کہا: اس کے بارے میں جو شیطان نے حضرت محمد ﷺ کی زبان پر ڈالا اور وہ کہتے ہیں: کیا ہوا ہے اسے کہ پہلے تو بتوں کا ذکر خیر سے کیا ہے اور پھر اس سے پھر گیا ہے۔ ابو عبد الرحمن سلمیٰ نے مریۃ کو میم کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور میم کے کسرہ کے ساتھ زیادہ مشہور ہے؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ، السَّاعَةُ سے مراد قیامت ہے۔ بَغْتَةً کا معنی ہے اچانک۔ أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ يَوْمٍ عَقِيمٍ ۝ ضحاک نے کہا: اس دن کا عذاب جس کے لیے رات نہیں ہے اور وہ قیامت کا دن ہے۔ نحاس نے کہا: قیامت کے دن کو عَقِيمٌ کہا گیا ہے کیونکہ اس کے بعد اس کی مثل دن نہیں آئے گا؛ یہ ضحاک کے قول کا معنی ہے۔ لغت میں عَقِيمٌ اسے کہتے ہیں جس کی اولاد نہ ہو اور جن والدین کے درمیان بچہ ہو اور ایام متواتر آئے پیچھے ہوں تو بعد والے دنوں کو اولاد کی ہیئت کی طرح بنایا گیا ہے اور وہ دن جس کے بعد دن نہ ہو تو اسے عَقِيمٌ کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد بدر کے دن کا عذاب ہے۔ اور عَقِيمٌ کا معنی ہے بڑائی میں اس کی مثل نہیں ہے کیونکہ اس

میں فرشتوں نے جہاد کیا تھا۔ ابن جریج نے کہا: کیونکہ وہ اس دن رات تک نظر نہیں آئے تھے بلکہ وہ شام سے پہلے قتل کیے گئے پس وہ ایسا دن ہو جس کے لیے رات نہیں ہے اسی طرح ضحاک کے قول کا معنی ہے کہ وہ قیامت کا دن ہے کیونکہ اس کے لیے رات نہیں ہے۔ بعض نے کہا: اس کو عقیم اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں رحمت و رافت نہیں ہے اور وہ ہر خیر سے خالی ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿٥٠﴾ (الذاریات) یعنی ایسی ہو جس میں خیر نہ تھی اور نہ وہ بارش لاتی تھی نہ رحمت۔

الْمَلِكُ يَوْمَ مِيزَاتِهِ يُحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۖ فَأَلْزَمُنَّ الْأَمْتُونَ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّتِ

النَّعِيمِ ﴿٥١﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٥٢﴾

”حکمرانی اس روز اللہ تعالیٰ کی ہوگی وہی فیصلہ فرمائے گا لوگوں کے درمیان پس جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو وہ نعمت (واحسان) کے باغوں میں (قیام پذیر) ہونگے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو یہ بد نصیب ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہوگا۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الْمَلِكُ يَوْمَ مِيزَاتِهِ ۖ يُحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۖ یعنی قیامت کے روز حکمرانی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگی اس میں نہ کوئی جھگڑنے والا ہوگا نہ دفاع کرنے والا۔ الْمَلِكُ کا معنی ہے جس کے لیے امور کی تدبیر ہے۔ اس کے لیے قدرت کا وسیع ہونا پھر اس کا حکم بیان فرمایا۔ فَأَلْزَمُنَّ الْأَمْتُونَ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّتِ النَّعِيمِ ﴿٥١﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٥٢﴾۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال ہے کہ یومئذ سے یوم بدر کی طرف اشارہ ہو اس نے اس دن میں کافر کو ہلاک کرنے اور مومن کو سعادت بخشنے کا فیصلہ فرمایا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو فرمایا تھا: ”تجھے کیا معلوم اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر کرم کیا اور فرمایا جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا“ (1)۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا الْيَتْرُوقَهُمُ اللَّهُ يَرْزُقْهُمْ اللَّهُ بِرِزْقٍ حَسَنٍ ۗ

إِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّزُقِينَ ﴿٥١﴾ لِيُدْخِلَهُمْ مَدْخَلَ رِزْوَانِهِ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿٥٢﴾

”اور جن لوگوں نے ہجرت کی راہ خدا میں پھر وہ (جہاد میں) قتل کر دیئے گئے یا طبعی طور پر فوت ہوئے تو ضرور عطا فرمائے گا انہیں اللہ تعالیٰ بہترین رزق اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ وہ ضرور داخل کرے گا انہیں ایسی جگہ جسے وہ پسند کریں گے اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، بڑا بردبار ہے۔“

وہ مہاجرین جو فوت ہو گئے اور شہید ہو گئے تو انہیں دوسرے مردوں پر فضیلت و شرف دینے کے لیے ان کا علیحدہ ذکر کیا۔ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ جب مدینہ طیبہ میں حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد فوت

ہوئے تو بعض لوگوں نے کہا جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہید ہو اوہ اس سے افضل ہے جو طبعی موت مرا تو ان کی برابری بیان کرتے ہوئے یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ تمام کو عمدہ رزق دیتا ہے۔ شریعت کا ظاہر یہ ہے کہ شہید افضل ہے۔ بعض اہل علم نے کہا: اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہید اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں فوت ہونے والا شہید ہے لیکن مقتول نے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے برداشت کیا اس کی وجہ سے اسے فضیلت ہے۔ بعض نے کہا: دونوں برابر ہیں اور اس آیت سے حجت پکڑی ہے اور دوسری حجت اس آیت سے پکڑی ہے: **وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (النساء: 100)** اور تیسری دلیل حضرت ام حرام کی حدیث سے پکڑی ہے وہ اپنی سواری سے گر کر وصال فرما گئی تھیں اور شہید نہیں ہوئی تھیں جبکہ نبی کریم ﷺ نے اسے خوشخبری سنائی تھی کہ ”تو پہلے لوگوں میں سے ہے“ (1) اور چوتھی دلیل نبی کریم ﷺ کے ارشاد کو بنایا جو حضرت عبد اللہ بن عتیک کی حدیث میں ہے فرمایا: ”جو گھر سے اللہ کے راستہ میں ہجرت کرتے ہوئے نکلا پھر وہ اپنی سواری سے گر اور فوت ہو گیا یا اسے سانپ نے کاٹا وہ مر گیا یا طبعی موت مر گیا اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور جو شخص اچانک مر جائے تو وہ انجام کا مستوجب ہوگا“ (2)۔ ابن المبارک نے حضرت فضالہ بن عبید سے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ دو آدمیوں میں سے ایک کو جنگ میں منجیق لگی اور فوت ہو گیا اور دوسرا وہاں فوت ہو گیا۔ حضرت فضالہ میت کے پاس بیٹھے تھے تو انہیں کہا گیا: تو نے شہید کو چھوڑ دیا ہے جبکہ تم اس کے پاس نہیں بیٹھے کیا وجہ ہے؟ حضرت فضالہ نے کہا: مجھے کوئی پروا نہیں میں کسی ایک کی قبر سے اٹھایا جاؤں پھر یہ آیت تلاوت کی: **وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا**۔ سلیمان بن عامر نے کہا: حضرت فضالہ زمینوں پر بروہس میں امیر بنائے گئے تھے دو شخصوں کے جنازے اٹھائے گئے ایک مقتول (شہید) تھا اور دوسرا ایسے فوت ہوا تھا۔ حضرت فضالہ نے دیکھا کہ لوگ شہید کے جنازہ کے ساتھ اس کی قبر کی طرف میلان کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے لوگو! میں دیکھتا ہوں تم شہید کی طرف میلان کر رہے ہو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! مجھے کوئی پروا نہیں میں ان میں سے کسی کی قبر سے اٹھایا جاؤں تم یہ ارشاد پڑھو: **وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا**۔ اسی طرح ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا۔ ابن المبارک نے جو ذکر کیا ہے اس کا معنی ہے اور جو کہتے ہیں کہ مقتول کو فضیلت حاصل ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: کون سا جہاد افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس کا خون بہایا گیا اور جس کے گھوڑے کی کوچیں کاٹی گئیں“ (3)۔ جب افضل شہید وہ ہے جس کا خون بہایا گیا اور کوچیں کاٹی گئی تو معلوم ہوا کہ جو اس صفت پر نہیں ہے وہ مفضول ہے۔ ابن عامر اور اہل شام نے قتلوا کثرت کی تشدید کے لیے پڑھا ہے۔ باقی قراء نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ لیدخلنہم مدخلا کریسا اس سے باغات مراد ہیں۔ اہل مدینہ کی قرأت مدخلا میم کے فتح کے ساتھ ہے۔ مراد

2۔ مجمع الزوائد، کتاب الجہاد، جلد 5، صفحہ 503

1۔ مؤطا امام مالک، کتاب الجہاد، الترغیب فی الجہاد، صفحہ 480

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد، القتال فی سبیل اللہ، صفحہ 206

ایضاً، ابوداؤد، ابواب قیام اللیل باب طول القیام، حدیث 1237، نسیاء القرآن پبلی کیشنز

دخولا ہے اور باقی قراء نے ضمہ دیا ہے۔ یہ سورہ سبحان میں گزر چکا ہے۔ **وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ** ﴿۵۰﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ ان کی نیتوں کو جاننے والا ہے، ان کو سزا دینے میں بردبار ہے۔

ذَلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوِّبَ بِهِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لِيَنْصُرَهُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَعَفُؤٌ

عَفُؤٌ ﴿۵۱﴾

”ان باتوں کو یاد رکھو اور جس نے بد لایا اتنی قدر جتنی تکلیف اسے دی گئی تھی پھر (مزید) زیادتی کی گئی اس پر تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد فرمائے گا، بیشک اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ذَلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ**، **ذَلِكَ** محل رفع میں ہے یعنی **ذَلِكَ الْأَمْرَ الَّذِي قَصَصْنَا عَلَيْكَ** وہ معاملہ جو ہم نے آپ پر بیان کیا ہے۔ **مَقَاتِلَ** نے کہا: یہ مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی محرم کی دو راتیں باقی تھیں ان کی مسلمانوں سے ملاقات ہوئی مشرکوں نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب شہر حرام میں جنگ کو ناپسند کرتے ہیں اس لیے اب ان پر حملہ کرو، مسلمانوں نے ان سے سوال کیا تھا کہ وہ شہر حرام میں ان سے جنگ نہ کریں۔ مشرکین نے انکار کیا اور جنگ کرنے کے لیے مسلمانوں پر حملہ کر دیا مسلمان ثابت قدم رہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مشرکین کے خلاف مدد کی اور مسلمانوں کے دلوں میں شہر حرام میں جنگ کی وجہ سے پریشانی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض نے کہا: یہ مشرکوں کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے مسلمانوں کا مثلہ کیا تھا پھر جنگ احد میں ان سے لڑائی ہوئی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کیا **بِسْ وَ مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوِّبَ بِهِ** کا معنی ہے جس نے ظالم کو اتنی جزا دی جتنا اس نے اس پر ظلم کیا تھا۔ پس عوقبت کی جزا کو عوقبت کہا گیا ہے کیونکہ صورت میں فعل برابر ہیں یہ **وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا** (الشوریٰ: 40) کی طرح ہے اور **فَمَنْ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ** (البقرہ: 194) کی مثل ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ **ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ** پھر کلام کے ذریعے یا اسے اپنے وطن سے نکال کر مشرکین نے اپنے نبی کو جھٹلایا اور مومنین کو اذیت دی اور انہیں مکہ سے باہر نکالا اور ان کے نکالنے پر غالب آگئے۔ **لِيَنْصُرَهُ اللَّهُ** یعنی اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی ضرورت مدد کرے گا کیونکہ کفار نے ان پر زیادتی کی۔ **إِنَّ اللَّهَ لَعَفُؤٌ عَفُؤٌ ﴿۵۱﴾** اللہ تعالیٰ نے مومنین کو معاف فرمایا اور شہر حرام میں ان کے قتال کو بھی معاف فرمایا اور ان پر پردہ ڈالا۔

ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿۵۲﴾

”اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی داخل کرتا ہے رات (کے کچھ حصہ) کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کے کچھ

حصہ) کو رات میں اور اللہ تعالیٰ سب باتیں سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ** یعنی جو میں نے تجھ پر مظلوم کی مدد کرنے سے بیان کیا ہے وہ میں ہی ہوں جو رات کو دن میں داخل کرتا ہوں اور کوئی اس پر قادر نہیں جس پر میں قادر ہوں، اس قدر سے وہ اپنے بندے کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ **يُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ** وہ اقوال کو سنتا ہے اور افعال کو دیکھتا ہے اس سے ذرہ برابر کوئی چیز مخفی نہیں ہے

اور چیونٹی کے چلنے کی آواز کو بھی وہ جانتا ہے، سنتا اور دیکھتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ

الْكَافِرُ ⑩

”نیز اس کی یہ وجہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو خدائے برحق ہے اور جسے وہ پوجتے ہیں اس کے علاوہ وہ سراسر

باطل ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بلند (اور) سب سے بڑا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ یعنی وہ حق والا ہے۔ اس کا دین حق ہے اور اس کی عبادت حق ہے اور مومنین اس سے نصرت کے مستحق ہوتے ہیں اس کے حق وعدہ کے حکم سے۔ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ یعنی وہ بت جن کا عبادت میں کوئی استحقاق نہیں ہے۔ نافع، ابن کثیر، ابن عامر اور ابو بکر نے ان ماتدعون تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے اس کو اختیار کیا ہے اور باقی قراء نے خبر کی بناء پر یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور سورہ لقمان میں بھی یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید نے اس کو اختیار کیا ہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ یعنی اپنی قدرت کی وجہ سے ہر چیز سے بلند ہے۔ اور اشباہ، انداد سے بلند ہے اور ظالم لوگ جو ایسی صفات بیان کرتے ہیں جو اس کے جلال کے مطابق نہیں ہیں وہ ان سے پاک ہے۔ الْكَافِرُ ⑩ عظمت، جلال اور بلند شان سے متصف ہے۔ بعض نے کہا: الْكَافِرُ کا مطلب ہے کبریا، والا اور الْكَافِرُ کمال ذات سے عبارت ہے یعنی اس کے لیے ہمیشہ سے وجود مطلق ہے وہ اول قدیم ہے آخر باقی ہے جبکہ مخلوق فنا ہو جائے گی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ

خَبِيْرٌ ⑪

”کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اتارا آسمان سے پانی تو ہو جاتی ہے (خشک) زمین سرسبز و شاداب،

بیشک اللہ تعالیٰ ہمیشہ لطف فرمانے والا ہر چیز سے باخبر ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۗ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال پر دلیل ہے یعنی جو اس پر قادر ہے وہ موت کے بعد حیات کے اعادہ پر قادر ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِذَا اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَّتْ ۗ جب ہم نے اس پر پانی اتارا تو لہلہانے لگی اور بڑی ہوئی۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ فَتُصْبِحُ جواب نہیں ہے تاکہ منصوب ہو؛ یہ خلیل اور سیبویہ کے نزدیک خبر ہے۔ خلیل نے کہا: اس کا معنی ہے تو بیدار ہو، اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا تو ایسا ایسا ہوا جیسا کہ شاعر نے کہا:

اَلَمْ تَسْأَلِ الرَّبَّعَ الْقَوَاءَ فَيَنْطِقُ دَهْلُ تَخْبِرُنَكَ الْيَوْمَ بَيِّنًا سَمَلَقُ

اس کا معنی ہے تو نے اس سے سوال کیا تو وہ بولا۔ بعض علماء نے کہا: استفہام تحقیق ہے یعنی قدرایت میں پھر تو غور کر کیسے

یہ ہو جاتی ہے یا عطف ہے کیونکہ اس کا معنی ہے کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نازل کرتا ہے۔ قراء نے کہا: اَلَمْ تَرَ خبر ہے جیسے تو کلام عرب میں دیکھتا ہے جان تو کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل کرتا ہے۔ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۗ تو وہ

زمین سرسبز ہوگئی جیسے تو کہتا ہے: مبقلة و مسبعة یعنی سبزیوں والی زمین اور درندوں والی زمین۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ پانی کے نزول کا اثر بوٹیوں پر جلدی ہوتا ہے۔ عکرمہ نے کہا: اور وہ اس طرح نہ ہوا مگر مکہ اور تہامہ میں (1)۔ اس کا مطلب ہے اس نے فَتْصِيحُ کے قول سے بارش کی رات کی صبح مراد لی ہے۔ اور ان کا خیال ہے یہ شادابی باقی شہروں میں متاخر ہوتی ہے۔ میں نے یہ بسوس الاقصیٰ میں مشاہدہ کیا کہ قحط کے بعد رات کو بارش نازل ہوئی تو وہ ریتلی زمین جس کو ہوا اڑاتی تھی صبح کے وقت باریک بوٹیوں کے ساتھ سرسبز و شاداب تھی۔ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: خَبِيرٌ بارش کے نہ ہونے کے وقت بندے پر جو مایوسی طاری ہوتی ہے وہ اس سے باخبر ہوتا ہے۔ لَطِيفٌ اپنے بندوں کو رزق بخشنے میں بہت لطیف ہے۔ بعض علماء نے کہا: زمین سے نباتات نکالنے میں لطیف ہے اور ان کی حاجت و فاقہ سے باخبر ہے۔

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهٗوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۳﴾

”اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بے پردا اور تعریف کا مستحق ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ تخلیق اور ملکیت کے اعتبار سے سب کچھ اسی کا ہے ہر چیز تدبیر اور پختگی میں اس کی محتاج ہے۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهٗوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۳﴾ وہ کسی چیز کا محتاج نہیں وہ ہر حال میں محمود ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِاَمْرٍ ۙ وَّيُسِّكُ

السَّمٰءِ اَنْ تَقَعَ عَلٰی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَشَٰرِعُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵﴾

”کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرزندار بنا دیا ہے تمہارے لیے ہر چیز کو جو زمین میں ہے اور کشتی کو بھی کہ چلتی ہے سمندر میں اس کے حکم سے اور اس نے روکا ہوا ہے آسمان کو کہ گرنے پڑے زمین پر بجز اس کے فرمان کے، بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِاَمْرٍ ۙ وَّيُسِّكُ السَّمٰءِ اَنْ تَقَعَ عَلٰی الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَشَٰرِعُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اس نے اپنے بندوں کے لیے جانور، درخت اور نہریں جس کی انہیں ضرورت تھی اسے مسخر کر دیا۔ الْفُلْكَ اور کشتی کو اس کے چلنے کی حالت میں تمہارے لیے مسخر کیا، ابو عبد الرحمن اعرج نے والفلک کو مبتدا کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے اور ما بعد کو خبر بنایا ہے جبکہ باقی قراء نے مَا فِي الْاَرْضِ پر عطف کی بنا پر منصوب پڑھا ہے۔ وَيُسِّكُ السَّمٰءِ اَنْ تَقَعَ عَلٰی الْاَرْضِ یعنی کراہیۃ ان تقع۔ اور کوفیوں نے اس کی تفسیر میں کہا: لئلا تقع آسمان کو اس کا روکنا یہ ہے کہ اس نے اس میں ایک حال کے بعد دوسرے حال میں سکون پیدا کیا ہے۔ اِلَّا بِاِذْنِهٖ مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس کا وقوع ہوگا۔ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَشَٰرِعُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وہ اشیاء جن کو اس نے بندوں کے لیے مسخر کیا ان میں وہ بندوں پر مہربانی کرنے والا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۗ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ﴿١١﴾

”اور وہی ہے جس نے تمہیں زندگی دی پھر مارے گا تمہیں پھر زندہ کرے گا تمہیں بیشک انسان بڑا ناشکر ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ یعنی تمہارا نطفہ ہونے کے بعد اس نے تمہیں زندگی دی ثُمَّ يُمِيتُكُمْ اور تمہاری عمر پوری ہونے کے وقت وہ تمہیں موت دے گا ثُمَّ يُحْيِيكُمْ پھر وہ تمہیں حساب، ثواب اور عقاب کے لیے زندہ کرے گا۔ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ﴿١١﴾ جب وہ آیات ظاہر ہو چکی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت و وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں پھر بھی انسان منکر بنا ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الْإِنْسَانَ سے مراد اسود بن عبدالاسد، ابو جہل بن ہشام، عاص بن ہشام اور مشرکین کی ایک جماعت ہے۔ بعض نے کہا: یہ اس لیے فرمایا کیونکہ اکثر انسان نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں جیسے فرمایا: قَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرُونَ ﴿١٠﴾ (سب)

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ ۗ فَلَا يُنَازِعُكَ فِي الْأَمْرِ وَاذْعُرْ إِلَىٰ سَابِقِ

إِنَّكَ لَعَلَّ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٢﴾

”ہر امت کے لیے ہم نے مقرر کر دیا ہے عبادت کا طریقہ جس کے مطابق وہ عبادت کرتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ نہ جھگڑا کریں آپ سے اس معاملہ میں آپ بلا تے رہیں انہیں اپنے رب کی طرف، (اے محبوب!) آپ بیشک سیدھی راہ پر (گامزن) ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا یعنی ہم نے ہر امت کے لیے شریعت مقرر کی ہے هُمْ نَاسِكُوهُ اس پر عمل کرنے والے ہیں۔ فَلَا يُنَازِعُكَ فِي الْأَمْرِ تمہاری امت کے لیے جو شریعت ہے اس میں کوئی شخص آپ سے جھگڑا نہ کرے۔ ہر زمانہ کی اپنی شریعت تھی۔ ایک فرقہ نے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کفار جو ذباحہ کے بارے میں جھگڑا کرتے تھے اس کے سبب نازل ہوئی اور جو وہ مومنین سے کہتے تھے: تم وہ کھاتے ہو جو تم خود ذبح کرتے ہو اور اسے نہیں کھاتے جس کو اللہ تعالیٰ مارتا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ مارتا ہے وہ زیادہ حقدار ہے کہ تم اسے کھاؤ نسبت اس کے جس کو تم ہی چھریوں سے قتل کرتے ہو۔ تو اس جھگڑا کے سبب یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ مسئلہ سورہ انعام میں گزر چکا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ۔ اور مَنْسَكًا کے متعلق علماء کے اقوال ہیں وہ اسی سورت میں گزر چکے ہیں اور هُمْ نَاسِكُوهُ یہ شعور دیتا ہے کہ منک مصدر ہے اگر یہ ظرف کا صیغہ ہوتا تو ہم ناسکون فیہ ہوتا۔ زجاج نے کہا: فَلَا يُنَازِعُكَ فِي الْأَمْرِ کا مطلب ہے آپ سے وہ نہ جھگڑیں اس معنی پر اِنْ جَدَلُوكَ دلالت کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے: وہ تو آپ سے جھگڑے تھے پھر کیسے فرمایا کہ وہ آپ سے نہ جھگڑیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا معنی ہے آپ ان سے نہ جھگڑیں۔ یہ آیت قتال کے حکم سے پہلے نازل ہوئی۔ تو کہتا ہے: لایضار بنک فلان فلا تضار بہ انت پس یہ باب مفاعلہ پر جاری ہوا۔ یہ نہیں کہا جاتا: لایضرب بنک زید و انت ترد لا تضرب زید اور ابو مجلز نے فلا یضربک فی الامر پڑھا ہے یعنی وہ آپ کو ہلکا نہ سمجھے اور وہ دین کے معاملہ میں تجھ پر غالب نہ آئے۔ جماعت کی قرأت السناذعة سے ہے۔ نبی کا لفظ دونوں قرأتوں میں کفار کے لیے ہے اور مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وَاذْعُرْ إِلَىٰ سَابِقِ یعنی آپ انہیں اللہ تعالیٰ

کی توحید، اس کے دین اور اس پر ایمان لانے کی طرف بلائیں۔ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٥﴾ آپ دین مستقیم پر ہیں۔ جس میں کوئی کجی نہیں ہے۔

وَإِنْ جَدَلْتُمْ مَعَ اللَّهِ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿١٧﴾

”آپ سے جھگڑا کریں تو آپ (صرف اتنا) فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو تم کر رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن ان امور کے بارے میں جن میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنْ جَدَلْتُمْ مَعَ اللَّهِ، اے پیارے محمد! سَلِّمْ سَلِّمْ اگروہ آپ سے جھگڑیں یعنی مشرکین مکہ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ تو کہو: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو تم کرتے ہو یعنی جو وہ حضرت محمد سَلِّمْ سَلِّمْ کی تکذیب کرتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ مقاتل نے کہا: یہ آیت نبی کریم سَلِّمْ سَلِّمْ پر شب معراج نازل ہوئی جب آپ ساتویں آسمان میں تھے اور جو آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی وَإِنْ جَدَلْتُمْ مَعَ اللَّهِ باطل کے ساتھ تم سے جھگڑیں تو انہیں اللہ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ کے قول کے ساتھ جواب دو یعنی کفر و تکذیب جو تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اسے بہتر جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو جھگڑا کرنے سے اعراض کا حکم فرمایا تاکہ آپ ان کی ہٹ دھرمی سے مشغول ہونے سے محفوظ رہیں۔ ہٹ دھرم شخص کے لیے کوئی جواب نہیں ہوتا۔

اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنی نبی کریم سَلِّمْ سَلِّمْ اور آپ کی قوم کے درمیان اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فیصلہ فرمائے گا۔

مسئلہ: اس آیت میں حسن آداب سکھایا جا رہا ہے کہ جو شخص تعصب اور صرف جھگڑا کرنے کے لیے مناظرہ کرتا ہے اسے جواب نہ دیا جائے اور اس سے مناظرہ نہ کیا جائے بلکہ اسے صرف وہی کہا جائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم سَلِّمْ سَلِّمْ کو سکھایا۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ آیت، آیت سیف کے ساتھ منسوخ ہے یعنی مخالفت پر خاموشی اور اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ کے قول پر اکتفا منسوخ ہے۔

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ ۗ إِنَّ ذَلِكَ عَلَىٰ

اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿١٨﴾

”کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے، یہ سب کچھ ایک کتاب میں (لکھا ہوا) ہے، بیشک (بلندی اور پستی کی ہر چیز کو جان لینا) اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، یعنی اے محمد! سَلِّمْ سَلِّمْ جب آپ کو یہ معلوم ہے اور آپ کو یقین ہے تو جان لو کہ وہ یہ بھی جانتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ بعض نے کہا: یہ غیر کے لیے استفہام تقریر ہے۔ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ یعنی جو کچھ اس عالم میں ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ام الکتاب

میں لکھا ہوا ہے۔ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ اختلاف کرنے والوں کے درمیان فیصلہ کرنا اللہ پر آسان ہے۔ بعض نے کہا: اس قلم کا لکھنا جس کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک ہونے والے امور کے لکھنے کا حکم دیا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطٰنًا وَّ مَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ ۗ وَّ مَا
لِلظٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝

”اور وہ پوجتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ان کو نہیں اتاری جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کوئی سند اور انہیں خود بھی ان کے بارے میں کوئی علم نہیں اور نہیں ہوگا ظلم و ستم کرنے والوں کا کوئی مددگار۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَعْبُدُوْنَ اس سے مراد کفار قریش ہیں جو بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطٰنًا۔ سلطان سے مراد حجت اور دلیل ہے۔ یہ سورۃ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰیٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الْمُنْكَرَ ۗ يَكَادُوْنَ
يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰیٰتِنَا ۗ قُلْ اَفَاَنْتُمْ بِشِرِّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۗ اَلْتٰمٰرُ ۗ
وَعَدَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ وَّ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

”اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں صاف صاف تو آپ پہچان لیتے ہیں کفار کے چہروں پر ناپسندیدگی کے آثار یوں پتہ چلتا ہے کہ وہ عنقریب جھپٹ پڑیں گے ان لوگوں پر جو پڑھتے ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں۔ آپ فرمائیے (اے جیسے بچیں ہونے والو!) کیا میں آگاہ کر دوں تمہیں اس سے بھی تکلیف دہ چیز پر دوزخ کی آگ! وعدہ کیا ہے اس آگ کا اللہ تعالیٰ نے کفار سے اور دوزخ بہت برا ٹھکانا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰیٰتُنَا بَيِّنٰتٍ آیات سے مراد قرآن ہے۔ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الْمُنْكَرَ، المنکر سے مراد غضب اور یوست ہے۔ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ وہ پکڑتے ہیں۔ السطوة کا معنی شدت سے پکڑنا ہے۔ کہا جاتا ہے: سطا به یسطو جب کوئی کسی چیز کو پکڑ لے خواہ یہ مارنے کے ساتھ ہو یا گالی گلوچ کے ساتھ ہو۔ اور سطا علیہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰیٰتِنَا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یسطون کا معنی ہے وہ ان کی طرف ان کے ساتھ لڑتے ہیں۔ سخاک نے کہا: وہ انہیں سختی سے ہاتھ سے پکڑتے ہیں۔ تمام معانی ایک جیسے ہیں۔ السطو کی اصل قبر ہے۔ اللہ تعالیٰ ذوسطوت ہے اور سخت گرفت کرنے والا ہے۔ قُلْ اَفَاَنْتُمْ بِشِرِّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۗ اَلْتٰمٰرُ اس قرآن سے جو تم سنتے ہونا پسندیدہ چیز آگ ہے۔ بعض نے کہا: النار سے پہلے ضمیر ہے یعنی هو النار وہ آگ ہے۔ بعض نے کہا: اس کا مطلب ہے کیا میں تمہیں اس سے بھی بری چیز سے آگاہ نہ کروں جو تم سے قرآن پڑھنے والے کو لاحق ہوتی ہے وہ آگ ہے۔ تو یہ ان کے لیے وعید ہوگی جو قرآن پڑھنے والوں کو شدت سے پکڑتے ہیں۔ اور النار میں رفع، نصب اور جرتینوں اعراب جائز ہیں۔ الرفع هو النار کی تقدیر پر یا ہی النار کی تقدیر پر نصب اعنی کی تقدیر پر یا فعل کے اضمار پر جو دوسرے فعل کی مثل ہے یا

معنی پر محمول کی بنا پر یعنی اعرفکم بشرا من ذلکم النار اور زبردل کی بنا پر۔

وَعَدَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيَعْنِي قِيَامَتِمْ فِي وَسْطِ السَّيِّئِينَ ۝ وَجَلَدَ جَسَدِمْ فِي سَائِرِ الْأَنْجَامِ ۝ وَوَعَدَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيَعْنِي قِيَامَتِمْ فِي وَسْطِ السَّيِّئِينَ ۝ وَوَعَدَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيَعْنِي قِيَامَتِمْ فِي وَسْطِ السَّيِّئِينَ ۝

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبٌ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ ۚ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ۚ

ضَعْفَ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ ۝

”اے لوگو! ایک مثال بیان کی جا رہی ہے پس غور سے سنو اسے بیشک جن معبودوں کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ تو کبھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سب جمع ہو جائیں اس (معمولی سے) کام کے لیے اور اگر چھین لے ان سے کبھی بھی کوئی چیز تو وہ نہیں چھوڑا سکتے اسے اس کبھی سے، (آہ) کتنا بے بس ہے ایسا طالب اور کتنا بے

بس ہے ایسا مطلوب۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضَرْبٌ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ، اس کا تعلق وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ۔۔۔ الخ سے ہے فرمایا: ضَرْبٌ مَثَلٌ مثال دی گئی ہے کیونکہ ضرب امثال کے ذریعے ان پر اللہ تعالیٰ کی حجیتیں، ان کے افہام کے زیادہ قریب تھیں۔ اگر کہا جائے کہ جو مثال دی گئی ہے وہ کہاں ہے تو اس میں دو وجوہ ہیں:

1۔ انخفش نے کہا: یہاں کوئی مثل نہیں مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے مثال دی تم ان کی بات غور سے سنو یعنی کفار نے اللہ تعالیٰ کے لیے مثال بنائی ہے غیر کی عبادت کر کے گویا فرمایا: انہوں نے میری عبادت میں میری شبیہ بنائی ہے اس تشبیہ کی خبر سنو۔

2۔ قہمی کا قول ہے اس کا معنی ہے اے لوگو! جو ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں جو کبھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگر کبھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو اس سے لینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ نحاس نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے مثال بیان فرمائی اس کی جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہے۔ اور فرمایا: جو کچھ اس آیت کے بارے کہا گیا ہے اس میں سے یہ قول عمدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور تمہارے معبود کے لیے ایک شبہ بیان فرمائی۔ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ تَمَامُ الْقُرْآنِ تَاءً کے ساتھ تدعون ہے۔ سلمی، ابو العالیہ اور یعقوب نے خبر کی بنا پر یا کے ساتھ يدعون پڑھا ہے۔ اس سے مراد وہ بت ہیں جن کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے اور یہ کعبہ کے ارد گرد تھے یہ تین سو ساٹھ بت تھے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد وہ سردار ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے لوگوں کو روکا تھا۔ بعض نے کہا: اس سے مراد شیاطین ہیں جنہوں نے انہیں اللہ تعالیٰ کی معصیت پر ابھارا تھا۔ پہلا قول زیادہ درست ہے۔ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا، الذباب اسم ہے مذکر اور مؤنث کے لیے اور جمع قلت اذیبة اور جمع کثرت ذبان آتی ہے جیسے غراب کی جمع اغرابة اور غرابان آتی ہے اور کبھی کو ذباب اس کی کثرت سے حرکت کرنے کی وجہ سے کہتے ہیں۔ جوہری نے کہا: الذباب معروف ہے اس کا واحد ذبابہ ہے اور ذبابۃ کہو۔ الذبابۃ جس کے ساتھ کبھی کو دور کیا جاتا ہے: ذباب أسنان الابل اونٹوں کی عمروں کی حد۔ ذباب السیف تلوار کی طرف جو ماری جاتی ہے۔

ذباب العین سے مراد آنکھوں کی پتلی ہے۔ الذبابہ قرض کا بقیہ حصہ۔ ذتب النهار بولا جاتا ہے۔ جب تھوڑا سا دن باقی ہو۔ التذبذب کا معنی حرکت کرنا ہے۔ الذبابہ کسی چیز کا حرکت کرنے والا حصہ جو ہوا میں لٹکائی گئی ہوتی ہے۔ الذذبذب ذکر کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ بار بار حرکت کرتا رہتا ہے۔ حدیث میں ہے: من وقى شرًا ذبذبةً یعنی جسے ذذبذبہ کے شر سے بچایا گیا۔ وَإِنْ يَسْلُبُهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ، الاستنقاذ اور الانقاذ کا مطلب ہے چھوڑ دینا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنے بتوں پر زعفران ملتے تھے۔ پھر وہ خشک ہوتا تھا۔ پس مکھی آتی تھی اور اسے اچک لیتی تھی۔ سدی نے کہا: وہ اپنے بتوں کے لیے کھانا رکھتے تھے اس پر مکھی بیٹھتی تھی اور اسے کھا جاتی تھی۔ ضَعْفُ الطَّالِبِ وَ الْمَطْلُوبِ بعض علماء نے کہا: الطالب سے مراد وہ بت ہیں اور المطلوب سے مراد مکھی ہے۔ بعض نے اس کے برعکس کہا ہے۔ بعض نے کہا: الطالب سے مراد بتوں کے پجاری ہیں اور المصوب سے مراد بت ہے۔ عابد اس بت کی طرف قرب حاصل کرتا تھا۔ اور وہ بت اس کا مطلوب الیہ تھا۔ اور کہا گیا ہے: وَإِنْ يَسْلُبُهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا يه اس کے الم کی طرف راجع ہے جو ان کے جسموں کو کاٹنے کی صورت میں الم اور تکلیف پیدا ہوتی ہے حتیٰ کہ ان سے صبر اور وقار چھین لیتا ہے۔ یہاں مکھی کی مثال اس کی چار خصوصیات کی وجہ سے دی۔ اس کی ذلت و ضعف اور اس کی گندگی کو طلب کرنے اور اس کی کثرت کی وجہ سے مثال بیان کی ہے۔ جب یہ مکھی جو کمزور ترین حیوان ہے اور حقیر ترین حیوان ہے۔ ان کے معبود اس کی مثل پیدا کرنے پر قادر نہیں ہیں اور اس کی اذیت دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو پھر یہ خدا معبود اور ارباب جن کی اطاعت کی جاتی ہو کیسے بن سکتے ہیں؟ یہ قوی ترین دلیل ہے۔

مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٥٠﴾

”نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسے اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا بیشک اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور (اور) سب پر غالب ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ، یعنی انہوں نے اللہ کی ایسی تعظیم نہ کی جیسی اس کی عظمت کا حق تھا کیونکہ انہوں نے مورتیوں کو اس کا شریک بنا دیا۔ یہ سورہ انعام میں گزر چکا ہے۔

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٥١﴾ يَعْلَمُ مَا

بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٥٢﴾

”اللہ تعالیٰ جن لیتا ہے فرشتوں سے بعض پیغام پہنچانے والے اور انسانوں سے بھی بعض کو رسول بنایا، بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے سارے معاملات۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ، سورت کا اختتام اس پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت کی تبلیغ کے لیے چن لیا ہے یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مبعوث ہونا کوئی اجنبی امر نہیں۔ بعض نے کہا: ولید بن مغیرہ نے کہا: کیا ہمارے درمیان سے اس پر قرآن نازل ہوا ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی اور بتایا کہ یہ اختیار اللہ تعالیٰ کا

ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَبِيْعٌ اللّٰهَ تَعَالٰی اپنے بندوں کے اقوال کو سننے والا ہے۔ بِصِيْرٍ ۝ وہ دیکھتا ہے اسے جسے وہ اپنی مخلوق میں سے رسالت کے لیے منتخب کرتا ہے۔ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ جُو اُنہوں نے آگے بھیجا۔ وَمَا خَلْفَهُمْ جُو اُنہوں نے پیچھے چھوڑا۔ یہ اس قول کی مثل ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتٰی وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا (یسین: 12) جُو اُنہوں نے آگے بھیجے۔ وَاِنَّا رَٰهْمُ جُو پیچھے چھوڑے۔ وَ اِلٰی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاَمْوَالُ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ارْكَعُوْا وَاَسْجُدُوْا وَاَعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَاَفْعَلُوْا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

”اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور عبادت کرو اپنے پروردگار کی اور (ہمیشہ) مفید کام کیا کرو تا کہ تم (دین و دنیا میں) کامیاب ہو جاؤ۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ارْكَعُوْا وَاَسْجُدُوْا، سورت کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ اس سورت کو دو سجدوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے یہ دوسرا سجدہ ہے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ اس سجدہ کو واجب سمجھتے ہیں کرتے کیونکہ رکوع، سجدہ کے ساتھ متصل ہے اس سے مراد فرضی نماز ہے۔ رکوع اور سجدہ کو بطور تشریف نماز کے لیے خاص کیا۔ رکوع و سجدہ کے متعلق وضاحت سے سورہ بقرہ میں گفتگو گزر چکی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَعْبُدُوْا رَبَّكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرو۔ وَاَفْعَلُوْا الْخَيْرَ اور واجبات کے علاوہ بھی نیکی کے افعال کرو۔

وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰی جِهَادِكُمْ ۝ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۝
 مِلَّةَ اٰبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۝ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ
 شٰهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شٰهَدًا ۝ عَلٰی النَّاسِ ۝ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاَتُوا الزَّكٰوةَ
 وَاَعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ ۝ هُوَ مَوْلٰكُمْ ۝ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝

”اور (سرتوڑ) کوششیں کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس طرح کوششیں کرنے کا حق ہے، اس نے چن لیا ہے تمہیں (حق کی پاسبانی اور اشاعت کے لیے) اور نہیں روارکھی اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی (پیروی کرو) اپنے باپ حضرت ابراہیم کے دین کی اسی نے تمہارا نام مسلم (سراطاعت خم کرنے والا) رکھا ہے اس سے پہلے اور اس قرآن میں بھی تمہارا یہی نام ہے تاکہ ہو جائے رسول (کریم) گواہ تم پر اور تم گواہ ہو جاؤ لوگوں پر پس (اے دین حق کے علمبردارو!) صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز اور ادا کرو زکوٰۃ اور مضبوط پکڑ لو اللہ تعالیٰ (کے دامن رحمت) کو، وہی تمہارا کارساز ہے پس وہ بہتر کارساز ہے اور بہتر مدد فرمانے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰی جِهَادِكُمْ، بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد کفار سے جہاد ہے۔ بعض علماء نے

فرمایا: اس سے تمام اوامر کی اطاعت کرنے اور تمام نواہی سے باز رہنے کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خواہش نفس کو رد کرنے میں اپنے نفسوں سے جہاد کرو اور شیطان کے دوسوں کو دور کرنے میں شیطان سے جہاد کرو اور ظالموں کے ظلم کو رد کرنے کے لیے ظالموں سے جہاد کرو اور کافروں کے کفر کو روکنے کے لیے کافروں سے جہاد کرو۔ ابن عطیہ نے کہا: مقاتل نے کہا یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ **فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** (التغابن: 16) ہے اسی طرح ہبہ اللہ نے کہا: **حَقِّ جِهَادًا** اور دوسری آیت میں **حَقِّ تَقَاتِبِهِ** (آل عمران: 102) ان اوامر میں استطاعت کی طرف تخفیف کے ساتھ منسوخ ہیں اور نسخ کی تقدیر کی ضرورت نہیں کیونکہ حکم کی ابتدا میں بھی یہی مراد ہے کیونکہ **حَقِّ جِهَادًا** سے حرج اٹھائی گئی ہو۔ سعید بن مسیب سے مروی ہے فرمایا: نبی پاک **سَلَّمَ** نے فرمایا: ”تمہارا بہتر دین آسان دین ہے“ (1)۔ ابو جعفر نخاس نے کہا: یہ وہ چیز ہے جس میں نسخ کا واقع ہونا جائز نہیں کیونکہ یہ انسان پر واجب ہے جیسا کہ حضرت حیوہ بن شریح نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ آپ **سَلَّمَ** نے فرمایا: ”مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے“ (2)۔ اسی طرح ابو غالب نے حضرت ابو امامہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم **سَلَّمَ** سے پوچھا: کونسا جہاد افضل ہے؟ یہ سوال اس نے جمرہ اولیٰ کے پاس کیا تو آپ **سَلَّمَ** نے اس کا جواب نہ دیا پھر دوسرے جمرہ کے پاس یہی سوال کیا تو آپ نے جواب نہ دیا پھر دوسرے جمرہ کے پاس یہی سوال کیا تو آپ نے جواب نہ دیا پھر دوسرے جمرہ کے پاس یہی سوال کیا تو آپ نے جواب نہ دیا پھر دوسرے جمرہ کے پاس یہی سوال کیا تو آپ نے جواب نہ دیا۔ اس نے کہا: میں حاضر ہوں۔ آپ **سَلَّمَ** نے فرمایا: ”ظالم حکمران کے سامنے کلمہ عدل کہنا“ (3)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **هُوَ اجْتَبَاكُمْ** یعنی اپنے دین کے دفاع اور اپنے امر کے التزام کے لیے اس نے تمہیں چن لیا ہے یہ مجاہد کے امر کی تاکید ہے یعنی تم پر جہاد کرنا واجب ہے کیونکہ اس نے تمہیں چن لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ** اس میں تین مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مِنْ حَرَجٍ**، یعنی کوئی تنگی نہیں۔ سورہ انعام میں یہ گزر چکا ہے۔ اس آیت میں بہت سے احکام داخل ہیں یہ وہ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو خاص فرمایا۔ معمر نے قتادہ سے روایت کیا ہے فرمایا: اس امت کو ایسی تین چیزیں عطا کی گئی ہیں جو سوائے نبی کے کسی کو عطا نہیں کی گئیں۔ نبی کریم **سَلَّمَ** کو کہا جاتا ہے: اذہب فلا حرج علیک تم جاؤ تم پر کوئی تنگی نہیں اور اس امت کو کہا گیا: **وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ** نبی اپنی امت پر گواہ ہوتا ہے اور اس امت کو کہا گیا: **وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ** نبی کو کہا جائے گا: **سَلِّ تَعْظَمُ** تم مانگو تمہیں دیا جائے گا۔ اس امت کو کہا گیا: **اِذْعُونِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ** (المومن: 60)

مسئلہ نمبر 2۔ وہ حرج جو اللہ تعالیٰ نے اٹھائی ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ عکرمہ نے کہا: وہ دو دو، تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کا حلال ہونا اور لونڈیوں کا حلال ہونا ہے۔ بعض نے کہا: نماز قصر اور مسافر کے لیے روزہ افطار کرنا ہے اور اشارہ سے نماز پڑھنا جو رکوع و سجود پر قادر نہ ہو، اندھے، لنگڑے، مریض اور نادار شخص سے جہاد کا ساقط کرنا ہے اور ان

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 15936 2۔ جامع ترمذی، کتاب فضل الجہاد، من مات مرابطاً، جلد 1، صفحہ 195

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، الأمر بالمعروف والنہی عن المنکر، صفحہ 299۔ ایضاً حدیث 4001، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سختیوں کو ختم کرنا ہے جو بنی اسرائیل پر تھیں ان اشیاء میں سے اکثر کی تفصیل گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن بصری سے مروی ہے کہ فطر، اضحیٰ اور روزے میں چاندوں کی تاخیر و تقدیم ہے۔ جب کوئی جماعت ذی الحجہ کے چاند میں غلطی کر جائے پھر ایک دن عرفہ سے پہلے نہیں آگا ہی ہو جائے یا وہ دسویں کے دن پر آگاہ ہو جائیں تو ان کے لیے جائز ہے۔ اس میں اختلاف ہے جو ہم نے موطا کی شرح المقتبس میں بیان کیا ہے اور جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ صحیح ہے۔ اسی طرح فطر، اضحیٰ کا مسئلہ ہے جیسا کہ حماد بن زید نے ایوب سے انہوں نے محمد بن منکدر سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تمہاری عید اسی دن ہے جس دن تم افطار کرتے ہو اور تمہاری قربانی کا دن وہ ہے جس میں تم قربانیاں کرتے ہو“ (1)۔ اس حدیث کو ابو داؤد اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اس کے الفاظ وہ ہیں جو ہم نے ذکر کیے ہیں یعنی جہاد کرو جس میں تمہیں کوئی حرج لاحق نہ ہو۔ ائمہ نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دسویں کے دن کی چیزوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تقدیم و تاخیر کے جواب میں فرمایا: افعل ولا حرج تم کرو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ علماء نے فرمایا: حرج اس سے اٹھائی گئی ہے جو منہاج شریعت پر قائم رہا ہے۔ رہے مال سلب کرنے والے، چور، اصحاب حدود تو ان پر حرج ہے۔ یہ وہ ہے جنہوں نے دین سے مفارقت کر کے حرج کو اپنے اوپر لاگو کیا اور شریعت میں اس سے بڑی حرج نہیں کہ اللہ کے راستہ میں دو شخصوں کے لیے ایک شخص کے ثبوت کا الزام ہے، نیز یقین کی صحت کے ساتھ اور عزم کی عمدگی کے ساتھ کوئی حرج نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَمَّا آتَيْنَاكَ زُجَاجًا نَبَايَا** نے کہا: اپنے باپ حضرت ابراہیم کے دین کی اتباع کرو۔ فراء نے کہا: کاف کے حذف کی تقدیر پر منصوب ہے گویا فرمایا: **كَبَلَةً اَبِيكُمْ**۔ بعض علماء نے کہا: اپنے باپ حضرت ابراہیم کے فعل کی طرح خیر کے اعمال کرو فعل کو ملت کے قائم مقام رکھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام عربوں کے باپ ہیں۔ بعض نے کہا: یہ خطاب تمام مسلمانوں کو ہے اگرچہ تمام آپ کی اولاد سے نہیں ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حرمت مسلمانوں پر اس طرح ہے جس طرح باپ کی حرمت بیٹے پر ہوتی ہے۔ **هُوَ سَمُّكُمْ الْمُسْلِمِينَ** **مِنْ قَبْلُ**، ابن زید اور حسن نے کہا: ہوصمیر کا مرجع حضرت ابراہیم ہے۔ معنی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ تمہارا نام لیا ہے۔ **وَفِي هَذَا اس کے حکم میں** کہ جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی وہ مسلم ہے۔ ابن زید نے کہا: **مَرَاتِنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةٌ مُسْلِمَةٌ لَكَ** (البقرہ: 128) نحاس نے یہ قول عظماء امت کے قول کے مخالف ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: اس سے پہلی یعنی پہلی کتب میں اور قرآن میں اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے، یہ مجاہد وغیرہ کا قول ہے۔ **لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ** تمہارے تبلیغ کرنے پر رسول گواہ ہو اور **وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ** تم لوگوں کے خلاف گواہی دو کہ ان کے رسولوں نے انہیں تبلیغ کی تھی جیسا کہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ **فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا** **وَأَتُوا الذِّكْرَ كَوَافًا** **وَاعْتَصِمُوا بِاللهِ** **هُوَ مَوْلَاكُمْ** **فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ الْمَوْجُودُ** اس پر تفصیلاً گفتگو گزر چکی ہے۔ **الحمد لله رب العالمين**۔

سورۃ المومنون

﴿ نساہا ۱۱۸ ﴾ ﴿ ۲۳ سورۃ المؤمنون تکیۃ ۴۳ ﴾ ﴿ رکوعا ۶ ﴾

تمام علماء کے نزدیک یہ پوری سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خِشْعُونَ ﴿۲﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ
مُعْرِضُونَ ﴿۳﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ﴿۴﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿۵﴾
إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ
ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَدُونَ ﴿۷﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿۸﴾ وَالَّذِينَ
هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿۹﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ﴿۱۰﴾ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ
هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۱﴾

”بیشک دونوں جہاں میں با مراد ہو گئے ایمان والے۔ وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں۔ اور وہ جو بیہودہ امر سے منہ پھیرے ہوتے ہیں۔ اور وہ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ بجز اپنی بیویوں کے اور ان کنیزوں کے جو ان کے ہاتھوں کی ملکیت ہیں تو بیشک انہیں ملامت نہ کی جائے۔ اور جس نے خواہش کی ان دو کے ماسوا تو یہی لوگ حد سے بہت زیادہ تجاوز کرنے والے ہیں۔ نیز وہ (مومن با مراد ہیں) جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی نمازوں کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وارث ہیں۔ جو وارث بنیں گے فردوس (بریں) کے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

اس میں نو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱﴾، یہی نے حضرت انس کی حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو تخلیق فرمایا اور اپنے دست قدرت سے اس کے درخت لگائے اور اسے فرمایا تو بول تو اس نے کہا: قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ“ (1) نسائی نے حضرت عبداللہ بن سائب سے روایت کیا ہے فرمایا:

میں فتح مکہ کے دن نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ آپ ﷺ نے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی (1)۔ آپ ﷺ نے اپنے نعلین اتارے اور انہیں اپنی بائیں جانب رکھا اور سورہ المومنون سے تلاوت کی جب حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر پہنچے تو آپ کو کھانسی آگئی آپ نے وہاں رکوع کر دیا۔ امام مسلم نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے۔ امام ترمذی میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: نبی کریم ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کے منہ مبارک سے شہد کی مکھیوں کی بھنھنا ہٹ جیسے آواز سنائی دیتی تھی (2)۔ ایک دن آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی ہم کچھ دیر آپ کے پاس ٹھہرے رہے پھر جب وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ ﷺ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہاتھوں کو بلند کیا اور یہ دعا کی: ”اے اللہ! ہم میں اضافہ کر اور ہم میں کمی نہ کر اور ہمیں خوش رکھ اور ہم سے راضی ہو جا“۔ پھر فرمایا: ”مجھ پر دس آیات نازل ہوئی ہیں جو ان پر عمل پیرا ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا“۔ پھر یہ آیات پڑھیں: قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ، دس آیات تک۔ ابن عربی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ نحاس نے کہا: من اقامہن کا مطلب ہے جس نے ان پر عمل کیا اور جو ان میں احکام ہیں ان کی مخالفت نہ کرے جیسے تو کہتا ہے: فلان یقوم بعملہ فلاں اپنا کام کرتا ہے۔ پھر ان آیات کے بعد وضو اور حج کا فرض نازل ہوا پس وہ بھی ان کے ساتھ داخل ہو گیا۔ طلحہ بن مصرف نے قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ یعنی الف کے ضمہ کے ساتھ مجہول کا صیغہ پڑھا ہے، یعنی ثواب اور خیر میں باقی رکھے گئے۔ الفلام کا لغوی اور شرعی معنی سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: خُشْعُونَ ① معتمر نے خالد سے انہوں نے حضرت محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے فرمایا نبی اکرم ﷺ نماز میں آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خُشْعُونَ پھر رسول اللہ ﷺ سجدہ کی جگہ دیکھتے تھے اور ہشیم نے روایت کی ہے کہ مسلمان نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہوتے تھے اور ادھر ادھر دیکھتے تھے حتیٰ کہ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ① الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خُشْعُونَ ① کا ارشاد نازل ہوا تو وہ اپنی نمازوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے سامنے دیکھنا شروع کیا۔ سورہ بقرہ میں قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (البقرہ: 144) کے تحت علماء کے اقوال نمازی کی نماز کی حالت میں دیکھنے کے بارے میں گزر چکے ہیں کہ وہ نماز میں کس جگہ نظر رکھے۔ اسی طرح خشوع کا لغوی معنی وَ إِنِّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخُشْعِينَ ② (البقرہ) کے تحت گزر چکا ہے۔ خشوع کا محل دل ہے دل میں خشوع ہوتا ہے تو اس کے خشوع کی وجہ سے تمام اعضاء میں خشوع ہوتا ہے کیونکہ وہ جسم کی سلطنت کا بادشاہ ہے جیسا کہ ہم نے سورہ بقرہ میں بیان کیا ہے۔ جب کوئی عالم نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ نماز میں کسی چیز کی طرف نظر کرنے اور نفس میں کسی دنیا کی چیز کا خیال لانے سے رخصن سے ڈرتا ہے۔ عطا نے کہا: وہ نماز میں اپنے جسم کے کسی حصہ سے نہیں کھیلتا۔ نبی کریم ﷺ نے کسی شخص کو نماز میں اپنی داڑھی سے کھیلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ”اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا“ (3)۔ حضرت ابو ذر نے کہا نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو

2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورہ مومنون، جلد 2، صفحہ 146

1۔ سنن نسائی، قرأت بعض السورۃ، جلد 1، صفحہ 156

3۔ کنز العمال، باب الخشوع، جلد 3، صفحہ 146، حدیث 5691

رحمت اس کے سامنے ہوتی ہے پس وہ کنکریوں کو حرکت نہ دے“ (1)۔ اس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ شاعر نے کہا: غور سے سنو نماز میں ساری خیر و برکت ہے کیونکہ اس میں اعضاء اللہ کے لیے عجز و نیاز کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ہماری شریعت کا نماز پہلا فرض ہے۔ اور آخر میں بھی یہی باقی رہے گا جب دین اٹھالیا جائے گا جو تکبیر کے لیے کھڑا ہوتا ہے اس سے رحمت الہی ملاقات کرتی ہے گویا غلام اپنے آقا کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے اور نماز میں انسان اپنے رب سے سرگوشی کرنے والا ہوتا ہے۔ مبارک ہو اگر اسے خشوع نصیب ہو۔ ابو عمران جوئی نے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ نبی پاک ﷺ کا اخلاق کیا تھا فرمایا کیا تم سورۃ المومنون پڑھتے ہو؟ عرض کی گئی: ہاں۔ فرمایا: وہ پڑھو تو سورۃ المومنون قَدْ أَفْذَحَ الْمُؤْمِنُونَ ① سے لیکر يُحَافِظُونَ ② تک پڑھی (2)۔ نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی پاک ﷺ نماز میں پہلے دائیں بائیں دیکھتے تھے لیکن پیٹھ کے پیچھے گردن نہیں پھیرتے تھے (3)۔ حضرت کعب بن مالک نے ایک طویل حدیث میں کہا: میں نبی پاک ﷺ کے قریب نماز پڑھتا تھا اور میں چوری چوری آپ کو دیکھتا تھا جب میں اپنی نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ ﷺ میری طرف دیکھتے تھے اور جب میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تھا تو مجھ سے اعراض فرما لیتے تھے۔ (الحدیث) آپ ﷺ نے کعب کو نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ خشوع کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ کہا: یہ نماز کے فرائض سے ہے یا اس کے فضائل اور مکملات سے ہے۔ صحیح پہلا قول ہے اور خشوع کا محل دل ہے یہ پہلا عمل ہے جو لوگوں سے اٹھایا جائے گا یہ حضرت عبادہ بن صامت کا قول ہے۔ اس کو امام ترمذی نے جبیر بن نفیر کے حوالہ سے حضرت ابودرداء سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے (4)۔ نسائی نے جبیر بن حدیث سے، عوف بن مالک اشجعی سے طرق صحیحہ کے ذریعے روایت کیا ہے۔ ابو یسعی نے کہا: معاویہ بن صالح اہل حدیث کے نزدیک ثقہ ہے۔ ہم کوئی ایسا محدث نہیں جانتے جس نے اس پر کلام کی ہو سوائے یحییٰ بن سعید قطان کے۔

میں کہتا ہوں: معاویہ بن صالح ابو عمرو اور ابو عمر حمصی قاضی اندلس بھی کہا جاتا ہے، ابو حاتم رازی سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: صالح الحدیث ہے اس کی حدیث لکھی جاتی ہے اور اس سے حجت پکڑی جاتی ہے۔ اس میں یحییٰ بن معین کا قول مختلف ہے۔ عبدالرحمن بن مہدی، امام احمد بن حنبل اور ابو زرہ رازی نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس سے حجت پکڑی ہے۔ سورۃ بقرہ میں اللُّغُو اور لِلزُّكُوٰةِ کا معنی گزر چکا ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ضحاک نے کہا: یہاں اللُّغُو سے مراد شرک ہے۔ حسن نے کہا: تمام گناہ ہیں۔ یہ جامع قول ہے اس میں اس کا قول بھی داخل ہے جس نے کہا:

1- جامع ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، ما جامل کراہیۃ مسع الحمولی الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 50

2- المسدک للحاکم، کتاب التفسیر، سورۃ مومنون، جلد 2، صفحہ 392

3- سنن نسائی، کتاب السہو، الرخصۃ فی الالتفات، جلد 1، صفحہ 178۔ جامع ترمذی، باب ما ذکر فی التفات الصلوٰۃ، حدیث 536

4- ترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی ذهاب العلم، حدیث 2577

اللَّعُوبِ سے مراد شرک ہے اور اس کا قول بھی داخل ہے جنہوں نے کہا: اس سے مراد غنا ہے جیسا کہ امام مالک بن انس نے حضرت محمد بن منکدر سے روایت کیا ہے جس کا بیان سورہ لقمان میں آئے گا۔ **فَعِلُونِ** کا معنی ہے ادا کرنے والے۔ یہ فصیح ہے۔ کلام عرب میں اس معنی میں آیا ہے۔ امیہ بن الصلت نے کہا:

الْبَطْعُونَ الطَّعَامَ فِي السَّنَةِ الْآذِمَةَ وَالْفَاعِلُونَ لِلزُّكُوتِ

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَالَّذِينَ هُمْ لِأُذْوِهِمْ كَافُونَ** ابن عربی نے کہا: قرآن کے غرائب میں سے ہے کہ یہ دس آیات مردوں اور عورتوں میں عام ہیں جیسے باقی قرآن کے الفاظ ہیں جو احتمال رکھتے ہیں کہ وہ مردوں اور عورتوں میں عام ہیں لیکن **وَالَّذِينَ هُمْ لِأُذْوِهِمْ كَافُونَ** کا قول اس کے مخاطب صرف مرد ہیں عورتوں کو اس میں خطاب نہیں کیونکہ آگے **إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ** کا قول آیا ہے اور عورتوں کا اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم دوسرے دلائل سے ثابت ہے جیسے عموماً اور خصوصاً آیات احسان اور اس کے علاوہ جو دلائل موجود ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس تاویل پر آیت میں یہ ہے کہ عورت کے لیے حلال نہیں کہ اس سے وہ شخص وطی کرے جس کی وہ مالک ہے اسی پر علماء کا اجماع ہے کیونکہ وہ اس آیت میں داخل نہیں لیکن اگر وہ عورت غلام کو آزاد کر دے تو اس غلام کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے جس طرح دوسروں کے لیے جائز ہے؛ یہ جمہور کے نزدیک ہے۔ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، شعبی اور نخعی سے مروی ہے کہ اگر وہ اپنے غلام کو آزاد کر دے جب وہ اس کی مالک ہو تو وہ اپنے نکاح پر باقی رہیں گے۔ ابو عمر نے کہا: فقہاء الامصار میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک اس کے مالک ہونے سے ان کے درمیان نکاح باطل ہو جائے گا اور یہ طلاق نہیں ہے؛ یہ نکاح کا فسخ ہے اگر مالک ہونے کے بعد اسے آزاد کر دے تو رجوع نہیں ہو سکتا مگر حدیث نکاح کے ساتھ اگرچہ وہ عدت میں ہی ہو۔

مسئلہ نمبر 5۔ محمد بن عبد الحکم نے کہا میں نے حرمہ بن عبد العزیز کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے امام مالک سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو استمناء کرتا ہے۔ تو انہوں نے جواباً یہ آیت پڑھی: **وَالَّذِينَ هُمْ لِأُذْوِهِمْ كَافُونَ**..... **الْعُدُونَ** عرب آلہ تناسل کو عمیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ شاعر نے کہا ہے:

إِذَا حَلَلْتَ بَوَادٍ لَا أُنَيْسَ بِهِ فَاجْلِدْ عُمَيْرَةَ لِادَاءِ وَلَا حَسْبُ

اہل عراق اس کو الاستمناء کہتے ہیں یہ منی سے باب استفعال ہے۔ امام احمد بن حنبل اپنے تقویٰ و ورع کے باوجود اس کو جائز قرار دیتے ہیں ان کی حجت یہ ہے کہ یہ بدن سے فضلہ کا اخراج ہے اور حاجت کے وقت یہ جائز ہے اور اس کی اصل چھپنے لگوانا اور خون نکلوانا ہے۔ اکثر علماء اس کی حرمت کے قائل ہیں۔ بعض علماء نے کہا: یہ اپنے ساتھ برائی کرنا ہے یہ وہ معصیت ہے جس کو شیطان نے ایجاد کیا ہے اور لوگوں میں اس کو پھیلا دیا حتیٰ کہ اس پر بات ہونے لگی کاش! یہ نہ کی جاتی اگر اس کے جواز پر دلیل بھی ہوتی تو ایک صاحب مروت اس کی خست کی وجہ سے اس سے اعراض کرتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ استمناء، لونڈی سے نکاح کرنے سے بہتر ہے۔ ہم کہیں گے: لونڈی سے نکاح کرنا بہتر ہے خواہ کافرہ بھی ہو۔ یہ بعض علماء کے مذہب پر ہے۔

اگر کوئی یہ کہے: تو بھی استمناء کی دلیل ضعیف ہے اور خسیس آدمی کے لیے بھی عار اور شرم کا باعث ہے پھر ایک عظیم آدمی کے لیے کیسے درست ہوگا؟

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ**، فراء نے کہا: یعنی وہ عورتیں جو اللہ نے ان کے لیے حلال کی ہیں ان سے تجاوز نہیں کرتے۔ **أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ** یہ محل جرم میں ہے اور **أَزْوَاجِهِمْ** پر معطوف ہے اور ما مصدر یہ ہے یہ زنا استمناء اور نکاح متعہ کی تحریم کا تقاضا کرتی ہے؛ کیونکہ جس عورت سے متعہ کیا گیا ہے وہ زوجات کے قائم مقام نہیں ہے وہ نہ وارث ہوتی ہے نہ اس کی میراث لی جاتی ہے۔ اور اس کا بچہ اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا جاتا اور نکاح متعہ سے عورت کو طلاق دینے کے ساتھ نکاح سے خارج نہیں کرتا بلکہ اسی مدت کے گزرنے کے ساتھ اسے خارج کرتا ہے جو مدت انہوں نے متعین کی تھی وہ مستاجرہ کی طرح ہوتی ہے۔ ابن عربی نے کہا: اگر ہم کہیں کہ متعہ جائز ہے اور یہ ایک مدت تک زوجہ ہے تو اس پر زوجیت کے اسم کا اطلاق ہوگا اور اگر ہم وہ حق بات کہیں جس پر اجماع امت ہے کہ نکاح متعہ حرام ہے تو وہ اس کی زوجہ نہیں ہے اور وہ اس آیت کے تحت داخل نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس اختلاف کا فائدہ یہ ہے کہ کیا حد واجب ہوگی اور صریح زنا کی طرح بچہ لاحق نہیں کیا جائے گا یا شبہ کی وجہ سے حد نہیں لگائی جائے گی اور بچہ لاحق کیا جائے گا؟ ہمارے اصحاب کے دو قول ہیں۔ (۱) متعہ کی تحلیل و تحریم کے احوال تھے۔ اسی وجہ سے پہلے مباح تھا پھر نبی پاک ﷺ نے خیبر کے زمانہ میں اس کو حرام کیا تھا پھر اسے فتح مکہ کے موقع پر حلال کیا تھا پھر اس کے بعد اس کو حرام کیا تھا۔ یہ ہمارے اصحاب میں سے ابن خويز منداد وغیرہ کا قول ہے۔ ابن عربی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ سورہ النساء میں متعہ پر گفتگو گزر چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذٰلِكَ فَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ** ① جو ایسی عورت سے نکاح کرے جو حلال نہ ہو اسے عادی کہا گیا ہے اور اس کے حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے اس پر حد واجب کی ہے اور لواطت کرنے والا قرآن اور سنت کے اعتبار سے حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ** ② (الشعراء) جیسا کہ سورہ اعراف میں گزر چکا ہے پس ایسے لوگوں پر حد کا قائم کرنا واجب ہے یہ ظاہر ہے اس پر کوئی غبار نہیں۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے جب تک وہ جاہل نہ ہو یا تاویل کرنے والا نہ ہو اگرچہ اجماع منعقد ہے کہ **وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ** ③..... الخ سے مراد صرف مرد ہیں عورتیں اس میں شامل نہیں۔ معتمر نے قتادہ سے روایت کیا ہے فرمایا: ایک عورت نے اپنے غلام سے ہم بستری کی اس کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا گیا تو آپ نے اس عورت سے پوچھا کہ اس عمل پر تجھے کس بات نے ابھارا؟ اس عورت نے کہا: میں خیال کرتی تھی کہ وہ میرا غلام ہے جس طرح مرد کے لیے لونڈی حلال ہوتی ہے یہ میرے لیے حلال ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے اس عورت کو رجم کرنے کا فیصلہ کیا تو صحابہ کرام نے کہا: اس نے کتاب اللہ کی غلط تاویل کی ہے اس پر رجم نہیں ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس کے بعد کبھی تجھے کسی آزاد کے لیے حلال نہیں کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے یہ سزا دی اور حد دور کر دی اور غلام کو آپ نے اس کے

قریب نہ جانے کا حکم دیا۔

ابوبکر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس تھا ایک عورت اپنے خوبصورت غلام کے ساتھ آئی اور کہنے لگی: میں اس کے ساتھ ہم بستر ہوتی ہوں اور میرے چچا کے بیٹے مجھے اس سے منع کرتے ہیں میں بھی تو اس مرد کی طرح ہوں جس کے لیے لونڈی ہوتی ہے تو وہ اس کے ساتھ وطی کرتا ہے۔ پس آپ میرے چچا کے بیٹوں کو مجھ سے باز رکھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا تو نے اس سے پہلے نکاح کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ کی قسم! اگر تیری جہالت نہ ہوتی تو میں تجھے پتھروں کے ساتھ رجم کرتا لیکن تم اسے لے جاؤ اور اس کو فروخت کر دو کسی ایسے شخص سے جو اس غلام کو شہر سے باہر لے جائے۔ وراء بمعنی سوئی ہے یہ ابتغی کا مفعول ہے یعنی جس نے بیویوں اور مملوکہ لونڈیوں کے علاوہ کو طلب کیا۔ زجاج نے کہا: اس کے بعد جس نے طلب کیا۔ پس ابتغی کا مفعول مخذوف ہے اور وراء ظرف ہے۔ اور ذالک اس کے ساتھ ہر مذکور، مذکور اور مؤنث کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعُدْوَانُ ۝ حد سے تجاوز کرنے والے یہ عدا سے مشتق ہے یعنی حد سے تجاوز کیا۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِهِمْ مَرْعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ

يُحَافِظُونَ ۝ جمہور نے لاماناتہم پڑھا ہے جمع کے ساتھ۔ ابن کثیر نے مفرد پڑھا ہے۔ امانت اور عہد دین کے ہر قول اور عمل کو جامع ہے جس کو انسان اٹھاتا ہے۔ یہ لوگوں کی معاشرت، وعدہ وغیرہ کو عام ہے۔ اس کی انتہاء یہ ہے کہ عہد و پیمان کی پاسداری اور حفاظت کی جائے۔ امانت عہد سے اعم ہے۔ ہر عہد امانت ہوتا ہے اس میں قول، فعل اور عقیدہ سب شامل ہیں۔

مسئلہ نمبر 9۔ جمہور نے صلواتہم پڑھا ہے۔ حمزہ اور کسائی نے صلواتہم پڑھا ہے یہ افراد اسم جنس ہے جو جمع کے

معنی میں ہے۔ نماز کی محافظت سے مراد نماز کا قائم کرنا ہے اور اول وقت میں ادائیگی کی کوشش کرنا ہے، اس کے رکوع و سجود کو

مکمل کرنا ہے۔ سورہ بقرہ میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ پھر فرمایا: أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ان آیات میں جو ذکر کیا گیا ہے اس پر جس

نے عمل کیا وہ وارث ہیں یعنی جنت میں دوزخیوں کی منازل کے وارث ہیں۔ حدیث میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے

مروی ہے کہ نبی کریم سے مروی ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لیے جنت میں ایک مسکن بنایا ہے اور ایک مسکن دوزخ میں

ہے مومنین اپنی منازل کو لے لیں گے اور کفار کی منازل کے وارث ہوں گے اور کفار اپنی دوزخ کی منازل میں ہوں

گے“ (1)۔ اس حدیث کا مفہوم ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: ”تم میں ہر ایک کی دو منزلیں ہیں ایک منزل جنت میں اور ایک منزل آگ میں جب کوئی شخص مرتا ہے اور دوزخ میں

داخل ہوتا ہے تو اہل جنت اس کی منزل کے وارث ہوتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝“ (2)

اس کی سند صحیح ہے یہ بھی احتمال ہے کہ جنت کے حصول کو وراثت کہا ہو اس کے حصول کی حیثیت سے جبکہ دوسروں کو وہ نہیں ملی۔

یہ دو وجوہ پر اسم مستعار ہے۔ فردوس جنت کی بلند، اوسط اور افضل جگہ کا نام ہے۔ اس حدیث کو ربیع بنت نضر ام حارثہ سے

روایت کیا ہے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور صحیح مسلم میں ہے ”جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو وہ جنت وسط اور جنت کا اعلیٰ درجہ ہے اس سے جنت کی نہریں پھوٹی ہیں“ (1)۔ ابو حاتم محمد بن حیان نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: فہانہ أوسط الجنة، یعنی وہ عرض کے اعتبار سے جنت کے وسط میں ہے اور وہ جنت کا اعلیٰ ہے یعنی بلند ترین جگہ ہے۔ یہ تمام حضرات ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول کی تصحیح کرتے ہیں۔ فردوس جنت کا پہاڑ ہے جس سے جنت کی نہریں پھوٹی ہیں۔ مجاہد کے قول میں یہ رومی لفظ ہے عربی میں استعمال کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا: یہ فارسی لفظ ہے عربی بنا لیا گیا ہے۔ بعض نے کہا: حبشہ کی زبان کا لفظ ہے۔ اگر یہ ثابت ہو تو یہ تمام زبانوں کا لفظ ہوگا۔ ضحاک نے کہا: یہ عربی لفظ ہے اس کا مطلب الکرم ہے۔ عرب کروم (انگور کی بلیں) کو قرادیس کہتے ہیں۔ فَمُ فِيهَا خَلِيدُونَ ⑩، جنت کے معنی پر مونث استعمال ہوا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَلَةٍ مِنْ طِينٍ ⑪ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ⑫
ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظْمًا فَكَسَوْنَا الْعِظْمَ
لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ⑬ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ⑭

”اور بیشک ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے جوہر سے۔ پھر ہم نے رکھا اسے پانی کی بوند بنا کر ایک محفوظ مقام پر۔ پھر ہم نے بنا دیا نطفہ کو خون کا لوتھڑا پھر ہم نے بنا دیا اس لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی پھر ہم نے پیدا کر دیں اس بوٹی سے ہڈیاں پھر ہم نے پہنایا ان ہڈیوں کو گوشت پھر (روح پھونک کر) ہم نے اسے دوسری مخلوق بنا دیا، پس بڑا بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔“

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ يَهَا انْسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں؛ یہ قتادہ وغیرہ کا قول ہے کیونکہ وہ مٹی سے بنائے گئے تھے پھر لَمْ جَعَلْنَاهُ کی ضمیر کا مرجع ابن آدم ہے اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہیں لیکن شہرت امر کی وجہ سے یہ صحیح ہے کیونکہ معنی صرف اسی صورت میں صحیح ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے حَتَّى تَوَارَثَ بِالْحَبَابِ ⑮ (ص)

بعض علماء نے فرمایا: سُلَلَةٍ سے مراد ابن آدم ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول ہے اس بناء پر السلالة سے مراد صاف پانی یعنی مٹی ہوگی۔ السلالة، السل سے فعالہ کا وزن ہے۔ اس کا مطلب کسی چیز کو دوسری چیز سے نکالنا۔ کہا جاتا ہے: سَلَلْتُ الشَّعْرَ مِنَ الْعَجِينِ میں نے آٹے سے بال نکالا اور نیام سے میں نے تلوار نکالی۔ السيف من الغمد اسی سے شاعر کا قول ہے:

فَسَلَّتْ شِيبَابِي مِنْ شِيبَابِكَ تَسَلُّ

النفثہ کو سلالۃ بچے کو سلیل و سلالۃ کہتے ہیں اس سے مراد وہ پانی لیا جاتا ہے جو پیٹھ سے نکالا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

فجاءت بہ غضب الادیم غضفرا سلالہ فرج کان غیر حصین

اور ایک شاعر نے کہا:

وما ہند الا مہرۃ عربیۃ سلیلۃ افراس تجللہا بغل

اور قمن طین ① حضرت آدم علیہ السلام کی اصل مٹی سے ہے۔

میں کہتا ہوں: یعنی خالص مٹی سے ہے جیسا کہ ہم نے سورہ انعام کے آغاز میں بیان کیا ہے۔

کلبی نے کہا: السلالہ اس مٹی کو کہتے ہیں جب تو اسے نچوڑے تو وہ تیری انگلیوں کے درمیان سے نکلے اور جو نکلتی ہے

اسے السلالہ کہتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نُطْفَةُ نطفہ، علقہ، مضغۃ اور ان کے متعلق احکام سورہ حج کے آغاز میں

گزر چکے ہیں۔ الحمد للہ علی ذالک۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ خَلْقِ آخِرِ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت

ابن عباس رضی اللہ عنہما، ثعلبی، ابو العالیہ، ضحاک اور ابن زید نے کہا: اس کے جماد ہونے کے بعد اس میں روح پھونکنا ہے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس کا دنیا کی طرف نکلنا ہے۔ قتادہ نے ایک جماعت سے روایت کیا ہے کہ بالوں کا

اگنا ہے۔ ضحاک نے کہا: دانتوں کا نکلنا اور بالوں کا نکلنا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کے شباب کا کمال ہے؛ یہ حضرت ابن عمر

رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اس میں اور دوسری چیزیں نطق، ادراک، حسن گفتگو اور تحصیل المعقولات یعنی مرنے تک

جو مراحل آتے ہیں سب کو شامل ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ① روایت کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن

خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ آیت آغاز سے خَلْقًا آخَرَ تک سنی تو کہا: فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اسی طرح اتاری گئی ہے (2)۔ مسند طیاسی میں ہے: وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ① نازل ہوئی جب یہ نازل

ہوئی تو میں نے کہا: فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ②، تَوَفَّتْ بَرَكَةُ اللَّهِ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ③ کے الفاظ نازل ہو گئے۔

روایت کیا جاتا ہے کہ اس کے قائل معاذ بن جبل تھے۔ روایت ہے کہ اس کے قائل عبد اللہ بن ابی سرح تھے۔ اسی سبب سے

وہ مرتد ہوا تھا اس نے کہا جیسا کلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لاتا ہے اس کی مثل میں بھی لاتا ہوں۔ اس کے بارے میں یہ آیت نازل

ہوئی۔ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ

اللَّهُ (الانعام: 93) اس کا بیان سورہ انعام میں گزر چکا ہے۔ تبارک برکت سے باب تفاعل ہے۔ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ سب

بنانے والوں سے پختہ بنانے والا ہے جو وہ چیز بناتا ہے اس سے یہ خفقہ بنا جاتا ہے؛ اسی سے شاعر کا قول ہے:

ولانت تفری ما خلقت وبعد من القوم یخلق ثم لا یفری

بعض لوگوں نے اس لفظ کی لوگوں سے نفی کی ہے۔ خلق کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ ابن جریر نے کہا: فرمایا أَحْسَنُ الْخَلْقِینَ کیونکہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تخلیق کرنے کی اجازت دی تھی۔ بعض اس میں مضطرب ہیں۔ الصنع کے معنی میں اس لفظ کی بشر سے نفی نہیں کی جاتی۔ عدم سے ایجاد و اختراع کے معنی کے اعتبار سے نفی کی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اس آیت کی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا جب انہوں نے بزرگ صحابہ سے لیلۃ القدر کے بارے پوچھا تھا تو انہوں نے کہا تھا: اللہ بہتر جانتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے حضرت ابن عباس! نبیؐ جہا تم کیا جانتے ہو؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا کیے اور سات زمینیں پیدا کیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو سات ادوار سے پیدا کیا اور اس کا رزق سات چیزوں سے بنایا۔ میرا خیال ہے یہ ستائیسویں کی رات میں ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم اس جیسا کلام لانے سے عاجز تھے جو یہ نوجوان لایا ہے جس نے ابھی اپنے سر کی مکمل صلاحیتیں بھی جمع نہیں کیں۔ یہ طویل حدیث مسند ابی شیبہ میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خلق ابن آدم من سبع سے مراد یہ آیت لی ہے۔ فَأَنْبَثْنَا فِيهَا حَبًّا ۝ وَعِنَبًا ۝ وَقَضًا ۝ وَزَيْتُونًا ۝ وَتَخْلًا ۝ وَحَدَّآبٍ ۝ وَغُلًّا ۝ وَفَاكِهِةً ۝ وَآبًا ۝ (عبس) ان میں سے سات چیزیں ابن آدم کے لیے ہیں۔ اور الاب جانوروں کے لیے ہے۔ القضب اس کو ابن آدم کھاتا ہے۔ اور اس سے عورتیں موٹی ہوتی ہیں یہ ایک قول ہے۔ اور بعض علماء نے کہا: القضب سے مراد سبزیاں ہیں کیونکہ وہ کائی جاتی ہیں۔ یہ ابن آدم کا رزق ہیں۔ بعض نے کہا: القضب اور الاب جانوروں کے لیے ہیں۔ باقی چھ ابن آدم کے لیے ہیں اور ساتویں چیز جانور ہیں۔ یہ بھی ابن آدم کا رزق ہیں۔

لَمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُونَ ۝

”پھر یقیناً تم ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد مرنے والے ہو پھر بلاشبہ تمہیں روز قیامت (قبروں سے) اٹھایا جائے گا۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ۝ یعنی خلق اور حیات کے بعد تم مرنے والے ہو۔ نحاس نے کہا: اس معنی میں السائتوں کہا جاتا ہے۔ پھر مرنے کے بعد اٹھنے کی خبر دی فرمایا: لَمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُونَ ۝ پھر تم قیامت کے روز اٹھائے جاؤ گے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآءٍ ۝ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝

”اور بیشک ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنا دیے اور ہم اپنی مخلوق (کی مصلحتوں) سے بے خبر نہ تھے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآءٍ ۝ ابوعبیدہ نے کہا: سَبْعَ طَرَآءٍ سے مراد سات آسمان ہیں اس سے حکایت کیا گیا ہے کہ کہا جاتا ہے: طارقت الشفق کسی چیز کو دوسری چیز کے اوپر رکھنا۔ بعض نے کہا: آسمانوں کے لیے راستے ہیں کیونکہ وہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں۔ عرب ہر وہ چیز جو کسی چیز کے اوپر ہو اسے طریقہ کہتے ہیں۔ بعض نے کہا: وہ

ملائکہ کے راستے ہیں۔ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ ﴿۱۵﴾ بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے آسمان کی تخلیق سے غافل نہیں۔ اکثر مفسرین نے کہا: تمام مخلوق سے بے خبر نہیں کہ آسمان ان پر گر پڑیں اور انہیں ہلاک کر دیں۔ میں کہتا ہوں: اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ مخلوق کی مصلحتوں اور حفاظت سے ہم غافل نہیں، یہی الحی القیوم کا معنی ہے۔ جو پہلے گزر چکا ہے۔

وَ أَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَتْهُ فِي الْأَرْضِ ۗ وَ إِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهَا لَقَدِيرُونَ ﴿۱۶﴾

”اور ہم نے اُتارا آسمان سے پانی اندازہ کے مطابق پھر ہم نے ٹھہرایا اسے زمین میں اور یقیناً ہم اسے بالکل ناپید کرنے پر پوری طرح قادر ہیں۔“
اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر جو نعمتیں فرمائیں اور جو ان پر احسانات فرمائے ان میں سے ایک یہ آیت بھی ہے اس کے احسانات میں سے بڑا احسان پانی ہے جو انسانی بدن کی زندگی اور حیوان کی نمو کا باعث ہے۔ آسمان سے نازل ہونے والے پانی کی دو قسمیں ہیں۔ یہ جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا اور جس کے بارے خبر دی کہ اس نے زمین کے اندر رکھا ہے اور اسے انسانوں کے پینے کے لیے خزانہ کیا ہے جس کو لوگ ضرورت کے وقت حاصل کرتے ہیں اور وہ نہروں، چشموں اور کنوؤں کا پانی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے کہ یہاں چار پانیوں کا ارادہ فرمایا ہے۔ سیحان، جیحان نیل اور فرات۔ مجاہد نے کہا: زمین میں کوئی پانی نہیں ہے مگر وہ آسمان سے آیا ہے۔ یہ مطلق نہیں ہے وگرنہ کھاری پانی زمین میں ثابت ہے۔ ممکن ہے یہ مجاہد کا قول بیٹھے پانی سے مقید ہو۔ لامحالہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں پانی رکھا ہے اور آسمان سے بھی پانی اتارا ہے۔ بعض نے کہا: وَ أَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ پانی کی طرف اشارہ ہے اور اس کی اصل سمندر سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے لطف اور حسن تقدیر سے سمندر سے آسمان کی طرف اُٹھاتا ہے حتیٰ کہ وہ اس اُٹھانے جانے کے ساتھ بیٹھا ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے زمین کی طرف اتارتا ہے تاکہ اس سے نفع حاصل کیا جائے اگر معاملہ سمندر کے پانی تک ہوتا تو اس کی ملاحت کی وجہ سے اس سے نفع حاصل نہ کیا جاتا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بِقَدَرٍ، اس مقدار پر جو اصلاح کرنے والی ہے کیونکہ اگر بارش زیادہ ہوتی تو نقصان کرتی اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنزِلُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ ﴿۱۶﴾ (الحجر) اور ارشاد ہے: وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهَا لَقَدِيرُونَ ﴿۱۶﴾ یعنی اس خزانہ شدہ پانی کو لے جانے پر بھی قادر ہیں۔ یہ تہدید اور وعید ہے یعنی اس کا نیچے لے جانا ہماری قدرت میں ہے اور لوگ پیاس کی وجہ سے ہلاک ہو جائیں گے اور مویشی مر جائیں گے یہ اس قول کی طرح ہے: قُلْ أَسَاءَ يُسْمِعُ إِنَّا صَبَّحْنَا بِهَا وَكُم غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مُّوعَدٍ ﴿۱۶﴾ (الملك)

مسئلہ نمبر 3۔ نحاس نے ذکر کیا ہے کہ ابو یعقوب اسحاق بن ابراہیم بن یونس پر پڑھا گیا انہوں نے جامع بن سوارہ

سے روایت کیا ہے فرمایا ہمیں سعید بن سابق نے بتایا فرمایا ہمیں مسلمہ بن علی نے بتایا انہوں نے مقاتل بن حیان سے انہوں نے عکرمہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے جنت سے زمین کی طرف پانچ نہریں اتاریں (1)۔ سیحون، یہ ہند کی نہر ہے۔ جیحون، یہ بلخ کی نہر ہے۔ دجلہ اور فرات، یہ عراق کے دریا ہیں۔ نیل مصر کی نہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کے چشموں میں سے ایک چشمہ سے انہیں اتارا ہے۔ جنت کے درجات میں سے نچلے درجہ سے جبریل کے دونوں پروں پر نکالیں پھر انہیں پہاڑوں میں ودیعت کیا اور زمین میں انکا اجرا فرمایا اور ذرائع معاش میں لوگوں کے لیے ان میں منافع رکھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَتْهُ فِي الْأَرْضِ جِبْيَانًا وَمَا جُوجُ كَمَا خَرُوجُ هُوَ كَمَا تَوَالَّفَ جِبْرِيْلُ كَمَا يَجِيءُ كَمَا أَوْرَزَ مِيْنَ سَعْدِ الْقُرْآنِ، علم اور پانچوں نہریں وہ اٹھالے گا پھر وہ انہیں آسمان کی طرف لے جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهَا لَقَادِرُونَ ﴿١٠﴾ سے یہی مراد ہے۔ جب یہ تمام اشیاء زمین سے اٹھالی جائیں گی تو زمین میں بننے والے دین و دنیا کی خیر کو مقفود پائیں گے۔“

مسئلہ نمبر 4۔ ہر پانی جو آسمان سے نازل ہوا خواہ وہ خزانہ شدہ ہے یا خزانہ شدہ نہیں ہے وہ پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے۔ اس سے غسل اور وضو کیا جائے گا جیسا کہ سورہ الفرقان میں اس کا بیان ہوگا۔

فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَّكُمْ فِيهَا فَوَاكِهِ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿١٠﴾

”پھر ہم نے اگائے تمہارے لیے اس پانی سے باغات کھجوروں اور انگوروں کے تمہارے لیے ان میں بہت سے پھل ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔“

اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَّكُمْ فِيهَا فَوَاكِهِ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿١٠﴾۔ انہیں پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے النخیل (کھجور) والاعناب (انگور) کا ذکر کیا کیونکہ یہ طائف، مدینہ وغیرہا شہروں کے پھل ہیں؛ یہ طبری کا قول ہے۔ نیز تمام پھلوں سے یہ افضل ہیں تشریف و تشبیہ کے لیے ان کا خصوصی ذکر فرمایا۔ لَكُمْ فِيهَا تَمَّارَةٌ لِّكُمْ جَنَّتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَّكُمْ فِيهَا فَوَاكِهِ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿١٠﴾۔ فَوَاكِهِ کھجور اور انگور کے علاوہ۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نخیل اور اعناب کی طرف راجع ہو کیونکہ ان کی بہت سی اقسام ہوتی ہیں۔ پہلا قول تمام پھلوں کو شامل ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ جس نے قسم اٹھائی کہ وہ پھل فَوَاكِهِ نہیں کھائے گا۔ ایک روایت میں ہے ہمارے نزدیک، سبز لوبیا اور اس کے مشابہ چیزیں کھانے سے حائث ہو جائے گا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: گکڑی، کھیر اور تر کھانے سے حائث نہیں ہوگا کیونکہ یہ سبزیوں سے ہیں پھلوں سے نہیں ہیں، اسی طرح اخروٹ، بادام اور پستہ کا حکم ہے کیونکہ یہ چیزیں پھلوں سے شمار نہیں ہوتی ہیں۔ اگر سیب، آڑو، کشمش یا امرود کھایا تو حائث ہو جائے گا اسی طرح تر بوز کھانے سے حائث ہو جائے گا کیونکہ یہ تمام اشیاء کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد بطور پھل کھائی جاتی ہیں۔ پس یہ پھل ہیں۔ اسی طرح یہ اشیاء خشک ہوں تو بھی ان کا

پھل کا حکم ہے مگر خشک تر بوز اس حکم میں نہیں کیونکہ وہ پھلوں میں شمار نہیں کیا جاتا ہے۔ اگر انگور یا انار یا کھجور کھائی تو بھی حانت نہ ہوگا۔ صاحبین نے امام صاحب کی اس مسئلہ میں مخالفت کی ہے وہ فرماتے ہیں: حانت ہو جائے گا کیونکہ یہ اشیاء تو عمدہ پھلوں سے ہیں۔ اور تنعم کے طور پر کھائی جاتی ہیں اور ان کا علیحدہ ذکر ان کے معانی کے کمال کی وجہ سے ہے جیسے ملائکہ سے جبریل سے ہیں۔ اور تنعم کی طور پر کھائی جاتی ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے یہ حجت پکڑی ہے کہ ان اشیاء کا عطف پھلوں پر کیا گیا ہے۔ فرمایا: **وَقَا كَهَتْو** و میكائل کی تخصیص کی جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ نے یہ حجت پکڑی ہے کہ ان اشیاء کا عطف پھلوں پر کیا گیا ہے۔ فرمایا: **وَقَا كَهَتْو** انبیا (ع) معطوف، معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔ احسان کے مقام پر ایک چیز کو دو نام دینے کا حکمت تقاضا نہیں کرتی۔ انگور اور انار بعض شہروں میں کفایت کرتے ہیں وہاں یہ پھل نہیں ہوں گے کیونکہ جو پھل ہوتا ہے وہ خشک اور تر میں علیحدہ علیحدہ حکم نہیں رکھتا ہے۔ ان اشیاء کا خشک فاکہہ شمار نہیں ہوتا اسی طرح ان کا تر بھی فاکہہ (پھل) شمار نہیں ہوتا۔

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِلْأَكْلِيْنَ ۝

”نیز پیدا کیا ایک درخت جو اگتا ہے طور سیناء میں وہ اگتا ہے تیل لیے ہوئے اور سالن لیے ہوئے کھانیوالوں کے لیے“۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَشَجَرَةً** اس کا عطف جنات پر ہے۔ فراء نے اس پر رفع بھی جائز قرار دیا کیونکہ فعل ظاہر نہیں اس کا معنی ہوگا وشم شجرۃ اس سے مراد زیتون کا درخت ہے۔ اس کو علیحدہ ذکر فرمایا کیونکہ اس کے منافع شام، حجاز اور دوسرے شہروں میں بہت زیادہ ہیں۔ اور اس کو پانی بھی زیادہ نہیں دینا پڑتا اور اس کی گوڑی وغیرہ بھی کم ہوتی ہے جبکہ دوسرے درختوں کی دیکھ بھال زیادہ ہوتی ہے۔ **تَخْرُجُ** یہ صفت ہے۔ **مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ** اللہ تعالیٰ نے زیتون کے درخت کو طور سیناء پہاڑ سے نکالا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے۔ طور سیناء شام کی زمین سے ہے۔ یہ وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی تھی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول ہے۔ سورہ بقرہ اور سورہ اعراف میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ طور کلام عرب میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا: یہ عجمی زبان کا لفظ ہے۔ عربی بنایا گیا ہے۔ ابن زید نے کہا: یہ بیت المقدس کا پہاڑ ہے یہ مصر سے ایلتہ تک پھیلا ہوا ہے۔ سیناء کے بارے میں اختلاف ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے خوبصورت۔ اس تاویل پر طور کی نعت کی حیثیت سے منون ہوگا۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے مبارک (1)۔ معمر نے ایک جماعت سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی ہے **شَجَرَةً** (درخت)۔ ان کو طور کو تنوین دینا لازم آتا ہے۔ جمہور نے کہا: یہ پہاڑ کا نام ہے جیسے تو کہتا ہے: جبل احد۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: سیناء ایک پتھر ہے پہاڑ کو اس کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ وہ اس کے پاس موجود ہے۔ مقاتل نے کہا: ہر پہاڑ جو پھلوں کو اٹھاتا ہے وہ سیناء یعنی خوبصورت ہے۔ کو فیوں نے فعلاء کے وزن پر سین کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور فعلاء کلام عرب میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ معرفہ اور نکرہ دونوں صورتوں میں غیر منصرف ہوتا ہے کیونکہ اس کے آخر میں الف تانیث ہے اور الف تانیث جس میں ہوتی ہے اسکو لازم ہوتی ہے۔ عرب کلام

میں فعلاء نہیں ہے۔ لیکن جنہوں نے سیناء سین کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے اس کا وزن فعلاً بنایا ہے۔ اس میں ہمزہ، حراء کے ہمزہ کی طرح ہے۔ اس آیت میں غیر منصرف نہیں کیونکہ یہ بقعہ کا اسم ہے۔ انفش کا خیال ہے کہ یہ عجمی اسم ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ تَثْبُتُ بِالذُّهْنِ جمہور نے تنبیت تاء کے فتح اور باء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے وہ اُگتا ہے اور اس کے ساتھ تیل ہوتا ہے جیسے تو کہتا ہے: خراج زیدٌ بسلاحہ (1)۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے تاء کے ضمہ اور باء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس قرأت پر تقدیر میں اختلاف ہے۔ ابوعلی فارسی نے کہا اس کی تقدیر یہ ہے: تنبیت حباہا ومعہ الدھن پس مفعول محذوف ہے۔ بعض نے کہا: باء زائدہ ہے جیسے: وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ: 195) یہ ابو عبیدہ کا مذہب ہے۔ شاعر نے کہا:

نضرب بالسيف ونرجو بالفرج

ایک اور شاعر نے کہا:

هت الحرائر لآرباٹ أحرقة سود المحاجر لايقران بالسور

اسی طرح ابوعلی نے کہا ہے پہلے گزر چکا ہے۔ بعض نے کہا: نبت اور انبت سم معنی ہیں پس معنی اسی طرح ہوگا جو جمہور کی قرأت میں گزرا ہے؛ یہی فراء اور ابواسحاق کا مذہب ہے، اسی سے زہیر کا قول ہے۔

حتى إذا أنبت البقل

اصحی، انبت کا انکار کرتا ہے۔ اور زہیر کے اس قصیدہ پر تہمت لگاتا ہے جس میں ہے:

رأيت ذوى الحاجات حوّل بيوتهم قطينا بها حتى إذا أنبت البقل

یعنی نبت زہری، حسن اور اعرج نے تنبیت بالدھن تاء کے رفع اور باء کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن جنی اور زجاج نے کہا: یہ باء حال کی ہے یعنی تنبیت ومعہا دھنھا اور حضرت ابن مسعود کی قرأت میں تخراج بالدھن (2) یہ باء حال کے لیے ہے۔ ابن دستویہ نے کہا: الدھن سے مراد نرم پانی ہے۔ تنبیت، الانبات سے ہے۔ ذر بن حبیش نے تنبیت تاء کے ضمہ اور باء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ الدھن باء کے حذف اور اس کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ سلیمان بن عبد الملک اور اشہب نے بالدھان پڑھا ہے۔ آیت سے مراد زیتون کی نعمت کو انسان پر شمار کرنا ہے۔ یہ ان نعمتوں کے ارکان سے ہے۔ جن سے استغناء نہیں۔ زیتون کے معنی میں سارے زیتون کے درخت ہیں۔ مختلف علاقوں کے اعتبار سے مختلف اقسام پر جو ہوتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ صِبْغٌ لِّأَكْلَيْنِ ۝ یہ جمہور کی قرأت ہے۔ ایک جماعت نے اصباغ جمع

کا صیغہ پڑھا ہے۔ عامر بن عبد قیس نے ومتاعاً پڑھا ہے۔ اور اس سے مراد زیت ہے جس کے ساتھ کھانا بنایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: صِبْغٌ وَ صِبَاغٌ جیسے دِبْغٌ وَ دِبَاغٌ، لبس و لباس ہر سالن جس کے ساتھ کھانا کھایا جاتا ہے وہ صِبْغٌ ہے۔ ہر وی وغیرہ نے اس کو حکایت کیا ہے۔ الصبغ کا اصل معنی وہ چیز ہے جس کے ساتھ کپڑے کو رنگا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ سالن کو تشبیہ دی

گئی ہے کیونکہ روٹی سالن کے ساتھ رنگی جاتی ہے جب روٹی کو سالن میں ڈبو یا جاتا ہے۔ مقاتل نے کہا: الادم سے مراد الزيتون اور الدھن سے مراد تیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس درخت میں سالن اور تیل پیدا فرمایا ہے۔ اس بنا پر الصبغ سے مراد زیتون ہوگا۔

مسئلہ نمبر 4۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ تمام مانعات جن کے ساتھ کھانا کھایا جاتا ہے جیسے زیتون کا تیل، گھی، شہد اور شیرہ، سرکہ وغیرہ جو بھی شور بے والی چیزیں ہوتی ہیں وہ سالن ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے نص قائم فرمائی ہے (1)۔ نعم الادم الخلة، بہترین سالن سرکہ ہے۔ اس کو نو صحابہ نے روایت کیا ہے۔ سات مرد اور دو عورتیں ہیں۔ صحیح میں جنہوں نے اس کو روایت کیا ہے وہ یہ ہیں۔ حضرت جابر، حضرت عائشہ، حضرت خارجہ، حضرت عمر، ان کا بیٹا حضرت عبید اللہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت سمرہ بن جندب، حضرت انس اور حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہم۔

مسئلہ نمبر 5۔ اس میں اختلاف ہے جو چیزیں جامد ہوتی ہیں مثلاً گوشت، کھجور اور زیتون وغیرہ۔ جمہور علماء کہتے ہیں: یہ سب سالن ہیں پس جس نے قسم اٹھائی کہ وہ سالن نہیں کھائے گا پھر اس نے گوشت یا پنیر کھایا تو وہ حائث ہو جائے گا۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: وہ حائث نہیں ہوگا۔ صاحبین نے اس مسئلہ میں امام صاحب کی مخالفت کی ہے۔ امام ابو یوسف سے امام ابو حنیفہ کے قول کی مثل بھی مروی ہے۔ اور البقل (سبزیاں) تمام کے نزدیک سالن نہیں ہے۔ امام شافعی سے کھجور کے متعلق دو قول مروی ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ یہ سالن نہیں کیونکہ ان کا قول التنبیہ میں ہے۔ بعض نے کہا: حائث ہو جائے گا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ تمام سالن ہیں۔ ابو داؤد نے حضرت یوسف بن عبد اللہ بن سلام سے روایت کیا ہے (2) فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا آپ نے ایک ٹکڑا جو کی روٹی کا لیا اور اس پر کھجور رکھی اور فرمایا: ”یہ اس کا سالن ہے“۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دنیا و آخرت کے سالن کا سردار گوشت ہے۔ اس حدیث کو ابو عمرو نے ذکر کیا ہے۔ امام بخاری نے باب الادم کے نام سے عنوان باندھا ہے اور اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر کی ہے۔ الادم، المادمة سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی سے موافقت کرنا یہ اشیاء روٹی کے موافق ہیں۔ پس یہ ادام ہیں۔ حدیث شریف میں ہے ”سالن سے روٹی کھاؤ اگرچہ پانی کے ساتھ ہو“۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ ادام کی حقیقت اجتماع میں اس طرح موافقت ہے کہ فصل کو قبول نہ کرتا ہو جیسے سرکہ، زیتون کا تیل وغیرہ، رہے گوشت اور انڈے وغیرہ یہ روٹی سے موافقت نہیں کرتے بلکہ یہ اس کے مجاور ہوتے ہیں جیسے تربوز، کھجور اور انگور ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو کھانے میں روٹی کی موافقت کی محتاج ہے وہ ادام ہے، جو اس کی محتاج نہیں بلکہ علیحدہ کھائی جاتی ہے تو وہ سالن نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 6۔ امام ترمذی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے فرمایا نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”زیتون کا تیل کھاؤ اور اس کا تیل لگاؤ کیونکہ یہ مبارک درخت ہے“ (3)۔ یہ حدیث معروف نہیں مگر عبدالرزاق کی

1۔ جامع ترمذی، ابواب الاطعمۃ، ما جاء من الخل، جلد 2، صفحہ 6

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الایمان، جلد 2، صفحہ 108۔ ایضاً حدیث 2837، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ جامع ترمذی، ابواب الاطعمۃ، ما جاء من اکل الریت، جلد 2، صفحہ 7۔ ایضاً، حدیث نمبر 1774

حدیث سے۔ وہ اس میں مضطرب ہے کبھی اس میں وہ عن عمر عن النبی ﷺ ذکر کرتا ہے۔ اور کبھی شک کی بنا پر روایت کرتا ہے اس نے کہا: أحسبه عن عمر عن النبی ﷺ اور کبھی کہا: عن زید بن اسلم عن ابیہ عن النبی ﷺ۔
مقابل نے کہا: الطور کو زیتون کے ساتھ خاص کیا گیا ہے، کیونکہ زیتون سب سے پہلے اس سے پیدا ہوا۔ بعض نے کہا: زیتون پہلا درخت ہے جو دنیا میں طوفان کے بعد پیدا ہوا۔

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ ۖ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿١٦﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿١٧﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ لِقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٨﴾ فَقَالَ الْمَلَأُوا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً ۚ مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَاءِنَا إِلَّا أَوْلِيَيْنَ ﴿١٩﴾ إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فترَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٢٠﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَبُونَ ﴿٢١﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنْ اصْنَعِ الْفُلَ بِأَعْيُنِنَا ۖ وَوَحِينَا فَادَّاجَاءَ أَمْرُنَا ۖ فَارْتَوَىٰ ۖ فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ شَئْنٍ ۚ وَاهْلِكِ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۗ وَلَا تُخَاطَبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۗ إِنَّهُمْ مُّعْرَقُونَ ﴿٢٢﴾

”اور بیشک تمہارے لیے جانوروں میں غور و فکر کا مقام ہے، ہم پلاتے ہیں تمہیں اس (دودھ) سے جو ان کے شکموں میں ہے اور تمہارے لیے ان میں طرح طرح کے بہت فائدے ہیں اور انہیں (کے گوشت) سے تم کھاتے ہو اور ان پر اور کشتیوں پر تمہیں سوار کیا جاتا ہے۔ اور ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو آپ نے فرمایا: اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر، کیا تم (بت پرستی کے انجام سے) نہیں ڈرتے۔ تو کہنے لگے وہ سردار جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا ان کی قوم سے کہ نہیں ہے یہ مگر بشر تمہارے جیسا یہ چاہتا ہے کہ اپنی بزرگی جتلائے تم پر اور اللہ تعالیٰ (رسول بھیجا) چاہتا تو وہ اتار تا فرشتوں کو ہم نے نہیں سنی بات (جو نوح کہتا ہے) اپنے پہلے آباء و اجداد میں، نہیں ہے یہ مگر ایسا شخص جسے جنوں کا مرض ہو گیا ہے سو انتظار کرو اس کے انجام کا کچھ عرصہ۔ آپ نے عرض کی: اے رب! (اب) تو ہی میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ تو ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف کہ بناؤ ایک کشتی ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہمارے حکم کے مطابق پھر جب آجائے ہمارا عذاب اور (پانی) ابل پڑے تنور سے تو داخل کر لو اس میں ہر جوڑے سے دودھ اور اپنے گھروالوں کو بجز ان کے جن کے بارے میں پہلے فیصلہ ہو چکا ہے ان میں سے، اور گفتگو نہ کرنا میرے ساتھ ان کے متعلق جنہوں نے ظلم کیا وہ تو ضرور غرق کیے جائیں گے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۗ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿١٧﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿١٨﴾ سورہ النحل میں ان پر گفتگو ہو چکی ہے۔ سورہ ہود میں کشتی اور حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ اور ان کا سمندر پر سوار ہونا کئی مقامات پر گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعَلَيْهَا يَعْنِي خَشْكَیٰ مِیْن جَانَوْرُوں پْر۔ وَ عَلَی الْفُلْكِ اُوْر دِریا مِیْن کَشْتِیٰ پْر۔ تُحْمَلُونَ خَشْكَیٰ مِیْن اُونُوں پْر سوار کیے جاتے ہو۔ پس ضمیر کا بعض انعام کی طرف لوٹانا جائز ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص پہلے زمانہ میں گائے پْر سوار ہو تو اللہ تعالیٰ نے اسے سوار سے بولنے کی طاقت عطا فرمائی وہ بولی: میں سواری کے لیے پیدا نہیں کی گئی، میں زمین جوتنے کے لیے پیدا کی گئی ہوں (1)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرَهٗ لَفِظُ كَا اِعْتَبَارِ كَرْتِے ہوئے جْر (زیر) کے ساتھ اور معنی کا اعتبار کرتے ہوئے رِفْع کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ الاعراف میں یہ گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ لَعِنِي وَه تَمْبَارِي سِرْدَارِي كَرِے اُوْر تَم پْر شَرَف حاصل كَرِے اِس طَرَح كِه وَه مَتَبَوَّع هُو جَاِے اُوْر هِم اِس كِه تَالِیْح هُوں۔ وَ لَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَا نُنزِلُ مَلٰئِكَةً لِّعِنِي اِگر اللّٰهُ چاہتا كِه اِس كِه سَوَا كِسِي چِیْز كِی عِبَادَت نِه كِی جَاِے تُو وَه اِپِنَا رَسُوْل فرشته كو بناتا۔ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا اِس كِی دَعْوَت كِی مِثْل هِم نِه نِهیْس سِنَا۔ بعض نے کہا: ہم نے اس کی مثل بشر نہیں سنا جو اپنے رب کی رسالت کو لایا ہو۔ فِیْ اَبَا۟اِبْنَا اِلَّا وَ اَلِیْن ۙ ﴿١٧﴾ یعنی گزشتہ امتوں میں! یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ بھذا میں باء زائدہ ہے یعنی ہم نے یہ اپنے آباء و اجداد میں ایسا ہونا نہیں سنا پھر بعض کا بعض پر عطف کیا۔ انہوں نے کہا: اِنْ هُوَ لَعِنِي یعنی حضرت نوح علیہ السلام نہیں ہے۔ اِلَّا مَا جُلُّ بِهٖ جِنَّةٌ مَّگر اِیْک اِیْسَا شَخْص جِس كُو جِنُوْن كَا مَرَض هے جُو یِه نِهیْس جَانِتَا كِه كِیَا كِهَر رِهَا ہے۔ فَتَرَبُّصُوا بِهٖ حَتّٰی حِیْن ۚ ﴿١٨﴾ یعنی اس کی موت کا انتظار کرو۔ بعض نے فرمایا: حتیٰ کہ اس کا جنون ظاہر ہو جائے۔ فراء نے کہا: یہاں حین سے مراد مقرر وقت نہیں ہے یہ اس قول کی طَرَح هے: دَعِه الی یومِ مَا اِسے كِیچھ وَقْت تِك چھوڑ دو۔ فرمایا: جِب وَه اِپِنِی سِر كَشِیٰ پْر بڑھتے رِهیں۔ مَاتِ اِنصُرْنِیْ بِمَا كَدَّبُوْن ۚ ﴿١٩﴾ یعنی اے میرے رب! جس نے میری اطاعت نہیں کی اور میرا پیغام نہیں سنا اس سے تو انتقام لے۔ فَأُوْحٰیْنَا اِلَیْہِ یعنی ہم نے آسمان سے پیغام رساں بھیجے۔ اَنْ اَصْنَعِ الْفُلْكَ اِس كَا بِلَا ن پِهْلے گزر چکا ہے۔ اللّٰهُ تَعَالٰی كَا اِرْشَاد هے: فَاسْئَلْ فِیْہَا یعنی اِس مِیْن دَاخِل هُو اُوْر اِس كِه اِنْد رِهْو جَا۔ كِهَا جَاتَا هے: سَلْ كَتِه فِی كَذَا۔ وَ اَسَلْ كَتِه فِیْہ۔ جِب تُو كِسِي چِیْز كُو دَاخِل كَرِے عِبْد مَنَاف بِن رُبْع ہَدْلِي نے کہا:

حَتّٰی اِذَا اَسَلْ كُو هُم فِی قُتَاۡئِدَا شَلَّا كَمَا تُطْرِدُ الْجَبَّالَہُ الشُّرَادَا
مِنْ كُلِّ رَوْحٰنِ اِثْنِیْنِ حَفْص نے مِّنْ كُلِّ تَوْحِیْنِ كِه سَاتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے اضافت کے ساتھ پڑھا ہے۔
یِه پِهْلے ذَكْر كِیَا جَا چكا ہے اور حَسَن نے کہا: حضرت نوح نے کشتی میں سوار نہیں کیا تھا مگر جو بچے جنم دیتی تھی اور انڈے دیتی تھی رہے

پسو اور مکھی اور کیڑے تو ان میں سے کسی چیز کو سوار نہیں کیا تھا یہ مٹی سے نکلے تھے۔ کشتی کے بارے میں قول تفصیلاً گزر چکا ہے۔

فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَ مَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلِكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّسَنَا مِنْ

الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ⑩

”پھر جب اچھی طرح بیٹھ جائیں آپ اور آپ کے ساتھی کشتی کے عرشہ پر تو کہنا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے ہمیں نجات دی ظالم قوم (کے ظلم و ستم) سے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِذَا اسْتَوَيْتَ جب آپ اور جو آپ کے ساتھی ہیں سوار ہو جائیں اس پر فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ تو اللہ کی حمد کرو کہ اس نے تمہیں خلاصی دی۔ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ⑩ غرق ہونے سے الحمد لله کا کلمہ ہر اللہ کے شکر گزار کا کلمہ ہے۔ سورہ فاتحہ میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔

وَقُلْ رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ⑪

”اور یہ بھی عرض کرنا کہ اے میرے رب! اتار مجھے بابرکت منزل پر اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقُلْ رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبَارَكًا یہ اکثر کی قرأت ہے مُنْزَلًا میم کے ضمہ اور زاء کے فتح کے ساتھ۔ یہ انزال سے مصدر ہے یعنی انزلنی انزالا مبارکاً۔ زر بن جیش اور ابو بکر نے عاصم اور مفضل سے منزل میم کے فتح اور زاء کے کسرہ کے ساتھ روایت کیا ہے، یعنی ظرف کا صیغہ پڑھا ہے یعنی مجھے مبارک جگہ پر اتار۔ جوہری نے کہا: المنزل میم اور زاء کے فتح کے ساتھ النزول کا معنی اترنا ہے۔ تو کہتا ہے: نزلت نزولاً ومنزلاً؛ شاعر نے کہا:

أَنَّ ذَكَرَ تَكَ الدَّارُ مَنَزَلَهَا جُمْلُ
بَكَيْتَ فِدْمَعُ الْعَيْنِ مُنْخَدِرٌ سَجْلُ

المنزل کو نصب دی گئی ہے کیونکہ وہ مصدر ہے انزلہ غیرہ اور استنزلہ ہم معنی ہیں۔ نزلہ تنزیلاً۔ التنزیل کا معنی ترتیب دینا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے کہا: یہ اس وقت تھا جب آپ کشتی سے نکلے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَى أُمَمٍ مِّمَّنْ مَعَكَ (ہود: 48) بعض نے کہا: جب کشتی میں داخل ہوئے تھے۔ اس صورت میں مُبَارَكًا کا قول سلامتی اور نجات کے معنی میں ہوگا۔ میں کہتا ہوں اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تعلیم دے رہا ہے کہ جب وہ سوار ہوں اور جب وہ اتریں تو یہ کہیں بلکہ جب اپنے گھروں میں داخل ہوں اور سلام کریں تو یہ کہیں۔ حضرت علی سے مروی ہے کہ وہ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: اللھم أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ وَإِنْ كُنَّا لَبَشِيرِينَ ⑫

”بیشک اس قصہ میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں اور ہم ضرور (اپنے بندوں کو) آزمانے والے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ یعنی نوح اور کشتی میں اور کفار کو ہلاک کرنے میں نشانیاں ہیں جو اس کے کمال قدرت پر دلالت کرتی ہیں وہ اپنے انبیاء کرام کی مدد کرتا ہے اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کرتا ہے۔ وَإِنْ كُنَّا لَبَشِيرِينَ ⑫ ہم

ضرور پہلی قوموں کو بھی آزمانے والے تھے یعنی انکی طرف اپنے رسل بھیج کر ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالا تھا تا کہ مطیع اور عاصی ایک دوسرے سے ممتاز ہو جائیں اور ملائکہ کے لیے ان کی حالت واضح ہو جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ علم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بعض علماء نے کہا: اس کا مطلب ہے ہم ان کے ساتھ آزمانے والوں کا معاملہ کرتے ہیں۔ یہ معنی سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ بعض نے کہا: ان کن کا معنی قد کنا ہے۔

ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿١١﴾ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٢﴾

”پھر ہم نے پیدا فرمادی ان کے (غرق ہونے کے) بعد ایک دوسری جماعت۔ پھر ہم نے بھیجا ان میں ایک رسول ان میں سے (اس نے انہیں کہا) کہ عبادت کرو اللہ کی، نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے سوا، کیا تم (شرک کے انجام سے) نہیں ڈرتے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ یعنی قوم نوح کی ہلاکت کے بعد قَرْنًا آخَرِينَ ﴿١١﴾ ایک دوسری جماعت پیدا کر دی۔ بعض نے کہا: یہ قوم عاد تھی۔ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ یعنی ہم نے ان میں ہود کو بھیجا کیونکہ حضرت نوح کی قوم کے پیچھے قوم عاد ہی آئی تھی۔ بعض نے کہا: وہ قوم ثمود تھی۔ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا یعنی ہم نے ان میں حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے کہا: اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فَأَخَذْتَهُمُ الصَّيْحَةُ (الحجر: 83) اور اس کی مثال یہ ہے۔ وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ (ہود: 67) میں کہتا ہوں: جنہیں چنگھاڑ نے آیا تھا وہ حضرت شعیب کی قوم اصحاب مدین تھے۔ یہ بعید نہیں کہ یہ ہوں اللہ بہتر جانتا ہے۔ منہم ان کے خاندان سے۔ وہ اس کی پیدائش اور پرورش کی جگہ کو جانتے ہیں تا کہ ان کو اس کی بات سے زیادہ سکون ملے۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالِ الْآخِرَةِ وَ أَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ لَا يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ﴿١٣﴾ وَلَٰئِنِ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَّخُسِرُونَ ﴿١٤﴾ أَيْعِدُكُمْ أَنكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُمْ مُّخْرَجُونَ ﴿١٥﴾

”تو بولے ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر کیا تھا اور جنہوں نے جھٹلایا تھا قیامت کی حاضری کو اور ہم نے خوشحال بنا دیا تھا انہیں دنیوی زندگی میں (اے لوگو!) نہیں ہے یہ مگر ایک بشر تمہاری مانند یہ کھاتا ہے وہی خوراک جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے اس سے جو تم پیتے ہو۔ اور اگر تم پیروی کرنے لگے اپنے جیسے بشر کی تو تم تب نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔ کیا وہ تم سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ تم جب مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تمہیں (قبروں سے) نکالا جائے گا۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَقَالَ الْمَلَأُ الْمَلَأُ**۔ المَلَأُ سے مراد اشراف، قائدین اور رؤوساء ہیں **مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِإِيقَافِ الْأَخِرَةِ** مراد دوبارہ اٹھنا اور حساب ہے۔ **وَآتَرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا** ہم نے ان پر دنیا کی نعمتوں میں وسعت کر دی حتیٰ کہ وہ اکڑ گئے اور اپنی خوشحالی کی وجہ سے کہنے لگے: **مَا هَذَا إِلَّا بَشْرٌ مِثْلُكُمْ** يَا كُلُّ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ **وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ** ① من حذف ہے یعنی مساتشر بون منہ۔ یہ بصریوں کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ ان کے نزدیک حذف کی احتیاج نہیں ہے، کیونکہ واجب مصدر یہ ہو تو ضمیر عائد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر تو ما کو بمعنی انذی بنائے گا تو مفعول کو حذف کرے گا من کے اضمار کی پھر بھی ضرورت نہیں۔ **وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشْرًا مِثْلُكُمْ** إِنَّكُمْ إِذَا لَخَسِرُونَ ② یعنی تم اپنے بتوں کو چھوڑ کر اور اس کی اتباع کر کے خسارہ میں ہو گے اسے تم پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ **أَيَعِدُّكُمْ إِذَا صَلَّيْتُمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَ عِظَامًا** إِنَّكُمْ مُخْرَجُونَ ③ یعنی مرنے کے بعد تم قبور سے اٹھائے جاؤ گے۔ پہلا ان محل نصب میں ہے کیونکہ اس پر یعد کم واقع ہے اور دوسرا اناس سے بدل ہے؛ یہ سبویہ کا مذہب ہے مطلب یہ ہے کہ کیا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ تم نکالے جاؤ گے جب تم مرجاؤ گے۔ فراء نے کہا: حضرت عبد اللہ کی قرأت میں یہ تھا **أَيَعِدُّكُمْ إِذَا صَلَّيْتُمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَ عِظَامًا** انکم مخرجون۔ یہ تیرے اس قول کی مانند ہے کہ دوسرا ان تاکید کے لیے مکرر لایا گیا ہے جب کلام لمبی ہو جائے تو اس کا تکرار اچھا ہوتا ہے۔ انفس نے کہا: اس کا مطلب ہے کیا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے وہ پھر تمہیں نکالے گا؟ پس دوسرا ان فعل مضمرب کی وجہ سے محل رفع میں ہے جیسے تو کہتا ہے: **الْيَوْمَ الْقِتَالِ** معنی ہے آج جنگ ہوگی۔ ابواسحاق نے کہا: **أَيَعِدُّكُمْ** انکم اذا متم وكنتم ترابا و عظاما انکم مخرجون۔ بھی جائز ہے کیونکہ **أَيَعِدُّكُمْ** کا معنی ہے کیا وہ کہتا ہے کہ تم الخ۔

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ④

”یہ بات عقل سے بعید ہے بالکل بعید جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: **هَيْهَاتَ** یہ بعد کے لیے ہے گویا انہوں نے کہا: جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ بعید ہے، جو یہ دوبارہ اٹھنے کا ذکر کرتے ہیں یہ نہیں ہوگا۔ ابوعبلی نے کہا: یہ فعل کے قائم مقام ہے یعنی بعد ما تو وعدون جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ بعید ہے۔ ابن الانباری نے کہا: **هَيْهَاتَ** میں دس لغات ہیں **هَيْهَاتَ** لك۔ تاء کے فتح کے ساتھ؛ یہ جماعت کی قرأت ہے **هَيْهَاتَ** لك تاء کے کسرہ کے ساتھ؛ ابو جعفر بن قعقاع سے مروی ہے۔ **هَيْهَاتَ** لك تاء کے کسرہ اور تنوین کے ساتھ عیسیٰ بن عمر سے مروی ہے **هَيْهَاتَ** لك تاء کے رفع کے ساتھ۔ ثعلبی نے کہا: نصر بن عاصم اور ابوالعالیہ نے اس طرح پڑھا ہے۔ اور **هَيْهَاتَ** لك رفع اور تنوین کے ساتھ ابو حیوہ شامی نے اس طرح پڑھا ہے؛ یہ قول بھی ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ **هَيْهَاتَ** لك نصب اور تنوین کے ساتھ۔ احوص نے کہا:

تَذَكَّرْتَ أَيَّامًا مَضِيَّةً مِنَ الصَّبَا وَ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَا إِلَيْكَ رَجوعها

اور ساتویں لغت **هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ** ہے۔ فراء نے یہ دلیل دی ہے:

فَأَيُّهَا أَيُّهَا الْعَقِيقُ وَمَنْ بِهِ وَأَيُّهَا خَلٌّ بِالْعَقِيقِ نَوَاصِلُهُ (1)

مہدوی نے کہا: عیسیٰ ہمدانی نے ہیہات ہیہات تاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن الانباری نے کہا: عربوں میں سے کچھ ایہان نون کے ساتھ بھی کہتے ہیں ایہا بغیر نون کے کہتے ہیں۔ فراء نے یہ شعر پڑھا:

وَمَنْ دُونِ الْأَعْيَانِ وَالْقَنَعِ كَلِّهِ
وَكُشَانُ أَيُّهَا مَا أَشْتِ وَأَبْعَدَا

یہ دس لغات ہیں جنہوں نے ہیہات تاء کے فتح کے ساتھ کہا اس نے اس کو این اور کیف کی مثل بنایا۔ بعض نے کہا: کیونکہ یہ دو اداۃ ہیں جو مرکب ہیں جیسے خمسة عشر، بعلبک اور رام ہرمز اور توہا کے ساتھ دوسرے پر وقف کرے گا جیسے تو کہتا ہے: خمس عشرة و سبع عشرة۔ فراء نے کہا اس کی نصب تست اور ربت کی نصب کی طرح ہے۔ الف اور اس سے پہلے فتح کی اتباع میں فتح ہونا بھی جائز ہے اور جنہوں نے تا کو کسرہ دیا انہوں نے اسے أمس اور ہولاع کی مثل بنایا ہے شاعر نے کہا:

وہیہات ہیہات إليك رجوعها

کسائی نے کہا: جنہوں نے کسرہ دیا انہوں نے اس پرہا کے ساتھ وقف کیا وہ کہتا ہے: ہیہا اور جنہوں نے تا کو نصب دی اس نے تا کے ساتھ وقف کیا اگر وہ چاہے توہا کے ساتھ وقف کرے اور جنہوں نے تا کو ضمہ دیا انہوں نے اس کو مندا، قط اور حیث کی مثل بنایا اور جنہوں نے ہیہات تنوین کے ساتھ پڑھا وہ جمع ہے اس کے ساتھ اس نے کثرت کا ارادہ کیا گویا کہا: بعداً بعداً بعض نے کہا: کسرہ دیا گیا اور تنوین دی گئی اصوات کے ساتھ تشبیہ کی بنا پر جیسے عاق و طاق۔ انخس نے کہا: ہیہات میں جمع کا تصور ہونا بھی جائز ہے پس اس میں تا اس جمع کے لیے ہوگی جو تانیث کے لیے ہوتی ہے اور جنہوں نے ہیہات پڑھا یہ جائز ہے کہ اس نے اس کو اسم معرب بنایا ہو جس میں بعد کا معنی ہو اور اس نے نفل کے لیے اسم نہ بنایا ہوتا کہ مبنی ہو۔ بعض نے کہا: تا کو تا جمع کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِمَّنْ عَرَفْتُمْ (البقرہ: 198) فراء نے کہا: میں تا پر وقف کو پسند کرتا ہوں عربوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو تا کو ہر حال میں جردیتے ہیں گویا یہ عرفات اور ملکوت اور اس کے مشابہ الفاظ کی طرح ہے۔ مجاہد، عیسیٰ بن عمرو، ابو عمر بن علاء، کسائی اور ابن کثیر ہیہا پر وقف کرتے تھے۔ ابو عمرو سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ ہیہات پر تا پر وقف کرتے تھے۔ بقیہ قراء کا بھی یہی نظریہ ہے کیونکہ یہ حرف ہے۔ ابن الانباری نے کہا: جس نے ان دونوں کو ایک حرف بنایا ہے وہ ایک کو دوسرے سے علیحدہ نہیں کرتا اور دوسرے پرہا کے ساتھ وقف کیا اور پہلے پر وقف نہیں کیا پس وہ کہتا ہے: ہیہات ہیہا جیسے کہتا ہے خمس عشرة جیسا کہ پہلے گزرا ہے اور جنہوں نے ایک کی دوسرے سے علیحدگی کی نیت کی اس نے دونوں میں ہا اور تا کے ساتھ وقف کیا کیونکہ ہا کی اصل تا ہے۔

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَنْ حَسُنَ بِمَبْعُوثِينَ ﴿٢٠﴾

”نہیں ہے کوئی اور زندگی سوائے ہماری اس دنیوی زندگی کے یہی ہمارا مرنا ہے اور یہی ہمارا جینا ہے اور

ہمیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنَّ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا**، ہن ضمیر الدُّنْيَا سے کنایہ ہے، یعنی زندگی نہیں ہے مگر جس میں ہم ہیں اور آخرت کی زندگی جس کا دوبارہ اٹھنے کا وعدہ کیا ہے یہ نہیں ہے **نَمُوتُ وَنَحْيَا** کہا جاتا ہے: انہوں نے **نَمُوتُ وَنَحْيَا** کیسے کہا وہ تو دوبارہ زندہ ہونے کا یقین نہیں رکھتے تھے؟ اس کے کئی جوابات ہیں ایک یہ کہ اس کا معنی ہے ہم نطفہ تھے پھر ہم دنیا میں زندہ ہوئے۔ بعض نے کہا: اس میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی یہ دنیوی زندگی ہے اس میں ہم جنمیں گے اور مریں گے یہ جیسے فرمایا: **وَاسْجُدْ وَاقِرٌ لِّرَبِّكَ** (آل عمران: 43) سجدہ کر اور رکوع کر اس میں بھی تقدیم و تاخیر ہے۔ بعض علماء نے کہا: **نَمُوتُ** یعنی ہمارے آباء مر گئے **وَ نَحْيَا** اولاد زندہ ہوئی۔ **وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ** موت کے بعد ہمیں نہیں اٹھایا جائے گا۔

إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا **وَ مَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ** **قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونَ** **قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ** **فَأَخَذْتَهُمُ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ** **فَجَعَلْنَاهُمْ عُنُقَاءً** **فَمَعَدَّ اللَّقَوْمِ الظَّالِمِينَ**

”وہ نہیں مگر ایسا شخص جس نے بہتان لگایا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اور ہم قطعاً اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اس (پنمبر) نے کہا: میرے رب! اب تو میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے تو مجھے جھٹلادیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عنقریب ہی یہ لوگ اپنے کیے پر نادم ہو جائیں گے۔ تو آپکڑا انہیں حقیقی چنگھاڑنے تو ہم نے انہیں خس و خاشاک بنا دیا تو برباد ہو جائے وہ قوم جو تم شعار ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنَّ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ**۔ اس سے مراد وہ رسول لیتے تھے۔ **افْتَرَىٰ** اس کا معنی ہے اس نے گھڑا۔ **عَلَى اللَّهِ كَذِبًا** **وَ مَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ** **قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونَ** یہ پہلے گزر چکا ہے **قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ** مازاندہ مؤکدہ ہے یعنی عن قلیل۔ **لَّيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ** وہ اپنے کفر پر شرمندہ ہوں گے لام۔ لام قسم ہے یعنی واللہ لیصبحن، **فَأَخَذْتَهُمُ الصَّيْحَةَ** تفاسیر میں ہے حضرت جبریل نے اس ہوا کے ساتھ ان پر چیخ ماری جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا اور وہ سب مر گئے۔ **فَجَعَلْنَاهُمْ عُنُقَاءً**۔ ہلاک ہونے والے سیلاب کے خس و خاشاک کی طرح تھے۔ **عُنُقَاءً** سے مراد وہ پرانے درخت، گھاس اور سرکنڈے ہوتے ہیں جو پرانے ہو جاتے ہیں اور ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ **فَمَعَدَّ اللَّقَوْمِ الظَّالِمِينَ** یعنی ان کے لیے ہلاکت ہے۔ بعض نے کہا: ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہے۔ یہ مصدر کی بنا پر منصوب ہے اس کی مثل سقیالہ اور رعیا ہے۔

ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ **مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجْلَهَا** **وَ مَا يَسْتَأْخِرُونَ** **ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا** **كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةٌ رَّسُولَهَا كَذَّبُوهُ** **فَاتَّبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا** **وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ** **فَمَعَدَّ اللَّقَوْمِ لَا يُؤْمِنُونَ**

”پھر ہم نے پیدا فرمائیں ان (کی بربادی) کے بعد کئی قومیں۔ آگے نہیں بڑھ سکتی کوئی قوم اپنی مقررہ میعاد سے

اور نہ وہ لوگ پیچھے رہ سکتے ہیں۔ پھر ہم بھیجتے رہے اپنے رسول کیے بعد دیگرے جب کبھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا پس ہم بھی ایک کے بعد دوسرے کو ہلاک کرتے گئے اور ہم نے (ان جابر) قوموں کو انسانی بنادیا پس خدا کی پھٹکار ہو ایسی قوم پر جو ایمان نہیں لاتی۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ لَعْنَىٰ انْ كِي هَلَآكِ كَ بَعْدِ قُرُونًا مَّيْٓ اٰخِرِيْنَ ۝١٠ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ اس کلام میں حذف ہے پس انہوں نے اپنے انبیاء کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ مَا تَسْبِيْٓ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا مِّنْ صَ لَدِ هٖ لَعْنَىٰ كُوْنِي قَوْمٍ اٰپِنَ مَقْرَرِهٖ وَتٍ سَ آگے نہیں بڑھ سکتی اور پیچھے نہیں رہ سکتی جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝١١ (الاعراف) تَتْرَا كَا مَعْنَىٰ هٖ مَتَوَاتِرًا بَعْضٌ كُوْبَعْضٍ كَ اِچْھَے بَھِيْجَا تَرْغِيْبٍ وَ تَرْهِيْبٍ كَ لَے۔ اَصْمَعِي نے کہا: وَا تَرَّتْ كَتَبِي عَلِيْهٖ۔ بَعْضٌ كُوْبَعْضٍ كَ اِچْھَے رَكْحَا مَّگَر اِن مِّنْ سَے ہر دو کے درمیان وقفہ تھا۔ دوسرے علماء نے کہا: بَغِيْر مَهْلَتٍ كَ مَتَوَاتِرًا ہونا۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے تتری تنوین کے ساتھ پڑھا ہے (1) کیونکہ یہ مصدر ہے راء کے فتح پر تنوین داخل کی گئی جیسے تیرا قول صد اور شکرا ہے۔ اس پر وقف اس الف پر ہے جو تنوین کے عوض ہے اور اس کا جعفر کے ساتھ ملحق ہونا بھی جائز ہے پس یہ ارط اور علقی کی مثل ہوگا جیسے شاعر نے کہا:

يَسْتَن فِي عَلْقَى وَفِي مُكُوْر

جب اس وجہ پر وقف ہوگا تو امالہ جائز ہوگا۔ الف ملحقہ پر وقف کی نیت ہوگی۔ ورش نے دونوں لفظوں کے درمیان پڑھا ہے جیسے سکری اور غضبی یہ اسم جمع ہے جیسے شتی اور اسہی ہے اسکی اصل دتری ہے یہ السواتر اور التواتر سے ہے واو کو تاء سے بدلا گیا ہے جیسے التقوی والتکلان و تجاہ اور اس جیسے الفاظ۔ بعض نے کہا: یہ الوتر سے مشتق ہے جس کا معنی فرد ہے معنی یہ ہوگا ہم نے انہیں فردا فردا بھیجا۔ نحاس نے کہا اس بنا پر تتری پہلی تا کے کسرہ کے ساتھ جائز ہے، مصدر کی بنا پر منصوب ہے، کیونکہ ثُمَّ اُرْسَلْنَا كَا مَعْنَىٰ هٖ اَتْرْنَا۔ اور یہ اس کا حال بنانا بھی جائز ہے یعنی متواترین کے معنی میں ہوگا۔ فَاتَّبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا لَعْنَىٰ هٖ مَتَوَاتِرًا اِنْمِيْٓ ہلاک کرتے رہے۔ وَ جَعَلْنَاهُمْ اَحَادِيْثًا لَعْنَىٰ هٖ اَحْدُوْثٌ كَمَجْمَعٍ هٖ جَوْبَاتٍ كِي جَاتِيْ هٖ جَسَّے اعاجیب جمع ہے اعجوبة کی وہ جس سے تعجب کیا جائے۔ انفس نے کہا: ثر میں کہا جاتا ہے جعلنا ہم احاديث اور خیر میں یہ نہیں کہا جاتا ہے: صار فلان حدیثنا یعنی فلان عبرت کا نشان بن گیا جیسے دوسری آیت میں فرمایا فَجَعَلْنَاهُمْ اَحَادِيْثًا وَ مَرَّتُهُمْ كُلُّ مُمَرِّقٍ (سبا: 19) میں کہتا ہوں کہا جاتا ہے: فلان حدیث حسن جب اس کے ذکر کے ساتھ مقید ہو: اسی سے ابن درید کا قول ہے۔

اِنَا الْمَرْءُ حَدِيْثٌ بَعْدَ فَن كُنْ حَدِيْثًا حَسَنًا لَعْنَىٰ وَعَىٰ

ثُمَّ اُرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَاَخَاهُ هَارُوْنَ ۙ بِآيَاتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝١٢ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلٰٓئِكِهِمْ
فَاَسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا عَلٰٓيِيْنَ ۝١٣ فَقَالُوْا اَنْتُمْ مِثْلُنَا وَ قَوْمُهُمٰنَا

عِبَادُونَ ﴿۴۸﴾ فَكَذَّبُوا مَا فَكَانُوا مِنَ الْهٰكِكِيْنَ ﴿۴۹﴾

”پھر ہم نے بھیجنا موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور واضح دلیل دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف تو انہوں نے بھی غرور و تکبر کیا اور وہ لوگ بڑے سرکش تھے۔ تو انہوں نے کہا: کیا ہم ایمان لے آئیں ان دو آدمیوں پر جو ہماری مانند ہیں حالانکہ ان کی قوم ہماری غلام ہے۔ پس انہوں نے ان دونوں کو تھملا یا نتیجہ یہ نکالا کہ وہ بھی برباد ہونے والوں میں شامل ہو گئے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ اٰتٰنَا مُوسٰى وَاَخَاهُ هٰرُونَ الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُمۡ اٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّحْكُمُوْنَ ﴿۴۸﴾ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ عَالِيْنَ ﴿۴۹﴾ کا معنی ہے تکبر کرنے والے اور دوسروں پر ظلم کرنے والے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلٰى فِى الْاَرْضِ مَرِيضٌ (القصص: 4) فَقَالُوْا اَنْتُمْ مِّمَّنْ لِّبَشَرِيْنَ مِّثْلِنَا يٰۤاٰتِیۡنَا يٰۤاٰتِیۡنَا یہ آیت پہلے گزر چکی ہے۔ مِنَ الْهٰكِكِيْنَ سمندر میں غرق ہونے کے ساتھ ہلاک ہونے والوں سے ہو گئے۔

وَلَقَدْ اٰتٰنَا مُوسٰى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

”بے شک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ کو کتاب تاکہ (ان کی قوم) ہدایت یافتہ ہو جائے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَقَدْ اٰتٰنَا مُوسٰى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ حضرت موسیٰ کا خاص ذکر کیا کیونکہ تورات طور میں ان پر نازل ہوئی تھی اور حضرت ہارون ان کی قوم میں خلیفہ تھے اگر ولقد آتینا ہمارا کتاب بھی جائز ہوتا جیسے فرمایا: وَلَقَدْ اٰتٰنَا مُوسٰى وَهٰرُونَ الْفُرْقَانَ (الانبیاء: 48)

وَجَعَلْنٰ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّةً اٰیةً وَّاَوْیُنٰهُمَا اِلٰی رَبُّوۃٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيۡنٍ ﴿۵۰﴾

”اور ہم نے بنا دیا مریم کے فرزند اور اس کی ماں (مریم) کو (اپنی قدرت کی) نشانی اور انہیں بنایا ایک بلند مقام پر جو رہائش کے قابل تھا اور جہاں چشمے جاری تھے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَجَعَلْنٰ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّةً اٰیةً وَّاَوْیُنٰهُمَا اِلٰی رَبُّوۃٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِيۡنٍ ﴿۵۰﴾ الریوۃ زمین کی بلند جگہ کو کہتے ہیں۔ یہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ یہاں اس سے مراد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول میں فلسطین ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ رملہ کا شہر ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن مسیب اور ابن سلام نے فرمایا: اس سے مراد دمشق ہے۔ کعب اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد بیت المقدس ہے۔ کعب نے کہا: یہ وہ زمین ہے جو آسمان کے قریب اٹھارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔

فكنت فہیدا تحت زمس بریوۃ تعاوڑنی ریخ جنوب وشنان

ابن زید نے کہا: اس سے مراد مصر ہے۔ سالم الفطس نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ: وَاَوْیُنٰهُمَا اِلٰی رَبُّوۃٍ سے مراد زمین کی بلند جگہ ہے۔ ذَاتِ قَرَارٍ برابر زمین جس پر قرار ہو۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد پہلوں والی زمین ہے پہلوں کی وجہ سے لوگ اس میں رہتے ہیں وَّ مَعِيۡنٍ جاری پانی جو چشموں سے ظاہر ہو کہا جاتا ہے: معین و معن جیسے کہا جاتا ہے: رغیف

درغف؛ یہ علی بن سلیمان کا قول ہے۔ زجاج نے کہا: یہ چشموں میں جاری پانی ہے اس بنا پر میم زائدہ ہوگی جیسے مبیعہ میں میم زائدہ ہے اسی طرح اس کے قول پر بھی میم زائدہ ہوگی جو کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ پانی ہے جو آنکھ کے ذریعے دیکھا جاتا ہے۔ بعض نے کہا: یہ فعیل بمعنی مفعول ہے۔ علی بن سلیمان نے کہا: کہا جاتا ہے معن الساء جب پانی جاری ہو فہو معین و معیون۔ ابن اعرابی نے کہا: معن الساء یعنی معونا جب پانی جاری ہو اور آسان ہو اَمْعَن اور اَمْعُنْثَہ و میاہ مُعنان۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾

”اے (میرے) پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے کام کرو بیشک میں جو اعمال تم کر رہے ہو ان سے خوب واقف ہوں۔“

اس میں دو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا مگر پاک اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو وہی حکم دیا جو اس نے مرسلین کو حکم دیا (1) فرمایا: يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٥١﴾ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ (البقرہ: 172) پھر ذکر کیا ایک شخص لمبا سفر کرتا ہے اس کے بال پراگندہ ہیں، جسم غبار آلود ہے، اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کرتا ہے کہتا ہے: یارب یارب جب کہ اس کا کھانا حرام ہے اور پینا بھی حرام ہے اور اس کا لباس بھی حرام ہے اور اسے حرام سے غذا دی گئی ہے پھر اس کی دعا کیسے قبول ہوگی؟“

مسئلہ نمبر 2۔ بعض علماء نے فرمایا: اس آیت میں خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو تمام رسل کے قائم مقام رکھا جیسے فرمایا: الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ (آل عمران: 173) اس آیت میں الناس سے مراد نعیم بن مسعود ہے۔ زجاج نے کہا: یہ نبی کریم ﷺ کو خطاب ہے جمع کا صیغہ اس بات پر دلیل ہے کہ تمام رسل کو اسی طرح حکم دیا گیا تھا، یعنی حلال سے کھاؤ۔ طبری نے کہا خطاب حضرت عیسیٰ کو ہے روایت ہے کہ وہ اپنی والدہ کے سوت کاتنے سے کھاتے تھے۔ ان سے مشہور یہ ہے کہ وہ جنگل کی سبزیوں سے کھاتے تھے اور حضرت عیسیٰ کو خطاب کی وجہ وہی ہے جو ہم نے حضرت محمد ﷺ کے متعلق ذکر کی ہے یعنی انہیں شرف دینے کے لیے۔ بعض نے کہا: اس بات سے ہر نبی کو خطاب کیا گیا ہے کیونکہ یہ ان کا طریقہ ہے جس پر ان کا ہونا مناسب ہے پس معنی یہ ہوگا ہم نے کہا: اے رسل! کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جیسے توتا جر کو کہتا ہے: اے تاجر و! سود سے بچو، تو اس کو معنی کے ساتھ خطاب کرتا ہے اس کے ساتھ متصل ہے کہ یہ مقالہ تمام اصناف کی صلاحیت رکھتا ہے انبیاء کرام کو اکٹھا کبھی خطاب نہیں کیا گیا ہر ایک کو اس کے زمانہ میں خطاب کیا گیا۔ فراء نے کہا: یہ اس طرح ہے جیسے ایک شخص کو کہتا ہے، ہمیں اذیت دینے سے رک جاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے اکل حلال کے وجوب اور حرام سے اجتناب کے ساتھ خطاب میں انبیاء کرام اور مومنین میں برابری فرمائی

اور پھر تمام اس وعید میں شامل ہیں جس کو اپنی بہائے عملوں عَلِيمٌ کا ارشاد اپنے دشمن میں لیے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ درود بھیجے اپنے رسل اور انبیاء پر جب انبیاء کرام کے ساتھ یہ معاملہ ہے تو پھر باقی لوگوں کے ساتھ کیسا گمان ہے؟ الطیبات اور الرزق کے بارے میں گفتگو کئی مقامات پر گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔ اور حدیث شریف ید ید یہ (1)۔ وہ ہاتھوں کو بلند کرتا ہے۔ دعا کے وقت آسمان کی طرف ہاتھوں کو بلند کرنے کی مشروعیت پر دلیل ہے۔ اس میں کلام گزر چکی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد: فانی يستجاب لذلك (2)۔ اس کی دعا قبول کیسے ہوگی؟ یہ استبعاد کی جہت سے ہے یعنی وہ دعا کی قبولیت کا اہل نہیں لیکن یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف کرم سے اس کی دعا قبول فرمائے۔

وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ﴿٣١﴾ فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ

زُبْرًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٣٢﴾ فَمَنْ رَأَاهُمْ فِي غَمًّا لَهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٣٣﴾

”اور یہی تمہارا دین ہے (اور) وہ ایک ہی ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں سو تم ڈرا کرو مجھ سے۔ لیکن کاٹ کر بنا دیا انہوں نے اپنی دینی وحدت کو باہمی اختلاف سے پارہ پارہ، ہر گروہ اپنے نظریات پر مسرور ہے۔ پس (اے محبوب!) رہنے دو انہیں اپنی مدہوشی میں کچھ وقت تک۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً اِس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ یہ تمہارا دین اور تمہاری ملت ہے پس اسے لازم پکڑو۔ امت سے مراد یہاں دین ہے اس کے کھل پہلے گزر چکے ہیں اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا عَلٰى اُمَّةٍ (الزخرف: 23) یعنی علی دین النابغذ نے کہا۔

حلفتُ فلم اترك لنفسك ربيّة و هل يأتين ذوا أمة وهو طائع

مسئلہ نمبر 2۔ وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّةً وَاحِدَةً کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور فتح کے ساتھ اور زون کی تشدید کے ساتھ پڑھا گیا ہے: خلیل نے کہا: یہ محل نصب میں ہے کیونکہ حرف جر حذف ہے یعنی انا عالم بأن هذا دينكم الذي أمرتكم أن تؤمنوا به۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارا یہ دین ہے جس کا میں نے حکم دیا ہے کہ تم اس پر ایمان لاؤ (3)۔ یہ مضمحل فعل کے متعلق ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ واعلموا أن هذه أمتكم۔ یہ سبویہ کے نزدیک فَاتَّقُونِ کے متعلق ہے۔ تقدیر اس طرح ہے فَاتَّقُونِ لِأَنَّ أُمَّتَكُمْ وَاحِدَةٌ۔ یہ اس ارشاد کی طرح ہے: وَأَنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ﴿١﴾ (الحج) یعنی لِأَنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَهُ غَيْرَهُ۔ اور جس طرح یہ ارشاد ہے: لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ ﴿١﴾ (القریش: 1) یعنی فليعبدوا رب هذا البيت لا يلاف قريش۔

مسئلہ نمبر 3۔ یہ آیت اس بات کو تقویت دیتی ہے کہ يَا أَيُّهَا الرَّسُلُ میں خطاب سب کو ہے۔ یہ انکی حاضری کی

تقدیر کے اعتبار سے ہے اور جب تو یَا أَيُّهَا الرُّسُلُ سے مراد صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب لے تو اس آیت اور فَتَقَطَّعُوا کا اتصال مشکل ہوتا ہے۔ رہا اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُون۔ کا ارشاد اگرچہ یہ انبیاء کرام کو کہا گیا ہے لیکن معنی کے اعتبار سے اس میں امتیں بھی شامل ہیں اس کے بعد فَتَقَطَّعُوا کا اتصال بہتر ہوگا۔ فَتَقَطَّعُوا سے مراد ہوگا کہ امتیں متفرق ہو گئیں انہوں نے ایک دین کو اجتماع کے حکم کے بعد بھی کئی ادیان بنا ڈالا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی رائے اور گمراہی پر خوش ہے یہ گمراہی کی انتہا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ”خبردار! تم سے پہلے اہل کتاب بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے اور یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی بہتر دوزخ میں ہوں گے اور ایک جنت میں ہوگا اور وہ جماعت ہے۔“ اس حدیث کو ابو داؤد نے نقل کیا ہے (1) اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ زائد روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون سا گروہ ہے؟ فرمایا: ”جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب ہیں“ (2) انہوں نے اسے حضرت عبد اللہ بن عمرو کی حدیث سے بیان کیا ہے۔ یہ بیان ہے کہ آیت میں اور حدیث میں جس افتراق سے ڈرایا گیا ہے وہ اصول دین اور قواعد دین میں ہے کیونکہ اصول و قواعد پر ملل کا اطلاق کیا ہے اور بیان فرمایا کہ ان ملل میں سے کسی چیز کو پکڑنا نہ دخول نار کا موجب ہے اس قسم کا حکم فروع میں نہیں بیان کیا جاتا، کیونکہ یہ ملل کے متعدد ہونے اور آگ کے عذاب کا موجب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَا جَا (المائدہ: 48) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذُبُّوا یعنی وہ کتب جو انہوں نے خود وضع کیں اور گمراہیاں جو انہوں نے تالیف کیں؛ یہ ابن زید کا قول ہے۔ بعض علماء نے کہا: انہوں نے کتب کو جدا جدا کیا اور ایک فرقہ نے صحف کی پیروی کی، ایک فرقہ نے تورات کی پیروی کی، ایک فرقہ نے زبور کی اور ایک فرقہ نے انجیل کی پیروی کی تمام نے ان کتب میں تحریف اور تبدیلی کی؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ بعض نے کہا: ان میں سے ہر فریق نے ایک کتاب کو پکڑا اس پر ایمان لائے اور اس کے علاوہ کتب کا انکار کیا۔ زبر براء کے ضمہ کے ساتھ نافع کی قرأت ہے اس کی جمع زبور ہے اعمش اور ابو عمرو سے زبر براء کے فتح کے ساتھ مروی ہے یہ لوہے کے ٹکڑوں کی طرح ٹکڑے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَتْتُونِي ذُبُرَ الْحَدِيثِ (الکہف: 96) کُلُّ جَذْبٍ یعنی ہر فریق اور ہر ملت۔ ہَا لَدَيْهِمْ یعنی جو دین میں سے ان کے پاس تھا۔ فَرِحُوا اس پر خوش تھے یہ آیت قریش کی مثال ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بارے میں خطاب فرمایا اس قول کے ساتھ: فَذَرَهُمْ فِي غَمَاتِهِمْ۔ یعنی ان لوگوں کو چھوڑیے یہ گذشتہ لوگوں کی طرح ہیں ان سے عذاب کی تاخیر پر آپ کا سینہ تنگ نہ ہو۔ ہر چیز کا ایک وقت ہے۔ الغمرۃ لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو تجھے ڈھانپ لے اور تجھ پر غالب آجائے۔ اس کی اصل ڈھانپنا ہے اس میں سے الغمرہ ہے جس کا معنی کینہ ہے کیونکہ وہ دل کو ڈھانپ دیتا ہے الغمرۃ قرآن میں زیادہ پانی کو بھی کہتے ہیں جو زمین کو ڈھانپ دیتا ہے۔ غمر الرداء وہ جو عطا کے ساتھ لوگوں کو ڈھانپ دیتا ہے شاعر نے کہا:

عَمَّرُ الرِّدَاءِ إِذَا تَبَسَّمَ ضَاحِكًا غَلِقَتْ لَفْخَكْتَهُ رِقَابُ الْمَالِ

یہاں مراد حیرت، غفلت اور گمراہی ہے۔ دخل فلان فی غمار الناس یعنی وہ ان کے رش میں داخل ہوا۔ حَتَّى جِبِينِ۔ مجاہد نے کہا: اس کا مطلب ہے موت تک، یہ دھمکی ہے کوئی متعین وقت نہیں ہے جیسے کہا جاتا ہے: سِیَاقُ لَنْ یَوْمٍ؛ ایک دن تجھ پر آئے گا۔

أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَّالٍ وَبَنِينَ ﴿٥٥﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ۗ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٦﴾

”کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں مال و اولاد (کی کثرت سے)، تو ہم جلدی کر رہے ہیں انہیں بھلائیوں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَّالٍ وَبَنِينَ ﴿٥٥﴾ ما بمعنی الذی ہے یعنی اے پیارے محمد! سنئے! تم کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ جو ہم انہیں دنیا میں مال اور اولاد دیتے ہیں وہ ان کے لیے ثواب ہے بلکہ وہ تو استدراج ہے اور ڈھیل ہے یہ بھلائیوں کے پہنچانے میں جلدی نہیں ہے۔ ان کی خبر میں تین اقوال ہیں۔ (۱) خبر محذوف ہے۔ زجاج نے کہا اس کا معنی ہے نَسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ، بہ کو، حذف کیا گیا (۱)۔ ہشام الضریر نے ایک بار ایک اور دقیق قول کیا ہے۔ انہوں نے کہا: انما ہی الخیرات۔ معنی یہ ہوگا سَارِعُ لَهُمْ فِيهِ۔ پھر ظاہر فرمایا اور فرمایا فِي الْخَيْرَاتِ۔ اس تقدیر پر اس میں حذف نہیں ہے۔ کسائی کا مذہب یہ ہے کہ انما ایک حرف ہے۔ یہ حذف کی تقدیر کا محتاج نہیں وَبَنِينَ پر وقف جائز ہے اور جنہوں نے کہا کہ انما حرف ہیں ان کے نزدیک ایک ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو خبر سے ان کے اسم کی طرف لوٹے وَبَنِينَ پر وقف مکمل نہیں۔ سختیانی نے کہا وَبَنِينَ پر وقف اچھا نہیں کیونکہ يَحْسَبُونَ دو مفعولوں کا محتاج ہے۔ دونوں مفعولوں کی تکمیل فِي الْخَيْرَاتِ میں ہے۔ ابن انباری نے کہا: یہ خطا ہے کیونکہ انا نے اسم اور خبر کی وجہ سے کافی ہے ان کے بعد دوسرا مفعول لانا جائز نہیں۔ ابو عبد الرحمن سلمیٰ اور عبد الرحمن بن ابی بکرہ نے یسارِعُ يَاء کے ساتھ پڑھا ہے اس بناء پر کہ اس کا فاعل امدادنا ہے۔ یہ بغیر حذف کے ہونا جائز ہے یعنی یسارِعُ لَهُمُ الْاِمْدَادُ۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس میں حذف جائز ہو معنی ہوگا یسارِعُ اللَّهُ لَهُمْ اَوِ يَسَارِعُ لَهُمُ فِي الْخَيْرَاتِ بھی پڑھا جاتا ہے اس میں تین وجوہ ہیں: ایک حذف کی بناء پر ہے اور یسارِعُ الْاِمْدَادُ ہونا بھی جائز ہے یہ بھی جائز ہے کہ لہم تائب الغافل ہو؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ مہدوی نے کہا حرنحوی نے نَسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ پڑھا ہے یہ جماعت کی قرأت کا معنی ہے۔ ثعلبی نے کہا: درست جمہور کی قرأت ہے کیونکہ پیچھے تمدا آیا ہوا ہے۔ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٦﴾ انہیں شعور نہیں کہ یہ ان کے لیے فتنہ ہے اور استدراج ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشِيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ

يَوْمِنُونَ ﴿١٧﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا
قُلُوبُهُمْ وَجِلَّةٌ أُنزِلَتْ إِلَيْهِمْ رَاجِعُونَ ﴿١٩﴾

”بیشک وہ لوگ جو اپنے رب کے خوف سے ڈر رہے ہیں، اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ (کسی کو) شریک نہیں بناتے، اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اس حال میں کہ ان کے دل ڈر رہے ہیں (اس خیال سے) کہ وہ (ایک دن) اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُتَّقُونَ ﴿١٨﴾ کفار کے ذکر اور ان کو وعید سنانے کے بعد مومنین کا ذکر کیا جو نیکوں میں جلدی کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو ان کے ساتھ وعدہ کیا ہے اس کا ذکر کیا ہے اور ان کی ابلغ صفات کا ذکر کیا مُتَّقُونَ وہ ان چیزوں سے ڈرنے والے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ڈرایا ہے۔ وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ يَوْمِنُونَ ﴿١٧﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا قُلُوبُهُمْ وَجِلَّةٌ حسن نے کہا: وہ اخلاص کا مظاہرہ کرتے ہیں اور وہ ڈرتے ہیں کہ ان کا عمل کہیں غیر مقبول ہو جائے۔ ترمذی نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق پوچھا: وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا قُلُوبُهُمْ وَجِلَّةٌ حضرت عائشہ نے عرض کی: کیا وہ شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں (1)؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نہیں اے صدیق کی بیٹی! لیکن وہ روزے رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں جب کہ وہ ڈرتے بھی رہتے ہیں کہ کہیں ان کے یہ اعمال رونا کیسے جائیں یہی وہ لوگ ہیں جو نیکوں میں جلدی کرنے والے ہیں“ (2)۔ حسن نے کہا: ہم نے ایسے لوگوں کو پایا کہ انہیں اپنی نیکیوں کے رد ہونے کا زیادہ خوف ہوتا تھا اس سے زیادہ جتنا کہ تمہیں اپنی برائیوں پر عذاب دیئے جانے کا خوف ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ، ہونے کا زیادہ خوف ہوتا تھا اور غمی نے وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا۔ الاتیان سے مشتق کر کے مقصور پڑھا ہے۔ فراء نے کہا: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور غمی نے وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا۔ الاتیان سے مشتق کر کے مقصور پڑھا ہے۔ فراء نے کہا: یہ قرأت حضرت عائشہ سے صحیح ہوتی تو جماعت کی قرأت کے خلاف نہ ہوتی کیونکہ عربوں میں سے جو تمام حالات میں ہمزہ میں قرأت کو لازم کرتے ہیں جب اسے لکھا جاتا ہے پس سئل الرجل سین کے بعد الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ یستہزؤن۔ زا الف کو لازم کرتے ہیں جب اسے لکھا جاتا ہے اور شئی یا کے بعد الف کے ساتھ ہے۔ پس ان علماء کے نزدیک یا کے بعد الف کے اور واؤ کے درمیان الف کے ساتھ ہے اور شئی یا کے بعد الف کے ساتھ ہے۔ یؤتُونَ مَا آتَوْا۔ ویاتون ما اتوا (3) ان ساتھ لکھنا ناپسندیدہ نہیں یہ لفظ اس خط کی بنا پر دونوں قراوتوں کا احتمال رکھتا ہے۔ یؤتُونَ مَا آتَوْا۔ ویاتون ما اتوا (3) ان دونوں تاویلوں کے احتمال کے ساتھ منفرد ہے۔ وہ نظریہ جو جماعت کا ہے، وہ جو زکاۃ، صدقہ دیتے ہیں تو ان کے دل کانپ رہے ہوتے ہیں اور وہ جو فرشتوں کو اعمال پیش کرتے ہیں تو ڈر رہے ہوتے ہیں۔ مفعول کو اس باب میں حذف کیا گیا ہے کیونکہ اس کا معنی واضح ہے، جس طرح کہ اس قول میں حذف کیا گیا ہے فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يُصْرَفُونَ ﴿١٩﴾ (یوسف) یعنی وہ تلوں اور انگور کو نچوڑتے ہیں۔ مفعول کو حذف کیا کیونکہ اس کی تاویل واضح ہے۔ اصل اس قرأت پر ہوگی اور قرآن کے

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورہ مومنون، جلد 2، صفحہ 147

3۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 348

2۔ ترمذی، باب من سورۃ المؤمن، حدیث نمبر 3099، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اصل نسخہ میں موجود ہے یا تون، الف ہمزہ سے بدلا گیا ہے اور الف کو واؤ کی صورت میں لکھا گیا ہے، کیونکہ خفا میں حروف مدہ اور لین برابر ہیں، ابن الانباری نے یہ حکایت کیا ہے۔ نحاس نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت سے معروف والذین یا تون ما اتوا ہے یہ قرأت نبی کریم ﷺ سے مروی ہے اور حضرت عائشہ سے مروی ہے اور اس کا معنی ہے وہ عمل کرتے ہیں جو عمل کرتے ہیں جیسا کہ حدیث میں مروی ہے۔ الوجہ کا معنی ڈرنا اور خوف کھانا ہے متقی اور تائب کو انجام کا خوف ہوتا ہے اور ان امور کا خوف ہوتا ہے جو موت کے بعد اس پر طاری ہوں گے۔ اِنَّهُمْ اِذَا رَاوْهُمْ لَمْ يَجْعُوْنَ یہ خاتمہ پر تشبیہ ہے۔ صحیح بخاری میں ہے: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ (1)۔ اعمال کا دار و مدار خاتمہ پر ہے۔ رہا وہ شخص جس سے نیکیاں اور گناہ دونوں سر زد ہوتے ہوں تو انہیں وعید کے نفاذ کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اصحاب الخواطر نے کہا: عارف پر طاعت کی وجہ سے کچھ اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جتنا کہ مخالفت پر کچھ ہوتی ہے کیونکہ مخالفت کو توبہ منادیتی ہے اور طاعت میں غرض کی تصحیح مطلوب ہوتی ہے: اِنَّهُمْ يَعْنِي لَانَّهُمْ يَأْمَنُ اَجَلَ اَنَّهُمْ۔۔۔۔۔ اِذَا رَاوْهُمْ لَمْ يَجْعُوْنَ۔

اُولٰٓئِكَ يُسْرِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿١٠﴾

”یہی لوگ جلدی کرتے ہیں بخیرات کرنے میں اور وہ بھلائیوں کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُولٰٓئِكَ يُسْرِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ۔ خیرات سے مراد نیکیاں ہیں وہ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں تاکہ اعلیٰ درجات اور بالا خانوں کو حاصل کر لیں یہ يُسْرِعُوْنَ بھی پڑھا گیا ہے یعنی وہ نیکیوں کی طرف جلدی کرنے والے ہوتے ہیں يُسْرِعُوْنَ کا مطلب ہے وہ اس سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں جو ان سے نیکیوں میں سبقت لے جاتا ہے مفعول محذوف ہے۔ زجاج نے کہا: جو جلدی کرتے ہیں وہ اس سے زیادہ جلدی کرتے ہیں (2)۔ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ۔ انہیں جو خوبصورت قول ہے وہ یہ ہے کہ وہ نیکیوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ دلیل ہے کہ نیکیوں کو ان کے اوقات میں ادا کرنا افضل ہے جیسا کہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ جو کسی چیز میں بڑھ جائے وہ اس کی طرف سبقت لے جائیو والا ہے اور ہر وہ شخص جو اس سے موخر ہوتا ہے تو اس کا فوت ہونا اس سے سبقت لے جاتا ہے۔ لَهَا۔ میں لام اس قول کی بنا پر الی کے معنی میں ہے، جیسے فرمایا: بِأَنَّ رَبَّكَ اَوْطَىٰ لَهَا ﴿١٠﴾ (الزلزلہ) یعنی اوحی الیہا۔ سیبویہ نے یہ شعر کہا ہے:

تَجَانَفُ عَنْ جَوِّ الْيَمَامَةِ نَاتِقِي وَمَا قَصَدَتْ مِنْ اَهْلِهَا لَسَوَاتِكَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿١٠﴾ کا یہ معنی مروی ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کے لیے سعادت مل چکی ہے اس وجہ سے وہ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ نیکیوں کی وجہ سے سبقت لے جانے والے ہیں۔

وَلَا تُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا مَكْتُوبٌ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١١﴾

”اور ہم تکلیف نہیں دیتے کسی شخص کو مگر جتنی اس کی طاقت ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو سچ بولتی ہے

اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا یہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اور جو تکلیف مالا یطاق شریعت میں وارد ہے اس تمام کے لیے ناسخ ہے۔ وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ سب کا ظاہر قول یہ ہے کہ یہاں کتاب سے مراد اعمال کو شمار کرنے والی کتاب ہے جسے ملائکہ اٹھاتے ہیں اس کو اپنی طرف منسوب کیا کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے بندوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں وہ حق کے ساتھ بولتی ہے اس میں تہدید اور ظلم سے مایوس کرنا ہے۔ لفظ النطق کتاب کے لیے جائز ہے اور مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام اس کے احکام کے ساتھ بولتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد لوح محفوظ ہے اس میں ہر چیز لکھی ہوئی ہے پس وہ اس سے تجاوز نہیں کرتے۔ بعض نے کہا: وَلَدَيْنَا كِتَابٌ سے مراد قرآن ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ تمام معانی کا احتمال رکھتا ہے اور پہلا معنی اظہر ہے۔

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمَرَةٍ مِّنْ هَذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّنْ دُونِ ذَلِكَ هُمْ لَهَا عَمَلُونَ ﴿١٧﴾ حَقَّى
إِذَا آخَذْنَا مَثَرًا فِيهِمْ بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْعَرُونَ ﴿١٨﴾ لَا تَجْعَرُوا الْيَوْمَ إِنَّكُمْ مِّنَّا
لَا تَنْصُرُونَ ﴿١٩﴾

”بلکہ ان کے دل مدہوش ہیں اس (خوفناک حقیقت) سے اور ان کے اعمال مومنوں کے اعمال سے مختلف ہیں۔ یہ (نابکار) ان برے کاموں کو ہی کرنے والے ہیں، یہاں تک کہ جب ہم پکڑیں گے ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب سے اس وقت وہ چلائیں گے۔ (ظالمو!) آج نہ چلاؤ تمہاری ہماری طرف سے اب کوئی مدد نہ کی جائے گی۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمَرَةٍ مِّنْ هَذَا مجاہد نے کہا: وہ پردے اور غفلت میں ہیں اور قرآن سے اندھے ہو چکے ہیں کہا جاتا ہے: غمرة الساء جب پانی ڈھانپ لے۔ نہر عمر ایسی نہر کہ جو اس میں داخل ہو اس کو ڈھانپ دیتی ہے رجل غمري غمرة آراء الناس۔ ایسا شخص جس کو لوگوں کی آراء ڈھانپ لیں۔ بعض علماء نے کہا غمرة کیونکہ وہ چہرے کو ڈھانپ لیتی ہے اسی سے ہے دخل فی غمار الناس و خمارهم۔ یعنی لوگوں کے مجمع نے اسے ڈھانپ لیا۔ بعض نے کہا: بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمَرَةٍ یعنی وہ حیرت اور اندھے پن میں ہیں یعنی اس سے وہ اندھے ہیں جو پہلی آیات میں اعمال خیر بیان کیے گئے ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے یا اس کتاب سے اندھے ہیں جو حق بولتی ہے (1)۔ وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّنْ دُونِ ذَلِكَ هُمْ لَهَا عَمَلُونَ ﴿١٧﴾ قتادہ اور مجاہد نے کہا: ان کی ایسی خطائیں ہیں کہ ضرور وہ حق کے علاوہ کام کریں گے۔ حسن اور ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے ان کے ردی اعمال ہیں جس روش پر ہیں انہوں نے اس کے علاوہ اعمال نہیں کیے ضرور وہ مومنین کے اعمال کے علاوہ اعمال کریں گے جن کی وجہ سے وہ دوزخ میں داخل ہوں گے ان کے لیے شقاوت مقدر ہو چکی ہے۔ ایک تیسرا احتمال بھی ہے کہ اس نے خالق کا کفر کرنے کے ساتھ مخلوق پر ظلم کیا؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ یہ معانی قریب قریب ہیں۔ حَقَّى إِذَا آخَذْنَا

مُتَشَفِّهِمْ بِالْعَذَابِ۔ یعنی بدر کے دن جب ہم نے کموار کے ساتھ ان کے خوشحال لوگوں کو پکڑ لیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: یعنی بھوک سے پکڑ لیا۔ جب نبی کریم ﷺ نے ان کے خلاف دعا کی ”اے اللہ! مضر قبیلہ پر سختی فرما۔ اے اللہ! انہیں ایسے قحط میں مبتلا کر دے جیسے یوسف کے زمانہ میں تھا“ (1) پس اللہ تعالیٰ نے انہیں قحط اور بھوک میں مبتلا کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے ہڈیاں، مردار، کتے اور دھرنگے کھائے، ان کے مال اور عیال ہلاک ہوئے۔ اِذَا هُمْ يَجْعَرُونَ۔ وہ چیختے تھے اور مدد طلب کرتے تھے۔ الجوار کا اصل معنی تضرع کے ساتھ آواز بلند کرنا ہے، جیسے بیل آواز نکالتا ہے۔ اَعشى نے گائے کا وصف بیان کرتے ہوئے کہا:

فطافت ثلاثاً بين يوم وليلة وكان النكير ان تضيف وتجارا

جوہری نے کہا: الجوار، الخوار مثل ہے۔ کہا جاتا ہے: جَارُ الشور يجار یعنی بیل نے آواز نکالی۔ بعض نے عجلًا جسدالہ جوار پڑھا ہے۔ انفس نے یہ حکایت کیا ہے۔ اور جَارُ الرَّجُلِ إِلَى اللَّهِ عزوجل یعنی دعا کے ساتھ تضرع کیا۔ قتادہ نے کہا: وہ توبہ کے ساتھ چیختے تھے پس ان سے توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

يراد من صلوات المليك فطورا سجودا و طورا جوارا

ابن جریج نے کہا: حَتَّىٰ اِذَا آخَذْنَا مُتَشَفِّهِمْ بِالْعَذَابِ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بدر میں قتل کیے گئے تھے۔ اِذَا هُمْ يَجْعَرُونَ ﴿٥﴾ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مکہ میں تھے۔ پس دونوں قولوں کو جمع کیا گیا۔ یہ عمدہ ہے۔ لَا تَجْعَرُوا الْيَوْمَ ۗ اِنَّكُمْ مَنَا۔ منا سے مراد من عذابنا ہمارے عذاب سے لَا تُنصَرُونَ۔ تمہاری حفاظت نہیں کی جائے گی اور تمہاری جزع و فزع تمہیں نفع نہیں دے گی حسن نے کہا: توبہ کی قبولیت کے ساتھ ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ بعض علماء نے کہا: اس نہی کا معنی اخبار ہے یعنی تم اگر تضرع و زاری کرو تو تمہیں نفع نہ دے گی۔

قَدْ كَانَتْ اِيَّتِي تُشَلِّي عَلَيْكُمْ فَلَمَنْتُمْ عَلَيَّ اَعْقَابِكُمْ تَتَكَبَّرُونَ ﴿١١﴾ مُسْتَكْبِرِينَ ۗ بِهٖ سُبْرًا

تَهَجَّرُونَ ﴿١٥﴾

” (وہ وقت یاد کرو) جب ہماری آیتیں تمہارے سامنے پڑھی جاتی تھیں اور تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جایا کرتے تھے غرور و تکبر کرتے ہوئے (پھر حرم میں) تم داستان سرائی کیا کرتے تھے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تُشَلِّي عَلَيْكُمْ تم پر پڑھی جاتی ہیں۔ ضحاک نے کہا قتل کے ساتھ عذاب دینے سے پہلے۔ تَتَكَبَّرُونَ ﴿١١﴾ تم پیچھے کی طرف لوٹتے ہو (2)۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی پیچھے ہٹتے ہو۔ اس کی اصل لے پاؤں پیچھے ہٹنا ہے، شاعر نے کہا:

زعموا بأنهم على سبيل الشجا ۖ وانما نكص عن الأعقاب

یہاں حق سے اعراض سے استعارہ ہے۔ حضرت علی نے علی ادبار کم پڑھا ہے۔ تنکصون کاف کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ مُسْتَكْبِرِينَ^{۱۰} کی ضمیر سے حال ہے۔ جمہور نے کہا: یہ ضمیر حرم یا مسجد یا البلد کی طرف لوٹ رہی ہے، البلد سے مراد مکہ ہے اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہیں لیکن معاملہ میں اس کی شہرت کی وجہ سے ضمیر لوٹانا جائز ہے، یعنی وہ کہتے ہیں ہم اہل حرم ہیں پس ہم نہیں ڈرتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے وہ اپنے دلوں میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں ان کے لیے مسجد اور حرم کی وجہ سے لوگوں پر زیادہ حقوق ہیں پس وہ اس وجہ سے تکبر کرتے تھے، حق سے تکبر کرنا مراد نہیں۔ ایک جماعت نے کہا: ضمیر کا مرجع قرآن ہے اس حیثیت سے کہ آیات ذکر کی گئی ہیں معنی یہ ہے کہ تمہارے لیے میری آیات سننا تکبر اور سرکشی کو پیدا کرتا ہے، پس تم اس پر ایمان نہ لاؤ۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ عمدہ قول ہے۔ نحاس نے کہا: پہلا قول اولیٰ ہے اس کا معنی ہے وہ حرم کی وجہ سے فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم اہل حرم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سُبْرًا تَهْجُرُونَ ﴿۱۰﴾ اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ سُبْرًا تَهْجُرُونَ، سامرا پر نصب حال کی بنا پر ہے اس کا معنی ہے سبارا۔ وہ جماعت جو رات کو باتیں کرتی ہے۔ یہ السمر سے مشتق ہے جس کا معنی ہے چاند کا سایہ اسی سے سمرۃ اللون ہے۔ وہ کعبہ کے ارد گرد چاند کے سایہ میں باتیں کرتے تھے اس کو التحدث کہا گیا۔ ثوری نے کہا: چاند کے سایہ کو السمر کہتے ہیں اسی سے السمرۃ فی اللون ہے رنگ میں گندی رنگ کہا جاتا ہے۔ اس کو الفخت کہا جاتا ہے اور اسی سے فاختہ ہے۔ ابورجاء نے سبارا پڑھا ہے یہ جمع ہے سامر کی جیسا کہ شاعر نے کہا:

الست تری السبار والناس احوالی

قبیلہ کی حدیث میں ہے: اذا جاء زوجها من السامر، جب اس کا خاوند استان سرائی کرنے والی قوم سے واپس آیا، یہ اسم مفرد بمعنی جمع ہے جیسے الحاصر ہے اس سے مراد وہ قوم ہوتی ہے جو پانی پر اترتی ہے۔ الباقی جمع ہے البقر کی اور الجامل جمع ہے الابل کی مذکر اور مونث دونوں کی جمع یہی ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا (غافر: 67) یعنی اطفالا کہا جاتا ہے قوم سمر و سمر و سامرا اس کا معنی ہے رات کو جاگنا، یہ السمر سے مشتق ہے اس سے مراد چاند کی وہ روشنی ہے جو درختوں پر پڑتی ہے۔ جوہری نے کہا: السامر اور اسی طرح السبار وہ لوگ جو داستان سرائی کرتے ہیں جیسے الحاج کو حجاج کہا جاتا ہے۔ شاعر کا قول ہے:

وسامر طال فيه اللهود والسمر

گویا اس مکان کو سامر کہا گیا جس میں قصہ خوانی کے لیے جمع ہوا جاتا ہے۔ بعض علماء نے کہا: سامر واحد ہے اور بمعنی السبار ہے کیونکہ یہ وقت کے لیے وضع کیا گیا ہے جیسے شاعر کا قول ہے۔

مِنْ دُونِهِمْ اِنْ جِئْتَهُمْ سَمْرًا عَزْفُ الْقِيَانِ وَ مَجْلِسُ عَمْرٍ

اور فرمایا: سمر کیونکہ اس کا معنی ہے اگر تورات کے وقت ان کے پاس آئے گا جبکہ وہ قصہ خوانی میں مصروف ہوں گے

بنا سمیرات اور دن کو کہتے ہیں کیونکہ ان میں داستان سرائی ہوتی ہے کہا جاتا ہے: لا افعله ما سیرا بنا سمیرا بندا میں کبھی بھی ایسا نہیں کروں گا، السیر زمانہ کو بھی کہا جاتا ہے۔ اور ابناہ سے مراد رات اور دن میں۔ لا افعله السیر والقمر یعنی جب تک لوگ چاندنی رات میں قصہ خوانی کرتے رہیں گے میں ایسا نہیں کروں گا۔ ولا افعله سمیرا اللیلیا، شنفری نے کہا:

هنالك لا أرجو حياة تستبين سیر اللیالی مُبَسَّلًا بالجرائر

السمیر سین کے فتح کے ساتھ پتلا دودھ۔ عرب قصہ خوانی کے لیے بیٹھتے تھے۔ یہ نجوم کے ذریعے اس کی معرفت کو ثابت کیا ہے کیونکہ وہ صحراء میں بیٹھتے تھے اور طلوع اور غروب ہونے والے ستارے دیکھے جاتے تھے۔ قریش کعبہ کے ارد گرد مجالس قائم کرتے تھے۔ اور جھوٹی اور کفریہ کہانیاں بیان کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ سے انہیں عیب لگایا۔ تَهْجُرُونَ۔ تاء کے ضمہ کے ساتھ، میم کے کسرہ کے ساتھ اَنْجَرَ سے مشتق ہے جب کوئی فحش کلام کرے۔ اور تاء کے نصب کے ساتھ اور جیم کے ضمہ کے ساتھ هجر المرض سے مشتق ہے جس کا معنی ہے مریض نے ہذیان بکا۔ اس کا معنی ہے وہ نبی کریم ﷺ اور قرآن کے بارے بری بات کرتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 2: سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی مُتَلَبِّرِينَ³ بِهٖ سُوْرًا تَهْجُرُوْنَ ۝ تو قصہ خوانی مکروہ ہو گئی؛ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی مذمت فرمائی ہے جو طاعت الہی کے علاوہ باتیں کرتے ہیں خواہ وہ ہذیاں مین ہو یا کوئی اور مشورہ میں ہو۔ اعمش فرماتے تھے: جب میں شیخ کو دیکھتا ہوں جبکہ اس نے حدیث نہیں لکھی ہوتی تو میں اسے تھپڑ مارتا ہوں کیونکہ وہ شیوخ القمر سے ہے یعنی جو چاندنی راتوں میں جمع ہوتے ہیں خلفاء اور امراء کے زمانہ کو بیان کرتے ہیں ان میں سے کوئی نماز کے لیے اچھی طرح وضو نہیں کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 3: امام مسلم نے حضرت ابو بزرہ سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم ﷺ عشاء کی نماز کو رات کے تہائی حصہ تک موخر فرماتے تھے اور عشاء کی نماز سے پہلے سونا اور بعد میں باتیں کرنا ناپسند فرماتے تھے (1)۔ علماء نے فرمایا: نماز سے پہلے سونے کی کراہت اس لیے ہے تاکہ پورا وقت کہیں فوت نہ ہو جائے یا افضل وقت ضائع نہ ہو جائے، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: جو عشاء سے پہلے سو جائے اس کی آنکھ کبھی نہ سوئے۔ یہ تین مرتبہ فرمایا: جن علماء نے عشاء سے پہلے سونے کو مکروہ قرار دیا ہے ان میں حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں۔ یہی امام مالک کا مذہب ہے۔ بعض نے اس کی رخصت دی ان میں سے حضرت علی، حضرت ابو موسیٰ وغیرہم ہیں یہ کوئیوں کا مذہب ہے۔ بعض نے شرط لگائی ہے کہ وہ اپنے ساتھ ایک شخص رکھ لے جو اسے نماز کے لیے جگائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے؛ یہی امام طحاوی کا مذہب ہے۔ رہا نماز کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہونا تو یہ اس لئے ہے کیونکہ نماز گناہوں کے لیے کفارہ ہے پس وہ سلامتی پر سوئے گا جب کہ فرشتوں نے اس کے صحیفہ کو عبادت کے ساتھ ختم کیا تھا۔ وہ قصہ کہانی کرتا ہے وہ اپنی طرف سے باتیں کرتا ہے اور اپنا اختتام لغو اور باطل چیز پر کرتا ہے اور یہ مومنین کے فعل سے نہیں ہے۔ دیر تک باتیں کرتے رہنارات کے

آخری حصہ میں نیند کو غالب کرتا ہے۔ اور رات کے آخر میں قیام بھی نہیں کر سکتا۔ بعض اوقات صبح کی نماز سے بھی رہ جاتا ہے۔ بعض علماء نے کہا: عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنا مکروہ ہے کیونکہ حضرت جابر بن عبد اللہ نے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب لوگوں کے چلنے کی آواز تھم جائے تو قصہ خوانی سے پرہیز کرو کیونکہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کیا پھیلائے گا، تم اپنے دروازے بند کر دو اور مشکیزوں کے منہ باندھ دو اور برتن ڈھانپ دو اور چراغ بجھا دو“ (1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ لوگوں کو عشاء کے بعد باتیں کرنے پر سزا دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے: رات کے ابتدائی حصہ میں قصہ خوانی کرنا اور رات کے آخری حصہ میں سونا! اپنے اعمال لکھنے والے فرشتوں کو راحت و وحی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جس نے عشاء کے بعد شعر کا ایک مصرعہ پڑھا اس کی صبح تک نماز قبول نہ ہوگی، اس کی حضرت شداد بن اوس نے نبی کریم ﷺ تک سند چلائی ہے۔ بعض علماء نے کہا: عشاء کی نماز کے بعد باتیں کرنے کی کراہت میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو سکون کے لیے بنایا ہے جب آدمی اس میں باتیں کرے گا اور دن کے وقت سوئے گا جبکہ اللہ تعالیٰ نے دن کو معاش کی تلاش کے لیے بنایا ہے تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی اس حکمت کی مخالفت کی جو اس نے اس کے وجود پر جاری فرمائی ہے۔ فرمایا: وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ لَيْلًا لِيَسَأَلَ النُّومَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارًا تُشْوُّرًا ۝ (الفرقان)

مسئلہ نمبر 4۔ یہ کراہت ایسی باتوں کے ساتھ مختص ہے جو عبادت، اذکار اور علم کی تعلیم کے زمرہ سے نہ ہوں اور اہل علم کی گفتگو اور مصالح کی تعلیم وغیرہ کے بارے میں نبی کریم ﷺ اور سلف صالحین سے ایسی روایات وارد ہیں جو اس کے جواز پر دلالت کرتی ہیں بلکہ اس کی ندبیت، استحباب پر دلالت کرتی ہیں۔ امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے۔ باب السفری الفقہ والخیر بعد العشاء۔ ذکر کیا جاتا ہے کہ قرۃ بن خالد نے کہا: ہم نے حسن کا انتظار کیا انہوں نے ہمارے پاس آنے سے دیر لگا دی حتیٰ کہ وہ اس وقت آئے جب وہ وہاں سے چلے جاتے تھے پس وہ آئے اور کہا: ہمارے پڑوسیوں نے ہمیں بلایا تھا۔ پھر حضرت انس نے فرمایا: ہم نے ایک رات رسول ﷺ کا انتظار کیا حتیٰ کہ جب آدمی رات کا وقت ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”لوگوں نے نماز پڑھ لی اور تم نماز میں رہے جب تک تم نماز کے منتظر رہے“ (2)۔ حسن نے کہا: قوم خیر میں ہوتی ہے جب تک خیر کے انتظار میں ہوتی ہے۔ فرمایا: باب السفر مع الضیف والاهل۔ اس کے تحت امام بخاری نے ابو بکر بن عبد الرحمن کی حدیث لکھی ہے کہ اصحاب صفہ فقراء تھے۔ الحدیث۔ اس کو امام مسلم نے نقل کیا ہے، نیز سرحدوں کی حفاظت اور رات کے وقت لشکروں کی حفاظت پر ثواب اور اجر عظیم ذکر کیا ہے جو اخبار میں مشہور ہے۔ یہ سب آل عمران کے آخر میں گزر چکا ہے۔

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ۝

”کیا انہوں نے کبھی تدبیر نہ کیا قرآن میں؟ یا آئی تھی ان کے پاس ایسی چیز جو نہ آئی تھی آپ کے پہلے آباء اجداد

کے پاس“۔

1۔ ابو داؤد، کتاب، ابواب النوم، باب ما جاء في الديك والبهايم، حدیث نمبر 4440، روایت بالسنن

2۔ صحیح بخاری، السفری الفقہ والخیر بعد العشاء، جلد 1، صفحہ 84

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ**۔ القول سے مراد قرآن ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ (النساء: 82)** قرآن کو قول کہا گیا کیونکہ اس کے ساتھ انہیں خطاب کیا گیا، **أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمْ إِلَّا وَآلِينَ**۔ انہوں نے اس سے اعراض کیا اور اس کا انکار کیا۔ بعض علماء نے فرمایا: ام بمعنی بل ہے یعنی بلکہ ان کے پاس آئی ہے ایسی چیز جس کا ان کے آباء کے لیے عہد نہ تھا اسی وجہ سے انہوں نے اس کا انکار کیا اور اس میں غور و فکر کو ترک کر دیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ بعض علماء نے کہا: اس کا معنی ہے یا ان کے پاس غاب سے امان کا پروانہ آیا ہے یہ وہ چیز ہے جو ان کے پہلے آباء کے پاس نہیں آئی تھی پس انہوں نے عزت والے قرآن کو ترک کر دیا۔

أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ۝

”یا انہوں نے اپنے رسول (مکرم) کو نہ پہچانا تھا اس لیے وہ اس کے منکر تھے۔“

عرب یہ ترکیب توقیف اور تیج کے معنی پر استعمال کرتے ہیں عرب کہتے ہیں: الخیر أحب الیک ام الشر یعنی میں نے تجھے شر کے بارے میں بتا دیا اس لیے تو اس سے اجتناب کر۔ وہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان چکے تھے اور وہ پہچان چکے تھے کہ اہل صدق، امانت سے ہے اور اس کی اتباع میں نجات اور خیر ہے اگر ہٹ دھرمی نہ ہوتی۔ سفیان نے کہا: کیوں نہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان چکے تھے لیکن انہوں نے آپ سے حسد کیا۔

أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُم لِلْحَقِّ كِرْهُونَ ۝

”یا کہتے ہیں کہ اسے سودا کا مرض ہے (یوں نہیں) بلکہ وہ تشریف لایا ان کے پاس حق کے ساتھ اور بہت سے لوگ ان میں سے حق کو ناپسند کرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ** یعنی کیا وہ ایمان کے ترک پر اس سے حجت پکڑتے ہیں کہ اسے سودا کا مرض ہے۔ حقیقت ایسی نہیں کیوں کہ اس سے جنون کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوتی۔ **بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ** الحق سے مراد قرآن، توحید حق اور دین حق ہے۔ **وَأَكْثَرُهُم** یعنی تمام کے تمام۔ **لِلْحَقِّ كِرْهُونَ** حسد، تقلید، اور نافرمانی کی وجہ سے حق کو ناپسند کرتے ہیں۔

وَلَوْ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ بَلْ أَتَيْنَهُم

بِنِ كَيْسٍ هُمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ۝

”اور اگر پیروی کرتا حق ان کی خواہشات (نفسانی) کی تو درہم برہم ہو جاتے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے بلکہ ہم ان کے پاس لے آئے ان کی نصیحت تو وہ اپنی نصیحت سے ہی روگردانی کر نیوالے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَوْ اتَّبَعَ الْحَقُّ** یہاں الحق سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، یہ اکثر علماء کا قول ہے ان میں سے مجاہد، ابن جریج اور ابوصالح وغیرہ ہیں (1)۔ عربی میں اس کی تقدیر اس طرح ہے لو اتبع صاحب الحق۔ یہ نحاس کا قول ہے۔

بعض نے کہا: یہ مجاز ہے یعنی اگر حق ان کی خواہشات کے موافق ہوتا۔ موافقت کو مجازاً اتباع بنایا یعنی اگر وہ رسولوں کا انکار کرتے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے پھر انہیں سزا نہ دی جاتی اور انہیں اس پر جزا نہ دی جاتی خواہ عجز کی وجہ سے یا جہالت کی وجہ سے تو آسمان و زمین کا نظام خراب ہو جاتا۔ بعض علماء نے کہا: اس کا معنی ہے اگر حق وہ ہوتا جو وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود بنا لیے جائیں تو ان میں اختلاف پیدا ہوتا۔ بعض ایسی چیز کا ارادہ کرتے جس کا دوسرے ارادہ نہ کرتے تو نظام درہم برہم ہو جاتا اور آسمان اور زمین کا معاملہ خراب ہو جاتا اور جو کچھ ان میں ہے اس میں بھی بگاڑ پیدا ہو جاتا۔ بعض علماء نے کہا: لَوِ اتَّبَعُوا الْحَقَّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ لَئِنْ لَمْ يَفْعَلِ اللَّهُ بِهِنَّ مَا يَفْعَلُ لَفَسَدَتِ الْعَالَمِينَ یعنی اگر لوگوں کی خواہشات کی اتباع کرتا اور اس کی اتباع کرتا جو لوگ چاہتے ہیں تو عالم کا نظام باطل ہو جاتا کیونکہ لوگوں کی شہوات مختلف اور متضاد ہیں حق کا راستہ ہی مقبول ہے اور لوگوں کا راستہ حق کی پیروی ہے۔ بعض علماء نے کہا: الحق سے مراد قرآن ہے، یعنی قرآن ان کی خواہشات کے مطابق نازل ہوتا تو آسمان اور زمین کا نظام گڑبڑ ہو جاتا۔ وَمَنْ فِيهِنَّ یہ آسمان کے ملائکہ، زمین کے جن و انس کی طرف اشارہ ہے؛ یہ ماوردی کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: جو ان کے درمیان مخلوق ہے۔ یہ حضرت ابن مسعود کی قرأت ہے لفسدت السموات والارض وما بينهما کلبی اور حضرت ابن مسعود کی قرأت کی تاویل پر معقول اور غیر معقول سب کے فساد کو شامل ہے۔ قرآن کا ظاہر جمہور کی قرأت میں عقل والوں کے فساد پر محمول ہے کیونکہ جو غیر ذوی العقول ہیں وہ صلاح اور فساد میں ذوی العقول کے تابع ہیں۔ اس بنا پر جو فساد ہو گا وہ آسمان کے فرشتوں کی طرف لوٹے گا کہ انہیں ارباب بنایا گیا حالانکہ مربوب ہیں ان کی عبادت کی گئی حالانکہ وہ عبادت گزار ہیں اور انسانوں کا فساد دو وجوہ پر ہوگا۔ ایک خواہشات نفسانی کی وجہ سے اور یہ مہلک ہے۔ دوسرا غیر اللہ کی عبادت کی وجہ سے اور یہ کفر ہے۔ رہا اس کے علاوہ کافساد تو وہ بالمتبع ہے، کیونکہ ان کی تدبیر ذوی العقول کے ذریعے کی جاتی ہے پس تدبیر کر نیوالوں کا فساد ان پر ہی لوٹے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ أَتَيْنَهُم بِذِكْرِهِمْ هُمْ أَنْ يَرْجِعُوا إِلَى اللَّهِ لَعَلَّ هُمْ يَرْجِعُونَ انہیں ان کی نصیحت لے آئے جس میں ان کے لیے شرف اور عزت ہے؛ یہ سدی اور سفیان کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: جس میں ان کے ثواب اور عقاب کا ذکر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جس میں حق کا بیان ہے اور اس کا ذکر ہے امر دین میں سے جس کی انہیں ضرورت ہے۔

أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَّاجٌ مَرَاتِكُمْ خَيْرٌ ۗ وَهُوَ خَيْرُ الرَّزُقِينَ ﴿٥٠﴾

”کیا آپ طلب کرتے ہیں ان سے کچھ معاوضہ؟ (آپ کے لیے) تو آپ کے رب کی عطا بہتر ہے اور وہ سب

سے بہتر رزق دینے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَّاجٌ مَرَاتِكُمْ خَيْرٌ ۗ وَهُوَ خَيْرُ الرَّزُقِينَ انہیں ان سے اس پر اجر طلب کرتے ہیں؛ یہ حسن وغیرہ کا قول ہے۔ فَخَرَّاجٌ مَرَاتِكُمْ خَيْرٌ ۗ وَهُوَ خَيْرُ الرَّزُقِينَ انہوں نے بغیر الف کے پڑھا ہے۔ معنی یہ ہے کیا آپ ان سے رزق طلب کرتے ہیں آپ سوائے ابن عامر اور ابو حیوہ کے انہوں نے بغیر الف کے پڑھا ہے۔ اور اسکی مثل انعام کے رب کا رزق بہتر ہے۔ وَهُوَ خَيْرُ الرَّزُقِينَ کوئی شخص قادر نہیں کہ وہ اس کے رزق کی مثل رزق دے۔ اور اسکی مثل انعام نہیں دیتا۔ بعض نے کہا: جو اللہ تعالیٰ آپ کو اجر میں سے ادا کرے گا اور اس کی بارگاہ میں دعا، دنیا کے سامان سے بہتر ہے

انہوں نے آپ کو اموال پیش کیے تاکہ قریش کے ایک شخص کی طرح ہو جائیں تو آپ نے اسے قبول نہ کیا؛ یہ حسن نے معنی بیان کیا ہے۔ الخراج اور الخراج کا ایک معنی ہے مگر کلام کا اختلاف احسن ہے یہ الانفخس کا قول ہے اور ابو حاتم نے کہا: میں نے ابو عمرو بن العلاء سے الخراج اور الخراج کا فرق پوچھا تو انہوں نے کہا: خراج وہ ہے جو تم پر لازم ہو اور خرچ وہ ہے جو تو اپنی طرف سے خود دے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ الخراج وہ ہوتا ہے جو غلاموں سے وصول کیا جاتا ہے۔ پہلا قول ثعلبی نے اور دوسرا قول ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ

الصِّرَاطِ لَنُكِبُونَ ۝

”اور بیشک آپ تو انہیں بلا تے ہیں سیدھی راہ کی طرف۔ بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر وہ راہ راست سے منحرف ہونے والے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ یعنی آپ انہیں دین قیم کی طرف بلا تے ہیں۔ الصراط کا لغوی معنی راستہ ہے۔ دین کو راستہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ جنت تک پہنچاتا ہے پس یہ اس کا راستہ ہے۔ وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ یعنی وہ دوبارہ اٹھنے پر ایمان نہیں رکھتے۔ عَنِ الصِّرَاطِ لَنُكِبُونَ ۝ بعض نے کہا: یہ پہلے کی مثل ہے۔ بعض نے کہا: وہ جنت کے راستہ سے منحرف ہونے والے ہیں حتیٰ کہ دوزخ کی طرف جانے والے ہیں۔ نكب عن الطريق ينكب نكباً (1) کا معنی ہے راستہ سے ہٹ جانا دوسری طرف مائل ہو جانا اس سے ہے: نكبت الريح جب وہ گزرگاہ پر سیدھی نہ چلے۔ شم الريح النكباء سب سے بری ہوا وہ ہے جو اٹنی چلنے والی ہو۔

وَلَوْ رَأَوْهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ ضُرٍّ لَلَجُّوا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝

”اور اگر ہم ان پر مہربانی بھی فرمائیں اور دور بھی کر دیں اس مصیبت کو جس میں مبتلا ہیں پھر بھی وہ بڑھتے جائیں گے اپنی سرکشی میں اندھے بنے ہوئے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَوْ رَأَوْهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ ضُرٍّ لَلَجُّوا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ یعنی اگر ہم انہیں دنیا کی طرف لوٹا دیں اور انہیں دوزخ میں داخل نہ کریں اور ہم پھر انہیں آزمائیں۔ لَلَجُّوا فِي طُغْيَانِهِمْ سدی نے کہا: وہ اپنی معصیوں میں بڑھتے جائیں گے۔ يَعْمَهُونَ ۝ یعنی وہ سرگرداں رہیں گے۔ ابن جریج نے کہا: وَلَوْ رَأَوْهُمْ یعنی دنیا میں اگر ان پر مہربانی کریں۔ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ ضُرٍّ اور قحط اور بھوک ان سے دور کر دیں۔ لَلَجُّوا فِي طُغْيَانِهِمْ تو یہ اپنی گمراہی اور حد سے تجاوز کرنے میں سرکش ہوتے جائیں گے۔ يَعْمَهُونَ بدحواس ہوں گے اور متذبذب ہوں گے۔

وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ۝

”اور ہم نے پکڑ لیا انہیں عذاب سے پھر بھی وہ نہ جھکے اپنے رب کی بارگاہ میں اور نہ وہ اب گڑگڑا کر (توبہ

کرتے) ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ لُوطٍ بِغَيْرِ حِسَابٍ**۔ بعض نے کہا اس سے مراد امراض، حاجت اور بھوک ہے۔ بعض نے کہا: قتل اور بھوک ہے۔ **فَمَا اسْتَكَاثُوا لِلرَّبِّهِمْ** وہ نہ جھکے۔ **وَمَا يَتَصَرَّعُونَ** جو انہیں تکالیف پہنچتی ہیں ان میں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں جھکتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ تمامہ بن آثال کے واقعہ میں نازل ہوئی جب اسے ایک لشکر نے پکڑ لیا اور اس نے اسلام قبول کر لیا اور نبی کریم ﷺ نے اسے آزاد کر دیا تو وہ مکہ والوں اور سامان رسد کے درمیان حائل ہو گیا اس نے کہا: اللہ کی قسم! نبی پاک ﷺ کی اجازت کے بغیر گندم کا ایک دانہ بھی یمامہ سے مکہ والو! تمہارے پاس نہیں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کو قحط اور بھوک میں مبتلا کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے مردار، کتے اور العلیز کھائے۔ پوچھا گیا: العلیز کیا ہے؟ فرمایا وہ اون اور اونوں کے بال لیتے تھے اسے خون کے ساتھ تر کرتے تھے پھر اسے بھونتے تھے اور اسے کھاتے تھے۔ ابوسفیان نے آپ ﷺ سے عرض کی: میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہوں کیا آپ کہتے نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیوں نہیں؟“ ابوسفیان نے کہا: آپ نے آباء کو تلوار کے ساتھ قتل کر دیا اور اولاد کو بھوک کے ساتھ قتل کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی، **وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ**۔ الخ۔

حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٤٠﴾

”یہاں تک کہ جب ہم کھول دیں گے ان پر دروازہ سخت عذاب والا وہ اس وقت بالکل مایوس ہو جائیں گے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ** عکرمہ نے کہا: یہ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اس پر چار لاکھ فرشتے مقرر ہیں ان کے چہرے کالے ہیں، ان کے دانت باہر نکلے ہوئے ہیں، ان کے دلوں سے رحمت نکالی گئی ہے جب یہ کافر اس دروازے پر پہنچیں گے تو اللہ تعالیٰ اسے ان پر کھول دے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ ان کا بدر کے دن تلوار سے قتل کرنا ہے (1)۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد قحط ہے جو انہیں پہنچا تھا حتیٰ کہ انہوں نے بھوک کی وجہ سے اون کھائی تھی جیسا کہ پہلے گزرا ہے۔ بعض نے کہا: عذاب شدید سے مراد فتح مکہ ہے۔

إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٤٠﴾ وہ مایوس و متحیر ہو گئے وہ نہ جانتے ہوں گے کہ کیا کریں جیسے ہر خوشحالی اور خیر سے محروم شخص ہوتا ہے۔ یہ سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿٤١﴾

”اور وہ وہی ہے جس نے بنائے تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل لیکن (ان عظیم نعمتوں پر بھی) تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ** اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کی کثرت اور کمال قدرت

کی انہیں پہچان کرائی۔ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿١٠﴾ یعنی وہ بہت تھوڑا شکر کرتے ہیں۔ بعض نے کہا: اس کا مطلب ہے وہ بالکل شکر نہیں کرتے۔

وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿١١﴾

”اور وہ وہی ہے جس نے پھیلا دیا تمہیں زمین (کے اطراف) میں اور (انجام کار) اسی کی جناب میں اکٹھے کیے جاؤ گے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ یعنی وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پیدا کیا اور تمہیں پھیلا دیا اور تمہیں تخلیق کیا۔ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿١١﴾ جزاء کے لیے اس کی جناب میں جمع کیے جاؤ گے۔

وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٢﴾ بَلْ قَالُوا
مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿١٣﴾ قَالُوا إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ۖ إِنَّا لَبَعُوثُونَ ﴿١٤﴾
لَقَدْ وَعَدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَذَا مِنْ قَبْلُ ۖ إِن هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٥﴾ قُلْ
لَيْسَ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِلَّا لَكُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٦﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۗ قُلْ أَفَلَا
تَذَكَّرُونَ ﴿١٧﴾ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿١٨﴾ سَيَقُولُونَ
لِلَّهِ ۗ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٩﴾ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ
عَلَيْهِ ۖ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٠﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۗ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ ﴿٢١﴾

”اور وہ وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے گردشِ لیل و نہار، کیا (اتنا بھی) تم نہیں سمجھتے۔ بلکہ انہوں نے بھی وہی بات کہی جو پہلے (کفار) کہا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا: کیا جب ہم مرجائیں گے اور بن جائیں گے خاک اور ہڈیاں تو کیا ہمیں پھر اٹھایا جائے گا۔ بلاشبہ یہ وعدہ کیا گیا ہے ہم سے اور ہمارے باپ دادا کے ساتھ بھی آج سے پہلے (لیکن آج تک پورا نہ ہوا) نہیں ہیں یہ باتیں مگر من گھڑت افسانے پہلے لوگوں کے۔ (اے حبیب!) آپ پوچھیے کس کی ملکیت ہے یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو۔ وہ کہیں گے (یہ سب) اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ آپ فرمائیے: تم اس سے کیوں نہیں ڈرتے؟ آپ پوچھیے: وہ کون ہے جس کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی ملکیت ہے اور وہ پناہ دیتا ہے (جسے چاہے) اور پناہ نہیں دی جاسکتی اس کی مرضی کے خلاف (بتاؤ) اگر تم کچھ علم رکھتے ہو؟ وہ کہیں گے: یہ اللہ تعالیٰ کی ہی شان ہے۔ فرمائیے: پھر کیسے تم دھوکا میں مبتلا ہو جاتے ہو؟“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ دن اور رات کو اس نے مختلف بنایا جیسے تیرا قول ہے لَكَ الْآجِرُ وَالصَّلَاةُ یعنی تجھے اجر دیا جائے گا اور صلہ دیا جائے گا: یہ فراء کا قول ہے۔ بعض نے کہا: دن رات کے

سیقولون اللہ پڑھا تو سوال بغیر لام کے ہے تو جواب بھی اسی طرح آیا اور پہلی صورت میں اللہ لام کے ساتھ پڑھا ہے اور سوال میں بھی لام ہے۔ کیونکہ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ کا مطلب ہے قُلْ لِمَنْ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ الخ۔ پس جواب کے ساتھ یا جب سوال میں لام مقدر کیا گیا اور تیسرے کی علت دوسرے کی علت کی طرح ہے؛ شاعر نے کہا:

إِذَا قِيلَ مَنْ رَبُّ الْمِزَالِفِ وَالْقَرَىٰ وَرَبُّ الْجِيَادِ الْجُرُودِ قَدَّتْ لِنَخَالِدِ

اصل میں لمن المزالف ہے۔ مزالف ان شہروں کو کہتے ہیں جو صحراء اور آبادی کے درمیان ہوتے ہیں۔ یہ آیات کفار سے جھگڑنے اور ان کے خلاف حجت قائم کرنے پر دلیل ہیں۔ یہ مسئلہ سورہ البقرہ میں گزر چکا ہے۔ ان آیات نے آگاہی بخشی کہ جو خلق اختراع، ایجاد اور ابداع پر ابتداء قادر ہے وہ الوہیت اور عبادت کا مستحق ہے۔

بَلْ آتَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١٠﴾ مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذْ أَذْهَبَ كُلَّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ﴿١١﴾ عَلِيمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٢﴾

”حقیقت یہ ہے کہ ہم نے پہنچا دیا انہیں حق اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔ نہیں بنایا اللہ تعالیٰ نے کسی کو (اپنا) بیٹا اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ورنہ لے جاتا ہر خدا ہر اس چیز کو جو اس نے پیدا کی ہوتی اور غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے وہ خدا ایک دوسرے پر، پاک ہے اللہ تعالیٰ ان تمام (نازیبا) باتوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں، وہ جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کو پس وہ بلند ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بَلْ آتَيْنَهُم بِالْحَقِّ یعنی ہم نے انہیں سچا قول پہنچا دیا نہ کہ وہ جو کفار کہتے ہیں یعنی شریک کا اثبات اور دوبارہ اٹھنے کی نفی۔ ﴿١٠﴾ وَ إِنْهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿١٠﴾ وہ جھوٹے ہیں کہ کہتے ہیں: ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ۔ من صلہ ہے وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ۔ من زائدہ ہے تقدیر اس طرح ہے مَا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا جیسا کہ تم نے کہا ہے اور جو اس نے پیدا کیا ہے اس میں اس کے ساتھ کوئی خدا نہیں ہے کلام میں حذف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اس کے ساتھ اور خدا ہوتے تو ہر خدا اپنی مخلوق کے ساتھ علیحدہ ہوتا۔ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ قوی، ضعیف پر غالب آتا جیسے بادشاہوں کی نفی پر دلالت کرتا ہے وہ بیٹے کی نفی پر بھی دلالت کرتا ہے کیونکہ بیٹا باپ سے ملک میں جھگڑتا ہے جس طرح شریک جھگڑتا ہے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ﴿١١﴾ بیٹے اور شریک سے وہ پاک ہے۔ عَلِيمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وہ عالم الغیب ہے۔ فَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٢﴾ وہ شرک سے پاک ہے۔ نافع، ابو بکر، حمزہ اور کسائی نے عالم رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی ہو عالم الغیب ہی کلام ہے۔ باقی قراء نے اللہ کی صفت کی بنا پر، مجرور پڑھا ہے۔ روایں نے یعقوب سے روایت کیا ہے جب وصل کیا تو عالم کو جردی اور جب ابتدا کی تو رفع دیا۔

قُلْ رَبِّ إِمَّا تُرِيدُنِي مَا يُؤَدُّونَ ﴿١٣﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿١٤﴾

”آپ یہ دعا مانگئے: اے میرے پروردگار! اگر تو ضرور مجھے دکھانا چاہتا ہے وہ (عذاب) جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو میرے رب (ازراہ عنایت) مجھے ان ظالموں کے ساتھ نہ کرنا۔“

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دعا سکھائی یعنی تم کہو: اے میرے پروردگار! اگر تو ضرور مجھے وہ عذاب دکھانا چاہتا ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٥﴾ تو ان پر عذاب نازل ہونے کے وقت مجھے ان ظالم قوم سے نہ کرنا بلکہ مجھے ان سے نکال لینا۔ بعض نے کہا: ندامت عرض ہے اور اما میں مازائدہ ہے۔ بعض نے کہا: اما کی اصل ان ما ہے۔ ان شرط ہے اور مکھی شرط ہے دونوں شرطوں کو تاکید کے لیے جمع فرمایا۔ اور جواب۔ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ہے یعنی جب تو انہیں عذاب دینے کا ارادہ فرمائے تو مجھے ان سے نکال لینا نبی کریم ﷺ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ظالم قوم سے آپ کو نہیں کرے گا جب ان پر عذاب نازل ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا اور سوال کا حکم دیا تا کہ آپ کا اجر بڑھے اور آپ ہر وقت اپنے پروردگار کا ذکر کرتے رہیں۔

وَإِنِّي أَعْلَمُ أَنَّ نُرِّيكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَدْ رُؤُونَ ﴿٥﴾

”اور ہم اس بات پر کہ دکھا دیں تجھے وہ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے قادر ہیں۔“
اللہ نے تشبیہ فرمائی ہے کہ معلوم کے خلاف بھی قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان میں بھوک اور تلوار کے ساتھ عذاب دکھایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور جو آپ پر ایمان لائے انہیں اس سے بچالیا۔

إِذْ فَعِمَّ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةِ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ﴿٦﴾

”دور کرو اس چیز سے جو بہت بہتر ہے برائی کو، ہم خوب جانتے ہیں جو باتیں وہ بیان کرتے ہیں۔“
اللہ تعالیٰ نے إِذْ فَعِمَّ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةِ درگزر اور مکارم اخلاق کا حکم دیا مکارم اخلاق میں سے جو ان کے درمیان ہیں وہ اس امت میں ہمیشہ محکم اور باقی ہیں اور جو کفار سے صلح اور ترک تعرض اور ان کے امور سے درگزر کا حکم ہے وہ قتال کے حکم کے ساتھ منسوخ ہے۔ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ﴿٦﴾ یعنی جو وہ شرک اور تکذیب بیان کرتے ہیں ہم اسے جانتے ہیں یہ تقاضا ہے کہ یہ آیت موادعہ (صلح) ہے۔ واللہ اعلم۔

وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنَ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ ﴿٦﴾ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ ﴿٧﴾

”اور کہیے: میرے رب! میں پناہ طلب کرتا ہوں تیری شیطانوں کے وسوسوں سے اور میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں میرے رب! اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنَ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ ﴿٦﴾ اس میں دو مسئلے ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنَ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ ﴿٦﴾۔ الهمزات جمع ہے همزة کی الهمز کا لغوی معنی ہے دفع کرنا، دور کرنا۔ کہا جاتا ہے: همزة دلهمزة اس نے اسے دور کیا۔ لیٹ نے کہا الهمز کا معنی ہے پیچھے سے کلام کرنا اور اللهمز کا معنی ہے سامنے باتیں کرنا۔ شیطان وسوسہ ڈالتا ہے، ابن آدم کے سینے میں آہستہ آہستہ وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

ارشاد فرمایا: **أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ** یعنی (کہیے) میں شیطان کی وسوسہ اندازی سے پناہ مانگتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دور کر دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے آپ شیطان کے وسوسہ اور دخل اندازی سے پناہ مانگتے تھے (1) ابوالبیہم نے کہا: جب آہستہ کلام کرے اور اسے پوشیدہ کرے تو اسے الہمس کہتے ہیں شیر کو ہموس کہتے ہیں کیونکہ وہ اتنا آہستہ چلتا ہے کہ اس کے چلنے کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ یہ سورہ طہ میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو شیطان کی تحریک اور وسوسہ سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ یہ غصہ کا ابھار ہے جس پر انسان ضبط نہیں کر سکتا گویا یہ وہ ہے جو مومنین کو کفار کے ساتھ پہنچتی ہے تاکہ مقابلہ شروع ہو جائے اسی وجہ سے یہ اس آیت کے ساتھ متصل ہے، غصہ کی زیادتی اور شدت شیطان کی طرف سے ہوتی ہے آیت میں اس سے پناہ مانگی گئی ہے۔ سورہ اعراف کے آخر میں اس کا بیان تفصیلاً گزر چکا ہے۔ اور کتاب کے آغاز میں بھی گزر چکا ہے۔ علی بن حرب بن محمد طائی سے مروی ہے فرمایا ہمیں سفیان نے بتایا انہوں نے ایوب سے انہوں نے محمد بن حبان سے روایت کیا کہ حضرت خالد رات کو جاگتے رہتے تھے انہوں نے اپنی بے خوابی کی شکایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تو آپ نے انہیں ان کلمات سے پناہ مانگنے کا حکم دیا **أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِ اللَّهِ وَعِقَابِهِ وَمِنْ شَرِّ عِبَادَةٍ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ** وان يحضرون (2)۔ ابوداؤد کی کتاب میں ہے حضرت عمر بن الخطاب نے کہا: ہمزہ سے مراد الموت ہے ابن ماجہ نے کہا: الموتہ سے مراد جنون ہے اور جنون سے پناہ مانگنا موکد ہے، حضرت ابی کی قرأت میں **رَبِّ عَائِدَا بَلَكْ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَعَائِدَا بَلَكْ** ان يحضرون ہے یعنی میں پناہ مانگتا ہوں کہ شیطان میرے امور میں میرے ساتھ ہو، کیونکہ شیطان جب انسان کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو وہ طعنہ زنی کے لیے تجاوز کرتے تھے اور جب وہ حاضر نہیں ہوتے تو طعنہ زنی نہیں ہوتی۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر سے مروی ہے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ”شیطان تم میں سے ہر شخص کے پاس ہر کام میں موجود ہوتا ہے حتیٰ کہ کھانے کے وقت بھی حاضر ہوتا ہے جب کسی کے ہاتھ سے لقمہ گرے تو وہ اس سے مٹی وغیرہ جھاڑے پھر اسے کھالے اور اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔ اور جب کھانے سے فارغ ہو تو اپنی انگلیاں چاٹ لے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ کس کھانے میں برکت ہے“ (3)۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ۗ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا

تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۗ

”یہاں تک کہ جب آئے گی ان میں سے کسی کو موت تو وہ (بہد حسرت) کہے گا: میرے مالک! مجھے (دنیا میں) واپس بھیج دے، شاید میں اچھے کام کروں اس دنیا میں دوبارہ جا کر جسے میں ایک بار چھوڑ آیا ہوں، ایسا نہیں ہو سکتا یہ ایک (لغو) بات ہے جو وہ کہ رہا ہے اور ان کے آگے ایک آڑ ہے اس دن تک جب وہ دوبارہ

2۔ جامع ترمذی، حدیث امام بن خاتم، جلد 2، صفحہ 191

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 3828

3۔ صحیح مسلم، استحباب لعق الاصابہم والقصعة واكل اللقمة الساقطة، جلد 2، صفحہ 176

زندہ کیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ﴿٥٠﴾ کلام کو پھر مشرکین کی طرف لوٹا یا یعنی انہوں نے کہا: إِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا إِنََّّا لَسَبْعُونَ ﴿٥١﴾ لَقَدْ دُعِينَا نَحْنُ وَإِبَائُنَا هَذَا مِنْ قَبْلُ إِنَّ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٥٢﴾ پھر ان پر حجت قائم کی اور انہیں ہر چیز پر اپنی قدرت یاد دلائی پھر فرمایا: وہ اس پر مصر ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے گی تو اسے اپنی گمراہی کا یقین ہوگا اور وہ ان ملائکہ کو دیکھے گا جو اس کی روح قبض کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ يَتَوَلَّىٰ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةَ (الانفال: 50) قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ لوٹنے کی تمنا کرے گا تاکہ اعمال صالحہ کرے جسے وہ چھوڑ آیا ہے۔ کبھی قول دل میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَيَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ (المجادلة: 8) اور ارْجِعُونِ کا قول، وہ اپنے رب سے مخاطب ہے اس نے ارْجِعُونِ نہیں کہا تعظیم کیلئے جمع کا صیغہ استعمال کیا۔ بعض نے فرمایا: انہوں نے ابتدا میں اللہ تعالیٰ سے استغاثہ کیا ان کے کہنے والے نے کہا: رب۔ پھر فرشتوں سے مخاطب ہوا اور کہا ارْجِعُونِ الِ الدِّينَا مجھے دنیا کی طرف لوٹا دو؛ یہ ابن جریج کا قول ہے۔ بعض نے کہا: ارْجِعُونِ تکرار کی جہت سے ہے یعنی ارْجِعُونِ ارْجِعُونِ ارْجِعُونِ۔ مزنی نے اَلْقِيَانِي جَهَنَّمَ (ق: 24) کی تفسیر میں کہا: اس کا معنی ہے النِقَالِ۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد مشرک ہیں۔ میں کہتا ہوں: رجوع کا سوال کافر کے ساتھ مختص نہیں مومن بھی رجوع کا سوال کرے گا جیسا کہ سورہ منافقین کے آخر میں آئے گا، یہ آیت دلیل ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا حتیٰ کہ وہ اضطراری طور پر جان لیتا ہے کہ کیا وہ اولیاء اللہ سے ہے یا اللہ کے دشمنوں سے ہے اگر یہ نہ ہوتا تو مومن لوٹنے کا سوال نہ کرتا پس وہ جان لیتے ہیں موت کے نزول اور اس کا ذائقہ چکھنے سے پہلے لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی گواہی دینا ہے۔ فِيمَا تَرَكْتُمْ جو میں نے طاعات میں سے ضائع کیا اور چھوڑ دیا۔ بعض نے فرمایا: فِيمَا تَرَكْتُمْ جو مال میں نے چھوڑ آیا تاکہ میں صدقہ کروں۔ لعل تردد کو متضمن ہے یہ وہ ہے جو لوٹنے کا سوال کرے گا جب کہ اسے عذاب کا یقین ہو چکا ہوگا وہ قطعی طور پر عمل صالح کا قول کرے گا اسے کوئی تردد نہ ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تردد یا تو دنیا کی لوٹنے کی طرف راجع ہے یا توفیق کی طرف راجع ہے یعنی میں عمل صالح کروں گا اگر تو مجھے توفیق عطا فرمائے گا کیونکہ قدرت و توفیق کا وجود قطعی نہیں ہے اگر وہ دنیا کی طرف لوٹا یا بھی گیا۔ کلا یہ کلمہ رد ہے یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوگا جیسا کہ اس نے گمان کیا ہے کہ دنیا کی طرف لوٹنے کی استدعا قبول کی جائے گی بلکہ یہ کلام ہوا میں بکھر جائے گا۔ بعض نے کہا: اگر قبول کر لیا جائے جو وہ طلب کر رہا ہے تو وہ اپنے کہنے کو پورا نہیں کرے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ جَاءَ جَوْدٌ لِّبَطْنِ بَنِي إِسْرَائِيلَ (الانعام: 28) بعض علماء نے فرمایا۔ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ مُّوقَّتَةٌ لِّهَا اللَّهُ تَعَالَىٰ كِي طرف راجع ہے یعنی اس کی خبر میں خلاف نہیں اس نے خبر دی ہے کہ ہرگز کسی نفس کو مہلت نہیں دے گا جب اس پر اس کی موت کا وقت آجائے گا اور اس نے خبر دی کہ یہ کافر ایمان نہیں لائے گا، بعض نے کہا۔ إِنَّهَا كَلِمَةٌ مُّوقَّتَةٌ لِّهَا مَوْتُ كِي وقت وہ یہ کہے گا لیکن اسے نفع نہیں دے گا۔ وَ مِّنْ ذُرِّيَّتِهِم مُّبْرَأَةٌ لِّمَن كَانَ يَدْعُو إِلَى الْغَيْبِ (الاحزاب: 26) بعض نے کہا: ان کے پیچھے آڑ ہے یعنی موت اور بعث کے درمیان آڑ ہے؛ یہ

ضحاک، مجاہد اور ابن زید کا قول ہے۔ مجاہد سے مروی ہے دنیا و آخرت کے درمیان آڑ ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حجاب ہے۔ سدی نے کہا: مدت ہے۔ قتادہ نے کہا: دنیا کا بقیہ ہے۔ بعض نے کہا: قیامت تک مہلت دینا ہے؛ یہ ابن عیسیٰ نے حکایت کیا ہے۔ کلبی نے کہا: دو صورتوں کے درمیان کی مدت ہے۔ ان کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہے۔ یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں۔ دو چیزوں کے درمیان آڑ کو برزخ کہتے ہیں۔ جوہری نے کہا البند خبین الشیثین دو چیزوں کے درمیان آڑ کو برزخ کہتے ہیں۔ دنیا اور آخرت کے درمیان موت کے وقت سے لے کر دوبارہ اٹھنے تک کا وقفہ برزخ ہے۔ جو فوت ہو گیا وہ برزخ میں داخل ہو گیا۔ ایک شخص نے امام شعبی کی موجودگی میں کہا: اللہ تعالیٰ نے فلاں پر رحم فرمایا وہ اہل آخرت سے ہو گیا۔ شعبی نے کہا: وہ اہل آخرت سے نہیں ہوا بلکہ وہ اہل برزخ سے ہوا ہے۔ دنیا اور آخرت میں سے نہیں ہے یوم کو یبعثون کی طرف مضاف کیا گیا ہے کیونکہ یہ طرف زماں ہے اضافت سے مراد مصدر ہے۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿٥٠﴾

”تو جب صور پھونکا جائے گا تو کوئی رشتہ داریاں نہ رہیں گی ان کے درمیان اس روز اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھ سکیں گے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿٥٠﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ آخرت میں نہیں پوچھیں گے نسب کے بارے میں جیسے دنیا میں پوچھتے ہیں یعنی تو کس قبیلہ سے ہے؟ نہ یہ پوچھیں گے کہ کس نسب سے تعلق رکھتا ہے قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے تعارف نہیں طلب کریں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ نفلہ اولیٰ میں ہوگا جب جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہے سب پر غشی طاری ہو جائے گی مگر جسے اللہ چاہے گا (2)۔ ان کے درمیان اس دن کوئی نسب درشتہ داری نہ رہے گی اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھیں گے پھر اس میں دوسرا صور پھونکا جائے گا جب وہ کھڑے دیکھ رہے ہوں گے۔ وہ ایک دوسرے کی طرف سوال کرتے ہوئے متوجہ ہوں گے۔ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت اور فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٥١﴾ (الصافات) کے متعلق پوچھا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: پہلے نفلہ میں وہ نہیں پوچھیں گے کیونکہ زمین پر کوئی زندہ باقی نہیں رہے گا پس نہ نسب ہوگا نہ سوال ہوگا۔ رہا فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٥١﴾ تو جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو ایک دوسرے کے متعلق پوچھیں گے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: اس آیت میں نفلہ ثانی مراد ہے۔ ابو عمر زاذان نے کہا: میں حضرت ابن مسعود کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ اصحاب خیر و برکت مجھ سے ان کی بارگاہ میں سبقت لے گئے ہیں میں نے بلند آواز سے کہا: اے عبد اللہ بن مسعود! یہ اس وجہ سے ہے کہ میں عجی ہوں آپ نے ان کو قریب کیا ہے اور مجھے دور کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: قریب ہو، میں قریب ہوا حتیٰ کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی بیٹھنے والا نہ تھا میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا: بندے یا بندی کا ہاتھ قیامت کے دن پکڑا جائے گا اولین و آخرین کے

سروں پر اسے کھڑا کیا جائے گا پھر ندادینے والا ندادے گا: یہ فلاں بن فلاں ہے جس کے لیے حق ہو وہ اپنے حق کی طرف آئے عورت خوش ہوگی کہ اس کے لیے حق اس کے باپ پر یا اس کے خاوند پر یا اس کے بھائی پر یا اس کے بیٹے پر پھیرا جائے گا، پھر حضرت ابن مسعود نے یہ پڑھا: فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ۝ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ان کے حقوق لاؤ۔ وہ کہیں گے: یارب! دنیا فنا ہوگئی ہے۔ پس میں ان کے حقوق کہاں سے لاؤں؟ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا: اس کی نیکیوں سے لے لو اور ہر انسان کو اس کے مطالبہ کی مقدار دے دو۔ اگر وہ اللہ کا ولی ہوگا ایک رائی کے دانہ کی مقدار نیکیاں ہوں گی تو اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا بڑھا دے گا حتیٰ کہ اس کے ذریعے اسے جنت میں داخل کرے گا۔ پھر حضرت ابن مسعود نے یہ پڑھا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً يُّضْعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (النساء) اگر وہ شقی ہوگا تو فرشتے کہیں گے یارب! اس کی نیکیاں ختم ہوگئی ہیں اور مطالبہ کرنے والے باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: حق طلب کرنے والے کے برے اعمال میں سے لے کر اس کی برائیوں کے ساتھ ملا لو اور اس کے لیے جہنم کا پروانہ لکھ دو (1)۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ ۱۴ ۚ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ

الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ۝ ۱۵

”البتہ جن کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب و کامران ہوں گے۔ اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو وہ جہنم میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔“

اس پر کلام گذر چکی ہے۔

تَلْفَاحٌ وُّجُوهُهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ۝ ۱۴ ۚ أَلَمْ تَكُنْ أَيْتِي تَتْلُوَ عَلَيْهِمْ فَكُنْتُمْ بِهَا

تُكَلِّمُونَ ۝ ۱۵

”بری طرح مجلس دے گی ان کے چہروں کو آگ اور وہ اس میں دانت نکالے ہوں گے۔ (اب منہ کیوں

بسورتے ہو؟) کیا ہماری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں تمہارے سامنے اور تم انہیں جھٹلایا کرتے تھے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تَلْفَاحٌ وُّجُوهُهُمُ النَّارُ۔ کہا جاتا ہے: تلفح دونوں کا ایک معنی ہے اسی سے ہے وَلَيْسَ قَسَتْهُمْ

نَفْحَةً مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ (الانبیاء: 46) مگر تلفح تکلیف کے اعتبار سے زیادہ ہے کہا جاتا ہے: لفتحته النار والسموم بحرها

یعنی آگ نے اسے جلادیا اور گرم ہوانے اپنی گرمی سے جلادیا۔ لفتحته بالسيف لفتحه جب کوئی آہستہ سے کسی کو تلوار مارے و

هُمُ فِيهَا كَالِحُونَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے منہ بسورنے والے۔ اہل لغت نے کہا: یوست میں دانت

نکالنے کو الکوح کہتے ہیں الکاح جس کے ہونٹ سڑ گئے ہوں اور دانت باہر نکل آئے ہوں۔ ایشی نے کہا:

وله المقدم لا مثل له ساعة الشدقي عن الثاب كلخ

كَلِمَ الرَّجُلِ كَلُوحًا وَكَلُوحًا، وما اقبل ككحتہ۔ اس سے مراد منہ اور اس کے ارد گرد کا حصہ سکوڑنا ہے۔ دھر کالج، سخت زمانہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: وَهُمْ فِيهَا كَلُوحُونَ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے ہونٹ سکوڑ گئے ہوں اور اس کی پیپ بہ گئی ہو۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا: کیا آپ نے اس سر کی طرف نہیں دیکھا جسے آگ کے ساتھ کنگھی کی جائے گی اور ان کے دانت نکلے ہوئے ہوں گے اور ہونٹ خشک ہو چکے ہوں گے۔ امام ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وَهُمْ فِيهَا كَلُوحُونَ آگ سے بھون دے گی اس کا اوپر والا ہونٹ سکوڑ جائے گا (1) حتیٰ کہ وہ سر کے درمیان تک پہنچ جائے گا اور نیچے والا ہونٹ اس کی ناف تک پہنچ جائے گا۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث صحیح غریب ہے۔

قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ﴿١٠﴾ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنَّا

عُدْنَا قَوْمًا ظَالِمُونَ ﴿١١﴾ قَالَ اخْسُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ﴿١٢﴾

”(مذرت کرتے ہوئے) کہیں گے: اے ہمارے رب! غالب آگئی تھی ہم پر ہماری بدبختی اور ہم گم کردہ راہ لوگ تھے اے ہمارے مالک! ہمیں نکال اس سے پھر اگر ہم نافرمانی کی طرف رجوع کریں تو یقیناً پھر ہم ظالم ہوں گے۔ جواب ملے گا: پھنکارے ہوئے پڑے رہو اس میں اور مت بولو میرے ساتھ۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا ابل مدینہ، ابو عمرو اور عاصم کی قرأت شقوتنا ہے اور عاصم کے سوا کوفیوں نے شقاوتنا پڑھا ہے؛ یہ قرأت حضرت ابن مسعود اور حسن سے مروی ہے۔ کہا جاتا ہے: شقاء و شقاہد اور قصر کے ساتھ اور اس کے معنی میں بہتر قول یہ ہے کہ ہم پر ہماری لذات و خواہشات نفسانی غالب آگئیں۔ لذات اور خواہشات کو شقوتہ کا نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ شقاوت تک پہنچاتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا (النساء: 10) کیونکہ یہ عمل انہیں آگ کی طرف لے جاتا ہے اس لئے فرمایا وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے جو ہماری شقاوت تیرے علم میں پہلے تھی اور ام الکتاب میں ہمارے اوپر شقاوت لکھی گئی تھی۔ بعض نے فرمایا: شقاوت سے مراد یہ ہے کہ ہم پر اپنی ذات کے بارے میں حسن ظن اور مخلوق پر سوء ظن کا خیال غالب آگیا۔ وَ كُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ہم اپنے فعل میں ہدایت سے گمراہ تھے۔ یہ ان کی طرف سے عذر نہیں بلکہ یہ اقرار ہے۔ اس پر دلیل یہ قول ہے: رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ﴿١١﴾ وہ دنیا کی طرف لوٹنا طلب کریں گے جیسے موت کے وقت انہوں نے دنیا کی طرف لوٹنا طلب کیا تھا۔ فَإِنَّا ظَالِمُونَ تو کفر کی طرف لوٹنے کی وجہ سے ظلم کرنے والے ہوں گے تو انہیں ہزار سال کے بعد جواب دیا جائے گا: اخْسُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ﴿١٢﴾ جہنم میں دور چلے جاؤ جیسے کتے کو کہا جاتا ہے: اخسأ دور چلا جا، خسأت الكلب خسأ کا مطلب ہے میں نے کتے کو دہتکارا۔ خسأ الكلب بنفسه خسأ۔ کبھی یہ متعدی ہوتا ہے اور کبھی متعدی نہیں ہوتا۔ إن خسأ الكلب بھی استعمال ہوتا ہے۔ ابن المبارک نے کہا: ہمیں سعید بن ابو عمرو نے بتایا انہوں نے قتادہ سے روایت کیا انہوں نے ابو ایوب سے انہوں نے حضرت عبد اللہ بن

عمر و بن عاص سے روایت کیا فرمایا: اہل جہنم، مالک جہنم کے فرشتہ کو پکاریں گے وہ انہیں چالیس سال جواب نہیں دے گا پھر ان پر یہ لوٹائے گا کہ تم یہاں ٹھہرنے والے ہو۔ فرمایا: پھر وہ اپنے رب کو پکاریں گے اور کہیں گے: رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَ كُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ۔ پھر اللہ تعالیٰ ان پر یہ لوٹائے گا۔ اَحْسُوا فِيهَا۔ فرمایا: اللہ کی قسم! اس کے بعد قوم ایک کلمہ بھی نہیں کہ سکے گی اور جہنم کی آگ میں صرف چیخ و پکار ہی ہوگی۔ ان کی آواز کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے، جس کی ابتدائی آواز کو زفیور اور آخری آواز کو شہیق کہتے ہیں۔ اس روایت کو امام ترمذی نے مرفوع حضرت ابوالدرداء کی حدیث کے ہم معنی روایت کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: آگ میں کفار کی آواز گدھے کی آواز کی طرح ہوگی اس کا اول زفیور اور آخر شہیق کہلاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کفار کیلئے کتے کی طرح بھونکنا ہوگا۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا: مجھے خبر پہنچی ہے یا مجھے ذکر کیا گیا ہے کہ دوزخی، دوزخ کے فرشتوں سے مدد طلب کریں گے۔ یہ طویل خبر ہے۔ اس کو ابن المبارک نے ذکر کیا ہے مکمل الحدیث کرہ کتاب میں ذکر کی ہے اور اس کے آخر میں ہے پھر پہلے وہ انہیں کوئی جواب نہ دے گا جتنا عرصہ اللہ چاہے گا پھر انہیں ندا دے گا: اَلَمْ تَكُنْ اٰیٰتِي تُثَلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكْفِرُوْنَ۔ فرمایا: جب وہ اللہ تعالیٰ کی آوازیں گے تو کہیں گے: اب ہمارا پروردگار ہم پر رحم فرمائے گا۔ وہ اس وقت کہیں گے: رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا لَعْنَةُ رَبِّنا وَ كُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ۝۱۰۱ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۝۱۰۲ اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اَحْسُوا فِيهَا وَ لَا تُكْفِرُوْنَ اس وقت ان کی پکار اور دعا ختم ہو جائے گی وہ ایک دوسرے پر کتے کی طرح بھونکیں گے اور پھر جہنم ان پر بند کر دی جائے گی۔

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيقًا مِّنْ عِبَادِي يَقُولُوْنَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَاٰرْحَمْنَا وَاَنْتَ خَبِيْرٌ
الرَّحِيْمُ ۝۱۰۱ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سَخِرِيًّا حَتّٰى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَ كُنْتُمْ مِنْهُمْ
تَضٰكُوْنَ ۝۱۰۲ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْا اِنَّهُمْ هُمُ الْفٰرِضُوْنَ ۝۱۰۳

” (تمہیں یاد ہے) ایک گروہ میرے بندوں سے ایسا تھا جو عرض کیا کرتا تھا: اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ہیں سو تو بخش دے ہمیں اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔ تم نے ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا حتیٰ کہ اس مشغلہ نے غافل کر دیا تمہیں میری یاد سے اور تم ان پر قہقہے لگایا کرتے تھے۔ میں نے بدلہ دے دیا انہیں آج ان کے صبر کا (ذرا دیکھو) وہی ہیں مراد کو پانے والے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّهٗ كَانَ فَرِيقًا مِّنْ عِبَادِي يَقُولُوْنَ رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا مَجٰہِد نے کہا: اس سے مراد حضرت بلال، حضرت خباب، حضرت صہیب اور فلاں اور فلاں کمزور مسلمان ہیں۔ ابو جہل اور اس کے ساتھی، مسلمانوں سے مذاق کرتے تھے۔ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سَخِرِيًّا نافع، حمزہ اور کسائی نے یہاں اور سورہ جن میں ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحاس نے کہا: ابو عمرو نے ان کے درمیان فرق کیا ہے انہوں نے سین کے کسرہ کے ساتھ استہزاء کی جہت سے بنایا ہے اور سین کے ضمہ کے ساتھ عذرة کی جہت سے بنایا ہے، خلیل، سیبویہ، کسائی اور فراء نے اس تفریق کو نہیں جانا

کسائی نے کہا یہ ہم معنی ہیں جیسے کہا جاتا ہے عَصِوۃٌ دَعِیۡوۃٌ وَّلِجۡنِیۡۃٌ ثَعَلِیۡۃٌ نے کسائی اور فرعاء سے حکایت کیا ہے کہ وہ فرق جو ابو عمرو نے حکایت کیا ہے سین کے کسرہ کے ساتھ استہزا کے معنی میں ہے اور زبان سے مذاق کرنے کے معنی میں ہے اور ضمہ کے ساتھ تسخیر اور بالفعل استعباد کے معنی میں ہے۔ مبرد نے کہا: عربوں سے معانی کے درمیان تفریق لی جاتی ہے رہی تاویل تو اس میں تفریق نہ ہوگی۔ اور سخری میں کسرہ دونوں کیلئے ہے کیونکہ اس جیسے لفظ میں ضمہ ثقیل ہوتا ہے۔ حَتَّىٰ اَنْسُوْكُمْ ذِکْرَیۡ حَتّٰی حَتّٰی کہ تم نے ان سے استہزا کی وجہ سے انہیں میرے ذکر سے مشغول کر دیا۔ وَ کُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَصْحٰکُوْنَ ﴿۱۰﴾ ان سے استہزا کرتے ہوئے ہنستے تھے۔ الانساء کو مومنین کی طرف مضاف کیا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان کی مشغولیت کا سبب تھے مومنین سے کفار کے استہزا کی نحوست ان کے دلوں پر کفر کے غلبہ کی طرف متعدی ہوئی۔ اِنِّیۡ جَزِیۡتُهُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوۡا تمہاری اذیت پر جو انہوں نے صبر کیا اس پر آج میں انہیں جزا دوں گا اور جو انہوں نے میری طاعت پر صبر کیا۔ اَنْتُمْ هُمْ الْفٰٓرِضُوْنَ ﴿۱۱﴾ حمزہ اور کسائی نے ابتدا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی مدح کے طور پر حمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور باقی قراء نے حمزہ کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی لَانْتُمْ هُمُ الْفٰٓرِضُوْنَ۔ اور اس پر جزا کے وقوع کی وجہ سے نصب پڑھنا بھی جائز ہے، تقدیر عبارت اس طرح ہوگی اِنِّیۡ جَزِیۡتُهُمُ الْیَوْمَ الْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ، میں کہتا ہوں: یہی مفہوم سورۃ المطففین کے آخر میں قَالِیَوْمَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنَ الْکٰفِرِیۡنَ یُصْحٰکُوْنَ ﴿۱۲﴾ (مطففین) میں دیکھا جائے گا۔ اس سے مستنبط ہوتا ہے ضعیفوں مساکین کے ساتھ استہزاء نہیں کرنا چاہیے اور انہیں حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے اور ان کی وجہ سے لایعنی قول و فعل میں مشغول نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ سے دوری کا باعث ہے۔

قُلْ كُمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيۡنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوۡا الْبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسَلِّ

الْعٰدِیۡنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیۡلًا لَّوۡ اَنْتُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵﴾

”اللہ تعالیٰ فرمائے گا: (ذرا بتاؤ) کتنے سال تم زمین میں ٹھہرے رہے؟۔ کہیں گے: ہم ٹھہرے تھے بس ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ آپ پوچھ لیں سال گننے والوں سے۔ ارشاد ہوگا: نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ کاش! تم اس (حقیقت) کو (پہلے ہی) جان لیتے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ كُمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيۡنَ ﴿۱۳﴾ بعض علماء نے فرمایا: یہ قبور میں رہنے کے متعلق سوال ہوگا۔ بعض نے کہا: دنیا میں مدت حیات کے بارے میں سوال ہوگا یہ سوال مشرکین کیلئے قیامت کے عرسات میں یا دوزخ میں ہوگا۔ عَدَدَ سِنِيۡنَ ﴿۱۴﴾ نون کے فتح کے ساتھ کہ یہ جمع سالم ہے اور بعض عرب اسے جردیتے ہیں اور تنوین دیتے ہیں۔ قَالُوۡا الْبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ عَذَابِ كِیۡ شَدَّتْ اَنْہیں قبور میں ٹھہرنے کی مدت بھلا دے گی۔ بعض نے کہا: چونکہ ان سے دونوں نفخوں کے درمیان عذاب اٹھالیا جائے گا تو وہ قبور میں عذاب کو بھول جائیں گے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس عذاب میں وہ تھے نوحہ اولیٰ سے نوحہ ثانی: یہ تک وہ انہیں بھلا دے گا کیونکہ جس کو کسی نبی نے قتل کیا یا کسی نے نبی کو قتل کیا یا نبی کی موجودگی میں قتل کیا گیا تو اس مرنے کے وقت سے لے کر نوحہ اولیٰ یعنی پہلا صور پھونکنے تک عذاب دیا جائے گا پھر ان سے عذاب دور کیا جائے

گا۔ پس وہ پانی کی طرح ہوگا حتیٰ کہ دوسرا صور پھونکا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: انہوں نے دنیا میں ٹھہرنے کی مدت اور قبور میں رہنے کے عرصہ کو کم جانا اور اسے تھوڑا سمجھا اس عذاب کی نسبت جس میں وہ مبتلا تھے۔ **فَسَلِّ الْعَاوِثِينَ** ⑩ حساب لگانے والوں سے پوچھ جو حساب کو جانتے ہیں ہم تو اسے بھول چکے ہیں یا یہ مراد ہے کہ ان فرشتوں سے پوچھ جو دنیا میں ہمارے ساتھ تھے۔ پہلا قول قنادہ کا ہے اور دوسرا قول مجاہد کا ہے۔ ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے قتل کم لبثتم فی الارض پڑھا ہے یعنی امر کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ تین معانی کا احتمال رکھتا ہے۔ (۱) قولوا کم لبثتم تم بتاؤ کہ تم کتنا عرصہ ٹھہرے۔ تو کلام ایک کو حکم دینے کیلئے ذکر کی گئی جب کہ مراد جماعت ہے، کیونکہ یہی معنی مفہوم ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ یہ فرشتے کو حکم ہو کہ ان سے قیامت کے روز دنیا میں ٹھہرنے کی مدت کے بارے میں پوچھو یا یہ مراد ہو کہ بتاؤ کہ کافر! تم کتنا عرصہ ٹھہرے؟ یہ تیسرا قول ہے۔ باقی قراء نے ماضی کا صیغہ قال پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا یا فرشتوں نے انہیں کہا: تم کتنا عرصہ ٹھہرے؟ حمزہ اور کسائی نے بھی قتل ان لبثتم الا قلیلا پڑھا ہے باقی قراء نے قال خبر کی بنا پر پڑھا ہے جیسا کہ ابتدا میں تفسیر میں ذکر کیا گیا یعنی تم نہیں ٹھہرے زمین میں مگر تھوڑا عرصہ۔ یہ اس لیے کہ ان کا قبور میں ٹھہرنا اگرچہ لمبا تھا لیکن متناہی تھا۔ بعض نے کہا: آگ میں ٹھہرنے کی نسبت یہ عرصہ کم تھا کیونکہ اس کی حد نہیں ہے۔ **لَوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ** ⑪ یعنی کاش! تم اس حقیقت کو جانتے۔

اَفَصَبَّيْتُمْ اَمْ اَنْتُمْ خَلَقْتُمْ عَبَثًا وَاَنْتُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ⑫

”کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہمارے طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اَفَصَبَّيْتُمْ اَمْ اَنْتُمْ خَلَقْتُمْ عَبَثًا** کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں مہمل پیدا کیا ہے جیسے جانور پیدا کیے گئے پس جنکے لیے نہ ثواب ہے اور نہ عقاب یہ اس قول کی مثل ہے۔ **اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى** ⑬ (القیامہ) یعنی جانور کی طرح مہمل بغیر فائدہ کے چھوڑ دیا جائے گا۔ ترمذی حکیم ابو عبد اللہ محمد بن علی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو غلام پیدا کیا تاکہ وہ اس کی عبادت کریں۔ پس وہ عبادت پر ثواب دے گا اور عبادت کے ترک پر عذاب دے گا اگر وہ اس کی عبادت کریں گے تو آج اس کے آزاد معزز اور دنیا کی غلامی سے آزاد بندے ہوں گے اور دارالسلام میں بادشاہ ہوں گے۔ اگر عبودیت کو ترک کریں گے تو وہ آج بھاگے ہوئے غلام اور گرے ہوئے اور گھٹیا لوگ شمار ہوں گے اور کل آگ کے طبقوں میں قید دشمن ہوں گے۔ **عَبَثًا**۔ سیبویہ کے نزدیک اور قطرب کے نزدیک حال کی بنا پر منصوب ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: مصدر کی بنا پر منصوب ہے یا مفعول لہ کی حیثیت سے منصوب ہے۔ **وَاَنْتُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ** ⑭ پس انہیں ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی۔ حمزہ اور کسائی نے ترجعون تا کے فتح اور جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

فَتَعَلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سَرَابُ الْعَرْشِ الْكَوْبِيمِ ⑮

”پس بہت بلند ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے (بے مقصد تخلیق سے) نہیں کوئی معبود بجز اس کے وہ مالک ہے عزت

والے عرش کا۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَتَعَلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ** جو مالک حقیقی ہے وہ پاک ہے اولاد، شرکاء اور مد مقابل سے اور کسی

چیز کو بے مقصد اور بے حکمت پیدا کرنے سے کیونکہ وہ حکیم ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَبِيرِ ○ قرآن میں اس کے علاوہ کسی جگہ اس طرح نہیں ہے۔ ابن محیی اور ابن کثیر سے الکریم رفع کے ساتھ مروی ہے اور اسے اللہ کی صفت بنایا ہے۔

وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ

الْكَافِرُونَ ○ وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ○

”اور جو پوجتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو جسکی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے بلاشبہ نہیں کامیاب ہوں گے حق کا انکار کرنے والے۔ اور (اے محبوب!) آپ (یوں) عرض کرو: میرے رب! بخش دے (میری گنہگار امت کو) اور رحم فرما (ہم سب پر) اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ یعنی اسکے لیے اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وہ اسے سزا دے گا اور محاسبہ کرے گا۔ انہ ضمیر شان ہے۔ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ○ حسن اور قتادہ نے لا یفدح فتح کے ساتھ پڑھا ہے جس نے تکذیب کی اور انکار کیا اس کا جو میں نے بھیجا ہے اور جس نے میری نعمتوں کی ناشکری کی وہ کامیاب نہ ہوگا۔ پھر اپنے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ استغفار کرو تا کہ آپ کی امت آپ کی اقتدا کرے۔ بعض علماء نے فرمایا: استغفار کا حکم آپ کی امت کیلئے ہے۔ ثعلبی نے ابن لہیعہ کی حدیث مندر روایت کی ہے ابن لہیعہ نے عبد اللہ بن ہبیرہ سے انہوں نے حنش بن عبد اللہ صنعانی سے انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ وہ ایک مصیبت میں مبتلا شخص کے پاس سے گذرے تو انہوں نے اس کے کان میں اَفْحَبْتُمْ اَنْتُمْ اَخْلَقْتُمْ عَبَثًا الخ۔ پڑھ دیا تو وہ ٹھیک ہو گیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تو نے اس کے کان میں کیا پڑھا ہے۔“ حضرت ابن مسعود نے بتایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر کوئی شخص جو یقین رکھتا ہو وہ اسے پہاڑ پر پڑھے تو وہ اپنی جگہ سے زائل ہو جائے۔“

سورۃ النور

﴿سورۃ النور ۲۴﴾ ﴿سورۃ النور ۲۴﴾ ﴿سورۃ النور ۲۴﴾ ﴿سورۃ النور ۲۴﴾ ﴿سورۃ النور ۲۴﴾

بالاجماع یہ مدنی سورت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سُوْرٰةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَا آٰیٰتٍ بَيِّنٰتٍ لِّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۱

”یہ (ایک عظیم الشان) سورت ہے جو ہم نے نازل فرمائی ہے اور ہم نے فرض کیا ہے اس (کے احکام) کو اور ہم نے اتاری ہیں اس میں روشن آیتیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔“

اس سورت کا مقصود عفت اور پردہ پوشی کے احکام کا ذکر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو لکھا کہ اپنی عورتوں کو سورۃ النور سکھاؤ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: عورتوں کو بالا خانوں میں نہ ٹھہراؤ اور نہ انہیں کتابت سکھاؤ اور انہیں سورۃ النور اور سورت کاتنا سکھاؤ (1)۔ وَفَرَضْنٰهَا رَاکِی تَخْفِیْفِیْ کَی سَاتِھ پڑھا گیا ہے یعنی ہم نے تم پر اور تمہارے بعد میں آنے والوں پر اس سورت میں موجود احکام فرض کیے ہیں اور راء کی شد کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی ہم نے اس سورت میں مختلف فرائض نازل کیے ہیں۔ ابو عمرو نے فرضنا ہا تشدید کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا اتارا ہے۔ الفراض کا معنی القطع بھی ہے اسی سے فرضۃ القوس ہے کمان کا حصہ، فرائض میراث کے مقررہ حصص۔ فرض النفقہ خرچہ کا حصہ فرضنا یعنی ہم نے اسے علیحدہ واضح طور پر بیان کیا۔ بعض نے کہا: تشدید تکثیر کے لیے ہے یعنی اس میں کثرت سے فرائض ہیں۔ لغت میں سورت بلند مرتبہ کا نام ہے اسی وجہ سے قرآن کی سورت کہا جاتا ہے؛ زہیر نے کہا:

اَلَمْ تَرَ اِنَّ اللّٰهَ اَعْطٰكَ سُوْرَةً تَرٰی کُلَّ مَلٰئِکَۃٍ دُوْنِهَا یَتَذٰبذَب (2)

کتاب کے مقدمہ میں اس پر گفتگو ہو چکی ہے۔ سورہ کورنچ کے ساتھ پڑھا گیا ہے اس بنا پر کہ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر انزلنا ہے، یہ ابو عبیدہ اور انخفش کا قول ہے۔ زجاج اور فراء اور مبرد نے کہا: سورۃ مرفوع ہے کیونکہ مبتدا کی خبر ہے (3) کیونکہ یہ نکرہ ہے اور نکرہ کے ساتھ آغاز نہیں کیا جاتا، یعنی ہذا سورۃ۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ سورہ مبتدا ہو اور اس کے بعد والا کلام اس کی صفت ہو جس نے اسے نکرہ محضہ کی تعریف سے خارج کر دیا پس اس کے ساتھ ابتداء درست ہے اور اس کی خبر اَلرّٰنِیَّةُ وَ الرّٰنِیُّ ہوگی۔ سورہ نصب کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اس کی تقدیر اس طرح ہوگی انزلنا سورہ انزلناھا۔ شاعر نے کہا:

الذئب أخشاه إن مرث به وحدى وأحصى الرياح والمطر
 یا فعل کے اضمار کے ساتھ منصوب ہوگی (1) یعنی اتل سورۃ، فراء نے کہا: یہ ہاء اور الف سے حال ہے۔ اور ضمیر سے
 حال ہو تو اس کا ذوالحال سے مقدم کرنا جائز ہوتا ہے۔

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا
 رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَيْسَ لَهُمَا عَذَابٌ
 إِلَّا بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝

”جو عورت بدکار ہو اور جو مرد بدکار ہو تو لگاؤ ہر ایک کو ان دونوں میں سے سو (سو) درے اور نہ آئے تمہیں ان
 دونوں پر (ذرا) رحم اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ تعالیٰ پر اور روز آخرت پر اور
 چاہیے کہ مشاہدہ کرے دونوں کی سزا کو اہل ایمان کا ایک گروہ۔“
 اس میں بائیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي زنا لغت میں شریعت سے پہلے بھی معروف تھا جیسے سرق
 (چوری) اور قتل کے اسم پہلے موجود تھے۔ زنا کا مطلب ہے مرد کا عورت کی فرج (شرمگاہ) میں بغیر نکاح اور بغیر شبہ نکاح کے
 عورت کی رضا کے ساتھ جماع کرنا۔ اگر تو چاہے تو یوں بھی کہہ سکتا ہے فرج کا طبعاً مشتملی فرج میں داخل کرنا جو شرعاً حرام ہو۔
 جب ایسی صورت ہو تو حد واجب ہوتی ہے۔ زنا کی حد اور اس کی حقیقت اور اس کے متعلق علماء کے اقوال گزر چکے ہیں یہ آیت
 جس کی آیت اور اذیت والی آیت جو سورہ نساء میں ہے ان کے لیے بالاتفاق ناسخ ہے

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِائَةَ جَلْدَةٍ۔ یہ آزاد، بالغ، غیر شادی شدہ زنا کرنے والے کی حد ہے۔ اسی
 طرح آزاد، بالغ، غیر شادی شدہ عورت کی حد ہے اور سنت سے ایک سال کی جلا وطنی بھی ثابت ہے۔ اس جلا وطنی میں اختلاف
 ہے اور لونڈیاں اگر زنا کریں گی تو ان پر پچاس درے ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ
 نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ (النساء: 25) یہ لونڈی کے بارے میں ہے۔ اور غلام بھی اسی کے معنی میں ہے۔ رہا
 آزاد لوگوں میں سے شادی شدہ تو اس پر کوڑے نہیں رجم ہوگا۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ پہلے اسے سو کوڑے مارے جائیں
 گے پھر اسے رجم کیا جائے گا یہ سب کچھ سورہ النساء میں تفصیلاً گزر چکا ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ نمبر 3۔ جمہور نے الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ عیسیٰ بن عمر ثقفی نے الزَّانِيَةَ کو نصب کے
 ساتھ پڑھا ہے؛ یہ سیبویہ کے نزدیک زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ ان کے نزدیک تیرے اس قول کی طرح ہے: زيدا اضرِب۔ اور
 سیبویہ کے نزدیک رفع کی وجہ یہ ہے کہ یہ مبتدا کی خبر ہے تقدیر اس طرح ہوگی فیما یتلى عليكم حکم الزَّانِيَةِ وَالزَّانِي۔ رفع پر
 علماء کا اجماع ہے اگرچہ سیبویہ کے نزدیک قیاس نصب تھا فراء، مبرد اور زجاج کے نزدیک رفع زیادہ بہتر ہے اور خبر فَاَجْلِدُوا

کے قول میں ہے کیونکہ اس کا معنی ہے الزانیۃ والذانی مجلودان بحکم اللہ۔ بدکارہ عورت اور بدکار مرد کو اللہ کے حکم سے کوڑے لگائے جائیں گے۔ یہ عمدہ قول ہے اور یہ اکثر نحویوں کا قول ہے۔ اگر تو چاہے تو خبر مقدر کرے ینبغی ان یجلدا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے الزان بغیر یاء کے پڑھا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ نے مذکر اور مؤنث کا ذکر کیا حالانکہ الزانی کا لفظ دونوں کی طرف سے کافی تھا۔ بعض علماء نے کہا: دونوں کا ذکر تاکید کے لیے ہے جیسے فرمایا۔ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا (المائدہ: 38) یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں کا ذکر اس لیے فرمایا تاکہ کوئی گمان کرنے والا یہ گمان نہ کرے کہ مرد وطی کرنے والا تھا اور عورت محل وطی تھی اس لیے وہ وطی کرنے والی نہیں اس لیے اس پر حد واجب نہ ہوگی تو اس اشکال کو دور کرنے کے لیے دونوں کا ذکر فرمایا۔ یہ اشکال علماء کی ایک جماعت نے وارد کیا ہے جن میں امام شافعی بھی ہیں انہوں نے کہا: رمضان میں عورت پر وطی کی صورت میں کفارہ نہیں ہے کیونکہ ایک شخص نے کہا میں نے رمضان شریف میں دن کے وقت اپنی بیوی سے مجامعت کی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کفر تو کفارہ دے۔ اس کو آپ نے کفارہ کا حکم دیا۔ عورت نہ مجامعت کرنے والی ہے اور نہ وطی کرنے والی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ الزانیۃ کو مقدم کیا گیا ہے کیونکہ اس زمانہ میں عورتوں کا زنا عام تھا عربوں کی لونڈیوں اور فاحشہ عورتوں کے گھروں پر جھنڈے لگے ہوتے تھے اور وہ سر عام زنا کرتی تھیں۔ بعض علماء نے کہا: چونکہ عورتوں میں زنا زیادہ عار کا باعث ہے یہ اسی کی وجہ سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ بعض نے کہا: عورت میں شہوت زیادہ ہوتی ہے اور اس پر شہوت غالب ہوتی ہے اس کا پہلے ذکر کیا تاکہ وہ شہوت سے رک جائے اگرچہ عورت میں حیاء رکھا گیا ہے لیکن جب وہ زنا کرتی ہے تو اس کا حیاء ختم ہو جاتا ہے نیز عورتوں کی وجہ سے عار زیادہ لاحق ہوتی ہے کیونکہ ان کا موضوع پردہ اور حفاظت ہے اس لیے تغلیظ اور اہتمام ان کا پہلے ذکر کیا۔

مسئلہ نمبر 6۔ الزانیۃ اور الذانی پر الف لام جنس کے لیے ہے۔ یہ عام ہے اور تمام بدکاروں کو شامل ہے۔ اور جنہوں نے رجم کے ساتھ دروں کا قول کیا ہے انہوں نے کہا: سنت میں حکم کی زیادتی آئی ہے پس کوڑوں کے ساتھ رجم بھی ہو گا؛ یہ اسحاق بن راہویہ، حسن بن ابی الحسن کا قول ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نے شراحہ سے ایسا ہی کیا تھا۔ اس کا بیان سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ جمہور علماء نے کہا: یہ غیر شادی شدہ کے ساتھ خاص ہے۔ انہوں نے غلاموں اور لونڈیوں کے خروج کی وجہ سے اس کے غیر عام ہونے پر استدلال کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ نے اس سزا پر نص قائم فرمائی جو بدکاری کرنے والوں پر واجب ہوگی جب ان کے خلاف گواہی قائم ہو جائے گی جیسا کہ آگے آئے گا۔ علماء کا اس قول پر اجماع ہے اور اس میں اختلاف ہے ایک شخص ایک عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں پایا جائے تو اس پر کیا واجب ہے؟ اسحاق بن راہویہ نے کہا: ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگائے جائیں گے؛ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ یہ ان دونوں حضرات سے ثابت نہیں ہے۔ عطا اور سفیان ثوری نے کہا: ان کو ادب سکھایا جائے گا؛ یہی امام مالک اور امام احمد کا قول ہے جیسا کہ ادب میں ان کے مذاہب کی قدر پر

ہے۔ ابن المنذر نے کہا: اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ جو اس حالت میں پایا جائے اس پر ادب ہے۔ اس میں جو مختار ہے وہ سورہ ہود میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَاجْلِدُوا فَاَدْخُلُوا فِيهَا** یعنی اگر زنا کرنے والا زنا کرے تو اس کے ساتھ ایسا کرو، اسی وجہ سے داخل ہوئی اسی طرح **وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا** (المائدہ: 38) ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس امر کے ساتھ مخاطب امام اور اس کا نائب ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا: ہر کوڑے اور قطع میں یہ حکم ہے۔ امام مالک نے فرمایا کوڑوں میں ہے، قطع میں یہ حکم نہیں۔ بعض نے کہا: یہ خطاب مسلمانوں کے لیے ہے کیونکہ دین کے مراسم کو قائم کرنا مسلمانوں پر واجب ہے پھر امام ان کے قائم مقام ہوتا ہے کیونکہ حدود کے قائم کرنے پر اجتماع ممکن نہیں۔

مسئلہ نمبر 10۔ علماء کا اجماع ہے کوڑے مارنا ڈرے کے ساتھ واجب ہے اور وہ کوڑا درمیانی صورت میں ہوگا نہ بہت سخت اور نہ بہت زیادہ نرم۔ امام مالک نے حضرت زید بن اُم سے روایت کیا ہے (1) کہ ایک شخص نے عہد رسالت میں زنا کا اعتراف کیا تو آپ ﷺ نے اس کے لیے ایک کوڑا منگوایا تو آپ کے پاس ٹونا ہوا کوڑا لایا گیا آپ نے فرمایا: ”اس سے بہتر ہو“۔ پھر ایک نیا کوڑا لایا گیا جو زیادہ تیز تھا۔ آپ نے فرمایا: ”اس سے کم ہو“ پھر کوڑا لایا گیا جو درمیانی قسم کا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ مارنے کا حکم دیا۔ ابو عمر نے کہا: مؤطا کے تمام رواۃ نے اس حدیث کو اسی طرح مرسل روایت کیا ہے، میں نہیں جانتا کہ اس لفظ کے ساتھ متصل سند سے مروی ہے۔ معمر نے یحییٰ بن کثیر سے روایت کیا ہے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اس کی مثل روایت کیا ہے۔ سورہ المائدہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا قدامہ کو شراب پینے کی وجہ سے مکمل کوڑے سے مارنا گزر چکا ہے، یعنی متوسط کوڑے سے مارا۔

مسئلہ نمبر 11۔ علماء کا اختلاف ہے کہ زنا میں سزا پانے والے کے کپڑے اتارے جائیں گے یا نہیں؟ امام مالک، امام ابو حنیفہ وغیرہما کا قول ہے کہ اس کے کپڑے اتارے جائیں گے اور عورت پر وہ لباس رہنے دیا جائے گا جو باعث پردہ ہو نہ کہ وہ جو اسے ضرب سے بچائے۔ امام اوزاعی نے فرمایا: امام کو اختیار ہے چاہے تو اس کے کپڑے اتارے چاہے تو نہ اتارے۔ شعبی اور نخعی نے کہا: اس کے کپڑے نہیں اتارے جائیں گے لیکن اس پر قمیص چھوڑی جائے گی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا: اس امت میں کپڑے اتارنا اور لمبا کرنا نہیں ہے؛ یہی ثوری کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ علماء کا مردوں اور عورتوں کو ضرب لگانے کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ امام مالک نے فرمایا: مرد اور عورت تمام حدود میں برابر ہیں ان میں کوئی کھڑا نہیں کیا جائے گا اور یہ صرف پیٹھ پر لگائی جائے گی۔ اصحاب الرائے اور امام شافعی کا خیال ہے کہ مرد کو کھڑا کر کے کوڑے لگائے جائیں گے، یہی حضرت علی بن ابی طالب کا قول ہے۔ لیث بن سعد، امام

ابو حنیفہ اور امام شافعی نے کہا: تمام حدود میں اور تعزیر میں لٹائے بغیر کھڑا کر کے کپڑے اتار کر سزا دی جائے گی سوائے حد قذف کے۔ اسے مارا جائے گا جب کہ اس پر کپڑے ہوں گے؛ یہ مہدوی نے التحصیل میں امام مالک سے روایت کیا ہے اس سے پوسٹین اور جیکٹ وغیرہ اتار لی جائے گی۔ امام شافعی نے فرمایا: اگر اس کو لٹانے میں صلاح ہو تو اسے لٹایا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 13۔ ان مواضع میں اختلاف ہے حدود میں انسان کو جہاں مارا جائے گا؟ امام مالک نے کہا: ساری حدود کی سزا پیٹھ پر دی جائے گی اور یہی حکم تعزیر کا بھی ہے (1)۔ امام شافعی اور ان کے اصحاب نے کہا: چہرے اور شرمگاہ کو بچایا جائے گا اور باقی تمام اعضاء پر مارا جائے گا (2)؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے لونڈی کی ٹانگوں کی طرف اشارہ کیا جسے زنا میں کوڑے لگنے تھے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس پر اجماع ہے کہ چہرے، شرمگاہ اور ایسی جگہ پر نہیں مارا جائے گا جس کی وجہ سے مرنے کا اندیشہ ہو، سر پر مارنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور نے کہا: سر کو بچایا جائے گا۔ حضرت عمر نے صبیح بن عسل کو سر پر مارا اور یہ تعزیر تھی، حد نہیں تھی۔ امام مالک کی حجت میں سے یہ ہے جس پر لوگوں کو انہوں نے پایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”دلیل پیش کرو ورنہ پیٹھ پر حد لگے گی“ (3)۔

مسئلہ نمبر 14۔ ایسی ضرب لگانا واجب ہے جو تکلیف تو پہنچائے مگر زخمی نہ کرے نہ عضو کو کانے اور مارنے والا اپنا ہاتھ اپنی بغل کے نیچے سے نہ نکالے، یہی جمہور کا قول ہے یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حد کے سلسلہ میں ایک شخص کو لایا گیا آپ نے درمیانہ کوڑا منگوا یا اور مارنے والے کو کہا: تو اسے مار لیکن تیری بغل نظر نہ آئے اور ہر عضو کو اس کا حق دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شرابی لایا گیا آپ نے فرمایا: میں تجھے ایسے شخص کے پاس بھیجوں گا جسے تم پر زمی نہ آئے گی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کو مطیع بن اسود عدوی کی طرف بھیجا اور فرمایا جب تو کل صبح کرے تو اسے حد لگانا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو وہ اسے سخت کوڑے مار رہا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو نے آدمی کو قتل کر دیا، تو نے اسے کتنی ضربیں لگائی ہیں؟ اس نے کہا: ساٹھ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیس باقی ہیں ان کے بدلے میں اس شدت کو کر دے جو تو نے اسے پہنچائی ہے اور مزید بیس کوڑے نہ لگاؤ۔ اس حدیث سے یہ سمجھ آتا ہے کہ شراب پینے والے کو سخت کوڑے نہیں مارے جائیں گے۔ حدود میں سخت ضرب کس حد میں ہوگی؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ امام مالک اور ان کے اصحاب اور لیث بن سعد نے کہا: تمام حدود میں ضرب برابر ہے۔ وہ ضرب زخمی کرنے والی نہ ہوگی اور درمیانہ ضرب ہوگی؛ یہی امام شافعی کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اور اس کے اصحاب نے کہا: تعزیر کی ضرب سخت ترین ضرب ہے اور زنا کی ضرب شراب کی ضرب سے سخت ہے اور شراب پینے والے کی ضرب قذف کی ضرب سے سخت ہے (4)۔ ثوری نے کہا: زنا کی ضرب قذف کی ضرب سے سخت ہے اور قذف کی ضرب شراب کی ضرب سے سخت ہے (5)۔ امام

2۔ ایضاً

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 363

3۔ صحیح بخاری، إذا دس أو قذف فله ان یمتس البینة وینطلق لطلب البینة، جلد 1، صفحہ 367

5۔ ایضاً

4۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 363

مالک نے کوڑوں کی تعداد پر توقیف کے ورود سے حجت پکڑی ہے۔ اور حد میں سے کسی حد میں تخفیف اور تخفیل وارد نہیں ہے اس شخص کے متعلق جس کے لیے تسلیم ثابت ہے۔ امام ابوحنیفہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے فعل سے حجت پکڑی ہے کہ تعزیر میں ضرب، زنا کی ضرب سے شدید ہوگی۔ ثوری نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ زنا میں جب کوڑوں کی تعداد زیادہ ہے تو یہ محال ہے کہ قذف تکلیف میں زیادہ ہو اسی طرح شراب ہے کیونکہ شراب میں حد اجتہاد سے ثابت ہے اور مسائل اجتہاد مسائل توقیف سے زیادہ قوت والے نہیں ہوتے۔

مسئلہ نمبر 16۔ وہ حد جو اللہ تعالیٰ نے زنا، شراب اور قذف میں واجب کی ہے مناسب ہے کہ وہ حکام کے سامنے لگائی جائے اور اسے فضلاء اور خیار لوگ قائم کریں جن کو امام منتخب کرے اسی طرح صحابہ کرام کرتے تھے جب ان کے لیے کوئی ایسا واقعہ رونما ہوتا تھا اس کا سبب یہ ہے کہ یہ قاعدہ شرعیہ اور قربت تعبید یہ کے ساتھ قائم کی جاتی ہے پس اس کے فعل۔ اس کی مقدار محل اور حال پر محافظت واجب ہے تاکہ اپنی شروط اور احکام سے کوئی چیز تجاوز نہ کرے کیونکہ مسلم کا خون اور اس کی حرمت بہت زیادہ ہے پس جتنا ممکن ہو سکے اس کی رعایت کرنا واجب ہے۔ صحیح میں حصین بن منذر ابی ساسان سے مروی ہے فرمایا: میں عثمان بن عفان کے پاس موجود تھا، ولید کو لایا گیا اس نے صبح لی دو رکعتیں پڑھائیں پھر کہا: کیا میں تمہیں زیادہ پڑھاؤں۔ ولید کے خلاف دو آدمیوں نے گواہی دی ایک نے گواہی دی کہ اس نے شراب پی تھی، دوسرے نے گواہی دی اس نے اس کو قوی کرتے دیکھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس نے قی نہیں کی حتیٰ کہ اس نے شراب پی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اٹھو اور اسے کوڑے لگاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے حسن! اٹھو اور اسے کوڑے لگاؤ، حسن نے کہا: یہ کام اس کے سپرد کرو جن کو یہ خلافت اچھی لگتی ہے، گویا حضرت حسن نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عبد اللہ بن جعفر! تم اٹھو اور اس کو کوڑے لگاؤ۔ پس حضرت عبد اللہ بن جعفر نے اسے کوڑے لگائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں شمار کیا (1)۔ سورۃ المائدہ میں یہ حدیث گزر چکی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا: اٹھو اور اسے کوڑے لگاؤ۔

مسئلہ نمبر 17۔ اللہ تعالیٰ نے قذف اور زنا میں کوڑوں کی تعداد پر نص قائم فرمائی ہے اور شراب میں اسی کوڑوں پر تمام صحابہ کی موجودگی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے فعل سے توقیف ثابت ہے۔ پس ان میں حد سے تجاوز نہیں کیا جائے گا۔ ابن عربی نے کہا: یہ اس وقت تک ہے جو لوگ شر میں مگن نہ ہوں اور انہیں گناہ میں لذت نہ ہو لیکن جب وہ گناہوں کو عادت بنا لیں اور بار بار گناہ کریں حد کو آسان سمجھیں اور وہ برائی سے باز نہ آئیں تو پھر شدت متعین ہو جائے گی اور گناہ کی زیادتی کی وجہ سے حد زیادہ کی جائے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رمضان میں ایک نشی کو لایا گیا تو آپ نے اسے سو کوڑے لگائے، اسی شراب کی حد کے طور پر اور میں رمضان کی حرمت توڑنے پر پس جنایات کی تغلیظ اور حرمت کی ہتک پر سزا میں مرکب کرنا واجب ہے۔ ایک شخص نے بچے کے ساتھ بد معاشی کی تو والی نے اسے تین سو کوڑے مارے۔ امام مالک کو جب اس کی خبر پہنچی تو آپ نے اسے تبدیل نہیں کیا پھر اگر امام ہمارے زمانہ میں حرمت کی ہتک اور گناہوں کی بھرمار اور برائیوں پر تعادون اور حدود کی بیخ اور

قضاة کے منصب پر غلاموں کا فائز ہونا دیکھتے تو غم و غصہ کی وجہ سے فوت ہو جاتے اور کسی کے ساتھ بیٹھنا گوارا نہ کرتے۔ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہتر کارساز ہے۔ میں کہتا ہوں: اسی وجہ سے شراب کی حد میں زیادتی کی گئی تھی کہ اسی کوڑوں تک پہنچ گئی۔ دارقطنی نے روایت کیا ہے ہمیں قاضی حسین بن اسماعیل نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں یعقوب بن ابراہیم دورقی نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں صفوان بن عیسیٰ نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں اسامہ بن زید نے بیان کیا انہوں نے زہری سے روایت کیا انہوں نے کہا مجھے عبدالرحمن بن زہر نے بتایا انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو جنگ حنین کے دن دیکھا آپ لوگوں کے درمیان تھے آپ خالد بن ولید کی منزل کے بارے پوچھ رہے تھے پھر نشہ کی حالت میں ایک شخص لایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پاس موجود لوگوں کو فرمایا: ”اسے اس چیز کے ساتھ مارو جو تمہارے پاس ہے“ فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے اس پر مٹی ڈالی۔ فرمایا: پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نشی کو لایا گیا، فرمایا: اس دن انہوں نے ضربات کو طلب کیا اور اسے چالیس کوڑے لگائے (1)۔ ازہری نے کہا پھر حمید بن عبدالرحمن نے مجھے بتایا انہوں نے ابن وبرہ کلبی سے روایت کیا فرمایا مجھے خالد بن ولید نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا فرمایا: میں ان کے پاس آیا تو ان کے پاس حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم موجود تھے اور وہ ان کے ساتھ مسجد میں سہارا لے کر بیٹھے تھے میں نے کہا: مجھے خالد بن ولید نے آپ کی طرف بھیجا ہے وہ آپ کو سلام کہتے ہیں اور کہتے ہیں لوگ شراب پینے میں مبالغہ کر رہے ہیں اور اس کی سزا کو حقیر سمجھ رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ لوگ تمہارے پاس ہیں ان سے پوچھو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم دیکھتے ہیں جب شرابی شراب پیتا ہے تو ہزریان بکتا ہے اور جب ہزریان بکتا ہے تو تہمت لگاتا ہے اور تہمت لگانے والے پر اسی کوڑے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہی پیغام خالد بن ولید کو پہنچا دو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ فرمایا: حضرت خالد نے اسی کوڑے لگائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کوڑے لگائے۔ فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی کمزور شخص لایا جاتا اور اس سے لغزش ہوئی ہوتی تو اسے چالیس کوڑے لگاتے۔ فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کوڑے اور چالیس کوڑے لگائے۔ اسی مفہوم سے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔ ”اگر چاند موخر ہوتا تو میں تمہارے لیے زیادتی کرتا (2)“ جیسے کوئی ناپسند کرنے والا کہتا ہے جب صحابہ کرام صوم وصال رکھنے سے نہ رکے تھے۔ ایک روایت میں ہے: ”اگر ہمارے لیے مہینہ لمبا ہوتا تو میں متواتر صوم وصال رکھتا حتیٰ کہ شدت کرنے والے اپنی شدت کو ترک کر دیتے“ (3)۔ حامد بن یحییٰ نے سفیان سے انہوں نے مسعر سے انہوں نے عطاء بن ابی مروان سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نحاشی کو شراب پینے کی وجہ سے سو کوڑے لگائے۔ ابو عمر نے اس کو ذکر کیا ہے اور اس کا سبب ذکر نہیں کیا۔

مسئلہ نمبر 18۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ**۔ محدود پر حد قائم کرنے سے شفقت کی بنا پر نہ رکو، ضرب میں تخفیف نہ کرو تا کہ اسے تکلیف ہی نہ ہو؛ یہ اہل تفسیر کی ایک جماعت کا قول ہے۔ شعبی، نخعی اور سعید بن

1۔ ابو داؤد، کتاب الحدود، باب اذا تابع في شرب الخمر، حدیث 3831، 3890، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ ایضاً

2۔ صحیح مسلم، النہی عن الوصال، جلد 1، صفحہ 352

میں علماء کے دو قول ہیں۔

مسئلہ نمبر 22۔ حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اے لوگو! زنا سے بچو کیونکہ اس میں چھ نصال ہیں تین دنیا میں اور تین آخرت میں وہ جو دنیا میں ظاہر ہوتی ہیں وہ یہ ہیں، چہرے کی رونق ختم ہو جاتی ہے، فقر اور غربت آ جاتی ہے اور عمر کم ہو جاتی ہے۔ اور وہ جو آخرت میں ظاہر ہوں گی یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہوگی، حساب برا ہوگا اور ہمیشہ دوزخ میں جلنا ہوگا“۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر جمعہ میں مجھ پر میری امت کے اعمال دو مرتبہ پیش کیے جاتے ہیں پس زنا کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب سخت ہوتا ہے“۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے فرمایا: ”جب پندرہ شعبان کی رات ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ میری امت پر کرم کی نظر فرماتا ہے۔ اور ہر اس مومن کو بخش دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا مگر پانچ افراد کی بخشش نہیں ہوتی، جادوگر، کاہن، والدین کا نافرمان، ہمیشہ شراب پینے والا، اور زنا پر اصرار کرنے والا“ (1)۔

الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَ

حُرِّمَ ذَلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ⑤

”زانی شادی نہیں کرتا مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرک کے ساتھ اور زانیہ، نہیں نکاح کرتا اس کے ساتھ مگر زانی یا مشرک اور حرام کر دیا گیا ہے یہ اہل ایمان پر“۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اس آیت کے معنی میں علماء تفسیر کے چھ اقوال ہیں: (1) اس آیت کا مقصد زنا کی برائی بیان کرنا اور اس کی خرابی بیان کرنا ہے۔ اور یہ کہ مومنین پر یہ حرام کیا گیا ہے۔ ماقبل سے اس معنی کا اتصال بہت عمدہ ہے۔ لَا يَنْكِحُ سے مراد لایطء ہے یعنی وطی نہیں کرتا ہے۔ پس نکاح بمعنی جماع ہوگا مبالغہ کے لیے اور ہر طرف کو لینے کے لیے واقعہ کو دوہرایا پھر مشرک اور مشرکہ کی تقسیم زائد فرمائی اس حیثیت سے کہ گناہ میں مشرک زنا سے اعم ہے معنی یہ ہے کہ زانی اپنے زنا کے وقت جماع نہیں کرتا مگر مسلمانوں میں سے زانیہ سے یا جو مشرکات میں سے بہتر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور آپ کے اصحاب سے مروی ہے کہ اس آیت میں نکاح سے مراد وطی ہے (2)۔ زواج نے اس کا انکار کیا ہے، فرمایا: کتاب اللہ میں نکاح، تزویج کے معنی میں معروف ہے، اس طرح نہیں ہے جیسا کہ زواج نے کہا ہے قرآن حکیم میں ہے: حَتَّى تَنْكِحُوا زَوْجًا غَيْرَکُمْ (البقرہ: 230) نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا۔ کہ ”یہاں وطی کے معنی میں ہے“۔ یہ سورۃ البقرہ میں گزر چکا ہے۔ طبری نے سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس اور عکرمہ سے ایسی بات روایت کی ہے جو اسی تاویل کی طرف میلان رکھتی ہے، لیکن وہ کھل نہیں ہے۔ خطابی نے اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حکایت کیا ہے۔ اس کا معنی وطی ہے یعنی زنا نہیں ہوتا مگر زانیہ کیساتھ یہ اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ زنا دونوں جہتوں میں ہوتا ہے۔ یہ ایک قول ہے۔

مسئلہ نمبر 2- ابوداؤد اور امام ترمذی نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ، کی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت مرشد بن ابی مرشد قیدیوں کو مکہ سے اٹھا کر لے جاتے تھے۔ مکہ میں ایک بدکارہ عورت تھی جس کا نام عناق تھا وہ مرشد کی دوست تھی، حضرت مرشد نے کہا: میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! کیا میں عناق سے نکاح کر لوں؟ فرمایا: کچھ دیر آپ ﷺ خاموش رہے پھر یہ آیت نازل ہوئی **الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً**۔ آپ ﷺ نے مجھے بلایا اور مجھ پر یہ آیت پڑھی اور فرمایا: ”تو اس سے نکاح نہ کر“۔ یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں اور امام ترمذی کی حدیث اکمل ہے۔ خطابی نے کہا: یہ اس عورت کے ساتھ خاص تھا کیونکہ وہ کافرہ تھی اور زانیہ مسلمہ، اس سے نکاح فسخ نہیں ہوتا۔

مسئلہ نمبر 3- یہ مسلمانوں میں سے ایک فرد کے ساتھ خاص تھی جس نے رسول اللہ ﷺ سے ایک عورت سے نکاح کرنے کی اجازت طلب کی تھی جس کو ام مہزول کہا جاتا تھا۔ وہ بدکارہ عورتوں میں سے تھی اور اس نے شرط رکھی تھی کہ اس مرد پر وہ خرچ کرے گی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: یہ عمرو بن العاص اور مجاہد کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 4- یہ آیت اہل صفہ کے بارے میں نازل ہوئی: یہ مہاجر لوگ تھے مدینہ طیبہ میں ان کے مکانات ا خاندان نہ تھے وہ مسجد کے صفہ پر رہتے تھے۔ یہ چار سو افراد تھے دن کے وقت رزق تلاش کرتے تھے اور رات صفہ پر گزارتے تھے۔ مدینہ میں بدکارہ عورتیں تھیں جو اعلانیہ بدکاری کرتی تھیں۔ اور لباس اور خوراک کی ان کے پاس فراوانی ہوتی تھی۔ اہل صفہ نے ان سے نکاح کرنے اور ان کے مکانات میں رہنے اور ان کے طعام اور لباس سے کھانے کا ارادہ کیا تو ان کو اس سے بچانے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی: یہ ابن ابی صالح کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 5- یہ قول زجاج وغیرہ نے حسن سے ذکر کیا ہے، حسن نے فرمایا: الزانی سے مراد وہ ہے جسے حد لگائی گئی ہو اور زانیہ سے مراد بھی وہ ہے جس پر حد لگائی گئی ہو یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے، پس جس زانی کو حد لگائی گئی ہو وہ نکاح نہ کرے مگر اس زانیہ سے جسے حد لگائی گئی ہو: ابراہیم نخعی نے اسی طرح کہا ہے۔ اور مصنف ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (1)، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وہ زانی جس کو حد لگائی گئی ہو وہ نکاح نہ کرے مگر اپنی مثل سے“، روایت ہے کہ ایک زانی جس کو حد لگائی گئی تھی اس نے غیر محدودہ عورت سے شادی کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان تفریق کر دی۔ ابن عربی نے فرمایا: یہ وہ معنی ہے جو نظر کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے جیسا کہ نقل بھی ثابت نہیں ہے، ایسے شخص کا نکاح جس کو حد لگائی گئی ہو کیا وہ محدودہ عورتوں کے نکاح پر موقوف ہوتا صحیح ہے؟ یہ کس اثر سے ہوگا اور شریعت کی کس اصل پر قیاس ہوگا؟ میں کہتا ہوں: یہ قول الکیانے بعض اصحاب شوافع سے حکایت کیا ہے کہ زانی جب غیر زانیہ سے نکاح کرے گا تو ظاہر آیت کی وجہ سے ان کے درمیان تفریق کی جائے گی۔ الکیانے کہا: اگر وہ ظاہر پر عمل کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ زانی کے لیے مشرک سے بھی نکاح کو جائز قرار دے اور زانیہ کے لیے مشرک مرد سے نکاح کرنا بھی جائز قرار دے یہ انتہائی بعید ہے، یہ کلیۃً اسلام سے خروج ہے۔ کبھی یہ علماء کہتے ہیں: یہ آیت خاص مشرک میں منسوخ ہے، زانیہ کے حق میں منسوخ نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ یہ آیت منسوخ ہے امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے انہوں نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے فرمایا: **الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً** اس آیت کو بعد والی آیت **وَ أَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ** نے منسوخ کر دیا ہے؛ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے، فرمایا: آیامی المسلمین میں زانیہ بھی داخل ہے۔ ابو جعفر سخاس نے کہا: یہ قول اکثر علماء کا ہے، اہل فتویٰ فرماتے ہیں: جس نے کسی عورت سے زنا کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے نکاح کرے اور دوسرے شخص کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ اس زانیہ سے نکاح کر لے۔ یہ حضرت ابن عمر، حضرت سالم، حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہم، عطاء طاؤس، امام مالک بن انس کا قول ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اس میں قول اسی طرح ہے جس طرح سعید بن مسیب نے فرمایا، ان شاء اللہ یہ منسوخ ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: اس آیت میں اشراک کا ذکر ان مناجی کو کمزور کرتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک یہ ہے کہ نکاح سے مراد وطی ہوگا جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے یا نکاح سے مراد عقد نکاح ہوگا اگر اس سے مراد وطی ہوگا تو اس کا معنی ہوگا زانا نہ ہوگا مگر زانیہ کے ساتھ، یہ عبارت ہے اس سے کہ وطی، مرد اور عورت دونوں جہتوں سے ہوتی ہے، آیت کی تقدیر اس طرح ہوگی زانیہ کی وطی واقع نہ ہوگی مگر زانی سے یا مشرک سے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہ معنی صحیح ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اگر بالغ آدمی بچی سے زنا کرے یا عاقل، مجنونہ سے زنا کرے یا بیدار شخص سوئی ہوئی سے زنا کرے تو مرد کی جہت سے زنا ہوگا پس یہ مرد زانی غیر زانیہ سے نکاح کرے گا۔ پس گذشتہ مسئلہ کی صورت سے یہ خارج ہوگا۔ ہم کہیں گے: یہ ہر جہت سے زنا ہے مگر ایک میں حد ساقط ہے دوسرے میں ثابت ہے۔ اگر نکاح سے مراد عقد نکاح ہو تو اس کا معنی ہوگا زانیہ سے نکاح کرنے والا جس نے زنا کیا اور اس کے ساتھ اس نے دخول کیا جبکہ ابھی تک اس سے اس کا رحم صاف نہیں ہوا، تو وہ زانی کے قائم مقام ہوگا مگر اس پر حد نہ ہوگی کیونکہ اس میں علماء کا اختلاف ہے، مگر جب اس نے اس سے عقد نکاح کیا اور اس کے ساتھ دخول نہیں کیا حتیٰ کہ اس کا رحم صاف ہو جائے تو یہ بالا جماع جائز ہے۔ بعض علماء نے کہا: آیت میں یہ مراد نہیں کہ زانی کبھی نکاح نہ کرے مگر زنا کرنے والی عورت سے کیونکہ اس کا غیر زانیہ سے نکاح کرنا متصور ہوتا ہے لیکن معنی یہ ہے کہ جس نے زانیہ سے نکاح کیا وہ زانی ہے گویا فرمایا: زانیہ سے نکاح نہ کرے مگر زانی۔ پس کلام میں قلب ہوا، وہ یہ ہے کہ زانیہ سے نکاح نہ کرے مگر وہ اس کے زنا سے راضی ہو اور وہ اس سے راضی ہوتا ہے جب وہ خود اس سے زنا کرنے والا ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ زانیہ سے نکاح کرنا صحیح ہے جب کسی مرد کی بیوی زنا کرے تو اس کا نکاح فاسد نہ ہوگا جب مرد زنا کرے تو اس کا اپنی بیوی سے نکاح فاسد نہ ہوگا کیونکہ یہ آیت منسوخ ہے، بعض نے کہا: یہ آیت محکم ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ روایت ہے کہ ایک شخص نے سیدنا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک عورت سے زنا کیا تو آپ نے دونوں کو سو کوڑے لگائے پھر اسی وقت انہوں نے ایک دوسرے سے نکاح کر لیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دونوں کو ایک سال کے لیے جلا وطن کیا تھا۔ اسی کی مثل حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا آغاز زنا تھا آخر نکاح تھا، اس کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص کسی باغ سے چوری کرے پھر وہ باغ

والے کے پاس آئے اور اس سے وہ پھل خرید لے تو اس نے جو چوری کیا تھا وہ حرام تھا اور جو خرید اوہ حلال ہے اسی کو امام شافعی اور امام ابو حنیفہ نے اختیار کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ پانی کی کوئی حرمت نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: جب مرد، عورت سے زنا کرے پھر اس کے بعد اس سے نکاح کر لے تو وہ ہمیشہ زنا کرنے والے ہوں گے؛ یہ امام مالک کا مسلک ہے ان کا خیال ہے کہ وہ اس سے نکاح نہ کرے یہاں تک کہ اس کا رحم اس فاسد پانی سے صاف ہو جائے، کیونکہ نکاح کی حرمت ہے اور اس کی حرمت سے یہ ہے کہ زنا کے پانی پر اسے نہ انڈیلا جائے تاکہ حلال، حرام مل نہ جائیں، ذلیل پانی اور عزت والا پانی مل نہ جائیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ ابن خويز منداد نے کہا: جو اعلانہ زنا یا دوسرے برے کاموں میں معروف ہو پھر وہ کسی معزز گھرانے کی عورت سے نکاح کرے اور وہ انہیں دھوکا دے تو انہیں اختیار ہے چاہیں تو اس کے ساتھ رہیں چاہیں تو اس سے جدائی کر لیں۔ یہ عیوب میں سے کسی عیب کی طرح ہے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کے قول سے حجت پکڑی ہے کہ ”ایسا زانی جس کو کوڑے لگائے گئے ہوں وہ نکاح نہ کرے مگر اپنی مثل سے“ (1)۔ ابن خويز منداد نے کہا: کوڑے لگائے گئے کا ذکر کیا کیونکہ وہ فسق کے ساتھ مشہور ہے یہ وہ ہے جس کے درمیان میں دوسرے کے درمیان تفریق کرنا واجب ہے اور جو فسق میں مشہور نہ ہو تو جدائی نہ کی جائے گی۔

مسئلہ نمبر 5۔ متقدمین کی ایک قوم نے کہا: یہ آیت محکم اور غیر منسوخ ہے۔ ان علماء کے نزدیک جس نے زنا کیا اس کا اور اس کی بیوی کا نکاح فاسد ہو جائے گا جب عورت زنا کرے گی تو اس کا اور اس کے خاوند کا نکاح فاسد ہو جائے گا، ان علماء میں سے بعض نے کہا: زنا سے نکاح فاسد نہ ہوگا لیکن مرد کو حکم دیا جائے گا کہ وہ عورت کو طلاق دے جب اس عورت نے زنا کیا ہو۔ اگر وہ اسے اپنے پاس رکھے گا تو گناہگار ہوگا اور زانیہ کے ساتھ اور زانی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں بلکہ اگر تو بہ ظاہر ہو جائے تو اس وقت نکاح جائز ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ وَحُرْمَةُ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ان بدکاروں کا نکاح مومنین پر حرام کیا گیا ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ان بدکاروں کے نکاح کو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی امت پر حرام قرار دیا ہے۔ ان عورتوں میں سے مشہور عناق تھی۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ نے زنا کو کتاب اللہ میں حرام کیا ہے۔ جب مرد زنا کرے گا تو اس پر حد ہوگی۔ یہ امام مالک، امام شافعی اور ابو ثور کا قول ہے۔ اصحاب الرائے نے کہا: ”وہ مسلمان شخص جو دار الحرب میں امان کے ساتھ رہ رہا ہو اور وہ وہاں زنا کرے“ پھر دارالاسلام میں نکل آئے تو اس پر حد نہ ہوگی۔ ابن المنذر نے کہا: دار الحرب اور دارالاسلام برابر ہیں جو بھی زنا کرے گا اس پر حد ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدًا ۖ**

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ

جَلَدَةٌ وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿٩١﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا
مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩٢﴾

”اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر پھر وہ نہ پیش کر سکیں چار گواہ تو لگاؤ ان (تہمت لگانے والوں) کو اسی درے اور نہ قبول کرنا ان کی گواہی ہمیشہ کے لیے اور وہی لوگ فاسق ہیں، مگر (ان میں سے) وہ لوگ جو توبہ کر لیں ایسا بہتان لگانے کے بعد اور اپنی اصلاح کر لیں تو بیشک اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔“

اس میں چھبیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ یہ آیت تہمت لگانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی سعید بن جبیر نے کہا: اس کا سبب حضرت عائشہ بنت النبیؓ پر تہمت تھی (1)۔ بعض نے کہا: یہ عام تہمت لگانے والوں کے سبب نازل ہوئی نہ کہ مخصوص واقعہ میں۔ ابن المنذر نے کہا: ہم نبی کریم ﷺ کی اخبار میں کوئی ایسی خبر نہیں پاتے جو صراحتہً قذف پر دلالت کرتی ہو۔ اور ظاہر کتاب اللہ اس سے مستغنی ہے۔ جو اس قذف پر دلالت کرتی ہو جس کی وجہ سے حد واجب ہوتی ہے اہل علم کا اس پر اجماع ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِينَ يَرْمُونَ لِعٰنِي جِو زبٰن درازی کرتے ہیں اس کے لیے رمی کا اسم عاریہ لیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ زبان کے ساتھ اذیت ہے۔ نابغہ نے کہا:

جرح اللسان كجرح اليد زبان کے زخم ہاتھ کے زخم کی طرح ہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

رمانی بأمير كنت منه دوالدي بريثا من أجل الطوي رمانی

اس کو قذف کہا جاتا ہے اسی سے حدیث پاک ہے ”ابن امیہ نے ایک عورت پر شریک بن حماء کے ساتھ زنا کرنے کی

تہمت لگائی“ (2)۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ نے آیت میں عورتوں کا ذکر کیا ہے کیونکہ وہ اہم ہیں اور ان پر برائی کی تہمت لگانا زیادہ قبیح ہے اور نفوس کو زیادہ زخمی کرنے والا ہے۔ اور مردوں پر تہمت لگانا بھی معنی اور اجماع امت کی وجہ سے حکم میں داخل ہے۔ یہ اس طرح ہے جیسے اس نے خنزیر کے گوشت کی تحریم پر نص قائم فرمائی اور اس میں اس کی چربی اور بھر بھری ہڈی بھی شامل ہے۔ یہ معنی اور اجماع کی وجہ سے ہے۔ زہراوی نے حکایت کیا ہے اس کا معنی: الانفس المحصنات ہے۔ اور یہ اپنے لفظ کی وجہ سے مردوں اور عورتوں کو شامل ہے، اس پر دلیل وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ (النساء: 24) کا قول ہے۔ ایک قوم نے کہا: المحصنات سے مراد فروج، شرمگاہیں ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (الانبیاء: 91) اس میں مردوں اور عورتوں کی شرمگاہیں داخل ہیں۔ بعض نے کہا: اجنبیہ عورت کا ذکر کیا گیا، جب اس پر تہمت لگائی جائے تاکہ اس پر مرد کا اپنی عورت پر تہمت لگانے کا عطف کیا جائے۔ واللہ اعلم۔ جمہور نے المحصنات سے مراد یہاں پاکدامن عورتیں لی

ہیں۔ سورہ النساء میں الاحسان کا ذکر اور اس کے مراتب گزر چکے ہیں۔ والحمد للہ۔

مسئلہ نمبر 4۔ علماء کے نزدیک قذف کی نو ۹ شرائط ہیں دو شرطیں تہمت لگانے والے میں ہیں۔ (۱) عقل، (۲) بلوغت، کیونکہ مکلف ہونے کی یہ دو اصل ہیں جو عقل مند نہ ہو اور جو بالغ نہ ہو وہ مکلف نہیں ہوتے اور دو شرطیں اس میں ہیں جس کے ساتھ تہمت لگائی گئی ہے وہ یہ کہ وہ ایسی وطنی کی تہمت لگائے جس میں حد لازم آتی ہو اور وہ لواطت ہے یا بچے کی باپ سے نفی پائی جائے اور پانچ شرائط اس میں ہیں جس پر تہمت لگائی گئی ہے، عقل، بلوغت، اسلام، حریت، اور اس برائی سے پاک ہونا جس کی تہمت لگائی گئی ہے خواہ وہ دوسری برائیوں سے پاک ہو یا نہ ہو۔ ہم نے اس کے بارے میں جس پر تہمت لگائی گئی ہو عقل اور بلوغت کی شرط رکھی ہے جس طرح ہم نے قاذف میں یہ شرطیں ذکر کی ہیں۔ اگر یہ دونوں احسان کے معانی سے نہیں ہیں کیونکہ حد اس اذیت کو دور کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے جو اس پر داخل ہوتی ہے جس پر تہمت لگائی جاتی ہے اور عقل اور بلوغت کے نہ ہونے پر کوئی ضرر نہیں ہے کیونکہ ایسے شخص کو نہ لوطی کہا جاتا ہے نہ زانی کہا جاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ علماء کا اتفاق ہے کہ جب صراحتہ زنا کا ذکر کرے تو یہ قذف اور تہمت ہوگی اور حد کا موجب ہوگی۔ اگر وہ تعریف کرے اور صراحتہ زنا کا ذکر نہ کرے تو امام مالک نے فرمایا: وہ قذف، تہمت ہے۔ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا: وہ قذف نہ ہوگا حتیٰ کہ وہ خود کہے کہ میں نے قذف کا ارادہ کیا تھا۔ امام مالک کے قول کی دلیل یہ ہے کہ قذف میں حد اس لیے رکھی گئی ہے تاکہ وہ عار دور ہو جو تہمت لگانے والا، متہم شخص پر لگاتا ہے جب تعریف کے ساتھ عار حاصل ہو تو واجب ہے کہ وہ قذف ہو جیسے صریح تہمت لگانے میں حد ہوتی ہے، اور فہم پر اعتماد کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے کہا: إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ (ہو) یعنی قوم نے آپ کو سفیہ اور گمراہ کہا۔ انہوں نے برا کہنے کے لیے تعریف کی ایسی کلام کے ساتھ جس کا ظاہر مدح ہے۔ یہ ایک تاویل ہے جیسا کہ سورہ ہود میں گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابو جہل کے بارے میں فرمایا۔ ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ (الدخان) اور اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق حکایت کیا ہے: يَا خُتُّ هُرُونَ مَا كَانَ أَبُوكَ أَمْرًا سَوْءًا وَمَا كَانَتْ أُمَّكَ بَغِيًّا (مریم) لوگوں نے حضرت مریم کے باپ کی تعریف کی اور ان کی والدہ سے بدکاری کی نفی کی اور حضرت مریم کے لیے تعریف کی اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكَفَرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا (النساء) اور ان کا کفر معروف تھا وہ بہتان عظیم ہے جس کے لیے انہوں نے تعریف کی یعنی نہ تیرا باپ برا تھا، نہ تیری والدہ بدکارہ تھی یعنی تو ان دونوں کے برعکس ہے جبکہ تو یہ بچہ لائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ مَنْ يَبْذُرُ قُكُم مِّنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ اللَّهُ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَّ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (سبا) اس لفظ سے سمجھا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کفار ہدایت یافتہ نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہدایت یافتہ ہیں پس اس تعریف سے وہی سمجھا گیا جو اس کی تصریح سے سمجھا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حطیہ کو قید کیا تھا جب اس نے کہا تھا:

دَعِ السَّكَارَةَ لَا تَرَحَّلُ لِبُغْيَتِهَا واقعد فإنك أنت الظالم الكاسي

کیونکہ حطیہ نے اس شعر میں عورتوں کے ساتھ انہیں تشبیہ دی کہ انہیں کھلایا پلایا جاتا ہے اور لباس دیا جاتا ہے، جب اس

نے نجاشی کا قول سنا:

قبيلته لا يغديرون بذمة ولا يظلمون الناس حبة خردل

اس نے کہا: کاش خطاب بھی اسی طرح ہوتا۔ شاعر نے قبیلہ کے ضعف کو بیان کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کی بہت سی

مثالیں ہیں۔

مسئلہ نمبر 6۔ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ اس شخص پر حد نہیں ہے جو کسی اہل کتاب میں سے کسی مرد یا عورت پر تہمت

لگائے۔ زہری، سعید بن مسیب اور ابن ابی لیلی نے کہا: اس پر حد ہوگی جب کہ اہل کتاب کا بیٹا مسلمان ہو۔ اس میں تیسرا قول

یہ ہے کہ جب کوئی نصرانی عورت پر تہمت لگائے جو مسلمان کی بیوی ہو تو اسے کوڑوں کی حد لگائی جائے گی۔ ابن المنذر نے کہا:

بڑے بڑے علماء پہلے قول کے قائل ہیں میں نے کسی عالم کو نہیں پایا جو اس کے مخالف ہو۔ جب کوئی نصرانی آدمی، آزاد مسلمان

پر تہمت لگائے تو اس پر وہی حد ہوگی جو مسلمان کی حد ہوگی یعنی اسی کوڑے اس کے بارے میں اختلاف میں نہیں جانتا۔

مسئلہ نمبر 7۔ جمہور علماء کا نظریہ یہ ہے کہ غلام کو چالیس کوڑے مارے جائیں گے جب وہ کسی آزاد پر تہمت لگائے

گا کیونکہ غلامی کی وجہ سے اس کی حد نصف ہو جاتی ہے جیسے زنا کی حد اس کی نصف ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما، حضرت

عمر بن عبدالعزیز اور قبیسہ بن ذؤیب سے مروی ہے کہ غلام کو بھی اسی کوڑے مارے جائیں گے۔ ابو بکر بن محمد نے غلام کو اسی

کوڑے مارے تھے جس نے آزاد پر تہمت لگائی تھی؛ یہی امام اوزاعی کا قول ہے۔ جمہور علماء نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے

حجت پکڑی ہے: **فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ (النساء: 25)** اور دوسرے علماء نے

کہا: ہم نے یہاں سمجھا کہ زنا کی حد اللہ کے لیے ہے اور بعض اوقات اس کے حق میں تخفیف ہوتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

کم ہوتی ہیں اور اس پر حد سخت ہوتی ہے جس پر نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ اور رہی حد قذف تو یہ آدمی کا حق ہے یہ واجب ہوتی

ہے اس پر جو کسی کی عزت کو تار تار کرتا ہے۔ اور جنایت غلامی اور حریت کی وجہ سے مختلف نہیں ہوتی۔ بعض اوقات کہتے ہیں:

اگر ان کی سزا مختلف ہوتی تو ذکر کیا جاتا جس طرح زنا میں ذکر کیا گیا ہے۔ ابن المنذر نے کہا: اکثر علماء کا نظریہ پہلا قول ہے

اور میں بھی اسی کا قائل ہوں۔

مسئلہ نمبر 8۔ علماء کا اجماع ہے کہ آزاد جب غلام پر تہمت لگائے گا تو اس کی وجہ سے آزاد کو حد نہیں لگائی جائے گی

کیونکہ ان کے مراتب مختلف ہیں نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جس نے اپنی لونڈی پر زنا کی تہمت لگائی قیامت کے

روز اس پر حد لگائی جائے گی مگر یہ کہ وہ اسی طرح ہو جس طرح آقانے کہا ہے“ (1)۔ اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے

تخریج کیا ہے۔ بعض طرق میں ہے: ”جس نے اپنے غلام پر زنا کی تہمت لگائی پھر زنا ثابت نہ ہو تو اس پر قیامت کے روز

اسی کوڑے حد لگائی جائے گی“۔ یہ دارقطنی نے ذکر کی ہے۔ علماء نے فرمایا: آخرت میں اس لیے حد ہوگی کیونکہ اس وقت

ملکیت اٹھ چکی ہوگی اور شریف، ضعیف، آزاد، غلام برابر ہو چکے ہوں گے اور کسی کو کوئی فضیلت نہ ہوگی مگر تقویٰ کی بنا پر جب

ایسا ہوگا تو حدود و حرمت میں سب لوگ برابر ہوں گے ہر شخص سے دوسرے کا بدلہ لیا جائے گا مگر یہ کہ مظلوم، ظالم کو معاف کر دے۔ دنیا میں ہم پلہ نہیں ہیں تاکہ مالکوں پر ان سے بدلہ لینے میں ذلت داخل نہ ہو اور ان کے لیے مرتبہ میں حرمت و فضل صحیح نہیں ہے ورنہ تسخیر کا فائدہ باطل ہوگا اور حلیم و علیم کی حکمت بھی ختم ہو جائے گی۔ لا الہ الاہو۔

مسئلہ نمبر 9۔ امام مالک اور امام شافعی نے بتایا: جس نے کسی کو غلام سمجھ کر اس پر تہمت لگائی جبکہ وہ آزاد تھا تو اس پر حد ہوگی؛ یہ حسن بصری کا قول ہے اور ابن المنذر کا مختار قول ہے۔ امام مالک نے کہا: جس نے ام الولد پر تہمت لگائی اسے حد لگائی جائے گی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہی امام شافعی کے قول کا قیاس ہے۔ حسن بصری نے کہا: اس پر حد ہوگی۔

مسئلہ نمبر 10۔ علماء کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جس نے کسی کو کہا: اے رانوں میں وطی کرنے والا! ابن القاسم نے کہا: اس پر حد ہوگی کیونکہ یہ تعریض ہے۔ اشہب نے کہا: اس میں حد نہیں ہے کیونکہ یہ ایسے فعل کی طرف نسبت ہے جو بالا جماع زنا شمار نہیں کیا جاتا۔

مسئلہ نمبر 11۔ جب ایسی چھوٹی بچی پر زنا کی تہمت لگائی بلوغت سے پہلے جس کے ساتھ زنا ممکن ہے تو امام مالک کے نزدیک یہ بھی قذف ہوگا۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور ابو ثور نے کہا: یہ قذف نہیں ہے کیونکہ اس پر حد نہیں ہے اسے تعزیر لگائی جائے گی (1)۔ ابن عربی نے کہا: یہ مسئلہ کئی احتمال رکھتا ہے۔ اور کئی شکلیں رکھتا ہے۔ امام مالک نے مقذوف کی عزت کی حفاظت طلب کی ہے اور دوسرے علماء نے قاذف کی پیٹھ کی حفاظت کا خیال کیا ہے اور مقذوف کی حمایت اولیٰ ہے کیونکہ تہمت لگانے والے نے اس کا پردہ چاک کیا ہے اپنی زبان سے تو اس پر تہمت لگانے والے کو کوڑے لگائے جائیں گے اسی طرح بچے پر تہمت لگانے والا جو دس سال کو پہنچ چکا ہے، تو تہمت لگانے والے کو حد لگائی جائے گی۔ اسحاق نے کہا: جب ایسے غلام پر تہمت لگائے جس کی مثل وطی کر سکتا ہے تو اس پر حد ہوگی اور بچی جب نو سال سے تجاوز کر جائے تو یہی حکم ہے۔ ابن المنذر نے کہا: جس نے نابالغ پر زنا کی تہمت لگائی اسے حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ یہ جھوٹ ہے لیکن اذیت پر تعزیر لگائی جائے گی۔ ابو عبید نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے ایک عورت آئی اس نے ذکر کیا کہ اس کا خاوند اس کی لونڈی سے وطی کرتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو سچی ہے تو ہم اسے رجم کریں گے اگر تو جھوٹی ہے تو ہم تجھے کوڑے لگائیں گے۔ اس عورت نے کہا: مجھے اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنا دو میرا اندر غصہ سے ابل رہا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جو اپنی بیوی کی لونڈی سے وطی کرے اس پر حد ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ جب اس پر کوئی تہمت لگائے تو اس کے تہمت لگانے والے پر حد ہے کیا تو نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول سنا نہیں: اگر تو جھوٹی ہے تو ہم تجھے کوڑے لگائیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایسا کرنے والا اپنے فعل اور قول سے جاہل نہ ہو اگر وہ جاہل ہوگا اور وہ شبہ کا دعویٰ کرنے والا ہوگا تو ان تمام صورتوں میں اس سے حد دور کی جائے گی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ کوئی شخص حاکم کی موجودگی میں کسی پر تہمت لگائے اور جس پر تہمت لگائی گئی، حاضر نہ ہو تو قاذف، تہمت لگانے والے پر کچھ نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ آئے اور حد کا مطالبہ کرے کیونکہ معلوم نہیں

یہ سچا ہو کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کوئی تعریض نہیں کیا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حاکم کے پاس جب کسی شخص پر تہمت لگائی جائے پھر مقدوف آئے اور اپنا حق طلب کرے تو حاکم اس کی بات سن کر تہمت لگانے والے کو حد لگائے گا کیا تو نے ملاحظہ نہیں کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو جھوٹی ہوگی تو ہم تجھے کوڑے لگائیں گے، کیونکہ یہ انسانوں کے حقوق سے ہے۔ میں کہتا ہوں: اس میں اختلاف ہے کہ یہ حقوق اللہ سے ہے یا آدمیوں کے حقوق سے ہے یہ آگے آئے گا۔ ابو عبید نے کہا: احمی نے کہا شعبۂ نے مجھ سے غیری نغرة کا مفہوم پوچھا تو میں نے اسے کہا: یہ نغرة القدر سے مشتق ہے۔ ہانڈی کا ابلنا۔ اسی سے ہے۔ نغرة تنغرة نغرة تنغرة جب وہ ابلنے لگے اس کا معنی ہے اس کا اندر غیرت اور غصہ کی وجہ سے ابل رہا ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے کسی پر تہمت لگائی تو اس پر دو حدیں لگائی جائیں گی؛ یہ مسروق کا قول ہے۔ ابن عربی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ اسے ایک حد لگائی جائے گی کیونکہ اللہ کا ارشاد عام ہے: وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ان کا شرف محدود کی حد میں زیادتی کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ مرتبہ کا شرف حدود میں مؤثر نہیں ہوتا اور مرتبہ کی کمی کرنے میں مؤثر نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جنہوں نے تہمت لگائی ان پر کلام آگے آئے گی کیا قتل کیا جائے گا یا نہیں؟

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ چار گواہ صرف زنا میں ضروری ہیں باقی حقوق میں چار گواہ نہیں ہیں، یہ حکم بندوں پر رحمت اور ان کی پردہ پوشی کے لیے ہے۔ یہ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ گواہوں کی گواہی کی ادائیگی کے لیے امام مالک کے نزدیک ایک مجلس ہونا شرط ہے۔ اگر مجلس جدا ہو نہیں تو شہادت نہ ہوگی۔ عبد الملک نے کہا: گواہی گواہوں سے قبول کی جائے گی خواہ وہ اکٹھے ہوں یا جدا آئیں۔ امام مالک کا نظریہ یہ ہے کہ گواہوں کا اجتماع تعبدی ہے؛ یہ ابن القاسم کا قول ہے۔ اور عبد الملک کا نظریہ یہ ہے کہ مقصود شہادت کی ادائیگی ہے اور اس کا جمع ہونا ہے اور وہ حاصل ہو چکا ہے؛ یہ عثمان بن عتی، ابو ثور کا قول ہے اور ابن المنذر کا مختار ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاذْلَمَ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ ان آیات میں اکٹھا آنے یا متفرق طور پر آنے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

مسئلہ نمبر 15۔ اگر شہادت مکمل ہوگی مگر ان کی تعدیل نہیں کی گئی تو حسن بصری اور شعبی کا خیال ہے کہ نہ گواہوں پر حد ہوگی اور نہ اس پر جس کے خلاف گواہی دی گئی ہے؛ یہی قول امام احمد، امام نعمان اور امام محمد بن حسن کا ہے۔ امام مالک نے فرمایا: جب اس پر چار گواہ گواہی دیں کہ اس نے زنا کیا ہے اگر ان گواہوں میں سے کوئی اس پر ناراضگی کی وجہ سے گواہی دے رہا ہو یا کوئی غلام ہو تو سب کو کوڑے لگائے جائیں گے۔ سفیان ثوری، احمد اور اسحاق نے کہا: چار گواہوں میں دو اندھے ہوں اور وہ کسی عورت پر زنا کی گواہی دیں تو سب کو سزا ملے گی۔

مسئلہ نمبر 16۔ اگر گواہوں میں سے ایک اپنی گواہی سے رجوع کر لے جبکہ جس پر زنا کی گواہی دی گئی تھی اسے رجم ہو چکا ہو تو ایک طائفہ نے کہا: وہ چوتھائی دیت کا ضامن ہوگا اور دوسرے گواہوں پر کچھ نہ ہوگا، اسی طرح قتادہ، حماد، عکرمہ، ابو

ہاشم، امام مالک، امام احمد اور اصحاب الرائے کا نظریہ ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اگر وہ کہے کہ میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا تاکہ اسے قتل کیا جائے تو اس کے اولیاء کو اختیار ہے کہ وہ چاہیں تو بدلے میں اسے بھی قتل کر دیں اگر چاہیں تو اسے معاف کر دیں اور اس سے چوتھائی دیت وصول کر لیں اور اس پر حد ہوگی۔ حسن بصری نے کہا: اسے قتل کیا جائے گا اور دوسرے گواہوں پر دیت کا 3/4 حصہ ہوگا۔ ابن سیرین نے کہا: جب وہ کہے کہ میں نے خطا کی اور میں نے کسی اور کا ارادہ کیا تھا، تو اس پر پوری دیت ہوگی۔ اگر وہ کہے: میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا تو اسے قتل کیا جائے گا؛ یہی ابن شبرمہ کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ حد قذف کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ حقوق اللہ سے ہے یا حقوق العباد سے ہے یا اس میں ان دونوں کا شائبہ ہے۔ پہلا امام ابو حنیفہ کا قول ہے اور دوسرا مالک اور امام شافعی کا قول ہے، تیسرا قول بعض متاخرین کا ہے۔ اختلاف کا ثمرہ اس وقت مرتب ہوگا کہ اگر وہ اللہ کا حق ہے اور امام تک معاملہ پہنچ جائے تو وہ اس پر حد قائم کرے اگرچہ مقذوف مطالبہ نہ بھی کرے اور قاذف کی تو بہ اللہ اور اس کے درمیان نفع بخش ہوگی۔ اس میں حد غلامی کی وجہ سے نصف ہو جائے گی جیسے زنا میں ہوتی ہے۔ اگر یہ آدمی کا حق ہو تو امام حد کو قائم نہیں کرے گا مگر مقذوف کے مطالبہ کے ساتھ اور مقذوف کے معاف کرنے کے ساتھ معاف ہو جائے گا اور قاذف کو تو بہ نفع نہیں دے گی یہاں تک کہ مقذوف اسے معاف کر دے۔

مسئلہ نمبر 18۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا حُكِمَ عَلَيْكُمْ فَاذْكُرُوا هَلْ لَكُمْ مِنْهُ نَفْعٌ شَيْئًا مِمَّا كَسَبْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْكُمْ قَوْمًا مُؤْمِنِينَ**۔ اللہ تعالیٰ نے چار وجوہ میں یہ اربعہ کی طرف اضافت کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسلم بن یسار اور حضرت ابو زرعة بن عمرو بن جریر نے اربعہ تنوین کے ساتھ پڑھا ہے۔ شہداء میں چار وجوہ ہیں یہ اربعہ کی صفت کی بنا پر مجرور ہوگا یا بدل ہوگا اور اس کا نکرہ سے حال یا تمیز ہونا بھی جائز ہے۔ حال اور تمیز کے قول میں نظر ہے کیونکہ حال نکرہ سے ہے اور تمیز جمع ہے۔ اور سیبویہ کا خیال ہے یہ عدد کی تنوین ہے اور اس کی اضافت ترک کی گئی ہے اور یہ شعر میں جائز ہے۔ ابوالفتح عثمان بن جنی نے اس قرات کو اچھا کہا ہے اور جمہور کی قرات پر اس کو بہتر سمجھا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ شہدائے اہل نصب میں ہو اس معنی میں **لَمْ يَحْضُرُوا** اربعہ شہدا۔

مسئلہ نمبر 19۔ چار گواہوں کی گواہی کا حکم یہ ہے کہ انہوں نے وہ اس طرح دیکھا ہو جس طرح سرچو سرمدانی میں ہوتا ہے جیسا کہ سورہ نساء میں نص حدیث میں گذر چکا ہے اور وہ ایک جیسی گواہی ہو؛ یہ مالک کے قول پر ہے۔ اگر چار گواہوں میں سے ایک بھی ادھر ادھر ہو گیا تو تین کو کوڑے لگائے جائیں گے جیسے حضرت عمر بن خطاب نے مغیرہ بن شعبہ کے معاملہ میں کیا تھا۔ ان کے خلاف ابو بکرہ نضیع بن حارث اور ان کے بھائی نافع نے زنا کی گواہی دی تھی۔ زہراوی نے کہا: عبداللہ بن حارث اور ان کا ماں کی طرف سے بھائی زیاد جو حضرت معاویہ کے ساتھ لاحق کیا گیا تھا شہل بن معبد بجلی، چاروں گواہ شہادت دینے کیلئے آئے تو زیاد نے توقف کیا اور گواہی نہ دی حضرت عمر بن خطاب نے مذکورہ تین گواہوں کو کوڑے لگائے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَأَجْلِدُوهُمْ**، الجلد کا معنی ہے مارنا، **السَّجْدَةُ وَالْمُضَارَبَةُ** کوڑے مارنے کیلئے استعمال ہوتے ہیں، پھر الجلد کا لفظ تلوار وغیرہ سے مارنے کیلئے بھی استعمال ہوا؛ اسی سے قیس بن خطیم کا قول ہے:

أَجَالِدُهُمْ يَوْمَ الْحَدِيقَةِ حَامِرًا كَأَنْ يَدِي بِالسَّيْفِ مِخْرَاقٌ لِأَعْبِ

ثَلَاثِينَ مَصْرُفًا مَصْرُفًا بِنَا بِرِ مَنصُوبٌ هِيَ جَلْدٌ تَمِيزٌ هِيَ - وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا يَهْ ان کی مدت عمر کا تقاضا کرتا ہے۔ پھر

ان پر حکم لگایا کہ وہ فاسق ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی طاعت سے خارج ہیں۔

مسئلہ نمبر 21۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا اسْتِثْنَا كِي بِنَا بِرِ مَحَلِّ نَصْبٍ مِثْلٍ هِيَ - يَهْ بِي هِيَ جَائِزٌ هِيَ كِهْ يَهْ بَدَلِ كِي بِنَا بِرِ مَحَلِّ جَرِّ مِثْلٍ هِيَ مَوْعِنِي يَهْ هُوَ كِهْ ان كِي كِبْهِي شَهَادَتِ قَبُولِ نَهْ كِرُو مَكْرُ جُو قَذْفِ كِهْ بَعْدُ تَوْبَةٍ كَرَلِيَسِ اَوْرِ اَصْلَاحِ كَرَلِيَسِ - فَإِنَّ اللَّهَ عَفُؤٌ شَرِيحِيْمٌ، يَهْ آيَتِ قَاذِفٍ، تَهْمَتِ لِكَا نِهْ وَاَلَا كِهْ بَارِے مِثْلِ تَمِنِ اَحْكَامِ اِپْنِهْ ضَمْنِ مِثْلِ لِيَهْ بُوئِي هِيَ، اَسْ كُو كُوْزِے لَكْنَا، اَسْ كِي شَهَادَتِ كَا مِيشِهْ رُو هُونَا اَوْرِ اَسْ كَا فَاَسِقِ هُونَا اسْتِثْنَا كُوْزُوں كِهْ بَارِے مِثْلِ تُو بَالَا جَمَاعِ عَاَمِلِ نَهِيَسِ هِيَ مَكْرُ جُو شَعْبِي سِهْ مَرُوِي هِيَ جِيَسَا كِهْ آگِے آئِي كَا - اَوْرِ فَاَسِقِ مِثْلِ بَالَا جَمَاعِ عَاَمِلِ هِيَ اَوْرِ شَهَادَتِ كِهْ رُو مِثْلِ اَسْ كِهْ عَاَمِلِ هُونِهْ مِثْلِ عُلَمَاءِ كَا اِخْتِلَافِ هِيَ - شَرِيحِ قَاَضِي، اِبْرَاهِيْمِ نَخَعِي، حَسَنِ بَصْرِي، سَفِيَانِ ثُوْرِي اَوْرِ اَمَامِ اِبُو حَنِيْفِهْ فَرَمَاتِي هِيَسِ: اسْتِثْنَا اَسْ كِي شَهَادَتِ كِهْ لُوْثَانِهْ مِثْلِ عَاَمِلِ نَهِيَسِ هِيَ اَوْرِ اَسْ كَا فَاَسِقِ اَللّٰهُ تَعَالٰى كِهْ نَزْدِيْكَ زَاوَلِ هُو جَايِي كَا اَوْرِ رَهِي قَاذِفِ كِي شَهَادَتِ تُو وَهْ كِبْهِي قَبُولِ نَهِيَسِ هُو كِي خَوَا هِ وَهْ تُو بَهْ كَرِے اَوْرِ اِپْنِهْ نَفْسِ كُو جَهْطَلَا بَهِي دِے كِسي صَوْرَتِ مِثْلِ اَسْ كِي گُو اِهِي قَبُولِ نَهْ هُو كِي - جَمْهُورِ عُلَمَاءِ فَرَمَاتِي هِيَسِ: شَهَادَتِ مِثْلِ عَاَمِلِ نَهِيَسِ هِيَ - جَبْ قَاذِفِ تُو بَهْ كَرِے كَا تُو اَسْ كِي تُو بَهْ قَبُولِ كِي جَايِي كِي - اَسْ كِي شَهَادَتِ كَا رُو هُو نَا فَاَسِقِ كِي عِلْتِ كِي وَجْهِ لُوْثَانِهْ مِثْلِ عَاَمِلِ هِيَ - جَبْ قَاذِفِ تُو بَهْ كَرِے كَا تُو اَسْ كِي تُو بَهْ قَبُولِ كِي جَايِي كِي - اَسْ كِي شَهَادَتِ كَا رُو هُو نَا فَاَسِقِ كِي عِلْتِ كِي وَجْهِ سِهْ تَهَا جَبْ تُو بَهْ سِهْ فَاَسِقِ زَاوَلِ هُو كِيَا تُو حُدِّ سِهْ پَهْلِي اَوْرِ حُدِّ كِهْ بَعْدُ مَطْلَقًا اَسْ كِي شَهَادَتِ قَبُولِ هُو كِي؛ يَهْ عَامِ نَفْهَاءِ كَا قَوْلِ هِيَ - پَهْرِ اَسْ كِي تُو بَهْ كِي صَوْرَتِ مِثْلِ عُلَمَاءِ كَا اِخْتِلَافِ هِيَ - حَضْرَتِ عَمْرُ بِنِ اَبِيْنِ بِنِ خَطَّابِ اَوْرِ شَعْبِي وَغِيْرَهْ كَا مَذْهَبِ يَهْ هِيَ كِهْ اَسْ كِي تُو بَهْ نَهِيَسِ هُو كِي مَكْرِ يَهْ كِهْ وَهْ اَسْ قَذْفِ مِثْلِ اِپْنِهْ اَسْ كُو جَهْطَلَا كِهْ جِسْ مِثْلِ اَسْ كُو حُدِّ لَكَايِي گُئِي تَهِي - حَضْرَتِ عَمْرُ بِنِ اَبِيْنِ بِنِ اِيَسَا كِيَا تَهَا اَسْ كِي مَغِيْرَهْ كِهْ خِلَافِ گُو اِهِي دِيْنِهْ وَاَلُوں كُو كِهَا تَهَا جِسْ نِهْ اِپْنِهْ اَسْ كُو جَهْطَلَا كِهَا اَسْ كِي شَهَادَتِ مَسْتَقْبَلِ مِثْلِ قَبُولِ هُو كِي اَوْرِ جِسْ نِهْ اِيَسَا نَهِيَسِ كِيَا اَسْ كِي شَهَادَتِ كُو جَائِزِ قَرَارِ نَهِيَسِ دُوں كَا - اِبُو بَكْرِهْ نِهْ اِيَسَا كَرْنِهْ سِهْ اِنْكَارِ كِيَا پَسْ اَسْ كِي شَهَادَتِ قَبُولِ نَهِيَسِ كِي جَاتِي تَهِي - يَهْ قَوْلِ نَحَّاسِ نِهْ اَبْلِ مَدِيْنِهْ سِهْ رُوَايَتِ كِيَا هِيَ - اِيَكِ فَرْقِهْ نِهْ كِهَا جِنِّ مِثْلِ اَمَامِ مَالِكِ بَهِي هِيَسِ كِهْ اَسْ كِي تُو بَهْ يَهْ هِيَ كِهْ وَهْ اِپْنِي اَصْلَاحِ كَرِے اَوْرِ اِپْنِي حَالَتِ كُو دَرَسْتِ كَرِے اَكْرُ چِهْ تَكْذِيْبِ كِهْ سَا تَهَا اِپْنِهْ قَوْلِ سِهْ رُجُوْعِ نَهْ بَهِي كَرِے اَسْ قَذْفِ پَرِ اَسْ كِي نِدَامَتِ - اَوْرِ اَسْ سِهْ اسْتِغْفَارِ اَوْرِ پَهْرِ اِيَسَا نِهْ كَرْنِهْ پَرِ عَزْمِ كَا فِئِي هِيَ -

یہ ابن جریر کا قول ہے۔ شعبی سے مروی ہے انہوں نے کہا: استثنائینوں احکام سے ہے جب وہ توبہ کرے اور اس کی توبہ ظاہر ہو تو اسے حد نہیں لگائی جائے گی اور اس کی شہادت قبول ہوگی اور اس سے تفسیق زائل ہو جائے گی کیونکہ وہ اب پسندیدہ

گواہوں سے ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَإِنِّي لَعَفَّارٌ لِّمَن تَابَ (طہ: 82)

مسئلہ نمبر 22۔ علماء کا اختلاف ہے کہ قاذف کی شہادت کب ساقط ہوگی؟ ابن الماجشون نے کہا: نفس قذف کے ساتھ۔ ابن القاسم، اشہب اور سحنون نے کہا: اس کی شہادت ساقط نہ ہوگی حتیٰ کہ اسے کوڑے لگ جائیں اگر معافی یا کسی اور وجہ سے اسے کوڑے نہ لگائے گئے تو اس کی شہادت رد نہ ہوگی۔ شیخ ابوالحسن نخعی نے کہا: اس کی شہادت عمر کی مدت میں موقوف ہوتی ہے اس قول کو ترجیح دی ہے جب توبہ قذف میں اپنے آپ کو جھٹلانے کے ساتھ ہو ورنہ کونسا رجوع اس کے عدل کے لیے

ہے اگر وہ تہمت لگائے اور اسے حد لگائی گئی ہو اور اپنی عدالت پر باقی ہو۔

مسئلہ نمبر 23۔ علماء کا اختلاف ہے کہ توبہ کے بعد شہادت کے جواز پر کسی چیز میں شہادت جائز نہ ہوگی۔ امام مالک نے فرمایا: ہر چیز میں مطلقاً شہادت جائز ہے، اسی طرح اس میں بھی جس چیز میں حد لگائی گئی ہو (1)۔ اس کو نافع اور ابن عبدالحکم نے مالک سے روایت کیا ہے؛ یہ ابن کنانہ کا قول ہے۔ وقار نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ اس کی شہادت اس مسئلہ میں خاص طور پر قبول نہیں ہوگی جس میں اسے حد لگائی گئی تھی اس کے علاوہ معاملات میں اس کی گواہی قبول ہوگی؛ یہ مطرف اور ماجشون کا قول ہے۔ عتبی نے اصبع اور سخون سے اس کی مثل روایت کیا ہے۔ سخون نے کہا: جس کو کسی چیز میں حد لگائی گئی ہو تو اس کی مثل میں اس کی شہادت جائز نہ ہوگی۔ مطرف اور ابن الماجشون نے کہا: جس کو قذف یا زنا میں حد لگائی گئی ہو تو زنا، قذف، لعان میں سے کسی چیز میں گواہی قبول نہ ہوگی اگرچہ وہ عادل بھی ہو۔ ان دونوں حضرات نے یہ امام مالک سے روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 24۔ جب کئی معظوفہ جملوں کے بعد استثناء آئے تو وہ امام مالک، امام شافعی اور ان کے اصحاب کے نزدیک تمام جملوں کی طرف لوٹے گی۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے بڑے اصحاب کے نزدیک جو قریب ترین جملہ ہوگا استثناء اس کی طرف لوٹے گی اور وہ فسق ہے۔ اس لیے اس کی شہادت ہمیشہ قبول نہ ہوگی کیونکہ استثناء صرف فسق کی طرف راجع ہے نہ کہ شہادت کی قبولیت کی طرف راجع ہے۔

اس اصل میں اختلاف کے دو سبب ہیں۔ (1) معظوفہ جملے عطف کی وجہ سے ایک جملہ کے حکم میں ہیں یا یہ جملہ اپنے حکم میں مستقل ہے اور حرف عطف صرف محسن ہے مشرک (شریک کرنے والا) نہیں یہ جملوں کے عطف میں صحیح ہے کیونکہ مختلف جملوں کا ایک دوسرے پر عطف صحیح ہے جیسا کہ نحو میں معروف ہے۔

دوسرا سبب۔ استثناء سابقہ جملوں کی طرف لوٹنے میں شرط کے مشابہ ہے کیونکہ شرط فقہاء کے نزدیک تمام کی طرف لوٹتی ہے یا استثناء شرط کے مشابہ نہیں ہے کیونکہ لغت میں یہ قیاس کے باب سے ہے۔ اور اصل فقہ میں یہ فاسد ہے اصل یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک محتمل ہے اور ترجیح نہیں ہے۔ پس جو قاضی نے وقف کا قول کیا ہے وہ متعین ہو گیا ہے۔ اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ کتاب اللہ میں دونوں امر موجود ہیں۔ آیۃ المحاربتہ میں ضمیر بالاتفاق تمام کی طرف راجع ہے اور مومن کو خطا قتل کرنے کی آیت میں استثناء کا رد بالاتفاق آخری جملہ کی طرف ہے۔ آیت قذف دونوں وجوہ کا احتمال رکھتی ہے پس بغیر شک کے وقف متعین ہو جاتا ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: یہ کلی اصولی نظر ہے اور فقہی جزئی نظر کے اعتبار سے امام مالک اور امام شافعی کا قول راجح ہے وہ اس طرح کہ استثناء فسق اور شہادت کی قبولیت کی نہی کی طرف راجع ہے مگر ان کے درمیان ایک خبر کے ساتھ فرق کیا گیا ہے جس کا تسلیم کرنا واجب ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ توبہ کفر کو مٹا دیتی ہے پس جو اس سے کم ہوگا اس کو بدرجہ اولیٰ مٹا دے گی۔ واللہ اعلم۔ ابو عبید نے کہا: استثناء تمام سابقہ جملوں کی طرف راجع ہے۔ انہوں نے کہا: جس نے زنا کی طرف نسبت کی ہے وہ زنا کے مرتکب سے بڑا جرم کرنے والا نہیں، پھر جب زانی توبہ کرے تو اس کی شہادت قبول

ہوتی ہے کیونکہ ”گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہوتا ہے جس کا کوئی گناہ نہیں ہوتا“ (1)۔ جب اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے تو بندوں کو اس کی توبہ بدرجہ اولیٰ قبول ہونی چاہیے جبکہ اس استثنا کی مثل قرآن میں کئی جگہ موجود ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ - ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ٥١ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا (المائدہ)** اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ استثنا تمام جملوں کی طرف راجع ہے۔ زجاج نے کہا قاذف، کافر سے سخت مجرم نہیں۔ پس اس کا حق یہ ہے کہ جب وہ توبہ کرے اور اصلاح کرے تو اس کی شہادت قبول کی جائے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **أَبْدَأُ اس كَامَطَلَب هٖ جِب تِك وَه تِهْت لِكَا نِ وَالَا هٖ جِيسٖ كِهَا جَا تَا هٖ: لَاتَقْبِل شِهَادَةَ الْكَا فِر اَبْدَا اس كَامَطَلَب هٖ جِب تِك وَه كَا فِر هٖ۔ شِعبِي نِ اس مَسْلَهٗ مِيسْ مِخَالَفَت كِرْنِ وَا لِ كُو كِهَا: اللّٰه تَعَالٰى اس كِ تُوْبَهٗ قَبُول فِرْمَا تَا هٖ اُور تَم اس كِ شِهَادَت قَبُول نِهٖس كِرْتِهٖ۔**

بعض اصولیین کے نزدیک استثنا آخری جملہ کی طرف راجع ہے اور وہ **أُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ** ہے۔ یہ تعلیل ہے مستقل جملہ نہیں یعنی ان کے فسق کی وجہ سے ان کی شہادت قبول نہ کرو جب فسق زائل ہو جائے تو پھر ان کی شہادت قبول کیوں نہیں کی جائے گی؟ پھر تہمت لگانے والے کا توبہ کرنا اپنے نفس کو جھٹلانا ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ پر تہمت لگانے والوں کو صحابہ کی موجودگی میں کہا تھا۔ حالانکہ وہ واقعہ بصرہ سے حجاز تک اور دوسرے علاقوں تک پھیل چکا تھا۔ اگر آیت کی وہ تاویل ہوتی جو کوفیوں نے کی ہے تو صحابہ کرام سے اس کا علم غائب نہ ہوتا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہہ دیتے کہ تہمت لگانے والے کی توبہ ہمیشہ قبول نہیں ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ کتاب اللہ کی تاویل کی تحریف کے فیصلہ پر وہ خاموش رہیں ورنہ ان کا قول ساقط ہو جاتا۔ واللہ المستعان۔

مسئلہ نمبر 25۔ قشیری نے کہا: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب تہمت لگانے والے کو کوڑے نہ لگائے گئے ہوں مثلاً قاذف سے مطالبہ حد کرنے سے پہلے مقذوف مرجائے یا وہ مقدمہ سلطان تک نہ لے جائے یا مقذوف اسے معاف کر دے تو پھر اس کی شہادت قبول ہوگی کیونکہ خصم کے نزدیک بھی اس مسئلہ میں شہادت کی قبولیت سے نبی کوڑوں پر معطوف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَاَجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدًا وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شِهَادَةً اَبْدًا** امام شافعی نے اس مقام پر کہا: یہ حد لگنے سے پہلے حد لگنے کے وقت سے زیادہ برا ہے کیونکہ حد و تو کفارہ ہیں پھر اس کی کیسے شہادت رد کی جائے گی جو دو حالتوں میں سے بہتر حالت میں ہے نہ کہ گھٹیا حالت میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح کہا اور اس میں کوئی اختلاف نہیں اور ابن ماجہ سے پہلے روایت ہو چکا ہے کہ قذف کے ساتھ ہی اس کی شہادت رد ہو جائے گی؛ یہ لیٹ، اوزاعی اور شافعی کا قول ہے۔ اس کی گواہی رد کر دی جائے گی اگرچہ اسے حد نہ بھی لگی ہو کیونکہ تہمت لگانے کے ساتھ ہی وہ فاسق ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ گناہ کبیرہ ہے پس اس کی شہادت قبول نہ ہوگی حتیٰ کہ اس کی

برأت صحیح ہو جائے وہ اس طرح کہ جس پر تہمت لگائی گئی ہے وہ زنا کا اقرار کرے یا اس کے خلاف بیٹہ قائم ہو جائے۔
مسئلہ نمبر 26۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَاصْلِحُوا لِعَنِي تَوْبَةً كَمَا ظَهَرَ كَرِهَ**۔ بعض نے کہا: عمل کی اصلاح کرے۔ **فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ** ① جب وہ توبہ کریں اور ان کی توبہ قبول ہو۔

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ① **وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ** ② **وَإِذَا رَأَوْا عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَدَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ** ③ **وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ** ④ **وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ** ⑤

”اور وہ (خاوند) جو تہمت لگاتے ہیں اپنی بیویوں پر اور نہ ہوں ان کے پاس کوئی گواہ بجز اپنے تو ان کی شہادت کا یہ طریقہ ہے کہ وہ خاوند چار مرتبہ گواہی دے کہ بخدا وہ (یہ تہمت لگانے میں) سچا ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے اس پر اللہ تعالیٰ کی پشکار ہو اگر وہ کذب بیانی کرنے والوں میں سے ہے۔ اور ٹل سکتی ہے اس عورت سے حد کہ وہ گواہی دے چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہ وہ (خاوند) جھوٹا ہے۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ خدا کا غضب ہو اس پر اگر وہ (خاوند) سچا ہو اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی (تو تم بڑی الجھنوں میں پڑ جاتے) اور بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا بڑا دانا ہے۔“

اس میں تیس مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ، أَنفُسُهُمْ** بدل کی بنا پر مرفوع ہے اور استثنا اور یکن کی خبر کی بنا پر نصب بھی جائز ہے۔ **فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَدَاتٍ** کو فیوں کی قرأت مبتدا اور خبر کی بنا پر رفع کے ساتھ ہے یعنی ان میں سے ایک کی شہادت جس کی وجہ سے اس سے حد قذف زائل ہوگئی وہ چار شہادتیں ہیں۔ اہل مدینہ اور ابو عمرو نے اربعہ کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے (1)، کیونکہ **فَشَهَادَةُ** کا معنی **أَنْ يَشْهَدَ** ہے۔ تقدیر اس طرح ہے: **فَعَلِيهِمْ أَنْ يَشْهَدَ أَحَدُهُمْ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ** یا یہ تقدیر ہوگی: **فَالْأَمْرُ أَنْ يَشْهَدَ أَحَدُهُمْ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ** دوسری صورت میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ شہادت کی وجہ سے منصوب ہے۔ **الْخَامِسَةُ** مبتدا کی حیثیت سے مرفوع ہے اور خبر ان اور اس کا صلہ ہے اور ان مخففہ کا معنی مطلقہ کے معنی کی طرح ہے کیونکہ اس کا معنی ہے **أَنْفَ**۔ ابو عبد الرحمن، طلحہ اور عاصم نے حفص کی روایت میں **الْخَامِسَةَ** نصب کے ساتھ پڑھا ہے بمعنی **وَتَشْهَدُ الشَّاهِدَةُ الْخَامِسَةَ** اور باقی قراء نے ابتدا کی بنا پر رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور خبر **أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ** ہے یعنی **الشَّاهِدَةُ الْخَامِسَةُ** قوله لعنة الله عليه۔

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت کے نزول کا سبب وہ حدیث ہے جو ابو داؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ نے نبی کریم ﷺ کے پاس اپنی بیوی پر شریک بن سماء کے ساتھ بدکاری کرنے کی تہمت لگائی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”دلیل پیش کرو ورنہ پیٹھ پر حد قذف ہوگی“ (1)۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ جب ہم میں سے کوئی کسی کو اپنی بیوی پر دیکھے تو وہ دلیل تلاش کرے۔ نبی کریم ﷺ یہی فرماتے رہے ”دلیل پیش کرو ورنہ تیری پیٹھ پر حد ہوگی“۔ ہلال نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میں سچا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرے معاملہ میں ایسی چیز نازل فرمائے گا جو میری پیٹھ کو حد سے بری کرے گی تو یہ آیت نازل ہوئی: **وَالَّذِينَ يَزْمُونَ آثَٰمًا لِّمَا جَاءَهُمْ** آپ نے **لَعْنَةُ الصَّٰدِقِیْنَ** ① تک تلاوت کی۔ بعض علماء نے فرمایا جب سابقہ آیت **وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ نَازِل** ہوئی اس کا ظاہر ازواج (خاوندوں) اور دوسروں کو شامل تھا۔ حضرت سعد بن معاذ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پاؤں تو میں اسے چھوڑے رکھوں حتیٰ کہ میں چار گواہ لے آؤں۔ اللہ کی قسم! میں اسے تلوار کی دھار سے ماروں گا۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم سعد کی غیرت پر تعجب کر رہے ہو میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے“ (2)۔ حضرت سعد کے الفاظ میں روایات مختلف ہیں مفہوم ایک جیسا ہے۔ پھر اس کے بعد ہلال بن امیہ واقفی آئے اس نے اپنی بیوی پر شریک بن سماء بلوی کے ساتھ بدکاری کی تہمت لگائی جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اسے حد قذف لگانے کا عزم کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی پاک ﷺ نے ہلال اور اس کی بیوی کو مسجد میں جمع کیا اور انہوں نے لعان کیا۔ پانچویں مرتبہ قسم اٹھانے سے عورت ہچکچائی جب اسے نصیحت کی گئی اور کہا گیا کہ اس مرتبہ کی گواہی فیصلہ کن ہوگی۔ پھر کہنے لگی: میں ہمیشہ کے لیے اپنی قوم کو رسوا نہیں کرتی پس اس نے لعان مکمل کر دیا۔ نبی پاک ﷺ نے ان کے درمیان جدائی کر دی اس نے ایک بچہ جنم دیا جو نمیا لے اونٹ کی طرح تھا، اس صفت پر جو ناپسندیدہ تھی پھر اس کے بعد وہ بچہ مصر کا امیر بنا جبکہ وہ اپنا باپ نہیں جانتا تھا۔ عویر عجلانی آیا تھا اس نے بھی اپنی بیوی پر تہمت لگائی تھی اور لعان کیا تھا۔ مشہور یہ ہے کہ حضرت ہلال کا واقعہ پہلے تھا اور وہی آیت کے نزول کا سبب تھا۔ بعض نے کہا: عویر بن اشقر کا واقعہ پہلے تھا۔ یہ حدیث مشہور ہے ائمہ حدیث نے روایت کی ہے۔ ابو عبد اللہ بن ابی صفرہ نے کہا: صحیح یہ ہے کہ اپنی بیوی پر تہمت لگانے والا عویر تھا اور ہلال بن امیہ غلطی ہے۔ طبری نے کہا: حدیث میں ہلال بن امیہ کا قول منکر ہے کیونکہ تہمت لگانے والا عویر بن زید بن الجعد بن عجلانی تھا وہ نبی پاک ﷺ کے ساتھ جنگ احد میں شریک ہوا تھا اس نے اپنی بیوی پر شریک بن سماء کے ساتھ بدکاری کرنے کی تہمت لگائی تھی۔ سماء اس کی والدہ تھی۔ بعض نے کہا: اس کو سماء اس کے کالے ہونے کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ اور وہ ابن عبدہ بن الجعد بن عجلانی مؤرخین اور اہل الاخبار نے اسی طرح کہا ہے۔ بعض علماء نے کہا: نبی پاک ﷺ نے جمعہ کے دن خطبہ میں یہ آیات پڑھیں: **وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ** تو عاصم بن عدی انصاری نے کہا: اللہ مجھے آپ پر قربان کرے۔ اگر ہم میں سے کوئی کسی کو اپنی بیوی کے پیٹھ پر پائے پھر اس نے بات کی اور جو مسئلہ جاری ہوا تھا اس کے متعلق خبر دی اسے

اسی (80) کوڑے لگائے جائیں گے اور مسلمان اس کو فاسق کہیں گے اور اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اس وقت ہم میں سے کسی کے لیے چار گواہ لانا کیسے ممکن ہے۔ اور وہ چار گواہ تلاش کرنے کے لیے جائے گا تو وہ مرد اپنی خواہش پوری کر چکا ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اے عاصم بن عدی! اسی طرح حکم نازل ہوا ہے“۔ عاصم یہ حکم سنتے ہوئے اور اطاعت کرتے ہوئے باہر نکلا۔ اسے ہلال بن امیہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ (بقرہ) پڑھتے ہوئے ملا۔ عاصم نے پوچھا کیا ہوا۔ اس نے کہا: بہت بُرا ہوا ہے۔ میں نے شریک بن سماء کو اپنی بیوی خولہ کے پیٹ پر اس کے ساتھ زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ خولہ عاصم بن عدی کی بیٹی تھی۔ اس طریق میں اسی طرح ہے کہ جس نے اپنی بیوی کے ساتھ شریک کو پایا تھا وہ ہلال بن امیہ تھا۔ صحیح اس کے خلاف ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ کلبی نے کہا: اظہر یہ ہے کہ جس نے اپنی بیوی کے ساتھ شریک کو پایا تھا وہ عویمر عجلانی تھا کیونکہ کثرت سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عویمر اور اس کی بیوی میں لعان کرایا تھا۔ علماء کا اتفاق ہے کہ زانی شریک بن عبدہ تھا اس کی ماں سماء تھی۔ عویمر اور خولہ بنت قیس اور شریک عاصم کے چچا کی اولاد تھے۔ یہ واقعہ شعبان 9ھ میں ہوا تھا جب نبی پاک ﷺ تبوک سے مدینہ لوٹے تھے؛ یہ طبری کا قول ہے۔ اور دارقطنی نے حضرت عبد اللہ بن جعفر سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھا عویمر عجلانی اور اس کی بیوی کے درمیان لعان ہوا تھا۔ نبی پاک ﷺ غزوہ تبوک سے واپس ہوئے تھے۔ عویمر نے اس کے حمل کا انکار کیا تھا جو اس کے پیٹ میں تھا۔ عویمر نے کہا: یہ ابن سماء کا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے عویمر کو فرمایا: ”اپنی بیوی کو لے آؤ تمہارے متعلق قرآن نازل ہوا ہے“ (1)۔ پس ان کے درمیان عصر کے بعد ایک قالین پر منبر کے پاس لعان ہوا تھا۔ اس کے طریق میں سے واقدی عن ضحاک بن عثمان عن عمران بن ابی انیس بھی ہے فرمایا: میں نے عبد اللہ بن جعفر کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ آگے پورا واقعہ بیان کیا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَالَّذِينَ يَزْمُونَ اَزْوَاجَهُمْ** یہ ہر تہمت لگانے والے میں عام ہے۔ خواہ وہ کہے: تو نے زنا کیا ہے یا کہے: اے زانیہ! یا کہے: میں نے اسے زنا کرتے ہوئے دیکھا یا کہے: یہ بچہ میرا نہیں ہے۔ یہ آیت تمام صورتوں کو شامل ہے۔ اگر وہ خاوند چار گواہ نہ لائے تو لعان واجب ہوگا؛ یہ جمہور علماء اور عام فقہاء اور اہل حدیث کی جماعت کا نظریہ ہے۔ امام مالک سے اس کی مثل مروی ہے۔ امام مالک فرماتے تھے: لعان نہیں ہوگا مگر یہ کہ خاوند کہے میں نے تجھے زنا کرتے ہوئے دیکھا یا اس کے حمل کی نفی کرے یا اس کے بچہ کی نفی کرے۔ ابوالزناد، یحییٰ بن سعید اور البتی کا قول امام مالک کے قول کی طرح ہے کہ لعان تہمت لگانے سے واجب نہ ہوگا۔ یہ زنا کرتے ہوئے دیکھنے یا استبراء کے دعویٰ کے ساتھ حمل کی نفی کرے۔ یہ امام مالک کے نزدیک مشہور ہے یہ ابن القاسم کا قول ہے۔ صحیح پہلا قول ہے کیونکہ **وَالَّذِينَ يَزْمُونَ اَزْوَاجَهُمْ** کا قول عام ہے۔ ابن عربی نے کہا: قرآن کا ظاہر بغیر دیکھنے کے صرف تہمت لگانے سے لعان کے ایجاب کے لیے کافی ہے۔ پس قرآن کے ظاہر پر اعتماد کرو خصوصاً جبکہ حدیث صحیح میں بھی ہے۔ بتاؤ جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پائے۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”جاؤ اور اپنی بیوی کو لے آؤ“ (2)۔ آپ نے اسے دیکھنے کے ذکر کرنے کا مکلف نہیں کیا اور علماء کا اجماع ہے

کہ اندھا جب اپنی بیوی پر تہمت لگائے گا تو لعان ہوگا اگر دیکھنا لعان کے لیے شرط ہوتا تو اندھا لعان نہ کرتا؛ یہ ابو عمر کا قول ہے۔ ابن قسار نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ اندھے کا لعان صحیح نہیں ہے مگر یہ کہ وہ کہے: میں نے مرد کی فرج کو عورت کی فرج میں چھوا۔ امام مالک اور اس کے تابعین کی حجت ابو داؤد کی روایت ہے جو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے فرمایا: ہلال بن امیہ آیا یہ ان تین افراد میں سے ہے جن کی توبہ قبول کی گئی تھی وہ عشاء کے وقت اپنی زمین سے واپس آیا اس نے اپنے گھر والوں کے پاس ایک شخص دیکھا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا پھر اسے کچھ نہ کہا حتیٰ کہ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے گھر والوں کے پاس عشاء کے وقت آیا میں نے ان کے پاس ایک شخص کو پایا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا (1)۔ نبی پاک ﷺ نے اس کی بات کو پسند نہ فرمایا اور اس پر سختی کی تو یہ آیت نازل ہوئی: **وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ** الخ (2)، یہ نص ہے کہ وہ لعان جس کا نبی پاک ﷺ نے فیصلہ فرمایا تھا وہ دیکھنے کی صورت میں تھا۔ پس اس سے تجاوز کرنا درست نہیں جس نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی اور دیکھنے کا ذکر نہیں کیا تو اسے حد لگائی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عام ہے: **وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ**۔

مسئلہ نمبر 4۔ جب حمل کی نفی کرے تو لعان ہوگا کیونکہ یہ دیکھنے سے اقویٰ ہے اس کے بعد وطی کے نہ کرنے اور استبرا کا ذکر ضروری ہے۔ ہمارے علماء کا استبرا کے بارے میں اختلاف ہے۔ مغیرہ اور ایک قول میں امام مالک نے کہا: اس میں ایک حیض کافی ہے۔ امام مالک نے یہ بھی کہا کہ وہ نفی نہ کرے مگر تین حیض کے ساتھ (3)۔ صحیح پہلا قول ہے رحم کی برأت تو ایک حیض سے بھی ہو جاتی ہے جیسا کہ لونڈی کے استبرا میں ہے اور ہم نے عدت میں تین حیضوں کی رعایت رکھی ہے دوسرے حکم کی وجہ سے جس کا بیان ان شاء اللہ سورہ طلاق میں آئے گا۔ نحی نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے فرمایا: استبرا کے ساتھ بچے کی نفی نہیں کی جائے گی کیونکہ حیض حمل میں بھی آتا ہے؛ یہی اشہب نے ابن المواز کی کتاب میں کہا ہے۔ یہی قول مغیرہ کا ہے اور انہوں نے کہا: بچے کی نفی نہیں کی جائے گی (4) مگر پانچ سال کے ساتھ کیونکہ یہ اکثر مدت حمل ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ ہمارے نزدیک لعان میاں، بیوی کے درمیان ہوگا خواہ وہ آزاد ہوں یا غلام ہوں، مومن ہوں یا کافر ہوں، فاسق ہوں یا عادل ہوں۔ یہی امام شافعی کا قول ہے۔ آزاد آدمی اور اس کی لونڈی کے درمیان اور ام ولد کے درمیان لعان نہیں ہے۔ بعض علماء نے کہا: لونڈی کے بچے کی نفی نہ ہوگی مگر ایک قسم کے ساتھ بخلاف لعان کے۔ بعض علماء نے کہا: جب ام ولد کے بچے کی نفی کرے گا تو لعان ہوگا۔ پہلا قول امام مالک کا مذہب ہے اور وہی صحیح ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: لعان صحیح نہیں ہے مگر دو آزاد مسلمان میاں بیوی کے درمیان کیونکہ لعان امام ابو حنیفہ کے نزدیک شہادت ہے۔ ہمارے نزدیک اور امام شافعی کے نزدیک قسم ہے اور ہر وہ شخص جس کی قسم صحیح ہے اس کا قذف اور لعان بھی صحیح ہے اور علماء کا اتفاق ہے

2۔ ابو داؤد، کتاب الطلاق، باب اللعان، حدیث 1923

1۔ اسباب النزول، صفحہ 164

4۔ ایضاً

3۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 164

کہ میاں بیوی کے لیے مکلف ہونا ضروری ہے اور عویمیر کے قول ”کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پائے“ یہ دلیل ہے کہ لعان میاں، بیوی کے درمیان ہوگا کیونکہ کسی مرد سے مرد کو اور عورت کو عورت سے خاص نہیں کیا اور لعان کی آیت اس جواب پر نازل ہوئی فرمایا: وَالَّذِينَ يَزْمُونَ اَزْوَاجَهُمْ كَسِيَ خَاوَدُ كُوْ خَاصٌ نَّهِيَسُ كِيَا فَرَمَا يَا: يَهِي اَمَام مَالِك اور اہل مدینہ کا مذہب ہے۔ امام شافعی، احمد، اسحاق، ابو عبید اور ابو ثور کا قول ہے اور لعان نکاح کے فسخ کا موجب ہے پس یہ طلاق کے مشابہ ہے اور جس کی طلاق جائز ہے اس کا لعان بھی جائز ہے۔ لعان قسمیں ہیں شہادت نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو سب کہنے والوں سے سچا ہے: لَشَهَادَتُنَّآ اَحْسُ مِنْ شَهَادَتَيْهِمَا (المائدہ: 107) یعنی ایسا نسا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذَا جَاءَكَ الْمُنْفِقُونَ قَالُوا لَنْ نَسْهَدَ اِنَّكَ لَرَسُولُ اللّٰهِ (المنافقون) پھر فرمایا: اِتَّخَذُوا اٰيْمَانَهُمْ جُنَّةً (المجادلہ: 16) اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اگر قسمیں نہ ہوتیں تو میرے لیے اور اس کے لیے، اور معاملہ ہوتا“ (1) اور ہے وہ دلائل جن سے امام ابو حنیفہ اور ثوری نے حجت پکڑی ہے وہ قوی نہیں ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے جو عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے انہوں نے اس کے دادا حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت کی ہے فرمایا نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”چار افراد ایسے ہیں جن کے درمیان لعان نہیں ہے آزاد اور لونڈی کے درمیان لعان نہیں ہے، آزاد عورت اور غلام خاوند کے درمیان لعان نہیں ہے، مسلمان مرد اور یہودی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے، مسلمان مرد اور نصرانی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے۔“ اس حدیث کو دارقطنی نے کئی طرق سے روایت کیا ہے اور تمام کے تمام ضعیف ہیں۔ اوزاعی اور ابن جریج سے مروی ہے وہ دونوں امام ہیں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے یہ قول مروی ہے اور انہوں نے اس کو نبی کریم ﷺ تک مرفوع نہیں کیا ہے اور نظر کی حجت سے اس طرح حجت پکڑی ہے کہ جب خاوندوں کی جملہ شہداء (گواہ) سے استثناء کی گئی ہے، ارشاد فرمایا: وَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ لَشَهَدَآءٌ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ تو واجب ہے کہ لعان نہ کیا جائے مگر جس کی شہادت جائز ہو اگر یہ قسم ہوتی تو رد نہ کی جاتی اور ان کی تردید میں حکمت تعداد میں اس کو زنا میں شہود کے قائم مقام کرنا ہے۔ ہم کہتے ہیں: یہ قسامت کی یسین کے ساتھ باطل ہے اس کا تکرار کیا جاتا ہے۔ اور بالا جماع وہ شہادت نہیں ہے اور اس کے تکرار میں حکمت فروج اور خونوں میں تغلیظ ہے۔ ابن عربی نے کہا: قول فیصل یہ ہے کہ یہ قسمیں ہیں شہادت نہیں کیونکہ خاوند اپنے لیے اپنے دعویٰ کے اثبات میں اور اپنے آپ کو عذاب سے بچانے کے لیے قسمیں اٹھاتا ہے اور کسی کے لیے یہ کیسے جائز ہوگا کہ وہ شریعت میں دعویٰ کرے کہ گواہ اپنے لیے ایسی گواہی دے گا جو غیر پر کوئی حکم ثابت کر دے گی۔ یہ اصل میں بعید ہے اور نظر میں معدوم ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ گونگے کے لعان کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا: وہ لعان کرے گا کیونکہ اس کی طلاق، ظہار اور ایلاء صحیح ہے جب اس کے اشارہ سے سمجھا جائے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: وہ لعان نہیں کرے گا کیونکہ وہ اہل شہادت میں سے نہیں ہے کیونکہ وہ زبان سے دی جاتی ہے، پس لعان نہیں ہوگا اور ہمارے لیے اس پر حد لگانا ممکن نہیں ہے۔ یہ مفہوم سورہ مریم میں گز چکا ہے۔ اور دلیل بھی بیان ہو چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ ابن عربی نے کہا: امام ابوحنیفہ آیت کے عموم کا اعتبار کرتے ہیں اس لیے فرمایا: جب کوئی مرد اپنی بیوی پر اس سے شادی کرنے سے پہلے تہمت زنا لگائے تو وہ لعان کرے گا۔ اور وہ یہ بھول گئے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ اس نے محصنة پر تہمت لگائی ہے، زوجہ پر تہمت نہیں لگائی ہے۔ لعان اس قذف (تہمت) میں ہوتا ہے جس میں نسب لاحق ہو اور یہ ایسا قذف ہے جس میں نسب لاحق نہیں ہوتا۔ پس لعان کو ثابت نہیں کرے گا جیسے اگر وہ کسی اجنبیہ پر تہمت لگاتا ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ جب طلاق کے بعد عورت پر خاوند تہمت لگائے تو وہ دیکھے اگر وہاں نسب ہے جس کی وہ نفی کرنا چاہتا ہے یا کوئی حمل ہے جس سے براءت چاہتا ہے تو لعان ہوگا ورنہ لعان نہیں ہوگا۔ عثمان البتی نے کہا: کسی حال میں لعان نہ ہوگا کیونکہ وہ اس کی بیوی نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: دونوں صورتوں میں لعان نہ ہوگا کیونکہ وہ اس کی بیوی نہیں ہے۔ یہ اس مسئلہ کے خلاف ہو جاتا ہے جب زوجیت میں لانے سے پہلے تہمت لگاتا ہے جیسا کہ ابھی ہم نے ذکر کیا ہے بلکہ یہ اولیٰ ہے کیونکہ نکاح ہو چکا ہے اور وہ نسب سے نفی کرنا چاہتا ہے اور اس بچے سے براءت چاہتا ہے جو اسے لاحق کیا جاتا تھا۔ پس لعان ضروری ہے جب وہاں ایسا حمل نہ ہو جس کی امید ہو اور نہ نسب ہو جس کے تعلق کا خوف ہو۔ لعان کا کوئی فائدہ نہیں پس لعان کا حکم نہیں کیا جائے گا۔ یہ مطلق قذف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول: وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ کے عموم کے تحت داخل ہے۔ پس اس پر حد ہوگی اور جو البتی نے کہا اس کے فساد کے ظہور کی وجہ سے وہ باطل ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ عدت کے ختم ہونے کے بعد میاں، بیوی میں لعان نہ ہوگا مگر ایک مسئلہ میں وہ یہ ہے کہ مرد غائب ہو اور عورت بچہ جنم دے اس کے غائب ہونے کی حالت میں جبکہ اسے معلوم نہ ہو کہ اس نے بچہ جنم دیا ہے۔ پس وہ اسے طلاق دیتا ہے پھر اس کی طلاق کی عدت گزر جاتی ہے بعد میں وہ آتا ہے اور اس بچے کی نفی کرتا ہے تو اس کے لیے اس عورت سے عدت کے بعد لعان کرنا جائز ہے اسی طرح اگر وہ عورت کی وفات کے بعد آیا اور بچے کی نفی کی تو وہ اپنے لیے لعان کرے گا جبکہ وہ عدت کی مدت کے بعد مر چکی ہے اور وہ مرد اس کا وارث بنے گا کیونکہ وہ ان کے درمیان فرقت کے وقوع سے پہلے فوت ہو گئی تھی۔

مسئلہ نمبر 10۔ جب حمل کی نفی کرے اور وہ اس کی شرط کے ساتھ واقع ہو تو وضع حمل سے پہلے لعان کرے گا؛ یہ امام شافعی کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: وضع حمل کے بعد لعان کرے گا کیونکہ ممکن ہے کہ پیٹ میں ہو اور کوئی بیماری ہو اور ہماری دلیل نص صریح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے وضع سے پہلے لعان کرایا اور فرمایا: ”اگر وہ ایسا ایسا بچہ جنم دے گی تو وہ اپنے باپ کا ہوگا اور اگر ایسا ایسا بچہ جنم دے گی تو وہ فلاں کا ہوگا“ (1) تو اس عورت نے ناپسندیدہ صفت پر بچہ جنم دیا۔

مسئلہ نمبر 11۔ اگر مرد اپنی بیوی پر دربر میں وطی کی تہمت لگائے تو لعان کرے گا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: لعان نہیں کرے گا۔ ان کی بنیاد ان کی اصل پر ہے کہ لو اطم سے حد ثابت نہیں ہوتی۔ یہ فاسد ہے کیونکہ تہمت لگانا ایک فساد ہے اور یہ اس ارشاد کے عموم کے تحت داخل ہے: وَالَّذِينَ يَزْمُونَ آلَ وَإِجْتِمَاعُ یہ مسئلہ سورہ الاعراف اور سورہ المؤمنون میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ ابن العربی نے کہا: اس شخص کے عجیب مسئلہ میں سے یہ ہے کہ جب کوئی اپنی بیوی اور بیوی کی ماں پر زنا کی تہمت لگائے اگر اسے ماں کی وجہ سے حد لگائی جائے گی تو بیٹی کی حد ساقط ہو جائے گی اگر بیٹی کی وجہ سے لعان ہوگا تو ماں کی وجہ سے حد ساقط نہ ہوگی۔ اس کی کوئی وجہ نہیں۔ میں نے اس میں ان کے لیے کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو حکایت کی گئی ہو۔ یہ بالکل باطل ہے کیونکہ آیت کے عموم کو ماں کی حد کی وجہ سے بیٹی میں خاص کیا ہے اور وہ زوجہ ہے۔ اس میں نہ کوئی اثر ہے اور نہ اصل ہے جس پر اس نے قیاس کیا ہو۔

مسئلہ نمبر 13۔ جب اپنی بیوی پر تہمت لگائے پھر وہ لعان سے پہلے زنا کر لے تو نہ حد ہوگی اور نہ لعان ہوگا۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ ثوری اور مزنی نے کہا: قاذف سے حد ساقط نہ ہوگی اور تہمت لگائے جانے کے بعد مقذوف کا زنا اس کی متقدم حصانت میں قدح کا باعث نہیں ہے اور وہ اسے نہیں اٹھائے گا کیونکہ حصانت اور عفت کا اعتبار حالت قذف میں ہے نہ کہ اس کے بعد ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان پر قذف لگائے پھر مقذوف مرتد ہو جائے قذف کے بعد اور قاذف کو حد لگانے سے پہلے تو اس سے حد ساقط نہ ہوگی۔ نیز حدود تمام وجوب کے وقت معتبر ہوتی ہیں نہ کہ حدود کے قائم کرنے کے وقت معتبر ہوتی ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ لعان اور حد کے حصول سے پہلے ایک معنی ظاہر ہو چکا ہے اگر وہ ابتدا میں موجود ہوتا تو لعان کی صحت اور حد کے وجوب کے مانع ہوتا۔ اسی طرح جب دوسرے میں طاری ہو جیسے دو گواہ گواہی دیں جن کا ظاہر عدالت ہو اور حاکم نے ان کی شہادت کے ساتھ فیصلہ نہیں دیا حتیٰ کہ زنا کرے یا شراب پینے کے ساتھ ان کا فسق ظاہر ہو جائے تو حاکم کے لیے جائز نہیں کہ ان کی اس شہادت کے ساتھ فیصلہ دے۔ اسی طرح عفت و احسان کا حکم ظاہر کے طریق سے ہوگا قطع اور یقین کی حیثیت سے نہ ہوگا نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مومن کی پیٹھ محفوظ ہے“ (1)۔ قاذف کو حد نہیں لگے گی مگر دلیل قطعی کے ساتھ۔ وباللہ التوفیق۔

مسئلہ نمبر 14۔ جس نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی جبکہ وہ اتنی عمر میں بڑی ہے کہ اسے حمل نہیں ہوتا تو لعان ہوگا اور وہ حد کو دور کرنے کے لیے لعان کرے گا اور یہ عذاب کو دور کرنے کے لیے لعان کرے گی۔ اگر وہ بالکل چھوٹی ہو جس کو حمل نہیں ہو سکتا تو لعان ہوگا مرد کو دور کرنے کے لیے لعان کرے گا اور وہ لعان نہیں کرے گی کیونکہ اگر اقرار کرے تب بھی اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔ ابن الماجشون نے کہا: اس قاذف پر حد نہیں ہے جو نابالغ پر تہمت لگائے (2)۔ نخعی نے کہا: اس بنا پر چھوٹی بچی کے خاوند پر لعان نہیں ہے جو حاملہ نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ نمبر 15۔ جب کسی عورت پر چار گواہ زنا کی گواہی دیں ایک ان میں سے اس کا خاوند ہو۔ خاوند لعان کرے گا اور باقی تین کو حد لگے گی؛ یہ امام شافعی کا ایک قول ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ انہیں حد نہیں لگائی جائے گی۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: جب خاوند اور تین اور شخص ابتداً شہادت دیں تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی اور عورت کو حد لگائے جائے گی۔ ہماری دلیل یہ ارشاد ہے: **وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ اللَّهُ تَعَالَى** نے خبر دی کہ جس نے محسن پر تہمت لگائی اور چار گواہ نہ لایا

تو اس کو حد لگائی جائے گی اس کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ تہمت لگانے والے کے علاوہ چار گواہ لائے اور خاوند اپنی بیوی پر تہمت لگانے والا ہے۔ پس وہ اس سے خارج ہو گیا کہ وہ گواہوں میں سے ایک ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 16۔ جب عورت کا حمل ظاہر ہوا پھر خاوند نے اس کی نفی کو ترک کر دیا تو سکوت کے بعد اس کو نفی کرنے کا حق نہیں۔ شرح اور مجاہد نے کہا: اس کو ہمیشہ نفی کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ خطا ہے کیونکہ علم کے بعد اس کا سکوت رضا ہے جیسے اگر پہلے اقرار کرے پھر نفی کرے تو اس کی نفی قبول نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 17۔ اگر اس نے نفی کو موخر کیا یہاں تک کہ اس نے وضع حمل کر لیا اور اس نے کہا: ہو سکتا ہے ہوا ہو یا وہ اسے گرا دے تو قذف سے میں راحت پاؤں گا۔ کیا اس کے وضع حمل کے کچھ عرصہ بعد نفی کر سکتا ہے جب وہ اس عرصہ سے تجاوز کرے گا تو اسے نفی کا اختیار نہ ہوگا۔ اس میں اختلاف ہے ہم کہتے ہیں: جب اس کو سکوت میں کوئی عذر نہ ہو حتیٰ کہ تین دن گزر گئے اور وہ اس پر راضی تھا تو اب اس کے لیے نفی کرنا جائز نہیں؛ یہ امام شافعی کا قول ہے نیز انہوں نے فرمایا: جب اس کے لیے نفی کرنا ممکن تھا جیسا کہ عادت جاری ہے حاکم کی طرف اس کے لیے نفی ممکن تھی پھر اس نے ایسا نہیں کیا تو اس کے بعد اس کے لیے نفی کرنا جائز نہ ہوگا۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: میں مدت کا اعتبار نہیں کرتا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا: اس میں چالیس دن معتبر ہوں گے یعنی مدت نفاس۔ ابن القصار نے کہا: ہمارے قول کی دلیل یہ ہے کہ اپنے بچے کی نفی کرنا اس پر حرام کیا گیا ہے۔ اور بچے کا لاحق کرنا اس پر حرام نہیں کیا گیا پس اس پر وسعت کرنا ضروری ہے تاکہ غور و فکر کر لے۔ کیا اس کے لیے نفی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ہم نے حد کو تین دن بتایا ہے کیونکہ یہ کثرت کی ابتدائی حد ہے اور قلت کی حد کا آخر ہے تین دن مدت رکھی ہے کیونکہ اس کے ساتھ مصراۃ (جس کا دودھ روکا گیا ہو) حال معلوم کیا جاتا ہے۔ پس یہاں بھی یہی ہونا چاہیے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ان کا اعتبار، مدت ولادت اور رضاع کے اعتبار سے اولیٰ نہیں ہے کیونکہ شریعت میں ان کی کوئی شہادت نہیں ہے جبکہ ہم نے شریعت میں مصرات کی مدت سے شاہد ذکر کر دیا ہے۔

مسئلہ نمبر 18۔ ابن القصار نے کہا: جب عورت اپنے خاوند یا کسی اجنبی شخص کو کہے: یا زانیہ ہاء کے ساتھ اور اسی طرح اجنبی، اجنبی کو کہے تو اس میں اپنے اصحاب کی نص نہیں دیکھتا لیکن میرے نزدیک یہ قذف ہوگا اور ایسا کہنے والے پر حد ہوگی اور اس نے ایک حرف زائدہ کیا ہے۔ اور یہی امام شافعی اور امام محمد بن حسن کا قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف نے کہا: یہ قذف نہ ہوگا اور علماء کا اتفاق ہے جب کوئی اپنی بیوی کو کہے: یا زانیہ تو قذف ہوگا۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ یہ مراد میں قذف ہے یہ خطاب ہے جب اس کا معنی سمجھا جائے گا تو اس کا حکم ثابت ہوگا خواہ وہ عجمی لفظ ہو یا عربی لفظ ہو۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ اس نے جب عورت کو کہا: زینت (تاء کے فتح کے ساتھ) تو قذف ہوگا کیونکہ اس کا معنی اس سے سمجھا جا رہا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ مونث کو مذکر کے خطاب کے ساتھ مخاطب کرنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَالَ نِسْوَةٌ (یوسف: 30) تو یا زانیہ کا قول مونث کے لیے قذف ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور جب مذکر کا فعل مونث لانا جائز نہیں جب وہ اس پر مقدم ہو اور مونث کو اس کے ساتھ خطاب کرنے کی وجہ سے حکم ثابت نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 19۔ نکاح فاسد میں بھی اپنی بیوی سے لعان کرے گا کیونکہ وہ اس کی فراش ہوگئی تھی اور اس میں نسب لاحق ہوگا؛ پس اس پر لعان بھی جاری ہوگا۔

مسئلہ نمبر 20۔ جب خاوند لعان کرنے سے انکار کر دے تو علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اس پر حد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اجنبی پر حد رکھی ہے اور خاوند پر لعان۔ جب لعان، اجنبی کی طرف منتقل نہیں ہوتا تو حد بھی خاوند کی طرف منتقل نہ ہوگی اور اسے قید کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ لعان کرے کیونکہ حدود قیاساً مؤخر نہیں کی جاتی ہیں۔ امام مالک، امام شافعی اور جمہور نے کہا: جب خاوند لعان نہیں کرے گا تو اسے حد لگائی جائے گی کیونکہ اس کے لیے لعان پر برأت تھی جیسے اجنبی کے لیے شہود (گواہ) ہوتے ہیں اگر اجنبی شخص چار گواہ نہ لائے تو اسے حد لگائی جاتی ہے اسی طرح خاوند لعان نہیں کرے گا تو اس کو حد لگائی جائے گی۔ عجلانی کی حدیث میں جو ہے وہ اس پر دلیل ہے اس نے کہا تھا: اگر میں خاموش ہوں گا تو غصہ پر خاموش ہوں گا اگر میں قتل کروں گا تو مجھے قتل کیا جائے گا اور اگر میں بولوں گا تو مجھے کوڑے لگائے جائیں گے۔

مسئلہ نمبر 21۔ اس میں اختلاف ہے کہ کیا خاوند کے لیے گواہوں کے ساتھ لعان ہوگا؟ امام مالک اور امام شافعی نے کہا: وہ لعان کرے گا خواہ اس کے لیے گواہ ہوں یا گواہ نہ ہوں کیونکہ گواہوں کا حد کو دور کرنے کے علاوہ کوئی کام نہیں ہے۔ رہا فراش کا اٹھنا اور بچے کی نفی تو اس میں ضرور لعان ہوگا۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: لعان خاوند کے لیے ہے جب اس کے لیے اپنی ذات کے علاوہ گواہ نہ ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ**۔

مسئلہ نمبر 22۔ لعان میں آغاز اس سے ہوگا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آغاز فرمایا اور وہ خاوند ہے اس کا فائدہ اس کا حد کو دور کرنا ہے اور اپنے سے نسب کی نفی کرنا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”دلیل پیش کرو ورنہ تیری پیٹھ پر حد لگے گی“۔ اگر عورت سے لعان کا آغاز کیا گیا تو جائز نہ ہوگا کیونکہ جو ترتیب اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس کا برعکس ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: جائز ہوگا۔ یہ درست نہیں کیونکہ یہ قرآن کے خلاف ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے جس کی طرف وہ لوٹے اور نہ کوئی ایسا مفہوم ہے جو اسے تقویت دے بلکہ ہمارے لیے معنی ہے کیونکہ عورت جب لعان سے آغاز کرے گی تو وہ اس کی نفی کرے گی جو اس نے ثابت بھی نہیں کیا اور اس کی کوئی وجہ نہیں۔

مسئلہ نمبر 23۔ لعان کی کیفیت یہ ہے کہ حاکم لعان کرنے والے مرد سے کہے کہ تو کہہ: اشہد باللہ میں نے اسے زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے اور میں نے زانی کی فرج اس کی فرج میں اس طرح دیکھی ہے جس طرح سرمہ دانی میں سرچو اور میں نے اسے دیکھنے کے بعد اس سے وطی نہیں کی۔ اگر چاہے تو تو کہے اس نے زنا کیا ہے اور اس کے زنا کے بعد میں نے اس سے وطی نہیں کی۔ ان دو لفظوں میں سے جو چاہے چار مرتبہ بیان کرے اگر وہ ان قسموں سے یا ان میں سے ایک سے انکار کرے گا تو اسے حد لگائی جائے گی۔ اور جب وہ حمل کی نفی کرے گا تو کہے گا: اشہد باللہ میں نے اس سے استبرا کیا ہے اور اس کے بعد میں نے اس سے وطی نہیں کی تھی اور یہ حمل مجھ سے نہیں ہے اور حمل کی طرف اشارہ کرے اور وہ چار مرتبہ یہ قسم اٹھائے اور ہر قسم میں کہے: میں نے اس کے بارے میں جو کہا ہے اس میں میں سچوں میں سے ہوں پھر پانچویں مرتبہ کہے:

عن لعنة الله إن كنت من الكاذبين۔ مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹے لوگوں سے ہوں۔ اگر چاہے تو یہ کہے: اگر میں جھوٹا ہوں اس میں جو میں نے اس کے بارے میں کہا: جب وہ یہ کہے گا تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی اور اس سے بچے کی نفی ہو جائے گی۔ جب مرد لعان سے فارغ ہو جائے گا تو اس کے بعد عورت کھڑی ہوگی اور چار قسمیں اٹھائے گی وہ اس میں کہے گی: اشهد باللہ وہ جھوٹا ہے یا وہ جو میرے بارے میں اس نے دعویٰ کیا ہے اور جو میرے بارے میں اس نے ذکر کیا ہے اس میں جھوٹوں میں سے ہے۔ اگر وہ حاملہ ہو تو کہے: میرا یہ حمل اس سے ہے پھر پانچویں مرتبہ کہے: وعلی غضب اللہ إن کان صادقاً، مجھ پر اللہ کا غضب ہوگا اگر وہ سچا ہے یا کہے: اگر وہ اس قول میں سچوں میں سے ہے اور جس نے قذف کے ساتھ لعان کو واجب کیا وہ ان چار شہادتوں میں سے ہر شہادت میں کہے گا: اشهد باللہ میں اس میں سچوں میں سے ہوں جو میں نے فلانی پر زنا کی تہمت لگائی ہے اور پانچویں مرتبہ کہے گا: علی لعنة الله إن كنت كاذباً فيما رميتها به من الزنا، یعنی مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں اس میں جو میں نے اس پر زنا کی تہمت لگائی ہے اور عورت کہے گی: اشهد باللہ اس نے جو مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے اس میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے گی: مجھ پر اللہ کا غضب ہوگا اگر وہ سچا ہے جو اس نے مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: لعان کرنے والا کہے: اشهد باللہ میں سچوں میں سے ہوں اس میں جو میں نے اپنی زوجہ فلانہ بنت فلاں پر تہمت لگائی ہے اور اگر وہ موجود ہو تو اس کی طرف اشارہ کرے۔ مرد یہ چار مرتبہ کہے: پھر امام اسے وعظ و نصیحت کرے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اسے یاد دلائے اور کہے: میں ڈرتا ہوں کہ اگر سچا نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ہوگا اور اگر وہ دیکھے کہ وہ پانچویں مرتبہ کہنا چاہتا ہے تو حاکم کسی کو حکم دے کہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھے اور اسے کہے: تیرا یہ قول کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹوں میں سے ہوں، حکم کو ثابت کر دے گا اگر وہ انکار کرے کہ وہ قسم اٹھائے گا تو وہ کہے: مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر میں جھوٹوں میں سے ہوں اس میں جو میں نے فلاں پر زنا کی تہمت لگائی ہے۔ انہوں نے ابوداؤد کی حدیث سے حجت پکڑی ہے جو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لعان کرنے والے کے منہ پر ہاتھ رکھے پانچویں مرتبہ کہنے سے پہلے اور اسے کہے کہ یہ حکم ثابت کر دے گی (1)۔

مسئلہ نمبر 24۔ علماء کا اختلاف ہے اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی عورت پر کسی شخص کے ساتھ بدکاری کی تہمت لگائی اور اس مرد کا نام بھی لے لیا کیا اسے حد لگائی جائے گی یا نہیں؟ امام مالک نے فرمایا: اس پر اس کی بیوی کی وجہ سے لعان ہوگا اور جس شخص پر اس نے تہمت لگائی اس کی وجہ سے خاوند پر حد ہوگی: یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کیونکہ اس نے اس پر تہمت لگائی جس کو تہمت لگانے کی اسے ضرورت نہ تھی۔ امام شافعی نے فرمایا: اس شخص (خاوند) پر حد ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیوی پر تہمت لگانے والے پر صرف ایک حد لگائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِينَ يَزْمُونَ اَزْوَاجَهُمْ اس میں کوئی تفریق نہیں جس نے متعین شخص کا ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ عجلانی نے اپنی بیوی پر شریک کے ساتھ بدکاری کی تہمت لگائی تھی اسی طرح ہلال بن امیہ نے کہا تھا تو اسے ایک حد لگائی گئی۔ ابن عربی نے کہا: ہمارے لیے قرآن کا ظاہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے اجنبی اور بیوی کے قذف میں مطلق حد رکھی ہے پھر بیوی کی حد کو لعان کے ساتھ خلاصی پانے کے ساتھ خاص کیا ہے اور مطلق آیت پر اجنبی باقی ہے۔ عجلانی کو شریک کی وجہ سے اور ہلال کو شریک کی وجہ سے حد نہیں لگائی گئی تھی کیونکہ اس نے حد کا مطالبہ ہی نہیں کیا تھا اور حد قذف مطالبہ کے بعد امام ہی قائم کرے گا اس پر اجماع ہے۔

مسئلہ نمبر 25۔ جب لعان کرنے والے لعان سے فارغ ہو جائیں تو وہ آپس میں جدا ہو جائیں گے ہر ایک اپنے ساتھی سے جدا ہو کر مسجد کے اس دروازے سے نکلے گا جس سے اس کا ساتھی نہ نکلا ہوگا۔ اگر دونوں ایک دروازہ سے بھی نکلیں تو ان کے لعان کو کوئی نقصان نہ ہوگا اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ لعان جامع مسجد میں ہوگا جس میں جمعہ ہوتا ہو، سلطان یا اس کے قائم مقام کی موجودگی میں ہوگا۔ اہل علم کی ایک جماعت نے مستحب قرار دیا ہے کہ لعان جامع مسجد میں عصر کے بعد ہو اور نصرانی عورت اپنے مسلمان خاوند سے لعان اس جگہ کرے گی جس کی وہ تعظیم کرتی ہے جیسے کنیہ جیسا کہ مسلمان عورت اس جگہ لعان کرتی ہے جس کی وہ تعظیم کرتی ہے۔

مسئلہ نمبر 26۔ امام مالک اور اس کے اصحاب نے کہا: لعان مکمل ہونے کے ساتھ لعان کرنے والوں کے درمیان فرقت واقع ہو جائے گی۔ وہ کبھی جمع نہیں ہوں گے اور کبھی ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے اور مرد کے لیے کبھی بھی اس عورت سے رجوع حلال نہیں نئے خاوند سے پہلے بھی اور بعد میں بھی؛ یہ لیث بن سعد، زفر بن ہذیل اور اوزاعی کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن نے کہا: لعان سے فارغ ہونے کے ساتھ فرقت واقع نہ ہوگی حتیٰ کہ حاکم ان کے درمیان تفریق کرے؛ یہ ثوری کا قول ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کی اور فرقت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا سبیل لک علیہا (1) تیرے لیے اس پر کوئی سبیل نہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: جب خاوند شہادت اور لعان کو مکمل کرے گا تو اس کی بیوی کافراش ہونا زائل ہو جائے گا خواہ عورت لعان کرے یا نہ کرے۔ فرمایا: عورت کا لعان کرنا یہ اپنے آپ سے حد کو دور کرنے کے لیے ہے اور کوئی اس کا مقصد نہیں اور عورت کے فراش کے زوال میں عورت کے لعان کا کوئی فائدہ نہیں۔ جب خاوند کا لعان بچے کی نفی کرتا ہے اور حد کو اٹھادیتا ہے تو فراش (عورت کا بستر ہونا) اٹھ جائے گا۔ عثمان البتی کے نزدیک لعان میاں بیوی کی عصمت سے کچھ کمی نہیں کرتا حتیٰ کہ خاوند اسے طلاق دے۔ یہ ایسا قول ہے جو صحابہ میں سے کسی نے نہیں کیا ہے، نیز البتی کے نزدیک لعان کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ لعان کے بعد طلاق دے۔ اس سے پہلے اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔ پس یہ دلیل ہے کہ اس کے نزدیک لعان نے ایک حکم پیدا کر دیا ہے۔ عثمان کے قول کے مطابق جابر بن زید کا قول ہے جو طبری نے ذکر کیا ہے۔ اسے نعمی نے محمد بن ابی صفرہ سے حکایت کیا ہے۔ مشہور مذہب یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان لعان کا مکمل ہونا فرقت ہے۔ اس مقالہ والوں نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ کتاب اللہ میں یہ نہیں ہے جب مرد لعان کرے یا عورت لعان کرے گی تو فرقت واقع ہو جائے گی اور عمو میر کے قول سے حجت پکڑی ہے کہ اگر میں اس کو روکوں تو میں نے اس پر جھوٹ

بولاً۔ پس اس نے اسے تین طلاقیں دے دیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس پر کوئی انکار نہ کیا اور اسے نہیں فرمایا کہ تو نے یہ کیوں کیا؟ تو اس کا محتاج نہیں تھا کیونکہ لعان کے ساتھ طلاق ہو چکی تھی۔ امام مالک اور ان کی موافقت کرنے والے علماء کی حجت نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: لا سبیل لك علیہا (1)، اب تجھے اس پر کوئی اختیار نہیں۔ یہ اعلام ہے کہ لعان کا مکمل ہونا اس کی گرفت اس سے اٹھا دیتا ہے اور ان کے درمیان جدائی کرنا نئے حکم کے ساتھ نہیں ہے۔ یہ نافذ کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان دوری کو واجب کیا ہے یہی لغت میں لعان ہے۔

مسئلہ نمبر 27۔ جمہور علماء کا خیال ہے کہ لعان کرنے والے کبھی آپس میں نکاح نہیں کریں گے اگر مرد اپنے آپ کو جھٹلائے گا تو اسے حد لگائی جائے گی اور بچہ اس کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا اور عورت کبھی اس مرد کی طرف نہیں لوٹ سکتی یہی سنت ہے جس میں کوئی شک اور اختلاف نہیں۔ ابن المنذر نے عطا سے روایت کیا ہے کہ لعان کرنے والا لعان کے بعد جب اپنے آپ کو جھٹلائے گا تو اسے حد نہیں لگائی جائے گی۔ اور عطا نے کہا: وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی لعنت کی وجہ سے جدا ہو گئے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد نے کہا: جب وہ اپنے آپ کو جھٹلائے تو اسے حد لگائی جائے گی اور بچہ اس کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا اور وہ دوبارہ اگر چاہے تو وہ منگنی کا پیغام بھیجنے والوں میں سے ہو سکتا ہے: یہ سعید بن مسیب، حسن اور سعید بن جبیر اور عبدالعزیز بن ابی سلمہ کا قول ہے انہوں نے کہا: نکاح حلال ہو کر لوٹ آئے گا جس طرح بچہ بعد میں اس کے ساتھ لاحق کیا گیا کیونکہ اس معاملہ میں کوئی فرق نہیں ہوگا اور جماعت کی حجت یہ کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اب تجھے اس پر کوئی گرفت نہیں اور آپ نے یہ نہیں فرمایا مگر یہ کہ تو اپنے آپ کو جھٹلائے۔ ابن اسحاق اور ایک جماعت نے زہری سے روایت کیا ہے فرمایا: سنت یہ قائم ہو چکی ہے کہ جب میاں بیوی لعان کریں گے تو ان کے درمیان جدائی کر دی جائے گی اور وہ کبھی جمع نہ ہوں گے۔ اس حدیث کو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اسے سعید بن جبیر عن ابی عمر عن النبی ﷺ کے سلسلہ میں مرفوع روایت کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”لعان کرنے والے جب جدا ہو جائیں گے تو کبھی جمع نہ ہوں گے“ (2)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ سے مروی ہے ان دونوں نے فرمایا: سنت قائم ہو چکی ہے کہ لعان کرنے والے جمع نہ ہوں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہمیشہ کا لفظ بھی مروی ہے۔

مسئلہ نمبر 28۔ لعان کے لیے چار اشیاء ضروری ہیں:

- 1۔ الفاظ کی تعداد۔ وہ چار شہادتیں ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔
- 2۔ مکان۔ اس کے لیے شہر میں عمدہ اور معزز جگہ کا قصد کیا جائے۔ اگر مکہ میں ہوں تو لعان رکن اور مقام کے پاس ہو۔ اگر مدینہ طیبہ میں ہو تو منبر کے پاس ہو، اگر بیت المقدس میں ہو تو صخرۃ (چٹان) کے پاس ہوں اور دوسرے شہروں میں ہو تو مساجد میں ہو اگر وہ کافر ہوں تو انہیں ایسی جگہ بھیجا جائے گا جس کی وہ تعظیم کرتے ہوں گے۔ اگر وہ میاں بیوی یہودی ہوں تو کنیہ میں ہوگا اگر مجوسی ہوں تو آگ کے کمرے کے پاس ہوگا، اگر ان کا کوئی دین نہ ہو جیسے بت پرست ہیں تو ان کے درمیان مجلس حکم میں لعان کرنا ہوگا۔

3۔ وقت۔ یہ عصر کے بعد کا وقت ہے۔

4۔ لوگوں کو جمع کرنا۔ چار یا اس سے زائد لوگ لعان کے وقت موجود ہوں، لوگوں کا جمع کرنا مشروط ہے، زمان اور مکان مستحب ہے۔

مسئلہ نمبر 29۔ جس نے کہا: فراق واقع نہیں ہوتا مگر لعان کے مکمل ہونے کے ساتھ اس پر یہ لازم آتا ہے کہ اگر ایک لعان کے مکمل ہونے سے پہلے مرجائے تو دوسرا اس کا وارث ہوگا اور جس نے کہا: تفریق واقع نہیں ہوتی مگر امام کی تفریق کے ساتھ تو پھر ایک اس سے پہلے مرجائے اور لعان کے مکمل ہونے سے پہلے مرجائے تو دوسرا اس کا وارث ہوگا اور امام شافعی کے قول پر اگر ایک مرجائے عورت کے لعان کرنے سے پہلے تو وہ ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے۔

مسئلہ نمبر 30۔ ابن القصار نے کہا: ہمارے نزدیک لعان کی تفریق فسخ نہیں ہے؛ یہ المدونۃ کا مذہب ہے کیونکہ لعان کی تفریق کا حکم طلاق کی تفریق کا حکم ہے۔ غیر مدخول بہا کو نصف مہر دیا جائے گا اور ابن الجلاب کی مختصر میں ہے ایسی عورت کے لیے کچھ نہیں ہوگا یہ اس بنا پر ہے کہ لعان کی تفریق فسخ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوا شُرَّاكُكُمْ ۚ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ
لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ
عَظِيمٌ ۝ لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۚ وَقَالُوا
هَذَا آفِكٌ مُّبِينٌ ۝ لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ
فَأُولَٰئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ۝ ۚ وَ لَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَ
الْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِالِاسْتِغْمِ
وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّئًا ۚ وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ
عَظِيمٌ ۝ ۚ لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا ۚ سُبْحٰنَكَ هٰذَا
بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ۝ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِلْإِثْمِ ۚ أَبَدًا ۚ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَيُبَيِّنُ
اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يُجِبُونَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي
الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا
تَعْلَمُونَ ۝ ۚ لَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَعُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا
الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ ۚ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطٰنِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ
بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۚ وَ لَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ

أَبَدًا وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ سَبِيغٌ عَلِيمٌ ﴿١٠﴾ وَلَا يَأْتِلُ أُولُو الْفَضْلِ
مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۗ
وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١﴾

”بیشک جنہوں نے جھوٹی تہمت لگائی ہے وہ ایک گروہ ہے تم میں سے تم اسے اپنے لیے برا خیال نہ کرو بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے لیے، ہر شخص کے لیے اس گروہ میں سے اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا اور جس نے سب سے زیادہ حصہ لیا ان میں سے (تو) اس کے لیے عذاب عظیم ہوگا۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ جب تم نے یہ (افواہ) سنی تو گمان کیا ہوتا مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنوں کے بارے میں نیک گمان اور کہہ دیا ہوتا کہ یہ تو کھلا ہوا بہتان ہے (اگر وہ سچے تھے تو) کیونکر نہ پیش کر سکے اس پر چار گواہ پس جب وہ پیش نہیں کر سکے گواہ تو (معلوم ہو گیا کہ) وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا اور آخرت میں تو پہنچتا تمہیں اس سخن سازی کی وجہ سے سخت عذاب۔ (جب تم ایک دوسرے سے) نقل کرتے تھے اس (بہتان) کو اپنی زبانوں سے اور کہا کرتے تھے اپنے مومنوں سے ایسی باتیں جس کا تمہیں کوئی علم ہی نہ تھا نیز تم خیال کرتے کہ یہ معمولی بات ہے حالانکہ یہ بات اللہ کے نزدیک بہت بڑی تھی اور ایسا کیوں نہ ہو کہ جب تم نے یہ (افواہ) سنی تو تم نے کہہ دیا ہوتا: ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم گفتگو کریں اس کے متعلق۔ اے اللہ! تو پاک ہے یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ نصیحت کرتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ کہ دوبارہ اس قسم کی بات ہرگز نہ کرنا اگر تم ایماندار ہو اور کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (اپنی) آیتیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے۔ بیشک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ پھیلے بے حیائی ان لوگوں میں جو ایمان لاتے ہیں (تو) ان کے لیے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ تعالیٰ (حقیقت کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بہت مہربان (اور) رحیم ہے (تو تم بھی نہ بچ سکتے) اے ایمان والو! نہ چلو شیطان کے نقش قدم پر اور جو چلتا ہے شیطان کے نقش قدم پر تو وہ حکم دیتا ہے (اپنے پیروؤں کو) بے حیائی کا اور ہر برے کام کا۔ اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تو نہ بچ سکتا تم میں سے کوئی بھی ہرگز۔ ہاں اللہ تعالیٰ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور نہ قسم کھائیں جو برگزیدہ ہیں تم میں سے اور خوش حال ہیں اس بات پر کہ وہ نہ دیں گے رشتہ داروں کو اور مسکینوں کو اور راہ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو اور چاہیے کہ (یہ لوگ) معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ بخش دے اللہ تعالیٰ تمہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔“

اس میں اٹھائیں مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ، عُصْبَةٌ،** ان کی خبر ہے۔ اور حال کی

بنا پر اس کو نصب دینا بھی جائز ہے۔ اور خبر لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ مَّا كَتَبَ مِنَ الْاَلَمِ ہوگی۔ اس کے نزول کا سبب وہ ہے جو ائمہ حدیث نے حضرت عائشہ بنتی نبیہا کے قصہ میں طویل حدیث افک روایت کی ہے یہ خبر صحیح مشہور ہے وہ اتنی مشہور ہے کہ اس کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ مختصراً آگے آئی گی۔ امام بخاری نے اسے تعلیقاً نقل کیا ہے اور اس کی حدیث اتم ہے۔ فرمایا اسامہ نے کہا انہوں نے ہشام بن عروہ سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت عائشہ بنتی نبیہا سے روایت کیا ہے اس کو محمد بن کثیر نے انہوں نے اپنے بھائی سلیمان سے حدیث مسروق سے انہوں نے ام رومان حضرت عائشہ بنتی نبیہا کی والدہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ام رومان نے فرمایا جب حضرت عائشہ بنتی نبیہا پر تہمت لگائی گئی تو وہ غش کھا کر گر پڑیں۔ موسیٰ بن اسماعیل سے ابو وائل کی حدیث سے مروی ہے فرمایا مجھے مسروق بن اجدع نے بتایا فرمایا مجھے ام رومان نے بتایا ام رومان حضرت عائشہ بنتی نبیہا کی والدہ ہے فرمایا: میں اور حضرت عائشہ بنتی نبیہا بیٹھی ہوئی تھیں اچانک انصار کی ایک عورت داخل ہوئی اور کہا: اللہ تعالیٰ فلاں کے ساتھ ایسا کرے، اللہ تعالیٰ فلاں کے ساتھ ایسا کرے۔ ام رومان نے کہا: یہ کیا ہے؟ اس عورت نے کہا: میں ان میں تھی جس نے بات بیان کی۔ ام رومان نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ اس انصاری عورت نے واقعہ بیان کیا۔ حضرت عائشہ بنتی نبیہا نے پوچھا: کیا نبی پاک ﷺ نے یہ بہتان سنا؟ اس عورت نے کہا: ہاں۔ حضرت عائشہ بنتی نبیہا نے پوچھا: (میرے والد گرامی) حضرت ابو بکر بنتیہ نے بھی؟ اس عورت نے کہا: ہاں۔ حضرت عائشہ بنتی نبیہا نے پوچھا: آپ کو افاقہ ہوا تو آپ کو کپکپی کے ساتھ بخار چڑھا ہوا تھا۔ میں نے حضرت عائشہ بنتی نبیہا پر کپڑے ڈالے اور اسے ڈھانپ دیا نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور پوچھا: اسے کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! ﷺ اسے کپکپی کے ساتھ بخار ہو گیا ہے۔ فرمایا: ”شاید اس بات کی وجہ سے ہو جو کہی گئی ہے“ (1)۔ ام رومان نے کہا: ہاں۔ حضرت عائشہ بنتی نبیہا بیٹھ گئی اور کہا: اللہ کی قسم! اگر میں قسم اٹھاؤں تو تم میری تصدیق نہیں کرو گے، اگر میں کچھ کہوں تو تم مجھے معذور نہیں سمجھو گے۔ میری اور تمہاری مثال حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں جیسی ہے۔ واللہ المستعان علی ماتصفون۔

فرمایا: آپ ﷺ لوٹ گئے اور کوئی بات نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ بنتی نبیہا کا عذر نازل فرمایا۔ حضرت عائشہ بنتی نبیہا نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گی کسی کی حمد نہیں کروں گی اور نہ آپ کی حمد کروں گی۔ ابو عبد اللہ حمیدی نے کہا: بعض بغدادی حفاظ جن سے ہم ملے تھے وہ فرماتے تھے اس حدیث میں اور سال زیادہ واضح ہے اس پر انہوں نے اس سے استدلال کیا کہ ام رومان نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں وصال کر گئی تھیں اور مسروق نے نبی کریم ﷺ کی زیارت نہیں کی تھی۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں عبید اللہ بن عبد اللہ بن ابی ملیکہ کی حدیث ہے اس میں ہے کہ حضرت عائشہ بنتی نبیہا إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِالسِّنِّتُمْ پڑھتی تھیں اور کہتی تھیں: الولق کا معنی کذب (جھوٹ) ہے۔ ابن ابی ملیکہ نے کہا: حضرت عائشہ بنتی نبیہا اس کا معنی دوسروں سے زیادہ جانتی تھیں کیونکہ یہ ان کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ امام بخاری نے کہا: معمر بن راشد نے زہری سے روایت کیا حدیث افک غزوہ مرسیع، میں پیش آئی۔ ابن اسحاق نے کہا: یہ چھنا سال تھا۔ موسیٰ

بن عقبہ نے کہا: چوتھا سال تھا۔ امام بخاری نے معمر بن زہری کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ فرمایا: مجھے ولید بن عبد الملک نے کہا: کیا تجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تہمت لگانے والوں میں تھے؟ انہوں نے کہا میں نے کہا: نہیں لیکن مجھے تیری قوم کے دو افراد ابوسلمہ بن عبد الرحمن اور ابوبکر بن عبد الرحمن بن حارث بن ہشام نے مجھے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کو کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں خاموش تھے۔ ابوبکر اسماعیلی نے اپنی کتاب المحرج علی الصحیح میں ایک دوسرے طریق سے معمر بن زہری کی حدیث روایت کی ہے، اس میں ہے فرمایا: میں ولید بن عبد الملک کے پاس تھا اس نے کہا: جو اس مسئلہ کو زیادہ اچھالنے والے تھے ان میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے؟ میں نے کہا: نہیں۔

مجھے سعید بن مسیب، عروہ، علقمہ، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عقبہ تمام نے کہا میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اس مسئلہ کو اچھالنے والوں کا سرغنہ عبد اللہ بن ابی بن سلول تھا۔ امام بخاری نے زہری عن عروہ عن عائشہ کی حدیث سے روایت کیا ہے جو اس مسئلہ کو پھیلانے والے تھے ان میں سے عبد اللہ بن ابی تھا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بِالْإِنْفِ، اَفْكَ كَالْمَعْنَى جھوٹ ہے۔ العصبۃ تین سے لیکر دس افراد تک کو عصبہ کہتے ہیں۔ ابن عیینہ نے کہا: چالیس آدمیوں کو عصبہ کہتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: یہ دس سے پندرہ افراد ہیں۔ اس کی اصل لغت میں اور کلام عربی میں وہ جماعت ہے جو ایک دوسرے کو مضبوط کرتے ہوں۔ اور الخبیثی حقیقت یہ ہے کہ جس کا نفع اس کے نقصان سے زائد ہو اور الشہس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ ہو وہ خیر جس میں کوئی شر نہیں ہے وہ جنت ہے اور وہ شر جس میں کوئی خیر نہیں وہ جہنم ہے اور وہ آزمائش جو اولیاء اللہ پر نازل ہوتی ہے وہ خیر ہوتی ہے کیونکہ دنیا میں اس کا ضرر کم ہوتا ہے اور اس کی خیر آخرت میں بہت زیادہ ثواب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے گھر والوں اور صفوان کو آگاہ فرمایا کیونکہ خطاب اس ارشاد میں ان سے ہے: لَا تَحْسَبُوْا كُشْرًا اَنَّكُمْ بَلٰی هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ، کیونکہ شرکی نسبت سے نفع اور خیر رائج ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ غزوہ بنی مصطلق میں نکلے یہی غزوہ مریسیع ہے اور آپ لوٹے جب مدینہ طیبہ کے قریب تھے تو آپ نے رات کو چلنے کا اعلان فرمایا جب کوچ کرنے کا اعلان ہو چکا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انھیں اور قضاء حاجت کے لیے چلیں حتیٰ کہ لشکر سے دور چلی گئیں جب فارغ ہوئیں اور اپنی جگہ پر آئیں اور اپنے سینہ پر ہاتھ مارا تو یمن کے موتیوں کا ہار ٹوٹ چکا تھا۔ آپ واپس لوٹیں اور اسے تلاش کیا اس کی تلاش نے آپ کو روک لیا آپ نے ہار پالیا اور واپس آئیں وہاں کسی شخص کو نہ پایا آپ نوجوان تھیں گوشت کم تھا۔ مردوں نے آپ کا ہودج اٹھایا اور انہیں آپ کا نہ ہونا محسوس نہ ہوا جب آپ نے اپنی جگہ پر کسی کو نہ پایا تو آپ اپنی جگہ پر لیٹ گئیں اس امید کے ساتھ کہ آپ کو تلاش کیا جائے گا اور اس کی طرف رجوع کیا جائے گا آپ اپنی جگہ سو گئیں آپ کو بیدار نہ کیا مگر صفوان بن معطل کے قول: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ نے وہ پیچھے رہ جانے والی چیزوں کی حفاظت کے لیے لشکر سے پیچھے تھے۔ بعض نے کہا: آپ ان کے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کہنے سے بیدار ہوئیں۔ وہ اپنی سواری سے اترے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دور کھڑے ہو گئے حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹنی پر سوار ہوئیں۔ حضرت صفوان نے اونٹنی کی مہار پکڑی اور چل پڑے حتیٰ

کہ دوپہر کے وقت انہیں لیکر لشکر میں پہنچ گئے۔ جھوٹے اور بہتان تراش اپنے دھندے میں مشغول ہو گئے۔ اس مسئلہ میں لوگ جس کے پاس جمع ہوتے تھے اور جو اس مسئلہ کے بارے استفسار کرتا تھا اور اس کو پھیلاتا تھا وہ عبد اللہ بن ابی بن سلول منافق تھا اس نے صفوان کو دیکھا کہ وہ حضرت عائشہ بنتیہ کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے ہے تو اس نے یہ کہا: اللہ کی قسم! نہ وہ اس سے بچی اور نہ وہ اس سے بچا اور کہا: تمہارے نبی کی بیوی نے ایک آدمی کے ساتھ رات گزار لی، اور اس بہتان تراشی میں حضرت حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش شامل تھے۔ یہ اس حدیث کا اختصار ہے اور یہ مکمل طور پر امام بخاری اور امام مسلم میں ہے اور صحیح مسلم میں اکمل ہے جب حضرت صفوان کو اس جھوٹ میں حضرت حسان کی بات پہنچی تو وہ آئے اور حضرت حسان کے سر پر لکوار ماری اور کہا:

تَلَّقَى ذُبَابَ السَّيْفِ عَنِّي فَبَاتَنِي غلام إذا هو جيت ليس بشاعر

ایک جماعت نے حضرت صفوان کو پکڑا اور اس کا گریبان پکڑ کر نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں لے گئے۔ آپ ﷺ نے حضرت حسان کا زخم رایگاں کر دیا اس سے کچھ طلب کیا۔ یہ دلیل ہے کہ حسان بھی ان لوگوں میں تھا جو اس بہتان کی تشہیر کرتے تھے۔ یہ حضرت صفوان نبی پاک ﷺ کی اونٹنی کی غزوات میں مہار پکڑتے تھے کیونکہ آپ بہت بہادر تھے اور خیار صحابہ میں سے تھے۔ بعض نے کہا: آپ عورتوں کے پاس نہیں جاتے تھے؛ یہ ابن اسحاق نے حضرت عائشہ بنتیہ کے طریق سے ذکر کیا ہے۔ بعض نے کہا: صفوان کے دو بیٹے تھے۔ اس پر دلیل آپ کی مروی حدیث ہے آپ کی بیوی کے ساتھ آپ کا معاملہ ہوا، نبی پاک ﷺ نے آپ کے بیٹوں کے بارے میں فرمایا: ”دونوں صفوان کے ساتھ اس طرح مشابہ ہیں جیسے کوا، کوا کے مشابہ ہوتا ہے“ (1)۔ اور حدیث میں آپ کا قول کہ ”اللہ کی قسم! میں نے کبھی کسی عورت کا پردہ نہیں کھولا“، اس سے مراد یہ ہے کہ میں نے کبھی زنا نہیں کیا۔ غزوہ ارمینہ میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں 19ھ کو شہید ہوئے۔ بعض نے کہا: یہ روم کے شہروں میں حضرت معاویہ کے زمانہ میں اٹھاون ہجری میں وصال فرما گئے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا كَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ** یعنی جس نے جھوٹ بولا۔ اہل افک کا نام نہیں لیا سوائے حسان، مسطح، حمنہ اور عبد اللہ کے اور کچھ دوسرے مجہول لوگ؛ یہ عروہ بن زبیر کا قول ہے اس کے متعلق عبد الملک بن مروان نے اس سے پوچھا تو انہوں نے کہا: وہ جتھہ تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا مصحف حفصہ میں ہے: **عصبة أربعة**۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرًا مِنْهُمْ** حمید اعرج اور یعقوب نے کبر کاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور فراء نے کہا: یہ وجہ عمدہ ہے کیونکہ عرب کہتے ہیں: فلان تولى عظم كذا یعنی وہ کام میں بڑا تھا۔ حضرت عائشہ بنتیہ سے مروی ہے کہ حضرت حسان جب نابینا ہو گئے تھے شاید وہ بڑا عذاب ہے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا وہ ان کی آنکھوں کا چلا جانا ہے؛ یہ مسروق نے حضرت عائشہ بنتیہ سے روایت کیا ہے اور حضرت عائشہ بنتیہ سے مروی ہے کہ وہ

تشہیر کرنے والا عبد اللہ بن ابی تھا یہ صحیح ہے اور نبی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے۔ ابو عمر بن عبد البر نے حکایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حسان کو اس بات سے بری کر دیا تھا۔ کہا تھا اس نے کچھ نہیں کیا۔ حضرت حسان نے اس کے متعلق کچھ کہنے سے انکار کیا تھا۔ حضرت حسان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں یہ اشعار کہے:

حَصَانٌ زَنَانٌ مَا تُزَنُّ بِرَبِيَّةٍ وَتُصَبِّحُ عَرَّتِي مِنْ لُحُومِ الْعَوَاقِلِ
وہ پاک دامن ہے صاحب وقار ہے اس کو متہم نہیں کیا جاتا وہ پاک دامن عورتوں کی غیبت سے بھوکی رہتی ہے۔
حَلِيلَةٌ خَيْرُ النَّاسِ دِينًا وَمَنْصِبًا نَبِيَّ الْهُدَى وَالْمَكْرَمَاتِ الْفَوَاضِلِ
عَقِيلَةٌ حَيٌّ مِنْ لُؤَيِّ بْنِ غَالِبٍ كَرَامِ الْمَسَاعِي مَجْدُهَا غَيْرُ زَائِلِ
مُهَذَّبَةٌ قَدْ طِيبَ اللَّهُ خَيْمَهَا وَطَهَّرَهَا مِنْ كُلِّ شَيْنٍ وَبَاطِلِ
فَإِنْ كَانَتْ مَا بُلَّغْتَ أَنْيَ قَلْتُهُ فَلَا رَفَعْتَ سَوْطِي إِلَى أَنْامِلِي
فَكَيْفَ وَوَدَيْ مَا حَيِّتُ وَنُضْرَتِي لِأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ زَيْنَ السَّحَافِلِ
لَهُ رُتَبٌ عَالٍ عَلَى النَّاسِ فَضْلَهَا تَقَاصِيرُ عَنْهَا سُورَةُ الْمَتَطَاوِلِ

یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت حسان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کہا وہ پاک دامن اور صاحب وقار ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: تو تو اس طرح نہیں ہے، تو تو پاک دامن عورتوں کے بارے میں باتیں کرنے والا ہے۔ یہ تعارض ہے اس طرح ان کو جمع کرنا ممکن ہے کہ حضرت حسان نے نساء اور تصریحاً کچھ نہیں کہا۔ یہ تعریض اور اشارہ ہے پس اس کو آپ کی طرف منسوب کیا گیا۔

علماء کا اختلاف ہے کہ حضرت حسان نے اس میں زیادہ دخل دیا تھا یا نہیں کیا آپ کو حد لگائی گئی تھی یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کیا ہوا تھا؟

مسئلہ نمبر 6۔ محمد بن اسحاق وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جھوٹی تہمت میں دو مردوں اور ایک عورت کو حد لگائی تھی وہ مسطح، حسان اور حمزہ تھے، یہ ترمذی نے ذکر کیا ہے۔ قشیری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی کو اسی (80) کوڑے لگائے تھے اور اس کے لیے آخرت میں آگ کا عذاب ہے۔ قشیری نے کہا: جو چیز اخبار میں ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ابن ابی، حسان اور حمزہ کو سزا ملی تھی رہا مسطح تو اس سے قذف صریح ثابت نہیں ہوا تھا لیکن وہ سنا تھا اور بغیر صراحت کے اس بات کو پھیلاتا تھا۔ ماوردی وغیرہ نے کہا: اختلاف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ میں ملوث لوگوں کو حد لگائی تھی؟ اس کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ کہ کسی کو بھی حد نہیں لگائی گئی تھی کیونکہ حدود اقرار یا دلیل کے ساتھ قائم کی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے صرف اخبار کی بنا پر حدود قائم کرنے کا مکلف نہیں بنایا جس طرح منافقین کو قتل کرنے کا مکلف نہیں بنایا تھا جبکہ ان کے کفر کی اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی تھی۔

میں کہتا ہوں: یہ فاسد ہے اور بعض قرآن کے مخالف ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِينَ يَزُمُونَ الْمُهَضَّلَاتِ لَمْ يَأْكُلُوا

بِأَرْبَعَةِ شَهَدَاءٍ جَوْا كِدَامِنِ عَمْرَتُونَ پرتہمت لگائیں پھر اپنے قول کی سچائی پر چار گواہ نہ لائیں۔ فَأَجْلِدُوا لَهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدًا تو انہیں اسی درے مارو۔

دوسرا قول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل الافک (جھوٹ گھڑنے والوں) عبد اللہ بن ابی، مسطح بن اثاثہ، حسان بن ثابت اور حمزہ بنت جحش کو کوڑے لگائے۔ اس کے متعلق مسلمانوں کے شاعر نے کہا:

لقد ذاق حسان الذي كان أهله
وإبن سلول ذاق في الحد خزية
تعاظوا برجم الغيب زؤج نبيتهم
وآذوا رسول الله فيها فجللوا
فصبت عليهم مخصدات كأنها
وحننة إذ قالوا هجيراً ومسطح
كما خاض في إفك ومن القول يفسح
وسخطة ذي العرش الكريم فأبرحوا
مخازي تبقى عبسوها وفضحوا
شآبيب قطر من ذرى المزن تسفح

میں کہتا ہوں: علماء کے نزدیک مشہور و معروف اخبار سے یہ ہے کہ حسان، مسطح اور حمزہ کو حد لگائی گئی تھی اور عبد اللہ بن ابی کی حد کے متعلق نہیں سنا گیا۔ ابوداؤد نے حضرت عائشہ بنتی نبی سے روایت کیا ہے فرمایا: جب میرا عذر نازل ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور وہ ذکر کیا اور قرآن تلاوت کیا جب آپ منبر سے اترے تو دو مردوں اور ایک عورت کے بارے حکم دیا انہیں حد لگائی گئی (1) اور ان کے نام بھی لیے۔ حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمزہ بن جحش۔ طحاوی کی کتاب میں ہے اسی کوڑے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: عبد اللہ بن ابی کو حد نہیں لگائی گئی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے آخرت میں عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اگر اسے دنیا میں حد لگائی جاتی تو یہ آخرت میں اس کے عذاب کے لیے کمی اور تخفیف کا باعث ہوتا جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ بنتی نبی کی براءت کی گواہی دی اور تہمت لگانے والوں کے جھوٹ کو بیان کیا۔ پس حد کا فائدہ حاصل ہو گیا، کیونکہ مقصود قاذف کا اظہار اور مقذوف کی براءت ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاذْلُمُوا بِأَلْسِنَتِكُمْ آفَاقًا وَلِيكُمُ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكٰذِبُونَ ان مسلمانوں کو حد لگائی گئی تاکہ ان سے قذف کی وجہ سے جو گناہ صادر ہو اوہ معاف ہو جائے اور آخرت میں ان پر کوئی بوجھ نہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود کے بارے میں فرمایا: ”یہ اس کے لیے کفارہ ہیں جس پر یہ حدود قائم کی گئیں“ جیسا کہ حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث میں ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ عبد اللہ بن ابی کو حد اس لیے نہ لگائی گئی ہو تاکہ اس کی قوم کی الفت حاصل کی جائے یا اس کے بیٹے کے احترام کی وجہ سے ہو اور متوقع فتنہ کو بچانے کے لیے ہو اور اس متوقع فتنہ کا آغاز سعد بن عبادہ اور ان کی قوم سے ظاہر بھی ہوا تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا يٰۤاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى كِى

1۔ ابوداؤد، کتاب الحدود، باب حد القذف، حدیث 3880، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ النور، حدیث 3105، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب حد القذف، حدیث 2556، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

طرف سے مومنین کو ان کے گمان کی وجہ سے عتاب ہے جب جھوٹے لوگوں نے کہا جو انہوں نے کہا۔ ابن زید نے کہا: مومنوں نے گمان کیا کہ مومن اپنی ماں کے بارے ایسا نہیں کہہ سکتا؛ یہ مہدوی کا قول ہے۔ ولولا بمعنی ہلا ہے۔ بعض نے کہا: اس کا معنی ہے مومن مردوں اور مومن عورتوں کے فضلاء کو اپنے نفسوں پر قیاس کرنا چاہیے تھا۔ اگر ان سے یہ بعید تھا تو حضرت عائشہ بنتی نبیہا اور حضرت صفوان میں بدرجہ اولیٰ بعید تھا۔ روایت ہے کہ صحیح فکروہ تھی جو حضرت ابویوب انصاری اور ان کی بیوی سے ظاہر ہوئی تھی۔ وہ اس طرح ہے کہ حضرت ابویوب، اپنی بیوی کے پاس گئے تو بیوی نے پوچھا: اے ابویوب! کیا تو نے سنا ہے جو کہا گیا ہے؟ ابویوب نے کہا: ہاں۔ یہ جھوٹ ہے۔ اے ام ایوب! تو ایسا کرے گی اس نے کہا: نہیں۔ اللہ کی قسم! حضرت ابویوب نے کہا: اللہ کی قسم! عائشہ تجھ سے افضل ہے۔ ام ایوب نے کہا: ہاں۔ یہ وہ فعل ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے مومنین کو عتاب فرمایا ہے کیونکہ مومنین نے یہ کام نہیں کیا تھا۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا مَنَافِعَ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ**، اس کا معنی ہے باخوانہم اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واجب فرمایا کہ جب وہ کسی کو نہیں کہ وہ کسی پر تہمت لگا رہا ہے یا اس کی برائی بیان کر رہا ہے جو وہ اس کے متعلق نہیں جانتے تو وہ اس کا انکار کریں اور اس شخص کو جھٹلائیں جس نے اس کو ترک کیا، اس کو وعید سنائی اور اسے بھی وعید سنائی جس نے اس بات کو آگے نقل کیا۔

میں کہتا ہوں: اسی وجہ سے علماء نے کہا یہ آیت اصل ہے کہ ایمان کا وہ درجہ جس کو انسان حاصل کرتا ہے اور اصلاح کا وہ مرتبہ جس پر مومن اترتا ہے اور عفاف کا لباس جس کے ساتھ مسلمان کا پردہ ہوتا ہے وہ کسی محتمل خبر سے زائل نہیں ہوتا اگرچہ وہ پھیل بھی جائے جبکہ اس کی اصل فاسد یا مجہول ہو۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَثْبَاتٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ لَآتَىٰ جُحُودًا**، یعنی اپنے اس افترا پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔ یہ پہلے حکم پر رد ہے اور سابقہ آیت پر لوٹانا ہے جو قذف کے بارے میں ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ فَأَوْلَيْكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمْ الْكٰذِبُونَ**، یعنی وہ اللہ کے حکم میں جھوٹے ہیں کبھی کوئی شخص دلیل پیش کرنے سے عاجز ہوتا ہے حالانکہ وہ قذف میں سچا ہوتا ہے لیکن حکم شرع میں اور ظاہر امر میں جھوٹا ہے نہ کہ علم الہی میں جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حدود کو اسی حکم پر مرتب کیا ہے جو دنیا میں مشروع کیا ہے نہ کہ اس اپنے علم کے مقتضی پر جو انسان کے ساتھ متعلق ہے، جس پر وہ ہے اپنے علم کے مطابق آخرت میں اس سے برتاؤ کرے گا۔

میں کہتا ہوں: اس مفہوم کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو امام بخاری نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا: اے لوگو! وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے اب ہم تمہارے ظاہر اعمال کو لیں گے جس نے ہمارے لیے خیر کو ظاہر کیا ہم اسے امن دیں گے اور اپنا قرب بخشیں گے ہمارے لیے اس کے باطن سے کوئی سروکار نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے باطن کا محاسبہ کرے گا اور جو ہمارے لیے برائی ظاہر کرے گا ہم اسے نہ امن دیں گے اور نہ ہم اس کی تصدیق کریں گے اگرچہ

وہ کہے کہ اس کا باطن اچھا تھا۔ علماء کا اجماع ہے کہ دنیا کے احکام ظاہر پر مبنی ہیں اور دل کے بھید اللہ کے سپرد ہیں (1)۔

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ، سَبَّوْهُ** کے نزدیک فضل پر رفع مبتدا کی حیثیت سے ہے اور اس کی خبر محذوف ہے عرب اس کو ظاہر نہیں کرتے اور لولا کا جواب حذف ہے کیونکہ اس کے بعد اس کی مثل ذکر کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہو تو جو کچھ تم نے حضرت عائشہ بنتی نبیؓ کے بارے میں کہا ہے اس کے سبب دنیا و آخرت میں تمہیں عذاب عظیم لاحق ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب بلیغ ہے لیکن اس نے اپنی رحمت سے دنیا میں متمہم پر پردہ فرمایا اور آخرت میں بھی اس پر رحم فرمائے گا جو توبہ کرے گا۔ الافاضة کا معنی ہے حدیث (بات) میں پڑنا۔ اس پر عتاب واقع ہوا ہے کہا جاتا ہے: افاض القوم فی الحدیث قوم اس بات میں پڑ گئی۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ مُحَمَّدٌ** بن سمیع نے تا کے ضمہ، لام کے سکون اور قاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی القاء سے مشتق کیا ہے یہ قرأت واضح ہے اور حضرت ابی اور حضرت ابن مسعودؓ نے اذ تلتقونہ، التلقى سے مشتق کر کے دو تا کے ساتھ پڑھا ہے۔ قراء سبعہ کے جمہور نے ایک تا اور ذال کے اظہار کے ساتھ بغیر ادغام کے پڑھا ہے۔ بہ بھی التلقى سے مشتق ہے۔ ابو عمرو، حمزہ اور کسائی نے تا میں ذال کو ادغام کر کے پڑھا ہے۔ ابن کثیر نے ذال کے اظہار اور تا کے تا میں ادغام کے ساتھ پڑھا ہے۔ قلقہ قرأت ہے کیونکہ یہ اجتماع ساکنین کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ فلا تناجوا اور ولا تنابزوا پڑھنے والوں کی قرأت میں ادغام کی طرح نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے الف ساکن ہے اور اس کا حرف لین ہوتا وہاں اچھا ہے جو ذال کے سکون کے ساتھ اچھا نہیں۔ ابن یمر اور حضرت عائشہ بنتی نبیؓ نے وہ تمام لوگوں سے زیادہ اس معاملہ کو جانتے تھے اس کو اذ تلتقونہ تا کے فتح، لام کے کسرہ اور قاف کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس قرأت کا معنی عربوں کے اس قول سے ہے: **ولق الرجل یلق ولقا جب کوئی جھوٹ بولے اور اس پر متواتر جھوٹ بولتا رہے۔ وہ متعدی کو غیر متعدی پر شاہد لائے ہیں۔ ابن عطیہ نے کہا: میرے نزدیک انہوں نے اذ تلتقون فیہ کا ارادہ کیا ہے۔**

حرف جر کو حذف کیا گیا اور ضمیر کو فعل سے متصل کیا گیا۔ خلیل اور ابو عمرو نے کہا: **الولق** کا اصل معنی جلدی کرنا ہے کہا جاتا ہے: **جاءت الإبل تلیق۔ تیز دوڑتے ہوئے آئے۔** شاعر نے کہا:

لما راؤ جیسا علیہم قد طرق جاؤ بأسراب من الشام ولیق

إن الحصین ذلیق وزملیق جاءت به عنس من الشام تلیق

کہا جاتا ہے: **رجل ذلق وزملىق** اس کی مثال ہدیڈ ہے **زمالىق وزملىق**۔ میم کی تشدید کے ساتھ وہ شخص جس کو جماع کرنے سے پہلے انزال ہو جاتا ہے۔ راجز نے کہا: **إن الحصین ذلیق وزملىق**۔

الولق کا معنی اخف الطعن بھی ہے **ولقه یلقه ولقا، ولقه بالسيف ولقات**۔ یعنی تلوار کے کئی وار کیے۔ یہ لفظ مشترک ہے۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ، افواہکم لفظ مبالغہ، الزام اور تاکید کے لیے ہے۔** تحبونہ کی ضمیر حدیث، اس میں غور و خوض اور اس کے پھیلانے کی طرف لوٹ رہی ہے۔ **ہیناً** تھوڑا گناہ یعنی اس میں تمہیں گناہ لاحق نہ ہوگا۔ **وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ** یہ اللہ کے نزدیک (عظیم) بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کے قول کی مثل ہے جو دو قبر کے بارے میں ہے۔ **إِنَّهَا لِيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ** یعنی ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور تمہاری نسبت سے انہیں کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا۔

مسئلہ نمبر 14۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَوْلَا إِذْ سَبَعُمُوهَا قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ۗ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۗ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝** یہ تمام مومنوں کو عتاب ہے، یعنی تمہیں مناسب تھا کہ تم انکار کرتے، اس کو حکایت کرنے اور نقل کرنے میں ایک دوسرے کی معاونت نہ کرتے اور اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے کہ اس کے نبی کریم ﷺ کی زوجہ سے ایسا فعل واقع ہو اور تم اس بات پر بہتان کا فیصلہ کرتے۔ بہتان کی حقیقت یہ ہے کہ کسی انسان کے بارے میں ایسی بات کہنا جو اس میں نہ ہو اور غیبت یہ ہے کہ ایسی بات بیان کی جائے جو اس میں ہو۔ یہی مفہوم نبی کریم ﷺ کی حدیث میں آیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایسی حالت کی طرف لوٹنے سے نصیحت فرمائی۔ ان مفعول لاجلہ ہے۔ تقدیر کراہیۃ ان ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝** یہ توفیق اور تاکید ہے جیسے تو کہتا ہے: تجھے ایسا ایسا کرنا مناسب ہے اگر تو مرد ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا** یعنی حضرت عائشہ بنتی شہبا کے بارے میں پھر ایسی بات کرو اللہ تمہیں اس سے نصیحت کرتا ہے کیونکہ اس کی مثل نہیں ہوگا مگر اس قول کے مثل جو بعینہ مقول عنہ (جس کے بارے میں بات کی گئی ہے) کے بارے کہا گیا ہے یا اس کے بارے میں جو مرتبہ میں نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے مرتبہ میں ہوگا، کیونکہ اس میں نبی کریم ﷺ کو اذیت ہے اس لیے ایسا کرنے والے کی طرف سے یہ کفر ہوگا۔

مسئلہ نمبر 17۔ ہشام بن عمار نے کہا: میں نے امام مالک کو یہ کہتے ہوئے سنا جس نے حضرت ابو بکر بنی شہبہ اور حضرت عمر بنی شہبہ کو برا بھلا کہا اس کی تادیب کی جائے گی اور جس نے حضرت عائشہ بنتی شہبا کو برا بھلا کہا اسے قتل کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۗ** پس جس نے حضرت عائشہ بنتی شہبا کی ہشام میں گستاخی کی اس نے قرآن کی مخالفت کی۔ ابن عربی نے کہا: اصحاب شافعی نے کہا: جس نے حضرت عائشہ بنتی شہبا کو گالی دی اس کی تادیب کی جائے گی جیسا کہ دوسرے مومنین کے بارے میں ہے۔ **إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝** یہ قول حضرت عائشہ بنتی شہبا کے بارے میں کفر نہیں ہے یہ اس طرح ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **لَا يُؤْمِنُ مَنْ لَا يَأْمَنُ مِنْ جَارِهِ** ہواثقہ (1) وہ مومن نہیں ہوگا جس کا پڑوسی اس کی تخریب کاریوں سے محفوظ نہیں۔ اگر حضرت عائشہ بنتی شہبا کو گالی دینے والے کا ایمان حقیقتہ سلب

ہوتا تو لایزنی الزانی حین یزنی وهو مومن (2)۔ کے قول میں زانی کا ایمان بھی حقیقتہ سلب ہوتا۔ ہم کہتے ہیں: جیسا تم نے گمان کیا ہے ایسا نہیں ہے کیونکہ بہتان تراشوں نے حضرت عائشہ صدیقہ مطہرہ رضی اللہ عنہا پر فاحشہ ہونے کا بہتان لگایا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت فرمائی۔ پس ہر وہ شخص جو اسے برا کہتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے برأت فرمائی تو وہ اللہ تعالیٰ کو جھٹلانے والا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کو جھٹلانے والا ہے وہ کافر ہے۔ یہ امام مالک کے قول کا طریق ہے یہ اہل بصائر کے لیے واضح راستہ ہے۔

مسئلہ نمبر 18۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنَّ الَّذِينَ يُجِبُونَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ**، ان تشیع کا معنی تفسو (پھیلانا) ہے کہا جاتا ہے: شاع الشئ شیوعا وشیعانا وشیعوعا، اس کا معنی ظاہر ہونا، بکھر جانا ہے۔ **فِي الَّذِينَ آمَنُوا** یعنی پاکدامن مردوں اور عورتوں میں۔ اس لفظ عام سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان ہیں۔ الفاحشہ ایسا برا فعل جو برائی میں انتہا کو پہنچا ہوا ہو۔ بعض علماء نے کہا: اس آیت میں فاحشہ سے مراد بری بات ہے۔ **لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ** فِي الدُّنْيَا یعنی عذاب سے مراد حد ہے اور آخرت میں آگ کا عذاب ہے یعنی منافقین کے لیے یہ مخصوص ہے۔ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ حد مومنین کے لیے کفارہ ہے۔ طبری نے کہا: اس کا معنی ہے اگر وہ اصرار کرتے ہوئے بغیر توبہ کے مرے۔

مسئلہ نمبر 19۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَاللَّهُ يَعْلَمُ** یعنی اس گناہ کی بڑائی کی مقدار اور اس پر جزا کو جانتا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے۔ **وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ** حضرت ابوالدرداء کی حدیث سے مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس شخص نے لوگوں میں سے کسی کی جھگڑے میں مدد کی جبکہ اس کو اس کے متعلق کوئی علم ہی نہیں ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ اس سے باز آجائے۔ اور جس شخص نے اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے بارے میں سفارش کی کہ وہ اسے نہ لگے تو اس نے حق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی اور اس نے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی طرف پیش قدمی کی اور اس پر متواتر قیامت تک اللہ کی لعنت ہوگی اور جس نے کسی مسلمان کے بارے میں ایسا کلمہ پھیلا یا جس سے وہ بری ہے اس کا خیال ہے کہ وہ دنیا میں اس کے ساتھ اسے عیب دار کر دے تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے اس کی وجہ سے آگ میں ڈالے“ پھر اس کا مصداق کتاب اللہ سے تلاوت کیا: **إِنَّ الَّذِينَ يُجِبُونَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا**۔۔۔۔ الخ۔

مسئلہ نمبر 20۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ** یعنی شیطان کے راستے اور مذہب پر نہ چلو۔ مطلب یہ ہے کہ اس راستے پر نہ چلو جس کی طرف شیطان بلاتا ہے۔ الخطوات کا مفرد خطوة ہے۔ یہ وہ فاصلہ ہوتا ہے جو دو قدموں کے درمیان ہوتا ہے۔ الخطوة خاء کے فتح کے ساتھ مصدر ہے۔ کہا جاتا ہے: خطوت خطوة اس کی جمع خطوات ہے۔ تخطى الينا فلان۔ اسی سے حدیث ہے: انہ رائی رجلاً يتخطى رقاب الناس يوم الجمعة۔ (2) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگ رہا تھا۔

جمہور نے خطوات طاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ عاصم اور اعش نے اسے طاء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ جمہور

1۔ صحیح بخاری، الزین و شرب الخمر، جلد 2، صفحہ 1001

2۔ ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاة والسنة، باب ما جاء فی النهی عن تخطی الناس یوم الجمعة، حدیث 1104، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نے مازکی کو کاف کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اس نے ہدایت نہیں پائی، وہ سلامت نہ ہو اور اس نے ہدایت کو نہیں پہچانا۔ بعض علماء نے کہا: مازکی کا مطلب ہے ماصلاح اس نے اصلاح نہ کی۔ کہا جاتا ہے: زکا، یذکو زکا۔ یعنی صلح کرنا۔ حسن اور ابو حیوہ نے اس کو شد کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی اس کا تمہارا تزکیہ کرنا اور تطہیر اور ہدایت دینا یہ اس کے فضل سے ہے، تمہارے اعمال کی وجہ سے نہیں ہے۔ کسائی نے کہا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ جملہ معترضہ ہے۔ اور مَا زَكَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا پہلے اور دوسرے لولا کا جواب ہے۔

مسئلہ نمبر 21۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ رَوَايَات سے مشہور ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بن ابی قحافہ اور مسطح بن اثاثہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت مسطح، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خالہ کی بیٹی کا بیٹا تھا یہ بدری صحابہ میں سے تھا۔ مہاجر بھی تھا اور مساکین میں سے تھا۔ یہ مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب بن عبد مناف تھا۔ بعض نے کہا: اس کا نام عوف تھا اور مسطح اس کا لقب تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس کے مسکین ہونے اور اس کی قرابت کی وجہ سے اس پر خرچ کرتے تھے (1)۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان کا واقعہ پیش آیا اور مسطح بھی اس بہتان تراشی میں شامل تھا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھائی کہ وہ اس پر خرچ نہیں کریں گے اور اسے کوئی نفع نہیں پہنچائیں گے۔ مسطح، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور معذرت کی۔ میں حسان کی مجالس میں ہوتا تھا میں سنتا تو تھا لیکن کہتا نہیں تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مسطح سے کہا: تو ہنستا تھا اور اس بات میں تو شریک ہوا۔ پس آپ نے یہ قسم اٹھادی پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ ضحاک اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مومنین کی ایک جماعت نے ان کے منافع کاٹ دیئے تھے جنہوں نے تہمت لگائی تھی اور کہا: ہم ان سے صلہ رحمی کا معاملہ نہیں کریں گے جنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں کچھ کہا ہے۔ پس تمام کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ پہلا قول اصح ہے مگر آیت قیامت تک تمام لوگوں کو شامل ہے۔ کوئی صاحب فضل اور خوشحال غصہ نہ کرے اور قسم نہ اٹھائے کہ وہ ایسی صفت والے کو کبھی نفع نہیں پہنچائے گا۔ صحیح نے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب، إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ سے لیکر دس آیات نازل فرمائیں تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا وہ مسطح پر قرابت اور فقر کی وجہ سے خرچ کرتے تھے: اللہ کی قسم! میں اس پر کوئی چیز خرچ نہیں کروں گا۔ اس کے بعد جو اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک نے کہا: یہ آیت کتاب اللہ میں امید افزا آیت ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دے۔ پھر آپ نے وہ نفع مسطح کا جاری کر دیا جو آپ پہلے عطا کرتے تھے اور فرمایا: میں اب کبھی ان سے خرچ نہیں روکوں گا۔

مسئلہ نمبر 22۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ قذف اگرچہ گناہ کبیرہ ہے لیکن اعمال کو ضائع نہیں کرتا اللہ تعالیٰ نے اس بہتان کے بعد پھر حضرت مسطح کا ہجرت اور ایمان کے ساتھ وصف بیان فرمایا ہے۔ یہی حکم تمام کبار کا ہے اللہ تعالیٰ کے شریک

ٹھہرانے کے علاوہ کوئی بھی گناہ اعمال کو ضائع نہیں کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَيْسَ أَشْرَ كَثَّ لِيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (الزمر: 65)
مسئلہ نمبر 23۔ اگر کوئی کسی شے پر قسم اٹھائے کہ وہ یہ نہیں کرے گا پھر اس فعل میں بہتری دیکھے تو وہ کر دے اور قسم
 کا کفارہ دے دے یا پہلے قسم کا کفارہ دے اور پھر وہ کام کرے جیسا کہ سورۃ المائدہ میں گزر چکا ہے۔ فقہاء کا خیال ہے کہ جو
 کسی سنت کو نہ کرنے یا کسی مندوب کو نہ کرنے کی قسم اٹھائے اور ہمیشہ انہیں ادا نہ کرے تو یہ امر اس کی شہادت کو مجروح کر
 دے گا؛ یہ الباجی نے السنن میں ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 24۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا يَأْتِلُ أَوْلُوا الْفُضْلِ، ولا ياتل کا معنی ہے قسم نہ اٹھائے اس کا وزن
 يفتعل ہے یہ البیت سے مشتق ہے جس کا معنی قسم ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَلَّذِينَ يُؤْتُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ
 (بقرہ: 226) یہ سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ ایک جماعت نے کہا: اس کا معنی ہے کمی کرنا۔ یہ الوت من کذا سے مشتق ہے
 کسی امر میں کوتاہی کرنا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَأْتِلُوكُمْ خَبَالًا (آل عمران: 118)

مسئلہ نمبر 25۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَلَا تَجِبُونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ يَوْمَ تَمْتَلِكُ وَأَنْ تَسْتَغْفِرَ لَهُمْ يَوْمَ يَكْفُرُ بَعْضُ النَّاسِ بَعْضًا
 کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے تو اسی طرح تم بھی دوسروں کو معاف کرو جو تم سے کم درجہ ہیں۔ یہی مفہوم نبی
 کریم ﷺ کے ارشاد: من لا يرحم لا يرحم (1) (جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا) کا ہے۔

مسئلہ نمبر 26۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ آیت کتاب اللہ میں امید افزا ہے کیونکہ اس لفظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے
 تہمت لگانے والے نافرمانوں پر لطف فرمایا ہے۔ بعض علماء نے کہا: کتاب اللہ میں امید افزا آیت ہے: وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ
 بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا كَثِيرًا (الاحزاب) اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
 فِي رَوْضَاتٍ الْجَنَّاتِ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ (الشوری) اس آیت میں فضل کبیر کی
 شرح فرمائی ہے اور اس کے ساتھ مؤمنین کو بشارت دی ہے اور امید افزا آیات سے یہ بھی ہے۔ قُلْ لِيَعْبُدِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا
 عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ (الزمر: 53) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ (الشوری: 19) بعض نے کہا: یہ آیت امید
 افزا ہے۔ وَكَسُوفٌ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ (الضحیٰ) یہ اس لیے ہے کیونکہ نبی پاک ﷺ کسی ایک امتی کے دوزخ میں
 رہنے سے راضی نہ ہوں گے۔

مسئلہ نمبر 27۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَنْ يُؤْتُوا۔ یعنی الایوتوا، لا کو حذف کیا گیا ہے جیسے شاعر کا قول ہے:

فقلت يبين الله أبرم قاعداً

زجاج نے اس کو ذکر کیا ہے اور ابو عبیدہ کے قول پر لا کے اضمار کی ضرورت نہیں۔ وليعفوایہ عفا الريح سے مشتق ہے جس
 کا معنی ہے ہوا کا اثر مٹانا، یعنی گناہ معاف کر دینا اور مٹانا جس طرح ہوا اثر مٹا دیتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْسِنَاتِ الْغُفْلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعْنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱﴾

”جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر جو انجان ہیں، ایمان والیاں ہیں ان پر پھٹکار ہے دنیا اور آخرت میں اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔“

اس کے بارے میں دو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الْمُحْصَنَاتُ یہ لفظ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ پاکدامن مردوں پر تہمت لگانے کا حکم ہے۔ یہ قیاس اور استدلال سے ہے ہم نے سورت کے آغاز میں اس کو بیان کیا ہے۔ الحمد للہ۔ اس آیت سے جو مراد ہیں ان میں اختلاف ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہ خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کے بارے میں ہے (2)۔ ایک قوم نے کہا: یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور تمام ازواج مطہرات کے بارے میں ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک وغیرہما کا قول ہے تو یہ انہیں نفع نہیں دے گی۔ اور جنہوں نے دوسری محصنات (پاکدامن) عورتوں پر تہمت لگائی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے توبہ رکھی ہے کیونکہ فرمایا: وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَثْبَاتٍ فَعَلَا سَهْدًا آءٍ۔ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور ازواج مطہرات کے اوپر تہمت لگانے والوں کے لیے توبہ نہیں ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ بعض نے کہا: یہ اس شخص کے لیے وعدہ ہے جو قذف پر اصرار کرتا ہے اور توبہ نہیں کرتا۔ بعض نے کہا: یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی مگر اس سے ہر وہ مراد ہے جو اس صفت سے متصف ہے۔ بعض نے کہا: جو بھی تہمت لگانے والا ہے خواہ جس پر تہمت لگائی گئی ہے مذکر ہو یا مؤنث ہو۔ تمام لوگوں کو شامل ہے۔ تقدیر اس طرح ہوگی۔ ان الذین یرمون الانفس المحصنات۔ اس میں مذکر اور مؤنث داخل ہیں؛ یہ نحاس نے اختیار کیا ہے۔ بعض نے کہا: مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ جو عورت ہجرت کرتی تو وہ کہتے یہ بدکاری کے لیے نکلی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ لُعْنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ علماء نے فرمایا: اگر اس آیت سے مراد تہمت لگانے والے مومنین ہیں تو لعنت سے مراد دور کرنا، حد لگانا اور مومنین کو ان سے وحشت دلانا اور ان سے قطع تعلق کرانا ہے اور ان کا عدالت کے رتبہ سے زائل ہونا ہے اور مسلمانوں کی زبانوں پر اچھی تعریف سے دور ہونا مراد ہے۔ اور جنہوں نے کہا: یہ خاص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو یہ سختیاں عبد اللہ بن ابی اور اس جیسے افراد میں مرتب ہوتی ہے۔ اور جنہوں نے کہا: یہ مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو وہ دور کیے جائیں گے اور ان کے لیے آخرت میں عذاب عظیم ہوگا۔ اور جس نے اسلام قبول کیا تو اسلام پہلے سارے گناہ ختم کر دیتا ہے۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: اس آیت کی تاویل میں خوبصورت قول یہ ہے کہ یہ تمام تہمت لگانے والوں کو شامل ہیں خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تقدیر یوں ہوگی: ان الذین یرمون الانفس المحصنات۔ اس میں مذکر اور مؤنث شامل ہیں اسی طرح الذین یرمُونَ میں بھی سب شامل ہیں مگر مؤنث پر مذکر کو غلبہ دیا گیا ہے۔

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنُهُمْ وَآيَاتُهُمْ وَآثَرُ جُلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱﴾

”وہ یاد کریں اس دن کو جب گواہی دیں گے ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان اعمال پر جو وہ کیا کرتے تھے۔“

عام قرأت تاء کے ساتھ ہے۔ ابو حاتم نے اس کو اختیار کیا ہے۔ اعمش، یحییٰ، حمزہ، کسائی اور خلف نے یشہد یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبید نے بھی اس کو اختیار کیا ہے کیونکہ جار مجرور، اسم اور فعل کے درمیان حائل ہیں معنی یہ ہے اس دن کو یاد کریں جب بعض کی زبانیں بعض پر گواہی دیں گی ان اعمال پر جو وہ قذف اور بہتان میں کرتے تھے۔ بعض علماء نے کہا: اس دن ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی اس کے ساتھ جو انہوں نے کلام کی تھی۔ وَ أَيْدِيهِمْ وَ أَسْرُجُلُهُمْ دُنْيَا مِمَّا جَاءُوا بِكُمْ فِيهَا بِالْآيَاتِ الْبَارِئَاتِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ إِثْمُهُ ۚ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآيَاتِ الْبَارِئَاتِ فَسَاءَ لِمُتَّبِعِيهِمْ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي سَاءَ لِمُتَّبِعِيهِمْ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي سَاءَ لِمُتَّبِعِيهِمْ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي سَاءَ لِمُتَّبِعِيهِمْ ۚ

يَوْمَ مَنذُوبِيهِمْ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقُّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ۝

”اس روز پورا پورا دے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کا بدلہ جس کے وہ حقدار ہیں اور وہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے۔“

یعنی ان کا حساب اور جزا اللہ تعالیٰ انہیں پوری پوری دے گا۔ مجاہد نے یومئذ یوفیہم اللہ دینہم الحق یعنی حق کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے اس بنا پر کہ وہ اللہ کی صفت ہے۔ ابو عبید نے کہا: اگر لوگوں کے خلاف کی کراہت نہ ہوتی تو بہتر رفع تھا کیونکہ یہ (اللہ) کی صفت ہے اور حضرت ابی کی قرأت کی موافقت بھی ہے۔ یہ اس لیے کہ جریر بن حازم نے کہا: میں نے حضرت ابی کے مصحف میں دیکھا، يَوْمَ مَنذُوبِيهِمْ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقُّ۔ نحاس نے کہا: ابو عبید سے یہ کلام غیر پسندیدہ ہے کیونکہ اس نے اس سے حجت پکڑی ہے جو سواد اعظم کے مخالف ہے۔ اس میں کوئی حجت نہیں کیونکہ اگر یہ صحیح ہوتا کہ یہ مصحف ابی میں اس طرح ہے تو یومئذ یوفیہم اللہ الحق دینہم۔ کی قرأت جائز ہوتی۔ دینہم، الحق سے بدل ہوتا اور عام قراء کی قرأت پر دینہم الحق کے لیے صفت ہے یہ معنی بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجرموں کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ انہیں حق کے ساتھ جزا دے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ هَلْ نُجِزِي إِلَّا الْكُفُورَ ۝ (سبا) کیونکہ کافر اور مجرم کو اللہ تعالیٰ کا جزا دینا حق اور عدل کے ساتھ ہے اور محسن کو اللہ تعالیٰ کا جزا دینا احسان اور فضل کے ساتھ ہے۔ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے دو اسم ہیں۔ ہم نے ان دونوں اسماء کا ذکر کئی مقامات پر کیا ہے اور خصوصاً کتاب الاسنی میں کیا ہے۔

الْخَيْبَاتُ لِلْخَيْبِينَ وَالْخَيْبُونَ لِلْخَيْبَاتِ ۚ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ

لِلطَّيِّبَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۚ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝

”ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے ہیں اور پاک (دامن) عورتیں پاک (دامن) مردوں کے لیے اور پاک (دامن) مرد پاک (دامن) عورتوں کے لیے ہیں۔ یہ مبراہیں ان (تہمتوں) سے جو وہ (ناپاک) لگاتے ہیں ان کے لیے ہی (اللہ کی) بخشش ہے اور عزت والی روزی ہے۔“

ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے عورتوں میں سے خبیث عورتیں (1)، مردوں میں سے خبیث مردوں کے لیے ہیں اسی طرح خبیث مرد، خبیث عورتوں کے لیے ہیں۔ اسی طرح پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ہیں۔ مجاہد نے ابن جبیر، عطا اور اکثر مفسرین نے کہا: اس کا معنی ہے خبیث کلمات، خبیث مردوں کے لیے ہیں اسی طرح خبیث لوگ، خبیث باتوں کے لیے ہیں اسی طرح پاکیزہ کلمات پاکیزہ لوگوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ لوگ پاکیزہ باتوں کے لیے ہیں۔ نحاس نے کہا: معانی القرآن کی کتاب میں کہا: یہ قول اس آیت میں احسن ہے اس قول کی صحت پر دلیل اُولَئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ۔ کا ارشاد ہے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور صفوان رضی اللہ عنہما مبرا ہیں جو خبیث مرد اور خبیث عورتیں کہتی ہیں۔ بعض علماء نے کہا: یہ آیت اَلزَّانِي لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً پر مبنی ہے۔ الخبیثات سے مراد بدکار عورتیں ہیں اور الطیبات سے مراد پاکدامن عورتیں ہیں۔ اسی طرح الطیبون اور الطیبات ہے؛ اس قول کو بھی نحاس نے اختیار کیا ہے یہی ابن زید کے قول کا معنی ہے۔ اُولَئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ یعنی جنس مراد ہے۔ بعض نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان مراد ہیں پھر جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے جیسا کہ فرمایا: فَاِنْ كَانَ لَكَ اِخْوَةٌ (النساء: 11) یہاں مراد اخوان ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ مبرءون یعنی جو ان پر تہمت لگائی گئی ہے اس سے مبرا ہیں۔ بعض اہل تحقیق نے کہا: حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک شیر خوار بچے کی زبان سے آپ کی براءت کی جو پنگھوڑے میں تھا اور حضرت مریم علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تو ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے براءت کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید کے ذریعے آپ کی براءت کی۔ پس اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کے لیے کسی بچے اور نبی کی براءت کے ساتھ راضی نہ ہوا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے ذریعے بہتان اور تہمت سے آپ کی براءت فرمائی۔ علی بن زید بن جدعان سے مروی ہے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے نو چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو کسی عورت کو عطا نہیں کی گئیں۔ جب نبی پاک ﷺ کو میرے ساتھ نکاح کرنے کا حکم دیا گیا تو جبریل میری صورت میں آپ ﷺ کے صحن میں اترے، آپ ﷺ نے مجھ سے شادی کی تو میں باکرہ تھی میرے علاوہ آپ ﷺ نے کسی باکرہ عورت سے نکاح نہیں کیا، نبی پاک ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا، آپ کی قبر مبارک میرے حجرے میں بنائی گئی، فرشتے میرے حجرے کو گھیرے رہتے ہیں، نبی پاک ﷺ پر وحی نازل ہوتی جبکہ آپ ﷺ کسی دوسرے اہل بیت کے پاس ہوتے تو وہ لوگ آپ سے وحی کے دوران جدا ہو جاتے تھے اور اگر آپ پر وحی نازل ہوتی اور میں آپ کے ساتھ لحاف میں ہوتی تھی تو آپ ﷺ مجھے اپنے جسم سے جدا نہیں فرماتے تھے، میں آپ ﷺ کے خلیفہ اور صدیق کی بیٹی ہوں، میرا عذر آسمان سے نازل ہوا، میں پاکیزہ پیدا کی گئی اور پاکیزہ کے پاس رہی، مجھ سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ کیا گیا ہے یعنی لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَاَذْهَابُ كَرِيمٍ ﴿۱۰﴾ فرمایا: اس سے مراد جنت ہے (2)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَكَلِمَاتٌ عَلَى

أَهْلِبَاهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٠﴾

”اے ایمان والوں نہ داخل ہوا کرو (دوسروں کے) گھروں میں اپنے گھروں کے سوا جب تک تم اجازت نہ لے لو اور سلام نہ کر لو ان گھروں میں رہنے والوں پر یہی بہتر ہے تمہارے لیے شاید تم (اس کی حکمتوں میں) غور و فکر کرو۔“
اس میں سترہ مسائل ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا مِنْ آيَاتِهَا إِذَا كَانَ فِيهَا مِنْ أَهْلِهَا مِنْكُمْ وَلَا يَأْتِيَهَا مِنْكُمْ وَلَا يَخْرُجُوا مِنْكُمْ إِلَّا بِإِذْنِ أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَحْذَرُونَ (النور: 27)۔
وضاحت سے نواز اسے منازل کے ساتھ خاص فرمایا اور انہیں گھروں میں آنکھوں سے اوجھل کر دیا اور علیحدگی میں انہیں لطف اندوز ہونے کا مالک بنایا اور مخلوق پر پابندی لگادی کہ باہر سے انہیں جھانکیں یا مالکوں کی اجازت کے بغیر ان گھروں میں داخل ہوں انہیں پردے کے آداب سکھائے تاکہ کوئی کسی پوشیدہ چیز پر مطلع نہ ہو۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس نے کسی قوم کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر جھانکا تو ان کے لیے حلال ہے کہ وہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں“ (1)۔ اس کی تاویل میں اختلاف ہے؟ بعض علماء نے فرمایا: یہ اپنے ظاہر پر نہیں ہے اگر وہ آنکھ پھوڑ دے گا تو اس پر ضامن ہوگا اور یہ خبر منسوخ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا (النحل: 126) کے نزول سے پہلے کی ہے یہ بھی احتمال ہے کہ یہ بطور وعید ہو حتمی طور پر نہ ہو۔ خبر جب کتاب اللہ کے مخالف ہو تو اس پر عمل جائز نہیں۔ نبی کریم ﷺ ظاہر میں ایک کلام فرماتے تھے جبکہ مراد کوئی دوسری چیز ہوتی تھی جیسا کہ حدیث میں ہے عباس بن مرداس نے جب آپ کی مدح کی تو آپ نے حضرت بلال کو فرمایا: ”اٹھو اور اس کی زبان کاٹ دو“۔ اس سے مراد یہ تھا کہ اس کو کوئی چیز دے دو، حقیقہ اس کی زبان کاٹنا مراد نہیں تھا۔ اسی طرح یہاں بھی احتمال ہے کہ آنکھ پھوڑنے کا ذکر ہو اور مراد اس کے ساتھ ایسا عمل کرنا ہوتا کہ اس کے بعد وہ کسی دوسرے کے گھر میں نہ دیکھے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس پر کوئی ضمان اور قصاص نہیں ہے حضرت انس کی حدیث کی وجہ سے۔ ان شاء اللہ یہ صحیح ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

مسئلہ نمبر 2۔ آیت کا شان نزول وہ ہے جو طبرانی وغیرہ نے عدی بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ ایک انصاری عورت نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں اپنے گھر میں کبھی ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ مجھے اس حالت میں کوئی دیکھے نہ والد اور نہ بیٹا۔ پھر کبھی باپ آجاتا ہے وہ مجھ پر داخل ہوتا ہے کبھی کوئی اور میرے اہل خانہ سے میرے پاس آجاتا ہے جبکہ میں اس حالت میں ہوتی ہوں تو پھر میں کیا کروں۔ تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے بتائے وہ سرائیں اور رہائش گاہیں جو شام کے راستہ پر ہیں ان میں کوئی رہنے والا نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ نے کسی غیر کے گھر میں دخول کی حرمت کی ایک غایت بیان کی ہے اور وہ استیناس ہے اور اس سے مراد اجازت طلب کرنا ہے۔ ابن وہب نے کہا: امام مالک نے کہا ہمارے خیال میں استیناس سے مراد استیذان

(اجازت طلب کرنا) ہے۔ حضرت ابی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر کی قرأت میں اسی طرح ہے: حتی تستأذنوا وتسلموا علی اہلہا۔ بعض علماء نے فرمایا: تستانسوا کا معنی ہے کوئی عمل کرو اس کے لیے جو گھر میں ہے تاکہ آپ کی آمد محسوس ہو جائے۔ مجاہد نے کہا: کھانے اور عمل کرے جو ممکن ہو اور اتنی مقدار ٹھہر جائے کہ جس سے اس کی آمد معلوم ہو جائے پھر اس کے بعد داخل ہو۔ طبری نے کہا: اس کا یہی معنی ہے اسی سے یہ ارشاد ہے: فَإِنِ انْتَمْتُمْ مِنْهُمْ مُرْشِدًا (النساء: 6) یعنی تم جان لو۔ شاعر نے کہا:

آنستُ بِنَاةٍ وَأَفْزَعَهَا الْقَنْنُ ا ص عصراً وقد دنا الإصماء

میں کہتا ہوں: سنن ابن ماجہ میں ہے ہمیں ابو بکر بن ابی شیبہ نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں عبدالرحیم بن سلیمان نے بتایا انہوں نے واصل بن سائب سے روایت کیا انہوں نے ابو سوره سے روایت کیا ہے انہوں نے ابو ایوب انصاری سے روایت کیا فرمایا: ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ سلام (تو ہم سمجھتے ہیں) یہ استیناس کیا ہے؟ فرمایا: ”آدمی تسبیح، تکبیر، تحمید کے ساتھ بولے یا کھانے اور گھر والوں کو (اپنی آمد سے) آگاہ کرے“ (1)۔

میں کہتا ہوں: نص ہے کہ استیناس، استیذان کے علاوہ ہے جیسا کہ مجاہد اور ان کے ہم نوا علماء نے کہا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے بعض لوگوں نے کہا: سعید بن جبیر سے مروی ہے حتی تستانسوا کاتب کی طرف وہم یا خطا ہے۔ یہ حتی تستاذنوا ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایت صحیح نہیں ہے کیونکہ تمام مصاحف اسلام میں حتی تستانسوا ثابت و موجود ہے۔ حضرت عثمان کے زمانہ سے اسی پر اجماع صحیح ہے اس کے خلاف جائز نہیں۔ کاتب پر خطا اور وہم کا اطلاق ایسے لفظ میں جس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے ایسا قول ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَدْنٍ بَدَائِهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۗ تَنْزِيلُ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝ (فصلت)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِذَا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ (الحجر) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حتی تستانسوا علی اہلہا و تستانسوا یہ قول ابو حاتم نے حکایت کیا ہے۔ حضرت ابن عطیہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے اس قول کی جو چیز نئی کرتی ہے وہ یہ ہے کہ تستانسوا معنی میں ثابت ہے کلام عرب میں اس کی وجہ واضح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے کہا: استانس یا رسول اللہ ﷺ! حدیث مشہور ہے یہ تقاضا کرتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد ﷺ سے انس طلب کیا پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایسی صورت میں اصحاب رسول ﷺ کو کیسے غلط کہہ سکتے ہیں؟

میں کہتا ہوں: ہم نے حضرت ابو ایوب کی حدیث سے ذکر کیا ہے کہ استیناس سلام سے پہلے ہوتا ہے۔ آیت اپنے

باب پر ہے اس میں کوئی تقدیم و تاخیر نہیں ہے جب داخل ہو تو سلام کرے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 5۔ تین مرتبہ اجازت طلب کرنا سنت ہے تین مرتبہ سے زیادہ اجازت طلب نہ کرے (یعنی گھنٹی چوٹی مرتبہ نہ دے اور دروازہ چوٹی مرتبہ نہ کھٹکھٹائے)۔ ابن وہب نے کہا: امام مالک نے فرمایا اجازت طلب کرنا تین مرتبہ ہے۔ میں پسند نہیں کرتا کہ وہ اس سے زیادہ مرتبہ اجازت طلب کرے مگر وہ سمجھے کہ ابھی تک انہیں سنائی نہیں دیا۔ میں زیادہ مرتبہ اجازت طلب کرنے میں کوئی حرج نہیں دیکھتا جب اسے یقین ہو کہ (گھر والوں کو) سنائی نہیں دیا۔ استیذان (اجازت طلب) کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی کہے: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں اگر اسے اجازت دی جائے تو داخل ہو جائے اگر اسے واپس جانے کا حکم ہو تو واپس چلا جائے اگر سکوت کیا گیا ہو تو تین مرتبہ اجازت طلب کرے پھر تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے بعد واپس چلا جائے۔ ہم نے کہا: اجازت طلب کرنا تین بار ہے اس پر زیادتی نہیں کی جائے گی کیونکہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی حدیث ہے جس پر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ عمل کیا تھا اس کی گواہی حضرت ابو موسیٰ کے لیے حضرت ابو سعید الخدری نے دی تھی پھر ابی بن کعب نے دی تھی یہ مشہور حدیث ہے جس کو الصحیح نے نقل کیا ہے اور یہ نص صریح ہے کیونکہ اس میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہمارے پاس آنے سے تجھے کیا مانع تھا؟ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے کہا: میں آیا میں نے تمہارے دروازے پر تین مرتبہ سلام کیا مجھ پر جواب نہ آیا تو میں واپس چلا گیا کیونکہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی تین مرتبہ اجازت طلب کرے پھر اسے اجازت نہ دی جائے تو وہ واپس چلا جائے“ (1)۔ راوہ جو ہم نے استیذان کی صورت ذکر کی ہے اسے ابو داؤد نے ربعی سے روایت کیا جبکہ آپ ﷺ گھر میں تشریف فرماتے تھے اس نے پوچھا: میں داخل ہو جاؤں؟ نبی کریم ﷺ نے اپنے خادم کو فرمایا: ”تم اس کی طرف جاؤ اور اسے اجازت طلب کرنا سکھاؤ“ (2)۔ تو خادم نے اسے کہا: تم کہو: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ اس شخص نے یہ سنا تو کہا: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ پھر نبی کریم ﷺ نے اسے اجازت دی تو وہ داخل ہو گیا (3)۔ اس کو طبری نے ذکر کیا ہے اور کہا: نبی پاک ﷺ نے اپنی لونڈی کو کہا اس کو روضہ کہا جاتا تھا۔ اس کو کہو کہ یہ کہے السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک دن گری نے اذیت دی تو وہ ایک قریشی عورت کے خیمہ پر آئے اور کہا: السلام علیکم! کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ اس عورت نے کہا: سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ پھر آپ نے سوال لوٹا یا تو اس نے یہی جواب دیا پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس عورت سے کہا: تو کہہ داخل ہو جا۔ اس عورت نے یہ کہا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما داخل ہو گئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رک گئے جب اس نے سلامتی کے ساتھ داخل ہو جا کہا تھا کیونکہ لفظ میں احتمال تھا کہ اس کی مراد یہ ہو کہ تم سلام کے ساتھ داخل ہو شخصیت کے ساتھ داخل نہ ہو۔

مسئلہ نمبر 6۔ ہمارے علماء نے فرمایا: اجازت طلب کرنا تین مرتبہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے کیونکہ کلام میں سے غالب یہ ہے جب تین مرتبہ تکرار کیا جائے تو سنا اور سمجھا جاتا ہے اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ جب کسی کلمہ سے کلام فرماتے

2۔ جامع ترمذی، ما جاء لی أن الاستیذان ثلاثاً، جلد 2، صفحہ 94

1۔ صحیح بخاری، التسلیم والاستیذان ثلاثاً، جلد 2، صفحہ 923

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب ابواب النور، باب کیف الاستیذان، حدیث 4508، فیاء القرآن پبلی کیشنز

تو اسے تین مرتبہ دہراتے تاکہ اسے سمجھا جائے۔ جب آپ کسی قوم پر سلام کرتے تو تین مرتبہ سلام کرتے۔ جب یہ غالب مقدار پوری ہو جائے اور پھر بھی جواب نہ آئے تو اس کا مطلب ہے گھر کا مالک اجازت دینے کا ارادہ نہیں رکھتا یا شاید جواب سے کوئی عذر مانع ہے جس کو قطع کرنا ممکن نہیں۔ پس اجازت طلب کرنے والے کو واپس چلا جانا چاہیے، کیونکہ اس پر زیادتی گھر کے مالک کو پریشان کرے گی۔ بعض اوقات اصرار اذیت دیتا ہے حتیٰ کہ جس کام میں مشغول ہوتا ہے وہ منقطع ہو جاتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابویوب کو فرمایا جب آپ ﷺ نے اجازت طلب کی تو وہ جلدی سے باہر آگئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”شاید ہم نے تجھ پر جلدی کی ہے“ (الحديث) (1)۔ عقیل نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے فرمایا: رہا تین مرتبہ سلام کہنا سنت تو اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ حضرت سعد بن عبادہ کے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا: ”السلام علیکم!“ (2) گھر والوں نے جواب نہ دیا پھر نبی پاک ﷺ نے کہا: ”السلام علیکم!“ پھر انہوں نے جواب نہ دیا تو نبی پاک ﷺ واپس لوٹ آئے۔ جب حضرت سعد نے پھر سلام کی آواز نہ پائی تو وہ جان گئے کہ نبی پاک ﷺ واپس تشریف لے گئے ہیں۔ حضرت سعد آپ ﷺ کے پیچھے نکلے اور آپ کو ملے اور عرض کی: ”علیکم السلام! یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے آپ کا سلام سن لیا تھا۔ نبی پاک ﷺ حضرت سعد کے ساتھ واپس تشریف لائے اور حضرت سعد کے گھر میں داخل ہوئے (3)۔ ابن شہاب نے کہا: آپ کی طرف سے تین مرتبہ سلام فرمایا گیا ہے۔ اس کو ولید بن مسلم نے اوزاعی سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے یحییٰ بن کثیر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے محمد بن عبدالرحمن بن سعد بن زرارہ نے بتایا انہوں نے قیس بن سعد سے روایت فرمایا نبی پاک ﷺ حضرت معاذ کے گھر تشریف لائے اور کہا: ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ!“ انہوں نے کہا: حضرت سعد نے آہستہ سے جواب دیا۔ قیس نے کہا میں نے کہا: کیا آپ ﷺ کو اجازت نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا: ”چھوڑو تاکہ آپ کثرت سے ہم پر سلام فرمائیں“ (الحديث)۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے اس میں یہ نہیں ہے کہ ابن شہاب نے کہا تین مرتبہ سلام کرنا آپ کی طرف سے کیا گیا ہے۔ ابوداؤد نے کہا: عمر بن عبدالواحد اور ابن سماء نے اوزاعی سے مرسل روایت کیا ہے ان دونوں حضرات نے قیس بن سعد کا ذکر نہیں کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اجازت طلب کرنا، اس پر لوگوں نے عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ ہمارے علماء نے کہا: کیونکہ لوگوں نے اب دروازے بنا لیے ہیں اور ان کو کھٹکھٹایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن بسر سے روایت کیا ہے فرمایا: نبی پاک ﷺ جب کسی قوم کے دروازے پر آتے تو دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہوتے تھے بلکہ دروازے کی دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے: ”السلام علیکم، السلام علیکم“ (4)۔ یہ اس لیے تھا کیونکہ اس وقت دروازوں پر پردے نہیں ہوتے تھے۔

2۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی اقسام السلام، جلد 2، صفحہ 94

1۔ صحیح بخاری، جلد 1، صفحہ 30

3۔ ابوداؤد، باب کیف الاستئذان، حدیث 4511، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ سنن ابی داؤد، کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستئذان، جلد 2، صفحہ 349

مسئلہ نمبر 8۔ اگر دروازہ بند ہوتا تو آنے والا جہاں چاہے کھڑا ہو اور اجازت طلب کرے اگر چاہے تو دروازہ کھٹکھٹائے کیونکہ یہ حضرت ابو موسیٰ نے روایت کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ ایک باغ میں مدینہ طیبہ میں کنویں کے منڈیر پر تھے آپ ﷺ نے کنویں میں اپنی ٹانگیں لمبی کر دیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو نبی پاک ﷺ نے اسے کہا: ”اسے اجازت دو اور جنت کی بشارت بھی دو“ (1)۔ اسی طرح عبدالرحمن بن ابی الزناد نے اس کو روایت کیا ہے۔ صالح بن کیسان، یونس بن یزید نے ان کی متابعت کی ہے۔ ان تمام نے اس کو ابو الزناد سے انہوں نے ابو سلمہ سے انہوں نے عبدالرحمن بن نافع سے انہوں نے حضرت ابو موسیٰ سے روایت کیا ہے۔ محمد بن عمرو لیشی نے ان کی مخالفت کی ہے انہوں نے ابو الزناد سے انہوں نے ابو سلمہ سے انہوں نے نافع بن عبد الحارث سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اسی طرح روایت کی ہے۔ پہلی سند صحیح ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ کھٹکھٹانے کا طریقہ یہ ہے کہ آہستہ سے کھٹکھٹایا جائے حتیٰ کہ سن لیا جائے۔ سختی سے نہ کھٹکھٹائے۔ حضرت انس بن مالک نے روایت کیا ہے فرمایا: نبی کریم ﷺ کے دروازے ناخنوں سے کھٹکھٹائے جاتے تھے؛ یہ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت انخطیب نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 10۔ بخاری و امام مسلم وغیرہما نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے (2) فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت طلب کی آپ ﷺ نے پوچھا: ”کون ہے؟“ میں نے کہا: میں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میں میں“۔ گویا آپ نے ”میں“ کہنا ناپسند کیا (3)۔ ہمارے علماء نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے اس لیے یہ ناپسند فرمایا تھا کیونکہ میں کے لفظ سے تعریف حاصل نہیں ہوتی اس میں حکم یہ ہے کہ اپنا نام ذکر کرے جس طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ نے کیا تھا، کیونکہ نام کے ذکر کرنے میں سوال اور جواب کی کلفت ساقط ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے آپ ﷺ اپنے بالا خانہ میں تشریف فرما تھے عرض کی: السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ! السلام علیکم ایدخل عمر (4) (کیا عمر داخل ہو سکتا ہے؟) صحیح مسلم میں ہے حضرت ابو موسیٰ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور کہا: السلام علیکم۔ یہ ابو موسیٰ ہے۔ السلام علیکم۔ یہ اشعری ہے (الحديث)۔

مسئلہ نمبر 11۔ خطیب نے اپنی جامع میں علی بن عاصم واسطی سے روایت کیا ہے فرمایا: میں بصرہ میں آیا تو شعبہ کے گھر آیا میں نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا انہوں نے پوچھا: کون؟ میں نے کہا: میں۔ انہوں نے کہا: اے شخص! میرا تو کوئی ایسا دوست نہیں جس کو ”میں“ کہا جاتا ہو۔ پھر وہ میری طرف نکلے اور کہا: مجھے محمد بن منکدر نے بتایا انہوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا فرمایا: میں کسی کام کے لیے نبی کریم ﷺ کے پاس آیا۔ میں نے ان کا دروازہ کھٹکھٹایا انہوں نے پوچھا: کون؟ میں نے کہا: میں۔ انہوں نے کہا: ”میں میں“ (5)۔ گویا نبی پاک ﷺ نے میرے اس قول کو ناپسند فرمایا۔

2۔ ایضاً اذا قال من اذا قال أنا، جلد 2، صفحہ 923

1۔ صحیح بخاری، الفتنة التي تسوء كسوة الهم، جلد 2، صفحہ 1051

4۔ ابو داؤد، باب فی الرجل یفارق الرجل ثم یلقاه، حدیث 4525

3۔ سنن ابی داؤد، ذق الہاب عند الاستیذان، جلد 2، صفحہ 349

5۔ سنن ابی داؤد، ذق الہاب عند الاستیذان، جلد 2، صفحہ 349

عمر بن شیبہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہمیں محمد بن سلام نے بتایا انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا فرمایا: میں نے عمرو بن عبید کا دروازہ کھٹکھٹایا انہوں نے پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا: میں۔ انہوں نے کہا: غیب تو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ خطیب نے کہا: میں نے علی بن محسن قاضی کو بعض شیوخ سے یہ حکایت کرتے ہوئے سنا کہ جب ان کا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا وہ پوچھتے: کون؟ دروازے پر کھڑا شخص کہتا میں تو شیخ صاحب فرماتے: انا (میں) ہم دق۔

مسئلہ نمبر 12۔ ہر قوم کا استیذان میں اپنا عرف ہے جیسا کہ ابوبکر خطیب نے مسند ابوعبدالملک مولیٰ ام مسکین بنت عاصم بن عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے فرمایا: مجھے میری مالکن نے حضرت ابو ہریرہ کے پاس بھیجا وہ میرے ساتھ آئے جب دروازے پر کھڑے ہوئے تو فرمایا: اندرا ایم؟ میری مالکن نے کہا: اندرون۔ انہوں نے عنوان باندھا ہے۔ ”باب الاستیذان بالفارسیہ“ (عجمی زبان میں اجازت طلب کرنا) احمد بن صالح سے روایت کیا گیا ہے فرمایا: در اور دی اہل اصحمان سے تھے وہ مدینہ طیبہ آئے تو جو شخص ان کے پاس آنے کا ارادہ کرتا اسے کہتے اندرون۔ اہل مدینہ نے اس کا لقب در اور دی رکھا۔

مسئلہ نمبر 13۔ ابوداؤد نے حضرت کلدة بن حنبل سے روایت کیا ہے کہ حضرت صفوان بن امیہ نے اسے بارگاہ رسالت میں دودھ، ہرن کا بچہ اور ضغائیں (ایک قسم کی بوٹی ہے جو سرکہ اور تیل میں پکا کر کھائی جاتی ہے) دے کر بھیجا۔ نبی کریم ﷺ مکہ کی بالائی طرف میں تھے۔ میں حاضر ہوا اور میں نے سلام نہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو واپس جا اور کہہ السلام علیکم“۔ یہ حضرت صفوان بن امیہ کے اسلام لانے کے بعد کا واقعہ ہے (1)۔ ابوزبیر نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جو سلام سے آغاز نہ کرے اسے اجازت نہ دو“۔ ابن جریج نے ذکر کیا ہے کہ عطانے مجھے بتایا کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا: جب کوئی شخص کہے: کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ اور سلام نہ کرے تو تم کہو: نہیں حتیٰ کہ تو چابی لے آئے۔ میں نے پوچھا: چابی سے مراد السلام علیکم ہے؟ فرمایا: ہاں۔ روایت ہے کہ حضرت حذیفہ کے پاس ایک شخص آیا اس نے جو کچھ گھر میں تھا اسے دیکھا پھر کہا: السلام علیکم کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ حضرت حذیفہ نے کہا: اپنی آنکھوں کے ساتھ تو تو داخل ہو چکا ہے اور سرین کے ساتھ داخل نہیں ہوا ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ اس مسئلہ میں یہ بھی ہے جو ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”ایک شخص کا دوسرے شخص کی طرف اپنا پیغام رسان بھیجنا اس کی طرف سے اجازت ہے“ (2) یعنی اس نے اسے بلا بھیجا تو اس نے اسے اندر داخل ہونے کی اجازت دی نبی کریم ﷺ کا ارشاد اس کی وضاحت کرتا ہے: ”جب تم میں سے کسی کو کھانے پر بلایا جائے اور وہ پیغام رساں کے ساتھ آئے تو یہ اس کے لیے اجازت ہے“۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے۔

1۔ ابوداؤد، کتاب ابواب النور کیف الاستئذان، حدیث 4507۔

ترمذی، کتاب الاستئذان، باب ما جاء فی التسليم قبل الاستئذان، حدیث 2634

2۔ سنن ابی داؤد، فی الرجل یدعی اذکون ذالک اذنه، جلد 2، صفحہ 349

مسئلہ نمبر 15۔ جب نظر پر نظر پڑھ جائے تو سلام متعین ہو جاتا ہے اندر والے کا تجھے دیکھنا تیرے داخل ہونے کے لیے اذن نہ ہوگا جب تک تو سلام کا حق ادا نہ کرے گا کیونکہ تو اس پر وارد ہونے والا ہے۔ تو کہے گا: کیا میں داخل ہو سکتا ہوں؟ وہ اگر تجھے اجازت دے تو فہماور نہ تو واپس لوٹ آئے۔

مسئلہ نمبر 16۔ یہ تمام احکام اس گھر کے بارے میں ہیں جو تمہارا نہیں ہے۔ رہا تمہارا اپنا گھر تو اگر اس میں تمہارے اہل ہیں تو پھر ان سے اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں مگر تو ان پر سلام کر جب بھی تو داخل ہو۔ قتادہ نے کہا: جب تو اپنے گھر میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں پر سلام کروہ سب سے زیادہ حق دار ہیں (1) جنہیں تو سلام کرتا ہے اگر اس گھر میں تیرے ساتھ تیری والدہ یا تیری، مشیرہ ہے تو علماء فرماتے ہیں: پہلے تو کھانسی کر اور زمین پر زور سے پاؤں مارتا کہ وہ تیری آمد کے متعلق آگاہ ہو جائیں کیونکہ تیرے اور تیرے اہل کے درمیان تو کوئی حشمت نہیں لیکن والدہ اور مشیرہ کبھی ایسی حالت میں ہوتی ہیں جس میں تو انہیں دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ ابن القاسم نے کہا: امام مالک نے فرمایا: آدمی اپنی والدہ اور اپنی، مشیرہ سے اجازت طلب کرے جب وہ ان کے پاس جانے کا ارادہ کرے۔ عطاء بن یسار نے روایت کیا ہے ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی: کیا میں اپنی والدہ سے بھی اجازت طلب کروں؟ فرمایا: ”ہاں“۔ اس شخص نے عرض کی: حضور! میں اس کی خدمت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تو اجازت طلب کر“۔ تین مرتبہ یہی سوال و جواب ہوا پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تو اسے برہنہ حالت میں دیکھنا پسند کرتا ہے؟“ اس نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پھر تو اس سے اجازت طلب کر“۔ یہ طبری نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ اگر اپنے گھر میں داخل ہو جس میں اور کوئی نہیں رہتا تو ہمارے علماء نے کہا: وہ کہے: السلام علینا من ربنا التحیات الطیبات المبارکات اللہ السلام۔ اس کو ابن وہب نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ قتادہ نے کہا: جب تو ایسے مکان میں داخل ہو جہاں کوئی نہیں ہے تو تو کہہ: السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ اس کا تجھے حکم دیا گیا ہے فرمایا: ہمارے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ فرشتے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ ابن عربی نے کہا: صحیح سلام اور استیذان کا ترک ہے۔ واللہ اعلم۔ میں کہتا ہوں: قتادہ کا قول بہتر ہے۔

فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۗ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ امْرُجُوا

فَامْرُجُوا هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۱۷﴾

”پھر اگر نہ پاؤں ان گھروں میں کسی کو (جو تمہیں اجازت دے) تو نہ داخل ہو ان میں یہاں تک کہ اجازت دی جائے تمہیں اور اگر کہا جائے تمہیں کہ واپس چلے جاؤ یہ (طرز معاشرت) بہت پاکیزہ ہے تمہارے لیے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا آحَدًا**۔ **فِيهَا** میں ضمیر کا مرجع دوسروں کے گھر ہیں۔ طبری نے مجاہد سے حکایت کیا ہے انہوں نے کہا: **فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا آحَدًا** کا معنی یہ ہے کہ تمہارا ان کے گھروں میں سامان نہ ہو۔ طبری نے اس تاویل کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی طرح یہ انتہائی ضعیف میں ہے گویا مجاہد کا خیال ہے کہ وہ گھر جن میں کوئی رہنے والا نہیں تو ان میں بغیر اجازت کے داخل ہو سکتا ہے جب داخل ہونے والے کا اس میں سامان ہو۔ انہوں نے المتاع کے لفظ سے متاع البیت مراد لیا ہے۔ جو کالین اور کپڑے وغیرہ ہیں یہ سب ضعیف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ماقبل آیت سے اور احادیث سے منسلک ہے۔ تقدیریوں ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بِيوتَا غَيْرِ بِيوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا** و **تَسَلِّمُوا** فان **إِذْنَ لَكُمْ فَادْخُلُوا** و **الْأَفْرَاجَ عَوًا**۔ یعنی اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ گھروں میں داخل نہ ہوتی کہ تم اجازت طلب کر لو اور سلام کر لو اگر تمہیں اجازت دی جائے تو داخل ہو جاؤ ورنہ واپس چلے جاؤ جیسا کہ حضرت سعد کے ساتھ نبی پاک ﷺ نے کیا تھا اور حضرت ابو موسیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کیا تھا۔ اگر تم ان میں کسی کو نہ بتاؤ جو تمہیں اجازت دے تو تم ان میں داخل نہ ہوتی کہ تم اجازت پاؤ۔ طبری نے قتادہ سے سند کے ساتھ روایت کیا فرمایا ایک مہاجر نے کہا: میں ساری عمر اس آیت پر عمل کو تلاش کرتا رہا میں نے نہیں پایا کہ میں کسی دوست سے اجازت طلب کروں اور وہ مجھے کہے: لوٹ جاؤ پھر میں لوٹ جاؤں جبکہ میں خوش ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **هُوَ أَزْكَى لَكُمْ**۔

مسئلہ نمبر 2۔ خواہ دروازہ بند ہو یا کھلا ہو کیونکہ شرع نے دخول کی تحریم کے ساتھ اس کو بند کر دیا ہے حتیٰ کہ اس کے مالک کی اجازت اسے کھول دے بلکہ اس پر واجب ہے کہ دروازے پر آئے اور اجازت کا اس طریقہ پر ارادہ کرے جس سے گھر پر مطلع نہ ہونے آنے میں اور نہ لوٹنے میں گھر پر آگاہی ہو۔ ہمارے علماء نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: جس نے اپنی آنکھوں کو گھر کے صحن سے بھر اس نے فسق کا ارتکاب کیا۔ صحیح نے حضرت ہبل بن سعد سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی پاک ﷺ کے دروازے کی دراز سے جھانکا جبکہ نبی پاک ﷺ کے ہاتھ میں کنگھی تھی جس کے ساتھ آپ سر کو کنگھی کر رہے تھے نبی پاک ﷺ نے اسے فرمایا: ”اگر میں جانتا کہ تو دیکھ رہا ہے تو میں تیری آنکھوں میں اس کے ساتھ مارتا۔ اللہ تعالیٰ نے دیکھنے کی وجہ سے اذن کو مقرر کیا ہے“ (1)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”جو تجھ پر بغیر اجازت کے جھانکے پھر تو کنکری کے ساتھ اس کو مارے اور اس کی آنکھ پھوڑ دے تو تجھ پر کوئی گرفت نہیں ہوگی“۔

مسئلہ نمبر 3۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت شرط ہے تو یہ چھوٹے اور بڑے کی طرف سے ہوگا۔ حضرت انس بن مالک بلوغت سے پہلے نبی پاک ﷺ سے اجازت طلب کرتے تھے، اسی طرح صحابہ کرام اپنے بچوں اور لڑکوں کے ساتھ کرتے تھے اس کا مزید بیان سورت کے آخر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَإِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ** (۸) گھروں کی جاسوسی کرنے والوں کے لیے اور

گناہوں اور غیر حلال چیزوں کو دیکھنے کے لیے غفلت کی حالت میں دخول کے طلب کرنے والوں کے لیے وعید ہے اور ان لوگوں کے لیے وعید ہے جو ممنوع چیز پر واقع ہوتے ہیں۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

مَا تَبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٥٩﴾

”کوئی حرج نہیں تم پر اگر تم داخل ہو ایسے گھروں میں جن میں کوئی آباد نہیں جن میں تمہارا سامان رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔“

اس میں دو مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ روایت ہے کہ جب آیت استیذان نازل ہوئی تو بعض لوگ اس میں زیادہ تکلف کرنے لگے وہ کسی کھنڈر یا کسی خالی مقام پر آتے تو سلام کرتے اور اجازت طلب کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایسے گھر میں اجازت طلب کرنا اٹھا دیا جہاں کوئی رہنے والا نہ ہو کیونکہ استیذان ان کی علت یہ ہے کہ حرمت نہ کھلیں تو جہاں کوئی رہنے والا ہی نہیں تو علت ہی نہ پائی گئی اور حکم بھی زائل ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 2۔ ان گھروں سے مراد کیا ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت محمد بن حنفیہ، قتادہ اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد ہوٹل ہیں جو راستوں پر ہوتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: ان میں رہتا کوئی نہیں بلکہ یہ ہر مسافر کے آرام کے لیے وقف ہوتے ہیں ان میں ان کا متاع ہوتا ہے یعنی ان کی منفعت سے لطف اندوز ہوتا۔ حضرت محمد بن حنفیہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد مکہ کے گھر ہیں۔ اس کو امام مالک کا قول بیان کرتا ہے۔ یہ اس قول کی بنا پر ہیں کہ یہ کسی کی ملکیت نہیں ہیں لوگ سب ان میں شریک ہیں کیونکہ مکہ سختی کے ذریعے فتح کیا گیا تھا۔ ابن زید اور شعبی نے کہا: سبزیوں کی دکانیں ہیں (1)۔ امام ثعلبی نے کہا: وہ لوگ اپنی اشیاء لے کر آتے تھے اور ان مکانوں میں رکھتے تھے اور لوگوں کو کہتے تھے: ادھر آؤ، ادھر آؤ۔ عطا نے کہا: اس سے مراد وہ کھنڈرات ہیں جہاں لوگ پیشاب پاخانہ کے لیے جاتے ہیں اس میں متاع ہے۔ جابر بن زید نے کہا: یہاں متاع سے مراد سامان نہیں ہے اس کے علاوہ حاجت ہے خواہ وہ منزل ہو جہاں لوگ دن یا رات کے وقت ٹھہرتے ہوں یا ایسی کھنڈر جگہ جہاں لوگ قضاء حاجت کے لیے داخل ہوتے ہوں یا ایسا گھر جس کو دیکھا جاتا ہو یہ متاع ہے دنیا کی ہر منفعت متاع ہے۔ ابو جعفر نخاس نے کہا: یہ عمدہ شرح ہے ائمہ مسلمین کے امام کے قول سے اور یہ لغت کے موافق ہے۔ کلام عرب میں متاع کا معنی منفعت ہے اسی سے ہے: امتع الله بك۔ اللہ تعالیٰ تجھے منفعت دے۔ اسی سے ہے فَتَبْتَغُوا هُنَّ (الاحزاب: 49)

میں کہتا ہوں: قاضی ابوبکر بن عربی نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔ اور جنہوں نے متاع کی تفسیر بغیر تغیر کے انتفاع سے کی ہے تو انہوں نے مفصل کو ڈھانپ دیا اور قول فیصل کو لے آئے اور یہ بیان کیا کہ ان میں داخل ہونے والا وہ ہے جس کے لیے انتفاع میں سے کچھ ہو۔ پس طالب علم مدارس میں داخل ہوتا ہے، رہنے والا ہوٹلوں اور سراؤں میں داخل ہوتا ہے اور گاہک

سامان خریدنے کے لیے دکان میں داخل ہوتا ہے، پیشاب کرنے والا حاجت کے لیے بیت الخلاء میں داخل ہوتا ہے ہر ایک اپنے کام کے لیے آتا ہے۔ رہا ابن زید اور شعبی کا قول تو وہ بھی ایک قول ہے وہ یہ کہ سبزیوں کے مکانات لوگوں کے اموال کی وجہ سے ممنوع ہوتے ہیں ہر داخل ہونے والے کے لیے بالا جماع مباح نہیں ہوتے اور ان میں داخل نہیں ہو سکتا مگر جسے ان کا مالک اجازت دے بلکہ ان کے ارباب لوگوں کو دور کرنے کے لیے مقرر ہوتے ہیں۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَعْضُوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا أَرْوَاحَهُمْ ۗ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۵۱﴾

”آپ حکم دیجیے مومنوں کو کہ وہ نیچے رکھیں اپنی نگاہیں اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی یہ (طریقہ) بہت پاکیزہ ہے ان کے لیے، بیشک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے ان کاموں پر جو وہ کیا کرتے ہیں۔“

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَعْضُوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ اللہ تعالیٰ نے پردے کے ساتھ نظر کے امر کو ملایا۔ کہا جاتا ہے: غض بصرہ یعنی غضب۔ شاعر نے کہا:

أَغْضُ طَرَفِي مَابَدَثَ لِي جَارِي حَتَّى يُوَارِي جَارِي مَاوَا

اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر نہیں کیا جس سے نظر کو بچانا ہے اور فرج کی حفاظت کرنی ہے لیکن یہ معلوم و معروف ہیں اس سے مراد محرم ہے محل نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں سعید بن ابی حسن نے حسن کو کہا: عجمیوں کی عورتیں اپنے سینے اور اپنے سر کھلے رکھتی ہیں (1)؟ تو آپ نے فرمایا: تو اپنی نظر کو پھیر لے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَعْضُوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا أَرْوَاحَهُمْ۔ قتادہ نے کہا: یعنی ان کے لیے جو حلال نہیں اس سے آنکھیں نیچے رکھیں اور اس سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَعْضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ أَرْوَاحَهُنَّ۔ یعنی خیانت کرنے والی نظروں سے اور ممنوع چیزوں کے ذریعے دیکھنے سے۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مِنْ أَبْصَارِهِمْ میں من زائدہ ہے جیسے اس ارشاد میں من زائدہ ہے۔ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ﴿۵۱﴾ (الحاقہ) بعض نے کہا: یہ من تبعضیہ ہے کیونکہ کچھ دیکھنا مباح ہوتا ہے۔ بعض نے کہا: الغض کا معنی نقصان ہے کہا جاتا ہے: غض فلان من فلان، یعنی اس سے کمی کر دی۔ آنکھوں کو جب عمل سے روک دیا گیا ہو تو وہ نیچے کی گئی ہے اور اس میں کمی کی گئی ہے پس من الغض کے متعلق ہو گیا نہ تبعض کے لیے ہوگا اور نہ زائدہ ہوگا۔

مسئلہ نمبر 3۔ آنکھ، دل کی طرف بہت بڑا دروازہ ہے اور حواس کے طرق کو اس کی طرف بہت زیادہ پہنچاتا ہے۔ اس وجہ سے اس کی بنا پر سقوط بہت زیادہ ہوتا ہے اس سے بچنا بہت ضروری ہے اور تمام محرمات سے آنکھ کا جھکانا واجب ہے اور ہر اس چیز سے آنکھوں کو نیچا کرنا ضروری ہے جس سے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”راستوں پر بیٹھنے سے بچو“ (1)، صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ان مجالس پر بیٹھنا ہماری مجبوری ہے، ہم یہاں آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تمہیں ضروری ہے تو راستے کا حق ادا کرو“ (2)۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! راستے کا حق کیا ہے؟ فرمایا: ”آنکھ کا جھکانا، اذیت سے رکنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا“ (3)۔ اس حدیث کو حضرت ابوسعید خدری نے روایت کیا ہے۔ اس کو بخاری و مسلم نے تخریج کیا ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”غیر محرم کی طرف متواتر نہ دیکھو پہلی نظر معاف ہے، دوسری نظر تجھے معاف نہیں“ (4)۔ اوزاعی نے روایت کیا ہے فرمایا مجھے ہارون بن رباب نے بیان کیا کہ غزو ان اور حضرت ابوموسیٰ اشعری دونوں کسی جنگ میں تھے ایک عورت کا ستر کھل گیا تو غزو ان نے اس کی طرف دیکھا پھر اپنا ہاتھ اٹھایا اور اپنی آنکھ پر زور سے طمانچہ مارا حتیٰ کہ آنکھ سوج گئی اور کہا: تو ایسی چیز کی طرف دیکھتی ہے جو تجھے نقصان دیتی ہے نفع نہیں دیتی ہے۔ پھر غزو ان، حضرت ابوموسیٰ سے ملے اور ان سے ان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا: تو نے اپنی آنکھ پر ظلم کیا ہے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو اور استغفار کرو کیونکہ پہلی نظر دیکھنا اس کے لیے جائز تھا اور اس کے بعد ممنوع تھا۔ اوزاعی نے کہا: غزو ان نے اپنے نفس پر ضبط کیا اور کبھی نہ ہنسے حتیٰ کہ وصال ہو گیا۔ صحیح مسلم میں حضرت جریر بن عبد اللہ سے مروی ہے فرمایا: میں نے نبی پاک ﷺ سے اچانک اٹھنے والی نظر کے بارے پوچھا تو آپ ﷺ نے مجھے اپنی آنکھ پھیرنے کا حکم دیا۔ یہ اس کے قول کو تقویت دیتی ہے جو کہتے ہیں کہ من تبعیض ہے کیونکہ پہلی نظر پر کنٹرول نہیں ہوتا وہ خطاب تکلیف میں داخل نہیں کیونکہ اس کا وقوع قصداً نہیں ہوتا اور نہ اس میں انسان کا کسب ہوتا ہے نہ اس کے روکنے کا مکلف ہوتا ہے پس اس لیے تبعیض واجب ہے۔ یہ فرج کے بارے میں نہیں فرمایا کیونکہ اس پر ضبط نہیں ہوتا۔ شعبی نے اپنی بیٹی یا اپنی ماں یا اپنی بہن کو متواتر دیکھنے کو مکروہ کہا ہے۔ ان کا زمانہ ہمارے اس زمانہ سے بہتر تھا اور کسی محرمہ عورت کی طرف بار بار شہوت کی نظر سے دیکھنا حرام ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَيَحْفَظُوا أْفُرُوْجَهُمْ** یعنی اپنی شرمگاہوں کو اس سے چھپاؤ جس کا دیکھنا حلال نہیں ہے۔ بعض نے فرمایا: اس سے مراد ہے زنا سے بچاؤ۔ اس قول کی بناء پر من فروجہم ہوتا تو بھی جائز ہوتا۔ صحیح یہ ہے کہ تمام مفہوم مراد ہیں۔ لفظ عام ہے۔ بہر بن حکیم بن معاویہ قشیری نے اپنے باپ سے انہوں نے ان کے دادا سے روایت کیا فرمایا: میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم اپنی شرمگاہوں میں سے کس کو چھپائیں اور کس کو کھلا چھوڑیں؟ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو مگر اپنی زوجہ اور کنیز اس سے مستثنیٰ ہیں“ (5)۔ اس شخص نے پوچھا: ایک مرد دوسرے مرد کے ساتھ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”اگر تو طاقت رکھتا ہے کہ شرمگاہ کو کوئی نہ دیکھے تو ایسا ضرور کر“ (6)۔ میں نے عرض کی: ابھی انسان تنہا ہوتا ہے۔ فرمایا: ”اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے حیا کیا جائے“۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی پاک

3۔ ایضاً

2۔ ایضاً

1۔ صحیح بخاری، اُفتیۃ الدور والجلوس فیہا والجلوس علی الصعدات، جلد 1، صفحہ 333

4۔ ابوداؤد، کتاب النکاح، باب ما یؤمر بہ من رد البصر، حدیث 1837، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

6۔ ایضاً

5۔ جامع الترمذی، صحاح فی حفظ العورۃ، جلد 2، صفحہ 103

سلیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھ اپنی حالت کا ذکر کیا اور فرمایا: نہ میں نے آپ کی شرمگاہ دیکھی اور نہ آپ نے میری شرمگاہ دیکھی۔

مسئلہ نمبر 5۔ اس آیت کی وجہ سے علماء نے بغیر ازار کے حمام میں داخل ہونے کو حرام قرار دیا ہے حالانکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جو انسان خرچ کرتا ہے اس میں سے بہتر وہ درہم ہے جو وہ خلوت میں حمام کے لیے دیتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ حمام میں داخل ہوئے جبکہ وہ حشفہ میں محرم تھے۔ پس مرگڈوں کے لیے حمام میں ازار کے ساتھ داخل ہونا جائز ہے اسی طرح عورتوں کے لیے ضرورت کے لیے داخل ہونا جائز ہے جیسے حیض و نفاس سے غسل کے لیے یا ایسی مرض کے لیے جو عورتوں کو لاحق ہوتی ہیں عورتوں کے لیے افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو وہ اپنے گھروں میں غسل کریں۔ احمد بن منیع نے روایت کیا ہے انہوں نے کہا حسن بن موسیٰ نے ہمیں بتایا انہوں نے کہا ہمیں ابن لہیعہ نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں زیان نے بتایا انہوں نے حضرت سہل بن معاذ سے روایت کیا انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت ام درداء سے روایت کیا کہ انہوں نے حضرت ام درداء کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے نبی پاک سلیٰ علیہ السلام ملے جبکہ میں حمام سے نکلی تھی آپ سلیٰ علیہ السلام نے پوچھا: ”ام الدرداء کہاں سے آرہی ہے؟“ (1) انہوں نے کہا: حمام سے۔ آپ سلیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جو عورت اپنے گھر کے علاوہ کسی گھر میں کپڑے اتارتی ہے وہ اپنے اور رحمن کے درمیان ہر پردے کو پھاڑنے والی ہوتی ہے۔“ ابو بکر بزار نے طاووس سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا نبی پاک سلیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ”اس گھر سے بچو جس کو حمام کہا جاتا ہے“ صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ! سلیٰ علیہ السلام وہ میل کو صاف کرتا ہے۔ فرمایا: ”پھر پردہ کرو۔“ ابو محمد عبدالحق نے کہا: یہ اس باب میں سند کے اعتبار سے اصح حدیث ہے لوگ اس کو طاووس سے مرسل روایت کرتے ہیں اور ابو داؤد نے جو اس بارے میں حنظل و اباحت سے روایت کیا ہے اسانید کے ضعیف ہونے کی وجہ سے کوئی چیز صحیح نہیں ہے، اسی طرح جو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس زمانہ میں حمام میں داخل ہونا اہل فضل اور اہل دین پر حرام ہے کیونکہ لوگوں پر جہالت کا غلبہ ہے اور لوگ اسے سہل سمجھنے لگے ہیں جب وہ حمام کے درمیان میں ہوتے ہیں تو اپنے ازار پھینک دیتے ہیں حتیٰ کہ ہر ایک خوش شکل بزرگ آدمی حمام کے وسط میں کھڑا نظر آتا ہے اس کے باہر والا حصہ اس کی شرمگاہ کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ اسے اپنی رانوں کے درمیان سمیٹے ہوئے ہوتا ہے اور کوئی بھی اسے منع نہیں کرتا یہ معاملہ مردوں میں ہے عورتوں کی کیا حالت ہوگی خصوصاً مصری شہروں میں کیونکہ ان کے حمام تو ان پاکیزہ عورتوں سے خالی ہوتے ہیں جو لوگوں کی نظروں سے چھپتی ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا با اللہ العلیٰ العظیم۔

مسئلہ نمبر 6۔ اگر وہ حمام میں ستر کے ساتھ داخل ہو تو دس شہراٹھ کے ساتھ داخل ہو۔

1- وہ صرف علاج کی نیت سے، پسینہ سے طہارت حاصل کرنے کی نیت سے۔

2- خلوت اور لوگوں کے کم ہونے کے وقت داخل ہو۔

3- اپنی شرمگاہ کو مونے کپڑے سے ڈھانپے۔

4- اس کی نظر زمین کی طرف ہو یا سامنے والی دیوار کی طرف ہوتا کہ کسی ممنوع چیز پر نظر نہ پڑے۔

5- کسی برائی کو دیکھے تو زمی سے منع کرے وہ کہے: پردہ کرو اللہ تجھ پر پردہ ڈالے۔

6- اگر کوئی شخص اس کے جسم کو مل رہا ہو تو اسے شرمگاہ پر قدرت نہ دے مرد کی شرمگاہ ناف سے گھٹنے تک ہے ہاں بیوی

یا کیزہ ہو تو ان سے ستر کی صفائی کرا سکتا ہے۔ علماء کا اختلاف ہے کہ ران شرمگاہ ہے یا نہیں۔

7- اجرت معلومہ جو شرط کے ساتھ معلوم ہو یا لوگوں کی عادت کے ساتھ معلوم ہو اس کی ادائیگی کے ساتھ داخل ہو۔

8- ضرورت کی مقدار پانی انڈیلے۔

9- اگر وہ تنہا حمام میں داخل ہونے پر قادر نہ ہو تو اس قوم کے ساتھ اتفاق کرے جو اپنے ادیان کی حفاظت کرتے ہیں

اپنے کپڑے پر۔

10- جہنم کو یاد کرے اگر یہ سب کچھ ممکن نہ تو اسے پردہ کرنا چاہیے اور آنکھوں کو نیچا رکھنے میں کوشش کرے۔

امام ترمذی ابو عبد اللہ نے نوادر الاصول میں طاووس عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے فرمایا نبی

پاک ﷺ نے فرمایا: ”اس مکان سے بچو جس کو حمام کہا جاتا ہے“ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم وہ میل کو دور کرتا ہے اور

آگ یاد دلاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم ضرور ایسا کرنے والے ہو تو ستر ڈھانپ کر داخل ہو“ (1)۔ حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”بہتر گھر جس میں مسلمان مرد داخل ہوتا ہے وہ

حمام ہے۔ یہ اس لیے کیونکہ وہ جب اس میں داخل ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرتا ہے اور آگ سے پناہ مانگتا ہے

اور برا گھر وہ ہے جس میں مرد داخل ہوتا ہے وہ بیت العروس ہے کیونکہ وہ اسے دنیا کی رغبت دیتا ہے اور اسے آخرت بھلا دیتا

ہے۔“ ابو عبد اللہ نے کہا: یہ اہل غفلت کے لیے ہے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو اس کے ساتھ جو اس میں ہے اہل غفلت کی تذکیر کا

سبب بنایا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے اپنی آخرت کو یاد کریں۔ رہے اہل یقین تو آخرت ہمیشہ ان کی آنکھوں کے سامنے رہتی

ہے، نہ انہیں حمام اچھا لگتا ہے اور نہ بیت عروس انہیں اپنی طرف راغب کرتا ہے۔ آخرت کے مقابلہ میں دنیا و مافیہا بہت حقیر

ہے حتیٰ کہ دنیا کی تمام نعمتیں ان کی آنکھوں میں ایک بڑے دسترخوان بکھرے ہوئے کھانے کی طرح ہیں اور دنیا کی تمام

تکالیف ان کی آنکھوں میں اس قتل کی مانند ہیں جس کے ساتھ اس مجرم یا گنہگار کو سزا دی جاتی ہے جو اہل دنیا کی تمام عقوبات

میں سے قتل یا سولی چڑھانے کا مستحق ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ذٰلِكَ اِذْ لٰى لَہُمْ یعنی نظروں کو نیچا کرنا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنا دین میں پاکیزہ

ہے اور انسانوں کی میل کچیل سے بہت دور ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ اَللّٰهُ تَعَالٰی جَانِنٌ وَاللّٰہُ یَصْنَعُوْنَ ﴿۷﴾ یہ دھمکی اور وعید ہے۔

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَعْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ
 إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلَا يَضْرِبْنَ بِخُرْسِيِّهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا
 لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ
 إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنَاتِ آبَائِهِنَّ أَوْ مَمْلُوكَاتٍ أَيْمَانُهُنَّ أَوْ
 التَّبَعِينَ غَيْرِ أُولِي الْأَرْبَابَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ
 النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ۗ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ
 جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٢٣﴾

”اور آپ حکم دیجئے ایماندار عورتوں کو کہ وہ نیچی رکھا کریں اپنی نگاہیں اور حفاظت کیا کریں اپنی عصمتوں کی اور نہ ظاہر کیا کریں اپنی آرائش کو مگر جتنا خود بخود نمایاں ہو اس سے اور ڈالے رہیں اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں میں اور نہ ظاہر ہونے دیں اپنی آرائشوں کو مگر اپنے شوہروں کے لیے یا اپنے باپوں کے لیے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے لیے یا اپنے بیٹوں کے لیے یا اپنے خاندانوں کے بیٹوں کے لیے یا اپنے بھائیوں کے لیے یا اپنے بھتیجیوں کے لیے اور اپنے بھانجیوں کے لیے یا اپنی ہم مذہب عورتوں پر یا اپنی باندیوں پر یا اپنے ایسے نوکروں پر جو (عورت) کے خواہش مند نہ ہوں یا ان بچوں پر جو (ابھی تک) آگاہ نہیں عورتوں کی شرم والی چیزوں پر اور نہ زور سے ماریں اپنے پاؤں (زمین پر) تاکہ معلوم ہو جائے وہ بناؤ سنگار جو وہ چھپائے ہوئے ہیں اور رجوع کرو اللہ تعالیٰ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو! تاکہ تم (دونوں جہانوں میں) باامراد ہو جاؤ۔“

اس میں تیس (23) مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَعْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلَا يَضْرِبْنَ بِخُرْسِيِّهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنَاتِ آبَائِهِنَّ أَوْ مَمْلُوكَاتٍ أَيْمَانُهُنَّ أَوْ التَّبَعِينَ غَيْرِ أُولِي الْأَرْبَابَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ۗ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٢٣﴾۔ تاکہ اللہ تعالیٰ نے تاکید کے طریق پر عورتوں کو خطاب کے ساتھ خاص کیا ہے کیونکہ قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ کا قول کافی تھا کیونکہ وہ عام ہے مومنین میں سے مذکورہ مونت سب کو شامل ہے جیسا کہ ہر خطاب جو قرآن میں عام ہے۔ يَعْضُضْنَ میں تضعیف ظاہر ہے جبکہ يَحْفَظْنَ میں ظاہر نہیں ہے کیونکہ فعل کا لام کلمہ دوسرے میں ساکن ہے اور پہلے میں متحرک ہے یہ دونوں فعل امر کے جواب کی وجہ سے محل جزم میں ہیں۔ فرج کے ذکر سے پہلے غرض بصر کا ذکر فرمایا کیونکہ نظر دل کے لیے جاسوس ہے جیسا کہ بخار موت کے لیے جاسوس ہے یہ مفہوم ایک شاعر نے بیان کیا ہے:

ألم تر أن العين للقلب زائد فما تألف العينان فالقلب آلف

آنکھ دل کی جاسوس ہے آنکھیں جس کو پسند کرتی ہے دل بھی اس سے الفت کرتا ہے۔ حدیث میں ہے: ”نظر شیطان کے

زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے جس نے اپنی نظر کو نیچا کیا اللہ تعالیٰ دل میں اسے مٹھاس عطا فرماتا ہے“ (1)۔

مجاہد نے کہا: جب عورت آتی ہے تو شیطان اس کے سر پر ہوتا ہے وہ اسے خوبصورت بناتا ہے اس کے لیے جو اسے دیکھتا ہے جب وہ واپس جاتی ہے تو وہ اس کے پچھلے حصہ پر بیٹھا ہوتا ہے وہ اسے مزین کرتا ہے اس کے لیے جو اسے دیکھتا ہے۔ خالد بن ابی عمران سے مروی ہے: متواتر نظر سے نہ دیکھو بعض اوقات بندہ دیکھتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کا دل فاسد ہوتا ہے جس طرح چیز خراب ہوتا ہے تو اس سے نفع نہیں اٹھایا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو غیر حلال چیزوں سے نظر نیچی رکھنے کا حکم دیا ہے پس مرد کے لیے اجنبی عورت کی طرف دیکھنا جائز نہیں اور عورت کے لیے مرد کو دیکھنا جائز نہیں کیونکہ عورت کا مرد سے وہ تعلق ہے جو مرد کا عورت سے تعلق ہے۔ عورت کا مرد سے وہی قصد ہے جو مرد کا عورت سے قصد ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا میں نے نبی پاک ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر زنا کا حصہ لکھا ہے تو وہ ضرور اسے پائے گا آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنا ہے“ (الحديث) (1)۔

زہری نے ان عورتوں کو دیکھنے کے بارے فرمایا جن کو حیض نہیں آتا: ایسی عورتوں کو دیکھنا جائز نہیں جن کو دیکھنے کی طرف نظر شوق کرتی ہو اگرچہ وہ چھوٹی بھی ہوں۔ عطا نے ان لونڈیوں کی طرف دیکھنا بھی مکروہ قرار دیا ہے جو مکہ میں نیچی جاتی ہیں مگر وہ خریدنے کا ارادہ کرتا ہے تو دیکھ سکتا ہے۔ صحیحین میں آپ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت فضل کا چہرہ خشمیہ عورت سے پھیر دیا تھا جب وہ سوال کر رہی تھی۔ حضرت فضل اس کو دیکھ رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا: ”غیرت ایمان سے ہے اور مذاہنفاق سے ہے“ (2)۔ مذاہن یہ ہے کہ کوئی مردوں اور عورتوں کو جمع کرے پھر انہیں چھوڑے وہ ایک دوسرے سے دل لگی کرتے رہیں۔ یہ السنذی سے مشتق ہے۔ بعض نے کہا: اس کا مطلب مردوں کو عورتوں کی طرف بھیج دینا۔ یہ عربوں کے اس قول سے ہے: مذیت الفہاس گھوڑے کو چرنے کے لیے چھوڑ دینا۔ ہرنز کو مذی آتی ہے اور ہر عورت کو قذی آتی ہے۔ جو عورت اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کے لیے اپنی زینت کو ظاہر کرنا حلال نہیں مگر جس کے لیے وہ حلال ہے یا جس پر وہ ہمیشہ کے لیے حرام ہے وہ امن میں ہوتا ہے کہ اس کی طبع ان کی طرف متحرک ہو کیونکہ اسے ان سے مایوسی ہوتی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ترمذی نے مہبان مولیٰ ام سلمہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اسے اور حضرت میمونہ کو فرمایا جب ان کے پاس حضرت ابن ام مکتوم تھا ”اس سے پردہ کرو“ انہوں نے عرض کی: حضور! یہ تو نابینا ہے۔ فرمایا: ”کیا تم بھی نابینا ہو کیا تم اسے نہیں دیکھتی ہو“ (3)۔ اگر یہ کہا جائے کہ اہل نقل کے نزدیک یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت ام سلمہ سے روایت کرنے والا راوی آپ کا غلام مہبان ہے اور اس کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی اور اس کی صحت کی تقدیر پر یہ ازواج مطہرات پر ان کی حرمت کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی طرف سے سختی اور تغلیظ ہوگی جس طرح حجاب کے مسئلہ میں

1۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، قدر علی ہنی آدم حفظہ من الزنا وغیرہ، جلد 2، صفحہ 336

2۔ مجمع الزوائد، کتاب النکاح، باب الغیرہ، جلد 4، صفحہ 600، حدیث 7725

3۔ جامع ترمذی، کتاب الادب، ما جاء فی احتجاب النساء من الرجال، جلد 2، صفحہ 102۔

ایضاً، سنن ابی داؤد، باب لی قونہ عزوجل وقل للمؤمنات یغضن من ابصارہن، حدیث 3085، انبیاء القرآن پہلی کیشنز

ان پر سختی فرمائی تھی جیسا کہ ابو داؤد وغیرہ ائمہ نے اشارہ کیا ہے اور صحیح ثابت حدیث کا معنی باقی رہ جاتا ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فاطمہ بنت قیس کو ام شریک کے گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا پھر فرمایا: ”وہ ایسی عورت ہے جس کے پاس میرے صحابہ آتے ہیں تو ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزار کیونکہ وہ نابینا شخص ہے تو اپنے کپڑے اتارے گی تو وہ تجھے نہیں دیکھے گا“ (1)۔ ہم کہیں گے: بعض علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ مرد کا وہ حصہ دیکھ سکتی ہے جو مرد کے لیے عورت کا دیکھنا جائز نہیں ہے جیسے سر اور کان، لیکن شرمگاہ دیکھنی جائز نہیں اس بنا پر یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: **قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَتَّصِنْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ** کے لیے مخصص ہوگی اور من تبعیض کے لیے ہوگا جیسے اس سے پہلی آیت میں تھا۔ ابن عربی نے کہا: نبی پاک ﷺ نے ام شریک کے گھر سے حضرت ابن ام مکتوم کے گھر کی طرف منتقل ہونے کو کہا کیونکہ ام شریک کے گھر کی نسبت اس میں اس کی بقا کے لیے بہتر تھا، کیونکہ ام شریک کے پاس کثرت سے لوگ آتے جاتے تھے تو اسے بھی دیکھنے والے زیادہ ہوتے اور حضرت ابن ام مکتوم کے گھر میں اسے کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔ حضرت ابن مکتوم سے اپنی آنکھ کو روکنا اس کے لیے زیادہ بہتر تھا۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ دیکھنے والوں کے لیے اپنی زیب و زینت ظاہر نہ کریں مگر دیکھنے والوں سے جن کی آیت میں استثناء فرمائی۔ علماء کا اس مقدار میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ظاہر زینت سے مراد کپڑے ہیں (2)۔ ابن جبیر نے چہرے کا بھی اضافہ کیا ہے۔ سعید بن جبیر نے بھی اور عطا اور اوزاعی نے چہرہ، ہتھیلیاں اور لباس فرمایا ہے (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور حضرت مسور بن مخرمہ نے کہا: ظاہر زینت سے مراد سرمہ، کنگن اور نصف ذراع تک خضاب (مہندی) بالیاں اور انگوٹھی ہے (4)۔ یہ چیزیں ظاہر کرنا مباح ہے ہر اس شخص کے سامنے جو اس کے پاس آئے۔ طبری نے قتادہ سے نصف ذراع کے معنی میں نبی کریم ﷺ سے حدیث روایت کی ہے (5) اور دوسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے نبی کریم ﷺ سے روایت کی ہے فرمایا: ”جو عورت اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کے لیے ظاہر کرنا حلال نہیں مگر اپنا چہرہ اور یہاں تک اپنے ہاتھ (نصف ذراع سے کپڑا اشارہ کیا)“ ابن عطیہ نے کہا: میرے لیے آیت کے الفاظ کا حکم ظاہر ہوا ہے کہ عورت کو زینت ظاہر نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اسے اپنے آپ سے ہر زینت چھپانے کی کوشش کرنے کا حکم دیا گیا ہے (6) جس کو ظاہر کرنے کی استثناء واقع ہوئی ہے وہ ضرورت کے ساتھ ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے یا اصلاح شان وغیرہ کے لیے ظاہر کرنا ہوتا ہے پس ماظہر اس بنا پر وہ ہوگا جس کی عورتوں میں ضرورت ہے اور وہ معاف ہے۔

میں نے کہا: یہ عمدہ قول ہے مگر عادت اور عبادت جب چہرہ اور ہاتھ ظاہر کیے جاتے ہیں اور یہ نماز اور حج میں ظاہر ہوتے ہیں تو بہتر ہے کہ استثناء ان دونوں کی طرف راجع ہو اس پر دلیل ابو داؤد کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت

2۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 377

1۔ صحیح مسلم، کتاب الطلاق، المطلقۃ البائن لانفقت لہا، جلد 1، صفحہ 483

6۔ ایضاً

5۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 178

4۔ ایضاً

3۔ ایضاً

ابی بکر نبی پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی جبکہ اس پر باریک کپڑے تھے نبی پاک ﷺ نے اس سے چہرہ مبارک پھیر لیا اور اسے فرمایا: ”اے اسماء جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کا دیکھا جانا درست نہیں مگر یہ حصہ“ (1) آپ ﷺ نے اپنے چہرے اور اپنی ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا (2)۔ یہ احتیاط کی جانب سے اقویٰ ہے اور اس میں لوگوں کے فساد کی بھی رعایت ہے پس عورت اپنی زینت ظاہر نہ کرے مگر چہرے اور ہاتھوں میں سے جو ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق بخشنے والا ہے اس کے سوا کوئی پروردگار نہیں۔ ابن خويز منداد جو ہمارے علماء میں سے ہے انہوں نے کہا: جب عورت خوبصورت ہو اور اس کے چہرے اور ہتھیلیوں سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو وہ ان اعضاء کو بھی ڈھانپ لے۔ اگر وہ بوڑھی ہو یا بد صورت ہو تو اس کے لیے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنا جائز ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ زینت کی دو قسمیں ہیں: ایک خلقی ہے اور دوسری کسبی ہے۔ خلقی زینت اس کا خوبصورت چہرہ ہے وہ زینت کی اصل ہے، خلقت کا جمال ہے اور حیوانیت کا معنی ہے کیونکہ اس میں منافع اور علوم کے راستے ہیں اور کسبی زینت سے مراد بناؤ سنگھار ہے جو عورت اپنی تخلیق کو خوبصورت بنانے کے لیے کرتی ہے جیسے لباس، زیورات، سرمہ اور خضاب اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **خُذُوا زِينَتَكُمْ (الاعراف: 31)** شاعر نے کہا:

يَأْخُذْنَ زِينَتَهُنَّ أَحْسَنَ مَا تَرَى إِذَا عَطَلْنَ فَهِنَّ خَيْرَ عَوَاطِلِ

مسئلہ نمبر 5۔ زینت کا ظاہر اور باطن ہے؛ جو ظاہر ہے وہ محارم اور اجانب ہر ایک کے لیے ظاہر کرنا مباح ہے۔ ہم نے علماء کے اقوال اس پر ذکر کر دیے ہیں اور جو باطنی زینت ہے اس کا ظاہر کرنا حلال نہیں مگر ان کے لیے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نام لیا ہے یا جو ان کے قائم مقام ہیں۔ نگن کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ زینت ظاہرہ سے ہے کیونکہ یہ ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: یہ باطنی زینت سے ہے کیونکہ یہ ہتھیلیوں سے خارج ہے یہ بازوؤں پر ہوتے ہیں۔ ابن عربی نے کہا: خضاب زینت باطنی سے ہے جب یہ قدموں میں ہو۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلْيَضْرِبْنَ بِخُسْفِهِنَّ عَلَى جُجُوبِهِنَّ** جمہور نے لام کے سکون کے ساتھ پڑھا (3) ہے جو لام امر کے لیے ہے۔ ابو عمرو نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے اصل پر کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ لام امر کی اصل کسرہ ہے اور اس کے ثقل کی وجہ سے کسرہ کو حذف کیا گیا ہے اور اس کا سکون عضد اور فخذ کے سکون کی طرح ہے۔ اور یضربن امر کی وجہ سے محل جزم میں ہے مگر یہ سیبویہ کے نزدیک ماضی کی اتباع کی وجہ سے ایک حالت پر مبنی کیا گیا ہے۔ اس آیت کا سبب یہ ہے کہ عورتیں اس زمانہ میں جب اپنے سر چادروں کے ساتھ ڈھانپتی تھیں تو ان کے پلو پیٹھ پر لٹکا دیتی تھیں۔ نقاش نے کہا: جیسے نہلی لوگ کرتے ہیں پس سینہ، گردن اور کان ڈھانپے ہوئے نہیں ہوتے تھے (4) تو اللہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، فیما تبدی السراة من زینتها، جلد 2، صفحہ 211

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب العمام باب فیما تبدی السراة من زینتها، حدیث 3580، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ ایضاً

3۔ المراد الوجیز، جلد 4، صفحہ 178

تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ اپنی چادریں اپنے سینوں پر ڈالیں۔ اس کی ہیئت یہ ہے کہ عورت اپنی چادر اپنے گریبان پر ڈالے تاکہ اس کا سینہ ڈھک جائے۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پہلی مہاجر عورتوں پر رحم فرمائے جب **وَلْيَضْرِبْنَ بِخُسْرِهِنَّ عَلٰی جُيُوبِهِنَّ** کا ارشاد نازل ہوا تو انہوں نے اپنی چادریں پھاڑ دیں اور ان کے ساتھ اپنے سینوں کو ڈھانپا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آئی جو ان کی بھتیجی تھی اور ان کے بھائی عبدالرحمن کی بیٹی تھی اس نے ایسا باریک دوپٹہ کیا ہوا تھا کہ اس سے اس کی گردن وغیرہ نظر آرہی تھی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس دوپٹہ کو پھاڑ دیا اور فرمایا: ایسا موٹا کپڑا ہونا چاہیے جو چھپا دے۔

مسئلہ نمبر 7۔ الخمر، خمار کی جمع ہے وہ چادر جس کے ساتھ عورت اپنا سر ڈھانپتی ہے اسی سے ہے: **أَخْبَرَتِ الْمَرْأَةُ وَتَخْتَرَتْ وَهِيَ حَسَنَةُ الْخَمْرَةِ** (عورت نے دوپٹہ اوڑھا) الجيوب جیب کی جمع ہے اس سے مراد قمیص کا گلہ ہے یہ جو ب سے مشتق ہے جس کا معنی کاٹنا ہے۔ مشہور قراءت جیوبہن جیم کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ بعض کوفیوں نے یاء کی وجہ سے جیم کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے (1) جیسا کہ ان کی قراءت بیوت اور شیوخ میں ہے۔ قدیم نحوی اس قراءت کو جائز قرار نہیں دیتے وہ کہتے ہیں: بیت اور بیوت جسے فلس اور فلوس ہے۔ زجاج نے کہا: ضمہ کو کسرہ سے بدلنا جائز ہے اور جو حمزہ سے ضمہ اور کسرہ کو جمع کرنا مروی ہے وہ محال ہے کیونکہ اس کا تلفظ نہیں کر سکتا مگر ناجائز کی طرف اشارہ کرنے پر۔ مقاتل نے کہا: **عَلٰی جُيُوبِهِنَّ** سے مراد علی صدورہن اپنے سینوں پر یعنی اپنے گلوں کے اوپر۔

مسئلہ نمبر 8۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ گریبان کپڑے میں سینے کی جگہ ہوتا ہے اسی طرح سلف صالحین کے کپڑوں میں گریبان سینوں پر ہوتے تھے جیسا کہ ہمارے ہاں اندلس اور مصری دیار میں عورتوں، مردوں اور بچوں وغیرہ کے لیے عورتیں گریبان بناتی ہیں۔ امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے (باب جیب القمیص عند الصدر وغیرہ) قمیص کا گریبان سینے کے پاس ہونا اور امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے فرمایا نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”بخیل اور صدقہ کرنے والے کی مثال ان دو شخصوں کی ہے جن کے اوپر لوہے کے دو جے ہیں وہ اپنا ہاتھ اپنے سینوں کی طرف بڑھاتے ہیں“ (2)۔ یہ حدیث مکمل پہلے گزر چکی ہے اس میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے نبی پاک ﷺ کو اپنے گریبان کی طرف اپنی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے دیکھا اگر تو (بخیل) کو دیکھے کہ وہ اس جے کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ نہیں کھلتا۔ یہ بیان کرتا ہے کہ آپ ﷺ کی جیب (گریبان) آپ ﷺ کے سینہ پر تھی اگر وہ گریبان آپ کے کندھے پر ہوتا تو آپ کے ہاتھ سینے کی طرف نہ بڑھتے یہ عمدہ استدلال ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِلَّا لِيُعْذَرْتَهُنَّ**۔ بعل سے مراد کلام عرب میں شوہر اور آقا ہے اور اس سے نبی کریم ﷺ کا حدیث جبریل میں ارشاد ہے: **إِذَا وُلِدَتِ الْأُمَّةُ بَعْلَهَا** (3) یعنی جب لونڈی اپنے آقا کو جنے گی۔ کثرت

فتوحات کی وجہ سے یہ کثرت غلامی کی طرف اشارہ ہے۔ لہذا لونڈیوں کی طرف سے اولاد آئے گی اور ہر ام ولد اپنے بیٹے کی وجہ سے آزاد ہو جائے گی۔ تو گویا وہ اس کا وہ آقا ہوگا جس نے آزادی کے ذریعے اس پر احسان کیا ہے کیونکہ لونڈی کو اس کے سبب آزادی حاصل ہوگی؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سے نبی کریم ﷺ کا حضرت ماریہ بنتی نبیہا کے بارے میں ارشاد ہے: أعتقها ولدھا (1) یعنی اس کے بیٹے نے اس کو آزاد کیا ہے۔ نیز آپ نے آزادی کو اس بچے کی طرف منسوب کیا۔ اور یہ اس حدیث کی عمدہ ترین تاویلات ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔

خاوند اور آقا بیوی اور لونڈی کی زینت دیکھ سکتا ہے اور اکثر زینت کو دیکھ سکتا ہے کیونکہ اس کا پورا بدن اس کے لیے لذت حاصل کرنے اور دیکھنے کے لیے حلال ہے اسی معنی کی بنا پر بعولہ کا پہلے ذکر فرمایا کیونکہ ان کی ان کے اکثر حصہ پر اطلاع واقع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِينَ هُمْ يُقْرُونَ هُمْ حَفِظُونَ ﴿١﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٢﴾ (المومنون)

مسئلہ نمبر 10۔ مرد کا عورت کی فرج کی طرف دیکھنے کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے اس میں دو قول ہیں۔ جائز ہے کیونکہ جب اس کے لیے اس سے تلذذ جائز ہے تو دیکھنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ بعض علماء نے کہا: جائز نہیں کیونکہ حضرت عائشہ بنتی نبیہا نے فرمایا جب انہوں نے نبی پاک ﷺ کے ساتھ اپنی حالت کا ذکر کیا: میں نے آپ کی شرمگاہ نہیں دیکھی اور آپ نے میری شرمگاہ نہیں دیکھی۔ پہلا قول اصح ہے اور یہ حدیث ادب پر محمول ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے اصنع جو ہمارے علماء میں سے ہے انہوں نے کہا: مرد کے لیے اپنی زبان سے اسے چاٹنا بھی جائز ہے۔ ابن خويز منداد نے کہا: خاوند اور آقا کے لیے عورت کے تمام بدن اور فرج خارج کو دیکھنا جائز ہے۔ فرج کے باطن کو دیکھنا جائز نہیں اسی طرح عورت کے لیے اپنے خاوند کی شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے اور لونڈی کے لیے اپنے آقا کی شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”فرج کی طرف دیکھنا اندھے پن کو پیدا کرتا ہے“۔ بعض علماء نے کہا: جو شرمگاہ کو دیکھتا ہے ان کے درمیان اندھا بچہ پیدا ہوتا ہے؛ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 11۔ جب اللہ تعالیٰ نے ازواج کا ذکر کیا تو پھر ان کا ذکر کیا پھر محارم کا ذکر کیا اور زینت کے ظاہر کرنے میں ان کے درمیان برابری رکھی لیکن ان کے مراتب بشر کے نفوس کے مطابق مختلف ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ باپ اور بھائی کا عورت پر کشف، اس کے خاوند کے بیٹے کے کشف سے زیادہ احتیاط کا متقاضی ہے اور جوان کے لیے ظاہر ہونا ہے اس کے مراتب بھی مختلف ہیں باپ کے لیے جو حصہ ظاہر کرنا جائز ہوتا ہے وہ خاوند کے بیٹے کے لیے ظاہر کرنا جائز نہیں ہوتا، تقاضی اسماعیل نے حسن اور حسینؑ سے روایت کیا ہے کہ وہ امہات المومنین کو نہیں دیکھتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا انہیں دیکھنا حلال تھا۔ اسماعیل نے کہا: میرا خیال ہے کہ حضرت حسن و حسین کا نظریہ یہ تھا (2) کہ خاوندوں نے بیٹوں کا

ذکر اس آیت میں نہیں جو نبی کریم ﷺ کی ازواج کے بارے میں ہے وہ یہ آیت ہے، لَا جُنَاحَ عَلَيْهِمْ فِي آبَائِهِمْ (الاحزاب: 55) اور سورہ النور میں فرمایا: وَلَا يُبَدِّلُ زِينَتَهُمْ إِلَّا لِيُبْعَثُوا عَلَيْهِمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت مراد لی ہے اور حسن و حسین نے دوسری آیت مراد لی ہے۔

مسئلہ نمبر 12۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَوْ أَبْنَاءَ بُعُولَتِهِمْ اس سے مراد خاوندوں کی مذکر اولاد ہے اور اس میں اولاد کی اولاد بھی داخل ہے اگرچہ بچے بھی ہوں خواہ وہ مذکر ہوں یا مؤنث ہوں جیسے بیٹوں کے بیٹے اور بیٹیوں کے بیٹے، اسی طرح خاوندوں اور دادوں کے آباء اگرچہ بہت اوپر کے ہوں مذکر کی جہت سے آباء کے آباء اور ماؤں کے آباء۔ اسی طرح ان کے بیٹے اگرچہ بہت نیچے کے ہوں اسی طرح بیٹیوں کے بیٹے اگرچہ وہ بہت نیچے کی ہوں اس میں بیٹوں کی اولاد اور بیٹیوں کی اولاد برابر ہیں۔ اسی طرح ان کی بہنیں خواہ آباء اور امہات کی طرف سے ہوں یا ایک صنف کی طرف سے ہوں، اسی طرح بھائیوں کے بیٹے اور بہنوں کے بیٹے اگرچہ بہت نیچے کے ہوں خواہ مذکر سے ہوں یا مؤنث سے ہوں جیسے بہنوں کے بیٹوں کے بیٹے اور بہنوں کی بیٹیوں کے بیٹے یہ وہ تمام رشتے ہیں جن سے نکاح حرام ہے کیونکہ یہ ولادت میں سے ہیں اور یہ محارم ہیں۔ یہ مسئلہ سورہ النساء میں گزر چکا ہے۔ اور جمہور کا خیال ہے کہ چچا، ماموں دیکھنے کے جواز میں دوسرے محارم کی طرح ہیں ان کے لیے وہ حصہ دیکھنا جائز ہے جو دوسرے محارم کے لیے دیکھنا جائز ہے۔ آیت میں رضاع (ودھ والے رشتوں کا) ذکر نہیں یہ بھی نسب کی طرح ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ثعلبی اور عکرمہ کے نزدیک چچا اور ماموں محارم میں سے نہیں ہیں۔ عکرمہ نے کہا: ان کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ اپنے بیٹوں کے تابع ہیں۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَوْ نِسَاءِ يَهُودٍ یعنی مسلمان عورتیں اس میں مومن لونڈیاں بھی داخل ہیں اور اس سے ذمیوں وغیرہ میں سے مشرکوں کی عورتیں خارج ہو جاتی ہیں۔ کسی مومنہ عورت کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے جسم کا کوئی حصہ مشرک عورت کے سامنے کھولے مگر یہ کہ وہ اس کی کنیز (لونڈی) ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ ابن جریج، عبادہ بن نسی اور ہشام القاری ناپسند کرتے تھے کہ نصرانی عورت، مسلمان عورت کو بوسہ دے یا اس کی شرمگاہ کو دیکھے وہ اَوْ نِسَاءِ يَهُودٍ سے یہ نکالتے تھے۔ عبادہ بن نسی نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو عبیدہ بن جراح کو لکھا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ ذمیوں کی عورتیں حمامات میں مسلمان عورتوں کے ساتھ داخل ہوتی ہیں انہیں اس سے منع کرو اور ان کے درمیان پردہ کرو (1)، کیونکہ ذمیہ عورت مسلمہ عورت کا ظاہر ہونے والا حصہ نہیں دیکھ سکتی۔ فرمایا: اس وقت حضرت ابو عبیدہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: عورت بغیر عذر کے حمام میں داخل ہوتی ہے وہ صرف اپنا چہرہ سفید کرنا چاہتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس دن اس کا چہرہ سیاہ کر دے گا جس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مسلمان عورت کے لیے حلال نہیں کہ اسے یہودیہ یا نصرانیہ دیکھے تاکہ وہ اس کا وصف اپنے خاوند سے بیان نہ کرے۔ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے اگر کافرہ مسلمان کی لونڈی ہو تو اس کا اپنی مالکن کو دیکھنا جائز ہے اور اس کے علاوہ نہیں کیونکہ اہل اسلام اور اہل کفر کے درمیان ولایت ختم ہو چکی

ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا تھا۔

مسئلہ نمبر 14۔ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ آیت کا ظاہر غلاموں اور مسلمانوں اور کتابیہ لونڈیوں کو شامل ہے یہ اہل علم کی ایک جماعت کا قول ہے؛ یہ حضرت عائشہ بنتی ثنبا اور حضرت ام سلمہ بنتی ثنبا کے مذہب کا ظاہر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: غلاموں کا اپنی مالکن کے بالوں کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں (1)۔ اشہب نے کہا: امام مالک سے پوچھا گیا: کیا عورت اپنا دوپٹہ خصی آدمی کے سامنے اتار دے؟ انہوں نے کہا: ہاں خواہ وہ اس کا غلام ہو یا غیر کا غلام ہو۔ رہا آزاد خصی تو اس کے سامنے نہ اتارے اگر وہ بڑا آدمی ہو اور کم عقل ہو نہ اس کی کوئی ہیئت ہو نہ منظر تو وہ اس عورت کے بال دیکھ سکتا ہے۔ اشہب نے کہا: امام مالک نے فرمایا اس میں گنجائش نہیں کہ بیٹے یا بیوی کی لونڈی، باپ یا خاوند کے پاس ہاتھ میں داخل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اشہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ کم عقل گھٹیا غلام اپنی مالکن کے بالوں کو دیکھ سکتا ہے اور اس میں خاوند کے غلام کے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔ سعید بن مسیب نے فرمایا: یہ آیت، اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اس سے مراد لونڈیاں ہیں (2) اس سے مراد غلام نہیں ہیں اور شعبی ناپسند کرتے تھے کہ مملوک اپنی مالکن کے بالوں کو دیکھے؛ یہ مجاہد اور عطا کا قول ہے۔ ابو داؤد نے اس سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے پاس ایک غلام لے آئے اور انہیں وہ بہہ کر دیا (3) اور فرمایا: فاطمہ پر ایک کپڑا تھا جب اس کے ساتھ اپنے سر کو ڈھانپتی تھی تو پاؤں تک نہیں پہنچتا تھا اور جب پاؤں ڈھانپتی تھیں تو سر تک نہیں پہنچتا تھا جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ پریشانی دیکھی تو فرمایا: ”تجھ پر کوئی حرج نہیں ہے یہ تیرا باپ اور تیرا غلام ہے۔“

مسئلہ نمبر 15۔ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے: اَوِ الشُّعْبَيْنِ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَابَةِ مِنَ الرِّجَالِ یعنی جن کو حاجت نہیں۔ الاربۃ کا معنی ہے حاجت۔ کہا جاتا ہے: اربت کذا ارب ارباء والارب والاربۃ والارب اس کا معنی حاجت ہے جمع مآرب ہے یعنی حوائج اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لِي فِيهَا مآرِبٌ اُخْرٰى ﴿٥﴾ (ط) میرے لیے اس میں دوسری بھی حاجتیں ہیں یہ پہلے گزر چکا ہے۔ طرفہ نے کہا:

اِذَا الْمَرْءُ قَالَ الْجَهْلُ وَالْحُبُّ وَالْخَنَا تَقَدَّمَ يَوْمَئِذٍ ضَاعَتْ مآرِبُهُ

لوگوں کا اَوِ الشُّعْبَيْنِ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَابَةِ کے قول میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: اس سے مراد احمق ہیں جن کو عورتوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بعض نے کہا: اس سے مراد ابلتہ ہے۔ بعض نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جو قوم کے پیچھے جاتا ہے اور اس کے ساتھ کھانا کھاتا ہے، ان کے ساتھ نرمی کرتا ہے وہ ایسا کمزور ہوتا ہے جو عورتوں کی پروا نہیں کرتا اور ان کا شوق نہیں رکھتا۔ بعض نے کہا: اس سے مراد نامرد ہے۔ بعض نے کہا: خصی ہے۔ بعض نے کہا: مخنث ہے۔ بعض نے کہا: انتہائی بوڑھا شخص ہے۔ بعض نے کہا: وہ بچہ ہے جو بالغ نہیں ہوتا۔ یہ اختلاف ایسا ہے کہ تمام معانی قریب ہیں اور جو نہ سمجھ رکھتا ہو اور ایسی

ہمت نہ رکھتا ہو جس کے ساتھ وہ عورتوں کے معاملات کی طرف متوجہ ہو یہ سب کو جامع ہے اس صف پر ہیبت خدشہ تھا جو نبی پاک ﷺ کے پاس تھا جب اس کو نبی پاک ﷺ نے عورت کے محاسن بیان کرتے ہوئے سنا وہ عورت غیلان کی بیٹی باذیہ تھی تو آپ ﷺ نے اس سے پردہ کرنے کا حکم دیا (1)۔ امام مسلم، ابوداؤد، امام مالک وغیرہم نے اس کی حدیث نقل کی ہے۔ ہشام بن عروہ نے عروہ سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے ابو عمر نے کہا: عبد الملک بن حبیب نے حبیب کا تب امام مالک نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے امام مالک سے پوچھا: سفیان نے ابنہ غیلان کی حدیث میں زیادتی کی ہے کہ وہ مخنث جس کو ہیبت کہا جاتا ہے اور آپ کی کتاب میں ہیبت نہیں ہے؟ امام مالک نے کہا: سچ کہا انہوں نے اسی طرح کہا اور نبی کریم ﷺ نے اسے انھی کی جگہ جلا وطن کر دیا یہ مسجد سے بائیں جانب ذی الحلیفہ کی جگہ ہے۔ حبیب نے کہا میں نے امام مالک سے کہا سفیان نے اپنی حدیث میں کہا ہے: جب وہ بیٹھتی ہے تو ٹانگیں پھیلا کر بیٹھتی ہے جب بولتی ہے تو گاتی ہے۔ امام مالک نے کہا: سچ کہا وہ اسی طرح تھی۔ ابو عمر نے کہا: حبیب کا تب امام مالک نے کہا جو کچھ سفیان سے ذکر کیا ہے انہوں نے حدیث میں فرمایا یعنی ہشام بن عروہ کی حدیث میں فرمایا: اس مخنثی کو ہیبت کہا جاتا ہے پس غیر معروف ہے کسی ایک راوی کے ہاں جو ہشام سے روایت کرتے ہیں نہ کہ ابن عیینہ اور نہ کسی اور سے نسق حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ مخنث کو ہیبت کہا جاتا ہے یہ انہوں نے حدیث کو مکمل کرنے کے بعد ابن جریج سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح ان کا قول سفیان سے مروی ہے کہ وہ حدیث میں کہتے تھے جب وہ بیٹھتی تھی تو ٹانگیں پھیلا کر بیٹھتی تھی اور جب بولتی تھی تو گاتی تھی۔ یہ وہ ہے جو نہ سفیان نے کہا ہے اور نہ کسی اور نے ہشام بن عروہ کی حدیث میں یہ لفظ نہیں پایا جاتا مگر واقدی کی روایت سے۔ تعجب ہے کہ وہ سفیان سے حکایت کرتا ہے اور وہ امام مالک سے حکایت کرتا ہے کہ وہ اسی طرح ہے تو یہ روایت امام مالک سے ہو گئی۔ اور امام مالک سے حبیب کے علاوہ کسی نے اس کو روایت نہیں کیا اور نہ سفیان سے اس کے علاوہ کسی نے روایت کیا ہے؛ واللہ اعلم۔ حبیب امام مالک کا کاتب ہے متروک الحدیث ہے اور تمام کے نزدیک ضعیف ہے اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی اور جو وہ بیان کرے اس کی طرف التفات نہیں کیا جاتا۔ واقدی اور کلبی نے ذکر کیا ہے کہ ہیبت المخنث نے عبد اللہ بن امیہ مخزومی کو کہا وہ حضرت ام سلمہ کے باپ کی طرف سے بھائی تھا اور اس کی والدہ عاتکہ تھی جو نبی پاک ﷺ کی پھوپھی تھی اس مخنث نے حضرت عبد اللہ کو کہا جبکہ وہ اپنی بہن ام سلمہ کے گھر میں تھے جبکہ نبی پاک ﷺ اس کی بات سن رہے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں طائف کی فتح دے بادیہ بنت غیلان بن سلمہ ثقفی کو لازم پکڑو وہ اتنی موٹی ہے کہ چار سلوٹوں کے ساتھ آتی ہے اور آٹھ سلوٹوں کے ساتھ واپس جاتی ہے نیز اس کے ہونٹ گاابی ہیں اگر وہ بیٹھتی ہے تو ٹانگیں پھیلا کر بیٹھتی ہے اگر وہ بات کرتی ہے تو گانا گاتی ہے اس کی ٹانگوں کے درمیان لٹے برتن کی طرح ہے یہ ایسے ہے جیسے قیس بن خطیم نے کہا:

تَغْتَرِقُ الطَّرْفَ وَهِيَ لِأَهِيَّةٍ كَانَا شَفَّ وَجْهَهَا تَرْفُ
بَيْنَ سُكُولِ النِّسَاءِ خَلَقْتُهَا قَصْدٌ فَلَا حَبْلَةَ وَلَا قَصْفَ

تنام عن کبرشأنها فإذا قامت رويدًا تكاد تنقصُ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس محنت کو فرمایا: ”اے اللہ کے دشمن! تو نے اس کو گہری نظر سے دیکھا“ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حمی کی طرف منتقل کر دیا فرمایا جب طائف فتح ہوا تو عبدالرحمن بن عوف نے بادیہ بنت غیلان سے نکاح کیا تھا اس سے بریہہ پیدا ہوئی تھی۔ کلبی کے قول میں ہیبت ہمیشہ وہاں ہی رہا حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اس کی واپس کی ان سے بات کی گئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے واپس کرنے سے انکار کیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو ان کے پاس اس کے متعلق بات کی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی انکار کر دیا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں بات کی گئی۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ بوڑھا اور کمزور اور محتاج ہو گیا تو حضرت عثمان نے اسے ہر جمعہ آنے کی اور سوال کرنے کی اجازت دی۔ وہ ایسا کرتا تھا پھر واپس اپنی جگہ لوٹ جاتا تھا فرمایا ہیبت، عبد اللہ بن ابی امیہ مخزومی کا غلام تھا وہ خوبصورت تھا اسی وجہ سے اس نے خنثی بنا قبول کیا۔ ابو عمر نے کہا: کہا جاتا ہے بادیہ یاء کے ساتھ اور باد نقون کے ساتھ۔ درست یاء کے ساتھ ہے؛ یہ اکثر کا قول ہے۔ اسی طرح زہری نے یاء کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 16۔ تابعین کی صفت غیر کے ساتھ بیان کی گئی ہے کیونکہ تابعین کی ذوات مقصود نہیں ہیں پس یہ لفظ نکرہ کی طرح ہو گیا۔ اور غیر کا لفظ نکرہ محض نہیں ہے پس اس کا معرفہ کی صفت بنا جائز ہے اگر تو چاہے تو کہہ سکتا ہے یہ بدل ہے اس میں اسی طرح کا قول ہے جیسا کہ: **غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ** (الفاتحہ: 6) میں ہے۔ عاصم، ابن عامر نے غیر کو نصب کے ساتھ پڑھا ہے پس یہ استثناء ہوگا؛ یعنی وہ اپنی زینت ظاہر کریں تابعین کے لیے مگر جو شہوت والے ہیں ان کے سامنے نہیں، یہ بھی جائز ہے کہ یہ حال ہو یعنی جو ان کے پیچھے آتے ہیں جبکہ وہ ان سے عاجز ہیں؛ یہ ابو حاتم کا قول ہے اور ذوالحال التابعین میں جو ذکر میں سے ہے وہ ہے۔

مسئلہ نمبر 17۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **أَوِ الْوَالِدِ** اسم جنس بمعنی جمع ہے اس پر دلیل اس کی نعت الذین ہے حضرت حفصہ کے مصحف میں اول اطفال جمع ہے۔ کہا جاتا ہے: طفل وہ ہوتا ہے جو قریب البلوغ نہ ہو۔

يُظَهِّرُ اس کا معنی ہے وہ وطی پر مطلع نہ ہوں یعنی اپنے چھوٹا ہونے کی وجہ سے جماع کے لیے ان کی شرمگاہوں سے آگاہ نہ ہوں۔ بعض نے کہا: وہ عورتوں تک پہنچنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ کہا جاتا ہے: ظہرت علی کذا یعنی میں نے اس کو جان لیا۔ و ظہرت علی کذا میں اس پر غالب آ گیا۔ جمہور نے عورات کو واؤ کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، کیونکہ واؤ پر حرکت ثقیل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے واؤ کے فتح کے ساتھ مروی ہے جیسے جفنة وجفنتا۔ فراء نے حکایت کیا ہے کہ یہ واؤ کے فتح کے ساتھ قیس کی لغت ہے۔ نحاس نے کہا: یہی قیاس ہے کیونکہ یہ نعت نہیں ہے جیسے تو کہتا ہے: جفنة وجفنتا مگر عورات میں اور اس جیسے الفاظ میں سکون بہتر ہے کیونکہ واؤ جب متحرک ہوتی ہے اور اس کا ما قبل متحرک ہوتا ہے تو وہ الف سے بدل جاتی ہے اگر یہ کہا جائے تو معنی ہی ختم ہو جائے گا۔

مسئلہ نمبر 18۔ علماء کا اختلاف ہے چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا جسم کے پردہ کے وجوب کے بارے میں دو قول

ہیں۔ (۱) لازم نہیں ہے کیونکہ اس کا مکلف نہیں بنایا گیا اور یہی قول صحیح ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ لازم ہے کیونکہ کبھی اس پر شہوت آتی ہے اور کبھی اسے شہوت آتی ہے اگر قریب البلوغ ہو تو پردہ کے وجوب میں بالغ کے حکم میں ہے۔ اس کی مثل وہ بوڑھا ہے جس کی شہوت ختم ہو چکی ہو۔ بچے کے بارے میں بھی دو قول ہیں صحیح حرمت کی بقا ہے؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 19۔ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ شرمگاہ مرد اور عورت کی پردہ کی جگہیں ہیں عورت کا پورا جسم پوشیدہ رکھنا ضروری ہے سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے ان کے متعلق بھی اختلاف ہے اکثر علماء کہتے ہیں کہ ناف سے لے کر گھٹنے تک مرد کا ستر ہے اس کا دیکھنا جائز نہیں۔ یہ سورہ اعراف میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 20۔ اصحاب الرائے نے کہا: عورت اپنے غلام کے ساتھ ہوتو ناف سے لے کر گھٹنے تک اس کا ستر ہے گویا انہوں نے اسے مردگمان کیا ہے پھر لذت کی خاوندوں اور غلاموں کے لیے اجازت دی ہے پھر زینت کی بارہ شخصوں سے استثناء فرمائی ہے ان میں سے غلام بھی ہے پس ہمیں اس میں کوئی تبدیلی کی گنجائش نہیں یہ نظر فاسد ہے اور اجتہاد درست نہیں ہے۔ بعض علماء نے اَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ کی تاویل لونڈیوں سے کی ہے، غلاموں سے نہیں۔ ان میں سعید بن مسیب بھی ہیں وہ اسے پہلے غلاموں پر محمول کرتے ہیں پھر عورتوں سے لاحق کرتے ہیں۔ یہ بہت بعید ہے۔ ابن عربی نے کہا: بعض علماء نے فرمایا اس کی تقدیر اس طرح ہے اَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ مِنَ غَيْرِ أُولَى الْأَرْبَةِ أَوْ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولَى الْأَرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ؛ یہ مہدوی نے حکایت کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 21۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لَعْنَىٰ جِبِطٍ عِزِّ جَبَلٍ یعنی جب عورت چلے تو اپنا پاؤں زمین پر نہ مارے تاکہ اپنی پازیب کی آواز سنائے۔ زینت کی آواز سنانا، زینت کے ظاہر کرنے کی طرح ہے بلکہ اس سے زیادہ سخت ہے۔ مقصود پردہ کرنا ہے۔ طبری نے معتمر سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے (۱) فرمایا: حضری کا خیال ہے کہ ایک عورت نے چاندی کی دو پازیبیں بنائیں اور موتی خریدے پھر انہیں اپنی پنڈلی پر باندھا وہ لوگوں کے سامنے چلی تو اس نے زمین پر پاؤں مارا پازیب اس موتی پر لگی تو آواز پیدا ہوئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس زینت کا سننا شہوت کو زینت کے ظاہر کرنے سے زیادہ ابھارتا ہے؛ یہ زجاج کا قول ہے (۲)۔

مسئلہ نمبر 22۔ عورتوں میں سے جس نے اپنے زیورات سے خوشی کی وجہ سے ایسا کیا تو وہ مکروہ ہے اور جس نے تبرج اور مردوں کے سامنے آنے کے لیے ایسا کیا تو وہ حرام مذموم ہے۔ اسی طرح مردوں میں سے جس نے اپنے جوتے کو مارا اگر تو اس نے تکبر کی بنا پر ایسا کیا تو وہ حرام ہے کیونکہ تکبر اور عجب گناہ کبیرہ ہے اگر اس نے تبرج ایسا کیا تو جائز نہیں۔

مسئلہ نمبر 23۔ کسی نے کہا: کتاب اللہ میں اس سے زیادہ ضماز والی اور کوئی آیت نہیں اس میں مومنات کے لیے پچیس ضماز جمع ہے کچھ مجرور ہیں اور کچھ مرفوع ہیں (۳)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتُؤْتُونَ آلِي اللَّهِ جَمِيعًا آيَةَ الْمُؤْمِنُونَ اس میں دو مسئلے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَتُوبُوا** یہ امر کا صیغہ ہے اس میں امت کا اختلاف نہیں کہ توبہ کرنا واجب ہے اور یہ فرض متعین ہے اس پر کلام سورۃ النساء وغیرہا میں گزر چکا ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو کیونکہ حقوق اللہ کی ادائیگی میں سہو اور کوتاہی ہو ہی جاتی ہے کسی حال میں توبہ کو ترک نہ کرو۔

(۲) جمہور نے آیتہ کو ہاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابن عامر نے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہاء نفس کلمہ سے ہے پس اس میں منادئی کا اعراب ہوگا۔ ابوعلی نے اس کو انتہائی ضعیف قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا: اسم کی دوسری یا یہ ای سے ہے۔ پس مناسب ہے کہ اسم کا آخر مضموم ہو اگر ہاء کا ضمہ یہاں جائز ہونا کلمہ کے ساتھ اتصال کی وجہ سے ہو تو اللہم میں میم پر ضمہ جائز ہو جاتا کلمہ سے اس کے اتصال کی وجہ سے صحیح یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ سے ایک قراءت ثابت ہے تو لغت میں صحت کا اعتقاد ہوتا ہے کیونکہ قرآن حجت ہے۔ فراء نے کہا:

يَأْتِيهِ الْقَلْبُ التَّجْوِيزُ النَّفْسِ أَفْقَ عَنِ الْبَيْضِ الْحَسَانِ اللَّعْسِ

اللّٰعس ہونٹوں کے رنگ کو کہتے ہیں جب وہ تھوڑے سیاہی مائل ہو جائیں یہ اچھے لگتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: شفة لعساء، فتية ونسوة لعس۔ بعض آیتہ وقف کرتے ہیں۔ بعض الف کے ساتھ وقف کرتے ہیں۔ ایسا کیونکہ وصل میں اس کے حذف کی علت اس کا سکون اور لام کا سکون ہے جب وقف ہوگا تو عظمت ختم ہو جائے گی۔ پس الف لوٹے گا جیسے یاء لوٹی ہے جب **غَيْرَ مُجِلِّي الصَّيْدِ** (المائدہ: 1) کے قول سے **مُجِلِّي** پر وقف کیا گیا۔ یہ وہ اختلاف ہے جو ہم نے یاہ الساحرا اور آیتہ الثقلان میں ذکر کیا ہے۔

وَأَنْكِحُوا إِلَّا يَأْمُرُ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۖ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۱﴾

”اور نکاح کر دیا کرو جو بے نکاح ہیں تم میں سے اور جو نیک ہیں تمہارے غلاموں اور کنیزوں میں سے اگر وہ تنگ دست ہوں (تو فکر نہ کرو) غنی کر دے گا انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا ہمدان ہے۔“

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ یہ خطاب ستر اور اصلاح میں داخل ہے یعنی جن کا نکاح نہیں ہے ان کا نکاح کرو کیونکہ یہ پاک دامن امتی کا راستہ ہے یہاں خطاب اولیاء کو ہے۔ بعض نے کہا: خاندنوں کو ہے۔ صحیح پہلا قول ہے کیونکہ اگر ازواج مراد ہوں تو وانکحوا بغیر ہمزہ کے ہوتا اور الف وصل کے لیے ہوتا۔ اس میں دلیل ہے کہ عورت کے لیے بغیر ولی کے نکاح کرنا جائز نہیں ہے؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب شیبہ یا باکرہ اپنا نکاح بغیر ولی کے کرے اور وہ اس کا کفو ہو تو جائز ہے۔ سورہ بقرہ میں اس پر بحث ہو چکی ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ علماء کے اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں۔ ہمارے علماء نے کہا: مومن کے حالات کے مختلف ہونے کے ساتھ حکم مختلف ہوتا ہے گناہ کا اندیشہ ہو، صبر کرنا ممکن نہ ہو، صبر پر قوت ہو، گناہ کا اندیشہ نہ ہو، سب صورتوں میں حکم مختلف

ہے۔ جب دین یا دنیا یا دونوں میں ہلاکت کا خوف ہو تو نکاح ضروری ہے۔ اگر کسی چیز کا خوف نہ ہو، حالت مطلقہ ہو تو امام شافعی نے فرمایا: نکاح مباح ہے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا: نکاح مستحب ہے (1)۔ امام شافعی نے اس سے تعلق جوڑا ہے کہ یہ لذت کا پورا کرنا ہے اور لذت کا پورا کرنا مباح ہے جیسے کھانا اور پینا ہے۔ ہمارے علماء نے اس کا تعلق حدیث سے جوڑا ہے ”جس نے میری سنت سے انحراف کیا وہ میرے راستے پر نہیں ہے“ (2)۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **الْأَيَّامُ مِنْكُمْ** وہ مرد اور عورتیں جن کی بیویاں اور خاوند نہ ہوں انہیں ایامی کہتے ہیں۔ اس کا واحد ایام ہے۔ ابو عمر نے کہا: ایامی خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ ہو؛ یہ ابو عمر و اور کسائی وغیرہما نے روایت کیا ہے۔ عرب کہتے ہیں: تأتت المرأة جب وہ بغیر شادی کے ٹھہری رہی۔ نبی کریم ﷺ کی حدیث میں ہے ”میں اور وہ عورت جس کے رخسار سیاہ ہو گئے وہ اپنے چھوٹے بچوں پر (خاوند کے مرنے کے بعد) بغیر شادی کے ٹھہری رہی حتیٰ کہ وہ بالغ ہو گئے یا اللہ تعالیٰ نے انہیں فضل سے غنی کر دیا تو اس طرح جنت میں ہوں گے جس طرح یہ دو انگلیاں ہیں (3)۔ شاعر نے کہا:

فَإِنْ تَنَكَّحِي أُنْكَحِ وَإِنْ تَتَأَيَّتِي وَإِنْ كُنْتِ أَفْتَى مِنْكُمْ أَتَأَيَّتِي (4)

کہا جاتا ہے: ایتیم بیتن الایمة وقد امنت ہی، امنت انا، شاعر نے کہا:

لَقَدْ إِمْتُ حَتَّى لَأَمِنِي كُلُّ صَاحِبٍ رَجَاءً بَسَلْتِي أَنْ تَيْمِمَ كَمَا إِمْتُ

ابو عبید نے کہا: رجلی ایتیم و امرأة ایتیم، اکثر یہ عورتوں میں استعمال ہوتا ہے یہ مردوں میں مستعار کی طرح ہے۔ امیہ بن

صلت نے کہا:

لِلَّهِ دَرٌّ بَنِي عَلِيٍّ بَنِي أَيْمٍ مِنْهُمْ وَنَاكِحٌ

ایک قوم نے کہا: یہ آیت اللہ تعالیٰ کے ارشاد: **وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا ذَانُ الْخ**۔ کے حکم کی ناسخ ہے۔ ہم نے اس کو

سورت کے آغاز میں بیان کر دیا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ **وَأَنْكِحُوا الْأَيَّامُ مِنْكُمْ** سے مقصود آزاد عورتیں اور مرد ہیں پھر غلاموں کا حکم بیان فرمایا۔ **وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ** حسن نے **وَالصَّالِحِينَ** من عبید کم پڑھا ہے۔ عبید جمع کا اسم ہے۔ فراء نے کہا: اباؤکم پر نصب بھی جائز ہے انہوں نے اس کا عطف الصالحین پر کیا ہے، یعنی مذکر، مونث اور صلاح سے مراد ایمان ہے۔ بعض نے فرمایا: مطلب یہ ہے کہ غلاموں اور لونڈیوں کی شادی میں رغبت ہونی چاہیے جب وہ نیک ہوں پس اس کی شادی کرنا جائز ہے لیکن اس میں ترغیب نہیں ہے اور نہ استحباب ہے جیسا کہ فرمایا: **فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا** پھر کتابت جائز ہے اگرچہ غلام میں خیر معلوم نہ بھی ہو لیکن خطاب ترغیب اور استحباب کے لیے وارد ہوا ہے اور کتابت مستحب ہے جس میں خیر ہو۔

مسئلہ نمبر 5۔ اکثر علماء کی رائے ہے کہ سردار کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو نکاح

2۔ صحیح مسلم، کتاب النکاح، جلد 1، صفحہ 449

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 100

4۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 97

3۔ ابوداؤد، باب فی فضل من حال بقیہا، 4482، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

پر مجبور کرے؛ یہ امام مالک، امام ابو حنیفہ وغیرہما کا قول ہے۔ اور جب نقصان اور ضرر ہو تو امام مالک نے فرمایا: جائز نہیں، اسی طرح کا قول امام شافعی سے بھی مروی ہے پھر فرمایا: آقا کے لیے جائز نہیں کہ غلام کو نکاح پر مجبور کرے۔ نخعی نے کہا: لوگ غلاموں کو نکاح پر مجبور کرتے تھے اور ان پر دروازے بند کر دیتے تھے۔ اصحاب الشافعی نے دلیل پکڑی اور کہا: غلام مکلف ہے اسے نکاح پر مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ مکلف بنانا دلیل ہے کہ غلام آدمیت کی جہت سے کامل ہے اور اس کے ساتھ ملکیت متعلق ہے کہ اس میں مالک کا ملک رقبہ اور ملک منفعہ کا حصہ ہوتا ہے بخلاف نوٹڈی کے اس میں سردار کے لیے ملکیت کا حق اس کے بضع میں ہوتا ہے تاکہ وہ اس کو حاصل کرے۔ رہا غلام کا بضع تو اس میں مالک کا کوئی حصہ نہیں اسی وجہ سے مالک اپنے غلام کے لیے مباح نہیں ہوتی یہ اہل خراسان اور اہل عراق کا اعتماد ہے ان کا نظریہ طلاق کی بنا پر بھی ہے کیونکہ غلام عقد ملک کی وجہ سے اس کا مالک ہوتا ہے۔ ہمارے علماء کا اس میں نکتہ عظیمہ یہ ہے کہ غلام کی مالکیت کو آقا کی مالکیت نے گھیر رکھا ہے اور اسی وجہ سے آقا کی اجازت کے بغیر بالا جماع غلام شادی نہیں کر سکتا ہے۔ نکاح اور اس کا باب مصالح میں سے ہے اور غلام کی مصلحت، سردار کے سپرد ہے وہ اسے دیکھتا ہے اور غلام کے لیے اسے قائم رکھتا ہے۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ** پھر کلام کا رخ آزادوں کی طرف کر دیا یعنی مرد اور عورت کے فقر کی وجہ سے نکاح کرنے سے مت روکو۔ اگر وہ فقراء ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نکاح کرنے والوں سے غنا کا وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنے اور گناہوں سے بچنے کے لیے نکاح کرتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نکاح میں غنا کو تلاش کرو اور پھر یہ آیت تلاوت کی (1)۔ حضرت عمر نے فرمایا: مجھے اس سے تعجب ہوتا ہے جو نکاح میں غنا کو طلب نہیں کرتا (2) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ** یہ مفہوم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تین افراد ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ پر حق ہے (3)۔ (1) مجاہد جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا ہے۔ (2) پاک دامنی کے ارادہ سے نکاح کرنے والا۔ (3) مکاتب جو زر کتابت ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہے“ (4)۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہم دیکھتے ہیں نکاح کرنے والا غنی نہیں ہوتا تو ہم کہیں گے: یہ لازم نہیں کہ غنا میں دوام ہو بلکہ ایک لمحہ کے لیے بھی غنی ہو جائے تو وعدہ سچا ہو جائے گا۔ بعض نے کہا: غنا سے مراد نفس کا غنا ہے۔ صحیح میں ہے ”غنا سامان کی کثرت سے نہیں بلکہ غنا، نفس کی غنا ہے“ (5)۔ بعض نے فرمایا: یہ ایسا وعدہ نہیں جس میں خلف واقع نہ ہو بلکہ اس کا مطلب ہے مال آنے جانے والی چیز ہے۔ پس غنا کی امید رکھو۔ بعض علماء نے کہا: اس کا مطلب

2۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 180

1۔ زاد المسیر، جلد 3، صفحہ 379

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب العتق، باب السکاتب، جلد 1، صفحہ 184

4۔ ترمذی، کتاب الجہاد، باب ما جاء فی المجاہد والناکم والسکاتب، حدیث 1579

5۔ جامع ترمذی، کتاب الزہد، ما جاء ان الغنی غنی النفس، جلد 2، صفحہ 60

ہے اگر اللہ چاہے گا تو وہ انہیں اپنے فضل سے غنی فرمادے گا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ** (الانعام: 41) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ** (الرعد: 26) بعض علماء نے فرمایا: اس کا مطلب ہے اگر وہ نکاح کی طرف محتاج ہوں گے تو اللہ تعالیٰ حلال نکاح کے ساتھ انہیں غنی کر دے گا تاکہ وہ زنا سے بچ جائیں۔

مسئلہ نمبر 7۔ یہ آیت فقیر کے نکاح کرنے پر دلیل ہے وہ یہ نہ کہے کہ میں شادی کیسے کروں میرے پاس تو مال ہی نہیں ہے کیونکہ اس کا رزق اللہ تعالیٰ پر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس عورت کا نکاح جس نے اپنا نفس آپ ﷺ پر پیش کیا تھا ایسے شخص سے کر دیا تھا جس کے پاس صرف ایک چادر تھی اور تنگ دستی کی وجہ سے عورت کو نکاح فتح کرانا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اس کے پاس تنگ دستی پر داخل ہو چکی ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ خوشحالی کے دور میں اس پر داخل ہو تو پھر وہ معسر نکلا یا اس کے بعد اسے تنگی لاحق ہوئی کیونکہ بھوک پر صبر نہیں ہے؛ یہ ہمارے علماء کا قول ہے۔ نقاش نے کہا: یہ آیت ان لوگوں پر حجت ہے جنہوں نے کہا: قاضی میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دے (1) جب خاوند فقیر ہو نفقہ دینے پر قدرت نہ رکھتا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **يُعِينُهُمُ اللَّهُ** یہ ضعیف جھگڑا ہے۔ اس آیت میں نفقہ سے عاجز کے بارے میں کوئی حکم نہیں ہے یہ وعدہ ہے غنا کا اس کے لیے جو فقیر ہو کر شادی کرے۔ رہا وہ شخص جو خوشحالی کی حالت میں نکاح کرتا ہے اور پھر خرچ دینے سے عاجز ہو گیا تو ان کے درمیان تفریق کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **إِنْ تَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كِلَابَيْنِ سَعْتِهِ** (النساء: 130) اللہ تعالیٰ کی کرم نوازیوں کی ہر حال میں لوٹنے کی امید ہوتی ہے۔

وَلَيْسَتَّعْفِيفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُعِينَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَمَا تَبَوَّأْتُمْ مِنْهُمْ فِيمَنْ خَيْرًا ۗ وَأَتَوْهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ ۗ وَلَا تَنْكِرُوا لَهُمْ مَا فَتَيْتُمْ عَلَى الْبِعَاءِ إِنْ أَرَادْتُمْ أَنْ تَحْصِنُوا ۗ لَتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۳۳ **وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ۝۳۴**

”اور چاہیے کہ پاک دامن بنے رہیں وہ لوگ جو نہیں پاتے شادی کرنے کی قدرت یہاں تک کہ غنی کر دے انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور جو مکاتب بننا چاہیں تمہارے غلاموں سے تو مکاتب بنا لو انہیں اگر تم جانو ان میں سے کوئی بھلائی اور (زر مکاتب ادا کرنے میں) مدد کرو ان کی اللہ تعالیٰ کے مال سے جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے اور نہ مجبور کرو اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تاکہ تم حاصل کرو (اس بدکاری سے)۔ دنیوی زندگی کا کچھ سامان اور جو (کمینہ خصلت) مجبور کرتا ہے انہیں (عصمت فروشی پر) تو بیشک اللہ تعالیٰ ان

کے مجبور کیے جانے کے بعد (ان کی لغزشوں کو) بخشنے والا (اور ان پر) رحم فرمانے والا ہے۔ اور ہم نے اتاری ہیں تمہاری طرف روشن آیتیں نیز (ہم نے اتارے ہیں) بعض حالات ان لوگوں کے جو گزر چکے ہیں تم سے پہلے نیز (اتاری ہے) نصیحت پر ہیزگاروں کے لیے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلْيَسْتَغْفِرِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُعْزِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ** اس میں چار مسائل ہیں: **مسئلہ نمبر 1**۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلْيَسْتَغْفِرِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّى يُعْزِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ** اس سے خطاب ہے جو اپنے نفس کا خود مالک ہے نہ کہ اسے جس کی زمام دوسرے کے ہاتھ میں ہو کیونکہ وہ اسے اپنی مرضی سے چلاتا ہے جیسے مجبور علیہ ہوتا ہے؛ یہ ایک قول ہے۔ اور جیسے لونڈی اور غلام علماء کے دوسرے قول کے مطابق۔

مسئلہ نمبر 2۔ استغفار کا وزن استغفل ہے۔ اس کا معنی ہے اس نے پاکدامن ہونا طلب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ہر اس شخص کو پاکدامن رہنے کا حکم دیا ہے جو نکاح نہیں کر سکتا اور کسی وجہ سے نکاح کو نہیں پاتا پھر جب نکاح کے موانع میں سے اغلب مال کا نہ ہونا ہے تو اپنے فضل سے غنی کرنے کا وعدہ فرمایا وہ اسے عطا فرمائے گا جس کے ساتھ وہ نکاح کرے گا یا وہ ایسی عورت پائے گا جو تھوڑے مہر پر راضی ہو جائے گی یا اس سے عورتوں کی خواہش زائل ہو جائے گی۔ نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تین آدمی ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ پر حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والا۔ وہ نکاح کرنے والا جو پاکدامنی کا ارادہ کرتا ہے اور مکاتب جو زکات کی ادائیگی کا ارادہ کرتا ہے۔“

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَا يَجِدُونَ نِكَاحًا** یعنی نکاح کی طاقت نہیں رکھتے مضاف کو حذف کیا گیا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہاں نکاح سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ عورت سے نکاح کرتا ہے مثلاً مہر اور نفقہ وغیرہ جیسے لحاف اسم ہے اس کا جس کو لپیٹا جاتا ہے۔ لباس اسم ہے جو پہنا جاتا ہے۔ اس مفہوم پر آیت میں حذف نہ ہوگا؛ یہ مفسرین کی ایک جماعت کا قول ہے۔ انہوں نے اس کو اس قول پر محمول کیا ہے: **حَتَّى يُعْزِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ** اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ جسے پاکدامن رہنے کا حکم دیا گیا ہے وہ شخص ہے جو وہ مال نہیں رکھتا جس کے ساتھ نکاح کرے۔ اس قول میں جن کو پاکدامن رہنے کا حکم دیا گیا ہے ان کی تخصیص ہے اور یہ ضعیف قول ہے بلکہ پاکدامن رہنے کا حکم ہر اس شخص کی طرف متوجہ ہے جس پر نکاح کرنا مشکل ہو خواہ کوئی بھی وجہ ہو جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ جس کے نفس کو نکاح کا شوق ہو اگر وہ طاقت رکھتا ہو تو اس کے لیے نکاح کرنا مستحب ہے اگر طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کو پاکدامن رہنا چاہیے اگر ممکن ہو اگرچہ روزے کے ساتھ ہو کیونکہ روزہ شہوت کو ختم کرتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے: ”اور جس کو نکاح کا شوق نہ ہو تو اس کے لیے عبادت الہی کے لیے خلوت اختیار کرنا بہتر ہے۔“ حدیث میں ہے ”تم میں بہتر وہ خفیف آدمی ہے جس کے اہل اور اولاد نہ ہو“۔ سورہ النساء میں گزر چکا ہے کہ آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو لونڈیوں سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عفت اور نکاح کے درمیان کوئی درجہ نہیں

بنایا۔ یہ دلیل ہے کہ ان کے علاوہ صورت حرام ہے اس میں ملک یمن داخل نہیں کیونکہ وہ دوسری نص سے مباح ہے وہ یہ ارشاد ہے: **مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ** اس میں زیادتی آئی ہے پس استثناء اپنی تحریم پر باقی ہے یہ امام احمد پر رد ہے اسی طرح نکاح متعد اپنے نسخ کی وجہ سے اس سے خارج ہوگا۔ سورہ المؤمنون کے آغاز میں یہ مفہوم گزر چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَا تَبُوهُمُ إِن عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا** اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَالَّذِينَ يَبْتِغُونَ الْكِتَابَ**۔ الذین محل رفع میں ہے۔ خلیل اور سیبویہ کے نزدیک فعل کے اضمار پر محل نصب میں ہے کیونکہ اس کے بعد امر ہے پہلے جب غلاموں اور لونڈیوں کا ذکر گزرا تو اس کے ساتھ یہ ملایا کہ غلام اگر کتابت طلب کرے تو اس کو مکاتب بنانا مستحب ہے۔ بعض اوقات الکتابة سے مراد مستقل ہونا، کماتا اور شادی کرنا ہوتا ہے جب وہ ارادہ کرے یہ اس کے لیے زیادہ پاکدامنی کا باعث ہوگا۔ بعض نے کہا: یہ آیت حویطب بن عبد العزی کے غلام کے بارے نازل ہوئی جس کو صبح کہا جاتا تھا۔ بعض نے کہا: صبح کہا جاتا تھا اس نے اپنے آقا سے کہا کہ مجھے مکاتب بنا دے تو اس نے انکار کر دیا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حویطب نے اسے سو دینار پر مکاتب بنا دیا اس نے اسے بیس دینار بہہ کر دیے باقی اس غلام نے ادا کر دیا وہ جنگ جس میں شہید ہوا تھا۔ قشیری نے اس کو ذکر کیا ہے اور نقاش نے اس کو حکایت کیا ہے۔ مکی نے کہا: یہ صبح قبلی، حاطب بن ابی بلتعہ کا غلام تھا (1)۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین کو حکم دیا کہ اپنے مملوک کو مکاتب بنا دیں جب مملوک کتابت کا مطالبہ کرے اور مالک اس میں خیر دیکھے۔

مسئلہ نمبر 2۔ **الْكِتَابَ** اور **الْمَكَاتِبَةَ** برابر ہیں۔ باب مفاعلہ دو شخصوں کے درمیان عمل کے لیے استعمال ہوتا ہے کیونکہ اس میں سردار اور غلام کا عقد ہوتا ہے کہا جاتا ہے: **كَاتَبَ يُكَاتِبُ كِتَابًا وَمَكَاتِبَةً** جیسے کہا جاتا ہے: **قَاتَلَ قِتَالًا وَمَقَاتِلَةً** آیت میں الکتاب مصدر ہے جیسے قتال، جلا اور دفاع مصدر ہیں۔ بعض علماء نے کہا: کتاب سے مراد یہاں وہ کتاب معروف ہے جس میں کوئی چیز لکھی ہوئی ہوتی ہے یہ اس لیے کیونکہ مطلب یہ ہے کہ وہ آزادی طلب کرتے تھے جس کے ساتھ کتاب لکھی جاتی تھی اور انہیں دی جاتی تھی۔

مسئلہ نمبر 3۔ شرع میں مکاتب کا معنی ہے مالک اپنے غلام کو مخصوص مال کی ادائیگی پر مکاتب بنانا ہے جب وہ قسط وار رقم ادا کر دے گا تو وہ آزاد ہوگا۔ اس کی دو حالتیں ہیں۔ غلام مطالبہ کرنے اور آقا اس کو قبول کر لے یہ آیت کا مطلق ہے اور اس کا ظاہر ہے۔ غلام مطالبہ کرے اور مالک انکار کر دے اس میں دو قول ہیں۔ پہلا قول عکرمہ، عطاء، مسروق، عمرو بن دینار، ضحاک بن مزاحم اور اہل ظاہر کی ایک جماعت کا ہے کہ سردار پر غلام کو مکاتب بنانا واجب ہے اور علماء امصار نے فرمایا: واجب نہیں ہے۔ جنہوں نے واجب کہا انہوں نے مطلق امر سے واجب کہا ہے۔ امر کا صیغہ مطلق وجوب کے لیے ہوتا ہے حتیٰ کہ دلیل اس کے علاوہ پر آجائے: یہ حضرت عمر بن خطاب، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ طبری نے اس کو

پسند کیا ہے۔ داؤد نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ سیرین ابامحمد بن سیرین نے حضرت انس سے کتابت کے متعلق سوال کیا وہ حضرت انس کے غلام تھے حضرت انس نے انہیں مکاتب بنانے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمر نے حضرت انس پر ڈرہ اٹھایا اور یہ تلاوت کی: فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا حضرت انس نے ابن سیرین کو مکاتب بنا دیا۔ داؤد نے کہا: حضرت عمر کی یہ شان نہیں کہ وہ حضرت انس پر ایک مباح پر درہ اٹھاتے جس کا نہ کرنا ان کے لیے جائز تھا۔ اور جمہور علماء نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ اس پر اجماع منعقد ہے کہ اگر وہ اسے غیر سے بیچنے کا مطالبہ کرے تو اس پر بیچنا لازم نہیں ہے اور اسے اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا اگرچہ اس کو دو گناہ قیمت دی جائے۔ اسی طرح اگر غلام مالک سے کہے کہ مجھے آزاد کر دے یا مجھے مدبر بنا دے یا میری شادی کر دے تو بالا جماع مالک پر ایسا کرنا لازم نہیں، اسی طرح مکاتبت بھی لازم نہیں کیونکہ وہ بھی معاوضہ ہے اور بغیر رضا کے صحیح نہیں۔ اور رہا ان کا قول کہ امر مطلق و جوب کا تقاضا کرتا ہے صحیح ہے لیکن جب ایسے قرینہ سے خالی ہو جو اسے وجوب سے پھیرنے کا تقاضا کرتا ہے اور یہاں اس میں خیر جاننے کی شرط کے ساتھ اس کو معلق کیا گیا ہے۔ پس وجوب ایک امر باطن پر معلق ہے وہ آقا کا اس میں خیر جاننا ہے۔ جب غلام کہے: مجھے مکاتب بنا دو۔ آقا کہے: میں تجھ میں خیر نہیں جانتا۔ یہ امر باطن ہے تو اس میں مالک کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اس پر اعتماد کیا جائے گا۔ یہ اس باب میں قوی ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ علماء کا خیرا کے قول میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء نے کہا: اس سے مراد مال ہے (1)۔ مجاہد نے کہا: مال اور ادا ہے۔ حسن اور نخعی نے کہا: دین اور امانت ہے۔ امام مالک نے کہا: میں نے بعض اہل علم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اس سے مراد کمانے اور کتابت ادا کرنے کی قوت ہے۔ لیث سے اسی طرح مروی ہے اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔ عبیدہ سلمانی نے کہا: نماز کا قائم کرنا اور اعمال صالحہ ہیں۔ طحاوی نے کہا: جنہوں نے کہا اس سے مراد مال ہے ان کا قول صحیح نہیں ہے کیونکہ غلام کا مال اس کے آقا کا مال ہوتا ہے پس غلام کے لیے مال کیسے ہوگا؟ ہمارے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ تم ان میں دین اور صدق جان لو اور تم جان لو کہ وہ تمہارے ساتھ اس بنا پر معاملہ کریں گے کہ وہ وفا کرنے کے مکلف ہیں جو ان پر کتابت اور معاملہ میں سچائی لازم ہوگی۔ پس تم انہیں مکاتب بنا دو۔ ابو عمر نے کہا: جس نے یہ کہا کہ خیر سے مراد یہاں مال ہے اس نے ان علمتہم فیہم مالا کہنے سے انکار کیا ہے۔ کہا جاتا ہے: میں نے اس میں خیر، صلاح اور امانت جان لی، علمت فیہ المال نہیں کہا جاتا بلکہ یہ کہا جاتا ہے: علمت عندہ المال۔

میں کہتا ہوں: بریرہ کی حدیث ان کا رد کرتی ہے جنہوں نے کہا: الخیر سے مراد مال ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

مسئلہ نمبر 5۔ جس شخص کے پاس کوئی پیشہ نہیں اس کی کتابت کے بارے علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما غلام کو مکاتب بنانا پسند کرتے تھے جب اس کے لیے کوئی پیشہ نہ ہو وہ کہتے: کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں لوگوں کی میل کھاؤں۔ اسی طرح حضرت سلمان فارسی سے مروی ہے حکیم بن حزام نے روایت کیا ہے فرمایا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عمیر بن سعد کی طرف خط لکھا: اما بعد! تجھ سے پہلے سلمان اپنے غلاموں کو لوگوں کے سوال کرنے پر مکاتب بناتے

تھے۔ اوزاعی، امام احمد اور اسحاق نے اس کو مکروہ کہا ہے۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے اس میں رخصت دی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابن التیاح ان کے مؤذن نے ان سے پوچھا: کیا میں مکاتب بن جاؤں جبکہ میرے پاس مال نہیں ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں پھر لوگوں کو ابھارا کہ مجھ پر صدقہ کریں لوگوں نے مجھے میرے زر مکاتب سے زیادہ دیا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے فرمایا: اس مال کو غلام آزاد کرانے پر خرچ کر دے۔ امام مالک سے اس کی کراہیت مروی ہے۔ وہ لونڈی جس کے پاس کوئی ہنر نہیں ہے مکاتب بننا مکروہ ہے کیونکہ یہ چیز اس کو فساد کی طرف لے جائے گی۔ سنت میں حجت ہے اس کی مخالفت میں حجت نہیں ہے۔ آئمہ حدیث نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث روایت کی ہے فرمایا: بریرہ (لونڈی) میرے پاس آئی اور کہا میرے مالکوں نے مجھے نو (9) اوقیہ چاندی پر مکاتب بنا دیا ہے اور یہ میں نے نو سال میں ادا کرنی ہے ہر سال ایک اوقیہ چاندی دینی ہے آپ اس سلسلہ میں میری مدد فرمائیں (الحدیث) یہ دلیل ہے کہ آقا اپنے غلام کو مکاتب بنا سکتا ہے جبکہ غلام کے پاس کچھ بھی نہ ہو کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ بریرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ خبر دینے کے لیے آئی کہ اس نے مکاتب طے کی ہے اور اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مدد کا سوال کیا یہ اس نے اس وقت سوال کیا تھا جب اس نے کوئی چیز ادا نہیں کی تھی۔ ابن شہاب نے عروہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ بریرہ زر کتابت کے سلسلہ میں مدد کرنے کے لیے آئی جبکہ ابھی تک اس نے کچھ بھی ادا نہیں کیا تھا اس کو بخاری اور ابوداؤد نے تخریج کیا ہے (1)۔ اس میں لونڈی کو مکاتب بنانے کے جواز پر دلیل ہے یہ نہ تو کام کرنے والی تھی نہ کوئی ہنر رکھتی تھی اور نہ اس کے پاس کوئی مال تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہیں پوچھا تھا کہ کیا اس کو کمانے کی طاقت ہے یا کوئی متواتر کام کرتی ہے یا اس کے پاس مال ہے؟ اگر یہ واجب ہوتا تو اس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور سوال کرتے تاکہ اس پر حکم واقع ہوتا کیونکہ آپ مسین اور معلم بنا کر مبعوث کیے گئے تھے۔ اس حدیث میں دلیل ہے کہ جنہوں نے خیر کی تفسیر مال سے کی ہے وہ عمدہ تاویل نہیں ہے بلکہ اس سے مراد کمانے کی قوت ہے ساتھ ساتھ امین بھی ہو۔

مسئلہ نمبر 6۔ کتابت کبھی قلیل مال کے ساتھ اور کبھی کثیر مال کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ رقم قسط دار ادا کی جائے گی کیونکہ بریرہ کی حدیث ہے اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے اگر اس نے ہزار درہم پر مکاتب بنایا اور قسطوں کا ذکر نہیں کیا تو اس کی محنت کی مقدار قسط ہوگی اگرچہ مالک اسے پسند نہ بھی کرے۔ امام شافعی نے فرمایا: مدت کا ذکر ضروری ہے کم از کم تین اقساط ہیں۔ اس میں اختلاف ہے جب ایک قسط پر کتابت واقع ہوا کثیر اہل علم اس کو ایک قسط پر جائز قرار دیتے ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا: ایک قسط پر جائز نہیں اور اسی وقت ادا کرنے پر بھی جائز نہیں یہ اس طرح آزادی ہوگی گویا اس نے کہا: جب تو اتنا اتنا ادا کرے تو تو آزاد ہے۔ اور کتابت نہیں ہے۔ ابن عربی نے کہا: جب کتابت حالی (فوراً رقم دینی ہو) ہو تو علماء کا کتابت میں اختلاف ہے ہمارے علماء کا دوسرے علماء کی طرح اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ کتابت مؤجل (مؤخر) ہے جیسا کہ حدیث بریرہ میں وارد ہے۔ جب اس نے اپنے مالکوں سے نو اوقیہ پر مکاتب طے کی ہر سال ایک اوقیہ دینا تھا اسی طرح

صحابہ کرام نے کہا: اسی وجہ سے اس کو کتابت کہا جاتا ہے کیونکہ اس کو لکھا جاتا ہے اور اس پر گواہ بنایا جاتا ہے اسم اور اثر جمع ہو گئے معنی بھی اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ مال اگر موقع پر ادا کرنا ہو جبکہ مال، غلام کے پاس ہو تو وہ مال مقاطعہ ہوگا اور یہ عقد مقاطعہ ہوگی عقد کتابت نہ ہوگی۔ ابن خويز منداد نے کہا: جب فوری مال پر مکاتبت کرے گا تو وہ مال پر آزاد ہوگا کتابت نہ ہوگی۔ ہمارے اصحاب میں سے دوسروں نے کتابت حالی کو جائز قرار دیا ہے اور اس کو قطعہ کا نام دیا ہے۔ یہی قیاس ہے کیونکہ اس میں مدت، غلام کو کمانے میں وسعت دینا ہے کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا اگر وہ قسط وقت سے پہلے لے آئے تو مالک پر واجب ہے کہ وہ رقم وصول کرے اور مکاتب کو جلدی آزاد کر دے اور کتابت حالیہ جائز ہے؛ یہ کو فیوں نے کہا ہے۔

میں کہتا ہوں: کتابت حالی میں امام مالک سے کوئی نص وارد نہیں ہے بلکہ اصحاب کہتے ہیں یہ جائز ہے اور اس کو قطعہ کا نام دیتے ہیں۔ رہا امام شافعی کا قول کہ کم از کم تین قسطوں پر جائز ہے صحیح نہیں ہے اگر یہ صحیح ہوتا تو یہ کہنا بھی جائز ہوتا کہ پانچ قسطوں سے کم پر جائز نہیں کیونکہ کم از کم اقساط جو نبی پاک ﷺ کے عہد میں بریرہ کے بارے میں تھیں وہ پانچ تھیں۔ نبی کریم ﷺ کو ان کا علم تھا اور آپ نے اس کا فیصلہ سنایا پس یہ اولیٰ ہے۔ امام بخاری نے حضرت عائشہ بنتی شہبہ سے روایت کیا ہے کہ بریرہ حضرت عائشہ بنتی شہبہ کے پاس کتابت میں مدد طلب کرنے کے لیے آئی اس پر پانچ اواق چاندی تھے۔ پانچ سال میں ادا کرنی تھی اسی طرح لیث نے یونس سے انہوں نے ابن شہاب سے انہوں نے عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ بنتی شہبہ سے روایت کیا ہے۔ بریرہ پر پانچ اوقیہ تھے اور پانچ سال میں ادا کرنے تھے۔ ابو اسامہ نے ہشام بن عروہ سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت عائشہ بنتی شہبہ سے روایت کیا ہے فرمایا: بریرہ آئی تو اس نے کہا میں نے نو اواق چاندی پر مالکوں سے مکاتبت کی ہے (الحدیث) دونوں روایات کے ظاہر میں تعارض ہے مگر ہشام کی حدیث اتصال کی وجہ سے اولیٰ ہے اور یونس کی حدیث میں انقطاع ہے کیونکہ امام بخاری نے کہا لیث نے کہا مجھے یونس نے بتایا نیز ہشام نے اپنے باپ اور دادا کی حدیث میں جو ثابت کیا ہے دوسروں سے بھی ثابت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ نمبر 7۔ مکاتب غلام ہوتا ہے جب تک اس پر مال کتابت میں سے کچھ ہوتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”مکاتب غلام ہے جب تک اس کی مکاتبت میں سے ایک درہم بھی باقی ہے“ (1) اس حدیث کو ابو داؤد نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے سلسلہ سے روایت کی ہے ان سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس غلام نے سو دینار زر مکاتبت مقرر کیا دس دینار کے سوا سب ادا کر دیا تو بھی وہ غلام ہے“ (2)۔ یہ امام مالک، امام شافعی اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ ثوری، احمد، اسحاق، ابوالشور، داؤد اور طبری کا یہی قول ہے۔ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کئی وجوہ سے مروی ہے۔ حضرت زید بن ثابت، حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اس میں ان میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا یہی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یہی ابن مسیب، قاسم، سالم اور عطا کا قول

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب العتق، باب لی مکاتب یؤدی بعض کتابتہ، جلد 2، صفحہ 191

2۔ ایضاً، جلد 2، صفحہ 192۔ سنن ابی داؤد، حدیث 3426، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے۔ امام مالک نے کہا: جن کو ہم نے اپنے شہر میں پایا وہ یہی کہتے ہیں اس میں دوسرا قول بھی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ نصف ادا کر لے گا تو وہ مقروض ہوگا؛ یہ نخی کا قول ہے یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان سے سنا مروی ہے کہ مکاتب غلام ہے جب تک ایک درہم بھی اس پر باقی ہے بہتر ہے ان سے مروی اس قول سے کہ جب نصف ادا کر دے گا تو اس پر غلامی نہ ہوگی یہ ابو عمر کا قول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ جو اس نے ادا کر دیا اتنی مقدار آزاد ہو گیا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ آدمی اس میں سے پہلی قسط جو ادا کرتا ہے اس سے اس میں آزادی جاری ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر وہ تہائی کتابت ادا کر دے تو وہ آزاد مقروض ہے یہی شریع کا قول ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اگر کتابت دو سو دینار ہو اور غلام کی قیمت بھی دو سو دینار ہو پھر غلام نے اپنی قیمت سے سو دینار ادا کر دیئے جو اس کی قیمت ہے تو آزاد ہوگا؛ یہ نخی کا بھی قول ہے۔ ساتواں قول یہ ہے جب $\frac{3}{4}$ اور $\frac{1}{4}$ باقی ہو تو وہ مقروض ہے وہ کبھی غلام نہیں رہے گا؛ یہ عطاء بن ابی رباح کا قول ہے۔ ابن جریج نے ان سے روایت کیا ہے بعض سلف سے حکایت ہے کہ وہ کتابت کی عقد سے ہی آزاد ہے وہ کتابت کے ساتھ مقروض ہے وہ غلامی کی طرف کبھی نہیں لوٹے گا اس قول کا رد حدیث بریرہ کرتی ہے جو صحت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اس میں واضح دلیل ہے کہ مکاتب غلام ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو بریرہ بیچی نہ جاتی اگر اس میں آزادی کی کوئی چیز ہوتی تو بیع جائز نہ ہوتی کیونکہ اس سنت پر اتفاق ہے کہ آزاد کو بیچا نہیں جائے گا اسی طرح حضرت سلمان اور حضرت جویر یہ کی کتابت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب پر غلامی کا حکم لگایا حتیٰ کہ انہوں نے کتابت ادا کر دی؛ یہ جمہور کی حجت ہے کہ مکاتب غلام ہے جب تک اس پر کچھ بھی باقی ہے۔ حضرت زید بن ثابت نے مکاتب کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مناظرہ کیا انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا تو اسے رجم کرے گا اگر وہ زنا کرے یا اس کی شہادت کو جائز قرار دے گا اگر وہ شہادت دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں۔ زید نے کہا: وہ غلام ہے جب تک اس پر کوئی چیز باقی ہے۔ نسائی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مکاتب سے اتنا حصہ آزاد ہو جاتا ہے جتنی مقدار وہ زر مکاتب ادا کرتا ہے اور اس پر حد قائم کی جائے گی اتنی مقدار جتنا وہ ادا کر چکا ہے اور جتنا اس سے آزاد ہوا ہے اتنی مقدار وارث ہوگا“ (1)۔ اس کی سند صحیح ہے یہ اس کے لیے حجت ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو ابوداؤد نے تمہان مکاتب ام سلمہ سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے ام سلمہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہمیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم میں سے کسی کا مکاتب ہو اور اس کے پاس وہ ہو جو وہ اسے ادا کر سکے تو اس سے پردہ کرنا چاہیے“ (2)۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے مگر اس میں احتمال ہے کہ یہ خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے ساتھ ہوان کے حق میں ورع اور احتیاط کو لیا ہو جیسے سو وہ کو

1۔ سنن نسائی، کتاب العتق، دية المکاتب، جلد 2، صفحہ 247

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب العتق، المکاتب، جلد 1، صفحہ 184۔ ایضاً، حدیث 3427، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فرمایا تھا: ”اس سے پردہ کرو“ (1)۔ حالانکہ اس کے بھائی ہونے کا فیصلہ فرمایا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ کو فرمایا: ”کیا تم بھی ناجینا ہو کیا تم اسے نہیں دیکھتی ہو یعنی ابن ام مکتوم کو“ (2)۔ حالانکہ فاطمہ بنت قیس کو فرمایا تھا: تو ابن ام مکتوم کے پاس عدت گزار۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 8۔ علماء کا اجماع ہے کہ مکاتب پر جب ایک قسط یا دو قسطیں یا تمام قسطوں کی ادائیگی کا وقت آ جائے پھر مالک اس سے قسط کا مطالبہ نہ کرے اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دے تو کتابت فسخ نہ ہوگی جب تک وہ اس حال پر باقی رہیں گے۔

مسئلہ نمبر 9۔ امام مالک نے فرمایا: غلام کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو عاجز ظاہر کرے جبکہ اس کے پاس ظاہر مال ہو اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو اس کے لیے اپنے آپ کو عاجز ظاہر کرنا جائز ہے اس کے لیے اپنے آپ کو عاجز بنانا جائز نہیں جبکہ وہ اقساط کی ادائیگی پر طاقت رکھتا ہو۔ امام شافعی نے فرمایا: اس کے لیے اپنے آپ کو عاجز بنانا جائز ہے خواہ اس کے لیے مال معلوم ہو یا زر کتابت پر طاقت ہو یا یہ معلوم نہ ہو جب وہ کہے گا: میں عاجز آ گیا ہوں (قسط ادا کرنے سے) تو کتابت باطل ہو جائے گی۔ امام مالک نے فرمایا: جب مکاتب عاجز ہو جائے گا تو جو اقساط مالک اس سے پہلے وصول کر چکا ہوگا وہ بھی مالک کے لیے حلال ہو جائیں گی خواہ وہ غلام کی محنت سے تھیں یا اس پر صدقہ کی گئی تھیں اور جو مال اسے اپنی گردن آزاد کرنے کے لیے دیا گیا تھا اور وہ اس نے کتابت میں نہ لگایا تو جنہوں نے وہ مال دیا تھا وہ اپنا واپس لے سکتے ہیں خواہ کسی نے اسے خود دیا ہو اور مکاتب نے اسے معاف کرایا ہو۔ اگر لوگوں نے اس کی بطور صدقہ مدد کی تھی گردن چھڑانے کی غرض سے نہیں دیا تھا۔ اگر وہ غلام قسط ادا کرنے سے عاجز آ گیا تو وہ صدقہ کا مال آقا کے لیے حلال ہوگا اگرچہ اس کے ساتھ اس کی آزادی مکمل ہوئی ہو اور اس سے کچھ مال بچ بھی جاتا ہو۔ اگر وہ آزادی کی غرض سے تھا تو وہ انھیں حصص کے ساتھ واپس کرے گا یا وہ اس کو معاف کریں گے؛ یہ امام مالک کا مذہب ہے جو ابن قاسم نے ذکر کیا ہے۔ اکثرا اہل علم نے کہا: اگر وہ مال جس پر مالک نے زر کتابت میں سے قبضہ کر لیا اور جو مال اس کے عاجز آنے کے بعد بچ گیا صدقہ وغیرہ میں سے تو وہ مالک کے لیے ہوگا اور اس کے لئے یہ تمام مال لینا جائز ہے۔ یہ امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب، امام احمد بن حنبل کا قول ہے اور ایک روایت شریع سے بھی یہی مروی ہے۔ ثوری نے کہا: جو اس نے اس کو دیا ہے آقا سے گردن چھڑانے میں خرچ کرے؛ یہ سروق اور نخی کا قول ہے اور ایک روایت شریع سے یہ بھی ہے۔ ایک طائفہ نے کہا: جو مالک نے اس سے قبضہ کیا ہے وہ اس کا ہے اور عاجز آنے کے بعد جو اس کے قبضہ میں بچا ہوا ہے وہ غلام کا اپنا ہے مالک کے لیے نہیں ہے؛ یہ ان علماء کا قول ہے جو کہتے ہیں غلام مالک ہوتا ہے۔ اسحاق نے کہا: جو اسے کتابت کی حالت میں عطا کیا گیا وہ جنہوں نے دیا تھا ان پر لوٹا یا جائے گا۔

مسئلہ نمبر 10۔ حدیث بریرہ اپنے طرق اور الفاظ کے اختلاف کے باوجود اس بات کو متضمن ہے کہ

1۔ صحیح بخاری، مقام النبی ﷺ، بحکة زمن الفتح، جلد 2، صفحہ 616

2۔ جامع ترمذی، ابواب الادب، ما جاء فی احتجاب النساء من الرجال، جلد 2، صفحہ 101

اسمیں بیع کتابت کا معاملہ طے ہونے کے بعد واقع ہوئی تھی۔ اس سبب سے مکاتب کی بیع میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ امام بخاری نے ایک عنوان ذکر کیا ہے (باب بیع المکاتب اذارضی) اور آزادی کے لیے اس کی بیع کا جواز ہے جب مکاتب بیع پر راضی ہو اگرچہ عاجز نہ بھی ہو۔ ابن المنذر اور در اور دی کا یہ نظریہ ہے اور ابو عمر عبدالبر نے اس کو پسند کیا ہے یہی ابن شہاب، ابوالزناد اور ربیعہ کا قول ہے مگر انہوں نے کہا: اس کا بیع پر راضی ہونا اس کا عاجز آنا ہے۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا: مکاتب کا بیچنا جائز نہیں ہے جب تک وہ مکاتب ہے حتیٰ کہ وہ عاجز آجائے اور اس کی کتابت کی بیع جائز نہیں ہے؛ یہ مصر میں امام شافعی کا قول تھا اور عراق میں فرماتے تھے اس کی بیع جائز ہے اور کتابت کی بیع جائز نہیں ہے۔ امام مالک نے کتابت کی بیع کو جائز قرار دیا جب وہ کتابت ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا ورنہ وہ کتابت کے خریدنے والے کے لیے غلام ہوگا۔ امام ابو حنیفہ نے اس سے منع کیا ہے کیونکہ اسمیں دھوکا ہے۔ امام شافعی کا قول منع اور اجازت میں مختلف ہے۔ ایک جماعت نے کہا: مکاتب کی بیع جائز ہے جب تک وہ کتابت میں ہے اگر وہ کتابت ادا کر دے گا تو وہ آزاد ہو جائے گا اور اس کی ولاء اس کے لئے ہوگی جس نے اسے خریدا تھا اگر وہ عاجز آ گیا تو وہ خریدنے والے کا غلام ہوگا۔ امام نخعی، عطاء، لیث، احمد اور ابو ثور کا یہی قول ہے امام اوزاعی نے کہا: مکاتب کو نہیں بیچا جائے گا مگر آزاد کرنے کے لیے۔ اس کے عاجز آنے سے پہلے اس کو بیچنا مکروہ ہے۔ یہ امام احمد اور اسحاق کا قول ہے۔ ابو عمر نے کہا: حدیث بریرہ میں مکاتب کی بیع کی اجازت ہے جب وہ بیع پر راضی ہو اور وہ قسط ادا کرنے سے عاجز نہ ہو جس کو ادا کرنے کا وقت آ گیا ہے جبکہ ان علماء کا قول مختلف ہے جو کہتے ہیں کہ مکاتب کی بیع جائز نہیں ہے مگر عجز کی صورت میں کیونکہ بریرہ نے ذکر نہیں کیا کہ وہ قسط ادا کرنے سے عاجز ہے اور نہ اس نے بتایا کہ اس پر قسط ادا کرنے کا وقت آ گیا ہے اور نہ نبی کریم ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تو عاجز ہے یا کیا تجھ پر قسط ادا کرنے کا وقت آ گیا ہے یا نہیں اور نبی ﷺ اس کے خریدنے کی اجازت نہ دیتے مگر یہ جاننے کے بعد کہ وہ عاجز ہے اگرچہ ایک قسط کی ادائیگی سے عاجز ہوتی جس کی ادائیگی کا وقت آچکا تھا۔ زہری کی حدیث میں ہے اس نے زر کتابت سے کچھ بھی ادا نہیں کیا تھا اور میں اس باب میں بریرہ کی اس حدیث سے اصح کوئی حجت نہیں جانتا۔ اور نبی ﷺ سے کوئی ایسی چیز مروی نہیں ہے جو اس کے معارض ہو اور نہ کوئی خبر مروی ہے جو اس کے عجز پر دال ہو۔ اور علماء نے مکاتب کی بیع سے منع کیا ہے انہوں نے کئی امور سے استدلال کیا ہے۔ انہوں نے کہا: مذکورہ کتابت ابھی منعقد نہیں ہوئی تھی اور حضرت بریرہ کا یہ کہنا کہ میں نے اپنے مالکوں سے کتابت کی ہے اس کا مطلب ہے میں نے مکاتب بنانے کا ان سے سودا طے کیا ہے انہوں نے اس کی قیمت، مدت مقدر کی ہے اور ابھی تک عقد نہیں ہے۔ احادیث کا ظاہر اس کے خلاف ہے جب اس کا سیاق غور سے پڑھا جائے۔ علماء نے کہا: بریرہ ادائیگی سے عاجز تھی اور اس نے اپنے مالکوں سے کتابت کے نسخ کرنے پر اتفاق کر لیا تھا اس وقت بیع صحیح ہوتی ہے مگر یہ ان علماء کے قول کے مطابق ہے جو کہتے ہیں کہ مکاتب کے عاجز ثابت ہونے کے لئے حاکم کی ضرورت نہیں جب غلام اور آقا اس پر متفق ہو جائیں کیونکہ حق ان سے تجاوز نہیں کرتا؛ یہ معروف مذہب ہے۔ حنون نے کہا: سلطان کا ہونا ضروری ہے۔ اس سے خوف ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حق کے ترک پر متفق ہو جائیں اس کی صحت پر دلیل ہے کہ وہ

عاجز ہو گئی تھی جیسا کہ حضرت عائشہ بنتیہا سے روایت ہے کہ وہ ان سے اپنی کتابت کے سلسلہ میں مدد طلب کرنے کے لیے آئی تھی اور ابھی اس نے اپنی کتابت سے کچھ ادا نہیں کیا تھا حضرت عائشہ بنتیہا نے اسے کہا: تو اپنے مالکوں کی طرف لوٹ جا اگر وہ پسند کریں کہ میں تیری کتابت ادا کر دوں تو میں ایسا کر دوں گی۔ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ تمام کتابت یا بعض کتابت کا اس پر استحقاق ہو چکا تھا کیونکہ حقوق ادا نہیں کیے جاتے مگر جس کا مطالبہ ثابت ہو۔ واللہ اعلم۔ یہ تاویلات ان کی اپنی بیماری کے زیادہ مشابہ ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ ابن المنذر نے کہا: میں اس شخص کے لیے حجت نہیں جانتا جو کہتا ہے کہ مکاتب کی بیع جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ کہے: شاید بریرہ عاجز آگئی تھی۔ امام شافعی نے فرمایا: اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ مکاتب کے مالک کے لیے اس کا بیچنا جائز ہے۔

مسئلہ نمبر 11: مکاتب جب کتابت ادا کر دے تو وہ آزاد ہو جائے گا اور وہ مالک سے آزادی کی ابتدا کی طرف محتاج نہ ہوگا۔ اسی طرح اس کی اولاد جو اس کی لونڈی سے کتابت کے دوران پیدا ہوئی وہ بھی اس کے آزاد ہونے کے ساتھ آزاد ہوں گے اور اس کے غلام ہونے کے ساتھ غلام ہوں گے کیونکہ انسان کی اولاد اس کی لونڈی سے اس کے مقام کی وجہ سے آزاد تصور کی جائے گی اسی طرح مکاتبہ کی اولاد کا تصور ہوگا۔ اگر کتابت سے پہلے ان کی اولاد ہو تو وہ کتابت میں داخل نہ ہوگی مگر شرط کے ساتھ۔

مسئلہ نمبر 12: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَأَتَوْهُمْ مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي لَمْ يَكُن لَّهُمْ مَالٌ كَافٍ** یہ مالکوں کو حکم ہے کہ وہ کتابت کے مال میں ان کی مدد کریں یا تو خود اپنی طرف سے کچھ ادا کر دیں یا زر کتابت کے مال سے کچھ انہیں معاف کر دیں امام مالک نے فرمایا: مکاتب سے آخری قسط میں سے ساقط کیا جائے گا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پینتیس ہزار ۳۵۰۰۰ میں سے پانچ ہزار معاف کیے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چوتھائی کتابت ساقط کرنے کو اچھا سمجھا ہے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حسن بن ابی حسن نے تہائی معاف کرنے کو مستحسن کہا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا دسواں حصہ معاف کرے۔ ابن جبیر نے کہا: کچھ معاف کر دے۔ انہوں نے اس کی حد متعین نہیں کی؛ یہی امام شافعی کا قول ہے۔ ثوری نے اس کو مستحسن کہا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: کچھ معاف کرے کم از کم چیز جس پر کچھ چیز ہونے کا اطلاق ہوتا ہو۔ اس پر مالک کو مجبور کیا جائے گا اور حاکم اس کے ساتھ ورثاء پر حکم لگائے گا اگر سردار مر جائے گا۔ امام مالک نے اس امر کو استحباب پر محمول کیا ہے اور کم کرنے کی مقدار کی حد متعین نہیں فرمائی۔ امام شافعی نے **وَأَتَوْهُمْ** کے قتل میں مطلق امر سے حجت پکڑی ہے اور ان کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ (النحل: 90)** اور جو آیات اس کی مثل ہیں۔ ابن عربی نے کہا: اس سے پہلے یہ اسماعیل بن اسحاق قاضی نے ذکر کیا ہے۔ امام شافعی نے عطا کرنے کو واجب کہا ہے اور کتابت واجب نہیں ہے۔ پس امام شافعی نے اصل کو غیر واجب اور فرع کو واجب کہا ہے۔ اس کی مثال نہیں ہے۔ یہ محض ایک دعویٰ ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ نکاح کی طرح ہوگا یہ واجب نہیں اور جب یہ منعقد ہو جائے تو اس کے احکام واجب ہوتے ہیں ان میں سے متعہ ہے ہم کہتے ہیں: ہمارے نزدیک متعہ واجب نہیں ہے۔ حضرت عثمان بن عفان نے اپنے غلام کو

مکاتب بنایا اور قسم اٹھائی کہ زر کتابت میں کچھ بھی معاف نہیں کریں گے۔ یہ ایک طویل حدیث میں ہے۔
میں کہتا ہوں: حسن اور نغی اور بریدہ نے کہا **اَتُّوْهُمُ** کا خطاب تمام لوگوں کو ہے کہ وہ مکاتب لوگوں پر صدقہ کریں اور ان کی گردنیں آزاد کرانے میں ان کی مدد کریں۔ زید بن اسلم نے کہا: یہ خطاب والیوں کو ہے کہ وہ صدقہ کے مال سے ان کا حصہ انہیں ادا کریں (1)۔ یہ وہ قول ہے جس کو فی الرقاب کا قول اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے ان دو اقوال کی بنا پر مالک کے لیے ضروری نہیں کہ وہ مکاتب سے اس کی کتابت سے کوئی چیز ساقط کرے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کتابت کی اقساط سے کوئی چیز ساقط کرنے کا ارادہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ان سے اتنا مال ساقط کر دو۔

مسئلہ نمبر 13۔ جب ہم نے کہا کہ مخاطب مالک ہیں تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ یہ سقوط پہلی قسط سے ہوگا خیر کی طرف جلدی کرنے کے لیے کیونکہ ممکن ہے کہ آخری قسط کونہ پائے۔ امام مالک وغیرہ نے کہا: سقوط آخری قسط سے ہو اس کی علت یہ ہے کہ جب وہ پہلی قسط سے ساقط کرے گا تو بعض اوقات غلام عاجز آجاتا ہے تو وہ اور اس کا مال سب مالک کی طرف لوٹ جائے گا اور اس کا ساقط کرنا بھی اس کی طرف لوٹ جائے گا جبکہ یہ صدقہ کے مشابہ ہے؛ یہ حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا قول ہے مجاہد نے کہا: وہ اس کے لئے ہر قسط سے کچھ چھوڑ دے۔ ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک اقویٰ یہ ہے کہ وہ آخر میں ساقط کرے کیونکہ ہمیشہ ساقط کرنا قرضوں کے آخر میں ہوتا ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ کتابت کی عقد کی صفت میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن خويز منداد نے کہا: اس کا طریقہ یہ ہے کہ مالک اپنے غلام کو کہے میں نے تجھے اتنے اتنے مال پر مکاتب بنایا اتنی اتنی قسط ہوگی جب تو یہ ادا کر دے گا تو تو آزاد ہوگا یا اسے کہے تو مجھے ہزاروں قسطوں میں ادا کر دے تو تو آزاد ہے۔ غلام کہے: مجھے قبول ہے۔ اس طرح کے الفاظ کہے جب وہ اسے ادا کر دے گا تو آزاد ہوگا۔ اسی طرح اگر غلام نے کہا: مجھے مکاتب بنا دے اور سردار کہے: میں نے ایسا کر دیا یا کہے: میں نے مکاتب بنا دیا۔ ابن عربی نے کہا: یہ لازم نہیں ہے کیونکہ قرآن کے الفاظ اس کا تقاضا نہیں کرتے اور حال اس کی گواہی نہیں دیتا اگر وہ اس کا ذکر کرے تو اچھا ہے اگر وہ اس کو ترک کر دے تو معلوم ہے اس کی احتیاج نہیں ہے۔ اس باب کے مسائل اور فروع کثیر ہیں ہم نے اس کے اصول سے تمام ذکر کر دیے ہیں جو ان پر اکتفا کرے اس کے لیے کافی ہے۔ واللہ الموفق للهدایة۔

مسئلہ نمبر 16۔ مکاتب کی میراث کے بارے میں علماء کے مختلف تین اقوال ہیں۔ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مکاتب جب مر جائے اور وہ اپنی کتابت سے زائد مال چھوڑ جائے اور اس کے وہ بچے موجود ہوں جو کتابت کے عرصہ میں پیدا ہوئے ہوں یا ان پر اس نے مکاتب کی ہو تو کتابت ادا کرنے کے بعد وہ باقی مال کے وارث ہوں گے کیونکہ بچوں کا حکم اس کے حکم کی طرح ہے۔ اور اگر اس نے مال نہ چھوڑا ہو تو باقی کتابت کے لیے وہ کوشش کریں گے اور وہ آزاد نہ ہوں گے مگر اس کی آزادی کے ساتھ۔ اگر ان کی طرف سے وہ ادا کرے جس نے ان کی طرف رجوع کرنا تھا، کیونکہ وہ اس پر آزاد ہو

ں گے تو وہ بدرجہ اولیٰ اس کی میراث کے مستحق ہوں گے کیونکہ وہ تمام حالات میں اس کے مساوی ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اپنے مال سے تمام زر کتابت ادا کرے اور اسے اس طرح کر دے گویا وہ آزاد مرا ہے اور اس کی تمام اولاد اس کی وارث بن جائے خواہ وہ اولاد جو اس کی موت سے پہلے آزاد تھی اور ان پر اس نے مکاتبت کی تھی یا اس کی کتابت کے دوران پیدا ہوئے تھے کیونکہ وہ حریت میں تمام برابر ہو گئے تھے جب ان کی طرف سے ان کی کتابت ادا ہو گئی؛ یہ قول حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور تابعین میں سے عطاء، حسن، طاؤس اور ابراہیم سے مروی ہے۔ یہی کوفہ کے فقہاء، سفیان ثوری، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب حسن بن صالح بن حمی کا قول ہے۔ اسحاق کا نظریہ بھی یہی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ مکاتب جب تمام کتابت ادا کرنے سے پہلے مر جائے تو وہ غلام کی حیثیت سے مرے گا جو مال پیچھے چھوڑے گا وہ اس کے مالک کے لیے ہوگا اس کی اولاد میں سے کوئی وارث نہ ہوگا نہ آزاد اولاد، نہ وہ جو کتابت کے دوران اس کے ساتھ تھے، کیونکہ جب وہ تمام زر کتابت ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو وہ غلام ہو کر مرا اور اس کا مال اس کے مالک کا ہے اس کے مرنے کے بعد اس کا آزاد ہونا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کے مرنے کے بعد اس کا آزاد ہونا محال ہے اور اس کی وہ اولاد جن پر اس نے مکاتبت لی یا جو اس کی کتابت کے دوران پیدا ہوئے باقی کتابت میں انھیں محنت کرنا ہوگی اور ان سے اس کے حصہ کی مقدار ساقط ہوگا۔ جب وہ ادا کر دیں گے تو وہ آزاد ہو جائیں گے وہ اسمیں اپنے باپ کے تابع ہوں گے۔ اگر وہ زر کتابت ادا نہیں کریں گے تو وہ غلام ہوں گے؛ یہ امام شافعی کا قول ہے، یہی امام احمد بن حنبل کا قول ہے یہی حضرت عمر بن خطاب، حضرت زید بن ثابت، عمر بن عبدالعزیز، زہری اور قتادہ کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وَلَا تَكْفُرْ هُوَ افْتَتِيْتُمْ عَلَى الْبِغَاءِ اِنْ اَرَادَنْ تَحْصُنَا** حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (1) کہ یہ آیت عبد اللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی اس کی دو لونڈیاں تھیں ایک کا نام معاذہ تھا اور دوسری کا نام مسیکہ تھا وہ انہیں زنا پر مجبور کرتا تھا اور انھیں اجرت طلب کرنے اور بچہ حاصل کرنے پر تکلیف دیتا تھا ان دونوں لونڈیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو عبد اللہ بن ابی اور منافقین میں جو ایسا کرتے تھے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ معاذہ یہ اس خولہ نامی عورت کی ماں تھی جس نے بارگاہ رسالت میں اپنے خاوند کے بارے میں جھگڑا کیا تھا صحیح مسلم میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن ابی کی لونڈی جس کا نام مسیکہ تھا اور دوسری کا نام امیمہ تھا وہ انھیں زنا پر مجبور کرتا تھا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: **وَلَا تَكْفُرْ هُوَ افْتَتِيْتُمْ عَلَى الْبِغَاءِ اِنْ اَرَادَنْ تَحْصُنَا لَتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُكْفِرْ هُنَّ اَنْ كَانَ اللهُ مِنْ بَعْدِ اِكْرَاهٍ اَعْفُوًّا رَاجِحًا** ۝۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اِنْ اَرَادَنْ تَحْصُنَا** یہ الفتیات کی طرف راجع ہے۔ یہ اس طرح ہے لونڈی جب تحصن (پاکدامنی) کا ارادہ کرے تو اس وقت مالک کے لیے مجبور کرنا ممکن ہوتا ہے اور اسے مجبور کرنے سے اسے منع کرنا ممکن ہوتا ہے جب لونڈی خود ہی اس گناہ سے بچنے کا ارادہ نہ رکھتی ہو تو آقا کو یہ کہنا ممکن بھی نہیں کہ تو اسے زنا پر مجبور نہ کر، کیونکہ اکراہ (مجبور کرنا) متصور نہیں ہوتا جبکہ وہ زنا کا ارادہ کرنے والی ہو، یہ سرداروں اور لونڈیوں کو امر

ہے جبکہ ان کی یہ حالت ہو اس مفہوم کی طرف ابن عربی نے اشارہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کی طرف سے بدکاری سے بچنے کے ارادہ کا ذکر کیا ہے کیونکہ مالک کی طرف سے اسے اکراہ (مجبور کرنا) اسی حالت میں متصور ہوتا ہے۔ جب وہ زنا میں پہلے بھی رغبت رکھتی ہو تو اکراہ متصور نہیں ہو سکتا پس علماء نے فرمایا: **إِنْ أَمْرَدَنْ تَحَصُّنًا**، ایامی کی طرف راجع ہے۔ زجاج اور حسن بن فضل نے کہا: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے (1) یعنی ایامی اور اپنے نیک لوگوں کا نکاح کر دو بعض نے فرمایا: **إِنْ أَمْرَدَنْ تَحَصُّنًا** کی شرط ملغہ ہے۔ اس طرح کے اقوال کمزور ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا** یہ مال جو لونڈی فرج کے ذریعے کماتی ہے اور وہ بچہ جو غلام بنایا جائے اور بیچا جائے۔ بعض نے کہا: زانی، منیٰ بھاکی اولاد کو سواونٹ فد یہ دیتا تھا، پھر وہ مالک کو سواونٹ پیش کرتا تھا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ جَوَاهِرٌ** مجبور کرتا ہے۔ **قَالَ اللَّهُ هُنَّ** اور ابن جبیر نے لہن غفور پڑھا ہے۔ اکراہ (مجبور کرنا) پر کلام سورہ النحل میں گذر چکی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مومنین پر اپنے انعام شمار کیے جو اس نے ان پر روشن آیات میں سے نازل کیا ان میں گزشتہ قوموں کی مثالیں ہیں تاکہ جن برے کاموں میں وہ واقع ہوئے تھے یہ اس سے پرہیز کریں۔

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ مِثْلُ نُورِهَا كَشْفُوكَ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۗ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ ۗ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبْرَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۗ نُورًا عَلَى نُورٍ ۗ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ ۗ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ٢٥

”اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہوا میں چراغ ہو، وہ چراغ شیشہ کے (ایک فانوس) میں ہو، وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے جو موتی کی طرح چمک رہا ہے جو روشن کیا گیا ہے برکت والے زیتون کے درخت سے جو نہ شرقی ہے نہ غربی ہے قریب ہے اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے، (یہ) نور ہی نور ہے، پہنچا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے، اور بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ طرح طرح کی مثالیں لوگوں (کی ہدایت) کے لیے اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** کلام عرب میں نور ان روشنیوں کو کہتے ہیں جو آنکھ کے ذریعے دیکھی جاتی ہیں مجازاً دوسرے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی چمکنا بھی ہے۔ اسی سے کہا جاتا ہے: کلام لہ نور اس کا چمکنے والا کلام ہے۔ اسی سے الکتاب المنیر (روشن کتاب) ہے، اسی سے شاعر کا قول ہے:

نَسِبَ كَأَنَّ عَلَيْهِ مِنْ شِسِّ الضَّحَا نورا وَمِنْ فَلَقِ الصَّبَاحِ عَمُودًا (2)

لوگ کہتے ہیں: فلان نور البلد و شمس العصر و قمرہ فلان شہر کا نور ہے زمانہ کا سورج اور چاند ہے۔
شاعر نے کہا: فإتاتك شمس والملوك كواكب۔

ایک شاعر نے کہا:

فَلَا خَصَّتْ مِنَ الْبِلَادِ بِمَقْصِدِ قَمَرِ الْقِبَائِلِ خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ

ایک اور شاعر نے کہا:

إِذَا سَارَ عِبْدَ اللَّهِ مِنْ مَرَّةٍ لَيْلَةً فَقَدْ سَارَ مِنْهَا نُورَهَا وَجِوَالَهَا

یہ کہنا بھی جائز ہے اس کا معنی ہو اللہ کا نور ہے۔ یہ مدح کی حجت سے ہو کیونکہ اس نے تمام اشیاء کو پیدا کیا اور تمام اشیاء کا نور اس سے ہے اس سے تمام اشیاء کی ابتدا ہے اور اسی سے ان کا صدور ہے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے وہ ان روشنیوں میں سے نہیں ہے جو آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہیں وہ پاک ہے اس سے جو ظالم کہتے ہیں اس کی شان اس سے بلند اور بڑی ہے۔ ہشام جو اہل حق اور مجسمہ گروہ نے کہا: وہ نور ہے دوسرے انوار کی طرح نہیں، وہ جسم ہے دوسرے اجسام کی طرح نہیں یہ تمام اللہ تعالیٰ پر عقلاً اور نقلاً محال ہے جیسا کہ علم الکلام میں معروف ہے پھر ان کا قول متناقض ہے کیونکہ ان کا قول جسم یا نور ہے اس پر اس کی حقیقت کے ساتھ ایک حکم ہے اور ان کا قول: دوسرے نوروں کی طرح نہیں دوسرے اجسام کی طرح نہیں۔ اس چیز کی نفی ہے جس کو انہوں نے جسمیت اور نور میں سے ثابت کیا تھا یہ تناقض ہے اور اس کی تحقیق علم الکلام میں ہے جو انہیں اس میں ظاہر نظر آیا انہوں نے اس کی اتباع کی۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جب آپ نماز تہجد کے لیے اٹھتے تو یہ کہتے: اللہم لک الحمد، أنت نور السموات والأرض (1)۔ اسی طرح آپ ﷺ سے پوچھا گیا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے نور دیکھا“ (2) اس کے علاوہ بھی احادیث ہیں۔ علماء نے اس آیت کی تاویل میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے فرمایا: اس کا مطلب ہے، اس کے ساتھ اور اس کی قدرت سے اشیاء کی روشنی چمکی اور ان کے امور قائم ہوئے اور مصنوعات بنیں۔ یہ کلام ذہن کی تقریب پر مبنی ہے جیسے کہا جاتا ہے: الملك نور اهل البلد یعنی شہر والوں کے معاملات کا قیام اور ان کی صلاح بادشاہ کے ساتھ ہے کیونکہ اس کے امور سیدھے راستے پر چلاتے ہیں۔ یہ الملک کے لفظ میں مجاز ہے یہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں حقیقت محضہ ہے کیونکہ اس نے موجودات کو پیدا کیا عقل کو نور اور ہدایت دینے والا بنایا کیونکہ موجود کا ظہور اس کے ساتھ حاصل ہوا جس طرح روشنی کے ساتھ دیکھی جانے والی چیزوں کا ظہور حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی بابرکت ہے اس کے علاوہ کوئی رب نہیں ہے؛ یہ معنی مجاہد اور زہری وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ ابن عرفہ نے کہا: اس کا مطلب ہے وہ آسمانوں اور زمینوں کو منور کرنے والا ہے اسی طرح ضحاک اور قرظی نے کہا ہے جیسے لوگ کہتے ہیں: فلاں غیاثنا یعنی وہ ہماری مدد کرنے والا ہے فلان زادی فلاں میرے ساز و سامان تیار کرنے والا ہے؛ جریر نے کہا:

وَأَنْتَ لَنَا نُورٌ وَغَيْثٌ وَعَصْبَةٌ وَنَبْتُ لِمَنْ يَرْجُو نَدَاكَ وَرَيْقُ

یعنی ذورق۔ مجاہد نے کہا: آسمانوں اور زمین میں امور کی تدبیر فرمانے والا ہے۔ حضرت ابی بن کعب، حسن اور ابو العالیہ نے کہا: وہ سورج، چاند اور ستاروں سے آسمانوں کو مزین کرنے والا ہے (1) اور زمین کو انبیاء، علماء اور مومنین کے ساتھ مزین کرنے والا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت انس نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ آسمان والوں اور زمین والوں کا ہادی ہے (2)۔ پہلا معنی اعم ہے اور تاویل کے ساتھ زیادہ اصح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مَثَلُ نُورٍ كَمَثَلِ نُورٍ كَمَثَلِ نُورٍ كَمَثَلِ نُورٍ كَمَثَلِ نُورٍ** یعنی اس کے دلائل کی صفت جو وہ بند و مومن کے دل میں ڈالتا ہے۔ دلائل کو نور کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو نور کہا ہے فرمایا: **أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا** (النساء) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو نور فرمایا: **قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ** (المائدہ) یہ اس وجہ سے فرمایا کیونکہ کتاب ہدایت دیتی ہے اور بیان کرتی ہے اسی طرح رسول کی بھی یہی مثال ہوتی ہے اللہ کی طرف اضافت کی وجہ یہ ہے کہ وہ دلالت کو ثابت کرنے والا ہے اور بیان کرنے والا ہے اور اسے وضع کرنے والا ہے یہ آیت دوسرے معانی کا بھی احتمال رکھتی ہے۔ اس میں مثال کے ہر جز کا مقابلہ مثل بہ کے ہر جز کے ساتھ نہیں بلکہ اس میں جملہ کی جملہ کے ساتھ تشبیہ واقع ہوئی ہے کیونکہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہدایت، ہر مخلوق کی صنعت کو اس کا پختہ کرنا اور ان تمام پر اس کے پھیلے ہوئے دلائل ہیں جیسے اس نور سے ہے جس کو تم اس صفت پر بناتے ہو جو اس نور کی صفات میں ابلغ ترین صفت پر ہے جو لوگوں کے سامنے ہے۔ بس وضوح اور روشنی میں اللہ کے نور کی مثال اس طرح ہے جس پر تمہاری انتہا ہے اے انسانو! المشکاۃ۔ دیوار میں بنے ہوئے طاق کو کہتے ہیں جو آرا پار نہیں ہوتا؛ یہ ابن جبیر اور جمہور مفسرین کا قول ہے۔ یہ روشنی کو جمع کرتا ہے اس میں چراغ دوسری جگہوں کی نسبت زیادہ روشنی دیتا ہے اس کی اصل وہ برتن ہے جس میں کوئی چیز رکھی جاتی ہے مشکاۃ چمڑے کا برتن جیسے ڈول، اس میں پانی ٹھنڈا ہوتا ہے یہ مفعلة کے وزن پر ہے جیسے مقراہ و مصفاۃ۔ شاعر نے کہا:

كَانَ عَيْنِيهِ مِشْكَاةَانِ نِي حَجْرٍ قِيضَا اِقْتِيَاضَا بِأَطْرَافِ الْمَنَاقِيذِ

بعض علماء نے کہا: مشکاۃ قدیل کا ستون جس میں وٹ ہوتی ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد قدیل ہے (3)۔ فرمایا: **فِي زُجَاجَةٍ** کیونکہ وہ شفاف جسم ہے چراغ، فانوس میں زیادہ روشن ہوتا ہے۔ **الْبِضَالُ** آگ کے ساتھ وٹ: کانہا کو کب دری، روشنی کرنے اور چمک میں ستارے کی مانند ہے۔ اس میں دو معانی کا احتمال ہے، وہ چراغ کے ساتھ اس طرح ہے یا اپنی صفائی اور اپنے جوہر کی عمدگی کی وجہ سے اس طرح ہے۔ یہ تاویل نور پر تعاون میں زیادہ بلوغ ہے۔ ضحاک نے کہا: **الْكوكب الدرِي** سے مراد زہرہ ستارہ ہے (4)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يُؤْتِيهِ مِنَ الشَّجَرَةِ مَثَلًا لِّكَلْبٍ** یعنی درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے۔ مضاف کو حذف کیا گیا ہے اور درخت کو مبارک کہا گیا ہے کیونکہ زیتون نما (برہوتری) کے اعتبار سے پھلوں میں سے بڑا ہے۔ اسی طرح انار ہے۔ مشاہدہ اس کا تقاضا کرتا ہے ابو طالب نے مسافر بن ابی عمرو بن امیہ بن عبد شمس کے مرثیہ میں کہا:

لَيْتَ شِغْرِي مَسَافِرِ بْنِ أَبِي عَمْرٍو وَلَيْتَ يَقُولُهَا الْمَحْرُوقُ

بورك البيت الغرب كما بو دن نبغ الرمان والزيتون (1)

بعض نے کہا: ان کی برکت کی وجہ سے ان کو مبارک کہا گیا ہے کیونکہ ان کی ٹہنیاں نیچے سے اوپر تک پتے نکالتی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: زیتون میں بہت سے منافع ہیں۔ اس سے چراغ جلایا جاتا ہے، یہ بطور سائل استعمال ہوتا ہے، بطور تیل استعمال ہوتا ہے، اس کے ساتھ باغت کی جاتی ہے، اس کے ساتھ لکڑیوں کو آگ لگائی جاتی ہے، اس میں کوئی ایسی چیز نہیں مگر اس میں منفعت ہے حتیٰ کہ اس کی راکھ کے ساتھ ریشم کو صاف کیا جاتا ہے۔ یہ پہلا درخت ہے جو دنیا میں پیدا ہوا اور طوفان نوح کے بعد سب سے پہلے اگنے والا یہی درخت ہے۔ انبیاء کی منازل اور ارض مقدسہ میں اگتا ہے۔ اس کے لیے ستر انبیاء کرام نے برکت کی دعا کی۔ ان میں حضرت ابراہیم اور حضرت محمد ﷺ ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے دعا کی: اللهم بارك في الزيت والزيتون یہ دو مرتبہ عرض کی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لا شرقية ولا غربية اس قول میں علماء کا اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، قتادہ وغیرہم نے فرمایا: شرقية، جس کو سورج کی دھوپ پڑتی ہے جب سورج طلوع ہوتا ہے (2)۔ اور جب سورج غروب ہوتا ہے تو اس وقت اسے سورج کی دھوپ نہیں لگتی، کیونکہ اس کے لیے پردہ ہوتا ہے۔ اور غریبہ، اس کے برعکس ہے یعنی وہ صحراء میں درخت ہے زمین پر ظاہر ہے سورج کی دھوپ سے کوئی چیز اسے نہیں چھپاتی وہ تیل کے لیے عمدہ ہوتا ہے نہ خالصہ شرق کے لیے ہے کہ اسے شرقیہ کہا جائے اور نہ غرب کے لیے ہے کہ اسے غربیہ کہا جائے بلکہ وہ شرقیہ غریبہ ہے۔ طبری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ وہ ایک بہت بڑے صحن میں درخت ہے اس کو اس گھرنے گھیرا ہوا ہے۔ وہ شرق کی جہت سے نہ منکشف ہوتا ہے اور نہ غرب کی جہت سے منکشف ہوتا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا: یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے درست نہیں ہے کیونکہ وہ پھل جو اس طرح ہوتا ہے اس کی اطراف خراب ہوتی ہیں یہ کائنات میں مشاہدہ ہے۔ حسن نے کہا: یہ دنیا کے درختوں میں سے نہیں ہے (3) یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کے لیے قائم فرمائی ہے کیونکہ اگر یہ دنیا میں ہوتا تو یا یہ شرقیہ ہوتا یا غربیہ ہوتا۔ ثعلبی نے کہا: قرآن نے واضح طور پر بیان فرمایا کہ یہ دنیا کا درخت ہے، کیونکہ شام کے درخت نہ شرقی ہیں نہ غربی ہیں شام کے درخت افضل درخت ہیں یہ ارض مبارکہ ہے اور شرقیہ، زیتونہ کی نعت ہے اور لاصفت اور موصوف کے درمیان حائل نہیں ہوتا ولا غربیہ، اس پر ولا غربیہ کا عطف کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِيَكَادُ ذَيْبُهَا يُضِيءُ وَ لَوْ لَمْ تَسْسُهُ نَارٌ يَهِيَ اس کے حسن صفائی اور جودت میں مبالغہ ہے نُورًا عَلَى نُورٍ، مشكاة میں چراغ کی روشنی جمع ہے زجاجہ (شیشہ) تک وہ روشنی پہنچتی ہے اور تیل کی روشنی تک پہنچتی ہے پس اسی وجہ سے وہ نُورًا عَلَى نُورٍ ہو گیا ہے۔ یہ انوار مشكاة (طاق) میں جمع ہوئے تو وہ انتہائی خوبصورت نور ہو گیا اسی طرح اللہ تعالیٰ کے براہین واضح ہیں۔ یہ دلیل کے بعد دلیل ہے اور تشبیہ کے بعد تشبیہ ہے جیسے رسولوں کو مبعوث فرمایا، کتب کو نازل فرمایا اور نصیحتیں فرمائیں جن میں عقل سلیم رکھنے والے کے لیے تکرار ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ وہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی طرف اسے ہدایت دیتا ہے اور اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے سعادت بخشتا ہے اپنے بندوں پر ضرب الامثال کی صورت میں اپنے فضل کا

ذکر فرمایا تاکہ انھیں عبرت نصیب ہو اور ایسی نظر ملے جو انہیں ایمان تک پہنچانے والی ہو۔ عبد اللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ اور ابو عبد الرحمن سلمی نے اللہ نور نون کے فتح اور واو کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ نورہ کی ضمیر کا مرجع کیا ہے مفسرین کا اس میں اختلاف ہے۔ کعب احبار اور ابن جبیر نے کہا: اس کا مرجع حضرت محمد ﷺ ہیں یعنی مثل نور محمد ﷺ (1)۔ ابن انباری نے کہا: اللہ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ پر وقف حسن ہے پھر کلام کا آغاز ہو رہا ہے مَثَلُ نُورِهَا كَمَثَلِ نُورِهَا مِصْبَاحٍ یعنی نور محمدی ﷺ کی مثال۔ حضرت ابی بن کعب اور ابن جبیر نے بھی اور ضحاک نے کہا: اس کا مرجع مومنین ہیں۔ حضرت ابی کی قراءت میں مثل نور المومنین ہے اور یہ بھی روایت ہے کہ ان کی قراءت میں مثل نور المومن ہے روایت ہے کہ اس میں مثل نور من امن بہ ہے۔ حسن نے کہا: اس کا مرجع قرآن اور ایمان ہے۔ مکی نے کہا: ان اقوال کی بناء پر (الارض) پر وقف ہوگا ابن عطیہ نے کہا: ان اقوال کی بنا پر ضمیر کا مرجع ایسا ہوگا جس کا پہلے ذکر نہیں ہے۔ اس میں مثال کے ہر جز کا مقابلہ مثل بہ کے جز سے ہوگا۔ پس جنہوں نے کہا کہ مثل بہ حضرت محمد ﷺ ہیں وہ کعب خبر کا قول ہے۔ اس بنا پر رسول اللہ ﷺ مشکاۃ ہوں گے یا آپ کا سینہ مشکاۃ ہوگا اور مصباح سے مراد نبوت اور اس سے متصل اچھا عمل اور ہدایت ہے۔ الزجاجۃ سے مراد آپ ﷺ کا قلب (دل) ہے الشجرۃ المبارکۃ سے وحی اور ملائکہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا پیغام آپ کی طرف لاتے تھے اور اس کا سبب جو اس سے متصل ہوتا۔ الزيت سے مراد وہ حج و براہین ہیں وحی جن کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہوتی تھی اور جنہوں نے کہا: مثل بہ مومن ہے۔ ان کے نزدیک چراغ سے مراد ایمان اور علم ہے۔ زجاج سے مراد اس کا دل ہے۔ زیت سے مراد جنتیں اور حکمت ہے جن کو وہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ حضرت ابی نے کہا: وہ مومن لوگوں میں بہتر حالت میں چلتا ہے جس طرح زندہ مردوں کی قبور میں چلتا ہے اور جنہوں نے کہا: مثل بہ قرآن اور ایمان ہے تو تقدیر کلام اس طرح ہوگی مثل نورہ الذی هو الایمان فی صدر المؤمن فی قلبہ کمشکاۃ یعنی اس نور کی مثال جو ایمان ہے جو بندہ مومن کے سینہ میں ہے اس کے دل میں ہے جو طاق کی طرح ہے۔ اس میں پہلی دونوں تشبیہوں کی طرح تشبیہ نہیں ہے کیونکہ مشکاۃ ایمان کا مقابل نہیں ہے۔ ایک جماعت نے کہا: ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جسے ثعلبی، ماوردی اور مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ یہ معنی گذر چکا ہے اس قول کی بنا پر (الارض) پر وقف نہ ہوگا۔ مہدوی نے کہا: ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے تقدیر اس طرح ہوگی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین والوں کو ہدایت دینے والا ہے۔ اس نے جو مسلمانوں کے قلوب میں ہدایت ڈالی اس کی مثال مشکاۃ کی ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اسی طرح حضرت زید بن اسلم نے کہا ہے۔ حسن نے کہا: ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ حضرت ابی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما اس کو مثل نورہ فی قلب المؤمن کمشکاۃ پڑھتے تھے۔ محمد بن علی ترمذی نے کہا: ان کے علاوہ کسی نے قرآن میں اس طرح نہیں پڑھا ہے۔ اور تاویل میں ان کی موافقت کی ہے کہ یہ بندہ مومن کے دل میں اس کا نور ہے۔ اس کی تصدیق دوسری آیت میں ہے فرمایا: اَلَمَنْ شَرَسَ اللّٰهُ صَدْرًا لِّلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُورِهَا مِنْ نُّوْرِهَا (الزمر: 22) اور پہلے مفسرین نے اس کی اس طرح علت بیان کی ہے کہ ضمیر کو اللہ کے لیے بنانا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ

کے نور کی کوئی حد نہیں ہے۔ ابو عمر و ر اور دی نے کسائی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے مشکاة کے الف میں اور اس سے پہلے کاف میں امالہ کیا ہے۔ نصر بن عاصم نے زجاجة کو زاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے اسی طرح الزجاجة کو بھی زاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے یہ بھی ایک لغت ہے۔ ابن عامر اور حفص نے عاصم سے درئی دال کے ضمہ اور ی کی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس قراءت کی دو وجہیں ہیں یا تو کوکب، الدر کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس کی سفیدی اور صفائی کی وجہ سے یا اس کی اصل دریء مہوز ہے۔ فاعیل یہ الدرء سے مشتق ہے جس کا معنی دور کرنا ہے۔ پھر ہمزہ میں تخفیف کی گئی وہ بڑے بڑے ستارے جن کے اسماء معروف نہیں ہیں ان کو الدراری (بغیر ہمزہ کے) کہا جاتا ہے۔ حمزہ اور ابو بکر نے عاصم سے دریء ہمزہ اور مد کے ساتھ پڑھا ہے یہ فاعیل کے وزن پر الدرء سے مشتق ہے اس معنی میں کہ وہ ایک دوسرے کو دھکیلتے ہیں۔ کسائی اور ابو عمر نے دریء دال کے کسرہ اور ہمزہ کے ساتھ الدرء سے مشتق کر کے پڑھا ہے جس کا معنی دور کرنا ہے جیسے التکیا اور الفتیق۔ سیبو نے کہا: ابو عبیدہ نے ابو عمر اور کسائی کی قرأت کو انتہائی ضعیف قرار دیا کیونکہ انہوں نے اس کو درات سے مشتق کیا ہے جس کا مطلب ہے دور کرنا یعنی ستارہ ایک افق سے دوسرے افق کی طرف چلتا ہے۔ جب یہ تاویل ہو تو کلام میں کوئی فائدہ نہیں رہتا اور اس ستارے کی بہت سے ستاروں پر کوئی فضیلت نہیں رہتی۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ یہ نہیں کہا جاتا جاعنی انسان من بنی آدم۔ ابو عمرو اور کسائی جیسے علماء کو ایسی دور از فکر تاویل نہیں کرنی چاہیے تھی۔ لیکن ان کی تاویل اس کے مطابق ہے جو محمد بن یزید سے مروی ہے کہ ان کا معنی یہ ہے کہ ستارا نور کو دور کرتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: اندرء الحریق یعنی اندر آگ سے دور رہ۔ یہ تاویل میں قرأت کے لیے صحیح ہے۔ سعید بن مسعد نے حکایت کیا ہے کہا جاتا ہے درء الکوکب بضوۃ جب اس کی روشنی لمبی اور بلند ہو۔ جوہری نے الصحاح میں فرمایا: درء علینا فلان یدرء دروء یعنی اچانک طلوع ہوا۔ اسی سے کوکب دری بروزن فاعیل ہے جیسے سکیر اور حمیر۔ اس کے زیادہ روشن ہونے اور چمکنے کی وجہ سے ہے۔ قد دراء الکوکب دروء۔ ابو عمر بن علاء نے کہا: میں نے سعد بن بکر کے ایک شخص سے پوچھا جو ذات عرق سے تھا میں نے کہا: اس بڑے ستارے کو تم کیا کہتے ہو۔ فرمایا: الدرری۔ وہ لوگوں میں سے بلوغ تھا۔ نحاس نے کہا: حمزہ کی قرأت اہل لغت کے قول کے مطابق غلط ہے بالکل جائز نہیں ہے کہ عرب کلام میں کوئی اسم فاعیل کے وزن پر نہیں ہے۔ ابو عبیدہ نے اس پر اعتراض کیا اور حمزہ کی طرف سے حجت پیش کی کہ یہ فاعیل کا وزن نہیں بلکہ یہ فعول کے وزن پر ہے جیسے سبوح واد سے یاء کو بدلا گیا ہے جیسے کہتے ہیں عتی۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: یہ اعتراض اور احتجاج بہت بڑی غلطی ہے۔ یہ بالکل جائز نہیں ہے اگر وہ جائز ہوتا جو انہوں نے کہا ہے تو سبوح میں سبوح کہا جاتا۔ یہ کسی نے بھی نہیں کہا ہے۔ عتی اس سے نہیں ہے ان کے درمیان فرق واضح ہے کیونکہ عتی دو جہتوں سے خالی نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ یہ عات کی جمع ہو۔ اس میں بدل لازم ہوگا کیونکہ جمع تغیر کے باب سے ہے اور واد اسماء میں طرف کلمہ میں نہیں ہوتی جبکہ اس سے پہلے ضمہ ہو۔ جب اس سے پہلے ساکن تھا اور ساکن سے پہلے ضمہ تھا اور ساکن مضبوط آڑ نہیں ہے تو ضمہ کو کسرہ سے تبدیل کیا گیا اور واد کو یاء سے بدلا گیا۔ اور اگر عتی واحد ہو تو واد کے ساتھ اولیٰ ہے اور اس کا قلب جائز ہے کیونکہ طرف کلمہ میں ہے۔ اور فعول میں واد طرف کلمہ میں نہیں پس اس کا قلب جائز نہیں۔ جوہری اور ابو عبیدہ نے کہا: اگر تو دال کو ضمہ دے اور تو کہے دری تو

یہ الٰہ کی طرف منسوب ہوگا فعلی کے وزن پر ہوگا اور مہوز نہ ہوگا کیونکہ عرب کلام میں فعلیل نہیں ہے۔ قراء میں سے جنہوں نے اس کو ہمزہ دیا ہے انہوں نے فاعول کا ارادہ کیا ہے جیسے سبوح ہے پھر کثرت سے ضموں کی وجہ سے ثقل پیدا ہو گیا تو بعض کو کسرہ کی طرف لوٹا دیا۔ انفش نے بعض سے حکایت کیا ہے دری یہ دراتہ سے مشتق ہے اس کو ہمزہ دیا ہے اور اسے فعلیل کے وزن پر پہلے حرف کو فتح دیا ہے۔ فرمایا: یہ اس کی چمک کی وجہ سے ہے۔ ثعلبی نے کہا: سعید بن مسیب اور ابو جہا نے دری دال کے فتح کے ساتھ مہوز پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے کہا: یہ خطا ہے کیونکہ کلام میں فعلیل بھی نہیں ہے اگر ان سے یہ صحیح ہو تو وہ دونوں تحت ہیں۔ یوقد شیبہ، نافع، ایوب، سلام ابن عامر، اہل شام اور حفص نے یوقد یا مضمومہ کے ساتھ، قاف کی تخفیف اور دال کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حسن، سلمی، ابو جعفر، ابو عمرو بن علاء بصری نے تو قد تمام حروف مفتوحہ کے ساتھ اور قاف کی شد کے ساتھ پڑھا ہے؛ ابو حاتم اور ابو عبید نے اس کو اختیار کیا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ دونوں قراءتیں قریب قریب ہیں کیونکہ دونوں مصباح کے لیے ہیں۔ یہ وصف کے مناسب ہیں کیونکہ وہ روشن کرتا ہے اور روشن ہوتا ہے۔ الزجاجة اس کے لیے برتن ہے اور تو قد ماضی تو قد، یتوقد سے ہے۔ اور یوقد فعل مضارع اوقد، یوقد سے ہے۔ نصر بن عاصم نے تو قد پڑھا ہے اس کی قرات پر اصل تو قد ہے ایک تاء کو حذف کیا گیا کیونکہ دوسری اس پر دلالت کرتی ہے کو فیوں نے تو قد تاء کے ساتھ پڑھا ہے الزجاجة کی طرف ضمیر لوٹائی ہے یہ دونوں قراءتیں الزجاجة کی تانیث کی بنا پر ہیں، مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ اس پر کلام گزر چکی ہے۔ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ عُرْوَةٌ لَوْ لَمْ تَسْسُهُ نَارًا نُورًا عَلَى نُورٍ مَوْثُ فَعْلٍ نَارٍ كِي تَانِيث کی وجہ سے ہے۔ ابو عبید نے کہا: صرف یہی قراءت معروف ہے۔ ابو حاتم نے حکایت کیا ہے کہ سدی نے ابو مالک سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے لم یسسہ نار یا کے ساتھ پڑھا ہے۔ محمد بن یزید نے کہا: تذکیر اس بنا پر ہے کہ یہ مؤنث غیر حقیقی ہے۔ ان کے نزدیک مؤنث کے استعمال کا یہی طریقہ ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: المشكاة سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جوف (پیٹ) ہے اور الزجاجة سے مراد قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور المصباح سے مراد وہی نور ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں رکھا ہے۔ وہ روشن کیا جاتا ہے شجرة مباركة سے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل ابراہیم سے ہے وہ آپ کا شجرہ (درخت) ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں نور رکھا جس طرح حضرت ابراہیم کے قلب میں نور رکھا۔ محمد بن کعب نے کہا: المشكاة سے مراد حضرت ابراہیم ہیں۔ الزجاجة سے مراد حضرت اسماعیل ہیں اور المصباح سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مصباح رکھا جیسا کہ آپ کا نام سراج رکھا۔ فرمایا: وَدَاعِبًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِمْ وَبِرَاحِمٍ مِّنْهُمْ ۝ (الاحزاب) يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ شَجَرَةٍ مَّ بَارَكَةٍ سے مراد حضرت آدم ہیں ان کی نسل میں برکت ڈالی گئی اور آپ سے انبیاء و اولیاء کثرت سے ہوئے۔ بعض علماء نے فرمایا: شجرہ مبارکہ سے مراد حضرت ابراہیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مبارک فرمایا کیونکہ اکثر انبیاء کرام آپ کی صلب سے تھے لاشراقیۃ ولا غربیۃ یعنی ابراہیم نہ یہودی تھے یہ نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسن لوگوں کے لیے وحی الہی آنے سے پہلے بھی روشن تھے۔ نُورًا عَلَى نُورٍ نبی کی نسل سے نبی۔ ضحاک نے کہا:

مشکاۃ سے مراد عبدالمطلب ہیں (1)، الزجاجة سے مراد حضرت عبد اللہ ہیں اور المصباح سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے دل میں تھے آپ حضرت ابراہیم سے نبوت کے وارث بنے۔ من شجرة تقوی رضوان کا درخت اور ہدایت و ایمان ایک درخت ہے جس کی اصل نبوت ہے اور اس کی فرع مروت ہے، اس کی ٹہنیاں تنزیل ہیں اور اس کے پتے تاویل ہیں اور اس کے خدمت گزار جبریل و میکائیل ہیں۔ قاضی ابوبکر ابن عربی نے کہا غریب امر یہ ہے کہ بعض فقہاء نے کہا یہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عبدالمطلب اور ان کے بیٹے حضرت عبد اللہ کی مثال دی ہے۔ المشکاۃ سے مراد حبشہ کی زبان میں طاق ہے عبدالمطلب کو مشکاۃ سے تشبیہ دی گئی جس میں قندیل ہے اور الزجاجة ہے اور حضرت عبد اللہ کو قندیل سے تشبیہ دی گئی اور وہ الزجاجة ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصباح کی مانند تھے یعنی ان کی اصلا ب میں گویا وہ روشن ستارہ ہے اور وہ مشتری ہے۔ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبْرَكَةٍ یعنی نبوت کی میراث حضرت ابراہیم سے ہے وہ مبارک درخت ہیں، یعنی حنیفیۃ لاشرقیۃ ولا غربیۃ لا یهودیۃ ولا نصرانیۃ۔ یُکَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَ لَوْلَمْ تَسْسُهُ نَارٌ فرمایا: قریب تھا حضرت ابراہیم وحی کے ساتھ کلام کرتے وحی آنے سے پہلے، نُورًا عَلٰی نُورٍ حضرت ابراہیم پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ قاضی نے کہا: یہ تمام ظاہر سے عدول ہے اور تمثیل میں ممتنع نہیں ہوتا کہ آدمی اس میں وسعت دے۔ میں کہتا ہوں: سوائے پہلے قول کے تمام اقوال کا آیت سے ربط نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال دی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال دینا ممکن بھی نہیں ہے یہ مخلوق کو تشبیہ کرنے کے لیے تھا مگر بعض مخلوق کے ساتھ کیونکہ مخلوق اپنے تصور کی وجہ سے کسی بات کو نہیں سمجھتی مگر اپنی ذات کے ذریعے اور اپنی ذات سے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کو کوئی بھی نہ پہچانتا مگر اللہ وحدہ؛ یہ ابن عربی کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کے نور اور ہدایت کی مثال ہے جو بندہ مومن کے دل میں ہوتی ہے قریب ہے بندہ مومن ہدایت کے مطابق عمل کرے علم آنے سے پہلے، جب معرفت آنے سے پہلے حضرت ابراہیم نے کہا: هَذَا سِرِّي (الانعام: 77) یہ آپ نے کسی کے خبر دینے سے پہلے کہا تھا کہ اب کوئی رب ہے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ وہ اس کا رب ہے تو ہدایت میں اضافہ ہو گیا اور فرمایا: قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْتُ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۰۰﴾ (البقرہ) اور جنہوں نے کہا: یہ بندہ مومن کے دل میں قرآن کی مثال ہے۔ فرمایا: جس طرح یہ چراغ روشن کیا جاتا ہے اور وہ کم نہیں ہوتا اسی طرح قرآن سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے اور کم نہیں ہوتا المصباح سے مراد قرآن ہے۔ الزجاجة سے مراد مومن کا دل ہے اور المشکاۃ سے مراد اس کی زبان اور اس کا فہم ہے۔ شجرة مبارک کہ سے مراد شجرة الوحي ہے۔ یُکَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَ لَوْلَمْ تَسْسُهُ نَارٌ قریب ہے کہ قرآن کے دلائل واضح ہو جائیں اگرچہ نہ بھی پڑھے جائیں۔ نُورًا عَلٰی نُورٍ یعنی قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کے لیے نور ہے باوجود اس کے کہ نزول قرآن سے پہلے اعلام و دلائل ان کے لیے قائم فرمادیے تھے پس ان کے نور میں مزید اضافہ ہو گیا پھر بتایا کہ یہ نور عزیز ہے اسے کوئی حاصل نہیں کر سکتا مگر جس کی ہدایت کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے۔ فرمایا: يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ یعنی اللہ تعالیٰ اشیاء کو افہام

کے قریب کرنے کے لیے بیان فرماتا ہے۔ **وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ** وہ ہدایت یافتہ اور گمراہ سب کو جانتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہود نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور آسمان کے نیچے کیسے پایا جاتا ہے (1)؟ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فِي بُيُوتِ اٰذِنِ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ يُدْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ
وَ الْاَصَالِ ۝۱۰۱ لَا تَلْمِزْهُمْ بِتِجَارَتِهِمْ وَلَا بَيْعٍ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ
اِيتَاءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ۝۱۰۲ لِيَجْزِيََهُمُ اللّٰهُ
اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ۝۱۰۳ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۱۰۴

”ان گھروں میں (جن کے متعلق) حکم دیا ہے اللہ نے کہ بلند کیے جائیں اور لیا جائے ان میں اللہ تعالیٰ کا نام اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ان گھروں میں صبح و شام وہ (جو ان) مرد جنہیں غافل نہیں کرتی تجارت اور نہ خرید و فروخت یا دالہی سے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے وہ ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے گھبرا جائیں گے جس میں دل اور آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی تاکہ جزا دے انہیں اللہ تعالیٰ ان کے بہترین اعمال کی اور اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے انہیں اپنے فضل سے اور اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے حساب۔“

ان میں انیس مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فِي بُيُوتِ اٰذِنِ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ** بیوت کی باء کو ضمہ اور کسرہ دیا جاتا ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے اور فی کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ مصباح کے متعلق ہے۔ بعض نے کہا: یسبح کے متعلق ہے۔ اس تاویل پر علیم پر وقف ہوگا۔ ابن انباری نے کہا: میں نے ابو العباس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ یہ مصباح، الزجاجة اور الکوکب سے حال ہے گویا فرمایا: وہی بیوت۔ ترمذی حکیم محمد بن علی نے کہا: فی بیوت منفصل ہے گویا فرمایا: اللہ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع، اللہ ان گھروں میں ہے اللہ نے حکم دیا ہے کہ انہیں بلند کیا جائے۔ اسی وجہ سے اخبار وارد ہیں کہ جو مسجد میں بیٹھا تو وہ اپنے رب سے ہم مجلس ہوا۔ اسی طرح تورات سے حکایت کیا گیا ہے کہ مومن جب مسجد کی طرف چلتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری زیارت کی اور مجھ پر اس کی مہمان نوازی ہے اور میں جنت سے کم مہمان نوازی پر اس کے لیے راضی نہ ہوں گا۔ ابن انباری نے کہا: اگر فی کو یسبح کے متعلق کیا جائے یا ر جلال کو رفع دینے والی ہو تو **وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ** کے قول پر وقف بہتر ہے۔ رمانی نے کہا: یہ یوقد کے متعلق ہے اور اس بناء پر علیم پر وقف نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ کیا وجہ ہے جب بیوت، یوقد کے متعلق ہوں مصباح اور مشکاة واحد ہیں اور بیوت جمع ہے اور ایک مشکاة ہی ایک گھر میں ہوگا۔ بعض علماء نے کہا: یہ اس متلون خطاب سے ہے جس کا واحد سے آغاز ہے اور جمع

کے ساتھ اختتام ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ (الطلاق: 1)** اور اس قسم کی دوسری مثالیں۔ بعض علماء نے کہا: یہ بیوت میں سے ہر بیت کی طرف راجع ہے۔ بعض نے کہا: یہ اس قول کی مانند ہے **وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا (نوح: 16)** حالانکہ چاند ایک آسمان میں ہے۔ علماء کے یہاں بیوت کے متعلق پانچ اقوال ہیں: پہلا قول: اس سے مراد مساجد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ خاص ہیں اور یہ اہل آسمان کے لیے اس طرح چمکتی ہیں جس طرح ستارے اہل زمین کے لیے چمکتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور حسن کا قول ہے

دوسرا قول: یہ بیت المقدس کے بیوت ہیں، یہ بھی حسن سے مروی ہے۔ تیسرا قول: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیوت مراد ہیں، یہ بھی مجاہد سے مروی ہے۔ چوتھا قول: یہ تمام بیوت ہیں؛ یہ عکرمہ کا قول ہے اور **يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ** اس قول کو تقویت دیتا ہے کہ اس سے مراد مساجد ہیں۔ پانچواں قول:۔ اس سے مراد وہ چار مساجد ہیں جنہیں انبیاء نے تعمیر کیا ہے کعبہ، بیت اریحا، مسجد نبوی، مسجد قبا؛ یہ ابن بریدہ کا قول ہے؛ یہ پہلے سورہ براءت میں گزر چکا ہے۔ میں کہتا ہوں: اظہر قول پہلا قول ہے کیونکہ حضرت انس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرمایا: ”جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرے اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ میرے اصحاب سے محبت کرے جو میرے اصحاب سے محبت کرتا ہے وہ قرآن سے محبت کرے جو قرآن سے محبت کرتا ہے وہ مساجد سے محبت کرے یہ اللہ تعالیٰ کے فناء اور بناء ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند کرنے کا حکم دیا ہے اور ان میں برکت رکھی ہے اور ان کے اہل کی برکت محفوظ ہے ان کے اہل محفوظ ہیں وہ اپنی نماز میں ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی ضروریات پوری کرتا ہے وہ اپنی مساجد میں ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے ان کی حفاظت فرماتا ہے۔“

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ أَذِنُكَ كَمَا مَعْنَى حَكْمٍ دِينًا أَوْ فَيْصَلَهُ كَرْنَا هِيَ أَذِنُ كِي حَقِيقَتِ عِلْمٍ أَوْ قَدْرَتِ دِينًا هِيَ بَغَيْرِ كِسِي رَكَوْثِ كِي أَكْرَاسِ كِي سَاتِهَ أَمْرٍ أَوْ نَفَازِ مُتَّصِلٍ هُوَ تَوِيهِ أَقْوِي هُوَ تَابِي هِيَ تَرْفَعُ كَامَعْنَى هِيَ بِنَائِي كِي گئی اور بلند کئی گئی؛ یہ مجاہد اور عکرمہ کا قول ہے اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمَ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ (البقرہ: 127)** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس نے اپنے مال سے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا“ (1)۔ اس معنی میں بہت سی احادیث ہیں جو مساجد کے بنانے پر براہیختہ کرتی ہیں حسن بصری وغیرہ نے کہا: ترفع کا معنی یہ ہے ان کی تعظیم کرنا اور ان کی شان بلند کرنا، غلاظتوں اور انجاس سے پاک کرنا۔ حدیث میں ہے ”مسجد نجاست کی وجہ سے اس طرح سمٹ جاتی ہے جس طرح چمڑا آگ کی وجہ سے سکڑ جاتا ہے“۔ ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے فرمایا: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مسجد سے کسی غلاظت اور آلودگی کو دور کیا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا“۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرمایا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم گھروں میں مساجد بنائیں اور انہیں صاف ستھرا رکھیں اور خوشبو لگائیں (2)۔**

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، من بنی اللہ مسجداً، جلد 1، صفحہ 54۔ ایضاً، حدیث نمبر 728، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ ایضاً، تطہور المساجد، جلد 1، صفحہ 55۔ ایضاً، حدیث نمبر 449، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مسئلہ نمبر 3۔ جب ہم کہتے ہیں کہ مساجد کی بنیاد سے مراد کیا نہیں مزمین کرنا ہے؟ تو اس میں اختلاف ہے۔ ایک قوم نے اس کو مکروہ کہا ہے اور دوسروں نے اس کو مباح قرار دیا ہے۔ حماد بن سلمہ نے ایوب سے انہوں نے ابو قتلابہ سے انہوں نے حضرت انس سے روایت کیا اور قتادہ نے بھی حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ لوگ مساجد کے سبب فخر کریں گے“ (1)۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے نقل کیا ہے اور صحیح بخاری میں ہے حضرت انس نے فرمایا: مساجد پر فخر کریں گے پھر انہیں آباد بہت کم کریں گے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم انہیں مزمین کرو گے جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنی عبادت گاہیں مزمین کی تھیں۔ اور حکیم ابو عبد اللہ ترمذی نے نوادر الاصول میں حضرت ابو داؤد کی حدیث روایت کی ہے فرمایا: نبی پاک ﷺ نے فرمایا: ”جب تم اپنی مساجد کو مزمین کرو گے اور تم اپنے مصاحف کو زیور پہناؤ گے تو تم پر ہلاکت ہوگی“۔ اور جن علماء نے مساجد کی ترمیم اور خوبصورتی کو مباح قرار دیا ہے انہوں نے اس سے حجت پکڑی ہے کہ اسمیں مساجد کی تعظیم ہے اور اللہ تعالیٰ نے مساجد کی تعظیم کا اس ارشاد: **فِي بُيُوتِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا اللَّهَ مَثَلًا لَّيْسَ لَهُ شُرَكَاءُ** میں حکم دیا ہے ترفع کا معنی تعظیم کرنا ہے۔ حضرت عثمان سے مروی ہے کہ انہوں نے مسجد نبوی کی تعمیر دیار کی لکڑی سے کی اور اسے خوبصورت بنایا۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: مساجد میں سونے کے پانی سے نقش و نگار بنائے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز سے مروی ہے کہ انہوں نے مسجد نبوی میں نقش و نگار بنوائے اور اس کی عمارت اور ترمیم میں مبالغہ کیا یہ ان کی خلافت سے پہلے ولایت کے زمانہ میں ہوا تھا اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا تھا۔ ذکر کیا جاتا ہے کہ ولید بن عبد الملک نے دمشق کی مسجد کی تعمیر میں اور ترمیم میں شام کے خراج سے تین گنا مال خرچ کیا اور روایت ہے کہ حضرت سلمان بن داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی مسجد بنائی اور اس کی ترمیم میں مبالغہ کیا۔

مسئلہ نمبر 4۔ مساجد کو بدبودار چیزوں اور بُرے اعمال وغیرہ سے بھی بچانا اور محفوظ رکھنا چاہیے جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔ یہ بھی مساجد کی تعظیم سے ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے صحیح مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کے موقع پر فرمایا: ”جس نے اس درخت یعنی اس سے کھایا وہ مساجد میں نہ آئے“ (3) اور حضرت جابر بن عبد اللہ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جس نے اس سبزی لہسن سے کھایا“ اور کبھی فرمایا: ”جس نے پیاز، تھوم اور بدبودار سبزی سے کھایا ہماری مسجد کے قریب نہ آئے ملائکہ کو ان چیزوں سے تکلیف محسوس ہوتی ہے جن سے بنو آدم کو تکلیف محسوس ہوتی ہے“۔ حضرت عمر بن خطاب نے اپنے خطبہ میں فرمایا: ”اے لوگو! تم دو درخت کھاتے ہو میں انہیں نہیں دیکھا مگر خبیث وہ پیاز اور تھوم ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب آپ مسجد میں کسی شخص سے پیاز اور تھوم کی بدبو محسوس کرتے تو اسے حکم دیتے کہ تو بقیع کی طرف نکل جا۔ اور جوان کو کھائے تو پکا کر ان کی بدبو کو ختم کر دے۔ اس کو مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ علماء نے فرمایا:

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 54۔ ایضاً، حدیث 730، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، الحدیث فی المساجد، جلد 1، صفحہ 64

3۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، النهی عن اکل النوم، جلد 1، صفحہ 209

مسجد سے اس کو نکالنے کی علت اس کی اذیت تھی تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ جس سے مسجد میں اس کے پڑوسیوں کو تکلیف ہو مثلاً کوئی چرب زبان ہو، نادان ہو یا اس سے بد بو آتی ہو اور اس کے برے پیشے کی وجہ سے بد بو اس سے جدا نہ ہوتی ہو یا کوئی ایسی موذی مرض ہو جیسے جذام وغیرہ اور ہر وہ چیز جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہو تو اہل مسجد کو اس شخص کو مسجد سے نکالنا جائز ہے جب اس میں یہ علت موجود ہوتی کہ اس سے وہ علت زائل ہو جائے اسی طرح ایسا شخص لوگوں کے مجمع سے پرہیز کرے جو نماز وغیرہ کے لیے ہو جیسے علم، ولیمہ اور اس جیسی دوسری مجالس جو تھوم وغیرہ کھاتا ہے یا ایسی چیز کھاتا ہے جس کی بد بو ہوتی ہے اور لوگوں کو اذیت دیتی ہے، اسی وجہ سے پیاز تھوم اور الکرث (بدبودار سبزی) کو جمع فرمایا اور بتایا کہ یہ ایسی چیزیں ہیں جو اذیت کا باعث ہوتی ہیں۔ ابو عمر بن عبدالبر نے کہا: میں نے اپنے شیخ ابو عمر احمد بن عبدالملک بن ہشام کو دیکھا کہ انہوں نے اس شخص کے بارے میں فتویٰ دیا جس کے پڑوسیوں نے اس کی شکایت کی اور انہوں نے اس پر اتفاق کیا کہ وہ انہیں مسجد میں اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے اذیت دیتا ہے اس کے بارے میں مشورہ کیا گیا تو انہوں نے اسے مسجد سے نکالنے کا فتویٰ دیا اور مسجد سے دور کرنے کا فتویٰ دیا اور ان کے ساتھ نماز میں حاضر نہ ہونے کا فتویٰ دیا۔ کیونکہ اس جنون کے ہوتے ہوئے اس سے سلامتی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں نے ایک دن شیخ صاحب سے اس فتویٰ کی دلیل پوچھی اور ان سے دوبارہ پوچھا تو انہوں نے حدیث سے ثوم (لہسن) سے استدلال کیا اور فرمایا: میرے نزدیک یہ لہسن کھانے والے سے زیادہ اذیت کا موجب ہے اور ایسے شخص کو مسجد میں جماعت کے ساتھ حاضر ہونے سے منع کیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں: آثار مرسلہ میں ہے کہ ایک شخص جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کی بد بو سے بہت دور چلا جاتا ہے۔ اس بنا پر جو جھوٹ بولتا ہو اور باطل کلام کرتا ہو اسے مسجد سے نکالا جائے گا کیونکہ اذیت دیتا ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ تمام مساجد برابر ہیں اس کی وجہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے بارے میں وارد ہوئی کیونکہ اس میں جبریل امین آتے تھے نیز حضرت جابر کی حدیث میں ہے: فلا یقربن مسجدنا (1) ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔ پہلا قول اصح ہے کیونکہ حکم میں صفت ذکر کی اور وہ مسجد ہونا ہے حکم میں صفت کا ذکر تعلیل ہوتا ہے۔ ثعلبی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے روز اللہ تعالیٰ دنیا کی مساجد لائے گا گویا وہ سفید اونٹنیاں ہیں ان کی ٹانگیں عنبر کی، گردنیں زعفران کی، سرکتوری کے ان کی مہاریں سبز زبرد کی۔ ان کے مؤذن ان کے نگران ہوں گے جو ان کو آگے سے پکڑ کر چلا رہے ہوں گے اور ان کے ائمہ انہیں پیچھے سے ہانک رہے ہوں گے اور ان کو آباد کرنے والے ان کے ساتھ متعلق ہوں گے وہ قیامت کے عرصات سے تیز بجلی کی طرح گزریں گی اہل موقف کہیں گے: یہ ملائکہ مقررین ہیں اور مرسل انبیاء ہیں۔ ارشاد ہوگا: نہ یہ فرشتے ہیں اور نہ یہ انبیاء ہیں لیکن یہ اہل مسجد ہیں اور نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ محمد ﷺ کی امت سے ہیں۔“ قرآن حکیم میں ہے: **إِنَّمَا يَعْصُوا مَسْجِدَ اللَّهِ مِنْ أَمْنِ بِاللَّهِ** (التوبہ: 18) اللہ کی مساجد کو وہ تعمیر کرتا ہے جو اللہ پر ایمان لایا۔ یہ ہر مسجد کو عام ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب تم کسی شخص کو مسجد میں آنے جانے کا عادی دیکھو (2) تو اس کے

لیے ایمان کی گواہی دو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَتَمَّ اَيْعَنُ مَسْجِدَ اللّٰهِ مِنْ اَمْنٍ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ "یہ پہلے گزر چکا ہے۔"

مسئلہ نمبر 6۔ مسجد کو بیع و شرا اور دوسری مشغولیتوں سے بچایا جائے گا کیونکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو فرمایا جو اپنے سرخ اونٹ کے بارے میں پوچھ رہا تھا: "تو اسے کبھی نہ پائے (1)۔ مساجد اس کام کے لیے بنائی گئی ہیں جس کے لیے بنائی گئی ہیں" یعنی اللہ کے ذکر کے لیے، اس حدیث کو امام مسلم نے سلیمان بن بریدہ عن ابیہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا: کس نے میرا سرخ اونٹ پایا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو اسے کبھی نہ پائے مساجد اس کے لیے بنائی گئی ہیں جس کے لیے بنائی گئی ہیں" (2)۔ یہ دلیل ہے کہ نماز، اذکار، قرات قرآن کے علاوہ مسجد میں کوئی عمل نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح تفسیر سے حضرت انس کی حدیث میں آیا ہے فرمایا: ہم مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اچانک ایک اعرابی آیا اور مسجد میں پیشاب کرنے لگا صحابہ کرام نے کہا: رک جا، رک جا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے پیشاب کو نہ روکو اسے چھوڑ دو" (3)۔ صحابہ کرام نے اسے چھوڑ دیا حتیٰ کہ اس نے پیشاب کر لیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور فرمایا: "یہ مساجد پیشاب اور غلاظت کے لیے نہیں ہیں یہ اللہ کے ذکر، نماز اور قرآن کی تلاوت کے لیے بنائی گئی ہیں" (4)۔ یا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فرمایا۔ پھر ایک شخص کو حکم دیا تو وہ پانی کا ایک ڈول لے آیا وہ اس پیشاب کی جگہ پر انڈیل دیا۔ اس کو امام مسلم نے تخریج کیا ہے اور کتاب اللہ سے اس پر یہ قول حق دلالت کرتا ہے: وَ يَذُكَّرُ فِيهَا السُّمَةُ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاویہ بن حکم سلمیٰ کو فرمایا: "یہ مساجد لوگوں کے کلام جیسی چیز کے مناسب نہیں یہ تسبیح، تکبیر اور قرآن کی قرات کے لیے بنائی گئی ہیں" (5)۔ یا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلم نے طویل حدیث اپنی صحیح میں نقل کی ہے تیرے لیے وہ کافی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں ایک شخص کی آواز سنی تو فرمایا: یہ کیا آواز ہے کیا تو جانتا ہے تو کہاں (کھڑا) ہے؟ خلف اپنی جگہ سے اٹھے مسجد میں بیٹھے تھے ان کا غلام ان کے پاس کوئی چیز پوچھنے آیا تو خلف اپنی جگہ سے اٹھے مسجد سے باہر آئے پھر اس کے سوال کا جواب دیا۔ ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا: میں نے اتنے عرصہ سے مسجد میں دنیا کی کلام نہیں کی۔ پس آج بھی میں نے بات کرنا پسند کیا۔

مسئلہ نمبر 7۔ ترمذی نے عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اشعار پڑھنے، اس میں خرید و فروخت کرنے اور جمعہ کے دن نماز سے پہلے لوگوں کے حلقہ بنانے سے منع فرمایا (6)، امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حضرت بریدہ، حضرت جابر اور حضرت انس سے بھی مروی ہے اور حضرت عبد اللہ بن عمرو کی حدیث حسن ہے۔ محمد بن اسماعیل نے کہا: میں نے محمد اور اسحاق کو دیکھا اور انہوں نے ان کے علاوہ علماء کا بھی ذکر کیا

2- ایضاً

1- صحیح مسلم، کتاب المساجد، النہی عن نشد الضالہ فی المسجد، جلد 1، صفحہ 210

4- ایضاً

3- صحیح مسلم، وجوب غسل البول وغیرہ من النجاسات إذا حصلت فی المسجد، جلد 1، صفحہ 138

5- ایضاً، کتاب المساجد، تحریم الکلام فی الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 203

6- جامع ترمذی، باب ما جاء فی کراہیۃ البیع والشراء، حدیث نمبر 296

کہ وہ عمرو بن شعیب کی حدیث سے حجت پکڑتے تھے۔ اہل علم کے ایک طائفہ نے مسجد میں خرید و فروخت کو مکروہ کہا ہے؛ احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم ایک قوم کے پاس آئے وہ مسجد میں خرید و فروخت کر رہے تھے۔ آپ نے اپنی چادر کا چھوٹا بنا لیا اور انہیں مارنے لگے اور فرمایا: اے سانپوں کی اولاد! تم نے اللہ کے گھروں کو بازار بنا لیا ہے، یہ تو آخرت کا بازار ہے۔ میں کہتا ہوں: ہمارے بعض علماء نے مسجد میں بچوں کو پڑھنا بھی مکروہ کہا ہے انہوں نے کہا: یہ بیع (خرید و فروخت) کے باب سے ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب تعلیم اجرت کے ساتھ ہو اگر بغیر اجرت کے ہو تو دوسری وجہ سے ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ بچے غلامتوں اور گندگیوں سے نہیں بچتے۔ یہ چیز مسجد کی نظافت کو قائم نہیں رکھتی جب کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجدوں کو صاف، ستھرا رکھنے کا حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اپنی مساجد سے بچوں اور پاگلوں کو دور کرو اور اپنی تلواروں کا سونٹا، حدود قائم کرنا، اپنی آوازوں کو بلند کرنا، جھگڑا کرنا مساجد سے دور رکھو اور جمعہ کے دن ان میں خوشبو کی دھونی لگاؤ اور طہارت خانے ان کے دروازوں پر (باہر) بناؤ“ (1)۔ اس کی سند میں علماء بن کثیر دمشقی ہے جو بنی امیہ کا غلام ہے وہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ ابو احمد بن عدی حرانی حافظ نے اس کو ذکر کیا ہے۔ ابو احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی حدیث سے بھی یہ حدیث ذکر کی ہے فرمایا: میں نے مصر کی نماز امیر المؤمنین حضرت عثمان کے ساتھ پڑھی انہوں نے مسجد کے کونے میں ایک درزی دیکھا آپ نے اسے مسجد سے نکالنے کا حکم دیا آپ سے عرض کی گئی: اے امیر المؤمنین! یہ مسجد کی صفائی کرتا ہے، دروازے بند کرتا ہے اور کبھی کبھی پانی چھڑکتا ہے۔ حضرت عثمان نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: ”کہ اپنی مساجد سے اپنے کاریگروں کو دور رکھو“۔ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اس کی سند میں محمد بن مجیب ثقفی ہے وہ ذاہب الحدیث ہے۔ میں کہتا ہوں: اس معنی میں جو حدیث بھی وارد ہے اگرچہ اس کی سند لین ہے وہ معنی صحیح ہے۔ اور اس کی صحت پر دلیل وہ ہے جو پہلے ہم نے ذکر کیا ہے۔ بعض تابعین اہل علم سے مسجد میں خرید و فروخت کی اجازت مروی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ سے مسجد میں اشعار پڑھنے کی رخصت بھی کئی احادیث میں مروی ہے۔ میں کہتا ہوں: رہا مسجد میں اشعار پڑھنا تو اس میں اختلاف ہے، کچھ مطلقاً منع کرنے والے ہیں کچھ مطلقاً جائز قرار دینے والے ہیں لیکن بہتر تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ شعر کو دیکھا جائے گا اگر وہ اللہ تعالیٰ کی ثناء یا رسول اللہ ﷺ کی تعریف یا اللہ اور اس کے رسول کے دفاع کے مشہوم پر مبنی ہے جیسے حضرت حسان کے اشعار تھے یا ان اشعار میں کوئی وعظ و نصیحت ہو دنیا سے عدم دلچسپی اور اس سے کم حاصل کرنے کا ذکر ہو تو وہ اشعار مساجد اور دوسری جگہ پر پڑھنا اچھا ہے جیسے:

طَوَّقِي يَا نَفْسُ كِي اَقْصِدِ فِرْدَا صِدَا وَذَرِينِي لَسْتِ اَبْغِي غَيْرَ رَبِّنِ اَحْدَا

فَهُو اَنْسِي وَجَلِيسِي وَدَعَى النَّاسَ فَمَا اِنْ تَجَدِي مِنْ دُونِهِ مَلْتَحِدَا

اور جو اشعار ایسے نہ ہوں وہ جائز نہیں کیونکہ اکثر اشعار فواحش، جھوٹ، باطل کی تزئین سے خالی نہیں ہوتے اگر سلامت

بھی ہوں تو کم از کم لغو اور ہذر ضرور ہوتا ہے مساجد اس سے پاک ہوتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فِي بُيُوتِ اَذْنِ اللّٰهِ

أَنْ تُرْفَعَ، کبھی مسجد میں شعر پڑھنا جائز ہوتا ہے جیسے قائل کا قول ہے:

كَفَعَلَ الْعَدَابُ الْفَرْدُ يَضْرِبُهُ النَّدَى تَعَلَّى النَّدَى فِي مَتْنِهِ وَ تَحَدَّرَا

ایک اور شاعر نے کہا:

إِذَا سَقَطَ السَّاءُ بِأَرْضِ قَوْمِ رَعَيْنَاهُ وَإِنْ كَانُوا غَضَابًا

اس قسم کے اشعار اگرچہ ان میں حمد و ثنا نہیں ہے لیکن جائز ہیں کیونکہ یہ فواحش اور جھوٹ سے خالی ہیں۔ مزید جائز اشعار کا ذکر سورۃ الشعراء میں آئے گا جس میں عقلمند کے لیے کفایت ہے۔ دارقطنی نے ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ کے پاس شعر کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ کلام ہے اس کا اچھا اچھا ہے اور اس کا قبیح، قبیح ہے“ (1) اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمرو ابن عاص اور حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ سے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے اس کو سنن میں ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: امام شافعی کے اصحاب یہ کلام امام شافعی سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں امام شافعی کے علاوہ اس کے ساتھ کسی نے کلام نہیں کی۔ گویا وہ ان احادیث پر آگاہ نہ تھے۔ واللہ اعلم

مسئلہ نمبر 8۔ رہا مسجد میں آواز کو بلند کرنا تو اگر آواز بلند کرنے والے کی کوئی مصلحت ہو تو اس کو اس کے ارادہ کے خلاف بدو عادی جائے گی اس کی وجہ حضرت بریدہ کی حدیث ہے جو گزر چکی ہے اور حدیث ابو ہریرہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو کسی شخص کو مسجد میں اپنی گمشدہ چیز تلاش کرتے ہوئے سنے تو وہ اسے کہے: اللہ تعالیٰ وہ تجھ پر نہ لوٹائے، کیونکہ مساجد اس مقصد کے لیے نہیں ہیں“ (2)۔ یہی امام مالک اور ایک جماعت کا نظریہ ہے حتیٰ کہ انہوں نے مسجد میں آواز بلند کرنے کو مکروہ کہا ہے خواہ علم وغیرہ کے لیے ہو۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور محمد بن مسلمہ مالکی نے خصومت اور علم کے لیے مسجد میں آواز بلند کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ لوگوں کی مجبوری ہے۔ یہ ظاہر حدیث کے مخالف ہے اور ان کا یہ کہنا کہ یہ لوگوں کی مجبوری ہے یہ درست نہیں ہے، بلکہ دو وجوہ کی بنا پر ان کے لیے بچنا ممکن ہے، (1) مسجد میں وقار اور حرمت کو لازم پکڑنا ضروری ہے، دل سے اس کا احترام کرنا اور اس کی نقیض سے بچنا۔ (2) اگر کوئی مجبوری ہو تو ان امور کے لیے علیحدہ جگہ بنا لینی چاہیے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا آپ نے ایک رحبہ بنایا تھا جس کو لہطیجاء کہا جاتا تھا جو کلام کرنے یا شعر پڑھنے کا ارادہ کرے یعنی مسجد رسول اللہ ﷺ میں تو وہ اس رحبہ کی طرف نکل جائے۔ یہ دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں اشعار پڑھنا پسند کرتے تھے اسی وجہ سے انہوں نے مسجد سے باہر ایک رحبہ (تھلا) بنایا تھا۔

مسئلہ نمبر 9۔ جس مرد یا عورت کو خواہ وہ مسافر یا جس کا گھر ہی نہ ہو تو ضرورت کی بنا پر مسجد میں سونا جائز ہے ابو قلابہ نے حضرت انس سے روایت کیا ہے عکل قبیلہ کا ایک گروہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو وہ صفہ میں رہتے تھے۔

1۔ من دارقطنی، غیر الواحد یوجد العمل، جلد 2، صفحہ 155

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، النہی من انشاء الضوال لالمسجد، جلد 1، صفحہ 56

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر نے کہا: اصحاب صفہ فقراء تھے۔ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی مسجد میں سوتے تھے وہ نوجوان، کنوارے تھے ان کے گھروالے نہیں تھے۔ امام بخاری کے لفظ ہیں اور انہوں نے ایک عنوان باندھا ہے مسجد میں عورت کا سونا۔ اور اس کے تحت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے جو اس کالی عورت کے بارے میں ہے جس پر اس کے مالکوں نے ہار چوری کرنے کی تہمت لگائی تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس کا خیمہ یا جھونپڑی مسجد میں تھی۔ کہا جاتا ہے کہ عطاء بن ابی رباح کے رات گزارنے کی جگہ چالیس سال مسجد ہی رہی۔

مسئلہ نمبر 10۔ امام مسلم نے ابو حمید سے یا ابو اسید سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ یہ پڑھے (1) اللھم افتح لی ابواب رحمتک۔ اور جب باہر نکلے تو وہ یہ پڑھے: اللھم اینئ أسئلك من فضلک“ ابو داؤد نے بھی اس کو اسی طرح تخریج کیا ہے مگر انہوں نے یہ زائد نقل کیا ہے کہ ”جب مسجد میں داخل ہو تو نبی کریم ﷺ پر سلام اور درود پڑھے (2) پھر کہے: اللھم افتح لی۔۔ الخ“ ابن ماجہ نے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ کہتے: باسم اللہ والسلام علی رسول اللہ اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک اور جب باہر نکلتے تو یہ کہتے: باسم اللہ والسلام علی رسول اللہ اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک (3) اور جب باہر نکلتے تو یہ کہتے، باسم اللہ والسلام علی رسول اللہ اغفر لی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک وفضلک) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ نبی کریم ﷺ پر درود بھیجے (4) اور یہ کہے: اللھم افتح لی ابواب رحمتک اور جب مسجد سے باہر نکلے تو نبی کریم ﷺ پر سلام کرے اور کہے: اللھم اعصمنی من الشیطان الرجیم، ابو داؤد نے حیوہ بن شریح سے روایت کیا ہے فرمایا میں عقبہ بن مسلم سے ملا تو اس نے مجھے کہا مجھے خبر پہنچی ہے کہ تو نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے حدیث بیان کی ہے کہ ”جب آدمی مسجد میں داخل ہو تو یہ کہے (5) اعوذ باللہ العظیم و بوجہہ الکریم و سلطانہ القدیم من الشیطان الرجیم، تو عقبہ بن مسلم نے کہا: ہاں۔ انہوں نے کہا: جب آدمی یہ کہتا ہے تو شیطان کہتا ہے: وہ مجھ سے آج سارا دن محفوظ ہو گیا۔

مسئلہ نمبر 11۔ مسلم نے ابو قتادہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے“ (6) اور ان سے یہ بھی مروی ہے فرمایا: ”میں مسجد میں داخل ہوا جبکہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان بیٹھے تھے۔ فرمایا میں بیٹھ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تجھے بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھنے سے کوئی چیز مانع تھی (7)، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے دیکھا کہ آپ بھی بیٹھے ہوئے ہوئے ہیں، تو میں بھی

1۔ صحیح مسلم، ما یقول إذا دخل المسجد، جلد 1، صفحہ 248

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد، الدعاء عند دخول المسجد، جلد 1، صفحہ 56

3۔ ایضاً

4۔ ایضاً

5۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، ما یقول رجل عند دخوله المسجد، جلد 1، صفحہ 67

7۔ ایضاً

6۔ صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین و قصرها، جلد 1، صفحہ 248

آہو چشم موٹی موٹی آنکھوں والی حوروں کا مہر ہے۔“ علماء نے فرمایا: مستحب ہے کہ اس گھر کو قنادیل لٹکا کر اور اس میں شمعیں جلا کر منور کیا جائے جس میں قرآن پڑھا جاتا ہو اور رمضان کے مہینہ میں مسجد کی روشنیوں میں اضافہ کیا جائے۔

مسئلہ نمبر 13۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ** ﴿١٣﴾ **رِجَالٌ**، علماء کا اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ تسبیح کرنے والوں کا وصف بیان کر رہا ہے ان سے کون مراد ہیں؟ بعض علماء نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کے امر کو ہر وقت نگاہ میں رکھنے والے اللہ کی رضا طلب کرنے والے ہیں جنہیں نماز سے اور اللہ کے ذکر سے امور دنیا میں سے کوئی چیز مشغول نہیں کرتی، بہت سے صحابہ کرام نے کہا: یہ آیت ان بازار میں کاروبار کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی جب نماز کی آذان کی آواز سنتے تھے تو ہر کام چھوڑ دیتے تھے اور مسجد کی طرف جلدی کرتے تھے۔ سالم بن عبد اللہ نے بازار والوں کو دیکھا وہ نماز کی طرف آرہے تھے آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد سے ارادہ فرمایا: **لَا تُلْهِهُمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ**۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، عبد اللہ بن عامر، عاصم نے ابو بکر کی روایت میں اور حسن نے یسبیح لہ فیہا مجہول کا صیغہ پڑھا ہے (1)۔ نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابو عمرو، اور حمزہ یسبیح باء کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے تھے اسی طرح ابو عمرو نے عاصم سے روایت کیا ہے اور جنہوں نے یسبیح مجہول کا صیغہ پڑھا ہے وہ دو معانی کی بنا پر ہے ایک یہ کہ رجال کا رفع فعل مضمر کے ساتھ ہے جس پر ظاہر فعل دلالت کرتا ہے معنی یہ ہوگا یسبحه رجال۔ اس بنا پر الاصل پر وقف ہوگا سیبویہ نے اس کی مثال ذکر کی ہے:

لِيُنَبِّكَ يَزِيدُ ضَارِعٌ لِنُصُومَةٍ دُ مُخْتَبِطٌ مَا تُطِيحُ الطَّوَائِحُ

اس کا مطلب ہے یہ کیہ ضارع اس بنا پر تو کہتا ہے: ضرب زید عمرو اس بنا پر کہ ضربہ عمرو اور دوسری وجہ یہ ہے کہ رجال کو رفع مبتدا کی حیثیت سے ہے۔ اس کی خبر، **فِي بُيُوتٍ** ہے یعنی فی بیوت اذن اللہ ان ترفع رجال اور یسبیح، ترفع کی ضمیر سے حال ہے گویا فرمایا: ان ترفع مسبحا لہ فیہا اور اس تقدیر پر الاصل پر وقف نہ ہوگا۔ اور جنہوں نے یسبیح معروف کا صیغہ پڑھا ہے انہوں نے الاصل پر وقف نہیں کیا کیونکہ یسبیح، رجال کے لیے فعل ہے اور فعل فاعل کے لیے مجبور ہوتا ہے اس میں اضمار نہیں ہے، الغدو الاصل پر سورہ اعراف کے آخر میں کلام گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 14۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا** اس کا معنی ہے نماز پڑھتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: قرآن میں تسبیح کا لفظ صلاۃ کے لیے آیا ہے اور اس پر دلیل **بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ** کا ارشاد ہے یعنی صبح اور شام۔ اکثر مفسرین نے اس سے فرضی نماز مراد لی ہے یعنی الغدو سے مراد صبح کی نماز ہے اور الاصل سے مراد ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں کیونکہ الاصل کا اسم ان تمام نمازوں کو جمع کرتا ہے۔

مسئلہ نمبر 15۔ ابوداؤد نے حضرت ابوامامہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص فرضی نماز کے لیے گھر سے با وضو نکلا اس کا اجر احرام باندھنے والے حاجی کے اجر کی طرح ہے اور جو چاشت کی نماز کے لیے نکلا اور اسے کھڑا نہیں کیا مگر چاشت کی نماز نے تو اس کا اجر عمرہ کرنے والے کے اجر کی طرح ہے اور نماز کے پیچھے نماز پڑھنا (جن کے

درمیان لغونہ ہو) علیین میں مکتوب ہے۔ اور حضرت بریدہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: ”تاریکیوں میں مساجد کی طرف چل کر جانے والوں کو قیامت کے روز مکمل نور کی بشارت دو“ (1)۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا: جو مسجد کی طرف صبح گیا یا شام کو گیا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مہمان نوازی کرتا ہے جب بھی صبح جاتا ہے یا شام کو جاتا ہے (2)۔ اور غیر صحیح میں ہے تو وہ اس کی عزت و کرامت میں کوشش کرتا ہے؛ یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث سے نقل کیا ہے (3) فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے گھر میں طہارت حاصل کی پھر اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر کی طرف چلا تا کہ اللہ کے فرائض میں سے ایک فریضہ ادا کرے نو اس کے ایک قدم سے اس کا گناہ گرتا ہے اور دوسرے قدم سے اس کا درجہ بلند ہوتا ہے“۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آدمی کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اس کی گھر کی نماز اور بازار کی نماز پر بیس سے زائد درجہ ثواب زیادہ رکھتا ہے (4) یہ اس لیے ہے کہ ان میں سے کوئی جب وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر مسجد میں آتا ہے اور اسے صرف نماز ہی ادھر لے کر آتی ہے وہ صرف نماز کا ہی ارادہ کرتا ہے پس جب وہ مسجد میں داخل ہوتا ہے تو وہ نماز میں ہوتا ہے جب تک اسے نماز روکے ہوئے ہوتی ہے اور فرشتے تم میں سے اس شخص کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اپنی اس جگہ بیٹھا رہتا ہے جہاں اس نے نماز پڑھی ہوتی ہے فرشتے کہتے ہیں: اللھم ارحمہ اللھم اغفر لہ اللھم تب علیہ“ اے اللہ! اس پر رحم فرما، اے اللہ! اس کی مغفرت کر، اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما، یہ فرشتے کہتے رہتے ہیں جب تک بے وضو نہیں ہوتا“ ایک روایت میں ہے پوچھا: حدیث سے کیا مراد ہے (5)؟ فرمایا: ”آہستہ سے ہوا خارج کرنا یا بلند آواز سے ہوا خارج کرنا“۔ حکیم بن زریق نے کہا: سعید بن مسیب سے پوچھا گیا کیا نماز جنازہ میں حاضر ہونا تمہارے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے یا مسجد میں بیٹھنا؟ انہوں نے فرمایا: جو نماز جنازہ پڑھتا ہے اس کے لیے ایک قیراط ثواب ہے اور جو اس کے دفن ہونے تک ساتھ رہتا ہے اس کے لیے دو قیراط ثواب ہے اور مسجد میں بیٹھنا میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے کیونکہ ملائکہ کہتے ہیں: اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، اے اللہ! اس پر رحم فرما، اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔ حکم بن عمیر صحابی رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دنیا میں مہمان کی طرح ہو جاؤ مساجد کو گھر بناؤ اپنے دلوں کو رقت و نرمی کا عادی بناؤ، تفکر اور رونما زیادہ کرو تمہاری خواہشات تم پر مختلف نہ ہوں تم وہ بناتے ہو جس میں تم نے رہنا نہیں ہے اور تم وہ جمع کرتے ہو جو تم کھاتے نہیں ہو اور تم وہ امیدیں رکھتے ہو جو تم پاتے نہیں ہو“۔ حضرت ابو درداء نے اپنے بیٹے کو فرمایا: مسجد تیرا گھر ہونا چاہیے میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: ”مساجد متقین کے گھر ہیں اور مسجد جس کا گھر ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت و راحت اور پل صراط سے گزرنے کا ضامن ہو جاتا ہے“ ابو صادق ازدی نے شعیب حجاب کی طرف لکھا کہ مساجد

1- سنن ابن ماجہ، الدعاء عند دخول المسجد، جلد 1، صفحہ 57۔ ایضاً، ابو داؤد، باب ما جاء من السعی ال الصلاۃ ال الظلام، حدیث 474

2- صحیح مسلم، کتاب المساجد، فضل الجلوس فی مسجد بعد الصبح، جلد 1، صفحہ 235

5- ایضاً

4- ایضاً

3- ایضاً، فضل الصلوۃ الکتوبۃ فی جماعۃ، جلد 1، صفحہ 235

کو لازم پکڑو کیونکہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ یہ انبیاء کی مجالس تھیں۔ ابو ادریس خولانی نے کہا: مساجد نیک اور معزز لوگوں کی مجالس ہیں۔ مالک بن دینار نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے بندوں کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہوں پھر میں مساجد کو آباد کرنے والوں، قرآن پڑھنے والوں اور اسلام کے بیٹوں کو دیکھتا ہوں تو میرا غضب ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ سے مروی ہے فرمایا: ”آخر زمانہ میں کچھ لوگ ہوں گے وہ مساجد میں آئیں گے وہ ان میں حلقے بنا کر بیٹھیں گے ان کا ذکر دنیا اور اس کی محبت ہوگی پس تم ان کے ساتھ مت بیٹھو اللہ کو ان کی کوئی ضرورت نہیں“۔ ابن مسیب نے کہا: جو مسجد میں بیٹھتا ہے وہ اپنے رب کا جلیس ہوتا ہے پس اسے اچھی بات کہنی چاہیے۔ مساجد کی تعظیم اور ان کی حرمت سے اتنا گزر چکا ہے جس میں کفایت ہے۔ بعض علماء نے مسجد کی تعظیم میں پندرہ خصلتوں کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا: مسجد کی حرمت سے ہے کہ داخل ہوتے وقت سلام کرے اگر لوگ مسجد میں بیٹھے ہوں، اگر مسجد میں کوئی نہ ہو تو کہے: السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین اور بیٹھنے سے پہلے دو رکعت ادا کرے اس میں خرید و فروخت نہ کرے، اس میں تیر اور تلوار نہ سونتے، اس میں گم شدہ چیز تلاش نہ کرے اور لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے اور جگہ کے لیے جھگڑا نہ کرے، صف میں کسی پر تنگی نہ کرے، کسی نمازی کے سامنے سے نہ گزرے، نہ مسجد میں تھوکے نہ ناک صاف کرے اور بلغم نہ ڈالے، اپنی انگلیوں کے چنخارے نہ نکالے، اپنے جسم کے ساتھ نہ کھیلے، مسجد کو نجاسات، بچوں اور مجنونوں سے پاک رکھے، اس میں حدود قائم نہ کرے، کثرت سے اللہ کا ذکر کرے ذکر الہی سے کبھی غافل نہ ہو۔ جس نے یہ خصا ل پورے کیے تو اس نے مسجد کا حق ادا کر دیا اور مسجد اس کے لیے شیطان رجیم سے محفوظ قلعہ بن جائے گی۔ خبر میں ہے ”مسجد، لوگوں کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھالی گئی مسجد نے لوگوں کی شکایت کی تھی کیونکہ لوگ اس میں دنیا کی باتیں کر رہے تھے“ دارقطنی نے عامر شعبی سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قرب قیامت سے یہ ہے کہ چاند سامنے نظر آئے گا تو کہا جائے گا: یہ تو دور اتوں کا ہے اور مساجد کو راستے بنایا جائے گا اور اچانک موت ظاہر ہوگی“۔ اس کو عبد الکبیر بن معافی نے شریک سے انہوں نے عباس بن ذریح سے انہوں نے شعبی سے انہوں نے حضرت انس سے روایت کیا ہے اور دوسرے لوگوں نے شعبی سے مرسل روایت کی ہے۔ واللہ اعلم۔ ابو حاتم نے کہا: عبد الکبیر بن معافی ثقہ ہے اور ابدال میں سے شمار کیے جاتے تھے۔ اور امام بخاری میں حضرت ابو موسیٰ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: ”جو ہماری مساجد اور ہمارے بازار سے تیروں کے ساتھ گزرے تو وہ ان کے بھالوں سے پکڑے تاکہ کسی مسلمان کو زخمی نہ کر دے“ (1) امام مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مسجد میں تھوکنہ گناہ ہے اور اس کا کفارہ اس کو دفن کرنا ہے“ (2)۔ حضرت ابو ذر سے مروی ہے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: ”مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کیے گئے تو میں نے ان کے اچھے اعمال میں سے راتے سے اذیت دینے والی چیز کا ہٹانا ہے اور ان کے بُرے اعمال سے مسجد میں ریٹ ڈالنا ہے جس کو دفن نہ کیا گیا ہو“ (3)۔ ابو داؤد نے فرج

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب السرور فی المسجد، جلد 1، صفحہ 64

بن فضالہ سے انہوں نے ابو سعد خمیری سے روایت کیا ہے فرمایا: میں نے واثلہ بن اسقع کو مسجد دمشق میں دیکھا انہوں نے چٹائی پر تھوکا پھر پاؤں سے اسے صاف کر دیا۔ ان سے پوچھا گیا: آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا تھا۔ فرج بن فضالہ ضعیف ہے، نیز رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں چٹائیاں نہیں تھیں۔ صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ زمین پر تھوکتے تھے اور اپنے بائیں جوتے سے صاف کر دیتے تھے۔ شاید واثلہ نے اس کا اردہ کیا ہو اور چٹائی کو اس پر محمول کیا ہو۔

مسئلہ نمبر 16۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **رَہَا جَالٌ** خصوصیت کے ساتھ ان کا ذکر کرنا دلیل ہے کہ عورتوں کا مساجد میں کوئی حصہ نہیں کیونکہ ان میں نہ جمعہ ہے اور نہ جماعت ہے۔ ان کی نماز ان کے گھروں میں افضل ہے۔ ابو داؤد نے حضرت عبد اللہ سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے فرمایا: ”عورت کی اپنے گھر میں نماز اس کی حجرے کی نماز سے افضل ہے اور اپنے کمرے میں نماز گھر کے صحن کی نماز سے افضل ہے“ (1)۔

مسئلہ نمبر 17۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لَا تَلْبِسُوهُمْ** انہیں مشغول نہیں کرتی، **تِجَارَةً وَلَا بَيْعًا** عن ذکری اللہ خصوصی طور پر تجارت کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ انسان کو نماز سے بہت زیادہ غافل کر نیوالی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بیع کا ذکر دوبارہ کیوں کیا جب کہ تجارت، بیع کو بھی شامل تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تجارت سے مراد شرا (خریدنا) ہے کیونکہ آگے بیع آیا ہوا ہے اس کی مثال یہ ارشاد ہے: **وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا** (الجمعة: 11) یہ واقعہ کا قول ہے کلبی نے کہا: التجار سے مراد باہر سے اشیاء لانے والے مسافر ہیں اور الباعة سے مراد مقامی بیچنے والے ہیں۔ عن ذکری اللہ اس کی تاویل میں علماء کا اختلاف ہے۔ عطانے کہا: اس سے مراد نماز میں حاضر ہونا ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور فرمایا: اس سے مراد فرض نماز ہے۔ بعض نے کہا ہے: اس سے مراد آذان ہے؛ یہ یحییٰ بن سلام نے ذکر کیا ہے، بعض نے کہا: اس سے مراد اسماء حسنیٰ ہیں یعنی وہ اس کی وحدانیت اور بزرگی بیان کرتے ہیں۔ یہ آیت بازار میں تجارت کرنے والوں کے متعلق نازل ہوئی؛ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ سالم نے کہا: حضرت عبد اللہ بن عمر بازار سے گزر رہے تھے لوگ اپنی دوکانیں بند کر رہے تھے اور جماعت میں حاضری کے لیے اٹھے تھے آپ نے فرمایا: **رَہَا جَالٌ لَا تَلْبِسُوهُمْ تِجَارَةً وَلَا بَيْعًا** ان کے متعلق نازل ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے ”یہ وہ لوگ ہیں جو زمین میں سفر کرتے ہیں اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرتے ہیں“ بعض علماء نے کہا: نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں دو آدمی تھے ایک بیع کرتا تھا جب وہ آذان سنتا تھا تو اسے اٹھاتا نہیں تھا اور دوسرا شخص لوہا تھا وہ تجارت کے لیے تلواریں بناتا تھا جب وہ آذان سنتا اور اس کا ہتھوڑا، آرن پر ہوتا تھا تو وہ اسے وہاں ہی رہنے دیتا تھا۔ اگر وہ اسے اٹھائے ہوئے ہوتا تھا تو اسے پیٹھ کے پیچھے پھینک دیتا تھا یہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے اور جوان کی اقتدا کرنے والے ہیں ان کی ثنا کرتے ہوئے نازل کی ہے۔

مسئلہ نمبر 18۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِقَامِ الصَّلَاةِ** یہ دلیل ہے کہ عن ذکری اللہ سے مراد نماز نہیں ہے ورنہ تکرار

ہوگا۔ کہا جاتا ہے: اقام الصلوٰۃ، اقامۃ اصل میں مصدر اقوام تھا واو کی حرکت نقل کر کے قاف کو دی گئی پھر واو کو الف سے بدلا گیا دو الف اکٹھے ہوئے تو ایک کو حذف کیا گیا اور ہاء کو ثابت کیا تاکہ حذف ہوتے ہوتے لفظ ختم بھی نہ ہو جائے۔ جب مضاف کیا گیا تو مضاف کو ہاء کے قائم مقام رکھا گیا پس اس کا حذف جائز ہوا اگر مضاف نہ ہو تو ہاء کا حذف کرنا جائز نہیں کیا تو نے ملاحظہ نہیں کیا کہ تو کہتا ہے: وعدۃ ووزن زنة ہاء کا حذف جائز نہیں کیونکہ تو نے واو حذف کر دی ہے کیونکہ اصل میں وعدۃ اور وزن تھا، جب مضاف کیا گیا تو ہاء حذف کی گئی۔ فراء نے یہ شعر لکھا ہے:

إِنِ الْخَلِيْطُ أَجْدُوا الْبَيْنَ فَانْجَرِدُوا وَ أَخْلَفُونَ عِدَالَامِرِ الذِي وَعَدُوا (1)

مراد وعدۃ ہے۔ ہاء کو حذف کیا گیا جب مضاف کیا۔ حضرت انس سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے روز دنیا کی مساجد کو لایا جائے گا گویا سفید عمدہ اونٹنیاں ہیں جن کے پاؤں عنبر کے ہیں، گردنیں زعفران کی ہیں، ان کے سر کستوری سے ہیں، ان کی مہاریں سبز زبرجد سے اور ان کے نگران اور ان میں آذان دینے والے ان کی قیادت کر رہے ہوں گے، ان کے ائمہ ان کو پیچھے سے چلا رہے ہوں گے، ان کو آباد کرنے والے ان سے چمٹے ہوئے ہوں گے وہ قیامت کے عرصات سے تیز رفتار بجلی کی طرح گذریں گے اہل موقف کہیں گے: یہ مقرب فرشتے ہیں یا مرسل انبیاء ہیں۔ ارشاد ہوگا: نہ یہ مقرب فرشتے ہیں نہ انبیاء ہیں لیکن یہ اہل مساجد ہیں اور امت محمد ﷺ سے نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں“ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا اسلام میں سے کچھ باقی نہ رہے گا سوائے اسلام کے نام کے اور قرآن میں سے کچھ باقی نہ رہے گا سوائے اس کے خط کے۔ لوگ مساجد کو تعمیر کریں گے اور یہ اللہ کے ذکر سے خالی ہوں گی اس زمانے کے برے ترین لوگ علماء ہوں گے ان سے فتنہ نکلے گا اور ان کی طرف لوٹے گا یعنی وہ جانتے ہوں گے اور جو واجبات ہوں گے ان پر عمل نہیں کرتے ہوں گے۔

مسئلہ نمبر 19۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ اِيْتَاءَ الزَّكٰوٰةِ** بعض علماء نے کہا: اس سے مراد فرضی زکوٰۃ ہے؛ یہ حسن کا قول ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہاں زکوٰۃ سے مراد اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اخلاص ہے (2) کیونکہ ہر مومن کا مال نہیں ہوتا۔ **يَخَافُونَ يَوْمًا** یعنی قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں۔ **تَتَّقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ** وَالْاَبْصَارُ یعنی روز حشر ہولناکی اور دہشت سے گھبرا جائیں گے۔ **التقلب** کا معنی ہے پھرنا اور اس سے مراد کفار کے دل اور ان کی آنکھیں ہیں دل اپنی جگہ سے نکل کر گلوں تک آجائیں گے۔ پھر یہ اپنی جگہوں پر واپس نہیں جائیں گے۔ بعض علماء نے کہا: دل نجات کی امید اور ہلاکت کے خوف کے درمیان گھبرائے ہوئے ہوں گے۔ اور آنکھیں پھٹی پھٹی دیکھ رہی ہوں گی کہ کس طرف سے انہیں ان کے اعمال تادمے دیئے جائیں گے اور کس طرف سے انہیں پکڑا جائے گا؟ بعض علماء نے کہا: شک کرنے والوں کے دل اس شک سے پھر جائیں گے جس میں پہلے تھے اسی طرح ان کی آنکھیں یقین کو دیکھ کر کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ یہ اس قول کی مثل ہے: **لَكَسَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَهَضَمْتَ الْيَوْمَ حَدِيْدَكَ** (ق: 22) جس کو وہ دنیا میں گمراہی دیکھتا تھا اب اسے ہدایت دیکھے گا

مگر آخرت میں انہیں یہ فائدہ نہ دے گا۔ بعض علماء نے فرمایا: ان کے دل جہنم کے انگاروں پر پھریں گے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَوْمَ تَقْلِبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ، وَتُقَلَّبُ أَقْدَانُهُمْ (الانعام: 110) اور جنہوں نے کہا کہ آگ کے شعلوں پر ان کے دل پھریں گے۔ بعض نے کہا: آگ کے شعلے ایک مرتبہ انہیں جھلسادیں گے اور پھر انہیں پکا دیں گے۔ بعض نے کہا: دل مضطرب ہوں گے آنکھیں قیامت کی ہولناکیوں کو ادھر ادھر دیکھ رہی ہوں گی۔ لِيَجْزِيَ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا نِيكِيًا پر جزا کا ذکر فرمایا اور برائیوں پر جزا کا ذکر نہیں فرمایا اگرچہ برائیوں پر بھی سزا ہوگی۔ اس کی دو حکمتیں ہیں: ایک یہ کہ یہ ترغیب ہے پس رغبت کے ذکر پر اکتفا کیا۔ دوسری یہ کہ یہ اس قوم کی صفت ہے جن کے گناہ کبیرہ نہ ہوں گے۔ اور ان کے صغیر گناہ معاف ہوں گے۔ وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِمْ یہ دو وجوہ کا احتمال رکھتا ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کو دس گنا کر دے گا۔ دوسرا یہ کہ جزا کے علاوہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے گا۔ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ وہ اپنی عطا کا حساب کتاب نہیں رکھتا کیونکہ اس کی عطا کی کوئی نہایت بھی نہیں ہے۔ روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے قبا کی مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ حضرت عبد اللہ بن رواحہ حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ جو مسجد بنائے گا وہ کامران ہو جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں، اے ابن رواحہ! ہاں، اے ابن رواحہ“ (1)۔ عبد اللہ نے عرض کی: اس نے اللہ کے لیے رات نہ گذاری ہو مگر سجدہ کرتے ہوئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں اے ابن رواحہ“۔ فرمایا: ”سبع (جملوں کی بناوٹ ردیف، کافی ملانا) سے رک جاؤ بندے کو طاقت لسان سے زیادہ بری چیز کوئی نہیں دی گئی“ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيَعَةٍ يُحْسِبُهُ الظَّمَانُ مَاءً ۗ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ

يَجِدُهَا سُيًّا وَوَجَدَ اللَّهُ عِنْدَآ قَوْلَهُ جَسَابًا ۗ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

”اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چمکتی ہوئی ریت ہو کسی چٹیل میدان میں خیال کرتا ہے اسے پیاسا کہ وہ پانی ہے حتیٰ کہ جب (پینے کے لیے) اس کے قریب آتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا اور پاتا ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے قریب تو پورا دیا اس نے اس کا حساب اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيَعَةٍ پہلے مومن کی مثال دی تو اب کافر کی مثال دی۔ مقاتل نے کہا: یہ شیبہ بن ربیعہ بن عبد شمس کے بارے میں نازل ہوئی وہ دین کی تلاش میں رہبانیت اختیار کر چکا تھا، جب رسول اللہ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو اس نے کفر کیا۔ ابوہل نے کہا: یہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ ضحاک نے کہا: یہ کافر کے اعمال خیر میں نازل ہوئی جیسے صلہ رحمی، پڑوسیوں کو نفع پہنچانا وغیرہ۔ السراب جو گری کی شدت میں دوپہر کے وقت صحرا میں پانی کی طرح نظر آتی ہے مگر وہ زمین سے بلند ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ زمین اور آسمان کے درمیان ہو جاتا ہے سراب کو سراب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ پانی کی طرح چلتا ہے کہا جاتا ہے: سَرَابُ الْفَحْلِ یعنی نر زمین میں چلا۔ اس کو الال بھی کہا جاتا ہے یہ خشکی اور گری میں ہوتا ہے پیاسا اس سے دھوکا کھاتا ہے؛ شاعر نے کہا:

فَكَنتَ كُتْهِبِيقِ الذِّي فِي سِقَائِهِ لِرُقْرَاقِ آلِ فَوْقِ رَابِيَةِ صَنْدِ

اور دوسرے نے کہا:

فَلَمَّا كَفْنَا الْحَرْبَ كَانَتْ عَهْدُهُمْ كَلْحِ سَرَابٍ بِالْفَلَا مَتَابِقِ (1)

امرا القیس نے کہا:

أَلَمْ أَنْضِ النَّطِقِ بِكَلِّ خَرَقِ أَمْثِ النَّوْلِ لِنَاعِ السَّرَابِ

القیعة، القاع کی جمع ہے جیسے حیرة، حار کی جمع ہے؛ یہ ہروی کا قول ہے۔ ابو عبدہ نے کہا: قیعة وقاع واحد ہیں یہ نحاس نے حکایت کیا ہے۔ القاع زمین کا پھیلا ہوا حصہ جس میں کوئی بوٹی نہ ہو اس میں سراب ہوتا ہے یعنی چٹیل میدان القاع کا اصل معنی وہ پست جگہ ہے جس میں پانی ٹھہر جاتا ہے اور اس کی جمع قیعان ہے۔ جوہری نے کہا: القاع، ہموار زمین ہے۔ اس کی جمع اقوع، اقواع اور قیعان ہے ماقبل کسرہ کی وجہ سے واو، یا سے بدل گئی۔ القیعة، القاع کی مثل ہے یہ بھی واو سے ہے بعض نے کہا یہ جمع ہے، بحسبہ الظمان، الظمان سے مراد پیاسا ہے ماء یعنی سراب کو پانی گمان کرتا ہے، حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا یعنی جو اس نے اندازہ لگایا تھا اس نے اسے ایسی زمین میں پایا جس میں پانی نہیں ہوتا وہ ہلاک ہو جاتا ہے یا مر جاتا ہے، وَوَجَدَ اللَّهُ عَثَدًا۔ وہ اللہ تعالیٰ کو تاز میں پائے گا فَوْقَهُ حِسَابُهُ اپنے عمل کی جزا۔ امرا القیس نے کہا:

فَوَيْ مُذْبِرًا يَهْوَى حَيْثَا وَأَيُّقَنَّ أَنَّهُ لَاقَى الْحِسَابَا

بعض علماء نے فرمایا وہ اپنے عمل کی جزا کے ساتھ اللہ کا وعدہ پائے گا۔ بعض نے کہا: وہ اپنے حشر کے وقت اللہ کا امر پائے گا۔ یہ تمام معانی متقارب ہیں۔ بقعات بھی پڑھا گیا ہے۔ مہدوی نے کہا: عین کے فتح کی وجہ سے الف اشباع کا ہونا بھی جائز ہے اور عزة وعزهاة ہونا بھی جائز ہے یہ اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو عورتوں کے قریب نہیں جاتا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ قیعة کی جمع ہو۔ اس بنا پر وصل اور وقف میں تا ہوگی۔ نافع، ابن جعفر اور شیبہ سے الظمان بغیر ہمزہ کے مروی ہے ان دونوں سے ہمزہ مشہور ہے کہا جاتا ہے: ظمى يظماً ظمناً فهو ظمانٌ اگر تو ہمزہ میں تخفیف کر لے تو تو کہے گا: ظمان اور الذين كَفَرُوا مبتدا ہے۔ أَعْمَالُهُمْ مبتدا ثانی ہے۔ كَسْرًا پ سے کاف خبر ہے اور پھر جملہ، الذين كَفَرُوا کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ أَعْمَالُهُمْ۔ الذين كَفَرُوا سے بدل ہو۔ یعنی اعمال الذين كفروا كسرا پ پھر مضاف کو حذف کیا گیا۔

أَوْ كُظِّمْتُ فِي بَحْرِ لَيْلِي يَعْشُهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ۖ ظَلَمْتُ

بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۖ إِذَا أَخْرَجَ يَدَا لَمْ يَكْدِيرْهَا ۗ وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا

فَمَالَهُ مِنَ نُورٍ ۝

”یا (اعمال کفار) ایسے اندھیروں کی طرح ہیں جو گہرے سمندر میں ہوتے ہیں چھارہی ہوتی ہے اس پر موج

اس کے اوپر ایک اور موج اور اس کے اوپر بادل (تہ درتہ) اندھیرے میں ایک دوسرے کے اوپر جب وہ نکالتا ہے اپنا ہاتھ تو نہیں دیکھ پاتا اسے اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کے لیے اللہ تعالیٰ نور نہ بنائے تو اس کے لیے کہیں نور نہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ**، اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے ایک اور مثال دی یعنی ان کے اعمال سراب کی طرح ہیں یا تاریکیوں کی طرح ہیں۔ زجاج نے کہا اگر تو چاہے تو سراب سے تشبیہ دے اگر چاہے تو ظلمات سے تشبیہ دے (1)۔ او، اباحت کے لیے ہے جیسا کہ **أَوْ كَصَيِّبٍ** (البقرہ: 19) میں گزر چکا ہے۔ جرجانی نے کہا: پہلی آیت کفار کے اعمال کے ذکر میں ہے اور دوسری ان کے کفر کے ذکر میں ہے ان کے اعمال پر کفر کو عطف کیا کیونکہ کفر بھی ان کے اعمال سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ** (المائدہ: 16) یعنی اللہ تعالیٰ انہیں کفر سے ایمان کی طرف نکالتا ہے۔ ابوعلی نے کہا: **أَوْ كَظُلُمَاتٍ**، او کذی الظلمات اور ذی مضاف کے حذف پر یہ ارشاد دلالت کرتا ہے **إِذَا أَخْرَجَ يَدَاكَ**۔ ضمیر کا مرجع محذوف ہے؛ قشیری نے کہا۔ زجاج کے نزدیک تمثیل کفار کے اعمال کے لیے واقع ہوئی ہے۔ ابوعلی کے نزدیک کافر کے لیے واقع ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روایت میں فرمایا: یہ کافر کے دل کی مثال ہے۔ **فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ** بعض علماء نے فرمایا: یہ اللجة کی طرف منسوب ہے۔ اس سے ہے جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **مَنْ رَكِبَ الْبَحْرَ إِذَا التَّجَّ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذَّمَّةُ**۔ (2) جو سمندری سفر پر گیا جب وہ موجیں مار رہا تھا تو اس سے ذمہ بری ہے۔ التجج الامر کا معنی ہے بڑا ہونا، خلط ملط ہونا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **حَصْبَتُهُ لُجَّةٌ** (النمل: 44) یعنی جو بہت گہرا ہو۔ لجة السفينة یعنی کشتی گہرائی میں چلی گئی۔ اللجة لام کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی گہرائی ہے اور اللجة لام کے فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنی لوگوں کی آوازیں ہیں۔ کہتا ہے: سمعت لجة الناس میں نے لوگوں کی آوازیں سنیں۔ ابو النجم نے کہا: **فِي لُجَّةٍ امسك فلانا عن فلان، التجت الأصوات**۔ آوازیں خلط ملط ہوئیں اور شور و غل بڑھا۔ **يَغْشَاهُ مَوْجٌ** اس گہرے سمندر پر ایک موج بلند ہے۔ **مِنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ** یعنی موج کے اوپر موج ہے اس دوسری موج پر بادل ہے پس موج کا خوف، ہوا کا خوف اور بادل کا خوف جمع ہو جاتے ہیں۔ بعض نے کہا: اس کا مطلب ہے یغشاہ موج من بعد موج یعنی ایک موج دوسری موج کے پیچھے آتی ہے حتیٰ کہ گویا وہ ایک دوسرے کے اوپر ہیں یہ زیادہ خوفناک ہوتی ہے جب موجیں متواتر ہوں اور قریب قریب ہوں اور اس موج کے اوپر بادل ہے یہ دو وجوہ سے خوف کے لیے عظیم ہے، ایک یہ کہ اس نے ان ستاروں کو ڈھانپ دیا جن سے راستہ کی ہدایت و راہنمائی حاصل کی جاتی ہے دوسرا یہ کہ ہوا جو بادل کے ساتھ چلتی ہے اور بارش جو اس سے اترتی ہے۔ **ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ**۔ ابن محیصن اور بزی نے ابن کثیر سے سحاب ظلمات اضافت اور جر کے ساتھ روایت کیا ہے۔ قبل نے سحاب تنوین کے ساتھ پڑھا ہے ظلمات جر اور تنوین کے ساتھ۔ باقی قراء نے رفع اور تنوین کے ساتھ۔ مہدوی نے کہا: جس نے من فوقہ سحاب ظلمات اضافت کے ساتھ پڑھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بادل ان

تاریکیوں کے وقت بلند ہوتا ہے پس اسے ان کی طرف مضاف کیا گیا جیسے کہا جاتا ہے: سحاب رحمة جب بارش کے وقت بلند ہوتا ہے اور جنہوں نے سحاب ظلمات پڑھا ہے تو ظلمات کی جر پہلے ظلمات کی تاکید یا اس سے بدل کی بنا پر ہے اور سحاب مبتدا ہے اور من فوقہ خبر ہے اور جنہوں نے سحاب ظلمات پڑھا تو ظلمات مبتدا محذوف کی خبر ہوگی تقدیر یوں ہوگی ہی ظلمات او ہذہ ظلمات۔ ابن انباری نے کہا: قِنْ فَوْقَهُ مَوْجٌ مکمل نہیں کیونکہ من فوقہ سحاب موج کا صلہ ہے اور من فوقہ سحاب پر وقف حسن ہے۔ پھر۔ ظَلُمْتُ بَعْضًا فَوْقَ بَعْضٍ یہ نئی کلام ہے اس معنی پہ بھی ظلمات بعضها فوق بعض۔ اہل مکہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ظلمات پڑھا ہے اس معنی پر او کظلمات ظلمات بعضها فوق بعض اس مذہب کی بناء پر السحاب پر وقف حسن نہ ہوگا بعض نے کہا: ان تاریکیوں سے مراد بادل کی تاریکی، موج کی تاریکی، رات کی تاریکی اور سمندر کی تاریکی ہے۔ پس جو ان تاریکیوں میں ہوتا ہے اسے کچھ نظر نہیں آتا اور نہ ستارہ نظر آتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: الظلمات سے مراد سختیاں ہیں یعنی ایک دوسرے کے اوپر سختیاں ہیں۔ بعض نے کہا: الظلمات سے مراد کافر کے اعمال ہیں اور البحر اللدھی سے مراد کافر کا دل ہے اور مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ سے مراد جہالت، شک اور حیرت ہے جو کافر کے دل پر چھائی ہوئی ہوتی ہے۔ اور السحاب سے مراد رین، ختم اور مہر ہے جو اس کے دل پر لگی ہوئی ہے؛ یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے یعنی وہ اپنے دل سے نور ایمان کو نہیں دیکھتا جیسے سمندر میں تاریکیوں والا جب اپنا ہاتھ نکالتا ہے تو وہ اسے دکھائی نہیں دیتا۔ حضرت ابی بن کعب نے کہا: کافر، پانچ قسم کی تاریکیوں میں گھومتا رہتا ہے اس کی کلام تاریکی ہے، اس کا عمل تاریکی ہے، اس کا مغل تاریکی ہے، اس کا مخرج تاریکی ہے اور قیامت کے روز آگ میں تاریکیوں کی طرف جائے گا۔ اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔ اِذَا آخَرَجَ يَدًا لِعَيْنٍ دِيكُنِي وَالْاَجِبِ اِپْنَاهَا تَه نَكَالْتَا هِي۔ لَمْ يَكُنْ يَرُهَا تُووه ظلمات کی شدت کی وجہ سے اسے دکھائی نہیں دیتا۔ زجاج اور ابو عبیدہ نے کہا: اس کا معنی ہے لم يرد لم يكد؛ یہی حسن کے قول کا معنی ہے اور لَمْ يَكُنْ كَا مَعْنِي هِي اسے دیکھنے کی امید ہی نہ تھی۔ فراء نے کہا: کا د صلہ ہے یعنی اس نے اسے نہیں دیکھا (1) مگر کوشش کے بعد جیسے تو کہتا ہے: مَا كَدْتَ اَعْرَفَه۔ مبرد نے کہا: اس کا مطلب ہے اس نے اسے نہیں دیکھا (1) مگر کوشش کے بعد جیسے تو کہتا ہے: مَا كَدْتَ اَرَانِ مِنَ الظُّلْمَةِ۔ یعنی میں تاریکی کی وجہ سے تجھے دیکھ نہ پایا جبکہ اس نے اسے مایوسی اور مشکل کے بعد دیکھ لیا۔ بعض علماء نے کہا: اس کا معنی ہے دیکھنے کے قریب ہو اور دیکھا نہیں جیسے کہا جاتا ہے: كَادَ الْعُرُوسُ يَكُونُ اَمِيرًا، قَرِيبٌ تَهَا كَه دَوْلَهَا اَمِيرٌ بِن جَاتَا۔ كَادَ النِّعَامُ يَطِيرُ قَرِيبٌ تَهَا شَرْمَرُغٌ اِزْنِي لَكِي۔ كَادَ السَّنْتَعْلُ يَكُونُ رَاكِبًا قَرِيبٌ تَهَا پِيدَلٌ حَلْنِي وَالاَسْوَارُ بِن جَاتَا۔ نَحَاسٌ نِي كَمَا: اِن اَقْوَالِ مِي سِي صَحِيحٌ قَوْلٌ وَهِي هِي كَا مَعْنِي هِي رُوَيْتٌ قَرِيبٌ نَهِي هُوِي بِن اِسِي اِسِي نِي اِسِي قَرِيبٌ وَبَعِيدٌ سِي نِي كَمَا۔ وَ مَن لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُورًا لِّعِنِي اللّٰهُ تَعَالٰى جِس كِي لِي نُوْرِي مِي بِنَاتَا اِسِي پَر مَعَامَلَاتِ تَارِيكِي هُو جَاتِي هِي۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا اللہ تعالیٰ جس کے لیے دین نہیں بناتا اس کے لیے کوئی دین نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ نے جس کے لیے نور نہیں بنایا جس کے ساتھ وہ قیامت کے روز چلے گا وہ جنت کی طرف ہدایت نہیں پائے گا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے: وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ (الحديد: 28) زجاج نے کہا: یہ دنیا میں ہے مطلب یہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت نہیں دی وہ ہدایت یافتہ نہ ہوا۔ مقاتل بن سلیمان نے کہا: یہ آیت عقبہ بن ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی وہ زمانہ جاہلیت میں دین تلاش کرتا تھا اور ناٹ کا لباس پہنتا تھا پھر اسلام میں کفر کیا۔ ماوردی نے کہا: یہ شیبہ بن ربیعہ کے بارے میں نازل ہوئی وہ جاہلیت میں راہب بنا ہوا تھا اون کا لباس پہنتا تھا اور دین طلب کرتا تھا پھر اسلام میں کفر کیا۔ میں کہتا ہوں: یہ دونوں کفر میں تھے بعید نہیں کہ یہ دونوں اور ان کے علاوہ لوگ آیت میں مراد ہوں۔ بعض علماء نے کہا: یہ عبد اللہ بن جحش کے بارے میں نازل ہوئی وہ مسلمان ہوا تھا۔ پھر حبشہ کی زمین کی طرف ہجرت کی تھی پھر اسلام قبول کرنے کے بعد نصرانی بن گیا تھا۔ ثعلبی نے ذکر کیا ہے حضرت انس نے فرمایا نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مجھے نور سے پیدا کیا اور ابو بکر کو میرے نور سے پیدا کیا۔ عمر اور عائشہ کو ابو بکر کے نور سے پیدا کیا اور میری امت کے مومنین کو عمر کے نور سے پیدا کیا اور میری امت کی مومنات کو حضرت عائشہ بنت ابی بکر کے نور سے پیدا کیا جو مجھ سے محبت نہیں کرتا اور ابو بکر، عمر اور عائشہ سے محبت کرتا ہے تو اس کے لیے نور نہیں ہے“ تو یہ آیت نازل ہوئی: وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ ①۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ صَفَّتْ ① كُلُّ قَدْعَةٍ عِلْمٍ
صَلَاتِهِ وَتَسْبِيحَهُ ① وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ② وَبِاللَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ③

وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ④

”کیا تم غور نہیں کرتے کہ بلاشبہ اللہ ہی ہے جس کی تسبیح بیان کرتے ہیں سارے آسمانوں والے اور زمین والے اور پرندے پر پھیلانے ہوئے، ہر ایک جانتا ہے اپنی (مخصوص) دعا اور اپنی تسبیح اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے بادشاہی ہے سارے آسمانوں کی اور ساری زمین کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی (سب نے) لوٹنا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ صَفَّتْ ① جب آیات کی وضاحت ذکر کی تو حجت و دلائل میں اضافہ کیا اور بیان فرمایا کہ اس کی مصنوعات اپنی تبدیلی کے ساتھ دلالت کرتی ہیں کہ ان کا کوئی صانع (بنانے والا) ہے، کمال پر قادر ہے اس کے لیے رسولوں کو بھیجنا ہے اس نے انہیں بھیجا اور معجزات کے ساتھ ان کی تائید فرمائی اور انہوں نے جنت و دوزخ کی خبر دی۔ أَلَمْ تَرَ ① میں خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے اور اس کا معنی الم تعلم ہے اور مراد تمام لوگ ہیں۔ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ ①، مَنْ فِي السَّمَوَاتِ سے مراد فرشتے ہیں، وَالْأَرْضِ ① جن وانس، وَالطَّيْرِ ① صَفَّتْ ①۔ مجاہد وغیرہ نے کہا: صلاة انسان کے لیے ہے اور تسبیح دوسری مخلوق کے لیے ہے۔ سفیان نے کہا: پرندوں کے لیے ایسی نماز ہے جس میں رکوع و سجود نہیں ہے (1)۔ بعض نے کہا: پرندوں کا پر مارنا نماز ہے اور ان کی آوازیں تسبیح ہیں؛ یہ نقاش نے

حکایت کیا ہے۔ بعض نے کہا: یہاں تسبیح سے مراد مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا اثر نظر آنا ہے۔ صافات کا معنی ہے ہوا میں اپنے پر پھیلائے ہوئے۔ ایک جماعت نے الطیر کو من پر عطف کی بنا پر مرفوع پڑھا ہے۔ زجاج نے کہا: والطیر بمعنی مع الطیر بھی جائز ہے۔ نحاس نے کہا: میں نے اسے یہ کہتے ہوئے سنا: قیمت وزید بمعنی مع زید۔ فرمایا: یہ رفع سے عمدہ ہے، فرمایا: اگر تو کہے قیمت انا وزید تو رفع بہتر ہوگا اور نصب جائز ہوگی۔ کُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ یہ مفہوم بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی صلاۃ اور تسبیح جانتا ہے۔ یعنی وہ نمازی کی نماز اور تسبیح کرنے والے کی تسبیح کو جانتا ہے اس لیے فرمایا: وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ یعنی اس پر ان کی طاعت اور تسبیح مخفی نہیں ہے۔ اس جہت سے بھریوں اور کوفیوں کے نزدیک فعل کے اضمار کے ساتھ کل پر نصب جائز ہے جس فعل کی تفسیر ما بعد فعل کر رہا ہے۔ بعض نے کہا: اس کا مطلب ہے ہر نماز پڑھنے والا اپنی نماز کو جانتا ہے اور اپنی تسبیح کو جانتا ہے جس کا اسے مکلف کیا گیا ہے، بعض لوگوں نے کل قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ یعنی مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ بعض نحویوں نے ذکر کیا ہے کہ بعض نے کُلُّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ پڑھا ہے۔ یہ تقدیر ہونا بھی جائز ہے کل قد علمہ اللہ صلاتہ و تسبیحہ تمام کو اللہ تعالیٰ نے اس کی صلاۃ اور تسبیح سکھائی، پس تعلیم سے مراد سمجھانا ہو گا اور مراد خصوص ہے کیونکہ لوگوں میں سے کچھ وہ ہوتے ہیں جو دوسروں کو سکھاتے نہیں ہیں۔ یہ معنی بھی جائز ہے کہ ہر استدلال کرنے والے نے اس سے استدلال کیا۔ استدلال کو تعلیم سے تعبیر کیا گیا؛ یہ مہدوی کا قول ہے۔ یہاں صلاۃ بمعنی تسبیح ہے تاکید کے لیے تکرار کیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَأَسْرَأَ النَّجْوَى (الانبیاء: 3) الصلاۃ کو تسبیح کہا جاتا ہے؛ یہ قشیری کا قول ہے۔** **وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ** ① یہ کئی مقام پر پہلے گزر چکا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خَلِّهِمْ وَيُنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ ۗ يَكَادُ سَنَابِرُهُمْ يَدْهَبُ إِلَّا بَصَارًا ۗ يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ۗ ②

”کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ لے جاتا ہے بادل کو پھر جوڑتا ہے اس کے (بکھرے ٹکڑوں) کو پھر اسے تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے۔ پھر تو دیکھتا ہے بارش کو، کہ نکلتی ہے اس کے درمیان سے اور اتارتا ہے اللہ تعالیٰ آسمان سے برف جو پہاڑوں کی طرح ہوتی ہے پس نقصان پہنچاتا ہے اس سے جسے چاہتا ہے اور پھیر دیتا ہے اس کو جس سے چاہتا ہے، قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک لے جائے آنکھوں کی بینائی کو، بدلی کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ رات اور دن کی، بیشک اس میں عبرت ہے آنکھوں والوں کے لیے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا** ایک اور حجت ذکر فرمائی یعنی کہا: آپ نے اپنے دل کی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ **يُزْجِي سَحَابًا** وہ جہاں چاہتا ہے بادل کو لے جاتا ہے۔ **الروح تزجى السحاب** ہوا بادل کو چلاتی ہے۔

والبقرة تزجی ولدھا گائے اپنے بچے کو چلاتی ہے اسی سے ہے زجاج الخراج یزجوز جاء جب خراج لینا آسان ہو (1)۔
ناغز نے کہا:

إِنِّي أَتَيْتُكَ مِنْ أَهْلِ وَمِنْ وَطَنِي أَزْجِي حُشَاشَةً نَفْسٍ مَابِهَا رَمَقُ

اور اس نے یہ بھی کہا:

أَشْرَثَ عَلَيْهِ مِنَ الْجَوْدَاءِ سَارِيَّةٌ تُزْجِي السَّمَالَ عَلَيْهِ جَامِدَ الْبَرْدِ

ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ اس کو پیدا کرنے کے بعد اسے جمع کرتا ہے تاکہ وہ مضبوط ہو جائے، مل جائے اور کثیف ہو جائے۔
التالیف میں اصل ہمزہ ہے تو کہتا ہے: تالف اور اس کو یولف واؤ کے ساتھ تخفیفاً پڑھا گیا ہے۔ السحاب واحد ہے لیکن اس کا
معنی جمع ہے اسی وجہ سے فرمایا: يُنْثِي السَّحَابَ (الرعد: 12) اور بین دو چیزوں یا زیادہ چیزوں کے درمیان واقع ہوتا ہے
پس یہاں بینہ کیسے جائز ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بینہ یہاں سحاب کی جماعت کے لیے ہے جیسے تو کہتا ہے: الشجر
جلست بینہ کیونکہ وہ جمع ہے اور لفظ کے اعتبار سے ضمیر واحد ذکر کی؛ یہ معنی فراء نے بیان کیا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ
السحاب واحد ہے اور بینہ کہنا جائز ہے کیونکہ وہ بہت سے ٹکڑوں پر مشتمل ہوتا ہے جیسے شاعر نے کہا: بین الدخول
وحومل۔ دخول پر میں داخل کیا ہے حالانکہ وہ واحد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بہت سے مقامات پر مشتمل ہے جیسے تو کہتا ہے:
مازلت أدور بين الكوفة۔ میں کوفہ میں گھومتا رہا کیونکہ کوفہ بہت سے مکانات ہیں؛ یہ زجاج وغیرہ کا قول ہے۔ اصمعی کا خیال
ہے کہ یہ جائز نہیں ہے اور وہ روایت کرتا تھا بین الدخول وحومل۔ ثُمَّ يَجْعَلُهُ كَأَمَّا۔ تہہ در تہہ کر دیتا ہے، بعض کو بعض
سے جوڑ دیتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ (الطور) الرکم
کا معنی ہے کسی چیز کا جمع کرنا اسی سے کہا جاتا ہے: رکم الشئ یرکمه رکا جب وہ کسی چیز کو جمع کر دے اور بعض کو بعض پر
ڈال دے۔ ارتکم الشئ و تراکم جب جمع ہو جائے الرکمة جمع شدہ مٹی الرکام ریت کا ٹیلہ اسی طرح بادل وغیرہ مرتکم
الطریق راستہ فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ جَلْدِهِ۔ الودق کے بارے دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد بجلی ہے؛ یہ ابو الاشہب
عقیلی کا قول ہے؛ اسی سے شاعر کا قول ہے:

أثرنا عجاجة و جرجن منها خروج الودق من جلد السحاب (2)

دوسرا معنی ہے بارش؛ یہ جمہور کا قول ہے؛ اسی سے شاعر کا قول ہے:

فلا مونة ودقت ودقها ولا أرض أبقل إبقالها (3)

امراء القیس نے کہا:

فد معها ودق و سح و دينة وسكب و توتو كاف و تنهبلان

کہا جاتا ہے: دقت السحابة فہی وادقة ودق المطر يدق ودقا اس کا مطلب ہے بارش برسی ودقت الیہ میں اس

کے قریب ہوا۔ ضرب المثل ہے ودق البعید الی الماء۔ اونٹ پانی کے قریب ہوا۔ یہ مثال اس شخص کے لیے دی جاتی ہے جو کسی چیز کے حرص کی وجہ سے اس کے لیے جھک جاتا ہے۔ اسم ظرف مودق۔ ودقت بہ ودقا کا معنی ہے میں نے اس سے انس حاصل کیا جس جانور کے سم ہوں جب وہ نرکا ارادہ کرے نرکو چاہے۔ ودقت تدق ودقا ودقت واستودقت۔ اتان (گدھی) ودوق وفس ودوق ودیق بھی اور وادق بھی استعمال ہوتا ہے الودیقہ گرمی کی شدت کو کہتے ہیں خلال، خلل کی جمع ہے جیسے جبل کی جمع جبال ہے اس سے مراد سوراخ اور بادل سے بارش کے نکلنے کی جگہ ہے۔ یہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ کعب نے کہا: بادل بارش کی چھاننی ہے۔ اگر بادل نہ ہوتا تو پانی آسمان سے اکٹھا اترتا اور جس جگہ پر گزرتا اسے ٹراب کر دیتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک اور ابو العالیہ نے کہا: من خللہ یعنی مفرد پڑھا ہے۔ تو کہتا ہے: کنت فی خلال القوم یعنی میں ان کے درمیان تھا۔ وَيُنزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ۔ بعض علماء نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آسمان میں برف کے پہاڑ پیدا کیے وہ ان سے اولے نازل فرماتا ہے۔ اس میں اضمار ہے یعنی ينزل من جبال البرد برد برف کے پہاڑوں سے برف نازل کرتا ہے۔ مفعول محذوف ہے۔ اسی طرح کا قول فراء کا ہے۔ ان کے نزدیک تقدیر اس طرح ہے من جبال برد ان کے نزدیک جبال ہی برد (برف) ہیں۔ برد محل جر میں ہے اس قول کی بنا پر معنی ہوگا من جبال برد فیہا یعنی جبال کی تنوین کے ساتھ۔ بعض علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آسمان میں پہاڑ پیدا فرمائے جن میں برف ہے تقدیر اس طرح ہوگی وينزل من السماء من جبال فیہا برد۔ اور من صلہ ہے، بعض نے کہا: اس کا مطلب ہے وہ آسمان سے پہاڑوں کی مقدار یا پہاڑوں کی مثل برف نازل کرنے کی ابتدا ہے۔ اور دوسرا من تبعیض کے لیے ہے کیونکہ برف، پہاڑوں کا بعض ہے اور تیسرا من جنس کے بیان کے لیے ہے کیونکہ ان پہاڑوں کی جنس برف سے ہے۔ انخس نے کہا الجبال اور برد سے پہلے من دونوں جگہ زائدہ ہے (1) اور الجبال اور البرد محل نصب میں ہیں یعنی ينزل من السماء برد ایكون كالجبال آسمان سے برف نازل کرتا ہے جو پہاڑوں کی طرح ہوتی ہے۔ فَيُصِيبُ بِهِ مَن يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَن مَّن يَشَاءُ پس اس کا پہنچانا عذاب ہے اس کا اسے پھیر لینا نعمت ہے۔ یہ سورہ بقرہ اور سورہ الرعد میں گزر چکا ہے اور جو کڑک کی آواز سن کر تین مرتبہ کہتا ہے: سبحان من يسبح الرعد بحمده والملائكة من خيفته تو اس کڑک سے جو نقصان ہوتا ہے وہ اس سے بچ جاتا ہے۔ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ یعنی بادل میں جو بجلی ہے اس کی چمک۔ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ابنی شدت کی چمک اور روشنی کی وجہ سے آنکھوں کو لے جائے شاخ نے کہا:

لِيُبْصِرَ ضَوْهَا إِلَّا الْبَصِيرُ (2)

وما كادت إذا رفعت سناها

امراء القيس نے کہا:

أهان السليط في الدُّبَالِ النُّقْلِ (3)

يضيئ سناها أو مصاييخ راهب

السنا مقصود ہے بجلی کی چمک۔ السنا ایک بوٹی ہے جس سے دوا کی جاتی ہے۔ السنا ممدود بھی ہے اسی طرح طلحہ بن

مصرف نے سنا، روشنی اور صفائی کی شدت میں مبالغہ کے اظہار کے لیے مد کے ساتھ پڑھا ہے اس پر شرف کے اسم کا بھی اطلاق ہوتا ہے۔ مبرد نے کہا: السنہ مقصود ہے اس کا معنی چمک ہے۔ جب یہ شرف اور حسب کے معنی میں ہو تو محدود ہوتا ہے ان دونوں کی اصل ایک ہی ہے اور وہ چمکنا ہے۔ طلحہ بن مصرف نے البرقۃ بجلی کی مقدار البرقۃ اسم مرۃ۔ محمد بن احمد بن القعقاع نے کہا: یَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ مِثْلَ بَاءِ صَلَہِ زَائِدَہ ہے۔ باقی قراء نے یذهب الابصار یاہ اور ہا کے فتح کیساتھ پڑھا ہے۔ باء الصاق کے لیے ہے البرق بادل کے گھنا ہونے کی دلیل ہے اور بارش کی تیزی کی بشارت ہے اور بجلی کے نزول سے ڈرانے والی ہے۔ یُقَلِّبُ اللّٰهُ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ بعض علماء نے کہا: ان کی تقلیب سے یہ مراد ہے کہ ایک کے بعد دوسرے کو لاتا ہے۔ بعض نے کہا: اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ان میں کمی اور زیادتی کرتا ہے۔ بعض نے کہا: کبھی دن کو بادل کی تاریکی سے بدل دیتا ہے کبھی سورج کی روشنی سے چمکا دیتا ہے اسی طرح کبھی رات کو بادل سے تاریک کر دیتا ہے اور کبھی چاند کی روشنی سے روشن کر دیتا ہے؛ یہ نقاش کا قول ہے۔ بعض نے کہا: ان کی تقلیب سے مراد ان میں خیر و شر، نفع و ضرر کا جو اختلاف ہوتا ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرٰتٍ لِّمَنْ لَّیْلٌ وَّ نَهَارٌ کی تبدیلی میں سے جو ہم نے ذکر کیا ہے بارش کے احوال اور گرمی و سردی کے احوال سے جو ذکر کیا ہے۔ لَعِبْرٰتٍ عبرت ہے۔ لِأُولِی الْأَبْصَارِ۔ میری مخلوق میں سے صاحب بصیرت لوگوں کے لیے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّن مَّاءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْسِیْ عَلٰی بَطْنِہٖۙ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْسِیْ عَلٰی رِجْلِیْنِۙ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْسِیْ عَلٰی أَرْبَعٍ ۗ یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَا اٰیٰتِ مُّبٰیْنٰتٍ ۗ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۵﴾

”اور اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے ہر جانور کو پانی سے تو ان میں کچھ تو ریگتے ہیں پیٹ کے بل اور ان میں سے بعض چلتے ہیں دونوں گوں پر اور ان میں سے بعض چلتے ہیں چار ٹانگوں پر، پیدا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ہم نے اتاری ہیں ایسی آیتیں جو (حق کو) صاف صاف بیان کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ پہنچاتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھی راہ تک۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ اَضَافَتِہٖۙ كَمَا خَلَقَ مَا ضَمَّ عَلَیْہِۙ وَیَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۴﴾ اور باقی قراء نے خلق ماضی کا صیغہ پڑھا ہے دونوں قراءتوں میں معنی صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دو خبریں دیں ہیں۔ پس اس میں یہ کہنا مناسب نہیں کہ ایک قرات دوسری قرات سے اصح ہے۔ بعض علماء نے کہا: خلق مخصوص چیز کے لیے ہے اور خالق عموم پر بولا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الْخَالِقِ الْبَارِئِ (الحشر: 24) اور مخصوص میں فرمایا: الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (الانعام: 1) اسی طرح هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّ اَحَدٍ ﴿۱۸۹﴾ پس اللہ خلق کل دابة من ماء ہونا ضروری ہے۔ الدابة حیوان میں سے جو سطح زمین پر چلتا ہے کہا جاتا ہے: دب یدب لھو داب۔ اس میں ہاء مبالغہ کے لیے ہے۔ یہ سورہ بقرہ

میں گزر چکا ہے۔ من ماء۔ اس میں جن اور ملائکہ داخل نہیں کیونکہ ہم انہیں نہیں دیکھتے اور نہ یہ ثابت ہے کہ وہ پانی سے پیدا کیے گئے ہیں بلکہ صحیح میں ہے کہ ”ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور جن آگ سے پیدا کیے گئے ہیں“۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ مفسرین نے کہا: من ماء سے مراد من نطفة یعنی نطفہ سے پیدا کیا ہے (1) کہ ہر انسان کی تخلیق میں پانی ہے جس طرح آدم کو پانی اور مٹی سے پیدا فرمایا اس بناء پر نبی کریم ﷺ نے اس شیخ سے فرمایا تھا جس نے غزوہ بدر میں پوچھا تھا: تم کس سے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تھا: نحن من ماء ہم پانی سے ہیں۔ الحدیث۔ ایک قوم نے کہا: جن فرشتوں کی استثنا نہیں ہے بلکہ ہر حیوان پانی سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ پانی سے پیدا کی گئی ہے، ہو پانی سے پیدا کی گئی ہے کیونکہ عالم کی سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی وہ پانی تھا پھر اس سے ہر چیز بنائی۔ میں کہتا ہوں: اس کی صحت پر یہ قول دلالت کرتا ہے: فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْئَلُ عَلَىٰ بَطْنِهِ۔ پیٹ کے بل چلنا سانپوں اور مچھلیوں کے لیے ہے اور اسی طرح دوسرے کیڑوں کے لیے ہے اور دو ٹانگوں پر چلنا انسان اور پرندوں کے لیے ہے اور چار ٹانگوں پر چلنا حیوان کے لیے ہے۔ مصحف ابی میں ہے ومنہم من یشی علی اکثر اس زیادتی کے ساتھ تمام حیوان شامل ہو گئے جیسے سرطان اور خشاش وغیرہ، لیکن ان الفاظ کو اجماع نے ثابت نہیں کیا۔ لیکن نقاش نے کہا: چار ٹانگوں پر چلنے والوں کے ذکر پر اکتفا کیا (2) اور اس سے زیادہ پر چلنے والوں کے ذکر سے استغنا کیا کیونکہ تمام حیوانوں کا اعتماد چار ٹانگوں پر ہوتا ہے یہ اس کے چلنے کا سہارا ہوتی ہیں اور بعض حیوانوں میں ٹانگوں کی کثرت اس کی خلقت میں زیادتی ہے وہ حیوان ان تمام ٹانگوں پر چلنے کا محتاج نہیں ہوتا۔ ابن عطیہ نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ یہ کثیر ٹانگیں اس کے چلنے میں حرکت کرتی ہیں (3)۔ بعض نے کہا: کتاب میں چار سے زیادہ پر چلنے کی ممانعت نہیں ہے کیونکہ یہ نہیں فرمایا کہ چار سے زیادہ پر چلنا نہیں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس میں اضمار ہے ومنہم من یشی علی اکثر من اربع جیسا کہ حضرت ابی کے مصحف میں ہے، واللہ اعلم۔ دابة کا لفظ ذوی العقول اور غیر ذوی العقول کو شامل ہے اور ذوی العقول کو غلبہ دیا کیونکہ جو غیر ذوی العقول کے ساتھ ہو جمع ہوتا ہے کیونکہ ذوی العقول مخاطب اور مکلف ہوتا ہے اسی وجہ سے فرمایا مِنْهُمْ۔ اور فرمایا فَمِنْهُمْ يَّسْئَلُ۔ اور اس اختلاف کے ساتھ صانع کے ثبوت کی طرف اشارہ کیا۔ اگر تمام کا صانع مختار نہ ہوتا تو وہ مختلف نہ ہوتے بلکہ وہ ایک جنس سے ہوتے یہ اس قول کی طرح ہے۔ يُسْئَلُ بِمَاءٍ وَاحِدٍ ۗ وَ نُفُصِلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأَكْلِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ (الرعد: 4) يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ جو ارادہ کرتا ہے اس پر قادر ہے۔ لَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ مُّبِينَاتٍ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فِرْيَقًا مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۗ وَ

مَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝

”وہ کہتے ہیں: ہم ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور (اس کے) رسول پر اور ہم فرمانبردار ہیں پھر منہ پھیر لیتا ہے

ایک فریق ان سے (ایمان و اطاعت کے) اس دعویٰ کے بعد اور یہ لوگ ایماندار نہیں ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ إِذْ قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ وَلَمْ يَحْسُبُوا أَنَّهُمْ يَكْفُرُونَ ۚ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ يَخْتَفُونَ ۚ أَن يَقُولُوا إِنَّا نَعُوذُ بِاللَّهِ ۚ وَآطَمْنَا ۚ وَهِيَ كَبْتَةٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُمُونَ ۚ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ يَخْتَفُونَ ۚ أَن يَقُولُوا إِنَّا نَعُوذُ بِاللَّهِ ۚ وَآطَمْنَا ۚ وَهِيَ كَبْتَةٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُمُونَ ۚ

وَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٥٨﴾ وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿٥٩﴾ أَفِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَمْ امْتَرَاتُوبُوا أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولَهُ ۚ بَلْ أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٦٠﴾

”جب وہ بلائے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ فیصلہ کرے ان کے درمیان تو اس وقت ایک جماعت ان میں سے روگردانی کرنے لگتی ہے۔ اور اگر فیصلہ ان کے حق میں ہونا ہو تو (بھاگے) چلے آتے ہیں اس کی طرف تسلیم کرتے ہوئے۔ کیا ان کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے یا وہ (اسلام کے متعلق) شک میں مبتلا ہیں یا انہیں یہ اندیشہ ہے کہ ظلم کرے گا اللہ تعالیٰ ان پر اور اس کا رسول بلکہ (درحقیقت) وہ خود ظالم ہیں۔“

اس میں چار مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ طبری وغیرہ نے کہا: ایک منافق آدمی جس کا نام بشر تھا اس کے اور ایک یہودی کے درمیان زمین کا جھگڑا تھا یہودی نے اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے بلایا۔ منافق چونکہ حق پر نہ تھا اس نے آپ کے پاس آنے سے انکار کیا اور اس نے کہا: نعوذ باللہ محمد ﷺ ہم پر ظلم کرتا ہے ہم کعب بن اشرف (یہودی) کو اپنا حاکم بناتے ہیں تو اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ مغیرہ بن وائل جو بنی امیہ سے تھا اس کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان پانی اور زمین کا جھگڑا تھا۔ مغیرہ نے انکار کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے جائیں، مغیرہ نے کہا: وہ مجھ سے بغض کرتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لِيَحْكُمَ مفرد صیغہ ذکر فرمایا۔ لیحکم استثنیہ کا صیغہ ذکر نہیں فرمایا کیونکہ اس سے مراد رسول مکرم ﷺ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور کلام کے آغاز کے لیے تھا۔

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿٥٩﴾ اطاعت کرتے ہوئے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ آپ ﷺ حق کے ساتھ فیصلہ فرماتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: أذعن فلان لحکم فلان یعنی اذعان تسلیم کرنا نقاش نے کہا: مذعنین کا مطلب ہے خضوع کا اظہار کرتے ہوئے (1)۔ مجاہد نے کہا: اس کا مطلب ہے جلدی کرتے ہوئے۔ انخس اور ابن اعرابی نے کہا: اقرار کرتے ہوئے۔ أَفِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مرض سے مراد شک و شبہ ہے۔ أَمْ امْتَرَاتُوبُوا۔ کیا انہیں آپ کی نبوت اور عدل میں شک پڑ گیا ہے، أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولَهُ يَأْتُوا خَوْفًا کہ فیصلہ میں اللہ اور اس کا رسول ان پر ظلم کریں گے۔ استفہام کے لفظ سے کلام ذکر کی کیونکہ یہ تو بیخ میں سخت ہے اور مذمت میں المبح ہے جیسے

جرید نے مدح میں کہا:

أَلَسْتُمْ خَيْرَ مَنْ رَكِبَ الْمَطَايَا وَأَنْذَى الْعَالَمِينَ بَطُونِ رَاحٍ (1)

بَلْ أَوْلِيكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۵﴾ وہ معاند اور کافر ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے اعراض کیا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ فیصلہ کرنے کا اختیار مسلمانوں کے لیے ہوگا جب معاہد اور مسلم کے درمیان فیصلہ ہو۔ اس میں ذمیوں کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ اور اگر جھگڑا ذمیوں کے درمیان ہو تو پھر ان کا قاضی ہو سکتا ہے۔ اگر دونوں ذمی اسلام کے قاضی کے پاس آئیں تو اس کی مرضی ہے چاہے تو فیصلہ کر دے چاہے تو اعراض کر لے جیسا کہ سورہ مائدہ میں گزرا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ یہ آیت دلیل ہے کہ کوئی شخص کسی کو کسی جھگڑے میں تصفیہ کے لیے کسی قاضی کی طرف بلائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ضرور اس قاضی کے پاس جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی سخت مذمت کی ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَفِي بَارِغَاهُ مِثْلُ بِلَايَا جَائِءٍ تَاكُ آفَ اس کے اور اس کے خصم کے درمیان فیصلہ کریں اور وہ انکار کرے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَفِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ، ابن خويز منداد نے کہا: جس کو قاضی کی عدالت میں بلایا جائے اسے جانا واجب ہے جب کہ اسے معلوم نہ ہو کہ قاضی فاسق ہے یا مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان عدوات ہے۔ زہراوی نے حسن بن ابی الحسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے اپنے خصم کو کسی مسلمان حاکم کی طرف بلایا اور وہ نہ آیا تو وہ ظالم ہے اور اسے حق نہیں ہے“ (2) یہ بھی ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ حدیث باطل ہے۔ رہا یہ قول کہ وہ ظالم ہے، یہ کلام صحیح ہے اور رہا یہ قول کہ اس کا حق نہیں یہ صحیح نہیں ہے۔ اور یہ احتمال رکھتا ہے کہ اس کی مراد یہ ہو کہ وہ غیر حق پر ہے۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا

سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۵﴾

”ایمانداروں کی بات تو صرف اتنی ہے کہ جب انہیں بلایا جاتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ وہ فیصلہ فرمائیں ان کے درمیان تو وہ کہتے ہیں ہم نے فیصلہ سن لیا اور ہم نے اطاعت کی اور یہی لوگ دونوں جہانوں میں بامراد ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ تَوَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ يُسْمِعُونَ بَيْنَهُمْ وَيَسْمَعُونَ أُولَٰئِكَ هُمُ الَّذِينَ يَرْتَضِي اللَّهُ لِعَمَلِهِمْ لِيُجْزِيَ الْفَاسِقِينَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۵﴾

اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کی طرف بلایا جاتا ہے۔ اَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا تو وہ کہتے ہیں ہم نے فیصلہ سن لیا اور ہم نے اطاعت کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ مہاجرین و انصار کی اطاعت کی خبر دے رہا ہے اگرچہ فیصلہ ان کے خلاف بھی ہوتا تو وہ بھی کہتے تھے۔ وہ منافق اگر ایماندار ہوتے تو کہتے: سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا قول پر نصب کان کی خبر کی بنا پر ہے اور اس کا اسم ان يقولوا ہے جیسے یہ ارشاد ہے: وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا (آل عمران: 147) بعض علمائے کہا: إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ اور کان کلام میں صلہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَيْفَ نَكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۵﴾

(مریم) ابن القعقاع نے لیحکم بینہم پڑھا ہے یعنی مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب نے انما قول کو رفع کے ساتھ پڑھا ہے (1)۔

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشِ اللَّهَ وَيَتَّقْهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٥٦﴾

”جو شخص اطاعت کرتا ہے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور ڈرتا رہتا ہے اللہ سے اور بچتا رہتا ہے اس (کی نافرمانی) سے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ۔ یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت کرتا ہے۔ حفص نے ویتقہ کو جزم کی نیت پر قاف کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ شاعر نے کہا:

وَمَنْ يَتَّقِ فَرَأَى اللَّهَ مَعَهُ
وَرَأَى اللَّهَ مُتَابًا وَغَادِي

باقی قراء نے قاف کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اس کی جزم اس کے آخر کے حذف کے ساتھ ہے۔ ابو عمرو اور ابو بکر نے ہا کو ساکن کیا ہے یعقوب اور قالون نے نافع سے اور بستی نے ابو عمرو اور حفص سے کسرہ میں اختلاس روایت کیا ہے باقی قراء نے ہا کے کسرہ کو اشباع کیا ہے۔ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٥٦﴾ حضرت اسلم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہما ایک روز مسجد میں کھڑے تھے روم کا ایک دہقان ان کے پاس کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا: انا اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله، حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: میں نے اللہ کے لیے اسلام قبول کر لیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا: کیا اس کا کوئی سبب ہے؟ اس نے کہا: ہاں میں نے تورات، زبور، انجیل اور بہت سی انبیاء کرام کی کتابیں پڑھیں میں نے ایک قیدی کو قرآن کی ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا جس میں سابقہ کتب کی ہر چیز جمع تھی، تو میں نے جان لیا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے پس میں نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا: وہ کونسی آیت ہے؟ اس نے کہا: یہ آیت ہے۔ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ فَرَأَى فِيهِ رِضًا مِنَ اللَّهِ۔ اور سنن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے وَيَخْشِ اللَّهَ۔ اور گزشتہ عمر کی غلطیوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ وَيَتَّقْهُ اور آئندہ عمر میں گناہوں سے بچتا ہے۔ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ کامیاب وہ ہے جو آگ سے نجات پا گیا اور جنت میں داخل ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مجھے جوامع الکلم کی شان دی گئی ہے“ (2)۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۗ قُلْ لَا تُقْسِمُوا بِطَاعَةٍ

مَعْرُوفَةٌ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٥٧﴾

”اور قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بڑے زور سے کہ اگر آپ نہیں حکم دیں تو وہ (گھروں سے بھی) نکل جائیں گے فرمائیے: قسمیں نہ کھاؤ تمہاری فرمانبرداری خوب معلوم ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ پھر منافقین کے ذکر کی طرف رجوع کیا جب اللہ تعالیٰ نے حکم

نبی ﷺ کے لیے آنے پر ان کی کراہت بیان کی تو وہ آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اللہ کی قسم! اگر آپ ہمیں اپنے گھروں، عورتوں اور اپنے اموال کو چھوڑ کر نکل جانے کا حکم دیں تو ہم نکل جائیں گے، اگر آپ ہمیں جہاد کا حکم دیں تو ہم آپ کے ساتھ نکلیں گے نئے حکم میں اور آپ کی اطاعت کریں گے۔ جَهْدًا أَيَّانِهِمْ یعنی پوری طاقت سے قسمیں اٹھائیں۔

مقابل نے کہا: جس نے اللہ کی قسم اٹھائی اس نے قسم میں زور لگایا۔ اس کا ذکر سورہ انعام میں گزر چکا ہے۔ جہد مصدر کی بنا پر منصوب ہے اس کی تقدیر اقساما بلیغاً ہے۔ قُلْ لَا تُقْسِمُوا بِمَا كَلَّمَكُمْ، طَاعَةٌ مَعْرُوفَةٌ معروف طاعت، تمہارے لیے تمہاری قسموں سے بہتر ہے یا یہ معنی کہ تمہاری طرف سے طاعت معروفہ ہونی چاہیے اور دل کے اخلاص کے ساتھ قول معروف ہونا چاہیے قسم کی ضرورت نہیں۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے میں نے تمہاری طاعت جان لی ہے یہ کذب اور تکذیب ہے یعنی تمہاری طرف سے معروف جھوٹ ہے اخلاص نہیں ہے۔ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ اللہ تعالیٰ تمہاری زبان سے اطاعت اور عمل سے مخالفت کو جانتا ہے۔

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكُمْ مَآ حُوتٌ وَ عَلَيْكُمْ مَآ حُوتٌ ۖ وَإِن تَطِيعُوا تَهْتَدُوا ۗ وَ مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ ﴿۵۹﴾

”آپ فرمائیے: اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول مکرّم کی پھر اگر تم نے روگردانی کی تو (جان لو) رسول کے ذمہ اتنا ہے جو ان پر لازم کیا گیا ہے اور تمہارے ذمہ ہے جو تم پر لازم کیا گیا اور اگر تم اطاعت کرو گے اس کی تو ہدایت پا جاؤ گے اور نہیں ہے (ہمارے) رسول کے ذمہ بجز اس کے کہ وہ صاف صاف پیغام پہنچادے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ نفاق کو چھوڑ کر اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ فَإِن تَوَلَّوْا یہ اصل میں تتولوا تھا ایک تا کو حذف کیا گیا اس پر دلیل اس کے بعد علیکم کا لفظ ہے وہاں غائب کی ضمیر علیہم نہیں کی۔ فَإِنَّمَا عَلَيْكُمْ مَآ حُوتٌ اس پر پیغام پہنچانا لازم کیا گیا ہے۔ وَ عَلَيْكُمْ مَآ حُوتٌ اور تم پر ان کی اطاعت لازم کی گئی ہے۔ وَ مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ۔ البَلْغُ سے مراد تبلیغ پیغام پہنچانا ہے۔ الْمُبِينُ ﴿۵۹﴾ واضح۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَ لِيُبَيِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَ لِيُبَيِّنَنَّ لَهُمْ مِمَّنْ بَعْدَ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۶۰﴾

”وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے اور مستحکم کر دے گا ان کے لیے ان کے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا ہے ان کے لیے اور وہ ضرور بدل دے گا انہیں ان کی حالت خوف کو امن سے، وہ میری

عبادت کرتے ہیں کسی کو میرا شریک نہیں بناتے، اور جس نے ناشکری کی اس کے بعد وہی لوگ نافرمان ہیں۔“

یہ آیت سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر کے بارے میں نازل ہوئی؛ یہ امام مالک کا قول ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: اس آیت کا سبب یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام نے دشمن کے سخت مقابلہ کی شکایت کی اور جو انہیں اپنے نفسوں پر خوف تھا اس کا ذکر کیا اور وہ اپنے ہتھیار رکھتے نہیں تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابو العالیہ نے کہا: وحی کے بعد دس سال مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام خوفزدہ ہو کر رہے۔ اللہ تعالیٰ سے سرا اور جہر ادا کرتے تھے۔ پھر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا وہ ڈرتے ہوئے صبح کرتے تھے اور شام کو ہتھیاروں میں ہوتے تھے۔ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم پر کوئی ایسا دن نہیں آئے گا جس میں ہم امن سے ہوں گے اور ہتھیار اتار دیں گے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تھوڑا سا وقت گزرے گا حتیٰ کہ تم میں سے ایک شخص بڑے مجمع میں گوٹھ مار کر بیٹھے گا اور اس پر ہتھیار نہ ہوگا“ (1) تو یہ آیت نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جزیرہ عرب پر غالب کیا تو انہوں نے ہتھیار اتار دیے اور امن میں ہو گئے۔ نحاس نے کہا: اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وہ وعدہ پورا کیا۔ ضحاک نے نقاش کی کتاب میں کہا کہ یہ آیت حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی خلافت کو متضمن ہے (2) کیونکہ وہ اہل ایمان تھے اور اعمال صالحہ کرنے والے تھے۔ رسول ﷺ نے فرمایا: ”میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی“ اس قول کی طرف ابن عربی نے ”احکام“ میں اشارہ کیا ہے اور اس قول کو پسند کیا ہے۔ فرمایا: ہمارے علماء نے فرمایا یہ آیت خلفاء اربعہ کی خلافت کی دلیل ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں خلیفہ بنایا اور ان کی امانت پر راضی ہوا۔ وہ لوگ اس دین پر تھے جو اس نے ان کے لیے پسند کیا تھا، کیونکہ آج تک فضیلت میں کوئی شخص ان سے آگے نہیں بڑھا خلافت ان کے لیے قائم ہوئی انہوں نے مسلمانوں کو صحیح سمت چلایا اور دین کا پورا دفاع کیا۔ اور ان میں یہ وعدہ پورا ہوا۔ اگر ان میں یہ وعدہ پورا نہیں ہوا اور ان میں نافذ نہیں اور ان پر وارد نہیں ہوا تو پھر کن لوگوں میں پورا ہوگا؟ آج تک ان کے بعد ان کی مثل نہیں آیا اور نہ بعد میں کوئی ایسا ہوگا رضی اللہ عنہم؛ یہ قول قشیری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور انہوں نے اس حدیث سے حجت پکڑی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے غلام سفینہ نے روایت کی ہے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: ”میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی پھر ملوکیت ہوگی“ (3)۔ سفینہ نے کہا: اے سعید! حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت دو سال، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت دس سال، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بارہ سال اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چھ سال شمار کر۔ ایک قوم نے کہا: یہ وعدہ تمام امت کو ہے کہ وہ کلمہ اسلام کے تحت ساری زمین کے مالک ہوں گے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: زویت لی الأرض فرایت مشارقہا و مغاربہا و سیبلہا ملک امتی ما زوی لی منها (4)۔ میرے لیے زمین سمیٹ دی گئی میں نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھا اور

2۔ البحر الرایج، جلد 4، صفحہ 193

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 171

3۔ جامع ترمذی، ابواب الفتن، ما جاء فی الخلفاء، جلد 2، صفحہ 45

4۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن و اشراط الساعة، جلد 2، صفحہ 390

میری امت کی بادشاہی وہاں تک پہنچے گی جہاں تک میرے لیے زمین سمیٹی گئی ہے؛ اس قول کو ابن عطیہ نے اپنی تفسیر میں پسند کیا ہے، فرمایا: آیت میں صحیح یہ ہے کہ یہ جمہور کی خلافت کے بارے میں ہے اور ان کا استخلاف یہ ہے کہ وہ انہیں شہروں کا مالک بنائے گا اور انہیں ان کے ماتحت کر دے گا جیسا کہ شام، عراق، خراسان اور مغرب میں ہوا۔ ابن عربی نے کہا: ہم نے انہیں کہا یہ نبوت، خلافت، اقامت دعوت اور عموم شریعت میں عام وعدہ ہے۔ یہ وعدہ ہر ایک میں اس کی قدر اور اس کی حالت کے اعتبار سے نافذ ہوگا حتیٰ کہ مفتیوں، قاضیوں اور ائمہ میں یہ وعدہ پورا ہوگا خلافت کے لیے کوئی محل نہیں جس میں یہ وعدہ نافذ ہو مگر وہ جو خلفاء گزر چکے ہیں پھر انہوں نے بطور اعتراض و انفعال اس کا معنی ذکر کیا۔ اگر کہا جائے کہ یہ امر صحیح نہیں ہے سوائے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے، رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو وہ دھوکے سے قتل کیے گئے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جھگڑا ہوا تھا۔ ہم کہیں گے: امن کے ضمن میں موت سے سلامتی نہیں خواہ وہ کسی وجہ سے ہو۔ رہے حضرت علی رضی اللہ عنہ تو ان کا جنگ میں اترنا امن کو ختم کرنا نہیں تھا اور نہ امن کی شرط سے جنگ کا نہ ہونا ہے بلکہ امن کی شرط یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کا خود مالک ہونے کی طرح مکہ میں صحابہ کرام تھے۔ پھر اپنی کلام کے آخر میں فرمایا: حقیقت حال یہ ہے کہ وہ پہلے مجبور و مقہور تھے پھر غالب ہو گئے پہلے وہ مطلوب تھے پھر طالب بن گئے یہ امن اور عزت کی انتہا و کمال ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ حالت خلفاء اربعہ کے ساتھ خاص نہیں ہے تاکہ آیت کے عموم سے ان کو خاص کیا جائے بلکہ اس میں تمام مہاجرین وغیرہ شامل ہیں کیا آپ نے ملاحظہ کیا کہ قریش نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ احد وغیرہ میں لڑائی کی خصوصاً جنگ خندق میں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کے متعلق خبر دی: **إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونًا** ﴿١٠﴾ **هٰذَا لِكِ الْإِيمَانِ الْمُؤْمِنُونَ** وَذَلُّوا لِرُؤْسِ الْأَشْيَاءِ ﴿١١﴾ (الاحزاب) پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں کو لوٹا دیا اور انہوں نے خیر نہ پائی۔ مومنین کو اللہ تعالیٰ نے امن دیا انہیں قریش کی زمینوں، گھروں اور اموال کا وارث بنایا۔ **لِيَسْخَلِفَهُمْ فِي الْأَرْضِ** کے ارشاد سے یہی مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ** سے مراد بنی اسرائیل ہیں جب اللہ تعالیٰ نے مصر میں جابروں کو ہلاک کر دیا تھا اور بنی اسرائیل کو ان کی زمینوں اور گھروں کا وارث بنا دیا تھا۔ فرمایا: **وَأَوْسَرْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضَعُونَ مَشَارِقِ الْأَرْضِ وَمَغَارِبِهَا** (الاعراف: 137) اسی طرح صحابہ کرام پہلے کمزور اور ڈرنے والے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں امن دیا اور انہیں قرار بخشا اور انہیں مالک بنایا۔ پس صحیح یہ ہے کہ آیت کریمہ حضرت محمد ﷺ کی تمام امت کو شامل ہے کوئی مخصوص لوگ مراد نہیں ہیں کیونکہ تخصیص تو کسی ایسی خبر سے ہوتی ہے جو واجب التسلیم ہو۔ اور اصل یہ ہے کہ عموم پر عمل کیا جائے اور صحابہ کرام کا خوف، امن میں تبدیل ہوا وہ اس طرح کہ جب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کو کہا: کیا ہم پر ایسا دن بھی آئے گا کہ ہم امن میں ہوں گے اور ہتھیار اتار دیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تھوڑے عرصہ بعد تم میں سے ایک شخص ایک بڑے مجمع میں گوٹھ مار کر بیٹھے گا جبکہ اس پر کوئی ہتھیار نہ ہوگا“ (1) اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اس امر (اسلام) کو مکمل فرمائے گا (2) حتیٰ کہ

سوار صنعاء سے حضرت موت تک چلے گا اسے اللہ تعالیٰ کے خوف کے سوا کوئی خوف نہ ہوگا اور اپنی بکریوں پر بھیڑیے کے خوف کے سوا کوئی خوف نہ ہوگا لیکن تم جلدی کر رہے ہو۔ اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں تخریج کیا ہے۔ پس اسی طرح ہوا جس طرح نبی کریم ﷺ نے خبر دی تھی۔ یہ آیت نبوت کا معجزہ ہے کیونکہ یہ مستقبل کی خبر تھی تو ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ** اس میں دو قول ہیں۔ (1) ارض سے مراد مکہ مکرمہ کی زمین ہے کیونکہ مہاجرین نے اللہ تعالیٰ سے اس کا سوال کیا تھا۔ تو ان سے وعدہ کیا گیا جس طرح بنو اسرائیل سے وعدہ کیا گیا تھا؛ یہ معنی نقاش نے بیان کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد عرب و عجم کے شہر ہیں۔ ابن عربی نے کہا: یہی صحیح ہے کیونکہ مکہ کی زمین مہاجرین پر رہنے کے لیے حرام کی گئی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”لیکن مسکین سعد بن خولہ“ (1) چونکہ ان کا وصال ہجرت کے بعد مکہ میں ہو گیا تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ اس کے لیے افسوس کا اظہار کرتے تھے۔ اور صحیح میں یہ بھی فرمایا: ”مناسک حج ادا کرنے کے بعد مہاجر تین دن ٹھہر سکتا ہے“ (2)۔ **لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ** میں لام مضمر قسم کا جواب ہے کیونکہ وعدہ قول ہے۔ اس کا مجاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں سے فرمایا: اللہ کی قسم! وہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا اور انہیں زمین کا مالک اور اس میں رہنے والا بنا دے گا۔ **كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ** یعنی بنی اسرائیل۔ اللہ تعالیٰ نے مصر اور شام کے جبارہ کو ہلاک کر دیا اور مسلمانوں کو ان کی زمینوں اور گھروں کا وارث بنا دیا۔ اکثر کی قرأت کما استخلف۔ تاء اور لام کے فتح کے ساتھ ہے کیونکہ وعدہ اور **لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ** کا قول اس کی دلیل ہے۔ عیسیٰ بن عمر، ابو بکر اور مفضل عاصم سے استخلف تاء کے ضمہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ فعل مجہول روایت کیا ہے۔ **وَلَيَسْئَلَنَّهُمْ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ** اور وہ دین اسلام ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَسَرْضِيَتْ لَكُمْ الْإِسْلَامَ وَدِينًا** (المائدہ: 3) یہ پہلے گزر چکا ہے، سلیم بن عامر نے مقداد بن اسود سے روایت کیا ہے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: ”سطح زمین پر پتھر اور مٹی کا کوئی گھر نہیں ہے (3) مگر اللہ تعالیٰ اس میں کلمہ اسلام کو عزت والے کی عزت کے ساتھ اور ذلت والے کی ذلت کے ساتھ اس میں داخل کرے گا۔ رہے وہ جن کی عزت کے ساتھ اسلام داخل ہوگا تو انہیں اللہ تعالیٰ عزت والا بنا دے گا اور جن کی ذلت کے ساتھ اسلام داخل ہوگا تو وہ اس کی اطاعت کریں گے۔“ یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے یہ اس کی حجت ہے جس نے کہا: ارض سے مراد عرب و عجم کے شہر ہیں اور یہ دوسرا قول ہے جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔ **وَلَيَبْئِيَنَّ لَهُمْ** ابن محیسن، ابن کثیر، یعقوب اور ابو بکر نے تخفیف کے ساتھ ابدل سے مشتق کر کے پڑھا ہے؛ یہ حسن کی قرأت ہے اور ابو حاتم کا مختار ہے باقی قراء نے تشدید کر کے ساتھ بدل سے مشتق کر کے پڑھا ہے؛ یہ ابو عبید کا مختار ہے کیونکہ قرآن میں یہ اکثر ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **لا تبدل لکلمات اللہ۔** اور فرمایا: **وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً (النحل: 101)** اس قسم کی دوسری مثالیں موجود ہیں۔ یہ دونوں لغات ہیں۔ نحاس نے کہا: محمد بن جهم نے قراء سے

1۔ صحیح بخاری، باب بنیان الکعبہ، جلد 1، صفحہ 560

2۔ جامع ترمذی، ابواب الحج، ما جاء أن ملکت البہاجر بعد الصدر ثلاثاً، جلد 1، صفحہ 114

3۔ مسند احمد بن حنبل، جلد 4، صفحہ 4

روایت کیا ہے فرمایا: عاصم اور اعش نے ولیبذلنہم پڑھا ہے یہ عاصم سے روایت غلط ہے جب کہ اس کے بعد اس نے اس سے بڑی غلطی ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے تمام لوگوں سے تخفیف حکایت کی ہے۔ نحاس نے کہا احمد بن یحییٰ نے کہا: تخفیل اور تخفیف میں فرق ہے۔ کہا جاتا ہے: بدلتنہ یعنی میں نے اس میں تبدیلی کی ابدلتہ میں نے اس کو زائل کر دیا اور اس کے غیر کو بنا دیا۔ نحاس نے کہا یہ قول صحیح ہے جیسے تو کہتا ہے ابدل لی هذا الدرہم۔ یعنی یہ زائل کر دو اور مجھے اس کی جگہ اور دے دو۔ تو کہتا ہے: بذلت بعدنا یعنی میں نے تبدیل کر دیا۔ لیکن یہ ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ اور جو اس نے ذکر کیا وہ اکثر ہے؛ یہ سورۃ النساء میں گزر چکا ہے۔ اور ہم نے سورۃ ابراہیم میں سنت سے دلیل ذکر کی کہ بدل کا معنی ہے عین چیز کو زائل کرنا۔ وہاں غور کرو۔ عَلٰی رَبِّنَا اَنْ يُبَدِّلَنَا (القلم: 32) تخفیف اور تخفیل کیساتھ پڑھا گیا ہے۔ یَعْبُدُوْنَنِيْ یہ حال واقع ہو رہا ہے یعنی اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی حالت میں ان کی تعریف کی بنا پر اس کوئی کلام بنانا بھی جائز ہے۔ لَا يَشْرُوْنَ بِشَيْءٍ اس میں چار اقوال ہیں۔ (۱) وہ میرے علاوہ کسی خدا کی عبادت نہیں کرتے؛ یہ نقاش نے حکایت کیا ہے۔ (۲) میری عبادت میں ریا کاری نہیں کرتے۔ (۳) میرے علاوہ سے محبت نہیں کرتے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ اِنْ نَعَمْتُمْ اِنْ نَعَمْتُمْ کے بعد یہاں کفر سے مراد کفر ان نعمت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اللہ تعالیٰ کا انکار ذکر کرنے والا اس انعام کے بعد اور پہلے فاسق ہے۔

وَاقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاْتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۳۱﴾

”صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول (پاک) کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

یہ آیت پہلے گزر چکی ہے۔ عبادت کے امر کا تاکید کے لیے اعادہ فرمایا۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا وَّهْمُ النَّارُ ۗ وَ لَيْسَ

الْبَصِيْرُ ﴿۳۲﴾

”یہ خیال بر گز نہ کیجئے کہ کفار عاجز کرنے والے ہیں (ہمیں) زمین میں اور ان کا ٹھکانا آتش (جہنم) ہے اور یہ

بہت برا ٹھکانا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِهٖ نَبِيًّا سَلَوٰةً ۙ سَلَوٰةً ۙ كُوْتَلٰى دٰى جَارِہٖ ہٖ ادر نصرت کا وعدہ ہے۔ اکثر لوگوں کی قرأت تحسبن مخاطب کا صیغہ ہے، ابن عامر، حمزہ اور ابو حیوہ نے یحسبن یا، کے ساتھ پڑھا ہے (۱) یعنی کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو زمین میں عاجز کرنے والے ہیں، کیونکہ الحساب و مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے؛ یہ زجاج کا قول ہے۔ فراء اور ابو علی نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ فعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہو (۲) یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ گمان نہ کریں کہ کفار ہمیں زمین میں عاجز کرنے والے ہیں۔ پس الذین مفعول اول اور معجزین مفعول ثانی ہوگا۔ پہلے قول کی بنا پر الذین کفروا فاعل ہے، انفسہم مفعول اول ہے جو محذوف ہے معجزین مفعول ثانی ہے۔ نحاس نے کہا: میں اہل عرب میں سے کوئی ایسا

ابن جبیر کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مستحب ہے واجب نہیں؛ یہ ابو قلابہ کا قول ہے فرمایا: انہیں یہ حکم دیا گیا ہے ان کی خاطر، تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد عورتیں ہیں؛ یہ ابو عبد الرحمن سلمی کا قول ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ مردوں کے متعلق ہے عورتوں کے لیے نہیں یہ چوتھا قول ہے (1)۔ پانچواں قول یہ ہے کہ یہ واجب تھا جب لوگوں کے دروازے اور کندے نہیں تھے (2)؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ چھٹا قول یہ ہے کہ یہ حکم مردوں، عورتوں پر ثابت اور محکم ہے؛ یہ اکثر اہل علم کا قول ہے ان میں قاسم، جابر بن زید، شعبی ہے اور سلمی کے قول کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ الذین عرب کلام میں عورتوں کے لیے نہیں ہوتا۔ عورتوں کے لیے اللاتی اور اللواتی استعمال ہوتا ہے۔ اہل نظر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کو مستحسن کہا ہے، کیونکہ الذین کلام عرب میں مردوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اگرچہ یہ جائز ہے کہ مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہوں اور یہ دلیل کے ساتھ واقع ہوتا ہے اور کلام اپنے ظاہر پر ہے مگر اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم ہے۔ رہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول تو ابو داؤد نے عبید اللہ بن ابی یزید سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ آیت جس کے ساتھ اکثر لوگوں کو حکم نہیں دیا گیا وہ آیت استیذان ہے میں اپنی لونڈی کو حکم دیتا ہوں کہ وہ مجھ پر آتے ہوئے اجازت طلب کرے۔ ابو داؤد نے کہا: اسی طرح عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یا مرہ روایت کیا ہے۔ عکرمہ نے روایت کیا ہے کہ اہل عراق کے ایک گروہ نے کہا: اے حضرت ابن عباس! رضی اللہ عنہما آپ اس آیت کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں جس میں ہمیں ایک حکم دیا گیا ہے اور کسی نے بھی اس پر عمل نہیں کیا پھر یہ آیت پڑھی، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الِيسْتَأْذِينَ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهْرِ وَفِي صَلَاةِ الْعِشَاءِ ۚ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ لَكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَ هُنَّ ۚ طَوَّفُونَ عَلَيْكُمْ۔ ابو داؤد نے کہا: تعننی نے عَلَيْنِمْ حَكِيمٌ تک پڑھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مومنین پر حلیم و رحیم ہے وہ پردے کو پسند کرتا ہے لوگوں کے گھروں کے لیے پردے اور چادریں نہیں ہوتی تھیں بعض اوقات خادم، بیٹا یا یتیم بچی داخل ہو جاتی تھی جبکہ مرد اپنے اہل کے ساتھ ہوتا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پردوں کے وقت میں اجازت طلب کرنے کا حکم دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے پردے اور مال عطا فرمایا تو میں نے کسی کو اس پر عمل کرتے نہیں دیکھا (3)۔ میں کہتا ہوں: یہ عمدہ متن ہے یہ سعید اور ابن جبیر کے قول کو رد کرتا ہے کیونکہ اس میں آیت کے نسخ پر دلیل نہیں ہے لیکن یہ اپنے حال پر تھی پھر زائل ہو گئی اگر پھر پہلے جیسی حالت ہو جائے تو اس کا حکم قائم ہوگا جس طرح پہلے تھا، بلکہ آج بھی اس آیت کا حکم دیہاتوں اور صحراؤں میں مسلمانوں کے گھروں کے بارے میں ثابت ہے۔ وکیع نے سفیان سے انہوں نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے انہوں نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الِيسْتَأْذِينَ ۚ۔ الخ کی آیت منسوخ نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں: لوگ اس پر عمل نہیں کرتے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جاتی ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ بعض اہل علم نے کہا: تین مرتبہ اجازت طلب کرنا اس ارشاد سے ماخوذ ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيْسَ أَذِنُكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ** فرمایا: اس ارشاد سے مراد تین مرتبہ ہے۔ فرمایا: قرآن غلاموں اور بچوں کے بارے میں نازل ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی سنت تمام کے بارے میں وارد ہوئی۔ ابن عبد البر نے کہا: جو کچھ ان علماء نے کہا ہے اگرچہ اس کی وجہ ہو سکتی ہے لیکن یہ علماء سے معروف نہیں ہے اس آیت کی تفسیر میں جس میں جھگڑا کیا گیا ہے۔ **ثَلَاثَ مَرَّاتٍ** سے جمہور علماء نے تین اوقات مراد لیے ہیں اور اس قول کی صحت پر دلیل یہ ارشاد ہے: **مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظُّهْرِ وَ مِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ**۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے بندوں کو ادب سکھایا ہے کہ غلام جن کی کوئی پروا نہیں کی جاتی اور بچے جو ابھی بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچے مگر وہ ستر عورت کے منہوم کو سمجھتے ہوں تو وہ ان تین اوقات میں اپنے گھروالوں کے پاس اجازت لے کر جائیں۔ عام طور پر ان تین اوقات میں لوگ ستر عورت کا اہتمام نہیں کرتے اور کپڑے اتارے ہوئے ہوتے ہیں۔ فجر سے پہلے کا وقت نیند کی انتہا کا وقت ہے۔ نیند کے کپڑوں سے نکلنا اور اون کے کپڑے پہننے کا وقت ہے اور دوپہر کا وقت بھی کپڑے اتارنے کا ہوتا ہے کیونکہ اس وقت میں دن خوب روشن ہوتا ہے اس کی شعاعیں بلند ہوتی ہے اور گرمی سخت ہوتی ہے اور عشاء کی نماز کے بعد سونے کے لیے کپڑے اتارے جاتے ہیں پس ان اوقات میں ستر عورت غالب ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری غلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا جس کو مدح کہا جاتا تھا (1) تاکہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا لائے غلام آیا تو وہ سوئے ہوئے تھے اور دروازہ بند تھا غلام نے دروازہ کھٹکھٹایا، پھر آواز دی اور اندر داخل ہو گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور بیٹھ گئے آپ کا ستر کھلا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میری خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے بیٹوں، ہماری عورتوں اور ہمارے خدام کو ان اوقات میں ہمارے پاس آنے سے منع کر دے مگر وہ اجازت سے اندر آئیں، پھر حضرت عمر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ آیت نازل ہو چکی تھی۔ آپ اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ میں گر گئے۔ یہ آیت مکی ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ تَهَارَے آزاد لوگوں میں سے جو بالغ نہیں ہوئے، یہ مجاہد کا قول ہے۔ اسماعیل بن اسحاق نے ذکر کیا وہ فرماتے تھے: لَيْسَ أَذِنُكُمْ الَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ**۔ تقدیم و تاخیر پر ہے۔ آیت لونڈیوں کے متعلق ہے۔ جمہور نے الحلم کو لام کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے اور حسن بن ابی الحسن نے ضمہ کے ثقیل ہونے کی وجہ سے سکون کے ساتھ پڑھا ہے، ابو عمرو اس کو مستحسن سمجھتے تھے۔ **ثَلَاثَ مَرَّاتٍ** ظرف کی بنا پر منصوب ہے کیونکہ انہیں تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کا حکم نہیں دیا گیا انہیں تین اوقات میں اجازت طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ثلاث میں ظرفیت واضح ہے۔ **مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظُّهْرِ وَ مِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ** اس کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔ ہر وقت میں تین مرتبہ اجازت طلب کرنا واجب نہیں۔ **ثَلَاثَ مَرَّاتٍ لَكُمْ** جمہور قراء

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ عِشَاءٌ** کی نماز مراد ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ ”اعراب تم پر تمہاری نماز کے نام پر غالب نہ آجائیں خبردار وہ عشاء ہے وہ دیر سے اونٹوں کا دودھ دوہتے“ (1) ایک روایت میں ہے ”اللہ کی کتاب میں اس کا نام عشاء ہے وہ تاخیر سے دودھ دوہتے ہیں اس لیے عشاء کی نماز کو عتمہ کہتے ہیں“ (2)۔ بخاری میں حضرت ابو بزرہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ عشاء کی نماز کو موخر فرماتے تھے۔ حضرت انس نے فرمایا رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز کو موخر کرتے تھے، یہ مغرب کی نماز پر دلالت کرتا ہے اور صحیح میں ہے۔ فصلاہ مغرب اور عشاء کے درمیان عصر کی نماز پڑھی۔ اور مؤطا وغیرہ میں ہے۔ **وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصَّبْحِ لَاتَوْ هُمَا وَلَوْ حَبُوا**۔ اگر وہ عشاء اور صبح کی نماز کا ثواب جانتے تو وہ ان نمازوں کو پڑھنے کے لیے آتے اگرچہ انہیں گھٹنوں کے بل آنا پڑتا۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ سے مروی ہے کہ نبی پاک ﷺ عشاء اور صبح کی نماز کی طرح پڑھتے تھے اور تمہاری نماز کے بعد کچھ عشاء کو موخر کرتے تھے اور نماز میں تخفیف فرماتے تھے۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: یہ اخبار متعارض ہیں۔ تاریخ سے معلوم نہیں کہ مقدم، موخر کونسی ہے نبی کریم ﷺ سے مغرب کی نماز کو عشاء کی نماز کہنے سے اور عشاء کی نماز کو عتمہ کہنے سے منع کرنا ثابت ہے۔ حدیث کے الفاظ کو صحابہ کرام کے اقوال بھی رد نہیں کر سکتے چہ جائے کہ کسی اور کا قول۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے جس نے کہا: **صَلَاةُ الْعَتَمَةِ** وہ گنہگار ہے۔ ابن القاسم نے کہا: امام مالک نے کہا **وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ** اللہ تعالیٰ نے اس کا نام **صَلَاةُ الْعِشَاءِ** رکھا ہے اور نبی کریم ﷺ اسی نام کو پسند کرتے تھے جو اللہ نے رکھا۔ انسان اپنے اہل اور اولاد کو اس کی تعلیم دے اور عتمہ نہیں کہا جاتا مگر اس کے خطاب کے وقت جو سمجھتا ہے۔ حضرت حسان نے کہا:

وكانت لا يزال بها أنيس
فدغم هذا ولكن من لطيف
خلال مُرودِها نَعَمٌ وَشَاءُ
يؤ زقني إذا ذهب العشاء

بعض علماء نے فرمایا: یہ نبی اس لیے ہے کہ بدوؤں کی اتباع میں عشاء کو عتمہ کہا جائے تاکہ اس کا وہ نام بدل نہ جائے جو اللہ تعالیٰ نے اس کا نام کتاب اللہ میں رکھا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ** گویا جو اولیٰ ہے اس کی طرف راہنمائی کرنے کے لیے نبی کی گئی ہے یہ تحریم کی جہت سے نہیں ہے اور نہ اس مفہوم میں کہ عشاء کو عتمہ کہنا جائز بھی نہیں ہے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ نبی کریم ﷺ سے عتمہ کا اطلاق اس پر ثابت ہے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو عتمہ کہنا مباح قرار دیا ہے۔ بعض نے کہا: اس نام سے منع کیا گیا ہے یہ عبادت دینیہ ہے اس پر اس نام کا اطلاق نہ کیا جائے جو ایک دنیوی فعل کا اسم ہے وہ ہے اس وقت میں دودھ دوہنا اور اس کو عتمہ کہتے تھے۔ اس کی دلیل یہ قول ہے انہا **تُعْتَمُ بِعِلَابِ الْإِبِلِ** (3)۔ اس وقت اونٹوں کا دودھ دوہا جاتا ہے اس وجہ سے وہ اس نماز کو عتمہ کہتے تھے۔

مسئلہ نمبر 8۔ ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے بیان کیا انہوں نے کہا ہمیں اسماعیل بن عیاش نے بیان کیا انہوں نے عمارہ بن غزیہ سے انہوں نے حضرت انس بن مالک سے انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ فرماتے تھے: ”جس نے چالیس راتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جبکہ اس کی عشاء کی نماز سے پہلی رکعت فوت نہیں ہوئی تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس کے بدلے آگ سے آزادی لکھ دیتا ہے“ (1) اور صحیح مسلم میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی گویا اس نے نصف رات قیام کیا اور جس نے فجر کی نماز (بھی) جماعت کے ساتھ پڑھی گویا اس نے ساری رات قیام کیا“ (2)۔ دارقطنی نے اپنی سنن میں سبع یا تمبیع سے انہوں نے کعب سے روایت کیا ہے فرمایا: جس نے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا اور عشاء کی نماز پڑھی اور اس کے بعد چار رکعتیں ادا کیں ان کے رکوع و سجود کو مکمل کیا اور وہ جانتا ہو جو ان رکعتوں میں پڑھنا ہے تو وہ چار رکعتیں اس کے لیے لیلة القدر کے قائم مقام ہوں گی۔

وَإِذَا بَدَأَ الْوَالِدُ طِفْلًا مِنْكُمْ الْحُلْمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥١﴾

”اور جب پہنچ جائیں تمہارے بچے حد بلوغ کو تو وہ بھی اذن طلب کیا کریں جس طرح اذن طلب کیا کرتے ہیں وہ لوگ (جن کا ذکر) پہلے ہوا، یوں صاف صاف بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام کو اور اللہ تعالیٰ علیم ہے حکیم ہے۔“

حسن نے الحُلْمَ میں ضمہ کے ثقل کی وجہ سے اسے حذف کر دیا ہے۔ مذکورہ تین اوقات میں بچوں کو اجازت طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ اوقات میں بغیر اجازت آنا مباح کیا گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حکم دیا کہ بچے جب بالغ ہو جائیں تو وہ اجازت طلب کرنے میں ہر وقت مردوں کے حکم میں ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے احکام کا بیان ہے اس کے حلال اور حرام کی وضاحت ہے۔ فرمایا فَلْيَسْتَأْذِنُوا یہ نہیں فرمایا فَلْيَسْتَأْذِنُوا کہ جب پہلی آیت میں فرمایا لِيَسْتَأْذِنُوا کیونکہ بچے مخاطب اور مکلف نہیں ہیں۔ ابن جریر نے کہا: میں نے عطا سے کہا۔ وَإِذَا بَدَأَ الْوَالِدُ طِفْلًا مِنْكُمْ الْحُلْمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے فرمایا: لوگوں پر واجب ہے کہ وہ اجازت طلب کریں جب وہ بالغ ہو جائیں، خواہ وہ آزاد ہوں یا غلام ہوں۔ ابو اسحاق فزاری نے کہا: میں نے اوزاعی کو کہا بچے کی کیا حد ہے جس میں وہ اجازت طلب کرے؟ انہوں نے کہا: چار سال۔ فرمایا: کسی عورت پر داخل نہ ہو حتیٰ کہ اجازت طلب کر لے؛ یہ زہری کا قول ہے۔ یعنی آدمی اپنی لونڈی پر اجازت طلب کر لے اسی معنی میں یہ آیت نازل ہوئی۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ

1۔ سنن ابن ماجہ، ابواب المساجد، صلوة العشاء والفجر، جماعة، جلد 1، صفحہ 58۔ ایضاً، حدیث 789، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، فضل صلوة الجماعة، جلد 1، صفحہ 232

ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٠﴾

”اور بوڑھی خانہ نشین عورتیں جنہیں آرزو نہ ہونکاح کی تو ان پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ رکھ دیں اپنے بالائی کپڑے بشرطیکہ وہ نہ ظاہر کرنے والی ہوں (اپنی) آرائش اور ان کا اس سے بھی اجتناب کرنا ان کے لیے بہتر ہے، اور اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔“

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ۔ القواعد کا واحد قاعد بغیر تاء کے ہے تاکہ اس کا حذف دلالت کرے کہ وہ کبر (بڑھاپے) کی وجہ سے بیٹھ گئی ہے جیسے کہا جاتا ہے: امرأة حامل تاء کا حذف دلالت کرتا ہے کہ وہ حمل اٹھائے ہوئے ہے۔ شاعر نے کہا:

فلو أن ما فی بطنہ بین نسوة حبلن وإن کن القواعد عقرا (1)

اس کے علاوہ صورت میں کہا: قاعدۃ فی بیتھا وہ اپنے گھر میں بیٹھی ہے۔ حاملۃ علی ظہرھا اپنی پیٹھ پر بچہ اٹھانے والی ہے۔ الْقَوَاعِدُ عمارت کی بنیادوں کو بھی کہتے ہیں اس کا واحد قاعدہ تاء کے ساتھ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ الْقَوَاعِدُ۔ وہ بوڑھی عورتیں جو تصرف سے بیٹھ جاتی اور بچہ جنم دینے اور حیض سے بیٹھ جاتی ہیں؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ ربیعہ نے فرمایا: وہ عورتیں جن کو تو دیکھے تو اس کے بڑھاپے کی وجہ سے تو اسے ناپسند کرے۔ ابو عبیدہ نے کہا: جو بچہ جنم نہیں دیتی ہیں۔ لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات عورت بچے جنم نہیں دیتی لیکن اس سے متمتع ہوا جاتا ہے؛ یہ مہدوی کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةِ الْقَوَاعِدِ کو چادر نہ کرنے میں خاص کیا ہے، کیونکہ نفس ان سے اجتناب کرتے ہیں کیونکہ مردوں کو ایسی عورتوں سے دلچسپی نہیں ہوتی پس ایسی عورتوں کے لیے اوپر والی چادر اوڑنا مباح کیا گیا ہے جب کہ دوسری جوان عورتوں کے لیے مباح نہیں (بلکہ فرض ہے) ان سے تحفظ کی تکلیف دور کی گئی ہے جو انہیں تھکانے والی ہو۔

مسئلہ نمبر 4۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان یضعن من ثیابہن، من کی زیادتی کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ثیاب سے مراد جلاباب پردے والی بڑی چادر ہے۔ حضرت ابن مسعود سے من جلابیہن مروی ہے (2)۔ عرب کہتے ہیں: امرأة واضع اس عورت کو کہتے ہیں جو بوڑھی ہو اور اپنا دوپٹہ اتار دیا ہو۔ ایک جماعت نے کہا: وہ بوڑھی عورت جو نکاح سے مایوس ہو چکی ہو اگر اس کے بال ظاہر ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں اس بنا پر اس کے لیے دوپٹہ اتار دینا جائز ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ پردہ کرنے میں جوان عورت کی طرح ہے اور بوڑھی عورت وہ چادر نہیں کرے گی جو قمیص اور دوپٹہ کے اوپر ہوتی ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود اور ابن جبیر وغیرہما کا قول ہے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **غَيْرَ مُتَّبِعَةٍ بِزِينَةٍ**۔ اپنی زینت کو ظاہر کرنے والی نہ ہوں تاکہ اس کی طرف دیکھا جائے کیونکہ انتہائی قبیح اور حق سے دور بات ہے۔ التبرج کا معنی آنکھوں کے لیے ظاہر ہونا اور کھلنا اسی سے بروج مشیدہ اور بروج السماء والاسوار ہے یعنی ایسے ایسے محلات جن کے سامنے پردہ نہ ہو۔ حضرت عائشہ بنتی نبی سے کہا گیا: اے ام المؤمنین! آپ خضاب، رنگ، تعویذ، بالیاں، پازیب، سونے کی انگوٹھی، باریک کپڑوں کے متعلق کیا کہتی ہیں؟ حضرت عائشہ بنتی نبی نے فرمایا: اے عورتوں کے گروہ! تمہارا قصہ ایک عورت کے قصہ کی طرح ہے اللہ تعالیٰ نے زینت کو حلال کیا ہے لیکن زینت ایسے شخص کے سامنے ظاہر کرنے والیاں نہ ہوں جس کے لیے ان کو دیکھنا حلال نہ ہو لیکن یہ کہ وہ تمہیں دیکھیں حرام طریقہ پر۔ عطا نے کہا: یہ اپنے گھروں میں اجازت ہے جب گھر سے باہر نکلیں تو ان کے لیے چادریں اتارنا جائز نہیں اس بنا پر **غَيْرَ مُتَّبِعَةٍ** کا مطلب ہوگا وہ اپنے گھروں سے نکلنے والی نہ ہوں۔ اس بنا پر یہ کہنا لازم آئے گا کہ جب گھر میں ہو تو بھی قمیص کے اوپر چادر لینا ضروری ہے۔ یہ بعید ہے مگر جب اس پر کوئی اجنبی شخص داخل ہو تو پھر گھر میں بھی چادر اوڑھے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ تمام عورتوں کا کپڑے اتارنے سے بچنا اور ان کا ان چیزوں کا اہتمام کرنا جو نوجوان عورتوں کے لیے ہوتا ہے۔ وہ ان کے لیے افضل ہے۔ حضرت ابن مسعود نے وان يتعففن بغیر سین کے پڑھا ہے۔ پھر بعض علماء نے فرمایا: التبرج سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسے دو کپڑے پہنیں جو اتنے باریک ہوں کہ ان کا جسم ظاہر ہو۔ صحیح میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دو اقسام آگ والوں سے ہیں میں نے ان کو ابھی نہیں دیکھا (1)۔ ایک وہ قوم جن کے پاس گائے کی دموں کی طرح کوڑے ہیں جن کیساتھ لوگوں کو مارتے ہیں اور وہ عورتیں جو پہنے ہوئے ہوں گی (لیکن) برہنہ ہوں گی (لباس کے باریک ہونے کی وجہ سے) مائل کرنے والی ہوں گی اور مائل ہونے والی ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹوں کی کہانوں کی طرح ہوں گے جو مائل ہونے والی ہوتی ہیں۔ وہ جنت میں داخل نہ ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی اگرچہ اس کی خوشبو اتنی اتنی مسافت سے پائی جاتی ہے“۔ ابن عربی نے کہا: پہلے فرمایا وہ پہننے والیاں ہیں لیکن ان کے لباس اتنے باریک ہیں کہ ان کے محاسن ظاہر ہوتے ہیں، اس لیے فرمایا: وہ برہنہ ہیں اور یہ حرام ہے۔ میں کہتا ہوں: اس معنی میں علماء کی دو تاویلوں میں سے یہ ایک تاویل ہے اور دوسری تاویل یہ ہے کہ وہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں لیکن تقویٰ کے لباس سے برہنہ ہیں جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **لِبَاسِ التَّقْوَىٰ ذٰلِكَ خَيْرٌ** (الاعراف: 26) شاعر نے کہا:

إذا المرء لم يلبس ثيابا من التقى تقلب غزباناً وان كان كاسيا

وخيّر لباس المرء طاعة ربّه ولا خيّر فيمن كان لله عاصيا

جب انسان تقویٰ کا لباس زیب تن نہ کرے تو وہ برہنہ ہوتا ہے اگرچہ وہ لباس پہنے ہوئے ہوتا ہے۔ انسان کا بہتر لباس اس کے رب کی اطاعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے نافرمان میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں سویا ہوا تھا (2)، میں نے خواب میں لوگوں کو دیکھا وہ مجھ پر پیش کیے گئے اور ان پر

قیصیں تھیں کچھ سینوں تک پہنچتی تھیں کچھ اس سے لمبی یا کم تھیں، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما گزرے ان پر قیص اتنی لمبی تھی کہ وہ گھیٹ رہے تھے۔ صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی۔ فرمایا: ”دین“، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیص کی تعبیر دین سے کرنا اس قول سے ماخوذ ہے: **وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ** (الاعراف: 26) عرب فضل اور عفاف کو لباس سے کنایہ کرتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا: ثياب بنی عوف طہاری نقیۃ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تیری قیص کو پرانا کرے گا اگر وہ تجھ سے ارادہ کریں کہ تو اسے اتار دے تو تو اسے نہ اتارتا“۔ یہاں خلافت کو قیص سے تعبیر فرمایا یہ خوبصورت استعارہ معروف ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ تاویل بہتر ہے۔ یہ اس زمانہ میں عورتوں کے مناسب ہے خصوصاً جوان عورتیں وہ زیب و زینت کرتی ہیں اور زیب و زینت ظاہر کرتے ہوئے باہر نکلتی ہیں پس وہ لباس پہنے ہوئے ہیں، حقیقتہً، ظاہر اور باطن تقویٰ سے برہنہ بلکہ ان کا مقصود بھی یہ ہوتا ہے کہ لوگ انہیں دیکھیں۔ یہ مشاہدہ ہے اگر ان کے پاس تقویٰ نام کی کوئی چیز ہوتی تو وہ ایسا کبھی نہ کرتیں اور کوئی نہ جانتا جو کچھ وہاں ہے۔ اس تاویل کو مزید تقویت اس قول سے ملتی ہے کہ ان کے سر بنجی اونٹوں کی کہانوں کی طرح ہیں۔ بنجی اونٹ بڑے بڑے جسموں والے اونٹ ہوتے ہیں۔ اور ان کی کہانیں بڑی بڑی ہوتی ہیں۔ اس کے سر کو ان کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، کیونکہ وہ اپنے سروں کے درمیان اپنے بالوں کے جوڑے کو بلند کرتی ہیں۔ یہ بھی مشاہدہ معلوم ہے اور ان کی طرف دیکھنے والا ملوم (ملامت کیا گیا) ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں پر عورتوں سے زیادہ نقصان دہ ہو“ (1)۔ اس حدیث کو امام بخاری نے نقل کیا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى
 أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ
 إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ
 أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مَفَاتِحًا أَوْ صَدِيقِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ
 جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا ۚ فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَاسْلُمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً

مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَرَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١﴾

”نہ اندھے پر کوئی حرج ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ تم پر اس بات میں کہ تم کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالائوں کے گھروں سے یا جن گھروں کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوست کے گھر سے نہیں ہے تم پر کوئی حرج اگر تم کھاؤ سب مل کر یا الگ الگ، پھر جب تم داخل ہو گھروں میں

سلامتی کی دعا دواپنوں کو وہ دعا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے جو بڑی بابرکت (اور) پاکیزہ ہے، یونہی کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (اپنے) احکام کہ تم سمجھ لو۔

اس میں گیارہ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ اِسْ آیت کی تفسیر میں علماء کے مختلف آٹھ اقوال ہیں اور ان میں قریب ترین تین ہیں کیا یہ منسوخ ہے یا ناسخ ہے یا محکم ہے؟ (1) یہ وَلَا عَلَى نَفْسِكُمْ سے لے کر آخر تک منسوخ ہے؛ یہ عبد الرحمن بن زید کا قول ہے۔ فرمایا: یہ چیز ختم ہو چکی ہے، ابتدائے اسلام میں تھی جب کہ ان کے دروازے بند نہیں ہوتے تھے اور ان کے دروازوں پر پردے لگے ہوئے ہوتے تھے۔ بعض اوقات کوئی شخص آتا تھا وہ گھر میں داخل ہوتا تھا جب کہ وہ بھوکا ہوتا تھا اور گھر میں کوئی شخص نہیں ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اس گھر سے کھانا جائز قرار دیا تھا پھر گھروں کے دروازے بن گئے تو اب کسی کے لیے ان کو کھولنا جائز نہیں پس یہ حکم ختم ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”کوئی شخص کسی کا جانور نہ دو ہے مگر اس کی اجازت سے“ (1)۔ اس حدیث کو ائمہ نے نقل کیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت ناسخ ہے؛ یہ ایک جماعت کا قول ہے۔ حضرت علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ (النساء: 29) نازل فرمایا تو مسلمانوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے مال باطل ذریعہ سے کھانے سے منع فرمایا ہے اور طعام، اموال سے افضل ہے (2) پس ہم میں سے کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی کے پاس کھانا کھائے، پس لوگ اس سے باز آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْاَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ بِيُوْتِكُمْ اَوْ بِيُوْتِ اٰبَايِكُمْ اَوْ بِيُوْتِ اُمَّهَاتِكُمْ اَوْ بِيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بِيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بِيُوْتِ عَمَّتِكُمْ اَوْ بِيُوْتِ اٰخْوَالِكُمْ اَوْ بِيُوْتِ خَلَتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكَتُمْ مَقَاتِحَهُ فرمایا: ایک آدمی اپنا سامان دوسرے شخص کے سپرد کرتا تھا۔ میں کہتا ہوں: علی بن ابی طلحہ یہ بنی ہاشم کا غلام ہے شام میں سکونت اختیار کی ابوالحسن اس کی کنیت تھی اور ابو محمد بھی کہا جاتا تھا۔ اس کے باپ کا نام ابو طلحہ سالم تھا تفسیر میں اس پر کلام کی گئی ہے۔ بعض نے کہا: اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا بھی نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے؛ یہ بھی مقتدر اہل علم کی ایک جماعت کا قول ہے ان میں سعید بن مسیب، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود ہیں اور زہری نے عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرمایا: مسلمان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ میں شریک ہوتے تھے اور اپنی چابیاں اپنے اپنا ج لوگوں کو دے دیتے تھے اور کہتے تھے: اگر تمہیں ضرورت پڑے تو تم کھا لینا۔ وہ کہتے تھے: انہوں نے ہمارے لیے خوشی سے اس کھانے کو حلال نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: وَلَا عَلَى الْاَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ بِيُوْتِكُمْ اَوْ بِيُوْتِ اٰبَايِكُمْ۔ الخ۔ نحاس نے کہا: حدیث میں یوعبون کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی وہ تمام کے تمام جنگ میں نکلتے تھے کہا جاتا ہے: اوعب بنی فلان لبني فلان جب وہ تمام کے تمام ان کے پاس آجائیں۔ ابن السکیت نے کہا: کہا جاتا

ہے اوعب بنوں فلان جلاء یعنی شہر میں ان میں سے کوئی بھی نہیں بچا۔ جاء الفرس برکض وعبیع یعنی پوری طاقت سے دوڑ کر آیا۔ حدیث میں ہے، فی الانف اذا استوعب جدعه الدیة (1) ناک پوری کٹ جائے تو اس میں پوری دیت ہے۔ استیعاب الشئی کسی چیز کو جڑ سے اکھیر دینا۔ کہا جاتا ہے: بیت وعبیع جب گھر کھلا ہو جو کچھ اس میں ہے وہ اس کو گھیر لے۔ الضمنی سے مراد اپنا بیچ لوگ ہیں ان کا واحد ضمن ہے جیسے زمن ہے۔ نحاس نے کہا: یہ قول بہتر ہے اس سے جو کچھ اس آیت کے متعلق کہا گیا ہے کیونکہ اس میں صحابہ اور تابعین سے تعین مروی ہے کہ آیت معین چیز میں نازل ہوئی ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ کلام منظم ہے کیونکہ اپنا بیچ لوگ جہاد میں شریک نہیں ہوتے تھے اور مجاہدین کے اموال ان کے ہاتھوں میں ہوتے تھے لیکن اَوْ مَا مَلَکْتُمْ مَفَاتِحَہٗ اس کا تقاضا کرتا ہے ورنہ یہ قول بہت بعید تھا، لیکن یہ کہنا بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نابینا سے اس کا م کے کرنے کی حرج اٹھادی جس میں نظر ہونا شرط ہے اور لنگڑے سے اس کام کی تکلیف دور کردی جس میں چلنا شرط تھا اور ان افعال کا کرنا لنگڑے پن کے ہوتے ہوئے مشکل تھا۔ اور مریض سے حرج اٹھادی جس کو ساقط کرنے میں مرض موثر تھی جیسے روزہ اور نماز کی شرط اور اس کے ارکان اور جہاد اور اس جیسے اعمال اس کے بعد واضح اور مفید تفسیر ہے۔ شریعت اور عقل اس کی تائید کرتی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں نقل کی ضرورت نہیں۔ میں کہتا ہوں: ابن عطیہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے فرمایا: آیت کا ظاہر اور امر شریعت اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان لوگوں سے حرج اٹھائی گئی ہے جس کو کوئی عذر لاحق ہے اور ان کی نیت اس میں کامل طور پر کرنے کی تھی اور ان کا عذر ان سے ناقص کام کا تقاضا کرتا ہے۔ پس ان سے حرج اٹھائی گئی ہے اور جو علماء نے اس حرج کے بارے میں کہا ہے وہ یہ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ ابن زید نے کہا: یہ جنگ میں حرج ہے (2) یعنی جنگ میں پیچھے رہ جانے میں کوئی حرج نہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: وَلَا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ یہ پہلے کلام سے جدا ہے۔ ایک فرقہ نے کہا: پوری آیت کھانوں کے بارے میں ہے۔ فرمایا: عرب اور جو مدینہ طیبہ میں رہتے تھے بعثت سے پہلے معذور لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے سے اجتناب کرتے تھے۔ بعض تو نفرت کرتے ہوئے ایسا کرتے تھے کیونکہ نابینا ہاتھ کو کھانے میں گھماتا رہتا ہے اور لنگڑے کے پاس غرور کی وجہ سے نہیں بیٹھتے تھے اور مریض کی بدبو اور بیماری کی وجہ سے اس کے پاس نہیں بیٹھتے تھے یہ زمانہ جاہلیت کے اخلاق تھے اور یہ تکبر تھا تو یہ آیت یہ اعلان کرتے ہوئے نازل ہوئی اور بعض لوگ غیر معذور سے بچنے کے لیے ایسا کرتے تھے کیونکہ وہ کھانے میں صحیح لوگوں سے درجہ میں کم ہوتے تھے کیونکہ نابینے کو دکھائی نہیں دیتا اور لنگڑا مزاحمت سے عاجز ہوتا ہے اور مریض کمزور ہوتا ہے تو ان کے ساتھ کھانے کی اباحت میں آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے زہرودی کی کتاب میں فرمایا: عذروا لے لوگ اپنے عذر کی وجہ سے لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے سے بچتے تھے تو یہ آیت ان کے لیے اباحت کا اظہار کرتے ہوئے نازل ہوئی۔ بعض علماء نے فرمایا: آدمی جب کسی معذور کو اپنے گھر لے جاتا تھا اور اپنے گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں پاتا تھا تو وہ اسے اپنے قرابت داروں کے گھر لے جاتا تھا پس عذروا لے لوگ اس سے بچتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ نمبر 3۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلَا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ** یہاں سے کلام کا آغاز ہو رہا ہے یعنی اے لوگو! تم پر کوئی حرج نہیں جو مخاطب اور غیر مخاطب جمع تھے تو مخاطب کو غلبہ دیا تاکہ کلام کا نظم باقی رہے۔ قرابت داروں کے گھروں کا ذکر کیا اور بیٹوں کے گھروں کا ذکر نہیں کیا۔ مفسرین نے فرمایا: یہ نبی بیوتکم میں داخل ہیں کیونکہ بیٹے کا گھر باپ کا گھر ہوتا ہے۔ نحاس نے کہا: بعض علماء نے اس قول کی مخالفت کی ہے اور فرمایا: یہ کتاب اللہ پر حکم لگانا ہے بلکہ ظاہر میں اولیٰ یہ ہے کہ بیٹا ان کے مخالف نہ ہو۔ اور انت و مالک لاپینک (1)۔ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے کی روایت سے بھی حجت قوی نہیں ہوتی کیونکہ یہ حدیث بہت کمزور ہے اگر یہ صحیح بھی ہوتی تو اس میں حجت نہیں تھی کیونکہ نبی کریم ﷺ جانتے تھے کہ اس مخاطب کا مال اس کے باپ کا ہے یعنی مالک لک۔ تیرا مال تیرا ہے۔ باپ اور بیٹے کے درمیان میراث کا جاری ہونا اس کو قطع کر دیتا ہے۔ حکیم ترمذی نے کہا: **وَلَا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ**۔ گویا فرمایا تمہارے وہ مکان جن میں تمہارے گھر والے اور تمہاری اولاد رہتی ہے۔ پس یہاں اہل اور بیٹے کے لیے ایک چیز ہے اس شخص نے جس کا مسکن ہے اہل اور اولاد کو فائدہ پہنچایا۔ پس اس پر کوئی حرج نہیں کہ وہ ان کے ساتھ خوراک کھائے یا بیوی اور بچے کے لیے وہاں ان کی ملکیت سے کوئی چیز ہو پس اس پر اس میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ** **بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ خَالَاتِكُمْ** بعض علماء نے فرمایا: ان کے گھروں سے کھانا تب جائز ہے جب وہ اسے اجازت دیں۔ بعض علماء نے کہا: وہ اسے اجازت دیں یا نہ دیں اس کے لیے کھانا جائز ہے کیونکہ قرابت جو ان کے درمیان ہے یہ ان کی طرف سے اذن ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قرابت میں ایک مہربانی ہے اس مہربانی اور شفقت کی وجہ سے نفوس کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ ان کی کوئی چیز کھالے جب انہیں اس کے کھانے کے متعلق معلوم ہوگا تو وہ خوش ہوں گے۔ ابن عربی نے بغیر اجازت نسب کی وجہ سے کھانا ہمارے لیے مباح قرار دیا ہے جب کہ کھانا معمول کے مطابق ہو۔ جب کھانا مخصوص ہو اور محفوظ کیا گیا ہو تو پھر کھانا جائز نہیں اور یہ بھی جائز نہیں کہ وہ ذخیرہ کریں اور نہ اسکی چیز کی طرف تجاوز کریں جو کھانے والی نہ ہو اگرچہ وہ غیر محفوظ ہو مگر ان کی اجازت سے۔

مسئلہ نمبر 5۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **أَوْ مَا مَلَكَتْ يَدَاكُمْ مَقَاتِحَ** یعنی جو تم نے خزانہ کیا اور تمہارے قبضہ میں ہے۔ اور اس کو عظیم سمجھتا ہے انسان جس کا وہ اپنے گھر میں مالک ہوتا ہے اور اس کے قبضہ میں ہوتا ہے؛ یہ ضحاک، قتادہ اور مجاہد کی تاویل ہے اور جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں وکلاء، غلام اور مزدور سب داخل ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انسان کا وکیل اس کے مال کی حفاظت کرتا ہے، خازن اس کے مال کی حفاظت کرتا ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ معمولی سی چیز کھالے۔ ابن عربی نے کہا: خازن کے لیے جائز ہے کہ وہ جس کو خزانہ کرتا ہے اس سے کچھ کھائے۔ اس پر اجماع ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس کے لیے اجرت نہ ہو لیکن جب اس کے لیے اجرت ہو تو اس پر کھانا حرام ہے۔ سعید بن جبیر نے

ملکتیم میم کے ضمہ، لام کے کسرہ اور شد کے ساتھ پڑھا ہے اور مفتحہ تاء اور حاء کے درمیان یاء کے ساتھ پڑھا ہے یہ مفتاح کی جمع ہے یہ سورہ انعام میں گزر چکا ہے۔ قتادہ نے مفتحہ مفرد پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت حارث بن عمرو کے بارے میں نازل ہوئی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کے لیے نکلا اور مالک بن زید اس کے گھروالوں کی نگرانی پر تھا جب وہ واپس آیا تو اس نے مالک کو بڑی مشقت میں پایا۔ اس کی حالت پوچھی تو اس نے کہا: میں نے تیری اجازت کے بغیر تیرے مال سے کھانے سے اجتناب کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مسئلہ نمبر 6۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **أَوْصِدِيُقُكُمُ**۔ صدیق جمع کے معنی میں ہے اس طرح العدو ہے جمع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **فَأَنهَمُ عَدُوِّي** (الشعراء: 77) وہ میرے دشمن ہیں۔ جریر نے کہا:

دَعُونَ الهوى ثم اذتمين قلوبنا بأسهم أعداء وهن صدیق (1)

الصدیق وہ ہوتا ہے جو اپنی محبت میں تجھ سے سچ بولتا ہے اور تو اپنی محبت میں اس سے سچ بولتا ہے۔۔۔ پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ (الاحزاب: 53) کے ارشاد کے ساتھ اور فان لم تجدوا فيها احد افلا تدخلوها کے قول کے ساتھ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: لا يحل مال امرء مسلم الا بطيبة نفس منه (2)۔ کے ساتھ منسوخ ہے۔ بعض نے کہا: یہ محکم ہے۔ یہ صحیح ہے۔ محمد بن ثور نے معمر سے روایت کیا ہے فرمایا: میں قتادہ کے گھر داخل ہوا تو میں نے اس میں کھجوریں دیکھیں میں نے انہیں کھانا شروع کر دیا انہوں نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ میں نے کہا: میں نے تیرے گھر میں کھجوریں دیکھیں تو میں نے کھانا شروع کر دیا۔ فرمایا: تو نے اچھا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **أَوْصِدِيُقُكُمُ** عبدالرزاق نے معمر سے انہوں نے قتادہ سے۔ **أَوْصِدِيُقُكُمُ** کے تحت فرمایا: جب تو اپنے دوست کے گھر اس کے حکم کے بغیر داخل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ معمر نے کہا میں نے قتادہ سے کہا: کیا میں اس گھر سے پی لوں؟ انہوں نے فرمایا: تو میرا دوست ہے پھر یہ اجازت کیسی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو طلحہ کے باغ بیرحاء میں داخل ہوتے تھے اور ان کی اجازت کے بغیر اس کا میٹھا پانی پیتے تھے جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے۔ علماء نے فرمایا: پانی اپنے مالکوں کی ملکیت میں ہوتا ہے جب دوست کے پانی سے بغیر اجازت پینا جائز ہے تو اس کے پھلوں اور طعام سے کھانا بھی جائز ہے، جب اسے معلوم ہو کہ اس کا دوست اس سے خوشی محسوس کرے گا کیونکہ اس کے ساتھ اس کی بات چیت ہوتی ہے نیز اس میں مشقت بھی کم ہے یا ان کے درمیان محبت ہے۔ اسی مفہوم میں ام حرام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا کھلانا ہے جب وہ ان کے پاس سوتے تھے کیونکہ اغلب یہ ہے کہ جو کچھ گھر میں ہوتا ہے وہ مرد کا ہوتا ہے۔ اور اس کی بیوی کا ہاتھ اس میں عاریتہ ہوتا ہے۔ یہ تمام اسی صورت میں ہے جب تک وہ کپڑے میں باندھ کر نہ لے جائے اور اس سے اپنے مال کو بچانے کا ارادہ نہ ہو اور وہ مال معمولی حیثیت کا ہو۔

مسئلہ نمبر 7۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دوست کو خالص قرابت داروں کے ساتھ ملایا ہے کیونکہ مودت کا قرب

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 4، صفحہ 124

2۔ مجمع الزوائد، کتاب البیوم، القصد و حرمة مال مسلم، جلد 4، صفحہ 305

بہت زیادہ ملنے والا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقاش کی کتاب میں دوست، قرابت سے زیادہ موکد ہے (1)۔ آپ جہنیوں کا استغاثہ ملاحظہ نہیں کرتے **فَمَا لَنَا مِنْ شَافِيَةٍ ۝ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ۝** (الشعراء) میں کہتا ہوں، اس وجہ سے ہمارے نزدیک دوست کی دوست کے لیے شہادت جائز نہیں جس طرح رشتہ دار کی رشتہ دار کے لیے شہادت (گواہی) جائز نہیں۔ اس کا بیان اور اس کی علت سورۃ النساء میں گزر چکی ہے اور ضرب المثل ہے **أَيُّهُمْ أَحَبُّ إِلَيْكَ أَمْ صَدِيقُكَ قَالَ** آخر إذا كان صديقاً۔ تجھے کون زیادہ محبوب ہے اپنا بھائی یا دوست۔ اس نے کہا: میرا بھائی جب وہ میرا دوست ہو۔

مسئلہ نمبر 8۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا وَأَوْ أَشْتَاتًا** بعض علماء نے کہا: یہ بنی لیث بن بکر کے بارے میں نازل ہوئی یہ بنی کنانہ سے ایک قبیلہ ہے ان میں سے کوئی شخص تنہا کھانا نہیں کھاتا تھا اور وہ کئی دن تک بھوکا رہتا تھا حتیٰ کہ وہ کوئی ایسا شخص پالیتا جو اس کے ساتھ کھانا کھاتا؛ اسی سے کسی کا قول ہے:

إذا ما صنعت الزاد فالتسى له أكيلاً فإني لست أكله وخذى (2)

ابن عطیہ نے کہا: یہ سیرت انہیں حضرت ابراہیم سے میراث ملی تھی۔ حضرت ابراہیم تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ اور بعض عرب ایسے تھے کہ جب ان کا مہمان ہوتا تو وہ میزبان مہمان کے ساتھ کھانا کھاتا تھا تو آیت کریمہ کھانے کی سنت کو بیان کرنے کے لیے نازل ہوئی اور یہ سیرت عرب میں سے جو اس کے مخالف تھا اس کو یہ ختم کرنے والی ہے اور عربوں کے نزدیک تنہا کھانا جو حرام تھا اس کو مباح کرنے والی ہے اس کے ذریعے اخلاق کریمانہ کا قصد کیا ہے اور اس کو لازم کرنے میں مبالغہ کیا ہے کھانے والے کو حاضر کرنا اچھی بات ہے کہ تنہا کھانا بھی حرام نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر 9۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **جَمِيعًا وَأَوْ أَشْتَاتًا**، جمیعاً پر نصب حال کی بناء پر ہے۔ **أَشْتَاتًا** اشت کی جمع ہے۔

اشت بمعنی التفریق (جدا جدا ہونا) ہے کہا جاتا ہے: **اشت القوم** یعنی قوم جدا جدا ہوئی۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے۔ **ليس على الاعسى حرج ولا على الاعرج حرج ولا على المريض حرج والنهد والاجتماع**۔ اس باب سے مقصود بقول ہمارے علماء اکٹھا کھانا مباح ہے اگرچہ کھانے میں احوال مختلف ہوں نبی کریم ﷺ نے اس کی اجازت دی ہے پس یہ ان گروہوں میں سنت ہے جو اجتماعی کھانے، دعوت ولیمہ اور سفر میں کھانا ختم ہونے کی صورت میں کھانے کی طرف بلائے جاتے ہیں اور جس کی چاہیوں کا تو امین یا دوستی کی وجہ سے مالک ہو تو تیرے لیے رشتہ دار یا دوست کے ساتھ مل کر کھانا اور تنہا کھانا جائز ہے۔ النهد سے مراد وہ مال یا کھانا ہوتا ہے جس کو احباب خرچ کرنے کے لیے جمع کرتے ہیں پھر اسے آپس میں خرچ کرتے ہیں تو کہتے ہیں: **تناهدوا انہوں نے خوراک کو جمع کیا پھر اکٹھا خرچ کیا**۔ صاحب العین سے مروی ہے ابن درید نے کہا: اسی سے کہا جاتا ہے **تناهد القوم الشئ بینہم**، ہروی نے کہا: حسن کی حدیث میں ہے۔ **أخرا جو نهد کم فواتہ اعظم البرکة وأحسن لإخلاقکم**۔ اپنا اپنا مال یا کھانا نکالو اور جمع کرو کیونکہ اس میں بہت برکت ہوتی ہے اور تمہارے اخلاق کے لیے اچھا ہے۔ النهد جو سفر میں برابر خرچ تقسیم کرنے کے وقت احباب نکالتے ہیں اور جمع کرتے ہیں عرب کہتے ہیں:

ہات نہدک۔ نون کے کسرہ کے ساتھ اپنا کھانا لے آؤ۔ مہلب نے کہا: وہ جمع شدہ کھانا کھانے والوں کے لیے اس لئے نہیں رکھا جاتا کہ وہ برابر کھائیں بلکہ ہر ایک اپنی ضرورت کے مطابق کھاتا ہے اور کوئی شخص زیادہ بھی کھاتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: ایسا نہ کرنا تقویٰ کے زیادہ مناسب ہے اگر ایک جماعت ہر روز کسی ایک کے کھانے پر جمع ہوتی ہے تو یہ النہد سے افضل ہے کیونکہ وہ کھانا نہیں نکالتے مگر اس لیے تاکہ ان میں سے ہر ایک اس کے مال سے پہنچے پھر یہ معلوم نہیں ہوتا شاید اس نے اپنے مال سے کم کھایا ہو اور دوسروں نے اس کے مال سے زیادہ کھایا ہو۔ جب وہ ایک دن ایک کے کھانے پر جمع ہوں گے اور دوسرے دن دوسرے کے کھانے پر جمع ہوں گے اور اس میں شرط بھی نہ ہوگی تو وہ مہمان ہو جائیں گے اور مہمان خوشی سے کھاتا ہے جو اسے پیش کیا جاتا ہے۔ ایوب سختیانی نے کہا: النہد یہ تھا کہ لوگ سفر میں ہوتے تھے بعض منزل پر پہلے پہنچ جاتے تھے وہ جانور ذبح کرتے تھے، کھانا تیار کرتے تھے، پھر وہ اگلی منزل پر پہلے پہنچ جاتا تھا اور وہ اسی طرح کھانا تیار کرتا تھا تو لوگوں نے کہا: یہ جو کچھ کرتا ہے ہم بھی اس کی طرح کرنا پسند کرتے ہیں آؤ ہم ایسا کام کریں جس میں کسی کو دوسرے پر فضیلت نہ ہو تو انہوں نے نہد (مال جمع کرنا) کا پروگرام بنایا۔ نیک لوگ جب مال جمع کرتے تھے جو ان میں سے مالدار ہوتا تھا وہ اپنے ساتھیوں سے زیادہ دینے کی کوشش کرتا تھا اگر دوسرے اس سے راضی نہ ہوتے تھے تو وہ پوشیدہ ایسا کر دیتا تھا۔

مسئلہ نمبر 10۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلٰی اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّۃً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبْرَكًا طَيِّبًا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ** ⑩ مفسرین کا بیوت کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابراہیم نخعی اور حسن نے کہا: اس سے مراد مساجد ہیں (1) مطلب یہ ہے کہ مساجد میں جو تمہاری صنف سے بیٹھے ہیں انہیں سلام کرو اگر مساجد میں کوئی نہ ہوں تو آدمی کو یوں کہنا چاہیے: السلام علی رسول اللہ۔ بعض نے کہا السلام علیکم کہنا چاہیے اور اس سے فرشتوں کا ارادہ کرے، پھر کہے: السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ عبدالرزاق نے ذکر کیا ہے کہ ہمیں معمر نے خبر دی انہوں نے عمرو بن دینار سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس ارشاد کے تحت روایت کیا ہے فرمایا: جب تم مسجد میں داخل ہو تو السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہو۔ بعض نے کہا: البیوت سے مراد رہنے والے گھر ہیں، یعنی اپنے اوپر سلام کرو یہ حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور عطاء بن ابی رباح کا بھی یہی قول ہے وہ اگر ایسے گھروں میں داخل ہو جہاں کوئی نہ ہو تو انسان اپنے اوپر سلام کرے یوں کہے: السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ ابن عربی نے کہا: بیوت میں عموم کا قول صحیح ہے تخصیص پر کوئی دلیل نہیں ہے اور اس عموم کے تحت ہر گھر داخل ہے خواہ وہ غیر کا ہو یا اپنا ہو، جب غیر کے گھر میں داخل ہو تو سلام کرے جیسا حدیث میں وارد ہے۔ فرمایا السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین (2) کہے۔ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب گھر خالی ہو۔ اگر اس کے گھر میں اس کے اہل، خدام وغیرہ ہوں تو السلام علیکم کہے۔ اگر مسجد میں داخل ہو تو السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر نے خالی گھر میں یہی کہنے کی ترغیب دی ہے۔ ابن عربی نے کہا: مختار یہ ہے کہ گھر خالی ہو تو سلام

لازم نہیں ہے۔ اگر سلام فرشتوں پر مقصود ہو تو فرشتے ہر حال میں انسان کے ساتھ رہتے ہیں، لیکن تو گھر میں داخل ہو تو تیرے لیے اللہ کا ذکر کرنا مستحب ہے تو اس طرح کہے: ما شاء الله لا قوة الا بالله۔ یہ سورۃ الکہف میں گزر چکا ہے۔ قشیری نے کہا۔ **فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا** میں زیادہ مناسب یہ ہے کہ ہر گھر میں داخل ہونے کے وقت عام ہے۔ اگر اس میں کوئی مسلمان رہتا ہو تو یوں کہے: السلام علیکم وعلینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ اگر گھر میں غیر مسلم ہو تو یوں کہے: السلام علی من اتبع الهدی یا السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ ابن خویز مند اد نے کہا: مجھے ابو العباس اصم نے لکھا کہ ہمیں محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم نے بتایا انہوں نے کہا ہمیں ابن وہب نے بتایا فرمایا ہمیں جعفر بن میسرہ نے بتایا انہوں نے حضرت زید بن اسلم سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم گھروں میں داخل ہو تو ان کے رہنے والوں پر سلام کرو اور اللہ کے نام کا ذکر کرو کیونکہ جب کوئی گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرتا ہے اور کھانے پر اللہ کا نام ذکر کرتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: یہاں نہ تمہارے لیے رات گزارنے کی جگہ ہے اور نہ شام کا کھانا ہے۔ اور جب کوئی سلام نہیں کرتا جب داخل ہوتا ہے اور کھانے پر اللہ کا ذکر نہیں کرتا تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے: تم نے رات گزارنے کی جگہ اور کھانے کو پالیا۔“ میں کہتا ہوں: اس حدیث کا معنی حضرت جابر کی حدیث سے ثابت ہے جو امام مسلم نے تخریج کی ہے۔ اور ابو داؤد نے امام مالک اشجعی سے روایت کی ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو کہے اللہم انی اسألك خیرا لو جو خیر الخیر و جو بیاسم اللہ و لجننا و بیاسم اللہ خیرا و علی اللہ ربنا تو کلنا (1)۔ پھر اپنے گھر والوں پر سلام کرے۔“

مسئلہ نمبر 11۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **تَجِيءُ**۔ یہ مصدر ہے کیونکہ فسلموا کا معنی ہے فحیوا۔ برکت کے ساتھ اس کا وصف بیان فرمایا کیونکہ اس میں دعا ہے اور جس پر سلام کیا گیا ہے اس کی محبت حاصل کرنا ہے اور الطیب کے ساتھ اس کا وصف بیان کیا کیونکہ اس کو سننے والا خوشی محسوس کرتا ہے۔ کذلک میں کاف تشبیہ ہے اور ذالک اسم اشارہ ہے اور یہ ان سنن کی طرف اشارہ ہے یعنی جس طرح تمہارے لیے ان اشیاء میں تمہارے دین کی سنت بیان کی گئی ہے وہ تمہارے لیے وہ تمام چیزیں بیان کرتا ہے جس کی تمہیں تمہارے دین میں حاجت ہوتی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهُ عَلٰى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَلْبَسُوْا حَتٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ۗ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوكَ لِبَعْضٍ شَاْئِهِمْ فَاَذْنُ لِمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ اللّٰهُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱

”پس سچے مومن تو وہ ہیں جو ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر جب ہوتے ہیں آپ کے ساتھ کسی اجتماعی کام کے لیے تو (وہاں سے) چلے نہیں جاتے جب تک کہ آپ سے اجازت نہ لے لیں، بلاشبہ وہ

لوگ جو اجازت طلب کرتے ہیں آپ سے یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ پس وہ اجازت مانگیں آپ سے اپنے کسی کام کے لیے تو اجازت دیجیے ان میں سے جسے آپ چاہیں اور مغفرت طلب کیجیے ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے، بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔“

اس میں دو مسئلے ہیں۔

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ** اس آیت میں انما لہصر کے لیے ہے، معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانا یوالے کا ایمان مکمل نہیں ہوتا مگر جب وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بغیر عناد کے سننے والا ہو اس طرح کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی امر کو مکمل کرنے کا ارادہ کرتا ہو وہ اس ارادہ کے وقت اس کے زوال کے ساتھ اس کے فساد کا ارادہ کرتا ہو اللہ تعالیٰ نے سورت کے آغاز میں بیان فرمایا کہ اس نے آیات بینات نازل کیں۔ اور نزول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ اور سورت کا اختتام آپ کی متابعت کرنے کے موکد حکم کے ساتھ کیا تا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم، قرآن کے حکم کی طرح ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ امر جامع سے کیا مراد ہے؟ بعض علماء نے فرمایا: اس سے مراد وہ ہے جس کے لیے امام کو لوگوں کے جمع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس میں مصلحت کا پھیلاؤ ہوتا ہے، مثلاً دین میں سنت کو قائم کرنا، ان کے اجتماع کے ساتھ دشمن کو ڈرانا اور ضرر پر مشتمل ہو تو اس کے مشورہ کے لیے لوگوں کو جمع کرے۔ امام وہ ہوتا ہے جس کے اذن کا انتظار کیا جاتا ہے وہ امارت کا امام ہے۔ کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے نہ جائے مگر اس کی اجازت سے جب کوئی شخص اس کے اذن سے جائے گا تو اس سے سوء ظن دور ہو جائے گا۔ مکحول اور زہری نے کہا: جمعہ، امر جامع سے ہے (1)۔ نماز کے امام سے اجازت لینی چاہیے جب ریاست کا امیر اس کو امامت کے لیے مقدم کرے جب اجازت طلب کرنے والا اجازت طلب کرنا چاہے۔ ابن سیرین نے کہا: لوگ اجازت طلب کرتے تھے جب امام منبر پر ہوتا تھا۔ جب یہ زیادہ عمل ہو تو زیادہ نے کہا: جو اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھے وہ بغیر اجازت کے چلا جائے۔ یہ مدینہ طیبہ میں تھا حتیٰ کہ سہل بن ابی صالح کو جمعہ کے دن نکسیر آئی تو انہوں نے امام سے اجازت طلب کی۔ آیت کا ظاہر تقاضا کرتا ہے کہ ریاست کے امیر سے اجازت لی جائے جو احکام نبوت کی تکمیل کراتا ہے کیونکہ اسے بعض اوقات دینی امور میں سے کسی امر کے لیے کسی شخص کو روکنا ہوتا ہے، رہا صرف نماز کا امام اس کے لیے یہ نہیں ہے کیونکہ وہ دین کے اجزاء میں ایک جزء پر وکیل ہے اس شخص کا جو نبوت کے احکامات کی تکمیل و تعمیل کراتا ہے۔ روایت ہے کہ یہ آیت خندق کے کھودنے کے وقت نازل ہوئی جب قریش آئے تھے اور ان کا قائد ابوسفیان تھا۔ غطفان قبیلہ کے لوگ آئے تھے اور ان کا قائد عیینہ بن حصن تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے ارد گرد خندق کھودنے کا حکم دیا۔ یہ شوال سنہ 5 ہجری میں واقعہ پیش آیا تھا۔ منافق لوگ کام کرنے سے آہستہ آہستہ کھسک جاتے تھے اور جھوٹے عذر پیش کرتے تھے۔ اشہب اور ابن عبد الملک نے امام مالک سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اسی طرح محمد بن اسحاق نے کہا۔

سعید بن جبیر اور مجاہد نے کہا: اس کا مطلب ہے تم کہو: یا رسول اللہ! اور نرم اور عزت آمیز ملائم لہجہ میں کہو، گستاخانہ انداز میں: یا محمد! نہ کہو۔ قتادہ نے کہا: انہیں حکم دیا کہ رسول کریم کی عزت و احترام کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا مطلب ہے رسول کریم ﷺ کو ناراض کر کے اپنے خلاف دعا کا موجب نہ ہو کیونکہ آپ کی دعا قبول ہوتی ہے۔ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا۔ التسلل اور الإسلال کا معنی ہے نکلنا لہذا، الملاوذة سے مشتق ہے کسی چیز کی آڑ لینا تاکہ کوئی دیکھ نہ لے۔ منافق لوگ نماز جمعہ سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر کھسک جاتے تھے۔ لِوَاذًا حال کی جگہ میں مصدر ہے یعنی ملاوذین، یعنی ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہیں۔ یہ وہ رسول اللہ ﷺ سے چھپنے کے لیے کرتے تھے، کیونکہ منافقین پر جمعہ کے دن اور خطبہ میں حاضری سے بھاری کوئی اور چیز نہیں تھی؛ یہ نقاش نے حکایت کیا ہے۔ اس پر گفتگو گزر چکی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا: وہ جہاد سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر لوٹ جاتے تھے۔ حسن نے کہا: لہذا جہاد سے فرار ہوتے ہوئے؛ اسی سے حضرت حسان کا قول ہے:

دقریش تجول منا لِوَاذًا لم تحافظ وخفت منها الخلووم (1)

واذ صحیح ہے کیونکہ لاوذ میں واو متحرک ہے کہا جاتا ہے: لاوذیلاوذ ملاوذة، ولوذا اور لاذیلوذ لہذا ولہذا۔ یہاں واو کسرہ کے بعد یاء سے بدل گئی ہے کیونکہ لاذ میں تعلیل ہو چکی ہے۔ جب فاعل کا مصدر ہو تو تعلیل نہیں کی جائے گی، کیونکہ فاعل میں تعلیل کرنا جائز نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فليخذوا الذین یخالفون عن امری اس آیت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ امر و جوب کے لیے ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کے حکم کی مخالفت سے ڈرایا ہے۔ اور ان تَصِيْبُهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبُهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ کے ارشاد سے نافرمانی پر سزا کی پیروی کرنا واجب ہے۔ فتنہ سے مراد یہاں قتل ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ عطاء نے کہا: اس سے مراد زلزلے اور ہولناکیاں ہیں۔ جعفر بن محمد نے کہا: ظالم بادشاہ ہے جو ان پر مسلط کیا جاتا ہے بعض نے کہا فتنہ سے مراد رسول کریم ﷺ کی مخالفت کی نحوست کی وجہ سے دلوں پر مہر لگا دینا ہے۔ امرہ میں ضمیر کا مرجع بعض علماء کے نزدیک امر اللہ ہے؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ بعض نے کہا: امر رسول ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے، یخالفون عن امری یعنی رسول کریم ﷺ کے حکم سے اعراض کرتے ہیں۔ ابو عبیدہ اور حفش نے کہا: عن، اس جگہ زائدہ ہے۔ خلیل اور سیبویہ نے کہا: زائدہ نہیں ہے اس کا معنی ہے وہ آپ ﷺ کے حکم کے بعد مخالفت کرتے ہیں جیسے شاعر نے کہا: لم تتنطق عن تفضل۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَكُفُّوا عَن اَمْرِ رَاٰیہُمْ (الکہف: 50) یعنی بعد امر رہے۔ اور ان یحذر کی وجہ سے محل نصب میں ہے اور اکثر نحو یوں کے نزدیک حذر زید ا جائز نہیں اور ان میں یہ جائز ہے کیونکہ حروف جارہ اس کے ساتھ حذف ہوتے ہیں۔

اَلَا اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ قَدْ يَعْلَمُ مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۗ وَيَوْمَ يُزْجَعُونَ

اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٥٠﴾

”سن لو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ خوب جانتا ہے جس حالت پر تم ہو اور اس دن جب وہ لوٹائے جائیں گے اس (کی بارگاہ) کی طرف تو وہ انہیں آگاہ کرے گا جو انہوں نے کیا تھا اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اَلَا اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** یعنی تخلیق اور ملک سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ **قَدْ يَعْلَمُ مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ** وہ تمہیں اس پر جزاء دے گا اور یہاں **يَعْلَمُ** بمعنی علم ہے۔ **وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ اِلَيْهِ** پہلے خطاب کے صیغے ذکر فرمائے اب خبر کی طرف رجوع فرمایا اس کو خطاب التلوین کہا جاتا ہے۔ **فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا** ان کے اعمال کے متعلق انہیں خبر دے گا اور انہیں ان کی جزاء دے گا۔ **وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ** ۱۵ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال اور احوال کو خوب جاننے والا ہے۔

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين۔ سورۃ النور کی تفسیر قرطبی کا ترجمہ 3 جولائی بروز جمعرات 2008ء صبح آٹھ بج کر پندرہ منٹ پر ختم ہوا۔ اے میرے کریم رب! آسمان وزمین کے خالق و مالک اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرما اور اسے دنیا و آخرت کی سعادتوں کے حصول کا باعث بنا۔ میرے والدین، میرے مشائخ، میرے اساتذہ کرام، طلباء، میرے اہل بیت سب کی بخشش کا سبب بنا۔

بجاء سيدنا محمد المصطفى ﷺ واصحابه اجمعين۔

سيد محمد اقبال شاہ عفی عنہ

شہرہ آفاق، عالمگیر اور متداول مجموعہ ہائے حدیث

کانیا ایمان افروز
اور
روح پرور ترجمہ

صحاح ستہ

ادارہ ضیاء
بھیرہ شریف
سنن کی زیر نگرانی

مرکزی دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے علماء کی نئی کاوش

سنن ابی داؤد
جلد 3

صحیح مسلم
جلد 3

بخاری شریف
جلد 3

ابن ماجہ
جلد 2

جامع ترمذی
جلد 2

سنن نسائی
جلد 3

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

زیور طباعت سے آراستہ ہو کر
منظر عام پر آچکی ہے

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

کی شہرہ آفاق تفسیر کا جدید، سلیس، دلکش، دلاویز اردو ترجمہ

ادارہ ضیاء بھیرہ شریف کی زیر نگرانی

مرکزی دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے علماء کی ایک نئی کاوش

تفسیر ظہری 10 جلد

زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی ہے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کتابِ رشد و ہدایت کی ہمہ گیر آفاقی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے

نور و سرور اور جذبہ حب رسول ﷺ پر مبنی آیات احکام کی مفصل وضاحت
اردو زبان میں پہلی مرتبہ

تفسیر احکام القرآن جلد 7

مولانا محمد جلال الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ

آیات احکام کا مفصل لغوی و تفسیری حل، امہات کتب تفسیر کی روشنی میں
مفسرین کی تصریحات کے مطابق پیش کیا گیا۔

یہ تفسیر طلباء، علماء، وکلاء، حجاز اور عوام و خواص کے لئے قیمتی سرمایہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

آج ہی طلب فرمائیے

